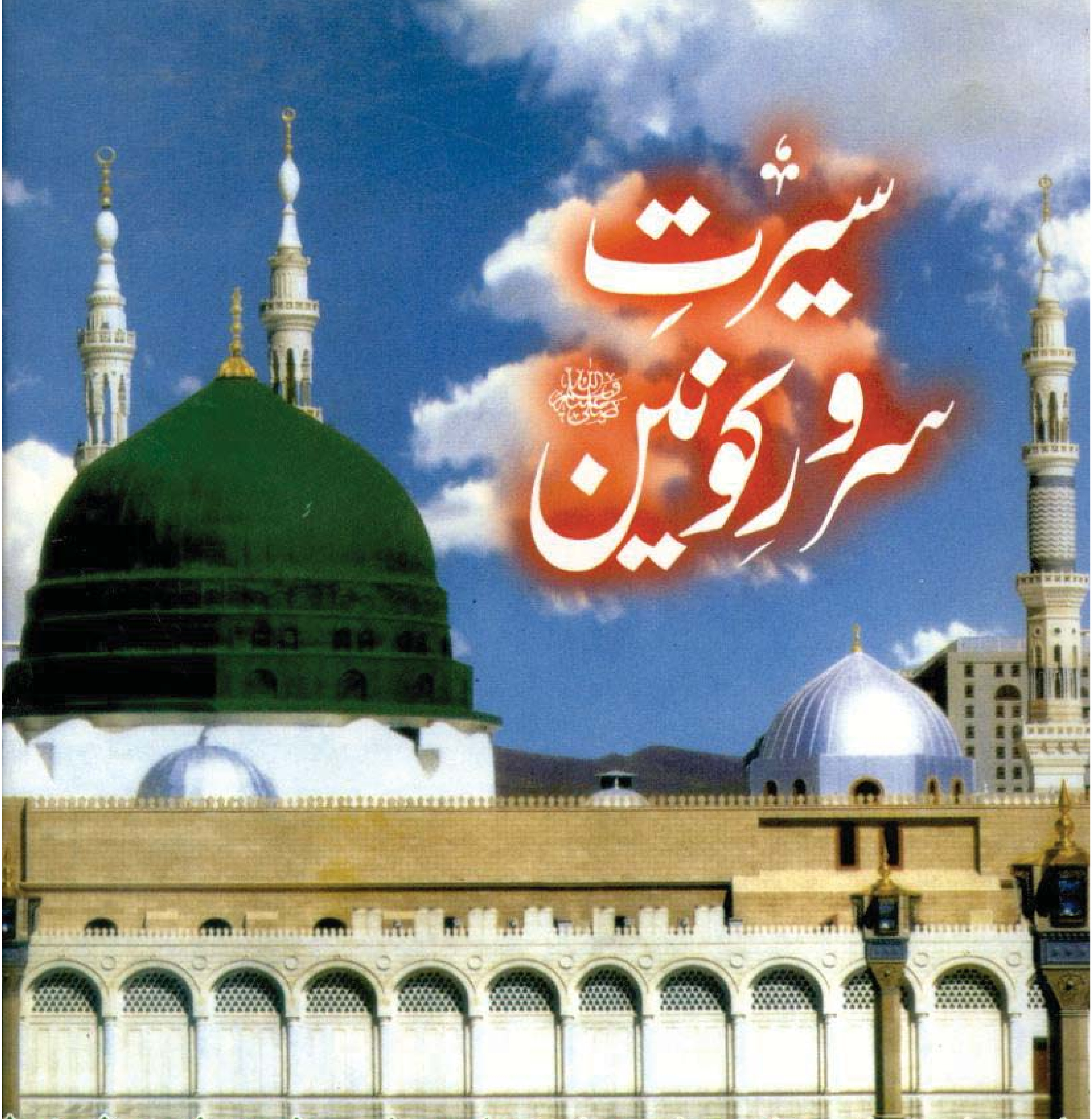
سیرتِ سرورِ کونین ﷺ



حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا

آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! بلا شبہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں

القرآن ۷/۱۵۸

سیرتِ سرورِ کونین ﷺ

سیرتِ طیبہ پر اردو زبان میں عام فہم اور مفصل کتاب جس کا ہر جز
مستند سیرت کی کتابوں سے ماخوذ ہے۔ کتبِ تفسیر و حدیث اور
سیرت کے مکمل حوالوں کے ساتھ ہر مسلم گھرانے کی ضرورت۔

جلد اوّل

تصنیفِ لطیف

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

عرضِ مرتّب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی بعث نبیہ المصطفٰی محمدً الذی أُخرج بہ النّاس من ظلمات الکفر والشرك الی النور والھُدٰی من اطاعہ واتبعہ اھتدٰی ومن عصاہ فقد ضلّ وغوٰی صلّی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ مصابیح الدّجٰی وبارك وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا ۔

امّا بعد۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ وہ اہم اور سدا بہار موضوع ہے جس پر ہر دور کے اہلِ علم وفضل نے قلم اٹھایا ہے اور ہر ایک نے والہانہ انداز میں سیرت طیبہ کے مضامین اور واقعات کو قلمبند کیا ہے۔ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے تمام واقعات کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نہایت امانت داری، جانثاری اور پورے اہتمام کے ساتھ محفوظ کیا اور قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے ایسا قیمتی سرمایہ چھوڑ گئے کہ پڑھنے والے کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ بچشم خود ان واقعات کو رونما ہوتا دیکھ رہا ہے۔

رسولِ برحق، محبوبِ خدا، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وافعال کو وہ اہمیت اور عظمت حاصل ہے جو انسانی تاریخ میں کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔ جانثاروںؓ نے آپؐ کی کنگھی، سُرمہ دانی، تکیہ اور بستر تک کے بارے میں مکمل معلومات کو محفوظ کر کے بیان کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مُبارک سے نکلا ہوا ہر لفظ شریعت اور دین ہے اور آپؐ کا ہر عمل قابلِ تقلید ہے سوائے ان اعمال کے جن کے بارے

میں آپؐ نے خود بتادیا کہ یہ میری خصوصیت ہے۔

سیرت طیبہ سے پوری شریعت واضح ہو جاتی ہے اور مکمل ضابطہ حیات سامنے آجاتا ہے۔ صبر و شکر، عبادت و ریاضت، قناعت و زہد، استغناء عن الخلق، اللہ کے دشمنوں سے جہاد، صلح و جنگ کے اصول، تربیتِ اولاد، ازدواجی زندگی غرضیکہ ہر معاملے میں مکمل راہنمائی ملتی ہے۔

حضرت والد ماجد مفتی محمد عاشق الٰہی بلندشہری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ جب تفسیر انوار البیان لکھ کر فارغ ہوئے تو "سیرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم" لکھنا شروع کر دی اور مختلف موضوعات اور واقعات لکھ کر" ادارۃ المعارف کراچی" کے ناظم جناب محمد مشتاق سُنّی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کے پاس بھیجتے رہے۔ حضرت والد صاحبؒ کا خیال تھا کہ جب کتابت مکمل ہو جائے گی تو سلسلہ وار مضامین مرتب کر دیئے جائیں گے۔ ابھی تصنیفی کام جاری ہی تھا کہ حق تعالیٰ کی جانب سے بُلاوا آگیا اور ۲۱ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ ہجری کو روزہ کی حالت میں تلاوتِ قرآن کے بعد انہوں نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ رفع اللہ درجاتہ۔ میری سعادت ہے کہ سیرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جلد اوّل مرتب کر کے طباعت کے لئے بھیج رہا ہوں۔ اس کے تمام مضامین حضرت والد صاحبؒ کے لکھے ہوئے ہیں بندہ نے صرف ترتیب دی ہے۔ ان شاء اللہ باقی حصّہ بھی جلد مکمل کر کے ارسال کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مقبولیت عطا فرمائے۔ حضرت والد صاحب نوّر اللہ مرقدہ پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور مجھے بھی ان کے اخلاص و تقویٰ کا کچھ حصّہ عطا فرمائے۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیّد خلقہ سیّدنا محمّد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

عبداللہ المدنی

۵ رشوال ۱۴۲۲ھ ہجری

بمقام مسجد نبوی شریف، جوار الروضۃ الشریفہ

ضروری وضاحت اور کلماتِ تشکر

بقلم مولانا عبد اللہ البرنی المدنی حفظ اللہ
خلف الرشید حضرت مفتی محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین وامام المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ امابعد۔

سیرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی جلد ثانی آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کے بیشتر مضامین حضرت والد ماجد نور اللہ مرقدہ کے لکھے ہوئے ہیں البتہ فتح مکہ، حجۃ الوداع اور رفیق اعلیٰ کی طرف رحلت احقر نے لکھے ہیں، میرے پروردگار کا مجھ پر بے انتہا کرم ہے کہ اس نے اس بندہ کو سیرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب وتکمیل کی سعادت نصیب فرمائی ورنہ مجھ جیسا نالائق ہرگز اس قابل نہیں کہ اشرف الخلائق، سید المرسلین، امام الثقلین، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے بارے میں کچھ لکھ سکے لیکن رب کا فضل وکرم شامل حال رہا اور یہ کام بندہ کے ہاتھوں انجام پایا فللہ الحمد کثیرا کما ینعم کثیرا۔ اَللّٰھُمَّ زِدْنِیْ مِنْ فَضْلِکَ وَلَا تَنْقُصْنِیْ۔

جو حضرات اس کتاب سے مستفید ہوں احقر کو اور احقر کے والدین کو دعائے خیر میں یاد فرمالیا کریں۔ انہ تعالیٰ مجیب الدعوات ومفیض الجود والبرکات۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

عبد اللہ البرنی المدنی
۱۶ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ

مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

فہرست مضامین

سیرتِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

کتابت: محمد اشرف طور

فہرست مضامین

سیرتِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

مُقدّمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم بالحق المتین، وانزل علیہ القرآن المبین وجعلہ خاتم الانبیاء والمرسلین، والصلوٰۃ والسلام علی سید الخلائق اجمعین محمد الذی ارسل رحمۃ للعالمین وبعث الی کافۃ الانس والجن بالبلاغ المبین، وعلی اٰلہ واصحابہ ومن اتبعھم باحسان الی یوم الدین، الذین حفظوا القرآن والسنن و نشروھا فی کافۃ الناس اجمعین واشاعوا اوصاف نبیھم المرضیۃ و اخلاقہ الکریمۃ الی اقصی الارضین، عاملھم اللہ تعالٰی باللطف الخفی والفضل المبین۔

اما بعد! اللہ تعالیٰ سب کا خالق اور مالک ہے، ساری مخلوقات پر لازم ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے کے شکرگذار بھی ہوں اور اس کے حکموں پر بھی چلیں آسمان اور زمین اور چاند سورج، ستارے اور جبال و بحار سب اس کے حکم کے تابع ہیں اس کی مخلوق میں انسان بھی ہیں اور جنات بھی، ان دونوں جماعتوں کو اللہ تعالیٰ نے سمجھ دی ہے اور عمل کرنے کا اختیار دیا ہے اور یہ ان کا امتحان ہے، دونوں قوموں میں فرمانبردار بھی ہیں اور نافرمان بھی، فرمانبرداری کا مطلب یہ ہے کہ پیدا کرنے والے نے جو حکم دئے ہیں ان کے مطابق چلیں اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سے بچیں۔

اللہ تعالیٰ نے نبوت اور رسالت کا سلسلہ جاری فرمایا تاکہ نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ بندوں تک اس کے احکام پہنچیں اور بندے ان پر عمل کریں، حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان بھی تھے اور سب سے پہلے نبی بھی تھے جب اللہ تعالےٰ نے ان کو اور انکی بیوی حضرت حوا کو زمین پر بھیجا تو اسی وقت فرما دیا:۔

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى فَمَنْ	سو اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے
تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ	سو جو شخص میری ہدایت کا اتباع کرے گا تو ایسے
وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا	لوگوں پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے اور
وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ	جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا تو
النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (البقرہ ۳۸،۳۹)	یہ لوگ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے

معلوم ہوا کہ بندے زندگی گذارنے میں آزاد نہیں ہیں ان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں پر چلیں، ان حکموں کو خود تجویز نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ جو احکام بھیجے ہیں انہی پر ہر مرد و عورت کو چلنا لازم ہے اگر بندوں پر رکھ دیا جاتا کہ تم اپنی سمجھ سے عبادت کرو تو ہر ایک اپنے اپنے طریقہ پر عبادت کا طریقہ نکال لیتا اور بہت بڑا اختلاف ہوتا اور اپنے خالق اور مالک کے بارے میں اپنی طرف سے غلط عقیدے بنالیتے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ مخلوق کی پرستش اور پوجا کرنے لگتے، دیکھو اسی دنیا میں نظروں کے سامنے اسلام کے نہ ماننے والوں کے کتنے فرقے ہیں اور کافروں کی کتنی جماعتیں ہیں، آگ کے پوجنے والے بھی ہیں، بنی آدم سورج کو بھی پوجتے ہیں گنگا جمنا کے بھی پجاری ہیں انہوں نے گائے کو بھی معبود بنا رکھا ہے، بتوں کے سامنے بھی ماتھا ٹیکتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں جو اپنے تراشے ہوئے اور اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے ہیں، بتوں کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ ان پر جو چڑھاوا چڑھایا جاتا ہے اگر مکھی اسے کھانے لگے یا ان سے چھین کر اڑ جائے تو چھڑا نہیں سکتے۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور نبیوں سے ہٹے انکی حماقتوں کا یہی حال ہے، ان لوگوں میں حلال و حرام کی بھی کوئی تمیز نہیں، شراب پیتے ہیں سود بھی لیتے ہیں اور بہت سے برے برے کام کرتے ہیں، فحاشی میں مشغول رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری فرمایا نبی اور رسول بھیجے انہوں نے انسانوں کو اور جنات کو اچھی باتوں اور اعمالِ صالحہ کی تعلیم دی، اور برائیوں اور بدکرداریوں سے منع فرمایا، ان کو خالق اور مالک کی عبادت کے طریقے بتائے، اچھے

اخلاق بھی سمجھائے، رہن سہن کے اچھے طریقے سکھائے اور یہ بھی بتایا کہ دنیا میں جو عمل کریں گے آخرت میں اس کا بدلہ ملے گا دنیا ایک دن ختم ہوگی قیامت قائم ہوگی نبیوں اور رسولوں پر ایمان لانے والے جنّت میں اور ان کے منکر دوزخ میں جائیں گے۔

حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے نبی تھے اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں آپ سب سے آخری نبی ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ پر نبوت اور رسالت ختم فرمادی آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا جو شخص آپ کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کرے اور جو شخص اس کو سچا جانے دونوں کافر ہونگے اور قیامت کے دن دوزخ میں جائیں گے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد انکی نسل دنیا میں پھیلتی رہی، انہی میں سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام بھی آتے رہے توحید کی دعوت دیتے رہے اور احکام الٰہیہ سکھاتے رہے، شیطان بھی اپنی کوشش کرتا رہا اور اس نے بہت بنی آدم پر قابو پالیا۔ بڑی تعداد میں انسانوں کو کفر اور شرک پر لگا دیا، بہت سے انسان غیر اللہ کی پرستش کرنے لگے اور نسل در نسل انسانوں میں کفر و شرک پھیلتا چلا گیا، جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام تشریف لائے تھے ان میں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام بھی تھے، ان کے بعد دین سماوی کے ماننے کا دعویٰ کرنے والے تھے، لیکن ان کا دعویٰ جھوٹا تھا اپنے عقائد بدل چکے تھے توریت شریف اور انجیل شریف کو گم کرچکے تھے، یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصرانیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بتادیا بلکہ نصاریٰ تو اور آگے بڑھ گئے انہوں نے کہہ دیا کہ کئی معبود ہیں، اللہ تعالیٰ کی عبادت میں حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کو بھی معبود بنالیا۔

سورۃ المائدہ میں ارشاد فرمایا:۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ	بلاشبہ وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے یوں کہا
اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ	کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے حالانکہ مسیح نے
الْمَسِيْحُ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا	فرمایا ہے کہ اے بنی اسرائیل تم اللہ کی عبادت

اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ ؕ	کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے
اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ	بلاشبہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے
فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ	تو اس میں شک نہیں کہ اللہ نے اس پر
الْجَنَّۃَ وَمَاْوٰىہُ النَّارُ ؕ	جنت حرام کردی اور اس کا ٹھکانہ دوزخ
وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ	ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔
اَنْصَارٍ ۔ لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ	بلاشبہ وہ لوگ کافر ہوگئے جنہوں نے
قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ	کہا کہ اللہ تین معبودوں میں سے ایک
ثَلٰثَۃٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰہٍ	معبود ہے حالانکہ ایک معبود کے علاوہ
اِلَّاۤ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ	کوئی معبود نہیں اور اگر اس بات سے
لَّمْ یَنْتَہُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ	باز نہ آئے جو وہ کہتے ہیں تو ضرور ضرور
لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا	ان لوگوں کو جو ان میں کفر ہی پر جمے
مِنْہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۷۲،۷۳)	رہیں درد ناک عذاب ہے۔

دونوں فریق (یہود و نصاریٰ) حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی شریعت کو بدل چکے تھے، اللہ کی کتاب میں تحریف بھی کی اور اس کی حفاظت بھی نہ کرسکے۔ اپنی گمراہی کے باوجود دوسروں سے یوں کہتے تھے کہ ہمارے دین پر آجاؤ ہدایت مل جائے گی (وَقَالُوْا کُوْنُوْا ھُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی تَھْتَدُوْا) (البقرۃ: ۱۳۵) اور یوں بھی کہتے تھے کہ جنت میں صرف ہم ہی داخل ہوں گے (وَقَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّۃَ اِلَّا مَنْ کَانَ ھُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی (البقرۃ: ۱۱۱) اس کے باوجود یہود کو دوزخ میں جانے کا بھی یقین تھا۔

سورۂ بقرہ میں فرمایا وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَۃً (۸۰) (اور انہوں نے کہا کہ ہمیں دوزخ کی آگ نہیں پہنچے گی مگر چند دن) ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰہِ عَھْدًا فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰہُ عَھْدَہٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۸۰) آپ فرما دیجئے کیا تم نے

اللہ کے پاس سے کوئی عہد لے لیا ہے جس کی وہ خلاف ورزی نہ کرے گا یا اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاتے ہو جنہیں تم نہیں جانتے) یعنی یہ بات تم نے اپنے پاس سے خود بنائی ہے اور اللہ تعالیٰ پر تہمت رکھی ہے کہ وہ تمہیں تمہارے کفر و شرک کے باوجود دوزخ سے نکال لے گا۔ یہودیوں کو علم کا دعویٰ بھی تھا اپنے عوام کو ان کے مطلب کے مسائل بتاتے تھے اور ان پر پیسے بھی لیتے تھے۔ سورۃ الاعراف میں فرمایا:

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ۗ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۗ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۱۶۹)

پھر ان کے بعد ایسے ناخلف آگئے جو کتاب کے وارث بنے جو اس گھٹیا چیز کے سامان کو لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عنقریب ہماری مغفرت کردی جائے گی اور اگر ان کے پاس اسی جیسا اور سامان آجائے تو اسے لے لیتے ہیں کیا ان سے کتاب کا یہ عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ کی طرف حق کے سوا کسی بات کی نسبت نہ کرو، اور انہوں نے اس کو پڑھ لیا جو کتاب میں ہے اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو ڈرتے ہیں کیا تم سمجھ نہیں رکھتے؟

اور سورۃ المائدہ میں یہودیوں کی حرام خوری کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ

اور آپ ان میں سے بہت سوں کو دیکھیں گے جو گناہ میں اور ظلم میں اور حرام کھانے میں تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں یہ واقعی بات ہے کہ وہ اعمال بُرے ہیں جو یہ لوگ کرتے ہیں کیوں نہیں منع کرتے ان کو درویش اور اہلِ علم گناہ کی باتیں کہنے سے

وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (۶۳:۵) | اور حرام کھانے سے، واقعی وہ کرتوت برے ہیں جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

یہ ان لوگوں کا حال تھا جو اپنے پاس دین سماوی ہونے کے دعویدار تھے ان کے علاوہ دنیا میں بسنے والی دیگر اقوام بھی کفر اور شرک کو اپنائے ہوئے تھیں، حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ السلام جو داعی توحید تھے جنہوں نے کعبہ شریف بنایا تھا اور اللہ جل شانہ سے دعا کی تھی وَ اجْنُبْنِيْ وَ بَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراہیم: ۳۵) (اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو بتوں سے محفوظ فرما) ان کی نسل مکہ معظمہ میں آباد تھی اور اہل عرب دوسرے شہروں میں بھی رہتے تھے لیکن صدیوں سے بت پرستی کو اپنا چکے تھے اس سے تو حد ہو گئی کہ خاص کعبہ شریف میں تین سو ساٹھ بت رکھ دیے تھے اور سرزمین عرب میں بڑے بڑے بت تھے جن کے نعرے لگاتے تھے اور ان پر چڑھاوے چڑھاتے تھے اور ان کی زیارت و عبادت کے لیے دُور دُور سے آتے تھے۔ قرآن مجید میں ان کے مشہور تین بتوں یعنی لات عزّٰی اور منات کا تذکرہ فرمایا ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اور اس بات سے شرماتے تھے کہ ہمارا کوئی داماد بنے گا جب گھر میں کوئی لڑکی پیدا ہوتی تھی تو چھپے چھپے پھرتے تھے، لوگوں کے سامنے اپنی خفت اور بے آبروئی محسوس کرتے تھے (يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ (نحل)) بلکہ اس خیال سے کہ کہاں سے کھلائیں گے لڑکوں کو بھی قتل کر دیتے تھے۔ سورۃ الانعام میں فرمایا وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۚ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ (۱۵۱) اہل عرب حج بھی کرتے تھے ایک تو مرد و عورت سب مل کر ننگے ہو کر طواف کرتے تھے۔ شیطان نے انہیں پٹی پڑھائی تھی کہ بھلا جن کپڑوں میں گناہ کرتے ہو انہی میں طواف کرو گے، ان لوگوں نے ایک بت مروہ پر رکھ دیا تھا اور ایک صفا پر، اور تین سو ساٹھ بت کعبہ شریف میں رکھ رکھے تھے، زنا کاری بھی عام تھی،

فاحشہ عورتوں نے جھنڈے لگا رکھے تھے[1] متوفی کی بیوی سے نکاح کر لیتے تھے۔ سُود کا لین دین بھی عام تھا ایک ایک آدمی دس دس عورتیں رکھتا تھا جن لوگوں کی باندیاں ہوتی تھیں ان سے کہتے تھے کہ زنا کر کے پیسے کما کر لا، حرام حلال کی کوئی تمیز نہ تھی، مُردہ جانور بھی کھا جاتے تھے اور بعض جانوروں کو اپنے اوپر خود ہی حرام کر رکھا تھا، قبائل کی آپس میں جنگ رہتی تھی، ایک دوسرے کو کھائے جاتے تھے۔

انسانوں کی تخلیق سے پہلے اللہ تعالےٰ نے جنّات کو پیدا فرمایا تھا، ان میں بعض ایسی صفات ہیں جو بنی آدم میں نہیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ نظروں سے غائب رہ سکتے ہیں، دوسرے یہ ہے کہ بنی آدم کا ہم شکل بن کر سامنے آ سکتے ہیں، شرارت کا مادہ ان میں زیادہ ہے جب بنی آدم دنیا میں آئے اور ان میں کافر اور نافرمان ہوئے تو ان پر کافر اور نافرمان جنّات نے قبضہ کر لیا، انسانوں کو ستانا، صورتیں بدل کر آنا، خوابوں میں آنا اور ڈرانا شروع کر دیا جو بنی آدم حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اتباع اور اطاعت سے الگ ہوئے بآسانی شیاطین نے ان پر تسلط کر لیا، لوگ ان سے ڈرنے بھی لگے اور ان کی عبادت بھی کرنے لگے، شیاطین ان کے سامنے صورتیں بدل بدل کر آئے۔ پھر ان صورتوں کی طرح بنائے ہوئے بُتوں کی عبادت پر ڈال دیا، انسانوں کے خوف اور ڈر کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی سفر میں رات کو کہیں خوف زدہ جگہ میں ٹھہرنا ہوتا تو ان میں سے بعض لوگ یوں پکارتے تھے یا عزیز ھٰذا الوادی اعوذ بك من السفھاء الذین فی طاعتك (اے اس وادی کے سردار میں ان بے وقوفوں سے تیری پناہ لیتا ہوں جو تیری فرمانبرداری میں ہیں) اس بات نے جنّات کو اور اوپر چڑھا دیا اور بد دماغ بنا دیا وہ سمجھنے لگے کہ دیکھو ہم اتنے بڑے ہیں کہ جنّات اور انسان ہم سے ہماری پناہ لیتے ہیں، جیسا کہ مصیبت کے وقت

---

[1] ذکرہ ابو داؤد فی سننہ (راجع انکحۃ الجاھلیۃ)

اللہ تعالیٰ کی پناہ لی جاتی ہے اسی طرح ہماری پناہ لی جاتی ہے۔

حضرت خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے شیاطین نے ایک دھندہ بنا رکھا تھا۔ انسانوں میں کچھ لوگ کاہن بنے ہوئے تھے یہ لوگ آنے والے واقعات کی خبریں بتایا کرتے تھے اور یہ خبریں شیاطین ان کے پاس لاتے تھے، شیاطین کا یہ طریقہ تھا کہ آسمان کے قریب تک جاتے تھے اور وہاں جو زمین میں پیش آنے والے حوادث کا فرشتوں میں ذکر ہوتا تھا اُسے سن لیتے تھے پھر کاہنوں کے کان میں آکر کہہ دیتے تھے۔ کاہن اس بات کو لوگوں تک پھیلا دیتے تھے یہ بات چونکہ اوپر سے سُنی ہوئی ہوتی تھی اس لئے صحیح نکل جاتی تھی۔ سُننے والے ان کاہنوں کے معتقد ہو جاتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو اس کو آنے والے واقعات کا علم نہ ہوتا تو پہلے کیسے بتا دیتا؟ اس طرح سے شیاطین اور کاہنوں نے مل کر انسانوں کو بہکانے کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو شیاطین کو اوپر پہنچنے سے روک دیا گیا اس کے بعد سے ان میں سے کوئی فرد خبریں سننے کے لئے اوپر پہنچتا تو اس پر انگارے پھینکے جانے لگے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جب یہ صورت حال پیش آئی تو شیاطین آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان آڑ لگا دی گئی ہے اور ہم پر انگارے پھینکے جانے لگے ہیں لہٰذا زمین کے مشارق اور مغارب میں سفر کرو اور دیکھو کہ وہ کیا نئی چیز پیدا ہوئی ہے جس کی وجہ سے ہمیں آسمانی خبریں سننے سے روک دیا گیا ہے۔

چنانچہ انہوں نے زمین کے مشارق اور مغارب کا سفر کیا اور اصل صورتحال کا سراغ لگاتے ہوئے گھومتے پھرے۔ ان میں کی ایک جماعت تہامہ کی طرف آئی (یہ عرب کا وہ علاقہ ہے جس میں حجاز واقع ہے) اس جماعت نے دیکھا کہ مقام نخلہ میں آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کو نماز فجر پڑھا رہے ہیں جب ان کے کانوں میں قرآن کی آواز پہنچی تو خوب دھیان کے ساتھ سننے لگے

اور آپس میں کہنے لگے کہ ہو نہ ہو یہی چیز ہے جو تمہارے خبریں سُننے کے درمیان حائل ہوگئی ہے اس کے بعد وہ اپنی قوم کی طرف واپس ہوگئے اور ان سے کہا: اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّهْدِیْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا (الجن:۱) اس پر اللہ تعالےٰ نے قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ نازل فرمائی[1]۔

شیاطین جس آزادی سے آسمان تک جاتے تھے اور وہاں فرشتوں کا جو مذاکرہ دنیاوی امور سے متعلق ہوتا تھا اسے سُن کر نیچے آجاتے اور کاہنوں کے کان میں ڈال دیتے تھے۔ یہ سلسلہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر ختم ہوگیا لیکن شیاطین نے ایک اور دھندہ نکالا اور وہ یہ کہ پیچھے سے لے کر بادلوں تک پرا لگا لیتے ہیں اور وہاں فرشتوں کی باتیں سُننے کے لئے کان لگا کر بیٹھتے ہیں اُن پر انگارہ پھینک دیا جاتا ہے اس انگارہ کے لگنے سے پہلے کوئی بات سُن کر اوپر والے نے اپنے نیچے والے کے کان میں ڈال دی اور ہوتے ہوتے وہ بات کاہن تک پہنچ گئی تو وہ اپنے پاس سے اس میں سو جھوٹ ملا کر لوگوں میں خبریں پھیلا دیتا ہے۔ ان خبروں میں کوئی بات سچی نکل آتی ہے تو وہ وہی ہوتی ہے جو اُوپر سے سُنی ہوئی ہوتی ہے۔ احادیث شریفہ میں یہ تفصیل وارد ہوئی ہے اور سورہ صافات کی آیت اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ (۱۰) میں اسی کو بیان فرمایا ہے کہ شیاطین اُوپر سے بات اُچکنے کی کوشش کرتے ہیں تو شہاب ثاقب یعنی روشن انگاروں سے مارے جاتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یہ کاہن جو بطور پیشنگوئی کچھ بتا دیتے ہیں اس کی کیا حقیقت ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ یہ لوگ کچھ بھی نہیں ہیں، عرض کیا یا رسُول اللہؐ! کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کاہن جو بات بیان کرتا ہے ٹھیک نکل جاتی ہے، آپؐ نے فرمایا

---

[1] صحیح بخاری ص ۳۲

وہ ایک صحیح بات وہ ہوتی ہے جسے جن اُچک لیتا ہے اور اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتا ہے جیسے مرغی کُڑکُڑ کرتی ہے پھر وہ اس میں سو سے زیادہ جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹۲، از بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی سُنا کہ فرشتے بادلوں میں اترتے ہیں وہ آپس میں ان فیصلوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو عالم بالا میں ہو چکے ہوتے ہیں شیاطین کان لگا کر چرانے کی کوشش کرتے ہیں اور جو بات سنتے ہیں ـــــ اسے کاہنوں کے کانوں میں جا کر ڈال دیتے ہیں اور کاہن اس میں اپنے پاس سے سو جھوٹ ملا دیتے ہیں

ان حالات میں اللہ جل شانہٗ نے خاتم النبیین سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ ایک مرتبہ آپ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَلَا اِنَّ رَبِّیْ اَمَرَنِیْ اَنْ اُعَلِّمَکُمْ مَا جَہِلْتُمْ مِمَّا عَلَّمَنِیْ یَوْمِیْ هٰذَا کُلُّ مَالٍ نَحَلْتُهٗ عَبْدًا حَلَالٌ وَاِنِّیْ خَلَقْتُ عِبَادِیْ حُنَفَاءَ کُلَّهُمْ وَاِنَّهُمْ اَتَتْهُمُ الشَّیَاطِیْنُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِیْنِهِمْ وَحَرَّمَتْ عَلَیْهِمْ مَا اَحْلَلْتُ لَهُمْ وَاَمَرَتْهُمْ اَنْ یُّشْرِکُوْا بِیْ مَا لَمْ اُنْزِلْ بِهٖ سُلْطَانًا وَاِنَّ اللّٰهَ نَظَرَ اِلٰی اَهْلِ الْاَرْضِ فَمَقَتَهُمْ عَرَبَهُمْ وَعَجَمَهُمْ اِلَّا بَقَایَا مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ وَقَالَ اِنَّمَا بَعَثْتُکَ لِاَبْتَلِیَکَ وَاَبْتَلِیَ بِکَ وَاَنْزَلْتُ عَلَیْکَ کِتَابًا لَا یَغْسِلُهُ الْمَاءُ تَقْرَؤُهٗ نَائِمًا وَّیَقْظَانَ وَاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِیْ اَنْ اُحَرِّقَ قُرَیْشًا فَقُلْتُ رَبِّ اِذًا یَّثْلَغُوْا (الحدیث)

ارشاد فرمایا کہ میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں وہ باتیں بتا دوں جو تم نہیں جانتے جن کی مجھے آج تعلیم دی ہے (اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا) کہ ہر مال جو میں نے کسی بندہ کو دیا ہے وہ اس کے لئے حلال ہے (یعنی لوگوں نے اپنے پاس سے جو اللہ کے دیئے ہوئے اموال میں تحریم کر لی ہے

جیسے مشرکین بعض اموال کو بتوں کے لئے خاص کر دیتے تھے اور حلال و حرام کی تفصیلات لوگوں نے اپنے طور پر تجویز کر رکھی تھیں اللہ تعالیٰ نے جو مال عطا فرمایا اس میں اسے حلال طریقہ پر استعمال کر سکتے ہیں لیکن حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دینے کا کسی مخلوق کو اختیار نہیں ہے. نیز ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے بندوں کو پیدا کیا وہ سب حنیف تھے یعنی توحید کے ماننے والے اور جاننے والے تھے ان کے پاس شیاطین آ گئے جنہوں نے ان کو ان کے دین سے دور کر دیا اور بندوں کے لئے وہ چیزیں حرام کر دیں جو میں نے حلال کی تھیں اور شیاطین نے ان کو حکم دیا کہ میرے لئے شریک تجویز کریں جس کے لئے میں نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔

مزید فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالےٰ نے اہلِ زمین کی طرف دیکھا سو ان میں عرب و غیر عرب کو مبغوض قرار دیا سوائے ان اہلِ کتاب کے جو بقایا تھے (یعنی ان میں سے جو لوگ حق پر قائم تھے) اور اللہ تعالےٰ نے مزید فرمایا کہ میں نے تجھے مبعوث کیا تاکہ تیری آزمائش کروں اور تیرے ذریعہ دوسروں کی بھی آزمائش کروں اور میں نے تجھ پر ایسی کتاب نازل کر دی جسے پانی نہیں دھو سکتا (یعنی سینے میں محفوظ رہتی ہے) اس کتاب کو آپ سوتے ہوئے بھی پڑھیں گے اور جاگتے ہوئے بھی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۶۰)

اس حدیث میں یہ بتایا کہ ________ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے پہلے دنیا کے سبھی لوگ گمراہ تھے شرک میں مبتلا تھے اور تقریباً سب ہی انسان حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے دین کو چھوڑ چکے تھے توحید سے دور ہو چکے تھے اور شرک کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو خوشخبری دی تھی کہ میرے بعد ایک نبی آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا. سورۃ الصف میں ارشاد ہے۔

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ — اور جبکہ عیسیٰ بن مریم نے فرمایا کہ اے

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۔ (۶)

بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں مجھ سے پہلے جو توراۃ ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں جن کا نام احمد ہوگا ان کی بشارت دینے والا ہوں پھر جب ان لوگوں کے پاس کھلی دلیلیں لائے تو وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ صریح جادو ہے۔

آپؐ کی بعثت اس بشارت کے لگ بھگ چھ سو سال بعد ہوئی جسے قرآن کریم نے زمانہ فترت سے تعبیر فرمایا ہے۔ سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰي فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَاۗءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۡ فَقَدْ جَاۗءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (۱۹)

آپ فرمادیجئے کہ اے اہلِ کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا جو تمہارے سامنے (حقائق) کو بیان کرتا ہے اس کی بعثت زمانہ فترت میں ہوئی ہے جو رسولوں کی آمد کے منقطع ہونے کا زمانہ ہے ہم نے یہ رسول بھیج دیا تاکہ تم قیامت کے دن یوں نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا سو تمہارے پاس بشیر و نذیر آچکا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے آپؐ کے اخلاقِ عالیہ امانت اور دیانت سے سب ہی متاثر تھے اور آپؐ کو امین کے لقب سے یاد کرتے تھے لیکن جب آپؐ نبوت سے سرفراز ہوئے اور لوگوں کو توحید کی

دعوت دی اور شرک کی مذمت کی تو خود اہلِ مکہ بھڑک اٹھے حتیٰ کہ آپ کے خاندان والے بھی دشمنی پر اُتر آئے۔ سورۂ ص میں ہے۔

وَعَجِبُوٓا اَنْ جَآءَهُمْ	اور ان لوگوں نے اس بات پر تعجب کیا کہ ان کے
مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ	پاس ان ہی لوگوں میں سے ایک ڈرانے
الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ	والا آ گیا اور کافروں نے کہا یہ جادوگر ہے
كَذَّابٌ ، اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ	بڑا جھوٹا، کیا اس نے سارے معبودوں کو
اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا	ایک ہی معبود بنا دیا بلاشبہ یہ بڑے تعجب
لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۔ (۵،۴)	والی چیز ہے۔

ان لوگوں کے دلوں میں شرک ایسا رچ بس گیا تھا کہ توحید کی بات سُن کر انہیں بڑا تعجب ہوا، یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دعوتِ توحید کی وجہ سے بہت ستاتے تھے، ایذائیں دیتے تھے، آپ کے راستے میں کانٹے بچھا دیئے جاتے تھے، جو شخص مسلمان ہو جاتا تھا اسے بے تحاشا تکلیفیں پہنچاتے تھے اور باہر سے آنے والوں کو تلقین کرتے تھے کہ اس شخص سے ملاقات نہ کرنا۔

آپ کی محنت و دعوت جاری رہی، اہلِ مکہ میں سے چند ہی افراد نے اسلام قبول کیا اور کچھ لوگ باہر سے آئے اور آپ کی دعوت سن کر مسلمان ہوئے، اسی طرح بارہ سال گذر گئے، مصیبتوں کا سامنا رہا، مکہ والے تکالیف پہنچاتے رہے حتیٰ کہ حج کے موقعہ پر منیٰ میں اہلِ مدینہ سے آپ کی ملاقات ہو گئی، آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی انہوں نے اسلام تو قبول کر لیا جب ان سے فرمایا کہ مجھے ساتھ مدینہ لے چلو (جس کا نام یثرب تھا) تو انہوں نے عرض کیا کہ اس کو آئندہ سال پر رکھیں، آئندہ سال مدینہ منورہ سے آنے والے افراد سے حج کے موقعہ پر پھر ملاقات ہوئی تو آپ کو مدینہ منورہ تشریف لانے پر رضامندی کا اظہار کر دیا، نبوت کے تیرھویں سال آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر ہجرت فرمائی اور مدینہ منورہ میں قیام فرما لیا۔ آپ کے تشریف لے جانے سے پہلے

مدینہ منورہ میں بڑی حد تک اسلام پھیل چکا تھا اور تعلیمات اسلام کا چرچا ہو چکا تھا۔ اہلِ مدینہ میں اوس اور خزرج دو قبیلے آباد تھے۔ یہ دونوں قبیلے مسلمان ہو گئے، یہ قبیلے یمن سے آکر آباد ہوئے تھے۔

مدینہ منورہ میں یہود بھی آباد تھے وہ بھی مدینہ منورہ میں زمانہ قدیم سے آباد تھے، کہتے تھے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اس بستی میں تشریف لاکر مقیم ہوں گے اور ہم ایمان لائیں گے، یمن سے آکر آباد ہونے والے دونوں قبیلوں میں ان بن ہو جاتی تھی تو ان سے یہودی کہتے تھے کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے ہیں ہم ان کے ساتھ مل کر تمہارا ناس کھو دیں گے لیکن آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچ گئے تو یہودی ہی آپ کے سب سے بڑے دشمن بن گئے۔ سورۂ بقرہ میں فرمایا:

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا	پس جب وہ چیز ان کے پاس آگئی
كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ	جس کو پہچان لیا تو اس کے منکر ہو گئے
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ (۸۹)	سو اللہ کی لعنت ہے کافروں پر۔

بجز چند افراد کے یہودیوں نے اسلام قبول نہ کیا، اسلام اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے پکے دشمن بن گئے لیکن اسلام آگے بڑھتا رہا، عرب کے مختلف علاقوں کے لوگ فرداً فرداً حاضر ہو کر اسلام قبول کرتے رہے لیکن قبائل عرب میں عام طور پر یہ تاثر تھا کہ ابھی انتظار کرو اور دیکھو کہ خود ان کی قوم قریشِ مکہ کا کیا معاملہ ہوتا ہے اگر آپ ان پر غالب آگئے اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو ہم بھی اسلام قبول کر لیں گے، بالآخر ۸ھ میں جب مکہ معظمہ فتح ہو گیا اور آپ کی قوم نے عام طور پر اسلام قبول کر لیا تو دیگر قبائل عرب بھی اسلام میں داخل ہو گئے یہ لوگ وفد بنا کر آتے تھے اور خدمت عالی میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کے بعد تھوڑا بہت قیام کر کے اپنے اپنے علاقوں میں چلے جاتے تھے، الحمد للہ عرب میں اسلام پھیل گیا اور دعوتِ اسلام کا خوب

چرچا ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شادیاں بھی کیں آپ کے اولاد بھی ہوئی آپ نے عبادات بھی سکھائیں، آداب اور اخلاق کی بھی تعلیم دی، غزوات بھی کئے، مصالحت بھی، زندگی بھر کے احکام اور مسائل تفصیل سے بتائے۔ آپ نے زبانی بھی تعلیم دی، عمل کر کے بھی دکھایا، آپ کا ہر عمل اور ہر قول امتِ مسلمہ کے لئے ہدایت موعظت اور نصیحت ہے قرآنِ مجید میں آپ کی اطاعت کا جگہ جگہ حکم فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (النساء: ۸) جس نے رسول کی اطاعت کی سو اس نے اللہ کی اطاعت کی) اور آپ کے اتباع کو اللہ جل شانہٗ کی محبت کا ذریعہ بتایا ہے۔ سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ	آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے
اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ	ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت فرمائے
اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ	گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا
وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۰ (۳۱)	اور وہ غفور رحیم ہے۔

اللہ جل شانہٗ نے آپ کی اطاعت اور محبت کا حکم دیا اور آپ کی ذاتِ گرامی کو اسوۂ حسنہ قرار دیا اور آپ کو دینِ کامل عطا فرمایا۔ سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ	آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا
وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ	اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے
وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (۳)	لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔

آپ کی شریعت جامع ہے اس میں زندگی کے ہر شعبہ کے احکام ہیں، عقائد، عبادات، معیشت، معاشرت، حکومت، تجارت، زراعت، صنعت اور حرفت اقامت، مسافرت، ازدواجی زندگی، تربیت اولاد، دوستی اور دشمنی کے احکام غرض کہ سب کچھ دینِ اسلام میں موجود ہے۔ قرآن کریم اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور اعمال زندگی کے ہر شعبہ میں امتِ مسلمہ کے لئے حجت ہیں،

ساری زندگی انہی کے مطابق گذاری جائے اور آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اختیار کیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے عالم منور ہو گیا، یہود اور نصاریٰ کا دین دب گیا، کفر اور شرک کے سرغنوں نے اسلام قبول کیا، قوموں کی قومیں اسلام میں داخل ہوئیں، دشمنوں نے رکاوٹیں کھڑی کیں لیکن اسلام بڑھتا چڑھتا رہا۔ آج پورے عالم میں کروڑوں افراد ہیں جن کا دین اسلام ہے اور برابر اسلام پھیل رہا ہے اور کافر ومشرک اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ سورۃ التوبہ اور سورۃ الصف میں فرمایا:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ	اللہ تعالیٰ کی وہ ذات پاک ہے جس نے
بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ	اپنے رسول کو ہدایت اور دین کے ساتھ
لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ	بھیجا تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب
وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ؀	فرمائے، اگرچہ مشرکوں کو ناگوار ہو۔

اللہ تعالیٰ شانہ کے فضل وکرم اور اللہ تعالیٰ کی تیسیر اور توفیق سے احقر نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں جب تفسیر انوار البیان لکھ کر فارغ ہوا تو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے القا فرمایا کہ سیرت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتحیہ پر ایک مفصل کتاب ہونی چاہئے۔ سیرت پر کتابیں بہت سی لکھی گئیں جو مختصر بھی ہیں اور مطول بھی، پھر نئی کتاب کی کیا ضرورت ہے؟ یہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے لیکن اس کا جواب دینے کے لئے صرف یہ عرض کر دینا کافی ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اور آخرت کا اجر عظیم حاصل کرنے کے لئے کتاب لکھی ہے اس میں کچھ بھی انوکھا پن نہ ہو تب بھی رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بار بار تذکرہ کرنے اور بار بار درود بھیجنے کا ثواب تو بہر حال ملے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

احقر نے قرآن مجید کی آیات اور احادیث شریفہ کے حوالوں کا خاص اہتمام کیا ہے تقبل اللہ منی هذا العمل الجليل۔

ناظرین سے دعا ہے کہ صاحب سیرت سرورِ کونین تاجدارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجیں اور جب کتاب پڑھنے بیٹھیں اور دل خوش ہو تو احقر کو اور احقر کے والدین اور مشائخ اور اساتذہ کو اور ان تلامذہ کو جنہوں نے اس تالیف میں میری مدد کی دعاؤں میں یاد کر لیا کریں۔

واللہ المستعان علیہ توکلت والیہ أنیب
وعلیہ فلیتوکل المتوکلون

العبد الفقیر
محمد عاشق الٰہی بلند شہری
عفا اللہ وعافاہ
وجعل آخرتہ خیرا من اولاہ

المدینۃ المنورہ
شوال ۱۴۲۱ھ

مکّہ معظّمہ کی آبادی
اور
کعبہ شریف کی تعمیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مکہ معظمہ عرب کا مشہور شہر ہے، اس کا دوسرا نام بکہ "با" کے ساتھ بھی ہے اور تیسرا نام اُمّ القریٰ ہے یہ تینوں نام قرآن مجید میں وارد ہوئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو بابل (عراق) کے قریب کسی جگہ کے رہنے والے تھے انہوں نے اپنے علاقہ کے بت پرستوں کو توحید کی دعوت دی، شرک کی قباحت وشناعت بیان فرمائی اپنے باپ کو بھی توحید کی تلقین فرمائی لیکن قوم نے اوران کے والد نے یہ دعوت قبول نہ کی، جب دیکھا کہ لوگ بت پرستی چھوڑنے والے نہیں ہیں تو وہاں سے ہجرت فرماکر فلسطین کے علاقہ میں آگئے، ان کی ایک بیوی سارہ (جوان کے چچا کی بیٹی تھی) اس کو ساتھ لے کر چلے تو راستہ میں ایک ظالم بادشاہ نے ان کو پکڑوا کر اپنے پاس بلوالیا، جب بدنیتی سے ان پر ہاتھ ڈالا تو اسے دورہ پڑ گیا اور پاؤں مارنے لگا۔ کہنے لگا کہ میرے لئے دعا کرو کہ میں ٹھیک ہو جاؤں میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ انہوں نے دُعا کر دی۔ اس کے ہاتھ پاؤں ٹھیک ہو گئے جب واپس جانے لگیں تو ان کے ساتھ ایک باندی کر دی اس کا نام ہاجرہ تھا[1] حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اس سے بھی نکاح کرلیا، دونوں بیویوں کو لے کر فلسطین پہنچے، حضرت سارہ سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے جن کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام ان ہی کا لقب اسرائیل تھا اور بنی اسرائیل سب ان کی اولاد ہیں۔ حضرت ہاجرہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے، رب العالمین جل مجدہ کا حکم ہوا کہ اسماعیل اور ان کی والدہ کو عرب میں چھوڑ آؤ،

لے صحیح بخاری ص ۲۹۵ و ص ۴۷۴

وہ دونوں کو اپنے ہمراہ لائے اور مکہ معظمہ کی سرزمین میں کعبہ مشرفہ کے قریب چھوڑ کر چلے گئے۔ شہر مکہ اس وقت سنسان میدان تھا پہاڑوں کے درمیان خالی جگہ پڑی تھی، کعبہ شریف جو ان سے پہلے فرشتوں نے پھر حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا تھا اس کی عمارت بھی موجود نہ تھی۔ کعبہ شریف کی بنیادیں طوفان نوح کے موقعہ پر مٹی میں چھپ گئی تھیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام اپنی بیوی اور اپنے لڑکے کے پاس کچھ دن رہے اس کے بعد کچھ کھجوریں اور پانی کا مشکیزہ چھوڑ کر روانہ ہوگئے۔ بیوی نے پوچھا ہمیں چھوڑ کر کہاں جاتے ہو؟ کچھ جواب نہیں دیا بالآخر بیوی نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ (ہمیں چھوڑ کر چلے جائیں) اس کے جواب میں فرمایا کہ ہاں اللہ تعالیٰ نے ایسا حکم دیا ہے یہ سن کر کہنے لگیں اِذًا لا یضیعنا (جب اللہ تعالےٰ نے حکم دیا ہے تو ہمیں ضائع نہیں فرمائے گا) دونوں ماں بیٹے بغیر کسی محافظ کے سنسان میدان میں رہتے رہے حتیٰ کہ مشکیزہ کا پانی ختم ہونے لگا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام چھوڑ کر گئے تھے۔ حضرت ہاجرہؓ پانی کی تلاش میں صفا پر گئیں پھر مروہ پر گئیں پھر مروہ سے صفا پر آئیں، اسی طرح سات چکر لگائے، بچہ کو چونکہ اسی جگہ چھوڑ دیا تھا جہاں اس وقت بئر زمزم ہے اور صفا و مروہ کے درمیان میں نشیب تھا اس لئے اس نشیب سے دوڑ کر گزر جاتی تھیں تاکہ بچہ دیر تک نظروں سے اوجھل نہ رہے۔ ابھی یہ پانی کی تلاش میں بچے سے دور ہی تھیں کہ جس جگہ بچہ کو بٹھا رکھا تھا وہیں پر اللہ تعالےٰ نے چشمہ جاری فرما دیا یہ وہی چشمہ ہے جسے زمزم کہا جاتا ہے بعد میں اسے کنواں بنا دیا گیا۔ اس چشمہ کا پانی، پانی کا کام بھی دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس میں غذائیت بھی رکھی ہے۔

حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ اسی چٹیل میدان میں رہتے تھے جب پانی کا چشمہ جاری ہو گیا تو اوپر پرندے اڑنے لگے قبیلہ بنی جرہم وہاں سے گزر رہا تھا۔

لے صحیح بخاری ص ۴۷۴، ۴۷۵

ان لوگوں نے آپس میں کہا کہ یہاں تو کبھی پانی نہیں تھا پرندے کیسے نظر آ رہے ہیں قریب آئے تو دیکھا کہ ایک خاتون اپنے بچّے کو لئے بیٹھی ہے اور قریب ہی چشمہ ہے کہنے لگے کہ ہم بھی یہاں رہنے لگیں، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ نے فرمایا کہ رہنے کی تو اجازت ہے لیکن پانی میں تمہارا (مالکانہ) حصّہ نہیں ہوگا۔ قبیلہ مذکورہ بھی ساتھ رہنے لگا اس طرح سے مکہ معظمہ کی آبادی بڑھنی شروع ہوگئی [1]

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہلیہ اور اپنے بیٹے کو دیکھنے کے لئے تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم ہوا۔ بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے منیٰ لے گئے۔ راستہ میں تین جگہ شیطان نے ورغلایا تو آپ نے تینوں مقامات پر سات سات کنکریاں ماریں جن کی یادگار اب تک باقی ہے اور حج میں کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ باپ نے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے لٹایا تو ذبح نہ کرسکے چھری نے کام نہ کیا۔ سورہ صٰفّٰت میں فرمایا:

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۔ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۔ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۔ (۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵)	سو جب دونوں نے حکم مان لیا اور ابراہیم نے بیٹے کو کروٹ کے بل لٹا دیا اور ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ بلاشبہ ہم مخلصین کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے تو کعبہ شریف بنانے کا حکم ہوا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اس وقت تعمیری کام میں مدد کرنے کے لائق ہو گئے تھے۔ دونوں باپ بیٹوں نے مل کر کعبہ شریف تعمیر کیا۔ کعبہ شریف کی پرانی بنیادوں کا علم نہ تھا اللہ تعالیٰ نے خوب زوردار ہوا بھیج دی جس نے کعبہ شریف کی بنیادیں ظاہر کر دیں۔ [2]

سورۃ الحج میں ارشاد فرمایا:

---

[1] صحیح بخاری ص ۴۷۵ ۔ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۱۵ ج ۴

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ	اور جب ہم نے ابراہیمؑ کو کعبہ شریف کی جگہ
مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَّا	بتا دی اور (حکم دیا) کہ تم میرے ساتھ کسی
تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَّطَهِّرْ	چیز کو شریک نہ بناؤ اور پاک کر دو میرے گھر
بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ	کو طواف کرنے والوں کے لئے اور (نماز)
وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ	میں) قیام کرنے والوں کے لئے اور رکوع
السُّجُودِ ٥ (۲۶)	کرنے والوں کے لئے اور سجدہ کرنے والوں کے لئے

دونوں حضرات کعبہ شریف کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور قبولیت کی دعا کرتے جا رہے تھے۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا:

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرٰهِيمُ الْقَوَاعِدَ	اور جب اٹھا رہے تھے ابراہیم کعبہ کی بنیادیں
مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمٰعِيلُ رَبَّنَا	اور اسماعیل بھی اے ہمارے رب قبول فرمالے
تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ	ہم سے بے شک تو ہی خوب سننے والا جاننے
الْعَلِيمُ ٥ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا	والا ہے اے ہمارے رب اور بنا دے ہم کو
مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا	تو اپنا فرمانبردار اور بنا دے ہماری اولاد
أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ص	میں سے ایک امت جو تیری فرمانبردار ہو،
وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا	اور ہمیں بتا دے حج کے احکام اور ہماری
إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ	توبہ قبول فرما بے شک تو ہی توبہ قبول فرمانے والا
رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ	مہربان ہے اے ہمارے رب اور بھیج دے
رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ	ایک رسول ان میں سے جو تلاوت کرے ان
اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ	پر تیری آیات اور سکھائے ان کو کتاب اور
وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ	حکمت اور ان کا تزکیہ کرے بے شک تو ہی
إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ٥ (البقرہ ۱۲۹)	عزیز ہے حکیم ہے۔

قبیلہ بنی جرہم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی ہوگئی تھی نسل بڑھتی رہی اور حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے قصیؒ بن کلاب اور فہر بن مالک تھے جن کا لقب

قریش تھا اور ان ہی میں سے ہاشم بھی تھے جن کے پڑپوتے سید الاوّلین والآخرین حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں۔ مذکورہ بالا سطور سے مکہ معظمہ کی آبادی اور بنائے کعبہ کا علم ہوا۔

مفسر ابن کثیرؒ نے مسند امام احمد سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ کا ابتدائی تذکرہ اوّلاً کیسے شروع ہوا؟ آپؐ نے فرمایا میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور عیسٰی علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میری والدہ نے جو خواب دیکھا کہ ان کے اندر سے ایک نور نکلا جس نے شام کے محلات کو روشن کر دیا میں اس خواب کا مظہر ہوں[1]۔ "رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ" جو دعا حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے کی تھی اس کے بارے میں فرمایا کہ اپنے والد ابراہیم کی دعا کا مظہر ہوں۔

نسب مطہر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عرب کے مشہور شہر مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، پھر ۵۳ سال کی عمر میں عرب کے دوسرے شہر مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی اسی لئے آپؐ کو عربی اور مکی اور مدنی کہا جاتا ہے آپؐ نسب کے اعتبار سے بھی عربی تھے، عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ۲۹ ویں پشت میں جا کر حضرت اسماعیل بن ابراہیم خلیل اللہ علیہما الصلاۃ والسلام سے مل جاتا ہے اور حضرت اسماعیل کا نسب حضرت آدم علیہ السلام سے ۲۰ واسطوں سے مل جاتا ہے۔ سیرت ابن ہشام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب حضرت آدم علیہ السلام تک لکھا ہے۔ ہم نسب نامہ نقل کرتے ہیں:

"محمدؐ بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف ابن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔"

---

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۱۸۴ ج ۱، مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۳ میں بھی یہ حدیث مذکور ہے، راوی حضرت عرباض بن ساریہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مشہور اسم گرامی محمدؐ اور دوسرا نام احمد ہے۔

قرآن مجید میں یہ دونوں نام مذکور ہیں۔ آپؐ کے والد کا نام عبداللہ تھا اور دادا عبدالمطلب کے نام سے مشہور تھے یہ اُن کا نام نہیں ہے ایک خاص واقعہ کی وجہ سے آپ کا نام عبدالمطلب مشہور ہوگیا تھا۔ اصل نام عامر یا شیبہ تھا عبدالمطلب کے والد ہاشم کے نام سے مشہور تھے، ہاشم کا ایک نام عمرو بھی بتایا جاتا ہے۔ ان کے والد کا نام عبدمناف مشہور ہے ان کا اصل نام المغیرۃ تھا۔ ان کے والد قُصَیّ اور ان کے والد کلاب اور ان کے والد مُرّہ اور ان کے والد کعب تھے ان کے والد لُؤَیّ اور ان کے والد غالب اور ان کے والد فہر تھے۔ فہر کے والد کا نام مالک اور ان کے والد کا نام نضر اور ان کے والد کا نام کنانہ اور ان کے والد کا نام خزیمۃ اور ان کے والد کا نام مدرکہ تھا۔ ان کے والد کا نام الیاس تھا اور ان کے والد مضر ابن نزار تھے، نزار کے والد معدّ بن عدنان تھے۔ عدنان تک جو نسب کی تفصیل ہے یہ متفق علیہ ہے۔ اسے علماء تاریخ سب تسلیم کرتے ہیں اس کے اوپر جو حضرت آدم علیہ السلام تک نسب مذکور ہے اس کی صحت میں اختلاف ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ آپ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السّلام کی اولاد میں سے ہیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دادا کا نام عامر یا شیبہ تھا۔ ایک واقعہ کی وجہ سے عبدالمطلب نام مشہور ہوگیا تھا، سیرت حلبیہ میں ہے کہ ان کو عبدالمطلب اس لئے کہا جاتا تھا کہ ان کے چچا مطلب جب ان کو ان کے بچپن میں مدینے سے مکّہ لے کر آئے تو ان کو انہوں نے سواری پر اپنے پیچھے بٹھالیا اور وہ اس وقت بہت خراب حال میں تھے یعنی پھٹے پرانے کپڑوں میں تھے جب بھی مطلب سے کوئی ان کے متعلق پوچھتا کہ یہ کون ہے تو وہ کہہ دیتے کہ یہ میرا غلام ہے وہ عبدالمطلب کے متعلق (ان کے خراب خستہ حال کی وجہ سے) یہ کہتے ہوئے شرماتے تھے کہ یہ میرا بھتیجا ہے مکّہ پہنچ کر انہوں نے ان کی حالت سنواری اور تب یہ بتلایا کہ یہ میرا بھتیجا ہے (لیکن عرف عام میں پھر بھی ان کا نام عبدالمطلب ہی رہا)۔

قریش کس کا لقب ہے؟ سیرت نگاروں کا ایک قول یہ ہے کہ یہ نضر بن کنانہ کا لقب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ فہر بن مالک کا لقب قریش تھا یا قریش نام اور فہر لقب تھا۔ قریش کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ اس کے بارہ میں مختلف اقوال ہیں۔
ایک قول یہ ہے کہ نضر بن کنانہ کی اولاد کو قریش سے اس لئے ملقب کیا گیا کہ یہ سب لوگ مجتمع تھے اور تقرش تجمع کو کہا جاتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ لوگ تاجر تھے اور تجار کو قریشی کہا جاتا ہے والتجار یتقارشون ای یتجرون اس قول کو بعض اہل سیر نے تسلیم نہیں کیا، اور ایک قول یہ ہے کہ لفظ قریش القرش کی تصغیر ہے یہ سمندر کی ایک بڑی مچھلی کا نام ہے جو سمندر کی مچھلیوں کو کھا جاتی ہے چونکہ قریش بڑا قبیلہ تھا اس کے مقابلہ میں دوسرے قبیلے چھوٹے تھے اس لئے یہ لوگ قریش کے لقب سے مشہور تھے۔
اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ عرب میں جو قریش کے لئے لفظ قریش بولا جاتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے آباء و اجداد میں نضر بن کنانہ یا فہر بن مالک کو ملقب کیا گیا تھا یا دوسرے قبیلوں کے مقابلہ میں بڑا قبیلہ ہونے کی وجہ سے اس لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ کی والدہ کا نسب اس طرح سے ہے:
"آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ"
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کا نسب اوپر جا کر مل جاتا ہے دونوں قریشی تھے۔ آپ کے والد عبداللہ آمنہ بنت وہب کو مدینہ منورہ سے بیاہ کر لائے تھے ان کی پیدائش وہیں کی تھی جو قبیلہ بنی نجار میں سے تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے اخوال یعنی ماموں اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کنانہ کو اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے منتخب فرمایا، پھر قریش کو بنی کنانہ سے اور قریش سے ہاشم کو پھر بنی ہاشم سے مجھے منتخب فرمایا[1]

---

[1] رواہ مسلم ص ۲۴۵ ج ۲

چونکہ سرزمین مکہ میں بنی جرہم ہی آباد تھے اس لئے کعبہ شریف کی دیکھ بھال بھی انہی کے ذمہ تھی یہی لوگ کعبہ شریف کے متولی تھے اور شہر مکہ کی سرداری بھی انہی کو ملی ہوئی تھی لیکن جب بنی جرہم نے سرکشی اختیار کرلی تو بنی خزاعہ نے فیصلہ کیا کہ بنی جرہم سے جنگ کی جائے اور انہیں مکہ سے نکال دیا جائے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس سے پہلے بنی جرہم کی اس سرکشی کی سزا میں اس قوم پر ایک ایسا کیڑا مسلط کردیا گیا جو اس کیڑے کے مشابہ تھا جو اونٹوں اور بکریوں کی ناک میں ہو جاتا ہے۔ اس بیماری کے نتیجے میں اتنی بربادی ہوئی کہ ایک ہی رات میں بنی جرہم کے (۸۰) اسی آدمی ہلاک ہو گئے جو سب کے سب پختہ کار و تجربہ کار تھے۔ اس تباہی اور مکہ کی سرداری چھن جانے کے بعد جو لوگ باقی بچے وہ سب عمرو ابن حرث جرہمی کے ساتھ یمن کی طرف چلے گئے عمرو بن حرث بنی جرہم میں وہ آخری آدمی ہے جو مکہ کا سردار ہوا مکہ کی سرداری چھن جانے کا بنی جرہم کو زبردست غم تھا اور وہ اس پر سخت ملول اور رنجیدہ تھے۔

جب بنی جرہم کا اقتدار ختم ہوا تو بنی خزاعہ نے اقتدار سنبھال لیا تو خانہ کعبہ کی تولیت اور دوسرے عہدے انہی لوگوں کو مل گئے۔ ان عہدوں کے یہ نام ہیں:

سقایہ، رفادہ، حجابہ، دارالندوہ، لواء (یعنی جھنڈا اٹھانا) قیادت۔

منصب سقایہ سے مراد حاجیوں کو زمزم کا پانی پلانا ہے اور منصب رفادہ حج کے زمانہ میں لوگوں کو واپسی تک ان کے لئے کھانے کے انتظام کو کہا جاتا تھا اور حجابہ سے مراد کعبہ شریف کو کھولنے اور بند کرنے کا منصب ہے اور دارالندوہ سے وہ عمارت مراد ہے جہاں قریش کے لوگ اپنے معاملات کے متعلق مشورہ کرنے کے لئے جمع ہوا کرتے تھے۔ منصب سقایہ منصب رفادہ اور منصب قیادہ بنی عبد مناف کو حاصل تھے اور منصب حجابہ اور منصب لواء بنی عبدالدار کے پاس رہے۔

بئر زمزم کی کھدائی

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ پانی ختم ہونے کی وجہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کعبہ شریف کے قریب جس جگہ اپنے بچہ اسماعیل کو چھوڑ کر پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ پر آنا جانا

کر رہی تھیں اس وقت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے قریب ہی زمزم کا چشمہ جاری ہو گیا تھا بعد میں یہ چشمہ کنواں بنا دیا گیا۔ مختلف حالات گزرتے رہے یہاں تک کہ یہ کنواں مٹی سے بھر گیا نہ صرف مٹی سے بھر گیا بلکہ اس کی جگہ بھی نامعروف ہو گئی تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب بن ہاشم نے خواب میں دیکھا کہ بئر زمزم کے کھودنے کا حکم ہو رہا ہے جب تین رات یہی خواب دیکھا تو جگہ معلوم کرنے کی فکر ہوئی جگہ بھی انہیں خواب ہی میں بتا دی گئی۔ انہوں نے اپنے بیٹے حارث بن عبدالمطلب کو لے کر کنواں کھودنا شروع کیا یہاں تک کہ پورا کنواں کھود دیا جب پانی نظر آ گیا تو نیچے سے وہیں اندر اندر چشمہ پھوٹ پڑا۔ عبدالمطلب نے اللہ اکبر کہا کیونکہ عبدالمطلب کے ہاتھوں سے یہ کام انجام پایا تھا اس لئے انہیں کی نسل میں زمزم کی دیکھ بھال اور نگہداشت باقی رہی۔

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طواف کرنے کے بعد زمزم کے قریب تشریف لائے اور فرمایا کہ اے بنی عبدالمطلب لاؤ پانی دو، ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر تم پر غالب نہ ہو جاتے تو میں بھی تمہارے ساتھ ڈول سے پانی کھینچنے میں شریک ہو جاتا اس موقعہ پر زمزم کا پانی آپ نے کھڑے ہو کر نوش فرمایا تھا حضرت عباس ابن عبدالمطلب نے فرمایا کہ غسل کرنے والے کو میں اجازت نہیں دیتا کہ زمزم کا پانی استعمال کرے یہ وضو کرنے والے کے لئے اور پینے والے کے لئے ہے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب چونکہ زمزم کا پانی پلانے کے ذمہ دار تھے اس لئے انہوں نے حج کے موقع پر آپ سے اجازت لے لی تھی کہ منیٰ کے ایام میں رات کو مکہ معظمہ میں رہ کر حجاج کو پانی پلانے کی خدمت انجام دیں[1] (اور رمی دن کو کسی وقت کر لیا کریں)۔

ولادت باسعادت

ابھی آپ اپنی والدہ کے بطن مبارک ہی میں تھے کہ آپ کے والد کی وفات

---

[1] ملتقطا من اخبار مکہ للأزرقی

ہوگئی جو کہ تجارت کے لئے ملک شام گئے ہوئے تھے وہاں سے واپس ہوتے ہوئے مدینہ منورہ میں قبیلہ بنی نجار میں قیام پذیر تھے یہیں وفات پائی اور یہیں دفن ہوئے۔

آپؐ کی ولادت مکہ معظمہ میں یوم الاثنین یعنی پیر کے دن ہوئی جس کی تصریح خود حدیث مرفوع میں وارد ہوئی۔ آپ نے فرمایا ولدت یوم الاثنین وفیہ انزل علیّ[1] (میں پیر کے دن پیدا ہوا ہوں اور اس دن مجھ پر (پہلی) وحی نازل کی گئی) یہ ربیع الاوّل کا مہینہ تھا۔ مشہور یہ ہے کہ بارھویں تاریخ کو آپؐ کی ولادت ہوئی۔ ایک قول ۸ ربیع الاوّل کا اور ایک ۹ ربیع الاول کا بھی ہے۔ سنِ عیسوی کے حساب سے جو تاریخ آپؐ کے وجود سے سرفراز ہوئی وہ بیسویں تاریخ ماہ اپریل ۵۷۱ء بتائی جاتی ہے، اسی سال ہاتھی والوں نے کعبہ شریف پر حملہ کیا تھا اس لئے یوں بھی کہا جاتا ہے کہ عام الفیل میں آپکی ولادت ہوئی[2]

---

[1] رواہ مسلم۔ [2] ابرہہ حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے یمن کا گورنر تھا اس نے یمن میں ایک کنیسہ بنایا تھا یہ چاہتا تھا کہ عرب کے لوگ جو حج کرنے کے لئے مکہ معظمہ جاتے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں اس کو چھوڑ دیں اور اس کے بنائے ہوئے کنیسہ کی طرف رجوع کریں، یمن میں اگرچہ بت پرستی غالب تھی مگر کعبہ کی قدر و عظمت ان کے دلوں میں جمی ہوئی تھی۔ اہل عرب میں سے ایک شخص نے ابرہہ والے کنیسہ میں داخل ہو کر گندگی سے آلودہ کر دیا جب ابرہہ کو معلوم ہوا کہ کسی قریشی نے ایسا کام کیا ہے تو اس نے اپنے بادشاہ سے اجازت لے کر کعبہ شریف کو گرانے کا ارادہ کیا اور اپنی فوج لے کر آیا جن میں ہاتھی بھی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جناب عبدالمطلب کو اس کی اطلاع ہوئی تو بیت اللہ کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر دعا میں مشغول ہوگئے۔ آپ کے ساتھ قریش کی بڑی جماعت بھی تھی سب نے بہت دعائیں کیں کہ اے اللہ آپ اپنے گھر کی حفاظت فرمائیں، دعا کرنے کے بعد عبدالمطلب لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر مختلف پہاڑوں پر چلے گئے، ابرہہ نے بیت اللہ پر چڑھائی کی تیاری کی، اللہ تعالیٰ نے پرندے بھیج دیئے، ہر ایک کے پنجوں میں اور چونچ میں کنکریاں تھیں ان پرندوں نے وہ کنکریاں ابرہہ کے لشکر پر گرا دیں جس سے ابرہہ کا لشکر تباہ ہوگیا، پھر ابرہہ بھی یمن پہنچ کر بدترین مرض کا شکار ہو کر مرگیا۔

چونکہ یہ عجیب واقعہ تھا اس لئے اہل عرب جب تاریخی واقعات بیان کرتے تھے تو کہا کرتے تھے کہ یہ عام الفیل کا واقعہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی سال ہے اس واقعہ کے پچاس دن بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔

سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جس رات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی کسریٰ (شاہ فارس) کے محلات کی بنیادیں ہل گئیں اور ان میں شگاف پڑ گئے اور اس کے کچھ جھروکے ٹوٹ گئے۔ حالانکہ یہ محل بڑا مضبوط بنایا گیا تھا۔

ادھر کسریٰ نے اپنے محل کو لرزتے اور اس کے جھروکوں کو گرتے دیکھا جس سے وہ سخت گھبرایا ہوا اور خوفزدہ تھا مگر اس خیال سے کہ اپنی کمزوری ظاہر نہ ہو اس نے صبر سے کام لیا اور صبح کو اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہیں کیا مگر پھر اسے محسوس ہوا کہ اس کی گھبراہٹ اور پریشانی اتنی بڑھ گئی ہے کہ وہ اس معاملے کو اپنے فوجی افسروں اور بہادر سرداروں سے چھپا نہیں سکتا چنانچہ اس نے ان سب سرداروں کو دربار میں حاضر ہونے کے لئے کہلا دیا۔ اس کے بعد کسریٰ نوشیرواں نے اپنا تاج سر پر پہنا اور شاہی تخت پر جا کر بیٹھ گیا اور سرداروں کو اطلاع کرا دی۔ جب سب جمع ہو گئے تو اس نے ان سے کہا:

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تم لوگوں کو کیوں بلایا ہے"؟

درباریوں نے کہا کہ نہیں ہمیں معلوم نہیں ہے جناب ہی ہمیں بتلائیں گے۔

ابھی وہ لوگ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ بادشاہ کے پاس (کسی دوسرے علاقے سے) ایک خط آیا جس میں اطلاع دی گئی تھی کہ رات کو ہمارے آتش کدوں (یعنی عبادت گاہوں) کی آگ بجھ گئی، کسریٰ کے پاس ایک خط ایلیا کے گورنر کا بھی آیا کہ رات دریائے ساوہ کا پانی خشک ہو گیا۔ ایک خط شام کے گورنر کے پاس سے آیا کہ رات وادی سماوہ کا راستہ (زلزلہ کی وجہ سے) پھٹ کر ختم ہو گیا۔ نیز ایک خط طبریہ کے گورنر کے پاس سے آیا کہ دریائے طبریہ میں اچانک پانی کا بہاؤ بند ہو گیا (ان میں سے ہر حادثہ اسی رات میں پیش آیا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور یہ ساری علامتیں آپ کی پیدائش کی وجہ سے ہی ظاہر ہوئیں) چنانچہ کسریٰ کو اب تک اپنے ہی واقعے کا رنج وغم کم نہیں ہوا تھا کہ اچانک یہ سب اندوہناک خبریں ملیں جس سے اس کے غم اور گھبراہٹ میں اور اضافہ ہو گیا۔ آخر کسریٰ نے (یہ سب خبریں ملنے کے بعد) حاضرین کو وہ واقعہ

سنایا جو خود اس کو پیش آیا تھا اور جس سے وہ بہت زیادہ خوفزدہ اور گھبرایا ہوا تھا، محل کا لرزنا، اس میں شگاف پڑ جانا اور چودہ کھڑکیوں کا بغیر کسی کمزوری کے گر پڑنا۔
یہ ساری باتیں سن کر موبذان یعنی بڑے راہب نے کہا:
"خدا بادشاہ کو سلامت رکھے میں نے بھی اس رات کو ایک خواب دیکھا تھا"
اس وقت تو ایران کے شاہی محل کے جھروکے ہی گرے تھے اور دراڑیں ہی پڑی تھیں۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بادشاہوں کو خطوط لکھے تو اس زمانہ کا جو کسریٰ یعنی ایران کا بادشاہ تھا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ پھاڑ دیا۔ آپ نے اس کے لئے بددعا کر دی جس کی وجہ سے اس کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ کسریٰ کے محل میں دراڑیں پڑ گئی تھیں اس کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ رات کو فارس کے تمام آتشکدوں کی آگ بجھ گئی یہ لوگ آگ کے پجاری تھے، یہ آگ آتشکدوں میں ایک ہزار سال سے جل رہی تھی، نیز اس موقعہ پر دریائے ساوہ کا پانی سوکھ گیا گویا کہ اس میں کبھی پانی تھا ہی نہیں، حالانکہ یہ دریا بہت زیادہ لمبا چوڑا تھا۔[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کسریٰ نہ ہوگا اور قیصر ضرور ہلاک ہوگا اس کے بعد قیصر نہ ہوگا، اور ضرور ضرور تم ان کے خزانے فی سبیل اللہ خرچ کروگے۔[2]

دادا جان کا خوشی سے سرشار ہونا اور محمد نام تجویز کرنا آنحضرت سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد کی وفات تو پہلے ہی ہو چکی تھی جب آپ کی ولادت ہوئی تو آپ کی والدہ نے آپ کے دادا عبد المطلب کو بشارت دی کہ آپ کے بیٹے کا صاحب زادہ پیدا ہوا ہے۔ خبر سن کر عبد المطلب بہت زیادہ خوش ہوئے اور انہوں نے آپ کا نام محمد تجویز کیا۔ ام ایمن جن کا نام برکتہ تھا حبشہ کی رہنے والی تھیں اور آپ کے والد جناب عبد اللہ کی باندی تھیں انہوں نے آپ کی خدمت شروع کر دی جس کی نومولود بچہ کو ضرورت ہوتی ہے (ام ایمنؓ نے آپؐ کا زمانۂ نبوت پایا اور اسلام قبول کیا)۔

---

[1] من السیرة الحلبیة [2] مشکوٰة المصابیح ص۴۶۴ عن الشیخین۔

رضاعت اول تو آپ نے اپنی والدہ آمنہ بنت وہب کا دودھ پیا پھر کچھ دن ثویبہ نے آپ کو دودھ پلایا جو آپ کے چچا ابولہب کی باندی تھی۔ آپ کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب نے بھی ثویبہ کا دودھ پیا تھا۔ ایک مرتبہ جب حضرت حمزہؓ کی لڑکی سے نکاح کرنے کا مشورہ دیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ تو میرے دودھ شریک بھائی ہیں ان کی لڑکی سے میرا نکاح نہیں ہوسکتا[1]

حلیمہ سعدیہ نے بھی آپ کو دودھ پلایا، اپنے گاؤں میں ساتھ لے جاکر رکھا دودھ بھی پلایا اور پرورش بھی کی۔ اس زمانے میں شہر کے لوگ اپنے بچوں کو پرورش کے لئے دیہات کی خواتین کو دے دیا کرتے تھے وہ دودھ بھی پلاتی تھیں اور پرورش بھی کرتی تھیں، اس طرح بچے دیہات کی آب و ہوا میں پرورش پاکر تندرست بھی رہتے تھے، اور خالص فصیح عربی بھی سیکھ لیتے تھے۔ حلیمہ سعدیہ کے پاس آپ نے پانچ سال کی عمر تک پرورش پائی۔ حلیمہ سعدیہ غریب گھرانے کی عورت تھیں جب آپ کو دودھ پلانے کے لیے لے گئیں تو آپ کی برکت سے مالا مال ہوگئیں[2]

شق صدر کا واقعہ حلیمہ کے پاس آپ تشریف رکھتے تھے کہ اسی عرصہ میں شق الصدر کا یعنی سینہ مبارک چاک کرنے کا واقعہ پیش آیا

آپ اپنے دودھ شریک بھائیوں کے ساتھ بستی سے باہر بھی چلے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ بستی کے قریب آبادی کے پیچھے بھائیوں کے ساتھ باہر نکلے ہوئے تھے کہ سفید کپڑے والے دو آدمی آئے (یہ دونوں فرشتے تھے) انہوں نے آپ کو لٹایا اور آپ کا سینہ مبارک چاک کر دیا اس میں سے کوئی چیز نکالی اور کہا کہ یہ شیطان کا حصہ ہے آپ کے دودھ شریک بھائی نے اپنی والدہ کو آکر بتایا وہ اپنے شوہر کے ساتھ دوڑی ہوئی آئیں دونوں میاں بیوی آپ سے لپٹ گئے دیکھا کہ آپ کا رنگ بدلا ہوا ہے پوچھا کہ بیٹا کیا ہوا آپ نے پوری کیفیت بتائی[3]

---

[1] رواہ مسلم۔ [2] صفۃ الصفوہ ص۱۶ ج۱۔

[3] رواہ مسلم کما فی المشکوٰۃ ص۵۱۵ وسیرت ابن ہشام۔

یہ شق صدر پہلی بار ہوا، اس کے بعد معراج کی رات میں شق صدر کا واقعہ پیش آیا۔
(کما یاتی فی ذکر المعراج)

والدہ کی وفات اور چچا کی سرپرستی ابھی آپ کی عمر شریف پانچ سال تھی آپ کی والدہ آپ کو ہمراہ لے کر مدینہ منورہ تشریف لے گئیں وہاں آپ کے والد عبداللہ کے ننھیال کی جانب سے رشتہ دار تھے وہاں قیام کرنے کے بعد جب واپس ہوئی اور مقام ابواء میں پہنچیں (جو اس وقت مکہ معظمہ کے راستے میں پڑتا تھا) وہاں ان کی وفات ہوگئی ام ایمن بھی ساتھ تھیں وہ آپ کو اٹھا کر لے گئیں مکہ معظمہ پہنچا کر برابر آپ کی خدمت کرتی رہیں اور آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کو اپنی کفالت میں لے لیا۔ آپ کی تربیت اور دیکھ بھال اور لطف و مہربانی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جب آپ کی عمر شریف آٹھ سال ہوگئی تو عبدالمطلب کی بھی وفات ہوگئی۔ ان کے بعد آپ کو آپ کے چچا ابوطالب نے اپنی کفالت میں لے لیا انہوں نے بھی بڑی شفقت کے ساتھ آپ کی پرورش کی۔

شام کا پہلا سفر اور ایک نصرانی راہب کی خیر خواہی

جب آپ کی عمر شریف ۱۲ سال دو ماہ کو پہنچی تو آپ کے چچا ابوطالب اپنے ساتھ شام کے سفر میں لے گئے (شام عرب کا ایک حصہ ہے جہاں بیت المقدس ہے عرب کے لوگ ہر سال تجارت کے لئے اس ملک میں آیا جایا کرتے تھے) سفر میں ایک جگہ آئی جسے مقام بصریٰ کہا جاتا تھا وہاں بحیرا نامی ایک شخص اپنے گرجا میں رہتا تھا اور عیسائیوں کا بڑا عالم مانا جاتا تھا اپنی جگہ سے کہیں نہیں آتا جاتا تھا مکہ والوں کا تجارتی قافلہ جب یہاں پہنچا اور ایک درخت کے سایہ میں ٹھہر گیا تو بحیرا نے دیکھا کہ ایک بچہ پر بادل سایہ کر رہا ہے اور درخت کی ٹہنیاں بھی اس پر جھکی ہوئی ہیں بحیرا نے جب یہ دیکھا تو اس نے پورے قافلہ کی دعوت کر دی، جب قافلہ والے دعوت

میں حاضر ہوئے تو ٹکٹکی باندھتے ہوئے برابر آپ کو دیکھتا رہا اور آپ کے حالات دریافت کئے سونے جاگنے تک کے حالات پوچھے جب حالات معلوم ہوگئے تو اس نے آپ کی کمر شریف کو دیکھا اور دونوں مونڈھوں کے درمیان خاتم النبوۃ (نبوت پہچاننے کی مہر) کو دیکھا اور اس نے واقعی طور پر پہچان لیا کہ آپ ہی وہ نبی ہیں جن کی خبر گذشتہ آسمانی کتابوں میں دی گئی ہے اور جن کی آمد کا ذکر اہل کتاب یہود و نصاریٰ میں چلا آرہا ہے۔

قافلہ والے دعوت سے فارغ ہوگئے تو بحیرا نے پوچھا کہ یہ کس کا بچہ ہے ابوطالب نے کہا میرا بیٹا ہے بحیرا نے کہا یہ تمہارا بیٹا نہیں ہوسکتا، ابوطالب نے کہا ہاں یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے، پوچھا اس کا باپ کہاں ہے؟ ابوطالب نے کہا اس کے والد کی وفات اس کی پیدائش سے پہلے ہوگئی تھی۔ بحیرا نے کہا ہاں تم نے اب سچ بتایا۔ دیکھو اس کی حفاظت احتیاط سے کرو کیونکہ یہودیوں کی دشمنی کا ڈر ہے ان کو جلد اپنے وطن لے جاؤ، چنانچہ ابوطالب تجارت سے جلد فارغ ہو کر آپ کو مکہ مکرمہ واپس لے آئے [1]

شام کا دوسرا سفر
اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک بیوہ خاتون تھیں قریش میں بڑی عزت دار تھیں اور مالدار بھی، ان کے والد کا نام خویلد تھا۔ یہ مکہ والوں کو تجارت کے لئے مال دے کر بھیجا کرتی تھیں جس کا مطلب یہ تھا کہ میرا مال لے جاؤ جو نفع ہوگا اس میں سے اتنا تم لینا اتنا مجھے دینا، تجارت کی اس قسم کو مضاربت کہا جاتا ہے، خدیجہؓ نے آپ کی سچائی اور امانت داری اور بلند اخلاق کے احوال سنے تو آپؐ کے پاس خبر بھیجی کہ آپ بطور مضاربت میرا مال ملک شام لے جائیں، ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ آپ کو

---

[1] صفۃ الصفوۃ ص ۲۱ ج ۱

دوسرے تاجروں کے مقابلہ میں دوگنا نفع دوں گی، آپؐ نے منظور فرمالیا اور خدیجہؓ کا مال لے کر ملک شام کے لئے روانہ ہوگئے۔ خدیجہؓ نے آپ کے ساتھ اپنا ایک غلام بھی بھیج دیا جسے میسرہ کہا جاتا تھا، شام جاتے ہوئے راستہ میں بُصریٰ ایک جگہ آئی وہاں ایک درخت کے سایہ میں آپ نے قیام فرمایا۔ اس جگہ ایک نصرانی راہب "نسطورا" نامی کا صومعہ یعنی گرجا تھا۔ اس نے میسرہ سے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے جس نے درخت کے نیچے قیام کیا؟ میسرہ نے کہا کہ یہ اہلِ حرم میں سے ایک شخص ہے جو قریشی خاندان میں سے ہے کہنے لگا کہ یہ شخص نبوت سے سرفراز کیا جانے والا معلوم ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میسرہ کے ساتھ ملک شام پہنچ گئے۔ وہاں خدیجہؓ بی بی کا مال فروخت کیا اور تجارتی ضرورت سے متعلق جو مناسب جانا وہ وہاں سے مال خریدا جب شام سے واپس ہو رہے تھے تو میسرہ نے عجیب منظر دیکھا اور وہ یہ کہ آپؐ اپنے اونٹ پر سوار ہیں اور جب دوپہر میں سخت گرمی ہوتی ہے تو دو فرشتے آپؐ پر سایہ کرتے ہیں، جب مکہ معظمہ پہنچے اور بی بی خدیجہؓ کو معلوم ہوا کہ جو مال لے گئے تھے وہ بھی خوب زیادہ نفع سے فروخت ہوا ہے اور جو مال وہاں سے خرید کر لائے وہ بھی دوگنا نفع پر فروخت ہوگیا اور میسرہ نے خدیجہؓ کو وہ باتیں بتائیں جو نسطورا راہب نے بتائی تھیں اور فرشتوں کا سایہ کرنا بیان کیا اور خدیجہؓ نے خود بھی یہ منظر دیکھا کہ جب آپؐ دوپہر کے وقت مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو دو فرشتے آپؐ پر سایہ کئے ہوئے ہیں تو بی بی خدیجہؓ نے آپؐ کو نکاح کا پیغام بھیج دیا۔ آپؐ نے بی بی خدیجہ کے پیغام کا اپنے چچاؤں سے ذکر کیا۔ آپؐ کے چچا حمزہ بن عبد المطلب اور دوسرے چچا ابوطالب آپؐ کو ساتھ لے کر بی بی خدیجہ کے گھر تشریف لے گئے اور بی بی خدیجہؓ کے چچا عمرو بن اسعد نے یا ان کے بھائی عمرو بن خویلد نے آپ سے حضرت خدیجہؓ کا نکاح کر دیا۔ ابوطالب نے نکاح کا خطبہ پڑھا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پچیس سال تھی اور بی بی خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی، جناب ابوطالب نے اس وقت جو خطبہ پڑھا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

الحمد لله الذی جعلنا من ذریۃ ابراھیم وزرع اسمٰعیل وضئضیٔ معد وعنصر مضر وجعلنا حضنۃ بیتہ وسواس حرمہ وجعل لنا بیتا محجوجا وحرما آمنا وجعلنا الحکام علی الناس ثم ان ابن أخی ھذا محمد بن عبد اللہ لایوزن بہ رجل الارجح بہ فان کان فی المال قل فان المال ظل زائل وأمر حائل ومحمد من قد عرفتم قرابتہ وقد خطب خدیجۃ بنت خویلد وبذل لھا من الصداق ما آجلہ وعاجلہ من مالی وھو بعد ھذا واللہ لہ نبا عظیم وخطر جلیل۔

ترجمہ: سب تعریف اللہ کے لئے جس نے ہمیں ابراہیم کی ذریت سے اور اسمٰعیل کے تخم سے اور معد کی اصل سے اور مضر کی نسل سے پیدا فرمایا اور ہمیں اپنے گھر کا خدمت گذار اور اپنے حرم کا نگہبان بنایا اور ہمارے سلئے وہ گھر بنایا جس کا حج کیا جاتا ہے اور حرم کو امن کی جگہ بنایا اور ہمیں لوگوں پر حاکم بنایا۔ اس کے بعد یہ بات کہنا ہے کہ یہ میرے بھائی کا بیٹا محمد بن عبد اللہ ہے کوئی بھی شخص اس کے ہم پلہ نہیں، اگر مال اعتبار سے کمی ہے تو یہ کوئی قابل فکر بات نہیں۔ کیونکہ مال آنے جانے والی چیز ہے، تم لوگوں کو معلوم ہے کہ محمدؐ کی (ہم سے) کیا قرابت ہے محمدؐ نے خدیجہؓ بنت خویلد کو نکاح کا پیغام دیا ہے اس کے سلئے مہر ادا کرنے کا وعدہ کیا ہے مہر کی یہ مالیت دیر میں ادا کرنا ہو یا فی الحال یہ سب میرے مال سے ادا کر دی جائے گی۔ اس کے بعد یہ عرض کرنا ہے کہ اللہ کی قسم اس شخص کے سلئے آئندہ بڑی خبریں ہوں گی اور بڑی شان ہوگی۔[1]

---

[1] سیرۃ ابن ھشام، الروض الانف، وصفوۃ الصفوۃ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر میں بیس اونٹ مقرر فرمائے اور بعض روایات میں چار سو دینار مہر کا تذکرہ آیا ہے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مفصل تذکرہ ازواج مطہرات کے تفصیلی بیان میں مطالعہ فرمائیں۔

آپؐ سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دو شوہر گذر چکے تھے ان دونوں کی اولاد تھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی اولاد ہوئی بلکہ آپ کے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ آپ کی ساری اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تھی۔ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں۔

آپؐ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پہلے کوئی نکاح نہیں کیا اور جب تک وہ زندہ رہیں کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد مکہ معظمہ میں ہی (ہجرت سے پہلے) حضرت سودہؓ بنت زمعہ سے نکاح ہوا۔

بناء الکعبہ

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ بنی جرہم اس وقت مکہ معظمہ میں آکر آباد ہوئے تھے۔
جب حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سنسان چٹیل میدان میں چھوڑ کر چلے گئے تھے جب حضرت اسماعیل علیہ السلام بڑے ہوئے تو دونوں باپ بیٹوں نے مل کر کعبہ شریف بنایا اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیج دی جس نے کعبہ شریف کی بنیادیں ظاہر کردیں جو طوفانِ نوح میں دب گئی تھیں اور وہاں ایک ٹیلہ بن گیا تھا۔

پھر قریشِ مکّہ کے دور میں کعبہ شریف کی دیواریں منہدم ہوگئیں تو قریش مکّہ نے پھر سے بنانے کا ارادہ کیا۔ آپس میں کہنے لگے کہ یہ اللہ کا گھر ہے اس میں صرف حلال مال لگایا جائے کوئی پیسہ سود کا یا گناہ سے حاصل کیا ہوا یا ظلماً کسی سے لیا ہوا مال اس کی تعمیر میں نہ لگایا جائے۔ جب مال جمع کیا تو حلال مال اتنا جمع نہ کر سکے جس سے پورا کعبہ شریف بنا لیتے لہٰذا انہوں نے کعبہ شریف کا ایک حصّہ چھوڑ دیا یعنی عمارت میں نہ لیا جسے حطیم کہا جاتا ہے۔ تعمیرِ کعبہ کے لئے جب پتھر اٹھا اٹھا کر لائے جا رہے تھے تو اس عمل میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اپنے

چچا عباس بن عبدالمطلب کے ساتھ شریک تھے اس وقت آپ کے کاندھے پر کوئی کپڑا نہیں تھا کھال چھلنے کا اندیشہ تھا حضرت عباسؓ نے کہا کہ یہ جو تمہارا تہبند ہے اسے کاندھے پر رکھ لو تاکہ پتھروں کے منتقل کرنے میں آسانی ہو آپؐ نے اپنا تہبند کاندھے پر رکھ لیا تو شرم کے مارے بے ہوش ہو کر گر پڑے اور آنکھیں اوپر کو اٹھی ہوئی رہ گئیں۔ آپؐ نے چچا سے کہا کہ لاؤ میرا تہبند کہاں ہے چنانچہ آپؐ نے تہبند باندھ لیا اس کے بعد کبھی بھی بغیر تہبند نہیں دیکھا گیا۔[1]

ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ایک حکمت بیان فرمائی اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حاضرین کو آپؐ کا پورا جسم دکھا دیا تاکہ (نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد) اعتراض کرنے والے دشمن یوں نہ کہیں کہ جسمانی طور پر آپ کے اندر کوئی عیب ہے جیسا کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا تھا کہ یہ ننگے ہو کر سب کے سامنے غسل اس لئے نہیں کرتے کہ ان کے جسم میں عیب کی چیز ہے اللہ تعالیٰ نے پتھر کو حکم دیا تو وہ ان کے کپڑے لے کر بھاگ گیا وہ اس کے پیچھے دوڑے تو سب نے دیکھ لیا کہ جسمانی طور پر بھی ان کے اندر کوئی عیب نہیں ہے اس کو سورۃ الاحزاب کی آیت فَبَرَّأَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا میں بیان فرمایا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مرض جسمانی سے مبرأ ہونا بنی اسرائیل کے اعتراض کے بعد ظاہر کیا گیا اور حضرت خاتم المرسلین اشرف الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی برأت عن العیب فی الجسم نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے ہی ناظرین کو معلوم ہو گئی۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔

مال جمع کرنے کے بعد قریش نے کعبہ شریف کی تعمیر شروع کر دی اور جب عمارت اتنی اونچی ہو گئی کہ حجر اسود کو اس کی جگہ رکھا جا سکے تو آپس میں اس بات پر جھگڑنے لگے کہ حجر اسود کو اس کی جگہ پر کون رکھے۔ ہر قبیلہ خواہش مند تھا کہ ہمارا آدمی اس خدمت کو انجام دے جب جدال اور خصام نے طول پکڑ لیا

---

[1] صحیح البخاری ص۲۱۵ و ص۵۴۰

تو مسجد میں جمع ہوئے اور باہمی مشورہ سے یہ طے پایا کہ کل جو شخص سب سے پہلے مسجد میں داخل ہو وہ جو فیصلہ کرے اس کو تسلیم کر لیا جائے۔ جب کل کا دن آیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوئے جب آپؐ کو دیکھا تو کہنے لگے ھذا الامین رضیناہ (یہ شخص امین ہے ہم اس کے فیصلہ پر راضی ہیں) جب آپؐ مسجد میں اندر تشریف لائے تو آپؐ کو بتایا کہ ہمارا یہ جھگڑا ہے اور ہم آپ کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ایک کپڑا لاؤ آپؐ نے کپڑا بچھا کر حجر اسود کو اس کے بیچ میں رکھ دیا اور فرمایا کہ ہر قبیلہ کے افراد اس کے ایک ایک گوشہ کو پکڑ لیں اور سب اس کو اٹھا کر حجر اسود کی جگہ پر لے جائیں۔ چنانچہ سب نے ایسا ہی کیا جب وہاں پہنچ گئے تو آپؐ نے اپنے دست مبارک سے اٹھا کر اس کی جگہ دیوار میں رکھ دیا اس کے بعد کعبہ شریف کی مزید تعمیر شروع کر دی۔ اس وقت آپؐ کی عمر ۳۵ سال تھی۔[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے خطاب ہو کر فرمایا کہ تیری قوم نے جب کعبہ کو بنایا تو ابراہیم علیہ السلام کی پوری بنیاد پر بنانے سے قاصر رہ گئے (اور حطیم کو کعبہ شریف کی عمارت میں شامل نہیں کیا) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس کو پوری بنیادوں پر دوبارہ کیوں نہیں بنا دیتے۔ آپؐ نے فرمایا اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تیری قوم (قریش) کے لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں تو میں پھر سے تعمیر کر دیتا اور ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر پورا کر دیتا (چونکہ یہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اس لئے اندیشہ ہے کہ کعبہ شریف کو اگر منہدم کر کے دوبارہ پھر سے بنایا جائے اور حطیم کو داخل کر دیا جائے تو یہ لوگ یوں کہیں گے کہ اس نبیؐ نے کعبہ کو گرا دیا اور اس کو بدل دیا۔ اس لئے میں ایسا نہیں کرتا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے ایک فقہی مسئلہ مستنبط کیا ہے، وہ فرماتے تھے کہ چونکہ کعبہ شریف کے اندر کے دونوں گوشے

---

[1] سیرت ابن ہشام مع الروض الانف ص ۱۲۷ تا ص ۱۴۲ ملتقطاً و ملخصاً

(جو حطیم میں ہیں حقیقی گوشے نہیں ہیں، اصل عمارت کے درمیان ہیں (پوری عمارت میں حطیم شامل کرلیا تھا) اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں گوشوں کا استلام نہیں کیا۔ ؎

حضرت عائشہؓ کی روایت کردہ حدیث ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے زمانہ خلافت میں کعبہ شریف کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر بنادیا، پھر جب حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو قتل کروا دیا تو کعبہ شریف کو گرا کر پھر سے اسی طریقے پر بنادیا جیسے قریش نے بنایا تھا یعنی حطیم کو عمارت کعبہ سے باہر نکال دیا چنانچہ آج تک کعبہ شریف اسی طرح بنا ہوا ہے، (حطیم تعمیر کعبہ سے خارج ہے) لیکن کعبہ شریف کا جزء ہے چھت ہونے نہ ہونے کا فرق ہے اس میں مسلمانوں کے لئے یہ آسانی ہوگئی کہ کعبہ شریف کے چھت والے حصے میں داخل ہونے کا موقعہ نہ ملے تو حطیم میں داخل ہوجائے کیونکہ وہ بھی کعبہ شریف کا حصہ ہے البتہ نماز پڑھتے وقت یہ خیال رکھا جائے کہ عمارت والے حصہ کی طرف رُخ رکھا جائے۔

لانه أمر بالتوجه اليها فى نص القران المتواتر وخبر سيدة عائشة رضى الله عنها خبر الواحد فيحتاط فى التوجه القبلة ولا يقتصر على التوجه الى الحطيم فقط

؎ از صحیح بخاری ص۲۱۵ و ص۴۴۴ ۔

ظہورِ نبوّت اور فرشتے کی آمد

ظہورِ نبوّت اور فرشتے کی آمد

ظہورِ نبوّت سے پہلے بعض ایسے امور ظاہر ہوتے تھے جو عادت عامہ کے خلاف تھے انہیں حضرات علمارکرام "ارہاصات" سے تعبیر کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ظہور نبوّت سے پہلے) مکہ مکرمہ کی گھاٹیوں اور وادیوں سے گذرتے تھے تو جو بھی پتھر یا درخت سامنے آتا تھا وہ السّلام علیک یارسول اللہ کہتا تھا[1]

ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو نبوّت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا[2]

آپؐ کی ولادت کے وقت آپؐ کی والدہ کا نور دیکھنا جس سے شام کے محل نظر آگئے، کسریٰ کے محل کے کنگورے گر پڑنا بحر ساوہ کا خشک ہوجانا اور بحیرا کا گواہی دینا اور سفر میں بادلوں کا سایہ کرنا اور حضرت حلیمہ کے یہاں زمانہ قیام میں سینہ شق ہونا یہ سب ارہاصات ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ سب سے پہلے وحی کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اچھے خواب دیکھتے تھے اور جو کچھ خواب میں دیکھتے تھے وہ اس طرح سامنے آجاتا تھا جیسے واضح طور پر صبح کا ظہور ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد آپؐ کو خلوت میں وقت گذارنے کا اشتیاق ہوگیا۔

آپ حرار پہاڑ کے ایک غار میں (جو مسجد حرام سے تین میل دور ہے اور اُسے جبل نور کہا جاتا ہے) کئی کئی راتیں گذارا کرتے تھے ان راتوں میں عبادت فرماتے تھے ساتھ ہی کھانے پینے کی چیزیں لے جاتے تھے جب یہ چیزیں ختم ہوجاتی تھیں تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آتے اور چند راتوں کے لئے کھانے پینے کا سامان لے کر واپس حرا میں تشریف لے جاتے تھے۔ ایک دن غار حرا میں عبادت

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۴۰ ، [2] رواہ مسلم

میں مشغول تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ وحی لے کر آگیا۔ فرشتے نے کہا اِقْرَاْ (پڑھیے) آپؐ نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں) اس پر فرشتے نے آپؐ کو خوب اچھی طرح دبایا پھر چھوڑ دیا اور پھر وہی بات کہی کہ پڑھیے آپؐ نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں' فرشتے نے دوبارہ اچھی طرح دبا کر کہا کہ آپ پڑھیے آپؐ نے وہی جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں' فرشتہ نے تیسری بار پھر دبا کر چھوڑ دیا اور اس دفعہ یہ آیات پڑھ دیں:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ	پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا
خَلَقَ ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ	فرمایا انسان کو جمے ہوئے خون سے' پڑھیے
عَلَقٍ ۔ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ	آپ کا رب بہت بڑا عزت والا ہے جس
الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ	نے قلم کے ذریعہ سکھایا جس نے انسان کو
عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ (العلق ۱تا۵)	وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

آپؐ نے ان آیات کو دُہرالیا اس وقت آپ کا دل کانپ رہا تھا کیونکہ فرشتے نے تنہائی میں آپؐ کو دبایا تھا اور پہلی بار یہ واقعہ پیش آیا تھا آپؐ غارِ حرا سے واپس تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ (مجھے کپڑا اوڑھا دو' مجھے کپڑا اوڑھا دو) انہوں نے کپڑا اوڑھا دیا آپؐ لیٹے رہے یہاں تک کہ خوف کی کیفیت ختم ہو گئی۔

اس کے بعد آپؐ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو واقعہ سنایا اور ساتھ ہی یوں فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہے' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی بڑھاپے والی متانت اور سنجیدگی کو کام میں لائیں اور بڑی دانشمندی اور سمجھداری سے اطمینان دلاتے ہوئے کہا (کَلَّا) ایسا ہرگز نہیں ہو گا آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی رسوا نہیں کرے گا' آپ صلہ رحمی کرتے ہیں (یعنی اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں) اور سچ بات بولتے ہیں اور حاجتمند آدمی کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور جس کے پاس کچھ نہ ہو اس کے لئے محنت کر کے مال حاصل کرتے ہیں اور مہمان نوازی

کرتے ہیں اور حق کے بارے میں جو مصیبتیں آئیں ان کے مقابلہ میں مدد کرتے ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اوّل تو آپؐ کو تسلی دی اور آپؐ کے اچھے اچھے اخلاق بیان کرکے یہ بتایا کہ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا، پھر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، انہوں نے زمانہ جاہلیت میں بت پرستی کو چھوڑ کر نصرانی دین اختیار کر لیا تھا اس وقت ان کی بڑی عمر تھی نابینا ہو چکے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا کہ اے میرے چچا کے بیٹے ذرا اپنے بھائی کے بیٹے کی بات سنو (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاندانی رشتہ سے ان کے بھائی کے بیٹے لگتے تھے)۔

ورقہ بن نوفل نے دریافت کیا کہ آپؐ نے کیا دیکھا؟ آپؐ نے وہ واقعہ بتا دیا جو غار حرا میں پیش آیا تھا، اس پر ورقہ نے کہا یہ تو وہی رازدار فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس نازل فرمایا تھا، کاش میں اس وقت جوان قوی اور زندہ ہوتا جب آپؐ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔ آپؐ نے (تعجب سے) سوال کیا کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا کہ ہاں بات یہ ہے کہ جو دین آپؐ کے پاس آیا ہے (جس کی ابتدا ہوئی ہے) جب کبھی بھی کوئی شخص یہ دین لے کر آیا لوگوں نے اس سے دشمنی کی اگر میں نے وہ دن پالیا جب لوگ آپؐ کے دشمن بن جائیں گے تو میں بہت زوردار آپ کی مدد کروں گا اس کے بعد ورقہ کی موت ہو گئی اور وحی کا سلسلہ بھی رک گیا۔

پھر کچھ عرصہ کے بعد وحی آنے کا سلسلہ شروع ہو گیا آپؐ نے فرمایا کہ میں ایک دن جا رہا تھا کہ آسمان سے ایک آواز سنی اوپر نظر اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو غار حرا میں آیا تھا آسمان اور زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اسے دیکھ کر میں خوفزدہ ہو گیا، گھر جا کر وہی فرمائش کی کہ زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ (مجھے کپڑا اوڑھاؤ مجھے کپڑا اوڑھاؤ) حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کپڑا اوڑھا دیا۔ اس وقت آپؐ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۔ قُمْ فَاَنْذِرْ ۔

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۝ (المدثر ۱تا۵) (اے کپڑا اوڑھنے والے کھڑے ہو جاؤ، پھر ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور گندگی کو چھوڑ دو (یعنی بُت پرستی نہ کرو)۔ آپؐ تو بت پرستی نہیں کرتے تھے آپ کے ذریعہ دوسرے لوگوں کو منع فرمایا اور بُت ستی کو گندی چیز بتایا کیونکہ بُت پرستی عقیدہ بھی گندہ ہے اور اس پر عمل کرنا بھی گندگی ہے۔

دعوتِ اسلام کی ابتداء

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جب غارِ حرا میں وحی آئی اور آپؐ گھر تشریف لائے تو سب سے پہلے آپؐ کی اہلیہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دین اسلام قبول کیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آپؐ کے چچا کے بیٹے تھے انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہتے تھے ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت ہو گئی، زید بن حارثہ بھی اسلام میں داخل ہو گئے یہ یمن کے رہنے والے تھے بعض ظالموں نے ان کو ان کی والدہ سے چھین کر مکہ معظمہ میں لا کر اور یہ بتا کر کہ یہ ہمارا غلام ہے فروخت کر دیا تھا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خرید کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپؐ نے ان کو آزاد کر دیا اور بیٹا بنا کر رکھا۔ ان کے بعض واقعات آئندہ مذکور ہوں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اُم ایمن جنہوں نے بچپن میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دیکھ بھال کی تھی انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا ان کا نام "برکہ" تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو والدہ کی میراث میں مل گئی تھیں آپؐ نے انہیں آزاد کر کے زید بن حارثہ سے نکاح کر دیا تھا اُسامہ بن زید اُم ایمن ہی کے بیٹے تھے ان سے پہلے بھی ان کی اولاد تھی۔ ایمن ان کے پہلے شوہر سے تھے جو خیبر میں شہید ہوئے [۱]

یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کے لوگ تھے دیگر حضرات جنہوں نے

---

[۱] صحیح بخاری ص۲، ص۳۲، ص۲۲۱۔ [۲] ذکرہ فی الاصابۃ۔

ابتداءً اسلام قبول کیا ان میں سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ پہلے سے ان کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہت زیادہ میل جول تھا آپ کے اخلاق عالیہ سے واقف تھے جیسے ہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کی خبر ملی فوراً اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا۔

مادعوت أحدا إلى الاسلام إلا كانت عنده كبوة وتردد ونظر الا ان ابابكر ما عكم عنه حين ذكرته ولا تردد فيه[1]

ترجمہ: میں نے جس کو بھی اسلام کی دعوت دی ابوبکر کے سوا ہر ایک نے کچھ نہ کچھ توقف کیا اور سوچا جب میں نے ابوبکر سے ذکر کیا تو ذرا بھی تردد اور توقف نہیں کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ دعوت کے کام میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی شریک ہو گئے۔ ان کی دعوت پر حضرت عثمان ابن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص نے بھی اسلام قبول کر لیا ان حضرات کے علاوہ سابقین اولین میں حضرت عمار بن یاسر، حضرت خباب بن الارت، حضرت طلحہ، حضرت ارقم، حضرت سعید بن زید، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت خالد ابن سعید و حضرت عبیدہ ابن حارث، حضرت سہیل اور حضرت سعید ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اسمائے گرامی بھی مشہور و معروف ہیں۔

تین سال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خفیہ طریقے پر دعوت کا کام جاری رکھا جس کا مرکز دار الارقم (صفا کے قریب) تھا اور آپ کی دعوت سے متاثر ہو کر بہت سے افراد مسلمان ہو گئے پھر آپ نے امر الٰہی فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ پر عمل کرتے ہوئے بالجہار علی الاعلان دعوت کا کام شروع کر دیا جہاں جہاں میلے اور بازار لگتے تھے آپ وہاں بھی تشریف لے جاتے تھے وہاں آنے جانے والوں سے ملاقات فرماتے اور اسلام کی دعوت دیتے تھے ان بازاروں میں

[1] البداية والنهاية ص ۲۷ ج ۳

عکاظ اور مجنہ اور ذوالمجاز کا نام خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ آپ کا چچا ابولہب بھی ساتھ ساتھ لگا رہتا تھا جب آپ کسی مجمع سے خطاب فرماتے تو وہ کہتا تھا کہ اس کی بات مت مانو یہ دین سے پھر گیا ہے غلط باتیں کرتا ہے[1] (العیاذ باللہ)

اپنے خاندان کو خصوصی طور پر دین کی دعوت دینے کا حکم

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب آیت کریمہ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ (الشعراء: ۲۱۴) (آپ اپنے نزدیک کے کنبہ کو ڈرائیے) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صفا پہاڑ پر تشریف لے گئے اور وہاں چڑھ کر قریش کے مختلف خاندانوں کو آوازیں دے کر جمع فرمایا جب جمع ہوگئے تو ان سے دریافت فرمایا کہ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ میدان میں کچھ گھوڑ سواروں کی ایک جماعت ہے وہ تم پر حملہ کرنے والے ہیں تو کیا تم میری بات کی تصدیق کروگے؟ سب نے مل کر جواب میں کہا کہ ہاں ہم آپ کی تصدیق کریں گے ماجربنا علیك الا صدقا (ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا ہی پایا ہے)۔ آپ نے فرمایا تو سمجھ لو کہ میں تمہیں سخت عذاب میں مبتلا ہونے سے پہلے ڈرا رہا ہوں (یعنی اگر تم نے میری دعوت توحید قبول نہ کی تو تم سخت عذاب میں مبتلا ہوگے) یہ سن کر ابولہب نے کہا کہ تو ہمیشہ کے لئے ہلاک ہو گیا تونے ہمیں اس بات کے لئے جمع کیا ہے؟ اس پر تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ نازل ہوئی (ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے ان لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے قریش کی جماعت اپنی جانوں کو بچا لو (یعنی ایمان لاکر دوزخ کے عذاب سے محفوظ ہو جاؤ) میں اللہ کی طرف سے (آنے والے عذاب سے) تمہارے چھٹکارے کے لئے کچھ نہیں کرسکتا آپ نے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب سے

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۴۱ ج ۳

اپنی پھوپھی صفیہ سے بھی خصوصی طور پر نام لے کر یہی فرمایا اور اپنی بیٹی سے فرمایا اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ میرے مال میں سے تو جو چاہے سوال کر لے میں تجھے اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا[1] مطلب یہ ہے کہ آخرت میں نجات کا تعلق رشتہ داری اور کسی کا بیٹا بیٹی ہونے سے نہیں ہے اس کا تعلق ایمان سے ہے جس نے ایمان قبول کیا اور اسی پر موت آئی وہاں اس کے لئے نجات ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سارے ہی انسانوں اور جنّات کی طرف مبعوث ہوئے تھے آپ رحمۃ للعالمین تھے، سب ہی کو ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے، پھر بھی خاص طور سے اپنے اہل خاندان کو خصوصیت کے ساتھ ایمان کی دعوت دینے کا حکم فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ مبلغ اور داعی اپنے کنبہ اور خاندان کے لوگوں سے غافل نہ ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا اور پھوپھی کو نام لے کر خطاب فرمایا حتی کہ اپنی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی وہی بات فرمائی جو دوسروں سے فرمائی تھی حالانکہ وہ پہلے سے ہی مؤمن تھیں اور اب تک بالغ بھی نہ ہوئی تھیں۔

قریش کا ابوطالب کے پاس آنا

مشرکین مکہ کو آپؐ کی دعوت کا علم تو تھا ہی اور آپؐ کے دشمن بھی بنے ہوئے تھے لیکن اب تو اور زیادہ دشمن ہو گئے، جب توحید کی دعوت دی جاتی، کفر اور شرک کی شناخت اور قباحت بیان کی جاتی اور بتوں کے پجاریوں کے بارے میں کہا جاتا کہ یہ لوگ عقل کے خلاف کام کر رہے ہیں تو قریش مکہ آپؐ کی دعوت سن کر برا مانتے تھے۔

ایک مرتبہ جماعت بنا کر مشورہ کر کے آپؐ کے چچا ابوطالب کے پاس آئے کیونکہ ابوطالب آپؐ کی بہت زیادہ حمایت اور حفاظت کرتے تھے۔ جماعت میں عتبہ، شیبہ، ابوسفیان، عاص ابن ہشام، ابوجہل وغیرہم تھے ان لوگوں نے ابوطالب سے کہا کہ تمہارے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کو برا کہا ہے ہمارے دین کو عیب لگایا ہے ہمیں بے وقوف بنایا ہے، ہمارے باپ دادوں کو گمراہ ٹھہرایا ہے یہ سب

---

[1] صحیح بخاری ص ۵۰۰

ہماری برداشت سے باہر ہے اب یا تو ان کو روک دو یا تم درمیان سے نکل جاؤ پھر ان کا ہم جو چاہیں کریں، تم بھی تو ہمارے دین پر ہو تمہیں بھی ہمارا طرفدار ہونا چاہیئے۔ ابوطالب نے ان کی بات سُنی اور نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا۔

یہ لوگ چلے تو گئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برابر دعوت کے کام میں لگے رہے۔ قریش مکہ کو پھر دعوت کی بات بھاری پڑی اور دوبارہ ابوطالب کے پاس آئے اور وہی باتیں کہیں جو پہلے کی تھیں اور کہا کہ اب ہم صبر نہیں کر سکتے تم اپنے بھتیجے کو روک دو ورنہ ہم تمہارے بھتیجے سے اور تم سے جنگ کریں گے پھر دیکھا جائے گا کہ دونوں فریق میں سے کون ہلاک ہوتا ہے یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ابوطالب نے بات کی اور کہا کہ تم مجھ پر اور اپنی جان پر رحم کھاؤ مجھے اتنی تکلیف نہ دو جو میری برداشت سے باہر ہے تمہاری قوم کے لوگ دوبارہ آئے تھے اور تمہاری شکایت کی ہے اب تمہاری حمایت میرے بس کی نہیں ہے

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سمجھ لیا کہ اب چچا جان میری حمایت سے دستبردار ہو رہے ہیں اور میری مدد کرنے سے عاجزی ظاہر کر رہے ہیں آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ چچا جان اللہ کی قسم اگر یہ لوگ میرے سیدھے ہاتھ میں سورج رکھ دیں اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور یوں کہیں کہ دعوتِ حق کے کام کو چھوڑ دو یا ہلاک ہونا منظور کر لو تب بھی میں نہیں چھوڑ سکتا۔ اس کے بعد رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہاں سے اٹھ کر چل دیئے۔ جب ابوطالب نے یہ منظر دیکھا تو آپؐ کو آواز دی کہ آؤ میرے پاس آؤ۔ آپؐ تشریف لائے ابوطالب نے کہا جاؤ تم جو چاہو بیان کرو اللہ کی قسم میں تمہیں کسی کے سپرد نہیں کروں گا۔[1]

قریش مکّہ کا ابوطالب سے ایک اور سوال

قریش ایک بار پھر ابوطالب کے پاس پہنچے اور عمارہ بن الولید کو ساتھ لے

---

[1] سیرت ابن ہشام ص ۲۶۴ ج ۱

کر آئے اور کہا کہ اے ابو طالب تمہارے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کو، ہمارے دین وعقائد کو، ہمارے آباؤ اجداد کو بیوقوف بنایا ہے اس سے تم واقف ہو۔ اب ہم تمہارے پاس عمارہ بن ولید کو لائے ہیں یہ قریش میں سب سے زیادہ عقلمند جوان ہے اس کو تم لے لو اور اس کے بدلہ تم اپنے بھتیجے کو ہمارے سپرد کر دو تاکہ ہم اسے قتل کر دیں۔ معاوضہ میں کوئی عذر اور مضائقہ نہ ہونا چاہیئے۔

ابو طالب نے کہا کہ سبحان اللہ یہ تو بدترین سودا ہے۔ تم اپنا لڑکا دیتے ہو کہ ہم اس کو اپنے پاس سے کھلائیں اور میرا لڑکا مانگتے ہو تاکہ اس کو قتل کر دو۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ مطعم بن عدی نے کہا کہ اے ابو طالب تمہارے ساتھ تمہاری قوم نے بالکل انصاف کیا ہے جس پریشانی میں وہ مبتلا ہو گئے ہیں اس سے بچنے کے لئے انہوں نے پوری کوشش کی ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ تم اُن کی کوئی بات قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہو۔ ابو طالب نے کہا کہ واللہ یہ انصاف نہیں ہے اور اے مطعم یہ تُو نے ہی قوم کو بھڑکا کر میرے خلاف مظاہرہ کرایا ہے اور تُو چاہتا ہے کہ مجھے ذلیل کر دے۔ جاؤ تم لوگوں کے دل میں جو آئے کر لو[1]

---

[1] سیرت ابن ہشام ص ۲۶۵ ج ۱

قریشِ مکہ کی ہٹ دھرمی، ضد اور عناد

فرمائشی معجزات کا مطالبہ

آپ کی خدمت میں جاہ و مال کی پیشکش

آباء واجداد کی تقلید کا بہانہ

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ (۱۷۰)	اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کا اتباع کرو جو اللہ نے نازل فرمایا تو کہتے ہیں کہ بلکہ ہم اس کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا کیا وہ اپنے باپ دادا کا اتباع کریں گے اگرچہ وہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور ہدایت پر نہ ہوں۔

مشرکین کا یہ طریقہ تھا اور اب بھی ہے کہ وہ اپنے باپ دادوں کو مقتدا سمجھتے رہے ہیں، اُن کو ہزار سمجھایا جائے، حق کی دعوت دی جائے، توحید کی طرف بلایا جائے، اللہ کے دین اور اس کی شریعت قبول کرنے کے لئے کہا جائے اور توحید کی دلیلیں خوب کھول کر بیان کر دی جائیں اور شرک و کفر کی مذمت خوب واضح کر کے بتا دی جائے تو وہ کسی بھی قیمت پر اپنے باپ دادوں کا دین کفر و شرک چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتے ان کا یہی ایک جواب ہوتا ہے کہ ہم اس دین اور طور طریق اور رسم و رواج کے پابند ہیں جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا۔ اس آیت شریفہ میں مشرکین کی یہی بات نقل فرمائی ہے اور پھر اس کی تردید کی ہے۔ تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ۔ (کیا وہ اپنے باپ دادوں کا اتباع کریں گے اگرچہ وہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور ہدایت پر نہ ہوں) باپ دادوں نے اپنی ناسمجھی سے شرک اختیار کیا۔ غیر اللہ کی پرستش کی، بُرے رسم و رواج نکالے وہ لوگ کیسے لائق اتباع ہو سکتے ہیں؟ پھر یہ معلوم ہے کہ باپ دادوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہدایت نہیں، نہ اللہ تعالیٰ کی

کتاب ان کے پاس تھی نہ کسی نبی سے انہوں نے ہدایت حاصل کی تھی، سراپا گمراہی میں تھے گمراہوں کا اتباع کرنا کہاں کی سمجھداری ہے۔ قریش کا جاہلانہ دعویٰ کہ ہم نبوت کے مستحق ہیں۔ سورۃ الانعام میں فرمایا:

وَإِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا	"اور جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے
لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ	تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب
مَآ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ۘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ	تک کہ ہم کو ایسی چیز نہ دی جائے جیسی کہ
حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ	اللہ کے رسولوں کو دی گئی، اللہ جانتا ہے جہاں
سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا	اپنے پیغام کو بھیجے۔ عنقریب ان لوگوں کو
صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ	اللہ کے یہاں ذلت اور سخت عذاب پہنچے گا
شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ۝۱۲۴	اس وجہ سے کہ وہ مکر کرتے تھے۔"

ولید بن مغیرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم سے کہا کہ اگر نبوت واقعی کوئی چیز ہے تو میں تم سے زیادہ اس کا اہل ہوں کیونکہ میری عمر بھی تم سے زیادہ ہے اور میرا مال بھی کثیر ہے۔ اور دوسرا سبب نزول یہ نقل کیا ہے کہ ابوجہل نے کہا کہ بنو عبد مناف نے شرافت کے سلسلے میں ہم سے مقابلہ بازی کی یہاں تک کہ ہم گھوڑ دوڑ کے گھوڑے بن کر رہ گئے اب وہ کہہ رہے ہیں کہ ہم میں ایک نبی ہے جس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ اللہ کی قسم ہم اس مدعی نبوت پر ایمان نہ لائیں گے۔ جب تک ہمارے پاس بھی اسی طرح وحی نہ آجائے جیسی اس کے پاس آتی ہے۔

اس پر اللہ جل شانہ نے آیتِ بالا نازل فرمائی جس میں ولید بن مغیرہ کا بھی جواب ہو گیا اور ابوجہل کا بھی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ رسالت و نبوت سے سرفراز کرنا یہ اللہ جل شانہ کے انتخاب اور اختیار سے متعلق ہے وہ جسے چاہتا ہے اس عہدہ سے سرفراز فرماتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ رسالت اور نبوت کا اہل کون ہے اور اس عہدہ جلیلہ کا تحمل کس میں ہے۔ یہ کہنا کہ میں مستحق رسالت ہوں اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کو جہل کی طرف منسوب کرنا ہے۔ جنہوں نے یہ اعتراض کیا

ہے انہیں اللہ کے یہاں ذلت پہنچے گی اور انہیں سخت سزا ملے گی۔

مکہ والوں کا جاہلانہ اعتراض کہ مکہ یا طائف کے بڑے لوگوں میں سے نبی کیوں نہ آیا؟

سورۃ الزخرف میں ارشاد ہے:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۚ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ (۳۱،۳۲)

اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ قرآن دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر نازل نہیں کیا گیا؟ کیا وہ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں ہم نے ان کے درمیان دنیا والی زندگی میں ان کی معیشت تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے بعض کو بعض پر درجات کے اعتبار سے فوقیت دی ہے تاکہ ان میں سے ایک دوسرے سے کام لیتا رہے اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

دنیادار دنیا ہی کو بڑی چیز سمجھتے ہیں جس کے پاس دنیاوی مال و اسباب زیادہ ہوں یا چودھری قسم کا آدمی ہو کسی قسم کی سرداری اور بڑائی حاصل ہو اسی کو بڑا آدمی سمجھتے ہیں خواہ کیسا ہی بڑا ظالم خائن، سُود خور، کنجوس مکھی چوس ہو، جب کسی بستی یا محلّہ میں داخل ہو اور دریافت کرو کہ یہاں کا بڑا آدمی کون ہے تو وہاں کے رہنے والے کسی ایسے ہی شخص کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو مالدار صاحب اقتدار ہو، اخلاق فاضلہ والے انسان اللہ کے عبادت گزار بندے علوم و معارف کے حاملین کی بڑائی کی طرف لوگوں کا ذہن جاتا ہی نہیں، عموماً انسانوں کا یہی مزاج اور یہی حال رہا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ اور خصالِ حمیدہ کے سب معتقد اور معترف تھے لیکن جب آپؐ نے اپنی نبوت اور رسالت کا اعلان کیا تو جہاں تکذیب اور انکار کے

لئے لوگوں نے بہت سے بہانے ڈھونڈے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آپ پیسے والے آدمی نہیں اور آپ کو دنیاوی اعتبار سے کوئی اقتدار بھی حاصل نہیں ہے لہٰذا آپ کیسے نبی اور رسول ہو گئے؟ اگر اللہ کو رسول بھیجنا ہی تھا اور قرآن نازل کرنا ہی تھا تو شہر مکہ یا شہر طائف کے بڑے آدمیوں میں سے کسی شخص کو رسول بنانا چاہیئے تھا وہی رسول ہوتا اُسی پر قرآن نازل ہوتا، اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے شخص کو رسول بنایا جو پیسہ کوڑی کے اعتبار سے برتر نہیں اور جسے کوئی اختیار اور اقتدار کی برتری حاصل نہیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ اُن لوگوں کا اشارہ ولید بن المغیرہ اور عروہ بن مسعود ثقفی کی طرف تھا پہلا شخص اہل مکہ میں سے اور دوسرا شخص اہل طائف میں سے تھا یہ دونوں دنیاوی اعتبار سے بڑے سمجھے جاتے تھے ان ناموں کی تعیین میں اور بھی اقوال ہیں اللہ تعالیٰ شانہ نے ان لوگوں کی بات کی تردید فرمائی اور جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ (کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت یعنی نبوت کو تقسیم کرتے ہیں) یہ استفہام انکاری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انہیں کیا حق ہے کہ منصب نبوت کو اپنے طور پر کسی کے لئے تجویز کریں رسُول بنانے کا اختیار انہیں کس نے دیا ہے کہ یہ جس کے لئے چاہیں عہدۂ نبوت تجویز کریں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے نبوت اور رسالت سے سرفراز فرمائے وہ جسے منصب نبوت عطا فرماتا ہے اُسے اُن اوصاف سے متصف فرما دیتا ہے جن کا نبوت کے لئے ہونا ضروری ہے۔ سورۂ انعام میں فرمایا اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (اللہ خوب جاننے والا ہے اپنے پیغام کو جہاں بھیجے) ان لوگوں کو نہ کسی کو نبی بنانے کا اختیار ہے اور نہ نبی کے اوصاف تجویز کرنے کا۔ پھر فرمایا نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (ہم نے اُن کے درمیان معیشت یعنی زندگی کا سامان دنیا والی زندگی میں بانٹ دیا) وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (اور درجات کے اعتبار سے ہم نے بعض کو بعض پر فوقیت دے دی) کسی کو غنی بنایا کسی کو فقیر، کسی کو مالک بنایا اور کسی کو مملوک لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا

(تاکہ بعض لوگ بعض لوگوں کو اپنے کام میں لاتے رہیں) اگر سبھی برابر کے مالدار ہوتے تو کوئی کسی کا کام کیوں کرتا، اب صورت حال یہ ہے کہ کم پیسے والے مالداروں کے باغوں اور کھیتوں اور کارخانوں میں کام کرتے ہیں اور طرح طرح کے کاموں کی خدمت انجام دیتے ہیں اس طرح سے عالم کا نظام قائم ہے مالدار کام لیتے ہیں، کم پیسے والے مزدوری لیتے ہیں دنیا اسی طرح چل رہی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے دنیاوی معیشت کو انسانوں کی رائے پر نہیں رکھا جو ادنیٰ درجہ کی چیز ہے اور اپنی حکمت کے موافق بندوں کی مصلحتوں کی رعایت فرماتے ہوئے خود ہی مال تقسیم فرمادیا تو نبوت کا منصب کسی کو لوگوں کی رائے کے موافق کیسے دے دیا جاتا جو بہت ہی بلند و بالا چیز ہے۔ قال القرطبی فاذا لم یکن امر الدنیا الیھم فکیف یفوض امر النبوۃ الیہ۔ وَرَحْمَةُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ (اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو یہ لوگ جمع کرتے ہیں) یعنی جن لوگوں کو دنیاوی چیزیں دی گئی ہیں وہ انہیں جمع کرنے سمیٹنے میں لگے ہوئے ہیں انہیں سمجھنا چاہیئے کہ پروردگار جل مجدہٗ کی رحمت یعنی جنت اور وہاں کی نعمتیں اس سے بہتر ہیں۔

مشرکین کی جاہلانہ باتیں کہ قرآن کسی سے لکھوالیا ہے اور یہ کیسا نبی ہے جو کھانا کھاتا ہے۔ سورہ فرقان میں فرمایا:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَاۗءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۔ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۔ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۔ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا

وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۔ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۔ (۴ تا ۹)

ترجمہ : اور جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے کہا کہ یہ کچھ نہیں ہے صرف ایک جھوٹ ہے سو یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ کو لے کر آئے اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ پرانے لوگوں کی باتیں ہیں جو نقل ہوتی چلی آئی ہیں جن کو اس نے لکھوا لیا ہے سو وہی صبح شام اس کو سنائی جاتی ہیں' آپ فرما دیجئے کہ اس کو اس ذات نے نازل فرمایا ہے جو چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے آسمانوں میں ہوں یا زمین میں بلاشبہ وہ بخشنے والا ہے مہربان ہے اور ان لوگوں نے کہا اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے' اس پر کیوں نہیں نازل ہوا ایک فرشتہ جو اس کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا' یا اس کی طرف کوئی خزانہ ڈال دیا جاتا' یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس میں سے کھاتا' اور ظالموں نے کہا کہ تم ایسے ہی آدمی کا اتباع کرتے ہو جس پر جادو کیا گیا ہے' آپ دیکھ لیجئے انہوں نے آپ کے لئے کیسی عجیب عجیب باتیں بیان کی ہیں' سو وہ گمراہ ہو گئے پھر وہ کوئی راہ نہیں پائیں گے ۔"

وَقَالُوْا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا الآية اور ان لوگوں نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو یوں کہتے ہیں کہ مجھ پر اللہ کا کلام نازل ہوتا ہے اس میں نازل ہونے والی کوئی بات نہیں ہے یہ پرانی لکھی ہوئی باتیں ہیں جو پہلے سے نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں انہیں کو انہوں نے لکھوا لیا ہے یہ صبح شام بار بار ان کے اوپر پڑھی جاتی ہیں جس کی وجہ سے انہیں یاد ہو جاتی ہیں انہی کو پڑھ کر سنا دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں یہ مجھ پر اللہ کا کلام نازل ہوا ہے' ان لوگوں کی اس بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ (آپ فرما دیجئے کہ اس قرآن کو اس ذات پاک نے نازل فرمایا ہے جسے ہر چھپی ہوئی بات کا علم ہے آسمانوں میں ہو یا زمین میں تم جو خفیہ مشورے کرتے ہو اور آپس میں جو چپکے چپکے یوں کہتے ہو کہ یہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے بنا لیا ہے یا دوسروں سے لکھوا لیا ہے قرآن نازل فرمانے والے کو تمہاری ان سب باتوں

کا پتہ ہے وہ تمہیں اس کی سزا دے گا اِنَّهٗ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (بلاشبہ وہ بخشنے والا ہے مہربان ہے) اس میں یہ بتایا کہ تم نے جو باتیں کہی ہیں یہ کفریہ باتیں ہیں ان کی وجہ سے تم عذاب کے مستحق ہو گئے ہو لیکن جس نے یہ قرآن نازل فرمایا ہے وہ بہت بڑا کریم ہے اگر اپنی کفریہ باتوں سے توبہ کر لوگے اور ایمان لے آؤ گے تو وہ پرانی تمام باتوں کو معاف فرما دے گا۔

مزید فرمایا: وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ (الآیۃ) (اور ان لوگوں نے یوں کہا کہ اس رسول کو کیا ہوا یہ تو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے) ان لوگوں نے اپنی طرف سے نبوت اور رسالت کا ایک معیار بنا لیا تھا اور وہ یہ تھا کہ رسول کوئی ایسی شخصیت ہونی چاہیے جو اپنے اعمال و احوال میں دوسرے انسانوں سے ممتاز ہو جو شخص ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور اپنی ضرورتوں کے لئے بازار میں جاتا ہے چونکہ یہ شخص ہمارے ہی جیسا ہے اس لئے یہ رسول نہیں ہو سکتا، یہ ان لوگوں کی حماقت کی بات ہے، خود تراشیدہ معیار ہے، صحیح بات یہ ہے کہ انسانوں کی طرف جو شخص مبعوث ہو وہ انسان ہی ہونا چاہئے جو قول سے بھی بتائے اور عمل کر کے بھی دکھائے، کھانا کھانے کھلانے کے احکام بھی بتائے اور خرید و فروخت کے طریقے بھی سمجھائے۔

منکرین رسالت نے رسالت و نبوت کا معیار بیان کرتے ہوئے اور بھی بعض باتیں کہیں۔

اوّلاً یوں کہا لَوْلَا اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا (اس پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا جو اس کے کام میں شریک ہوتا اور نذیر ہوتا)۔ یعنی وہ بھی لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا۔

دوم اَوْ یُلْقٰۤی اِلَیْهِ كَنْزٌ (یا اس کی طرف کوئی خزانہ ڈال دیا جاتا)

سوم اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا (یا اس کے لئے کوئی باغ ہوتا جس میں سے کھاتا پیتا) انہوں نے جو یوں کہا تھا کہ رسول میں کوئی امتیازی شان ہونی

چاہیے اس امتیازی شان کو انہوں نے خود ہی تجویز کیا کہ ان کے ساتھ کوئی فرشتہ ہوتا جو کارِ رسالت میں ان کا شریک ہوتا یا ان کے پاس خزانہ ہوتا یا ان کا کوئی باغ ہوتا جب ان میں سے کوئی چیز نہیں تو ہم اور یہ برابر ہوئے پھر اس کے دعوائے رسالت کو کیسے مان لیں، ان باتوں کے ساتھ انہوں نے ایک اور ظلم کر دیا اور اہلِ ایمان سے یوں کہہ دیا کہ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا (کہ تم تو ایک ایسے ہی آدمی کا اتباع کر رہے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے) کسی نے اس پر جادو کر دیا ہے جس کی وجہ سے ایسی باتیں کرتا ہے جب قرآن جیسا کلام نہ لا سکے اور دلائل اور معجزات کے سامنے لاجواب ہو گئے تو آخر میں یہ بات نکالی کہ تم جسے رسول مان رہے ہو وہ مسحور ہے اس پر کسی نے جادو کر دیا ہے جس کی وجہ سے ایسی باتیں کرتا ہے۔

اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا آپ دیکھ لیجئے کہ یہ لوگ آپ کے لئے کیسی کیسی باتیں بیان کر رہے ہیں سو وہ گمراہ ہو گئے پھر وہ راہ نہیں پا سکیں گے (اگر غور کرتے اور عقل سے کام لیتے تو یہی قرآن اور یہی رسول جن پر اعتراض کر رہے ہیں ان کی ہدایت کا سبب بن جاتے اب تو وہ اعتراض کر کے دور جا پڑے اب وہ راہ حق پر نہ آئیں گے)

قریش مکہ کی فرمائش کہ زمین میں نہریں جاری کر دیں یا آسمان کو گرا دیں یا آسمان پر چڑھ کر دکھا دیں

سورہ الاسراء میں فرمایا:

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا

كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (۹۰ تا ۹۳)

ترجمہ: اور ان لوگوں نے کہا کہ ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری نہ کر دیں یا خاص کر آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو، پھر آپ اس باغ کے درمیان بہت سی نہریں جاری کر دیں یا آپ ہمارے اوپر آسمان کو ٹکڑوں کی صورت میں گرا دیں جیسا کہ آپ کا بیان ہے یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے لے آئیں یا آپ کا گھر ہو جو خوب زینت والا ہو یا آپ آسمان میں چڑھ جائیں اور ہم آپ کے چڑھنے پر ہرگز یقین نہ کریں گے یہاں تک کہ آپ ہمارے اوپر ایک لکھی ہوئی کتاب نازل کر دیں جسے ہم پڑھ لیں۔ آپ فرما دیجئے کہ میرا رب پاک ہے میں تو صرف ایک بشر ہوں پیغمبر ہوں)۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کا کام شروع کیا اور مشرکین مکہ کو توحید کی دعوت دی اور بت پرستی چھوڑنے کے لیے فرمایا تو وہ دشمن ہو گئے، حق قبول کرنے سے دور بھاگتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح سے ستاتے تھے کٹ حجتی پر تلے ہوئے تھے۔ الٹے الٹے سوال کرتے اور بے تکی فرمائشیں کرتے تھے نیز جن میں سے چند فرمائشیں آیات بالا میں مذکور ہیں۔

صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے کہ قریش مکہ کے چند افراد جمع ہوئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہ جو آپ نے نئی باتیں شروع کی ہیں اگر ان کے ذریعہ آپ کو مال طلب کرنا مقصود ہے تو بتا دیجئے ہم آپ کو مال دے دیں گے آپ ہم میں سب سے بڑے مالدار ہو جائیں گے اور اگر بڑا بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو بادشاہ بنا لیتے ہیں اور اگر آپ کو کوئی جنون ہو گیا ہے تو وہ بتا دیجئے ہم اپنے اموال خرچ کر کے آپ کا علاج کرا دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے مجھے اللہ نے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر کتاب نازل فرمائی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں اس کے قبول کرنے پر بشارتیں سناؤں اور مخالفت کے انجام سے ڈراؤں، میں نے تمہیں پہنچا دیا اور خیر خواہی کے ساتھ سمجھا دیا۔ اگر تم اس کو

قبول کرتے ہو تو یہ دنیا و آخرت میں تمہارا نصیب ہوگا اور اگر اس کو نہیں مانتے تو میں صبر کرتا ہوں یہاں تک کہ اللہ پاک میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائیں۔

وہ لوگ کہنے لگے تو پھر ایسا کرو کہ اپنے رب سے سوال کرو کہ یہ پہاڑ مکہ کی سرزمین سے ہٹ جائیں جن کی وجہ سے ہماری جگہ تنگ ہو رہی ہے اور ہمارے شہروں میں وسعت ہو جائے۔ جیسے شام وعراق میں نہریں ہیں اس طرح کی نہریں ہمارے شہر میں جاری ہو جائیں اور ہمارے مردہ باپ دادوں کو قبروں سے اٹھا دو جن میں سے قصی بن کلاب بھی ہو۔ یہ لوگ قبروں سے اٹھ کر آپ کی تصدیق کردیں تو ہم مان لیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میرا کام نہیں، میں ایسا کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا، مانتے ہو تو مان لو اور نہیں مانتے تو میں صبر کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کا جو فیصلہ ہوگا ہو جائے گا۔

وہ کہنے لگے اگر ایسا نہیں کرتے تو اپنے رب سے یہ سوال کیجئے کہ آپ کی تصدیق کے لئے ایک فرشتہ بھیج دے۔ اور یہ سوال کرو کہ آپ کو باغات اور محلات دے دے اور سونے چاندی کے خزانے دے دے جن کی وجہ سے آپ غنی ہو جائیں اور یہ آپ کی ظاہری حالت (جو مال کی کمی کی وجہ سے ہے) نہ رہے آپ تو ہماری طرح بازاروں میں کھڑے ہوتے ہیں اور ہماری طرح معاش تلاش کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ یہ میرا کام نہیں مجھے تو اللہ تعالیٰ نے نذیر بنا کر بھیجا ہے، کہنے لگے اچھا ایسا کرو کہ ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دو۔ آپ کہتے ہیں کہ اللہ کو اس پر قدرت ہے، اگر قدرت ہے تو اس کا مظاہرہ ہو جائے۔ آپ نے فرمایا اللہ چاہے تو وہ تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کر سکتا ہے، اس پر ان میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ ہم آپ پر اس وقت ایمان لائیں گے جب آپ اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے لائیں۔ ان باتوں کے بعد آپ وہاں سے کھڑے ہو گئے، انہیں میں آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا عبداللہ بن ابی امیہ بھی تھا۔ وہ بھی آپ کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا اے محمدؐ آپ کی قوم نے کئی باتیں پیش کیں آپ نے کسی کو قبول نہ کیا۔ اب آپ ایسا کریں کہ ایک سیڑھی لیں اور میرے سامنے آسمان پر چڑھ جائیں اور ایک نوشتہ لکھی

ہوئی کتاب بھی لائیں اور آپ کے ساتھ فرشتے بھی آئیں جو آپ کی تصدیق کریں۔ آپ نے ایسا کر دیا تو میں آپ کی تصدیق کر لوں گا۔

یہ باتیں سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہوئے اور اسی حالت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیات بالا نازل فرمائیں اور آپ کو حکم دیا کہ آپ لوگوں کو جواب میں فرما دیں سُبْحَانَ رَبِّیْ (کہ میرا رب پاک ہے تمہارے طلب کردہ معجزات سے عاجز نہیں ہے، اللہ چاہے تو فرمائشی معجزات ظاہر فرما دے لیکن وہ کسی کا پابند نہیں ہے جو لوگوں کے لئے فرمائشی معجزات ظاہر فرمائے۔

هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (میں تو ایک بشر ہی ہوں ایک انسان ہوں ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے) اگر میں دوسرے انسانوں کی طرح کھاتا پیتا ہوں اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہوں تو یہ بشریت کے تقاضوں کے موافق ہے اور جو توحید و رسالت کی باتیں کرتا ہوں یہ رسول ہونے کی حیثیت سے ہیں اور رسول ہونے کے لوازم میں یہ باتیں نہیں ہیں جن کا تم نے مطالبہ کیا ہے، جو مجھ پر ایمان لائے گا اس کا یہ ایمان اسے نفع دے گا اور جو منکر ہوگا اپنا برا کرے گا رسول کے ذمہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ واضح طور پر حق بیان کر دے اور پوری طرح اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچا دے۔

نضر بن حارث کی شرارت

سورہ لقمان میں فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ	اور بعض ایسے لوگ ہیں جو ان باتوں کو خریدتے
لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	ہیں جو کھیل کی باتیں ہیں تاکہ بغیر علم کے اللہ کے
بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا	راستے سے ہٹائیں اور اللہ کی راہ کا مذاق بنائیں
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ	ان لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے اور
مُّهِيْنٌ ۔ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ	جب ایسے شخص پر ہماری آیات کی تلاوت کی جاتی
اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا	ہے تو تکبر کرتے ہوئے پیٹھ پھیر دیتا ہے گویا کہ

كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ	اس نے ان کو سنا ہی نہیں گویا کہ اس کے دونوں
فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ	کانوں میں بوجھ ہے سو آپ اس کو دردناک
بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ (۷۰۶)	عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے۔

آیت بالا کا سببِ نزول بیان کرتے ہوئے کئی باتیں منقول ہیں۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ نضر بن حارث (جو مشرکین مکہ میں سے اسلام کے بڑے کٹر دشمنوں میں سے تھا) نے ایک گانے والی باندی خرید لی تھی اُسے جس کے بارے میں یہ خبر ملتی تھی کہ وہ اسلام قبول کرنے کا ارادہ کر رہا ہے تو وہ اسے اس لونڈی کے پاس لے جاتا تھا اور اس لونڈی سے کہتا تھا کہ اس شخص کو کھلا پلا اور گانا سُنا، پھر جس شخص کو ساتھ لے جاتا تھا اس سے کہتا تھا کہ یہ اُس سے بہتر ہے جس کی طرف تجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دیتے ہیں وہ تو کہتے ہیں کہ نماز پڑھ، روزے رکھ اور ان کے ساتھ مل کر اُن کے دشمنوں سے جنگ کر، اس پر آیتِ کریمہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ نازل ہوئی۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ نضر بن حارث تجارت کے لئے فارس جاتا تھا وہاں سے عجمیوں کی کتابیں خریدتا تھا پھر انہیں مکہ معظمہ میں لا کر قریش کو سناتا تھا اور کہتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں عاد اور ثمود کی باتیں سُناتے ہیں اور میں تمہیں رستم اور اسفندیار اور فارس کے بادشاہوں کی خبریں سناتا ہوں، لوگوں کو یہ باتیں پسند آتی تھیں اور قرآن کے بجائے ان چیزوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے، اس پر آیت بالا نازل ہوئی، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ابن خطل نے یہ حرکت کی تھی کہ اس نے گانے والی باندی خریدی تھی جو ایسے گانے گاتی تھی جو مسلمانوں کو اور اسلام کو بُرے الفاظ سے ذکر کرنے پر مشتمل ہوتے تھے۔

حبِّ دُنیا اور تکبر ظالموں کو حق قبول کرنے سے مانع ہوتا ہے

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ	بے شک ہم جانتے ہیں کہ آپ کو ان کی باتیں
الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ	رنجیدہ کرتی ہیں سو یہ یقینی بات ہے کہ وہ آپ
لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ	کو نہیں جھٹلاتے اور لیکن ظلم کرنے والے اللہ

الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ ۝ (۳۳)   کی آیات کا انکار کرتے ہیں)

معالم التنزیل ص۱۳۲ ج۲ میں لکھا ہے کہ اخنس بن شریق کی ابوجہل سے ملاقات ہوگئی اخنس نے ابوجہل سے کہا کہ اس وقت یہاں تیرے اور میرے سوا کوئی نہیں تو مجھے سچی بات بتادے کہ محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے دعوے میں سچے ہیں یا جھوٹے؟ ابوجہل نے کہا اللہ کی قسم! اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا لیکن ہمارے جھٹلانے کی وجہ یہ ہے کہ جب بنو قصی (جو قریش کا ایک قبیلہ تھا جس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے) کے پاس علمبرداری بھی چلی جائے اور سقایہ (یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت) بھی چلی جائے اور کعبہ شریف کی کلید برداری بھی چلی جائے اور مجلس شوریٰ کی سرداری بھی انہی کو پہنچ جائے اور نبی بھی انہیں میں سے ہو جائے تو باقی قریش کے لئے کیا بچے گا؟

اور بعض روایات میں ہے کہ ابوجہل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم سے کہا کہ ہم آپ پر تہمت نہیں دھرتے اور نہ آپ کو جھٹلاتے ہیں ہم تو اس چیز کو جھٹلاتے ہیں جس کی دعوت لے کر آپ تشریف لائے اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ ان کو آپ کی نبوت و رسالت میں اور آپ کے دعوے کے سچے ہونے میں کوئی شک نہیں یہ آپ کو سچا سمجھتے ہیں لیکن ان کو اللہ کی آیات سے ضد ہے۔ اللہ کی آیات ان کے اعتقادات اور ان کے شرکیہ دین کے خلاف کھول کھول کر بیان کر رہی ہیں اس لئے ان کے مخالف ہیں اور ان کو جھٹلاتے ہیں۔ سورۃ القصص میں فرمایا:

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى	اور انہوں نے کہا کہ اگر ہم آپ کے ساتھ
مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ	ہدایت کا اتباع کرنے لگیں تو ہم اپنی زمین سے
اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا	اچک لئے جائیں گے کیا ہم نے انہیں امن
يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىْءٍ	وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں
رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ	ہر چیز کے پھل لائے جاتے ہیں جو ہمارے

اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (۵۷) پاس سے کھانے کے لئے دیئے جاتے ہیں اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے)۔

علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے (۴۲) کہ حارث بن عثمان بن نوفل بن عبد مناف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ آپ کی بات حق ہے لیکن ہم جو ایمان لانے اور ہدایت قبول کرنے سے بچ رہے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ ہمیں ڈر ہے کہ اہل عرب ہمیں ہماری سرزمین مکہ سے اچک لیں گے یعنی ہمارے خلاف محاذ بنا کر ہمیں مکہ معظمہ سے نکال دیں گے۔ یہ خواہ مخواہ کی حیلہ بازی تھی کیونکہ عرب کے قبائل آپس میں ایک دوسرے پر حملہ کرکے لوٹ مار تو کرتے تھے اور ایک دوسرے کے دشمن بنے رہتے تھے لیکن حرم مکہ کو محترم جانتے تھے اور اہل مکہ پر کبھی حملہ نہیں کرتے تھے اسی کو فرمایا اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا آمِنًا (کیا ہم نے انہیں امن و امان والے حرم میں جگہ نہیں دی) جب امن کی جگہ میں رہتے ہیں جہاں قتل و قتال اور لوٹ مار کرنے سے سارے عرب بچتے ہیں تو یہ بہانہ کیوں بناتے ہو کہ ہم ایمان قبول کرلیں گے تو ہمیں عرب اچک لیں گے۔

حرم پر امن بھی ہے اور کھانے پینے کے لئے ہر قسم کے پھل وہاں کھچے چلے آرہے ہیں تو وہاں نہ خوف کی بات ہے نہ بھوکے رہنے کا ڈر ہے۔ اسی کو سورۃ القریش میں فرمایا: فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِيْ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ (۴۳) (سو اس بیت کے رب کی عبادت کریں جس نے انہیں بھوک کی وجہ سے کھلایا اور خوف سے امن دیا) اس وہم میں پڑنا کہ ایمان لانے کی وجہ سے لوگ ہمیں اُچک لیں گے یہ خیال غلط ہے ایمان سبب ہلاکت نہیں کفر سبب ہلاکت ہے۔

عتبہ بن ربیعہ کا حاضر خدمت ہو کر گفتگو کرنا

تفسیر قرطبی ص ۳۲۸ ج ۱۵ میں لکھا ہے کہ ایک دن قریش نے آپس میں یوں کہا جن میں ابوجہل بھی تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ہمارے لئے اشکال کا باعث

بن گیا ہے (واضح طور پر ہم اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر ہیں). تم ایسا کرو کہ ایسے شخص کو تلاش کرو جو شاعر بھی ہو اور کاہن بھی اور ساحر بھی! ایسا شخص ان کے پاس جائے اور گفتگو کرکے واپس آئے اور ہمیں واضح طور بتادے کہ ان کے دعویٰ کی کیا حقیقت ہے۔ یہ سن کر عتبہ بن ربیعہ نے کہا کہ اللہ کی قسم میں کہانت اور شعر اور سحر تینوں سے واقف ہوں اگر ان تینوں میں سے کوئی چیز ہوگی تو مجھے پتہ چل جائے گا ان لوگوں نے کہا کہ اچھا تم محمد (علیہ السلام) کے پاس جاؤ اور بات چیت کرو۔

عتبہ بن ربیعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اے محمد آپ بہتر ہیں یا قصی بن کلاب؟ آپ بہتر ہیں یا ہاشم؟ آپ بہتر ہیں یا عبدالمطلب؟ آپ بہتر ہیں یا عبداللہ؟ (مطلب یہ تھا کہ یہ آپ کے آباؤ اجداد ہیں آپ ان کے دین کو باطل بتاتے ہیں) آپ ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں اور ہمارے باپ دادوں کو گمراہ بتاتے ہیں اور نا سمجھ بتاتے ہیں اور ہمارے دین کو برا کہتے ہیں (ان سب باتوں سے آپ کا مقصد کیا ہے) اگر آپ سردار بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو سردار بنالیتے ہیں جب تک آپ زندہ رہیں اور اس کے اظہار اور اعلان کے لئے جھنڈے کھڑے کردیتے ہیں اور اگر آپ کا مقصد یہ ہے کہ آپ کی شادی ہو جائے تو ہم قریش کی دس لڑکیوں سے آپ کا نکاح کردیتے ہیں جنہیں آپ چاہیں اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو ہم آپ کے لئے اتنا مال جمع کردیں گے کہ اس کی وجہ سے آپ اور آپ کے بعد آنے والے آل و اولاد سب کو بے نیاز کردیں گے اور اگر یہ بات ہے کہ جو کچھ آپ کی زبان سے نکلتا ہے یہ جنات کا کوئی اثر ہے تو بتادیجئے ہم مال جمع کریں گے اور آپ کا علاج کرادیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب باتیں خاموشی کے ساتھ سنتے رہے جب عتبہ اپنی باتیں کہہ چکا تو آپ نے فرمایا اے ابوالولید تو اپنی باتوں سے فارغ ہو گیا؟ (ابوالولید عتبہ کی کنیت تھی) عتبہ نے کہا کہ ہاں میں کہہ چکا! آپ نے فرمایا کہ سن! بس کہنے لگا کہ سنائیے، آپ نے بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ؕ

پڑھ کر سورہ حٰمٓ السجدہ پڑھنا شروع کیا اور فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُکُمْ صَاعِقَۃً مِّثْلَ صَاعِقَۃِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ (۱۳)۔ تک پڑھتے چلے گئے آپ یہاں تک پہنچے تھے کہ عتبہ کود پڑا اور آپ کے منہ مبارک پر ہاتھ رکھ دیا اور اللہ کی قسم دی کہ آپ خاموش ہو جائیں اس کے بعد وہ اپنے گھر چلا گیا اور قریش کی مجلس میں نہ آیا ابوجہل نے اس سے کہا کیا تو بے دین ہو کر محمدؐ کی طرف ڈھل گیا یا تجھے محمدؐ کا کھانا پسند آ گیا، یہ سن کر عتبہ غصہ ہو گیا اور اس نے قسم کھائی کہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بھی بات نہ کروں گا۔ اس کے بعد عتبہ نے کہا اللہ کی قسم تم جانتے ہو کہ میں قریش میں سب سے زیادہ مال والے لوگوں میں سے ہوں (مال یا طعام کی وجہ سے میں خاموش نہیں ہوا لیکن بات یہ ہے کہ جب میں نے محمدؐ علیہ السلام سے گفتگو کی تو انہوں نے جو مجھے جواب دیا اس سے میں نے یہ سمجھ لیا کہ نہ وہ شعر ہے نہ کہانت ہے نہ جادو ہے۔ اس کے بعد عتبہ نے (مِثْلَ صَاعِقَۃِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ) تک آیات سنا دیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں اور اس نے بتایا کہ میں نے ان کا منہ پکڑ لیا اور قسم دی کہ آگے نہ پڑھیں، سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے عتبہ نے مزید کہا کہ تم جانتے ہو کہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کبھی بھی کوئی بات کہی ہے جھوٹ نہیں بولا میں ڈر گیا کہ تم لوگوں پر عذاب نازل نہ ہو جائے۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عتبہ بن ربیعہ کے سامنے سورہ حٰمٓ سجدہ کے شروع سے آیت سجدہ تک تلاوت کی عتبہ کان لگا کر سنتا رہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قرات ختم کر دی تو فرمایا اے ابوالولید تو نے سن لیا جو میں نے کہا آگے تو جانے (تو ایمان لائے نہ لائے، عذاب میں گرفتار ہو تو جانے)۔

عتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے اٹھا اور قریش کی مجلس میں پہنچا وہ اس کی صورت دیکھتے ہی کہنے لگے کہ اللہ کی قسم ابوالولید کا رخ بدلا ہوا ہے یہ دوسرا چہرہ لے کر آیا ہے۔ اس کے بعد عتبہ سے قریش نے کہا اے ابوالولید تو کیا خبر لایا؟ کہنے لگا اللہ کی قسم محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے ایسا کلام سنا ہے کہ اس جیسا کبھی نہیں سنا،

میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ نہ شعر ہے نہ کہانت ہے لہٰذا اس مسئلہ میں تم میری بات مان لو محمد کو ان کے حال پر چھوڑ دو (صلی اللہ علیہ وسلم) اور انہیں کچھ نہ کہو اللہ کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ ان کی باتوں کا ضرور چرچا ہوگا کہ اگر اہل عرب نے ان کو ختم کر دیا تو دوسروں کے ذریعہ تمہارا کام چل جائے گا اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بادشاہ بن گئے یا ان کی نبوت کا مظاہرہ ہو گیا تو تمہیں اس کی سعادت پوری طرح نصیب ہو جائے گی کیونکہ ان کا ملک تمہارا ہی ملک ہوگا اور ان کا شرف تمہارا ہی شرف ہے۔ یہ سن کر قریش کہنے لگے۔ اے ابوالولید محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تجھ پر جادو کر دیا ہے عتبہ نے کہا یہ میری رائے ہے آگے تم جو چاہو کرو۔

ولید بن مغیرہ کا خدمت عالی میں حاضر ہونا

سورۃ المدثر میں فرمایا:

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ۝ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۝ وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا ۝ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ۝ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ۝ كَلَّا اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا ۝ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ۝ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝ فَقُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ قُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ فَقَالَ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ۝ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝ سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ ۝ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ۝ لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ ۝ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۝ عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝ (۱۱ تا ۳۰)

ترجمہ: مجھے اور اس شخص کو رہنے دو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا اور اسے میں نے مال دیا جو بڑھتا جارہا ہے اور اس کے ساتھ رہنے والے بیٹے دیئے اور میں نے اس کے لئے ہر طرح کا سامان مہیا کر دیا، پھر وہ آرزو کرتا ہے کہ میں اُسے اور زیادہ دوں گا ہرگز نہیں بلاشبہ وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے عنقریب میں اُسے دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا بے شک اس نے سوچا پھر ایک بات تجویز کی سو اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی، پھر اس پر

خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی پھر اس نے دیکھا پھر منہ بنایا اور زیادہ منہ بنایا، پھر منہ پھیرا اور تکبر ظاہر کیا پھر بولا کہ یہ تو ایک جادو ہے جو منقول ہوتا ہوا آ رہا ہے یہ کچھ نہیں مگر آدمی کا کلام ہے، میں عنقریب اُسے دوزخ میں داخل کروں گا اور اے مخاطب تجھے کچھ خبر ہے کہ دوزخ کیا ہے نہ وہ باقی رہنے دے گی اور نہ چھوڑے گی، وہ بدن کی حیثیت کو بگاڑ دینے والی ہے اس پر اُنیس فرشتے مقرر ہوں گے۔)

معالم التنزیل (ص۴۱۵ ج ۴) میں علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک دن ولید بن مغیرہ مسجدِ حرام میں تھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اُس نے سورۃ غافر کی شروع کی دو آیات سنیں اور آیات سُن کر متاثر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محسوس فرمالیا کہ یہ متاثر ہو رہا ہے۔ آپؐ نے دوبارہ آیات کو دہرایا اس کے بعد ولید وہاں سے چلا گیا اور اپنی قوم بنی مخزوم میں جا کر کہا کہ اللہ کی قسم میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ابھی ابھی ایسا کلام سُنا ہے جو نہ وہ انسانوں کا کلام ہے نہ جنات کا اور اس میں بڑی مٹھاس ہے اور وہ خود بلند ہوتا ہے دوسروں کے بلند کرنے کی ضرورت نہیں اس کے بعد وہ اپنے گھر چلا گیا جب قریش کو یہ بات معلوم ہوئی تو کہنے لگے کہ ولید نے تو نیا دین قبول کر لیا اب تو سارے قریش اس نئے دین کو قبول کر لیں گے، یہ سن کر ابو جہل نے کہا کہ میں تمہاری مشکل دور کرتا ہوں یہ کہہ کر وہ ولید کے پاس گیا اور اس کی بغل میں رنجیدہ بن کر بیٹھ گیا، ولید نے کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے کیا بات ہے تم غمگین نظر آ رہے ہو، ابو جہل نے کہا رنجیدہ ہونے کی بات ہی ہے۔ قریش نے فیصلہ کیا تھا کہ تیرے لئے مال جمع کریں اور تیرے بڑھاپے میں تیری مدد کریں اب وہ یہ خیال کر رہے ہیں کہ تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سُنا ہے اور تو ان کے پاس جاتا ہے وہاں ابن ابی قحافہ (حضرت ابو بکر صدیقؓ) بھی موجود ہوتا ہے اور تو ان لوگوں کے کھانے میں سے کھا لیتا ہے یہ بات ولید کو بڑی بُری لگی اور کہنے لگا (کہ قریش نے ایسا خیال کیوں کیا؟) کیا قریش کو معلوم نہیں ہے کہ میں اُن سے بڑھ کر ہوں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کا کبھی پیٹ بھرا بھی ہے،

جو اُن کے پاس فاضل کھانا ہو (جس میں سے میں کھالوں)۔

اس کے بعد ولید ابو جہل کے ساتھ روانہ ہوا اور اپنی قوم کی مجلس میں پہنچا اور کہنے لگا تم لوگ خیال کرتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دیوانہ آدمی ہے تو کیا تم نے کبھی دیکھا ہے کہ وہ اپنا گلا گھونٹ رہا ہو۔ سب نے کہا نہیں۔ پھر کہنے لگا کہ تم لوگ خیال کرتے ہو کہ وہ کاہن ہے تو کیا تم نے کبھی انہیں کاہنوں والی بات کرتے ہوئے دیکھا ہے ؟ کہنے لگے نہیں! کہنے لگا تم لوگ کہتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شاعر ہے کیا تم نے انہیں کبھی کوئی شعر کہتے ہوئے سُنا ہے ؟ کہنے لگے نہیں! ـــــــ کہنے لگا تم کہتے ہو کہ وہ جھوٹا ہے کیا تم نے اس کی زندگی میں کبھی کوئی بات ایسی آزمائی ہے جس میں اس نے جھوٹ بولا ہو ؟ سب نے کہا نہیں! (ان لوگوں کو کیا مجال تھی کہ کوئی جھوٹ آپ کی طرف منسوب کرتے انہوں نے تو خود ہی آپ کو نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے امین کا لقب دے رکھا تھا)۔

قریش نے ولید سے کہا تو تُو بتا پھر کیا بات ہے اُس نے کہا کہ میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ وہ جادوگر ہے تم دیکھتے نہیں ہو کہ اس کی باتوں سے میاں بیوی کے اور باپ بیٹوں کے درمیان تفریق ہو جاتی ہے۔

روح المعانی میں یوں ہے کہ ابو جہل نے ولید سے کہا کہ تیری قوم تجھ سے راضی نہیں ہو سکتی جب تک کہ تُو اس کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ کہہ دے (جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ تُو اس شخص کا معتقد نہیں ہے) ولید نے کہا کہ مجھے مہلت دی جائے تاکہ میں سوچ لوں پھر اس نے سوچ کر کہا کہ وہ جادوگر ہے۔

ولید بن مغیرہ مالدار بھی تھا، کھیتی باڑی، دودھ کے جانور، پھلوں کا باغ، تجارت غلام اور باندی کا مالک ہونا، ان سب چیزوں کا مفسرین نے تذکرہ کیا ہے نیز اس کے لڑکے بھی تھے جو حاضر باش رہتے تھے اُن کی تعداد دس تھی، اور جب اس کے سامنے جنت کا ذکر آیا تو کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جنت کی خبر دے رہے ہیں اگر یہ سچی ہے تو سمجھ لو کہ وہ میرے لئے ہی پیدا کی گئی ہے۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد ولید برابر مال اور اولاد کے اعتبار سے نقصان میں جاتا رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا، کب مرا اور کہاں مرا اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بعض اہل سِیَر کا قول ہے کہ غزوۂ بدر میں مارا گیا اور ایک قول یہ ہے کہ اُسے ملک حبشہ نے قتل کر دیا تھا۔ بہرصورت وہ کفر پر ہی مقتول ہوا۔

جب ولید سے کہا گیا کہ قوم قریش تجھ سے راضی نہیں ہو سکتی جب تک تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ کہہ دے جو قریش کے جذبات کے موافق ہو تو اس نے کہا کہ میں سوچ کر بتاؤں گا۔ پھر سوچ کر کہنے لگا یہ تو بس جادو ہی ہے جو منقول ہے یعنی دوسروں سے لیا گیا ہے اور یہ اللہ کا کلام نہیں ہے اور نہ اللہ کا بھیجا ہوا ہے بلکہ انسانوں کا کلام ہے۔

ولید بن مغیرہ کی یہ بات نقل کر کے ارشاد فرمایا سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ (میں اُسے دوزخ میں داخل کر دوں گا) اس کے بعد آیت بالا کا ترجمہ سمجھ کر دوبارہ پڑھ لیجئے اور انوار البیان کا مطالعہ کر لیا جائے۔

مشرکین کے اس قول کی تردید کہ آپ کو کوئی شخص سکھاتا ہے

سورۃ النحل میں فرمایا:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾

اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں سوائے اس کے نہیں کہ سکھاتا ہے اس کو آدمی، زبان اس شخص کی کہ کجراہی کہتے ہیں اس کی طرف، عجمی ہے اور یہ زبان عربی ہے ظاہر۔

اس آیت میں مشرکین مکہ کے ایک بہتان کا تذکرہ فرمایا ہے اور ساتھ ہی اس بہتان کا رد بھی مذکور ہے جب کوئی شخص مخالفت پر ہی کمر باندھ لے تو اسے یہ ہوش ہی نہیں رہتا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، رسول اللہ ﷺ جو قرآن مجید سناتے تھے

تو مشرکین یوں بھی کہتے تھے کہ یہ باتیں انہیں فلاں شخص سکھاتا ہے فلاں شخص سے کون مراد ہے اس کے بارے میں حضرات مفسرین کرام کے مختلف اقوال ہیں ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ ایک شخص پہلے نصرانی تھا عجمی تھا (عربی نہیں تھا) اس نے اسلام قبول کر لیا تھا رسول اللہؐ اس کے پاس سے گزرتے تو اسے اسلام کی باتیں سکھاتے تھے، اس شخص کا نام یعیش تھا، رسول اللہؐ اس کو سکھانے کے لئے تشریف لے جاتے اور وہ آپؐ سے دین سیکھتا تھا لیکن مشرکین مکہ الٹی ہی بات کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ محمد جو گزشتہ زمانہ کی باتیں بتلاتے ہیں یا آئندہ واقعات کی خبر دیتے ہیں یہ اس شخص سے سیکھ کر بتاتے ہیں جس کے پاس ان کا اٹھنا بیٹھنا ہے۔

صاحب معالم التنزیل نے یہ بھی لکھا ہے کہ دو شخص ایسے تھے جو اہل مکہ میں سے نہیں تھے لیکن مکہ معظمہ میں رہتے تھے یہ تلواریں بنانے کا کام کرتے تھے اور توریت وانجیل پڑھتے تھے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ تکلیف پہنچاتے تھے تو آپ ان دونوں کے پاس بیٹھ جاتے تھے اور ان کا کلام سن کر راحت محسوس فرماتے تھے مشرکین نے جو آپ کو ان کے پاس بیٹھا ہوا دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ انہیں دونوں سے باتیں سُن لیتے ہیں پھر یوں کہہ دیتے ہیں کہ مجھ پر اللہ کی طرف سے قرآن نازل ہوا۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مشرکین مکہ کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ جن کی طرف باتیں سکھانے کی نسبت کرتے ہیں وہ تو عجمی ہیں وہ نہ عرب ہیں نہ فصیح عربی جانتے ہیں، انہوں نے ایسی واضح فصیح عربی زبان میں آپ کو کیسے تعلیم دے دی؟ ایک عجمی جو صحیح عربی بول بھی نہیں سکتا وہ اتنی بڑی فصاحت وبلاغت والی عبارت کیسے تلقین کر سکتا ہے جس کا مقابلہ کرنے سے بڑے بڑے فصحاء وبلغاء عاجز ہو گئے، زمانہ نزول قرآن سے لے کر آج تک قرآن کا مقابلہ کرنے کی کسی کی ہمت نہ ہوئی اور نہ ہو گی کہ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ کا چیلنج قبول کرے۔

مشرکین مکہ کا یہودیوں سے سوال

قریش مکہ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دین توحید کی دعوت دیتے رہتے تھے

ان میں سے خال خال کوئی شخص اسلام قبول کرلیتا تھا (اسی طرح شدہ شدہ مسلمانوں کی اچھی تعداد ہوگئی)۔

اہل مکہ مشرک تو تھے ہی اُمّی یعنی بے پڑھے بھی تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ مدینہ منورہ میں جو یہودی رہتے ہیں وہ اہل کتاب ہیں ان سے بات چیت کی جائے اور آپ کے بارہ میں کچھ معلومات حاصل کریں ان لوگوں نے مشورہ کرکے نضر بن الحارث اور عقبہ بن ابی مُعیط کو مدینہ بھیجا تاکہ احبار یہود سے رسول اللہ کے دعاوی اور حالات کا تذکرہ کرکے اُن سے دریافت کریں کہ اس دعویٰ کی صداقت کے متعلق کیا سوالات کئے جائیں۔ احبار یہود نے اُن کو اصحاب کہف، ذوالقرنین اور حقیقت رُوح کے متعلق کچھ سوالات بتائے۔ یہ لوگ جب وہاں سے لوٹ کر آئے تو ایک بڑا مجمع ساتھ لے کر حضورؐ سے انہوں نے سوالات کئے جس کے جواب میں بالتفصیل قرآن پاک کی آیتیں نازل ہوئیں۔ سورۃ الاسراء کی آیت (یَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي) میں اور سورۃ الکہف میں اصحاب الکہف کا تفصیلی تذکرہ اور آخری رکوع سے پہلے ذوالقرنین کا تذکرہ فرمایا اور مشرکین کے جوابات دیئے۔ مشرکین مکہ قرآن بھی سنتے تھے جو بہت بڑا معجزہ ہے اور دیگر معجزات بھی دیکھتے تھے پھر بھی ان کا عناد اور جدال جاری تھا یہود کے پاس آدمی بھیجے انہوں نے جن سوالات کی تلقین کی وہ سوالات حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے کئے گئے، قرآن مجید میں ان کا جواب بھی مل گیا لیکن اسلام پھر بھی قبول نہ کیا۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے ساتھ ان کی امتوں کے مکذبین کا یہی طریقہ رہا ہے۔

ضد و عناد اور ہٹ دھرمی آخرت کے عذاب میں مبتلا کرنے والی صفات ہیں

دنیاداری حبِ مال اور حبِ جاہ تکبر، ضد، عناد ہٹ دھرمی ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو حق قبول کرنے سے باز رکھتی ہیں اگر انسان حق قبول کرلے اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور کتابوں پر ایمان لے آئے تو اس کے لئے آخرت میں بے انتہا

ثواب ہے اور وہ وہ نعمتیں ہیں جن کا اس دُنیا میں تصور نہیں کیا جاسکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلام کی دعوت دی تو قریش مکہ نے یہ واضح ہو جانے کے بعد بھی کہ آپ حق پر ہیں حق کی دعوت دیتے ہیں اور اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں طرح طرح کی باتیں نکالیں، ضد اور عناد اور ناک اونچی رہنے کے خیال نے انہیں حق قبول نہ کرنے دیا۔ کبھی کہتے تھے اس ایک شخص کے کہنے سے ہم اپنے باپ دادوں کا دین کیوں چھوڑ دیں، کبھی کہتے تھے کہ ہمیں پیغمبری کیوں نہ ملی، کبھی کہتے تھے کہ مکہ اور طائف کے کسی بڑے آدمی پر قرآن کیوں نازل نہ ہوا، کبھی کہتے تھے فرشتہ پیغمبر بن کر کیوں نہ آیا جو اس مدعی نبوت کی تصدیق کرتا، کبھی کہتے تھے کہ اسے فلاں شخص سکھاتا ہے۔ یہ تو غریب آدمی ہے اس کے پاس مال کا خزانہ نہیں، اور یہ بھی کہتے تھے کہ آس پاس کے لوگ اپنے باپ دادوں کے دین شرک پر ہیں۔ اے محمدؐ اگر ہم تمہارا اتباع کرلیں تو لوگ ہمیں اچک لیں گے ہمارا گھر بار چھین لیا جائے گا اور یہ بھی خیال کرتے تھے کہ اگر ہم نے اس دین کا اتباع کرلیا جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لائے ہیں تو ہماری شان گھٹ جائے گی، حق بات کو سُن کر اَن سُنی کر دیتے تھے، اسی کو فرمایا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِیْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا (لقمان:۷)

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایک شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو اور جوتا اچھا ہو (تو کیا یہ تکبر ہے) آپ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے جمال کو پسند فرماتا ہے الکبر بطر الحق وغمط الناس (یعنی حق کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر جاننا یہ تکبر ہے) حق کو ٹھکرانے میں بڑی تفصیل ہے بہت سے لوگ دینِ اسلام کو حق جانتے ہوئے قبول نہیں کرتے یہ تکبر ہی تو انہیں دینِ اسلام قبول کرنے سے روکتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی کافروں مشرکوں کا یہی حال تھا اور آج کے منکرین کا بھی یہی حال ہے دل سے اسلام کو حق جانتے ہیں اسلام کی تعریفیں بھی کرتے ہیں اس سلسلے میں مضامین بھی لکھتے ہیں لیکن اپنی دنیوی قیادت، سیاست

وزارت، صدارت، دنیاداری اور مالداری کی وجہ سے قبول نہیں کرتے، انسان کی بدبختی ہے کہ حق کو حق جانتے ہوئے قبول نہ کرے اور قبول حق میں اپنی ہیٹی محسوس کرتے ہوئے کفر پر جما رہے اور دوزخ کے دائمی عذاب کے لئے تیار رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا برا انجام

دشمنان اسلام کے لئے آخرت میں دوزخ کا دائمی عذاب تو ہے ہی دنیا میں بھی انکا برا انجام ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دشمنی اور ایذا رسانی میں جو لوگ بہت زیادہ آگے بڑھے ہوئے تھے ان میں وہ لوگ بھی تھے جو آپ کا استہزاء کرتے تھے اور تمسخر کے ساتھ پیش آتے تھے سورہ حجر کی آیت اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ (۹۵) میں ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔

علماء تفسیر نے اس سلسلہ میں خصوصی طور پر ولید بن مغیرہ اور اس کے چار ساتھیوں کا نام لیا ہے یہ لوگ ہنسی کرنے اور مذاق اڑانے میں بہت آگے آگے تھے علامہ کرمانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ ان مسخرہ کرنے والوں سے وہ سات افراد مراد ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر مبارک پر گندگی ڈال دی تھی جبکہ آپ نماز پڑھ رہے تھے یہ لوگ بدر میں مقتول ہوئے (راجع روح المعانی ص ۸۰ ج ۱۴)

معالم التنزیل ص ۵۹ ج ۳ میں لکھا ہے کہ مستہزئین مذاق بنانے والے پانچ افراد تھے اول ولید بن مغیرہ جو ان سب کا سردار تھا دوسرا عاصم بن وائل تیسرا اسود بن عبد المطلب چوتھا اسود بن عبد یغوث پانچواں حارث بن قیس تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو استہزاء کی سزا دی اور یہ لوگ بری موت مرے ایک دن یہ لوگ کعبہ شریف کا طواف کر رہے تھے (زمانہ جاہلیت میں بھی کعبہ شریف کا طواف کیا جاتا تھا) اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وہاں موجود تھے حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی تشریف لے آئے جب ولید بن مغیرہ کا گزر ہوا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے محمدؐ اس شخص کو کیسا پاتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ یہ برا بندہ ہے حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا اس کی طرف سے آپ کی حفاظت کر دی گئی، اور

یہ فرماتے ہوئے ولید کی پنڈلی کی طرف اشارہ فرمایا اس کے بعد ولید وہاں سے چلا گیا یمانی چادریں پہنے ہوئے تھا تہبند کو گھسیٹتا ہوا جا رہا تھا راستہ میں بنی خزاعہ کا ایک شخص کھڑا ہوا تھا جس کے تیروں کے پر بکھرے ہوئے تھے ان تیروں کا دھاردار حصہ ولید کے پاؤں میں چبھ گیا اس نے تکبر کی وجہ سے جھکنا گوارا نہیں کیا تاکہ اسے اپنے پاؤں سے نکال دے بالآخر وہ دھاردار حصہ آگے بڑھتا رہا جس نے اس کی پنڈلی کو زخمی کر دیا جس سے وہ مریض ہو گیا اور اس مرض میں مرگیا، پھر عاصم بن وائل وہاں سے گزرا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا اے محمدؐ یہ کیسا شخص ہے؟ آپ نے فرمایا یہ بُرا بندہ ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کے قدموں کے تلووں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ آپ کی اس سے حفاظت ہو گئی اس کے بعد عاصم بن وائل اپنے دو لڑکوں کے ساتھ تفریح کرنے کے لئے نکلا ایک گھاٹی پر پہنچا تو اس کا پاؤں ایک خاردار درخت پر پڑ گیا اس کا ایک کانٹا اس کے پاؤں کے تلوے میں گھس گیا جس سے اس کا پاؤں پھول کر اونٹ کی گردن کے برابر ہو گیا اور وہی اس کی موت کا سبب بن گیا۔ تھوڑی دیر میں اسود بن عبد المطلب گزرا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا اے محمدؐ یہ کیسا شخص ہے؟ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ برا شخص ہے حضرت جبرئیل السلام نے اس کی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ آپ اس سے محفوظ ہو گئے چنانچہ وہ اندھا ہو گیا اور برابر دیواروں میں سر مارتا رہا اور یہ کہتے ہوئے مرگیا قَتَلَنِیْ رَبُّ مُحَمَّدٍ (مجھے رب محمد نے قتل کر دیا) پھر اسود بن عبد یغوث گزرا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے محمدؐ آپ اسے کیسا شخص پاتے ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ برا بندہ ہے حالانکہ میرے ماموں کا لڑکا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اس کی طرف سے آپ کی حفاظت کر دی گئی یہ کہہ کر اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا لہٰذا اس کو استسقاء کا مرض لگ گیا؟ اس کے بعد حارث بن قیس کا گزر ہوا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا اے محمدؐ آپ اسے کیسا پاتے ہیں آپ نے فرمایا یہ برا بندہ ہے حضرت جبرئیل

علیہ السلام نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا اس سے آپ کی حفاظت کر دی گئی اس کے بعد اس کی ناک سے مسلسل پیپ نکلنے لگی جو اس کی موت کا ذریعہ بن گئی۔ ان کے علاوہ جو لوگ بہت زیادہ دشمنی کرنے والے تھے ان میں ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف، عقبہ بن معیط، عمارۃ الولید تکلیف دینے میں اور ایذا رسانی میں بہت آگے آگے تھے ان سات آدمیوں میں ابوجہل غزوہ بدر میں مقتول ہوا۔ انصار کے دو لڑکوں نے اسے نیم جان کر دیا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن کاٹ کر حضور کی خدمت میں پیش کر دی۔ شیبہ اور ولید اور امیہ بن خلف بھی غزوۂ بدر میں قتل کئے گئے امیہ بن خلف وہی شخص تھا جو مکہ مکرمہ میں حضرت بلالؓ کو بہت زیادہ تکلیف دیا کرتا تھا۔ عمارہؓ بن الولید کی پیشاب کی جگہ میں نجاشی شاہ حبشہ نے ہوا پھونکنے کا حکم دے دیا تھا اس کی وجہ سے وہ جنگلوں میں وحشی جانوروں کی طرح رہنے لگا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مر گیا۔

ابی بن خلف بھی بہت زیادہ دشمنی کرتا تھا اس نے مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے اپنا نیزہ تیز کر رکھا تھا اور کہتا تھا کہ میں اس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کروں گا لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد میں اسے اپنا نیزہ مار کر زخمی کر دیا وہ اس سے چیختا ہوا مکہ معظمہ کی طرف چلا گیا اور رابغ میں پہنچ کر راستہ میں مر گیا۔

بدر میں جو کافر مقتول ہوئے تھے انہیں ایک کنویں میں ڈال دیا گیا۔ اُمیہ بن خلف کو کھینچنے لگے تو اس کی پسلیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گئیں لہٰذا اسے کنویں میں نہیں ڈالا گیا۔ بعض اہل سیر کا قول ہے کہ عقبہؓ بن ابی معیط کو قیدی بنا کر مدینہ منورہ واپس جاتے ہوئے ساتھ لے جا رہے تھے کہ ایک دن کی مسافت کے بعد وہ مقام عرق الظبیہ میں قتل کر دیا گیا اسے حضرت عاصم بن ثابت نے قتل کیا اور ایک قول یہ ہے کہ علی بن ابی طالب نے قتل کیا۔ قیدیوں میں نضر بن الحارث بھی شامل تھا بدر سے مدینہ منورہ لوٹتے ہوئے مقام صفراء میں اسے بھی حضرت

علیؓ نے قتل کر دیا۔

ابولہب غزوۂ بدر میں نہیں آیا تھا اس نے اپنی جگہ عاص بن ہشام کو بھیج دیا تھا پھر ابولہب کا بھی برا انجام ہوا اس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ عالی میں گستاخانہ الفاظ نکالے تھے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اس کے آخرت والے عذاب کے بارہ میں خبر دیتے ہوئے پہلے تو تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ فرمایا۔ پھر فرمایا سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ وَّامْرَاَتُهٗ یہ تو اس کے اور اس کی بیوی کے آخرت کا انجام بتاتے ہوئے خبر دی کہ وہ دونوں دوزخ میں داخل ہوں گے اور دنیا میں بھی اس کی بری طرح گت بنی۔ موت کے بعد بڑی ذلت اور بے آبروئی کے ساتھ اس کے بیٹوں نے اسے پھینک دیا۔

البدایہ والنہایہ ص ۳۰۹ ج ۳ میں لکھا ہے کہ اس کے جسم میں خطرناک قسم کی چیچک نکل آئی جس کی وجہ سے لوگ اس سے گھن کرنے لگے اور اپنے عقیدہ کی وجہ سے اس کے پاس جانے سے ڈرنے لگے کہ کہیں یہ مرض ہمیں نہ لگ جائے لہٰذا اپنے اور پرائے اس سے دور ہو گئے، ایک گھر میں علیحدہ ڈال دیا گیا اور وہ بے بسی اور بے کسی کی حالت میں مر گیا تین روز تک اس کی نعش یوں ہی پڑی رہی جب سڑنے لگی تو لوگوں نے اس کے بیٹوں کو عار دلائی کہ دیکھو تمہارا باپ کس حال میں پڑا ہے اس پر انہوں نے ایک شخص کی مدد سے ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بٹھا دیا اور اس کے بعد اس کو برابر پتھر مارتے رہے یہاں تک کہ وہ ان میں دب گیا۔ (البدایہ ص ۳۰۹ ج ۳) اور الروض الانف میں ہے کہ اس کو ایک لکڑی سے گڑھے میں ڈال دیا پھر اس پر پتھر برسا دیئے گئے۔ مکہ معظمہ میں ایک پہاڑ ہے اس کے بارے میں مشہور ہے کہ ابولہب کو اسی پر ڈال دیا گیا تھا اور یہ پہاڑ "جبل ابولہب" کے نام سے معروف ہے۔ روح المعانی میں (بلا حوالہ) یہ بات لکھی ہے کہ ابولہب کی بیوی کی موت اس طرح ہوئی کہ جس رسی میں وہ لکڑیوں کی گٹھڑی باندھ کر لا رہی تھی اسی سے اس کا گلا گھٹ گیا جو اس کی موت کا سبب بن گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

واقعۂ معراج کی تفصیل

مشاہدات، اسرار و حِکم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا ایک اہم ترین جزء معراج شریف کا واقعہ بھی ہے۔

قرآن مجید میں اجمالی طور پر اسرار کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ	پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کو
لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سفر
اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ	کرایا جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں
بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ	تاکہ ہم اسے اپنی آیات دکھائیں، بے شک
اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ○ (۱)	اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے۔

یہ سورۃ الاسراء کی پہلی آیت ہے، اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی اور سورۃ النجم کی آیت عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَہٰی ○ عِنْدَھَا جَنَّۃُ الْمَاْوٰی ○ اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی ○ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ○ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی ○ (ایضاً) میں اس کی تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم بالا میں اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی آیات ملاحظہ فرمائیں۔

مسجد حرام[1] اس مسجد کا نام ہے جو کعبہ شریف کے چاروں طرف ہے اور بعض مرتبہ حرم مکہ پر بھی اس کا اطلاق ہوا ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ:

اِلَّا الَّذِیْنَ عٰھَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ[2]

---

[1] لفظ حرام محرم کے معنی میں ہے ۱۲ منہ۔ [2] سورۃ التوبۃ آیت ۷۔

معراج شریف کا واقعہ تقریباً پچیس صحابہ کرامؓ سے مروی ہے جن میں حضرت انس بن مالک، حضرت ابوذر غفاری، حضرت مالک بن صعصعہ، حضرت بریدہ اسلمی، حضرت جابر بن عبداللہ حضرت ابوسعید خدری، حضرت شداد بن اوس، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوہریرہ، حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہیں۔ معراج شریف کا عظیم واقعہ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم معجزات میں سے ہے، کس سن میں پیش آیا اس بارے میں اصحابِ سیر کے متعدد اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ بعثت کے بعد دس سال گزر جانے کے بعد معراج کا واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ حضرت ابن شہاب زہریؒ نے فرمایا کہ مدینہ منورہ کو ہجرت کرنے سے ایک سال پہلے معراج ہوئی۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ہجرت سے سولہ ماہ پہلے معراج کا واقعہ پیش آیا، یہ سب اقوال حافظ کثیر نے البدایہ والنہایہ صفحہ ۱۰۸ ج ۳ میں لکھے ہیں۔ شارح بخاری علامہ کرمانیؒ نے اور شارح مسلم علامہ نوویؒ نے ایک قول یہ بھی لکھا ہے کہ بعثت کے پانچویں سال معراج ہوئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سورۃ الاسراء میں مسجد اقصیٰ تک سفر کرانے کا ذکر ہے۔ اور احادیث شریفہ میں آسمانوں پر جانے بلکہ سدرۃ المنتہیٰ بلکہ اس سے بھی اوپر تشریف لے جانے کا ذکر ہے، اہلِ سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور پھر وہاں سے ساتویں آسمان سے اوپر تک سیر کرائی پھر اسی رات میں واپس مکہ معظمہ پہنچا دیا اور یہ آنا جانا سب حالتِ بیداری میں تھا اور جسم اور روح دونوں کے ساتھ تھا۔

حدیث شریف کی کتابوں میں واقعہ معراج تفصیل سے مذکور ہے۔ معراج کو اسراء بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ فرمایا ہے اور احادیث شریفہ میں آسمانوں پر تشریف لے جانے کے بارے میں ثم عرج بی فرمایا ہے، اس لئے اس مقدس واقعہ کو اسراء اور معراج دونوں ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، ہم پہلے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات نقل کرتے ہیں، ان میں سے پہلے صحیح مسلم کی روایت لی ہے کیونکہ اس میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچنے کا، اور پھر عالم بالا میں تشریف لے جانے کا ذکر ہے۔ صحیح بخاری کی کسی روایت میں ہمیں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچنے کا ذکر نہیں ملا، اس لئے بخاری کی روایت کو بعد میں ذکر کیا ہے۔

بُراق پر سوار ہو کر بیت المقدس کا سفر کرنا اور وہاں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی امامت کرنا

صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس ایک براق لایا گیا جو لمبا سفید رنگ کا چوپایہ تھا، اس کا قد گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا وہ اپنا قدم وہاں رکھتا تھا جہاں تک اس کی نظر پڑتی تھی میں اس پر سوار ہوا یہاں تک کہ میں بیت المقدس تک پہنچ گیا، میں نے اس براق کو اس حلقہ سے باندھ دیا، جس سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام باندھا کرتے تھے، پھر میں مسجد سے باہر آیا تو جبرئیل میرے پاس ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ لے کر آئے، میں نے دودھ کو لے لیا، اس پر جبرئیل نے کہا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کر لیا پھر ہمیں آسمان کی طرف لے جایا گیا، پہلے آسمان میں حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام اور دوسرے پر حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور یحییٰ علیہ السلام اور تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام اور چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ الصلاۃ والسلام اور پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام اور چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے ملاقات ہوئی اور سب نے مرحبا کہا، اور ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام سے ملاقات ہوئی، ان کے بارے میں آپ نے بتایا کہ وہ البیت المعمور سے ٹیک لگائے ہوئے تشریف فرما تھے، اور یہ بھی بتایا کہ البیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جو دوبارہ اس میں لوٹ کر نہیں آتے پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا، اچانک دیکھتا ہوں کہ اس کے پتے اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے ہاتھی کے کان ہوں اور اس کے پھل اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے مٹکے ہوں، جب سدرۃ المنتہیٰ کو اللہ کے حکم سے ڈھانکنے والی چیزوں نے ڈھانک لیا تو اس کا حال بدل گیا، اللہ کی کسی بھی مخلوق میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کے حسن کو بیان کر سکے[1] اس وقت مجھ پر اللہ تعالیٰ

---

[1] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کو سونے کے پروانوں نے ڈھانک رکھا تھا۔ (مسلم ص ۹۷، ج ۱)

نے ان چیزوں کی وحی فرمائی جن کی وحی اس وقت فرمانا تھا، اور مجھ پر رات دن میں روزانہ پچاس نمازیں پڑھنا فرض کیا گیا۔ میں واپس اترا اور موسیٰ علیہ السلام پر گذر ہوا تو انہوں نے دریافت کیا، آپ کے رب نے آپ کی اُمت پر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا پچاسس نمازیں فرض فرمائی ہیں، انہوں نے کہا کہ واپس جائیے اپنے رب سے تخفیف کا سوال کیجئے کیونکہ آپ کی اُمت اس کی طاقت نہیں رکھ سکتی، میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں آپ نے فرمایا میں اپنے رب کی طرف واپس لوٹا، اور عرض کیا اے میرے رب! میری امت پر تخفیف فرما دیجئے! چنانچہ پانچ نمازیں کم فرما دیں، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا اور میں نے بتایا کہ پانچ نمازیں کم کردی گئی ہیں، انہوں نے کہا کہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھ سکتی، آپ اپنے رب سے رجوع کیجئے اور تخفیف کا سوال کیجئے، آپ نے فرمایا کہ میں بار بار واپس ہوتا رہا (کبھی موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا، کبھی بارگاہِ الٰہی میں حاضری دیتا) یہاں تک کہ پانچ نمازیں رہ گئیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمدؐ! یہ روزانہ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں، ہر نماز کے بدلہ دس نمازوں کا ثواب ملے گا، لہٰذا یہ (ثواب میں) پچاس نمازیں ہی ہیں، جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے گا، پھر اسے نہ کرے گا تو اس کیلئے (محض ارادہ کی وجہ سے ایک نیکی لکھ دی جائیگی اور جس شخص نے ارادہ کرنے کے بعد عمل بھی کرلیا تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دی جائیں گی اور جس شخص نے کسی بُرائی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہ کیا تو کچھ بھی نہ لکھا جائیگا اور اگر اپنے ارادے کے مطابق عمل کرلیا تو ایک ہی گناہ لکھا جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نیچے واپس آیا، اور موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا اور انہیں بات بتادی تو انہوں نے کہا کہ واپس جاؤ، اپنے رب سے تخفیف کا سوال کرو، میں نے کہا کہ میں بار بار اپنے رب کی بارگاہ میں مراجعت کرتا رہا ہوں یہاں تک کہ اب مجھے شرم آگئی ہے[1]

صحیح مسلم صفحہ ۹۶ ج ۱ میں بروایت ابوہریرہؓ کے یہ بھی ہے کہ میں نے اپنے آپ کو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی جماعت میں دیکھا، اسی اثناء میں نماز کا وقت ہوگیا تو میں نے ان کی امامت کی، جب میں نماز سے فارغ ہوا تو کسی کہنے والے نے کہا کہ

---

[1] صحیح مسلم ص ۹۱ ج ۱۔

اے محمد! یہ دوزخ کا داروغہ ہے اس کو سلام کیجئے، میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے خود سلام کرلیا (یہ بیت المقدس میں امامت فرمانا، آسمانوں پر تشریف لے جانے سے پہلے کا واقعہ ہے)۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر صفحہ ۶ ج ۳ میں حضرت انس ابن مالکؓ کی روایت جو بحوالہ ابن ابی حاتم نقل کی ہے اس میں یوں ہے (ابھی بیت المقدس ہی میں تھے) کہ بہت سے لوگ جمع ہوگئے، ایک اذان دینے والے نے اذان دی، اس کے بعد ہم صفیں بنا کر کھڑے ہوگئے انتظار میں تھے کہ کون امام بنے گا، جبرئیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا دیا، اور میں نے حاضرین کو نماز پڑھا دی، جب میں نماز سے فارغ ہوا تو جبرئیل نے کہا: اے محمدؐ! آپ جانتے ہیں کہ آپ کے پیچھے کن حضرات نے نماز پڑھی ہے میں نے کہا نہیں (جن حضرات انبیاء علیہم السلام سے پہلے ملاقات ہوچکی تھی ان کے علاوہ بھی بہت سے حضرات نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی تھی اور سب سے تعارف نہیں ہوا تھا اس لئے یوں فرما دیا کہ میں ان سب کو نہیں جانتا) حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ جتنے بھی نبی اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے ہیں ان سب نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے (اس کے بعد آسمانوں پر جانے کا تذکرہ ہے[۱])۔

صحیح بخاری میں واقعۂ معراج کی تفصیل

صحیح بخاری میں واقعۂ معراج بروایت حضرت انس بن مالکؓ متعدد جگہ مروی ہے کہیں حضرت انسؓ نے بواسطہ حضرت ابوذرؓ اور کہیں بواسطہ حضرت مالک بن صعصعہ انصاریؓ بیان کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں کعبہ شریف کے قریب اس حالت میں تھا جیسے کچھ جاگ رہا ہوں، کچھ سو رہا ہوں، میرے پاس تین آدمی آئے۔ میرے

---

[۱] فی مجمع الزوائد ص ۴، ج ۱ بیت المقدس فربطت الدابة بالحلقة التی تربط بھا الانبیاء ثم دخلنا المسجد فنشرت لی الأنبیاء من سمی اللہ ومن لم یسم فصلیت بھم اھ۔

پاس سونے کا طشت لایا گیا جو حکمت اور ایمان سے پُر تھا، میرا سینہ چاک کیا گیا، پھر اسے زمزم کے پانی سے دھویا گیا، پھر اسے حکمت اور ایمان سے بھر دیا گیا اور میرے پاس ایک سفید چوپایا لایا گیا وہ قد میں خچر سے کم تھا اور گدھے سے اونچا تھا، یہ چوپایا براق تھا۔

آسمانوں پر تشریف لے جانا، اور آپ کے لئے دروازہ کھولا جانا، حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے ملاقات فرمانا، اور ان کا مرحبا کہنا

میں جبرئیلؑ کے ساتھ روانہ ہوا یہاں تک کہ قریب والے آسمان تک پہنچ گیا، حضرت جبرئیلؑ نے آسمانوں کے خازن سے کہا کہ کھولئے اس نے سوال کیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ جبرئیلؑ نے جواب دیا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اس نے دریافت کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرئیلؑ نے جواب دیا کہ ہاں انہیں بلایا گیا ہے! اس پر اس نے مرحبا کہا، اور دروازہ کھول دیا گیا، اور کہا گیا کہ ان کا آنا بہت اچھا آنا ہے، ہم اوپر پہنچے تو وہاں حضرت آدم علیہ السلام کو پایا میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے فرمایا: مرحبا من ابن ونبی (بیٹے اور نبی کے لئے مرحبا ہے) پھر ہم دوسرے آسمان تک پہنچے، وہاں بھی جبرئیلؑ سے اس طرح کا سوال جواب ہوا، جو پہلے آسمان میں داخل ہونے سے قبل کیا گیا تھا جب دروازہ کھول دیا گیا اوپر پہنچے تو وہاں عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام کو پایا انہوں نے بھی مرحبا کہا۔ ان کے الفاظ یوں تھے مرحبا بك من أخ ونبی (مرحبا ہو بھائی کے لئے اور نبی کے لئے) پھر ہم تیسرے آسمان پر پہنچے وہاں جبرئیلؑ سے وہی سوال وجواب ہوا جو پہلے آسمانوں میں داخل ہونے پر ہوا۔ وہاں یوسف علیہ السلام کو پایا، میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے مرحبا بك من أخ ونبی کہا، پھر ہم چوتھے آسمان تک پہنچے، وہاں بھی جبرئیلؑ سے حسب سابق سوال جواب ہوا، دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچ گئے، وہاں ادریس علیہ السلام کو پایا[1]، میں نے

[1] اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام کے دادا تھے (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

ان کو سلام کیا۔ انہوں نے بھی وہی کہا مرحبابك من اٰخ ونبی پھر ہم پانچویں آسمان پر پہنچے تو وہاں بھی جبرئیلؑ سے حسب سابق سوال جواب ہوا دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچے وہاں ہارون علیہ السلام کو پایا میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے بھی مرحبابك من اٰخ ونبی کہا۔ پھر ہم چھٹے آسمان تک پہنچے وہاں بھی حسب سابق جبرئیلؑ سے سوال جواب ہوئے جب دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچ گئے وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پایا، میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے بھی مرحبابك من اٰخ ونبی کہا جب میں آگے بڑھ گیا تو وہ رونے لگے ان سے سوال کیا گیا کہ آپ کے رونے کا سبب کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک لڑکا میرے بعد مبعوث ہوا، اس کی امت کے لوگ جنت میں داخل ہوں گے، جو میری امت کے داخل ہونے والوں سے افضل ہوں گے (دوسری روایت میں ہے کہ اسکی امت کے داخل ہونے والے میری امت سے زیادہ ہوں گے) پھر ہم ساتویں آسمان پر پہنچے وہاں بھی جبرئیل علیہ السلام سے حسب سابق سوال جواب ہوا، جب دروازہ کھل گیا تو ہم اوپر پہنچے، وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پایا میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے فرمایا مرحبابك من ابن ونبی (حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مرحبابك من ابن ونبی اس لئے فرمایا کیونکہ آپ ان کی نسل میں تھے باقی حضرات نے مرحبابك من اٰخ ونبی فرمایا)۔

البیت المعمور اور سدرۃ المنتہیٰ کا ملاحظہ فرمانا

اس کے بعد بیت المعمور میرے سامنے کر دیا گیا۔ میں نے جبرئیلؑ سے سوال کیا یہ کیا ہے؟

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی جتنی بھی نسل چلی تھی وہ سب حضرت نوح علیہ السلام سے ہے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت ادریس علیہ السلام کی اولاد میں ہوئے لہٰذا انہیں بھی مرحبابك من ابن ونبی کہنا چاہیے تھا۔ اگر اہلِ تاریخ کی یہ بات صحیح ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اخوت کا ذکر مناسب جانا کیونکہ حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام عہدۂ نبوت کے اعتبار سے بھائی بھائی ہیں اور تلطفاً دکنواً ابن کہنا مناسب نہ جانا (کذا فی حاشیۃ البخاری ص ۵۵۴ عن الکرمانی)

انہوں نے جواب دیا کہ یہ البیت المعمور ہے اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں۔ جب نکل کر چلے جاتے ہیں تو کبھی بھی واپس نہیں ہوتے پھر میرے سامنے سدرۃ المنتہیٰ کو لایا گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے بیر ہجر[1] کے مٹکوں کے برابر ہیں اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر ہیں۔

سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ میں چار نہریں نظر آئیں، دو باطنی نہریں اور دو ظاہری نہریں۔ میں نے جبرئیلؑ سے دریافت کیا انہوں نے بتایا کہ باطنی دو نہریں جنت کی نہریں ہیں اور ظاہری دو نہریں فرات اور نیل ہیں[2] (فرات عراق میں اور نیل مصر میں ہے)۔

پچاس نمازوں کا فرض ہونا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توجہ دلانے پر بار بار درخواست کرنا اور پانچ نمازیں رہ جانا

اس کے بعد مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں، میں واپس آیا حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا انہوں نے دریافت کیا (کہ اپنی امت کے لئے) آپ نے کیا کیا؟ میں نے کہا: مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئی ہیں، موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں لوگوں کو آپ سے زیادہ جانتا ہوں، بنی اسرائیل کے ساتھ میں نے بڑی محنت کی ہے (وہ لوگ مفروضہ نمازوں کا اہتمام نہ کر سکے) بلاشبہ آپ کی امت کو اتنی نمازیں پڑھنے کی طاقت نہ ہوگی، جائیے اپنے رب سے تخفیف کا سوال کیجئے۔ میں واپس لوٹا اور اللہ جل شانہٗ سے تخفیف کا سوال کیا، تو

---

[1] ہجر ایک جگہ تھی جہاں بڑے بڑے مٹکے بنائے جاتے تھے۔

[2] یہ دو نہریں جو اندر کو جا رہی تھیں یہ کوثر اور نہر رحمت معلوم ہوتی ہیں کہ وہ دونوں سلسبیل کی شاخیں ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ سلسبیل اور اس کا وہ موقع جہاں سے کوثر و نہر رحمت کا اس سے انشعاب ہوا ہے یہ سب سدرہ کی دوسری جڑیں ہوں اور نیل و فرات کا آسمان پر ہونا اس طرح ممکن ہے کہ دنیا میں جو نیل و فرات ہیں ظاہر ہے کہ بارش کا پانی جذب ہو کر پتھر سے جاری ہوتا ہے اور بارش آسمان سے ہے سو جو حصہ بارش کا نیل و فرات کا مادہ ہے ممکن ہے کہ وہ حصہ آسمان سے آتا ہو پس اس طور پر نیل و فرات کی اصل آسمان پر ہوئی (ذکرہ فی نشر الطیب وراجع تفسیر ابن کثیر ص ۱۲ ج ۳)

اللہ نے چالیس نمازیں باقی رکھیں، موسیٰ علیہ السلام نے پھر وہی بات کہی، میں نے پھر اللہ تعالیٰ سے تخفیف کا سوال کیا تو تیس (۳۰) نمازیں باقی رہ گئیں، موسیٰ علیہ السلام نے پھر توجہ دلائی تو تخفیف کا سوال کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیس نمازیں کردی گئیں، پھر موسیٰ علیہ السلام نے اسی طرح کی بات کہی تو درخواست کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس نمازیں کردی گئیں، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پھر وہی بات کہی، میرے درخواست کرنے پر اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں باقی رہنے دیں، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں پھر وہی بات کہی، میں نے کہا میں نے تسلیم کرلیا (اب درخواست نہیں کرتا) اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ندا دی گئی کہ میں نے اپنے فریضہ کا حکم باقی رکھا، اور اپنے بندوں سے تخفیف کردی، اور میں ایک نیکی کا بدلہ دس بنا کر دیتا ہوں (لہٰذا ادا کرنے میں پانچ ہیں اور ثواب میں پچاس ہی رہیں)۔

یہ روایت صحیح بخاری میں صفحہ ۵۵۴ پر ہے اور صحیح بخاری میں صفحہ ۴۷۱ پر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بواسطہ ابوذر رضی اللہ عنہ جو معراج کا واقعہ نقل کیا ہے اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مرحبا کہنے کے تذکرہ کے بعد یوں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ پھر مجھے جبرئیل اور اوپر لے کر چڑھے یہاں تک کہ میں ایسی جگہ پر پہنچ گیا جہاں قلموں کے لکھنے کی آوازیں آرہی تھیں[۱]۔ اس کے بعد پچاس نمازیں فرض ہونے اور اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے توجہ دلانے اور بارگاہِ الٰہی میں بار بار سوال کرنے پر پانچ نمازیں باقی رہ جانے کا ذکر ہے اور اس کے اخیر میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لا یبدل القول لدی" کہ میرے پاس بات نہیں بدلی جاتی (پچاس نمازیں فرض کردیں تو پچاس ہی کا ثواب ملے گا) اور سدرۃ المنتہیٰ کے بارے میں فرمایا کہ اسے ایسے رنگوں نے ڈھانپ رکھا تھا جنہیں میں نہیں جانتا، پھر میں جنت میں داخل کردیا گیا، وہاں دیکھتا ہوں کہ موتیوں کے گنبد ہیں اور اس کی مٹی مشک ہے۔

صفحہ ۵۴۸ پر بھی حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیثِ معراج ذکر کی ہے، وہاں

---

[۱] فرشتے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نافذ فرمودہ فیصلے لکھ رہے تھے یا جو کچھ لوح محفوظ سے نقل کر رہے تھے یہ ان کے لکھنے کی آوازیں تھیں۔ ذکرہ النووی فی شرح المسلم ص ۹۳ ج ۱۔

بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بتوسط حضرت مالک بن صعصعہ انصاری رضی اللہ عنہ روایت کی ہے اس میں البیت المعمور کے ذکر کے بعد یوں ہے کہ پھر میرے پاس ایک برتن شراب اور اور ایک برتن میں دودھ اور ایک برتن میں شہد لایا گیا میں نے دودھ لے لیا جس پر جبرئیلؑ نے کہا یہی وہ فطرت ہے یعنی دین اسلام ہے جس پر آپ ہیں اور آپ کی اُمت ہے، اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب پانچ نمازیں رہ گئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مزید تخفیف کرانے کے لئے کہا تو آپ نے فرمایا: سألت ربی حتی استحییت ولکنی ارضی واسلم (میں نے اپنے رب سے یہاں تک سوال کیا کہ شرما گیا اب تو میں راضی ہوتا ہوں تسلیم کرتا ہوں) (انتہت روایۃ البخاری)

نمازوں کے علاوہ دیگر دو انعام

معراج کی رات میں جو نمازوں کا انعام ملا اور پانچ نمازیں پڑھنے پر بھی پچاس نمازوں کا ثواب دینے کا اللہ جل شانہٗ نے جو وعدہ فرمایا اس کے ساتھ یہ بھی انعام فرمایا کہ سورہ بقرہ کی آخری آیات (اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے لے کر آخر تک) عنایت فرمائیں اور ساتھ ہی اس قانون کا بھی اعلان فرمادیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کے بڑے بڑے گناہ بخش دئے جائیں گے جو شرک نہ کرتے ہوں (مسلم ص ۹۷ ج ۱) مطلب یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں کی وجہ سے ہمیشہ عذاب میں نہ رہیں گے بلکہ توبہ سے معاف ہوجائیں گے یا عذاب بھگت کر چھٹکارا ہوجائے گا۔ (قالہ النووی) کافر اور مشرک ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

"معراج میں دیدارِ الٰہی"

اس میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں دیدارِ خداوندی سے مشرف ہوئے یا نہیں، اور اگر رویت ہوئی تو وہ رویت بصری تھی یا رویت قلبی تھی، یعنی سر کی آنکھوں سے دیکھا یا دل کی آنکھوں سے دیدار کیا۔ جمہور صحابہ اور تابعین کا یہی مذہب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو سر کی آنکھوں سے دیکھا اور محققین کے نزدیک

یہی قول راجح اور حق ہے۔

حضرت عائشہؓ رؤیت کا انکار کرتی تھیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ رؤیت کو ثابت کرتے تھے اور مانتے تھے، جمہور علماء نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں:۔

والاصل فی الباب حدیث ابن عباس حبر الامة والمرجوع الیه المعضلات وقد راجعه ابن عمر فی هذه المسئلة، هل رأی محمد صلی الله علیه وسلم ربه فاخبره انه رآه ولا یقدح فی هذا حدیث عائشة فان عائشة لم تخبر انها سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول لم أر ربی وانما ذکرت ماذکرت متاولة لقول الله تعالیٰ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا" ولقول الله تعالیٰ" لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ" والصحابی اذا قال قولاً وخالفه غیره منهم لم یکن قوله حجة، واذا صحت الروایات عن ابن عباس فی اثبات الرؤیة وجب المصیر الی اثباتها فانها لیست مما یدرک بالعقل ویوخذ بالظن وانما یتلقی بالسماع ولا یستجیز احدٌ أن یظن بابن عباس رضی الله عنه أنه تکلم فی هذه المسئلة بالظن والاجتهاد قلت لم أجد التصریح من ابن عباس أنه رأی ربه تعالیٰ بعینی راسه وروی مسلم عنه أنه رآه بقلبه وفی روایة رواه بفواده مرتین والعلم عند الله العلیم۔

سورۃ النجم میں جو ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى اور وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً أُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ آیا ہے اس کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان میں جبرئیل علیہ السلام کا دیکھنا مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جبرئیل علیہ السلام انسانی صورت میں آیا کرتے تھے سدرۃ المنتہیٰ کے قریب آپ نے ان کو اصل صورت میں اور اس حالت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے انہوں نے اُفق کو بھر دیا تھا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہی فرماتے تھے کہ فَكَانَ قَابَ

قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی اور لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کا قریب ہونا اور دیکھنا مراد ہے[۱]

قریش کی تکذیب اور اُن پر حُجت قائم ہونا

بیت المقدس تک پہنچنا پھر وہاں سے آسمانوں تک تشریف لے جانا اور مکہ معظمہ تک واپس آجانا ایک ہی رات میں ہوا، واپس ہوتے ہوئے قریش کے ایک تجارتی قافلہ سے ملاقات ہوئی جو شام سے واپس آرہا تھا، صبح کو جب آپ نے معراج کا واقعہ بیان کیا تو قریش تعجب کرنے لگے اور جھٹلانے لگے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس پہنچے ان سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بیان کر رہے ہیں کہ انہوں نے رات کو اس اس طرح سفر کیا، پھر صبح ہونے سے پہلے واپس آگئے حضرت ابوبکرؓ نے اول تو یوں کہا کہ تم لوگ جھوٹ بولتے ہو (انہوں نے ایسا نہیں کہا) قسم کھا کر کہا کہ واقعی وہ اپنے بارے میں یہ بیان دے رہے ہیں، اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا ان کان قالہ فقد صدق کہ اگر انہوں نے یہ بیان کیا ہے تو سچ فرمایا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا تم اس بات کی بھی تصدیق کرتے ہو، انہوں نے فرمایا کہ میں تو اس سے بھی زیادہ عجیب باتوں کی تصدیق کرتا ہوں اور وہ یہ کہ آسمان سے آپ کے پاس خبر آتی ہے۔ اسی وجہ سے ان کا لقب صدیق پڑ گیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ص ۳۶۰ ج ۲، البدایۃ والنہایۃ)

اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپؐ کے سامنے پیش فرما دیا

قریش مکہ تجارت کے لئے شام جایا کرتے تھے بیت المقدس انہوں نے دیکھا ہوا تھا، کہنے لگے اچھا اگر آپ رات بیت المقدس گئے تھے، اس کو دیکھا ہے، اس میں نماز پڑھی ہے، تو بتائیے بیت المقدس میں فلاں فلاں چیزیں کیسی ہیں؟ (یعنی اس کے ستون دروازوں اور دوسری چیزوں کے بارے میں سوال کرنا شروع کر دیا) اس وقت آپ حطیم میں تشریف

---

[۱] صحیح مسلم مع شرح الامام النووی ص ۹۷ و ۹۸ ج ۱

رکھتے تھے، آپ نے فرمایا: ان لوگوں کے سوال پر مجھے بڑی بے چینی ہوئی کہ اس جیسی بے چینی کبھی نہیں ہوئی تھی، میں نے بیت المقدس کو دیکھا تو تھا لیکن خوب اچھی طرح اس کی ہر ہر چیز کو محفوظ نہیں کیا (اس کا کیا اندازہ تھا کہ ان چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا) اللہ جل شانہ نے بیت المقدس کو میری طرف اس طرح اٹھا دیا کہ مجھ سے قریش مکہ جو بھی کچھ پوچھتے تھے میں ان سب کا جواب دیتا رہا (صحیح مسلم ص ۹۶ ج ۱)

بعض روایات میں یوں ہے فجلی اللہ لی بیت المقدس فطفقت أخبرهم عن آیاته و أنا أنظر الیه (اللہ نے بیت المقدس کو میرے لئے واضح طریقے پر روشن فرما دیا میں اسے دیکھتا رہا اور اس کی جو نشانیاں پوچھ رہے تھے وہ میں انہیں بتاتا رہا)۔

(صحیح بخاری ص ۵۴۸ ج ۱)

تفسیر ابن کثیر ص ۱۵ ج ۳ میں ہے کہ جب آپؐ نے بیت المقدس کی علامات سب بتا دیں تو وہ لوگ جو آپ کی بات میں شک کرنے کی وجہ سے بیت المقدس کی نشانیاں دریافت کر رہے تھے کہنے لگے کہ اللہ کی قسم بیت المقدس کے بارے میں صحیح بیان دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کو یہ بھی بتایا کہ مجھے سفر میں فلاں وادی میں فلاں قبیلے کا قافلہ ملا۔ ان کا ایک اونٹ بھاگ گیا تھا، میں نے انہیں بتایا کہ تمہارا اونٹ فلاں جگہ پر ہے، یہ اس وقت کی بات ہے جب میں بیت المقدس کی طرف جا رہا تھا، پھر جب میں واپس آ رہا تھا تو مقام ضجنان میں پہنچا تو دیکھا کہ وہ لوگ سو رہے ہیں، ایک برتن میں پانی تھا جسے انہوں نے کسی چیز سے ڈھانک رکھا تھا میں نے اس کا ڈھکن ہٹایا اور پانی پی کر اسی طرح ڈھانک دیا جس طرح سے ڈھکا ہوا تھا (اہل عرب دودھ اور دیگر معمولی چیزوں کے بارے میں عام طور سے بے اجازت خرچ پر اعتراض نہیں کرتے تھے ایسی چیزیں بلا اجازت استعمال میں لانا ان کے ہاں رواج پذیر تھا۔ اجازت عامہ کی وجہ سے صریح اجازت کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے) آپ نے مزید فرمایا کہ وہ قافلہ ابھی تنعیم کی گھاٹی سے ظاہر ہونے والا ہے، ان کے آگے آگے ایک چتکبرے رنگ کا اونٹ ہے، اس کے اوپر سامان کے دو بورے ہیں، ایک سیاہ رنگ کا، اور دوسرا سفید رنگ کا ہے، یہ بات سن کر

وہ لوگ جلدی جلدی تنعیم کی گھاٹی کی طرف چل دیے، وہاں دیکھا کہ واقعی مذکورہ قافلہ آرہا ہے اور اس کے آگے وہی اونٹ ہے جب اس قافلے پر گذرنے کی تصدیق ہوئی تو ان لوگوں نے قافلے والوں سے پوچھا کہ تم نے کسی برتن میں پانی رکھا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں، ہم نے ایک برتن میں پانی ڈھانک دیا تھا، پھر دیکھا کہ وہ برتن اسی طرح ڈھانکا ہوا ہے لیکن اس میں پانی نہیں ہے پھر قافلہ والوں سے سوال کیا گیا کہ کیا تمہارا کوئی اونٹ بدک گیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں، ہمارا ایک اونٹ بدک کر چلا گیا تھا، ہم نے ایک آدمی کی آواز سنی جو ہمیں بلا رہا تھا یہ تمہارا اونٹ ہے، یہ آواز سن کر ہم نے اسے پکڑ لیا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپؐ نے قافلہ والوں کو سلام بھی کیا تھا، اور ان میں بعض سننے والوں نے کہا یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز ہے[1]

ہرقل قیصرِ روم کے سامنے ایک پادری کی گواہی

سنہ ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے ہیں ان میں ایک ہرقل کے نام بھی تھا جو رومیوں کا بادشاہ تھا۔ شام اس وقت اس کے زیرنگیں تھا، وہ شام آیا ہوا تھا، ادھر سے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کا والا نامہ لے کر شام پہنچے اور وہ بصرہ کے گورنر کو دے دیا، اس نے ہرقل کو پہنچا دیا، یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ قریش مکہ کا ایک قافلہ تجارت کے لئے ملک شام پہنچا ہوا تھا، ہرقل نے کہا کہ دیکھو کچھ عرب کے لوگ آئے ہوئے ہوں تو انہیں بلاؤ تاکہ میں ان سے ان صاحب کے بارے میں معلومات حاصل کر دوں، جنہوں نے میرے پاس خط لکھا ہے، چنانچہ یہ لوگ ہرقل کے دربار میں حاضر کیے گئے، ہرقل نے پوچھا تم میں ان صاحب سے زیادہ قریب تر کون ہے جو اپنے کو اللہ کا نبی بتاتا ہے۔ ابوسفیان بھی تاجروں کے قافلہ میں تھے ابوسفیان نے کہا کہ میں قریب تر ہوں، ہرقل نے ابوسفیان سے کہا کہ دیکھو میں تم سے سوال کروں گا صحیح جواب دینا۔ ابوسفیانؓ اس وقت مسلمان نہیں تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف تھے، انہوں نے چاہا کہ

---

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۱۴ ج ۳، البدایۃ والنہایۃ ص ۱۱۰ ج ۳۔

کوئی ایسی بات کہدیں جس سے آپؐ کی حیثیت گر جائے، اور آپؐ کے دعوائے نبوت میں وہ آپ کو سچا نہ سمجھے[1]

بہت ہی سوچ بچار کے بعد ابوسفیان نے یہ بات نکالی کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ میں مکہ کی سرزمین سے ایک ہی رات میں آیا اور بیت المقدس پہنچا، اور پھر اسی رات میں صبح ہونے سے پہلے واپس مکہ پہنچ گیا (ابوسفیان کا خیال تھا کہ یہ ایک ایسی بات ہے جس کی وجہ سے قیصر آپ کے بارے میں ضرور ہی بدگمان ہو جائے گا، لیکن ہوا یہ کہ) وہاں قیصر کے پاس نصرانیوں کا ایک پادری کھڑا ہوا تھا، ابوسفیان کی بات سُن کر وہ پادری بولا کہ ہاں مجھے اس بات کا علم ہے (جس میں ایسا واقعہ ہوا ہے کہ وہاں بعض حضرات آئے اور انہوں نے نماز پڑھی) قیصر نے اس کی طرف دیکھا اور دریافت کیا کہ تجھے اس کا کیا پتہ ہے؟ اس پادری نے کہا کہ میں روزانہ رات کو مسجد کے دروازے بند کر کے سوتا تھا مذکورہ رات میں جب میں نے سارے دروازے بند کر دیے لیکن ایک دروازہ بند نہ ہوسکا۔ اس وقت وہاں جو لوگ موجود تھے میں نے ان سے مدد لی اور ہم سب نے اسے حرکت دینے کی کوشش کی لیکن ہم اسے حرکت نہ دے سکے، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہم کسی پہاڑ کو اس جگہ سے ہٹا رہے ہیں، اس پادری نے بتایا میں دروازہ کھلے ہوئے چھوڑ آیا اور جب صبح کو واپس آیا تو دیکھا کہ مسجد کے گوشہ میں پتھر کے اندر ایک سوراخ ہے، اور اس میں ایک جانور کے باندھنے کا نشان ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دروازہ آج اس لئے کھلا رکھا گیا ہے کہ یہاں کسی نبی کی آمد ہوئی ہے اور اس نے ہماری اس مسجد میں نماز پڑھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۴ ج ۳)

سفرِ معراج کے بعض مشاہدات

معراج کے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی چیزیں دیکھیں جو حدیث اور شروح حدیث میں جگہ جگہ منتشر ہیں۔ جن کو امام بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ جلد دوم میں اور حافظ نورالدین ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد جلد اول میں اور علامہ محمد سلیمان المغربی الروانی نے جمع الفوائد

[1] یہاں تک تو صحیح بخاری ص ۴ ج ۱ میں مذکور ہے۔

جلد سوم (طبع مدینہ منورہ) میں اور حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اور علامہ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں جمع کیا ہے۔

عالم علوی میں جو چیزیں ملاحظہ فرمائیں، روایات سابقہ میں ان میں سے بہت سی ذکر کر دی گئیں ہیں۔ اب عالم سفلی کے بعض مشاہدات ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی میں موسیٰ علیہ السلام پر گزرا وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔[۱]

ایسے لوگوں پر گزرنا جن کے ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے

حضرت انسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی اس رات میں، میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں، میں نے جبرئیلؑ سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ آپؐ کی امت کے خطیب ہیں جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں، اور اپنی جانوں کو بھول جاتے ہیں۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپؐ کی امت کے خطیب ہیں، جو وہ باتیں کہتے ہیں جن پر خود عامل نہیں، اور اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور عمل نہیں کرتے۔[۲]

کچھ لوگ اپنے سینوں کو ناخنوں سے چھیل رہے تھے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں ایسے لوگوں پر گذرا جن کے تانبے کے ناخن تھے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے۔ میں نے کہا کہ اے جبرئیل! یہ کون لوگ

---

[۱] صحیح مسلم ص ۲۶۸ ج ۲۔ [۲] مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۸۔

ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے ہیں (یعنی ان کی غیبت کرتے ہیں) اور ان کی بے آبروئی کرنے میں پڑے رہتے ہیں (رواہ ابوداؤد کما فی المشکوٰۃ ص ۴۲۹)

سُود خوروں کی بدحالی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کے پیٹ اتنے بڑے بڑے تھے (جیسے انسانوں کے رہنے کے) گھر ہوتے ان میں سانپ تھے جو باہر سے ان کے پیٹوں میں نظر آ رہے تھے میں نے کہا کہ اے جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ سود کھانے والے ہیں۔

فرشتوں کا پچھنا لگانے کے لئے تاکید کرنا

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کے سفر میں پیش آنے والی جو باتیں بیان فرمائیں ان میں ایک یہ بات بھی تھی کہ آپ فرشتوں کی جس جماعت پر بھی گزرے، انہوں نے کہا کہ آپؐ اپنی امت کو حجامت یعنی پچھنے لگانے کا حکم دیجئے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸۹ از ترمذی و ابن ماجہ)

عرب میں پچھنے لگانے کا بہت رواج تھا، اس سے زائد خون اور فاسد خون نکل جاتا ہے، بلڈ پریشر کا مرض جو عام ہو گیا ہے اس کا بہت اچھا علاج ہے، لوگوں نے اسے بالکل ہی چھوڑ دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر میں اور اپنے مونڈوں کے درمیان پچھنے لگواتے تھے (حوالہ بالا)

مجاہدین کا ثواب[۱]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل کے ساتھ چلے تو آپؐ کا ایک ایسی قوم پر گزر ہوا کہ جو ایک ہی دم میں تخم ریزی بھی کر لیتے ہیں اور

[۱] مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۶۔

ایک ہی دن میں کاٹ بھی لیتے ہیں، اور کاٹنے کے بعد پھر ویسی ہی ہو جاتی ہے جیسے پہلے تھی، آپؐ نے جبرئیل سے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے کہا کہ یہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں، ان کی ایک نیکی سات سو گنا تک بڑھا دی جاتی ہے اور یہ لوگ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا بدل عطا فرماتا ہے۔

کچھ لوگوں کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے تھے

پھر آپؐ کا ایک قوم پر گزر ہوا جن کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے تھے، کچلے جانے کے بعد پھر ویسے ہی ہو جاتے ہیں جیسے پہلے تھے، اسی طرح سلسلہ جاری ہے ختم نہیں ہوتا، آپؐ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز سے کاہلی کرنے والے ہیں، سوتے ہوئے رہ جاتے ہیں۔

زکوٰۃ نہ دینے والوں کی بدحالی

پھر ایک اور قوم پر گزر ہوا کہ جن کی شرمگاہوں پر آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے ہیں، اور اونٹ اور بیل کی طرح چرتے ہیں، اور ضریعؔ اور زقوم یعنی کانٹے دار اور خبیث درخت اور جہنم کے پتھر کھا رہے ہیں آپؐ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہیں دیتے۔

سڑا ہوا گوشت کھانے والے لوگ

پھر آپؐ کا ایک ایسی قوم پر گزر ہوا جن کے سامنے ایک ہانڈی میں پکا ہوا گوشت ہے، اور ایک ہانڈی میں کچا اور سڑا ہوا گوشت رکھا ہے، یہ لوگ سڑا ہوا گوشت کھا رہے ہیں، اور پکا ہوا گوشت نہیں کھاتے، آپؐ نے دریافت کیا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے کہا کہ یہ آپؐ کی امت کا وہ شخص ہے کہ جس کے پاس حلال اور طیب عورت موجود ہے مگر وہ

لہ ضریع آگ کے کانٹے، اور زقوم دوزخ کا بدترین بدبودار درخت۔ ۱۲

ایک زانیہ اور فاحشہ عورت کے ساتھ شب باشی کرتا ہے، اور صبح تک اسی کے پاس رہتا ہے اور آپ کی امت کی وہ عورت ہے جو حلال اور طیب شوہر کو چھوڑ کر کسی زانی اور بدکار شخص کے ساتھ رات گزارتی ہے۔

لکڑیوں کا بڑا گٹھا اٹھانے والا

پھر ایک شخص پر آپؐ کا گزر ہوا جس کے پاس لکڑیوں کا بہت بڑا گٹھر ہے وہ اسے اُٹھا نہیں سکتا (لیکن) اور زیادہ بڑھانا چاہتا ہے، آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون شخص ہے؟ جبرئیل نے بتایا کہ یہ وہ شخص ہے جس کے پاس لوگوں کی امانتیں ہیں، ان کی ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتا، اور مزید امانتوں کا بوجھ اپنے سر لینے کو تیار ہے۔

ایک بیل کا چھوٹے سوراخ میں داخل ہونے کی کوشش کرنا

اس کے بعد ایسے سوراخ پر گزر ہوا جو چھوٹا سا تھا اس میں سے ایک بڑا بیل نکلا، بیل چاہتا ہے کہ جہاں سے نکلا ہے پھر اسی میں داخل ہو جائے، آپؐ نے سوال فرمایا کہ یہ کون ہے؟ جبرئیل نے کہا کہ یہ وہ شخص ہے جو کوئی بڑا کلمہ کہہ دیتا ہے (جو گناہ کا کلمہ ہوتا ہے) اس پر وہ نادم ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو واپس کر دے پھر اس کی طاقت نہیں رکھتا۔

جنّت کی خوشبو

پھر آپ ایک ایسی وادی پر پہنچے جہاں خوب اچھی خوشبو آرہی تھی اور مشک کی خوشبو تھی اور آواز بھی تھی، آپؐ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ جبرئیل نے کہا یہ جنت کی آواز ہے، وہ کہہ رہی ہے کہ اے میرے رب! جو لوگ میرے اندر رہنے والے ہیں وہ لائیے، اور اپنا وعدہ پورا فرمائیے۔

دوزخ کی آواز سننا

اس کے بعد ایک اور وادی پر گزر ہوا، وہاں صورت منکر یعنی ایسی آواز سنی جو ناگوار تھی

آپ نے دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟ جبرئیل نے جواب دیا کہ یہ جہنم ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کررہی ہے کہ جو لوگ میرے اندر رہنے والے ہیں ان کو لے آئیے اور اپنا وعدہ پورا فرمایئے[1]

ایک شیطان کا پیچھے لگنا

موطا امام مالک میں بروایت یحییٰ بن سعید (مرسلاً) نقل کیا ہے کہ جس رات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سیر کرائی گئی تو آپؐ نے جنات میں سے ایک عفریت کو دیکھا جو آگ کا شعلہ لئے ہوئے آپؐ کا پیچھا کررہا تھا، آپؐ جب بھی (دائیں بائیں) التفات فرماتے وہ نظر پڑجاتا تھا، جبرئیل نے عرض کیا: کیا میں آپ کو ایسے کلمات نہ بتادوں کہ ان کو آپؐ پڑھ لیں گے تو اس کا شعلہ بجھ جائے گا اور یہ اپنے منہ کے بل گر پڑے گا؟ آپؐ نے فرمایا کہ بتادو اس پر جبرئیل نے کہا کہ یہ کلمات پڑھیں:-

أعوذ بوجه الله الكريم وبكلمات الله التامات اللاتي لايجاوزهن بر ولا فاجر، من شر ما ينزل من السماء، وشر ما يعرج فيها، و شر ما ذرأ في الارض، وشر ما يخرج منها، ومن فتن الليل والنهار، ومن طوارق الليل والنهار، الا طارقا يطرق بخير يا رحمٰن۔

فوائد واسرار حکم متعلقہ واقعۂ معراج شریف

شانِ عبدیت آیتِ کریمہ کو لفظ سُبْحَانَ الَّذِیْ سے شروع فرمایا ہے اس میں ان کم فہموں کے خیال وگمان کی تردید کی ہے جو اس واقعہ کو محال اور ممتنع سمجھتے تھے اور اب بھی بعض جاہل ایسا خیال کرتے ہیں، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ عظیمہ میں شک کرتے ہیں ان کی تردید کرتے ہوئے فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کو سب کچھ قدرت ہے، وہ کسی بھی چیز سے عاجز نہیں ہے، وہ جو چاہتا ہے کرسکتا ہے، وہ ہر نقص اور عیب سے پاک ہے، اس کی

---

[1] اخرجه رواية ابي هريرة من جمع الفوائد ص ۱۵۱ ج ۳ طبع مدينة منورة۔

قدرت کاملہ ہے، کوئی چیز اس کے لئے بھاری نہیں۔

اور اَسْریٰ بِعَبْدِہٖ جو فرمایا اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عبدیت کو بیان فرمایا، عبدیت بہت بڑا مقام ہے اللہ کا بندہ ہونا بہت بڑی بات ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا بندہ بنالیا اور یہ اعلان فرمادیا کہ وہ ہمارا بندہ ہے اس سے بڑا کوئی شرف نہیں اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ أحب الاسماء الی اللہ عبد اللہ وعبد الرحمٰن، کہ اللہ کو سب سے زیادہ پیارا نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۰۹)

ایک مرتبہ ایک فرشتہ حاضر خدمت ہوا، اس نے عرض کیا کہ آپ کے رب نے سلام فرمایا ہے، اور فرمایا ہے کہ اگر تم چاہو عبدیت والے نبی بن جاؤ اور اگر چاہو بادشاہت والے نبی بن جاؤ، آپ نے مشورہ لینے کے لئے جبرئیلؑ کی طرف دیکھا، انہوں نے تواضع اختیار کرنے کا مشورہ دیا، آپ نے جواب دیا کہ میں عبدیت والا نبی بن کر رہنا چاہتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ (جو حدیث کی راویہ ہیں انہوں) نے بیان کیا کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھاتے تھے، آپ فرماتے تھے کہ میں ایسے کھاتا ہوں جیسے بندہ کھاتا ہے اور ایسے بیٹھتا ہوں جیسے بندہ بیٹھتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۲۱، از شرح السنۃ)

واقعۂ اسراء کو بیان کرتے ہوئے لفظ "عبدہ" لانے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ واقعہ کی تفصیل سن کر کسی کو وہم نہ ہوجائے کہ آپ کی حیثیت عبدیت سے آگے بڑھ گئی، اور آپ کی شان میں کوئی ایسا اعتقاد نہ کرلے کہ مقام عبدیت سے آگے بڑھا کر اللہ تعالیٰ کی شانِ الوہیت میں شریک قرار دے دے اور جیسے نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو کرکے گمراہ ہوئے، اس طرح کی کوئی گمراہی اُمّتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام میں نہ آجائے۔

مسجدِ اقصیٰ قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک سیر کرائی۔

مسجدِ اقصیٰ "مسجد بیت المقدس" کا نام ہے جو شام میں ہے، لفظ اقصیٰ ابعد یعنی زیادہ دور والی چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے، مسجدِ اقصیٰ کو اقصیٰ کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کے بارے

میں کئی قول ہیں۔ صاحبِ روح المعانی لکھتے ہیں: چونکہ وہ حجاز میں رہنے والوں سے دور ہے اس لئے اس کی صفت اقصیٰ لائی گئی، اور ایک قول یہ ہے کہ جن مساجد کی زیارت کی جاتی ہے، ان میں وہ سب سے زیادہ دُور ہے۔ (کوئی شخص مسجدِ حرام سے روانہ ہو تو پہلے مدینہ منورہ سے گزرے گا، پھر بہت دن کے بعد مسجدِ اقصیٰ پہنچے گا، جب اونٹوں پر سفر ہوتے تھے تو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک چالیس دن کا سفر تھا) اور ایک قول یہ ہے کہ مسجدِ اقصیٰ اس لئے کہا گیا کہ وہ گندی اور خبیث چیزوں سے پاک ہے۔ (روح المعانی ص ۹ ج ۱۵)

مسجدِ اقصیٰ کے بارے میں اَلَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ فرمایا یعنی جس کے چاروں طرف ہم نے برکت دی ہے، یہ برکت دینی اعتبار سے بھی ہے اور دنیاوی اعتبار سے بھی، دینی اعتبار سے تو یوں ہے کہ بیت المقدس حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی عبادت گاہ ہے، اور ان حضرات کا قبلہ ہے، اور وہ ان تین مساجد میں سے ہے جن کی طرف سفر کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور چاروں طرف حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام مدفون ہیں۔ اور دنیاوی اعتبار سے اس لئے بابرکت ہے کہ وہاں پر انہار اور اشجار بہت ہیں۔

لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا (تاکہ ہم اپنے بندہ کو اپنی آیات یعنی عجائبِ قدرت دکھائیں) ایک رات میں اتنا لمبا سفر ہو جانا، اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے ملاقاتیں ہونا انکی امامت کرنا، اور راستہ میں بہت سی چیزیں دیکھنا، یہ عجائبِ قدرت میں سے تھا۔

اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (بلاشبہ اللہ سُننے والا دیکھنے والا ہے)

صاحبِ معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ السمیع فرما کر یہ بتایا کہ اللہ دُعاؤں کا سننے والا ہے، اور البصیر فرما کر یہ ظاہر فرما دیا کہ وہ سب کچھ دیکھنے والا ہے اور رات کی تاریکیوں میں حفاظت کرنے والا ہے۔

براق کیا تھا اور کیسا تھا؟

لفظ براق، برق سے مشتق ہے جو سفیدی کے معنی میں آتا ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ لفظ برق سے لیا گیا ہے برق بجلی کو کہتے ہیں اس کی تیز رفتاری تو معلوم ہی ہے، اسی

تیز رفتاری کی وجہ سے براق کا نام براق رکھا گیا ہے۔ روایاتِ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس براق پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام سوار ہوتے تھے، امام بیہقی نے دلائل النبوۃ صفحہ ۳۹۰ ج ۲ میں لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا: وکانت الانبیاء ترکبہ قبلی (اور حضرات انبیاء کرام (علیہم السلام) مجھ سے پہلے اس براق پر سوار ہوتے رہے ہیں)۔

براق کی شوخی اور اس کی وجہ

سُنن ترمذی (تفسیر سورۃ الاسراء) میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی میرے پاس بُراق لایا گیا جس کو لگام لگی ہوئی تھی، اور زین کسی ہوئی تھی، بُراق شوخی کرنے لگا، جبرئیل نے کہا کہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ شوخی کرتا ہے تیرے اوپر کوئی بھی ایسا شخص سوار نہیں ہوا جو اللہ کے نزدیک محمد (علیہ السلام) سے زیادہ مکرم اور معزز ہو، یہ سنتے ہی بُراق پسینہ پسینہ ہوگیا (پھر اس نے اپنا نافرمانی کا انداز چھوڑ دیا)۔ قال الترمذی ھذا حدیث حسن غریب۔

دلائل النبوۃ میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا جب براق نے شوخی کی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کا کان پکڑ کر گھما دیا، پھر مجھے اس پر سوار کرادیا[1]

بعض روایات میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس پہنچے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنی انگلی سے پتھر میں سوراخ کر دیا پھر اس سوراخ سے آپؐ نے بُراق کو باندھا (ابن کثیر)

براق نے شوخی کیوں کی؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ چونکہ ایک عرصہ دراز گزر چکا تھا اور زمانۂ فترت میں (یعنی اس عرصۂ دراز میں جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی نبی نہیں آیا تھا) براق پر کوئی سوار نہیں ہوا تھا وہ نئی سی بات دیکھ کر چمکنے لگا۔[2]

---

[1] دلائل النبوۃ ص ۳۵۵ ج ۲۔ [2] فتح الباری ص ۲۰۷ ج ۷۔

اور بعض حضرات نے یوں کہا ہے کہ براق کا چمکنا اور شوخی کرنا بطور خوشی اور فخر کے تھا کہ آج مجھ پر آخر الانبیاء اور افضل الانبیاء سوار ہو رہے ہیں[۱]۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ ثبیر پہاڑ پر تھے وہ پہاڑ حرکت کرنے لگا آپؐ نے فرمایا کہ ٹھہر جا! تیرے اوپر ایک نبی ہے ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں[۲]۔

اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے کہ بغیر براق کے سفر کرا سکتا ہے لیکن آپ کو تشریفاً واکراماً براق پر سوار کر کے لے جایا گیا، اگر سواری نہ ہوتی تو گویا پیدل سفر ہوتا کیونکہ سوار بہ نسبت پیدل چلنے کے زیادہ معزز ہوتا ہے اس لئے آپؐ کو سواری پر سفر کرایا گیا ہے[۳]۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کا بیت المقدس تک آپؐ کے ساتھ براق پر سوار ہونا اور وہاں سے زینہ کے ذریعہ آسمانوں پر جانا

جب مکہ مکرمہ سے بیت المقدس کے لئے روانگی ہوئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی آپؐ کے ساتھ براق پر سوار ہوگئے آپؐ کو پیچھے بٹھایا اور خود بطور رہبر کے آگے سوار ہوئے[۴]۔ دونوں حضرات براق پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچے، وہاں دونوں نے دو دو رکعت نماز پڑھی پھر آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی، جب آسمانوں کی طرف تشریف لے جانے لگے تو ایک زینہ لایا گیا جو بہت ہی زیادہ خوبصورت تھا، اور بعض روایات میں ہے کہ ایک زینہ سونے کا اور ایک چاندی کا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ وہ موتیوں سے جڑا ہوا تھا عالم بالا کا سفر کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں فرشتے تھے۔ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرئیل علیہ السلام دونوں زینہ کے ذریعہ آسمان تک پہنچے اور آسمان کا دروازہ کھلوایا[۵]۔

بابُ الحفظہ پہلے آسمان کے دروازے کے بارے میں فرمایا کہ وہ باب الحفظہ ہے اور فرمایا کہ اس پر ایک فرشتہ مقرر ہے جس کا نام اسماعیل ہے اس کے

[۱] فتح الباری ص ۲۰۶ ج ۷، [۲] مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۶۲، [۳] فتح الباری ص ۲۰۶ ج ۷، [۴] ایضاً ص ۲۰۸ ج ۷، [۵] ایضاً ص ۲۰۸ ج ۷

ماتحت بارہ ہزار فرشتے ہیں اور ہر فرشتے کے ماتحت بارہ ہزار ہیں، جب آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بیان فرمائی تو یہ آیت تلاوت کی وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ؕ

پہلے آسمان پر داروغۂ جہنم سے ملاقات ہونا اور جہنم کا ملاحظہ کرنا

جب آپ سماء دنیا یعنی قریب والے آسمان میں داخل ہوئے تو جو بھی فرشتہ ملتا تھا ہنستے ہوئے بشاشت اور خوشی کے ساتھ ملتا تھا اور خیر کی دعا دیتا تھا، انہیں میں ایک ایسے فرشتے سے ملاقات ہوئی جس نے ملاقات بھی کی اور دعا بھی دی لیکن وہ ہنسا نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون سا فرشتہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ مالک ہے جو دوزخ کا داروغہ ہے یہ اگر آپ سے پہلے یا آپ کے بعد کسی کے لئے ہنستا تو آپ کی ملاقات کے وقت آپ کے سامنے اسے ہنسی آجاتی یہ فرشتہ ہنستا ہی نہیں ہے، آپ نے حضرت جبرئیل سے فرمایا اس فرشتہ سے کہئے کہ مجھے دوزخ دکھائے، جبرئیل علیہ السلام نے اس سے کہا کہ یا مالک أرِ مُحَمَّدًا النَّار (اے مالک محمد کو دوزخ دکھا دو) اس پر اس فرشتہ نے دوزخ کا ڈھکن اٹھایا جس کی وجہ سے دوزخ جوش مارتی ہوئی اوپر اٹھ آئی۔ آپ نے فرمایا: اے جبرئیل! اس کو کہئے کہ دوزخ کو اپنی جگہ واپس کر دے، چنانچہ جبرئیل نے اس فرشتہ سے کہا کہ اس کو واپس کردو، فرشتہ نے اسے واپس ہونے کا حکم دیا جس پر وہ واپس چلی گئی جس پر اس نے ڈھکن ڈھک دیا۔

آسمانوں کے محافظین نے حضرت جبرئیل سے یہ سوال کیوں کیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے، کیا انہیں بلایا گیا ہے؟

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جب دروازہ کھلوایا تو آسمانوں کے ذمہ داروں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے یہ سوال کیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں انہوں نے جواب دیا کہ

لہ فتح الباری ص ۲۰۹ ج ۷، و سیرت ابن ہشام۔

محمد (علیہ السلام) ہیں اس پر سوال ہوا کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ حضرت جبرئیلؑ جواب دیتے ہے کہ ہاں انہیں بلایا گیا ہے اس پر دروازے کھولے جاتے رہے اور آپ اوپر پہنچتے رہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ملاء اعلیٰ کے حضرات نے یہ سوال کیوں کئے؟ کیا جبرئیل علیہ السلام کے بارے میں انہیں یہ گمان تھا کہ وہ ایسی شخصیت کو ساتھ لے آئے ہوں گے جسے اوپر بلایا نہ گیا ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ملاء اعلیٰ کے حضرات کو پہلے سے معلوم تھا کہ آج کسی کی آمد ہونے والی ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف بڑھانے کے لئے اور خوشی ظاہر کرنے کے لئے یہ سوال جواب ہوا، اور اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چل جائے کہ آپ کا اسم گرامی ملاء اعلیٰ میں معروف ہے۔ جب یہ سوال کیا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ تو حضرت جبرئیلؑ نے جواب دیا کہ محمدؐ ہیں اگر وہ آپ کے اسم گرامی سے واقف نہ ہوتے اور آپ کی شخصیت سے متعارف نہ ہوتے تو یوں سوال کرتے کہ محمد کون ہیں؟ اسی سے پہلے سے دروازہ نہ کھولنے کی حکمت بھی معلوم ہوگئی اور وہ یہ ہے کہ آپ کو یہ بتانا تھا کہ آپ سے پہلے زمین کے رہنے والوں میں سے کسی کے لئے اس طریقہ پر آسمان کا دروازہ نہیں کھولا گیا کہ وفات سے پہلے دنیاوی زندگی میں ہوتے ہوئے قاصد بھیج کر بلایا گیا ہو۔ جہاں اکثر مہمان آتے ہوں اور بار ہا آتے رہتے ہوں وہاں یہی بات ہے کہ پہلے سے دروازے کھول دئے جاتے ہیں، دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے اور چونکہ ہر مہمان کے لئے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اس لئے اس میں کسی خصوصیت اور امتیاز کا اظہار نہیں ہوتا لیکن معراج کا مہمان بے مثال مہمان ہے نہ اس سے پہلے کسی کو یہ مہمانی نصیب ہوئی نہ اس کے بعد، اور مہمانی بھی ایسی نہیں کہ امریکہ والا ایشیا چلا آیا اور ایشیا والا افریقہ چلا گیا یعنی خاکی انسان خاک ہی پر گھومتا رہا بلکہ وہ ایسی مہمانی تھی کہ فرش خاک کا رہنے والا سبع سموات سے گزرتا ہوا سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گیا جہاں اس چہیتے مہمان کے سوا کوئی نہیں پہنچا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ بقدر کمالہ وجمالہ۔ چونکہ انسانوں میں سے کوئی وہاں نہیں جاتا اور وہاں کی راہ متبذل نہیں ہے اس لئے حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ ہر ہر آسمان کا دروازہ آمد پر کھولا جائے کہ وہاں کے شائقین اور مقیمین کو معزز مہمان کا مرتبہ معلوم ہوتا چلا جائے اور یہ جان لیں کہ یہ کوئی ایسی ہستی ہے

جس کو بغیر درخواست کے بلایا گیا ہے اور جس کے لئے آج وہ دروازے کھولے جارہے ہیں جو کبھی کسی کے لئے نہیں کھولے گئے درحقیقت یہ اعزاز اس اعزاز سے زیادہ ہے کہ پہلے سے دروازے کھلے رہیں جو دوسروں کے لئے بھی کھلے رہے ہوں (قال ابن المنیر حکمته التحقیق ان السماء لم تفتح إلا من أجله بخلاف مالو وجدہ مفتوحاً[1]) جوں ہی کوئی دروازہ کھٹکھٹایا گیا اس آسمان کے رہنے والے متوجہ ہوئے اور یہ سمجھ لیا کہ کسی اہم شخصیت کی آمد ہے اور پھر جبرئیل علیہ السلام سے سوال وجواب ہوا، اس سے حاضرین کو مہمان کا تعارف اور تشخص حاصل ہو گیا پہلے سب نے مہمان کا نام سنا پھر زیارت کی۔ مہمان کی آمد کے بعد جو تعارف حاضرین سے کرایا جاتا ہے وہ دروازہ کھٹکھٹانے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے نام دریافت کرنے سے حاصل ہو گیا، ظاہر ہے کہ آمد کی عمومی اطلاع سے یہ بات حاصل نہ ہوتی اور چونکہ بارگاہ رب العالمین کی حاضری کے لئے یہ سفر تھا اور فرشتوں کی زیارت یا فرشتوں کو زیارت کرانا مقصد اعلیٰ نہ تھا اس لئے ہر جگہ قیام کرنے کا موقع نہ تھا ملاء اعلیٰ کے ساکنین متوجہ ہوتے رہے اور آپ کی زیارت کرتے رہے اور آپ آگے بڑھتے رہے، دنیا میں استقبال کے لئے استقبالیہ کمیٹی کے افراد کو پہلے سے جمع کرنا پڑتا ہے کیونکہ دنیا کے وسائل کے پیش نظر اچانک سب کا حاضر ہونا مشکل ہوتا ہے، لامحالہ پہلے سے آنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وقت نہ نکل جائے لیکن عالم بالا کے ساکنین کو وہ قوتیں حاصل ہیں کہ آن واحد میں ہزاروں میل کا سفر کرکے جمع ہو سکتے ہیں۔ دروازہ کھٹکھٹایا گیا ہے بھنک پڑی سب حاضر ہو گئے دروازہ کھولتے وقت سب موجود ہیں۔

دودھ، شہد اور شراب کا پیش کیا جانا اور آپ کا دودھ کو لے لینا

صحیح مسلم میں جو صفحہ ۹۱ پر روایت نقل کی گئی ہے اس میں یوں ہے کہ بیت المقدس ہی میں ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ پیش کیا گیا اس کے راوی حضرت انس بن مالکؓ ہیں، صحیح مسلم کی دوسری روایت جو صفحہ ۹۵ ج ۲ پر مذکور ہے۔ جس کے راوی

---

[1] فتح الباری ص ۳۶۱ ج ۱۔

حضرت ابوہریرہؓ ہیں اس میں یوں ہے کہ عالم بالا میں سدرۃ المنتہی کے قریب پینے کی چیزیں پیش کی گئیں اس میں بھی یہ ہے کہ آپؐ نے دُودھ لے لیا۔ اور حضرت امام بخاری کی روایت میں ہے کہ بیت المعمور سامنے کئے جانے کے بعد ایک برتن میں شراب، ایک برتن میں دودھ اور ایک برتن میں شہد پیش کیا گیا، بیت المقدس میں بھی پینے کے لئے چیزیں پیش کی گئی ہوں، اور پھر عالم بالا میں حاضرِ خدمت کی گئی ہوں اس میں کوئی منافات نہیں ہے، دوبارہ پیش کئے جانے میں عقلاً نقلاً کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کا انکار کیا جائے۔ صحیح بخاری میں ایک چیز یعنی شہد کا ذکر زیادہ ہے اس میں بھی کوئی اشکال کی بات نہیں، بعض مرتبہ بعض راویوں سے کوئی چیز رہ جاتی ہے جسے دوسرا ذکر کر دیتا ہے۔ ومع ذالك المثبت مقدم علی من لم یحفظ۔ صحیح مسلم کی روایت صفحہ ۹۷ پر یہ بھی ہے کہ جب آپؐ نے دودھ لیا تو حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا کہ اگر شراب لے لیتے تو آپؐ کی امت گمراہ ہوجاتی اس سے معلوم ہوا کہ قائد اور پیشوا کے اخلاق اور اعمال کا اثر اس کے ماننے والوں پر بھی پڑتا ہے[1]۔

---

[1] فتح الباری صفحہ ۲۱۵ ج ۷ میں علامہ قرطبی سے نقل کیا ہے کہ دودھ کے بارے میں جو هی الفطرة التی انت علیها فرمایا ممکن ہے کہ یہ اسی وجہ سے ہو کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے پیٹ میں دودھ داخل ہوتا ہے اور وہی اس کی آنتوں کو پھیلا دیتا ہے (اور ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے لہٰذا فطری طور پر فطرت اسلام اور بچہ کی ابتدائی غذا میں ایک مناسبت ہوئی اس لئے فطرت سے دینِ اسلام مراد لیا) حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ روایات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے (جو برتن پیش کئے گئے) چار تھے دودھ، شہد اور خمر، اور پانی۔ کسی نے دو کے ذکر پر اکتفا کیا، کسی نے تین کے ذکر پر، یا یہ کہ تین ہوں ایک پیالے میں پانی ہو کہ شیریں شہد جیسا ہو کبھی اس کو شہد کہہ دیا ہو کبھی پانی اور ہر چند کہ شراب اس وقت حرام نہ تھی کیونکہ یہ مدینہ میں حرام ہوئی ہے مگر سامانِ نشاط ضرور ہے اس لئے مشابہ دنیا کے ہے۔ شہد بھی اکثر تلذذ کے لئے پیا جاتا ہے غذا کے لئے نہیں تو یہ بھی امر زائد اور اشارہ لذات دنیا کی طرف ہوا، اور پانی بھی معین غذا ہے، غذا نہیں، جس طرح دنیا معین دین ہے مقصود نہیں، اور دین خود غذائے روحانی مقصود ہے جیسا کہ دودھ غذائے جسمانی مقصود ہے اور گو غذائیں اور بھی ہیں مگر دودھ کو اوروں پر ترجیح ہے کہ یہ کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتا ہے۔

(کذا فی نشر الطیب در اجع فتح الباری صفحہ ۲۱۵ ج ۷)

سدرۃ المنتہیٰ کیا ہے؟

روایاتِ حدیث میں السدرۃ المنتہیٰ (صفت موصوف) اور سدرۃ المنتہیٰ (مضاف مضاف الیہ) دونوں وارد ہوا ہے۔

لفظ "سدرہ" عربی زبان میں بیر کو کہتے ہیں اور "المنتہیٰ" کا معنی ہے انتہا ہونے کی جگہ۔ اس درخت کا یہ نام کیوں رکھا گیا؟ اس کے بارے میں صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اُوپر سے جو احکام نازل ہوتے ہیں وہ اسی پر منتہیٰ ہو جاتے ہیں اور جو بندوں کے اعمال نیچے سے اوپر جاتے ہیں وہ وہاں پر ٹھہر جاتے ہیں (آنے والے احکام پہلے وہاں آتے ہیں پھر وہاں سے نازل ہوتے ہیں اور نیچے سے جانے والے جو اعمال ہیں وہ وہاں ٹھہر جاتے ہیں پھر اوپر اُٹھائے جاتے ہیں) پہلے گزر چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر جو چیزیں چھائی ہوئی تھیں ان کی وجہ سے جو اس کا حُسن تھا اسے اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی شخص بیان نہیں کر سکتا، اور دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس پر سونے کے پروانے چھائے ہوئے تھے[1] اس درخت کے بارے میں یہ بھی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اس کی شاخوں کے سایہ میں ایک سوار سو سال تک چل سکتا ہے یا یوں فرمایا کہ اس کے سایہ میں سو سوار سایہ لے سکتے ہیں[2]

قال النووی رحمہ اللہ! قال ابن العباس والمفسرون وغیرھم سمیت سدرۃ المنتھیٰ لان علم الملائکۃ ینتھی الیھا ولم یجاوزھا احد الا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحکی عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ انما سمیت بذلک لکونھا ینتھی الیھا ما یھبط من فوقھا وما یصعد من تحتھا من امر اللہ تعالٰی[3]

---

[1] صحیح مسلم ص ۹۷ ج ۱ عن ابن مسعود مرفوعاً۔ [2] مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۹۸، از ترمذی۔

[3] صحیح مسلم ص ۹۲ ج ۱۔

جنّت میں داخل ہونا اور نہر کوثر کا ملاحظہ کرنا

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس درمیان میں جبکہ میں جنت میں چل رہا تھا، اچانک میں ایک ایسی نہر پر ہوں جسکے دونوں کناروں پر ایسے موتیوں کے قبے ہیں جو بیچ میں سے خالی ہیں (یعنی پورا قبہ ایک موتی کا ہے) میں نے کہا اے جبرئیل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ نہر کوثر ہے، جو آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمائی ہے، میں نے جو دھیان کیا تو کیا دیکھتا ہوں اس میں جو مٹی ہے (جس کی سطح پر پانی ہے) وہ خوب تیز خوشبو والا مشک ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السّلام کی ملاقات روحانی تھی یا اجسام کے ساتھ تھی

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔ حضور پُرنور کا انبیاء کرام کا بیت المقدس اور آسمانوں میں دیکھنا اس سے یا تو ان کی ارواح مُبارکہ کو دیکھنا مراد ہے یا مع اجسام عنصریہ کے دیکھنا مراد ہے کہ حضور کے اعزاز و اکرام کے لئے انبیاء کرام کو مع اجسام عنصریہ کے مسجد اقصیٰ اور آسمانوں میں مدعو کیا گیا چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں جسموں کے ساتھ زندہ ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ان اللہ حرم الارض اجساد الانبیاء (بلاشبہ اللہ نے زمین پر نبیوں کے جسموں کو حرام کر دیا ہے۔ وہ ان کے جسموں کو کھا نہیں سکتیں) اور احوال برزخ کو احوالِ دنیا پر قیاس بھی نہیں کیا جاسکتا اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا لہٰذا کوئی بعید نہیں ہے کہ مسجد اقصیٰ میں انبیاء علیہم السلام کو آپ نے ان کے اجسام عنصریہ کے ساتھ موجود پایا اور انہیں نماز پڑھائی پھر آسمانوں میں تشریف لے گئے تو وہاں بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام میں سے جن سے بھی ملاقات کی وہ وہاں اپنے جسموں کے ساتھ موجود تھے۔

اور بعض علماء نے یہ فرمایا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام تو قبور ہی میں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو اجسام مثالیہ دے کر متشکل فرمادیا، اور اسی حال میں آپ کے پیچھے نماز پڑھی، اور پھر اوپر آسمانوں میں ملاقاتیں ہوئیں، البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ زندہ ہی اُٹھالئے گئے تھے اور ابھی ان کا دنیا میں آنا اور وفات پانا باقی ہے، اس لئے ان سے جو ملاقات ہوئی وہ اسی جسم کے ساتھ ہوئی جو دنیا میں ان کا جسم تھا اور چونکہ یہ ملاقات ان کی وفات سے پہلے ہے اس لئے ان کو آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں شمار کیا گیا ہے[1]

آسمانوں میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے جو ملاقاتیں ہوئیں ان کی ترتیب کے بارے میں کیا حکمت ہے؟

حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بیت المقدس میں نماز پڑھائی، پھر ان حضرات سے جس جس سے اوپر ملاقات کرائی تھی وہ لوگ آپ سے پہلے آسمانوں میں پہنچ چکے تھے۔ ان میں جن حضرات سے آپ کی ملاقات ہوئی ان میں پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، پھر اوپر تشریف لے جاتے رہے اور دوسرے آسمانوں میں دیگر انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات ہوئی۔ ان ملاقاتوں کی ترتیب کے بارے میں بعض حضرات نے حکمت بتائی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ملاقات میں یہ بتانا تھا کہ جیسے وہ جنت سے نکالے گئے جو اس وقت ان کا وطن مالوف تھا۔ اسی طرح آپ کو بھی مکہ معظمہ سے مدینے کے لئے ہجرت کا موقع آئے گا (مشہور قول کے مطابق چونکہ واقعہ معراج ہجرت مدینہ منورہ سے کچھ ہی عرصہ پہلے پیش آیا تھا اس لئے پہلے آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات کرائی گئی)۔

حضرت عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام سے دوسرے آسمان میں ملاقات ہوئی اس میں یہ بتایا کہ ہجرت کے بعد شروع ہی میں یہودی دشمنی کریں گے اور ان کی سرکشی بڑھتی چلی جائیگی

[1] فتح الباری ص ۲۱۰ ج ۷، الاصابہ ص ۵۲ ج ۳۔

اور آپ کو تکلیف پہنچانے کے ارادے کرتے رہیں گے (جیسا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام سے کیا)۔

تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اس میں یہ حکمت ہے کہ جس طرح یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کے ساتھ زیادتی کی، اس طرح آپ کے قریشی بھائی آپ سے دشمنی کریں گے (اور جنگ کرنے کے لئے دارالہجرت میں پہنچیں گے) پھر جس طرح حسن انجام حضرت یوسف علیہ السلام کو حاصل ہوا آپ کو بھی یہ نعمت حاصل ہوگی چنانچہ مکہ معظمہ فتح ہوا اور آپ کی زبانِ مبارک سے قریش مکہ کے لئے وہی بات نکلی جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ (یوسف ۹۲)

چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اُن کے تذکرہ میں قرآن مجید میں فرمایا ہے وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔ ان کی ملاقات میں اس طرف اشارہ تھا کہ آپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے۔

پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اس میں بتایا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کی قوم نے اذیت دی پھر وہ اپنی قوم میں محبوب ہوگئے اسی طرح اپنی قوم کی ایذاؤں کے بعد آپ محبوب ہو جائیں گے۔

چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ان کی ملاقات میں اس طرف اشارہ تھا کہ جیسے ان کی قوم نے آپ کو ستایا اس طرح کے واقعات آپ کو بھی پیش آئیں گے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر یوں ارشاد فرمایا لقد أوذی موسیٰ باکثر من هذا فصبر۔

ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی وہ بیت المعمور سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، اس میں یہ بتایا کہ آپ کی آخری عمر میں آپ کو مناسک حج کا موقع دیا جائے گا اور آپ کے ذریعے بیت اللہ کی تعظیم قائم ہوگی[1] (حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سب سے آخر میں ملاقات ہوئی انہوں نے کعبہ شریف بنایا تھا اور عالم بالا میں بیت المعمور

[1] فتح الباری ص ۲۱۰، ۲۱۱ ج ۷۔

سے ٹیک لگائے ہوئے تھے جو کعبہ شریف کی محاذات میں ہے یہاں زمین پر بھی آدم کعبہ شریف کا طواف کرتے ہیں اور وہاں روزانہ فرشتے بیت المعمور میں داخل ہوتے ہیں لطیف مناسبت ہے)۔

شیخ ابن ابی جمرہ کا ارشاد

شیخ ابن ابی جمرہ نے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ملاقاتوں کی ترتیب کے بارے میں کچھ حکمتیں بتائیں، انہوں نے فرمایا کہ سب سے قریب والے آسمان میں آدم علیہ السلام سے اس لئے ملاقات ہوئی کہ وہ اول الانبیاء بھی ہیں اور اول الآباء بھی ہیں وہ نبی بھی ہیں اور آپ کے باپ بھی ہیں اور دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی کیونکہ ان کا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے قریب تر تھا کیونکہ آپ کے اور ان کے درمیان نبی نہیں گزرا۔ تیسرے آسمان میں حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی کیونکہ آپ کی امت حضرت یوسف علیہ السلام کی صورت میں جنت میں داخل ہوگی۔

چوتھے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا (مریم، ۵۷) اور چوتھا آسمان ساتویں آسمان کے درمیان ہے[1]

پانچویں آسمان میں حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی کیونکہ وہ اپنے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قریب ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے بلند تھے یعنی چھٹے آسمان پر تھے کیونکہ انہیں کلیم اللہ ہونے کی فضیلت حاصل ہے اور آخری آسمان میں حضرت ابراہیم

---

[1] علامہ سہیلی نے الروض الانف میں بہت ہی اچھی بات لکھی ہے اور وہ یہ کہ حضرت ادریس علیہ السلام سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے لکھنا سکھایا تھا چوتھے آسمان میں ان سے ملاقات ہونے میں اس طرف اشارہ تھا کہ گذشتہ تین احوال (مکہ معظمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لے جانا اور مدینہ منورہ میں یہودیوں کا آپ سے دشمنی کرنا اور مکہ معظمہ فتح ہونا) کے بعد چوتھی حالت یہ پیش آئے گی کہ آپ بادشاہوں کو خط لکھیں گے جس میں اسلام کی دعوت ہوگی۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد ایسا ہی ہوا جس کے نتیجہ میں بعض لوگ مسلمان ہوئے اور بعض نے صلح کرلی۔

علیہ السلام سے ملاقات ہوئی کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نبیوں میں آپ کے آخری باپ ہیں اور یہ بات بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام (خلیل اللہ ہیں) خلیل کا مرتبہ سب سے بلند ہونا چاہیئے اس لئے وہ ساتویں آسمان میں تھے اور چونکہ حبیب کا مرتبہ خلیل سے بھی بلند ہونا چاہیئے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم سے بھی اوپر تشریف لے گئے۔ انتھی قول ابن ابی جمرۃ[۱]

نمازوں کی تخفیف کا جو سوال کیا تو پانچ نمازیں رہ جانے پر آگے سوال نہ کرنے کی حکمت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توجہ دلانے پر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار نمازیں کم کرانے کے لئے درخواست کی اور پانچ نمازیں رہ جانے پر جو آگے سوال کی ہمت نہ کی، اور فرمایا کہ اب مجھے اپنے رب سے شرم آتی ہے۔ اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن منیر سے نقل کیا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ پانچ پانچ نمازوں کی کمی ہو رہی تھی اور اب پانچ ہی رہ گئی تھیں، تو اب مزید تخفیف کا سوال کرنے کا مقصد یہ بنتا تھا کہ گویا کوئی نماز بھی فرض نہ رہے، لہٰذا آپ آگے درخواست کرنے پر شرما گئے۔[۲] اور چونکہ تکوینی طور پر پانچ نمازوں کی فرضیت متعین ہی تھی اس لئے بھی آگے سوال کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو تخفیف کا سوال کرتے رہے ہیں وہ اس وجہ سے کہ آپ کے ذہن میں یہ بات تھی کہ سب نمازیں فرض نہیں ہیں البتہ آخری مرتبہ کے سوال کے بعد جو پانچ نمازیں رہ گئیں تھیں ان کے بارے میں یہ یقین کر لیا یہ تو فرض ہی ہیں اس لئے آپ نے اس کے بعد سوال نہیں کیا۔ ارشاد خداوندی مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ (ق ۲۹) سے اس طرف اشارہ نکلتا ہے۔[۳]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا اور رشک کرنا

معراج کی روایات میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام

---

[۱] فتح الباری ص ۲۱۱ ج ۷۔ [۲] فتح الباری ص ۲۹۳ ج ۸۔ [۳] ایضاً

سے آگے بڑھے، تو موسیٰ علیہ السلام رونے لگے ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کیوں رُوتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میرے بعد ایک غلام یعنی نوعمر شخص کی بعثت ہوئی اس کی امت کے لوگ جو جنت میں داخل ہوں گے، میری امت سے زیادہ ہوں گے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ رونا اور یہ کہنا کہ ان کی امت کے لوگ میری امت کے بہ نسبت زیادہ جنت میں داخل ہوں گے یہ بطور حسد کے نہیں تھا بلکہ بطور افسوس کے تھا، اور افسوس اس بات کا تھا کہ میری امت میں مخالفت اور نافرمانی زیادہ تھی جس کی وجہ سے ان کی امت کو ثواب کم ہوا، اور اس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ثواب بھی کم ہوا، کیونکہ امت جس قدر بھی عمل کرتی تھی اس کا ثواب اس کے نبی کو بھی ملتا تھا کیونکہ وہ انکو دلالت علی الخیر کرنے والا تھا (اور اس سے امت کا ثواب کم نہیں ہوتا تھا) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ثواب بہت زیادہ ہے کیونکہ آپ کی امت میں فرمانبرداری کی شان بہت زیادہ ہے عبادت، طاعت، ذکر، تلاوت، حج، تصنیف، تالیف، جہاد، تعلیم، تبلیغ میں یہ اُمّت بہت آگے ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے یہ جو فرمایا کہ ایک لڑکا میرے بعد مبعوث ہوا، یہ بطور تنقیص کے نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ عظیمہ اور کرمِ عظیم ظاہر کرنے کے لئے تھا یعنی سب نبیوں کے بعد آخر میں آنے والے نبی کو جس کی عمر دوسرے نبیوں کے مقابلے میں زیادہ نہ تھی، بہت زیادہ برکات اور انعامات سے نوازا گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی تو تھے، جنہوں نے بار بار توجہ دلائی اور ان کی فکرمندی سے بجائے پچاس نمازوں کے پانچ نمازیں فرض رہ گئیں، انہوں نے تو مزید درخواست پیش کرنے کی کوشش کی، اور فرمایا کہ میں نے بنی اسرائیل کو بہت آزمایا ہے وہ لوگ اس سے کم نمازوں کی بھی پابندی نہیں کر سکے[1] اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بس اب میں شرما گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام بھلا کیا حسد کرتے اور آپ کی شان میں کیا تنقیص کا خیال کرتے، انہوں نے تو محبت اور شفقت کا مظاہرہ فرمایا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں فرمایا: اما قولہ "غلام" فلیس علی سبیل النقص، بل علی

[1] حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت پر دو نمازیں فرض تھیں، فتح الباری ص ۲۱۶ ج ۷۔

سبيل التنوية بقدرة الله وعظيم كرمه إذ أعطى لمن كان فى ذلك السن مالم يعطه أحدا قبله ممن هو أسن منه وقد وقع من موسٰى من العناية بهذه الأمة من امر الصلوٰة مالم يقع لغيره ووقعت الإشارة لذلك فى حديث أبى هريرة عند الطبرى والبزار، قال عليه الصلوٰة والسلام: كان موسٰى اشدهم على حين مررت به، وخيرهم لى حين رجعت إليه، وفى حديث ابى سعيد" فأقبلت راجعا فمررت بموسٰى ونعم الصاحب كان لكم..."[1]

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نماز کم کرانے کی ترغیب کیوں نہیں دی؟

ایک یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمازوں کی تخفیف کا سوال کرنے کی طرف کیوں توجہ نہیں دلائی؟ حضرات اکابر نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام خلیل ہیں، مقامِ خُلت کا تقاضا تسلیم ورضا ہے، جو حکم ہوا مان لیا، آگے سوچنا کچھ نہیں، اور حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کلیم ہیں، مقامِ تکلم مقامِ ناز ہے، اور موجب انبساط ہے، جو کلیم جرأت کرسکتا ہے دوسرا نہیں کرسکتا، پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو اہلِ شرک وکفر سے زیادہ واسطہ پڑا تھا، ان ہی لوگوں سے بحث ومناظرہ میں عمرِ مبارک صرف ہوئی، آپ کے اتباع اور امت اجابت کے افراد زیادہ نہیں ہوئے، اور جو لوگ آپ پر ایمان لائے تھے وہ پکے فرمانبردار تھے، نافرمانوں اور فاسقوں کے رنگ ڈھنگ بچشمِ خود نہ دیکھے تھے جیسے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا ذہن تخفیف کرانے کی طرف چلا گیا اور اپنے تجربہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: فانی قد بلوت بنی اسرائیل وخبرتهم (مسلم شریف) یعنی میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں، اور اسی تجربہ کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ اتنی نمازیں پڑھنا آپ کی امت کے لئے دشوار ہوگا۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام بھی اُمتِ محمّدیہ (علی صاحبہا الصّلوٰۃ والتحیۃ)

---

[1] فتح الباری ص ۲۱۶ ج ۷

کی خیرخواہی سے غافل نہ تھے، مگرانہوں نے تکثیر حسنات کو پیش نظر رکھا جس کی وجہ سے پچاس نمازوں کی فرضیت کی خبرسن کر دل باغ باغ ہوگیا اور خوشی کی انتہا نہ رہی، جب یہ خبر ملی کہ کعبہ شریف بناتے وقت میں نے رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ کے ذریعہ جس امت کے لئے دُعا کی تھی، وہ آج نوازی جارہی ہے، اور راتے رات دن میں پچاس مرتبہ بارگاہِ خداوندی میں حاضری کا شرف دیا جارہا ہے، پھر بھلا وہ تخفیف صلاۃ کا مشورہ کیوں دیتے؟ کیونکہ وہ تکثیر حسنات کی طرف متوجہ تھے۔ اس لئے اس نے امت محمدیہ کو ایک پیغام بھیجا حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، انہوں نے فرمایا کہ اے محمدؐ! میری طرف سے اپنی امت کو سلام کہدینا، اور انہیں بتادینا کہ بلاشبہ جنت کی اچھی مٹی ہے، میٹھا پانی ہے اور وہ چٹیل میدان ہے، اور اس کے پودے یہ ہیں، سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ[1]

یہ جو فرمایا کہ جنت چٹیل میدان ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اس میں سب کچھ ہے لیکن اسی کے لئے تو ہے جو دنیا میں ایسے کام کرکے جائے گا جن کے ذریعہ جنت میں داخل ہوسکے جنت اپنی محنت سے ملے گی، اور اس کو اس طرح سمجھ لیا جیسے کوئی بہت اچھی زمین ہو، مٹی بھی عمدہ ہو، پانی بھی میٹھا ہو، جب کوئی شخص اس میں درخت لگائے گا، اور اس عمدہ پانی سے سینچائی کرے گا تو اس کا پھل پائے گا لہٰذا دنیا میں نیک اعمال کرتے رہو، اللہ کا ذکر کرو، سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ پڑھا کرو، ان کو پڑھوگے تو جنت میں ان کے عوض درخت پاؤگے، اسی لئے ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ جس نے سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ کہا اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگا دیا جائے گا[2]

سونے کے طشت میں زمزم سے قلبِ اطہر کا دھویا جانا

واقعۂ معراج جن احادیث میں بیان کیا گیا ہے ان میں یہ بھی ہے کہ آپؐ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا اور قلب اطہر کو نکال کر زمزم کے پانی سے دھوکر واپس اپنی جگہ رکھ دیا گیا، پھر

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۲، از ترمذی۔ [2] مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۱، از ترمذی۔

اسی طرح درست کر دیا گیا جیسا کہ پہلے تھا، آج کی دنیا میں جبکہ سرجری عام ہو چکی ہے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے اور زمزم کے پانی سے جو دھویا گیا اس سے زمزم کی پانی کی فضیلت واضح طور پر معلوم ہوئی، روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ کے قلبِ اطہر کو سونے کے طشت میں دھویا گیا، اور یہ برتن جنت سے لایا گیا تھا، کیونکہ یہ برتن جنت سے آیا تھا اور استعمال کرنے والا فرشتہ تھا اور اس وقت تک احکام نازل بھی نہیں ہوئے تھے (سونے کی حرمت مدینہ منورہ میں ہوئی) اس لئے اس سے امت کے لئے سونے کے برتن استعمال کرنے کا جواز ثابت نہیں کیا جا سکتا، اور ایمان و حکمت سے بھرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس سے آپ کی قوتِ ایمانیہ میں اور قلب مبارک کے حکمت سے لبریز ہونے میں اور زیادہ ترقی ہوگئی اور عالمِ بالا میں جانے کی قوت پیدا ہوگئی۔

نماز کا مرتبۂ عظیمہ

نماز اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے، دیگر عبادات اسی سرزمین پر رہتے ہوئے فرض کی گئیں، لیکن نماز عالمِ بالا میں فرض کی گئی، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ بالا کی سیر کرائی، اور وہاں پچاس، پھر پانچ نمازیں عطا کی گئیں، اور ثواب پچاس ہی کا رکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توجہ دلانے پر بار بار بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو کر نمازوں کی تخفیف کے لئے درخواست کرتے رہے، اور درخواست قبول ہوتے رہے عالمِ بالا میں بار بار آپ کی حاضری ہوتی رہی۔

وہاں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مناجات ہوئی پھر اس دنیا میں آپؐ کے صحابہؓ کی اور صحابہؓ کے بعد پوری امت کی مناجات ہوتی رہی اور تا قیامت یہ مناجات ہوتی رہے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

چونکہ یہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے دربار کی حاضری ہے اس لئے اس کے وہ آداب ہیں جو دوسری عبادات کے لئے لازم نہیں کئے گئے، باوضو ہونا، کپڑوں کا پاک ہونا، نماز کی جگہ کا پاک ہونا، قبلہ رُخ ہونا، ادب کے ساتھ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا، اللہ کے کلام کو پڑھنا، رکوع

کرنا، سجدے کرنا، یہ وہ چیزیں ہیں جو مجموعی حیثیت سے کسی دوسری عبادات میں مشروط نہیں ہیں، (گو ان میں سے بعض احکام بعض دیگر عبادات سے بھی متعلق ہیں) پھر نمازی ہر دو رکعت کے بعد تشہد پڑھتا ہے جو التحیات للہ سے شروع ہوتا ہے، بعض شراح حدیث نے فرمایا ہے کہ تشہد میں انہی الفاظ کا اعادہ ہے جو شب معراج میں ادا کئے گئے تھے، حاضری کے وقت آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحیہ پیش کرتے ہوئے عرض کیا: اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے جواب ملا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ یہ سن کر آپ نے عرض کیا: اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فوراً توحید و رسالت کی گواہی دی اور اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کے کلمات ادا کئے[1]

---

[1] ذكره مولانا فخر الحسن الكنكوهي في تعليقه على سنن أبي داؤد (باب التشهد) وفيه ايضًا وبه يظهر وجه الخطاب، وأنه على حكاية معراجه عليه السلام في آخر الصلوٰة التي هي معراج المؤمنين اه وقال شيخ مشائخنا في بذل المجهود ص ۱۱۰ ج ۲ مجيبًا عما يرد من الاشكال على لفظه عليك (من مشروعية الخطاب للأمة صلوٰتهم) ناقلًا عن الطيبي: نحن نتبع لفظ الرسول بعينه الذي علمه الصحابة، ويحتمل ان يقال على طريق اهل العرفان المصلين لما استفتحوا باب الملكوت بالتحيات اذن لهم بالدخول في حريم الحي الذي لا يموت فقرت اعينهم بالمناجاة فنبهوا على أن ذلك بواسطة نبي الرحمة وبركة متابعته فالتفتوا فاذا الحبيب في حرم الحبيب حاضر فاقبلوا عليه قائلين السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته. انتهى.

قال الحافظ في الفتح: والحكمة في وقوع فرض الصلوٰة ليلة المعراج أنه لما قدس ظاهرًا وباطنًا حين غسل بماء زمزم بالايمان والحكمة ومن شان الصلوٰة أن يتقدمها الطهور ناسب ذلك أن تفرض الصلاة في تلك الحالة، وليظهر شرفه في الملأ الاعلى ويصلي بمن سكنه من الانبياء وبالملائكة وليناجي ربه ومن ثم كان المصلي يناجي ربه جل وعلا (فتح الباري ص ۳۶۰ ج ۱) وفيه ايضًا والحكمة في تخصيص فرض الصلوٰة بليلة الاسراء أنه صلى الله عليه وسلم (بقيه حاشيه اگلے صفحه پر)

نماز چونکہ دربارِ الٰہی کی حاضری ہے، اس لئے پوری توجہ کے ساتھ نماز پڑھنے کی تعلیم دی گئی، سُترہ سامنے رکھنے کی ہدایت فرمائی تاکہ دلجمعی رہے، اِدھر اُدھر دیکھنے سے منع فرمایا ہے، نماز پڑھتے ہوئے تشبیک یعنی انگلیوں میں انگلیاں ڈالنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ کھانے کا تقاضا ہوتے ہوئے اور پیشاب پاخانہ کا تقاضا ہوتے ہوئے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ چیزیں توجہ ہٹانے والی ہیں ان کی وجہ سے خشوع خضوع باقی نہیں رہتا جو دربار کی حاضری کی شان کے خلاف ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ نماز میں ہو تو برابر اللہ تعالیٰ کی توجہ اس کی طرف رہتی ہے، جبتک کہ بندہ خود اپنی توجہ نہ ہٹالے، جب بندہ توجہ ہٹالیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بھی توجہ نہیں رہتی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اگر تم میں سے کوئی شخص نماز کے لئے کھڑا ہو تو کنکریوں کو نہ چھوئے کیونکہ اس کی طرف رحمت متوجہ ہوتی ہے۔

مُلحدین و مُنکرین کی گمراہی

روایاتِ حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بیداری میں روح اور جسم کے ساتھ معراج کرائی، اہل السنۃ والجماعت کا یہی مذہب ہے۔ ایک ہی رات میں آپ مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر بیت المقدس میں پہنچے، وہاں حضرات انبیاء کرام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) لما عرج به رأى فى تلك الليلة تعبد الملائكة وأن منهم القائم فلا يقعد والراكع فلا يسجد والساجد فلا يقعد فجمع الله له ولأمته تلك العبادات كلها فى ركعة يصليها العبد بشرائطها من الطمانية والاخلاص أشار إلى ذلك ابن ابى جمرة وقال وفى اختصاص فرضيتها بليلة الاسراء إشارة إلى عظيم بيانها ولذلك اختص فرضها بكونه بغير واسطة بل بمراجعات تعددت على ماسبق بيانه۔

(فتح البارى ج ۷ ص ۲۱۶)

علیہم السلام کی امامت کی، پھر وہاں سے آسمانوں پر تشریف لے گئے، وہاں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں، سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا، البیت المعمور کو ملاحظہ فرمایا ایسی جگہ پر پہنچے جہاں قلموں کے لکھنے کی آوازیں آرہی تھیں، عالم بالا میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بار بار توجہ دلانے پر اور خالق کائنات جلّ مجدہٗ کی بارگاہ میں بار بار درخواست پیش کرنے پر پانچ نمازوں کی فرضیت رہ گئی، اور اللہ تعالےٰ نے پانچ نمازیں پڑھنے پر ہی پچاس نمازوں کے ثواب کا اعلان فرمادیا، پھر اسی رات میں آسمانوں سے نزول فرمایا۔ اور واپس مکہ معظمہ تشریف لے آئے، راستے میں قریش کا ایک قافلہ ملا، جب صبح کو قریش کے سامنے رات کا واقعہ بیان کیا تو وہ تکذیب کرنے لگے لیکن جب آپ نے بیت المقدس کے بارے میں ان کے سوالات کے شافی جوابات دیدئے اور جس قافلہ سے ملاقات ہوئی تھی وہ بھی پہنچ گیا، اور آپؐ نے اس کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا وہ سب کے سامنے صحیح ثابت ہوگیا تو قریش کا منہ بند ہوگیا اور آگے کچھ نہ کہہ سکے۔

اب دور حاضر کے ملحدین واقعۂ معراج کو ماننے میں تامل کرتے ہیں اور بعض جاہل بالکل ہی جھٹلا دیتے ہیں، اور کچھ لوگ یوں کہدیتے ہیں کہ خواب کا واقعہ ہے، یہ لوگ یہ نہیں سوچتے اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو مشرکین مکہ اس کا انکار کیوں کرتے؟ اور یوں کیوں کہتے کہ بیت المقدس تک ایک ماہ کی مسافت کیسے طے کرلی؟ اور پھر انہیں بیت المقدس کی نشانیاں دریافت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ سورۃ الاسراء کے شروع میں جو سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ فرمایا ہے، اس میں لفظ بعبدہ سے صاف ظاہر ہے کہ آپ روح اور جسم دونوں کے ساتھ تشریف لے گئے نیز اُسریٰ جو اُسریٰ یُسری (معتل اللام) سے باب افعال سے ماضی کا صیغہ ہے یہ بھی رات کے سفر کرنے پر دلالت کرتا ہے، خواب میں کوئی کہیں چلا جائے اس کو سریٰ اور اسریٰ سے تعبیر نہیں کیا جاتا، لیکن جنہیں ماننا نہیں ہے وہ آیت قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کا انکار کرنے میں ذرا نہیں جھجکتے ھداھم اللہ تعالیٰ۔

منکرین کی جاہلانہ باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ زمین کے اوپر جانے میں اتنی مسافت کے بعد ہوا موجود نہیں ہے اور فلاں فلاں کُرہ سے گزرنا لازم ہے اور انسان بغیر ہوا کے

زندہ نہیں رہ سکتا، اور فلاں کرہ سے نہیں گذر سکتا، یہ سب جاہلانہ باتیں ہیں، اوّل توان باتوں کا یقین کیا ہے جس کا یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں، اور اگر ان کی کوئی بات صحیح بھی ہو تو اللہ تعالیٰ کو پوری پوری قدرت ہے کہ اپنے جس بندہ کو جس کُرہ سے چاہے باسلامت گذار دے، اور بغیر ہوا کے بھی زندہ رکھے، ہوا اور سانس لینے کو بھی تو اسی نے ذریعہ بنایا ہے، اگر وہ انسان کی تخلیق کی ابتدا ہی سے بغیر ہوا اور سانس کے زندہ رکھتا تو اسے اس پر بھی قدرت تھی اور کیا سکتہ کا مریض بغیر سانس کے زندہ نہیں رہتا؟ کیا حبس دم کرنے والے سانس لئے بغیر گھنٹوں نہیں جیتے؟

بعض جاہل تو آسمانوں کے وجود کے ہی منکر ہیں، ان کے انکار کی بنیاد صرف عدم العلم ہے اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ٥ (یونس ۶۶) کسی چیز کا نہ جاننا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا وجود ہی نہ ہو، محض اٹکلوں سے اللہ تعالیٰ کی کتاب جھٹلاتے ہیں۔ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ٥ (توبہ ۳۰)

فلسفہ قدیمہ ہو یا جدیدہ اس سے تعلق رکھنے والوں کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں خالقِ کائنات جل مجدہٗ نے اپنی کتاب میں سات آسمانوں کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا، لیکن اصحابِ فلسفہ قدیمہ کہتے تھے کہ نو آسمان ہیں، اور اب جب نیا فلسفہ آیا تو ایک آسمان کا وجود بھی تسلیم نہیں کرتے۔ اب بتاؤ ان اٹکل لگانے والوں کی بات ٹھیک ہے یا خالقِ کائنات جل مجدہٗ کا فرمان صحیح ہے؟ سورۃ ملک میں فرمایا: اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (الملک ۱۴) (کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا فرمایا اور وہ لطیف و خبیر ہے)۔

فلسفہ قدیم والے آسمان کا وجود تو مانتے تھے لیکن ساتھ ہی کہتے کہ آسمانوں میں خرق والتیام نہیں ہو سکتا، یعنی آسمان پھٹ نہیں سکتا، یہ بھی ان کی اٹکل پچو والی بات تھی کبھی نہ گئے، نہ جا کر دیکھا، زمین پر بیٹھے بیٹھے سب کچھ خود ہی طے کر لیا۔ جس ذات پاک نے آسمان زمین پیدا فرمائے اس نے تو آسمانوں کے دروازے بھی بنائے۔ سورۂ اعراف میں فرمایا: لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ (اعراف ۴۰) اور سورۂ نبا میں فرمایا: وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا (نبا ۱۹) اور آسمان کے پھٹنے کا ذکر بھی فرمایا، جس کا قیامت کے دن ظہور ہوگا:

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ (انشقاق ۱) اور وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ (الحاقۃ ۱۶) میں تذکرہ فرمایا ہے، لہٰذا اُن لوگوں کی بات بالکل جھوٹ ہے جنہوں نے یوں کہا کہ آسمان میں خرق والتیام نہیں ہوسکتا۔

کچھ لوگوں کو یہ اشکال تھا اور بعض ملحدوں کو ممکن ہے اب بھی اشکال ہو کہ ایک رات میں اتنا بڑا سفر کیسے ہوسکتا ہے؟ کبھی پہلے زمانہ میں کوئی شخص اس طرح کی بات کرتا تو اسکی کچھ وجہ بھی تھی کہ تیز رفتار سواریاں موجود نہ تھیں اور اب جو نئے آلات ایجاد ہوگئے ان کا وجود نہ تھا، اب تو جدہ سے ہوائی جہاز گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں دمشق پہنچ جاتا ہے، اگر اسی حساب کو دیکھا جائے تو بیت المقدس آنے جانے میں صرف دو تین گھنٹے خرچ ہوسکتے ہیں اور رات کے باقی گھنٹے آسمانوں پر پہنچنے اور وہاں مشاہدات فرمانے اور وہاں سے واپس آنے کیلئے تسلیم کرلیے جائیں تو اس میں کوئی بُعد نہیں ہے، اب تو ایک رات میں لمبی مسافت قطع کرنے کا اشکال ختم ہوگیا، اور یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ختم نہیں ہوئی، اللہ تعالےٰ چاہے تو جو تیز رفتار سواریاں ہیں انہیں مزید در مزید تیز رفتاری عطا فرمادے اور نئی سواریاں پیدا فرمادے، جو موجودہ سواریوں سے تیز تر ہوں، سورۂ نحل میں جو سواریوں کا تذکرہ فرمانے کے بعد: وَيَخْلُقُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ (نحل ۸) فرمایا ہے اس میں موجودہ سواریوں اور ان سب سواریوں کی طرف اشارہ ہے جو قیامت تک وجود میں آئیں گی، اب تو ایسے طیارے تیار ہوچکے ہیں، جو آواز کی رفتار سے بھی زیادہ جلدی پہنچنے والے ہیں، اور ابھی مزید تیز رفتار سواریاں بنانے کی کوششیں جاری ہیں، یہی لوگ جو سفرِ معراج کے منکر ہیں یا اس کے وقوع میں متردد ہیں خود ہی بتائیں کہ رات دن کے آگے پیچھے آنے میں (ان کے خیال میں) زمین جو اپنی محور پر گھومتی ہے چوبیس ۲۴ گھنٹے میں کتنی مسافت طے کرلیتی ہے؟ اور یہ بھی بتائیں کہ آفتاب جو زمین کے کُرہ سے کروڑں میل دُور ہے کرن ظاہر ہوتے ہی کتنے سیکنڈ میں اس کی روشنی زمین پر پہنچ جاتی ہے اور یہ بھی بتائیں کہ جب چاند پر گئے تھے تو کتنی مسافت کتنے وقت میں طے کی تھی؟ یہ سب کچھ نظروں کے سامنے ہے پھر واقعۂ معراج میں تردد کیوں ہے؟

صاحب معراج صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس براق پر تشریف لے گئے تھے اس کے بارے میں یوں فرمایا ہے کہ وہ حد نظر پر اپنا اگلا قدم رکھتا تھا لیکن یہ بات ابہام میں ہے کہ اس کی نظر کہاں تک پہنچتی تھی، اگر سو میل پر نظر پڑتی ہو تو مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک صرف سات آٹھ منٹ کی مسافت بنتی ہے۔ اس طرح بیت المقدس تک آنے اور جانے میں کل پندرہ ہی منٹ خرچ ہونے کا حساب بنتا ہے اور باقی پوری رات عالم بالا کی سیر کے لئے بچ گئے۔

آج کل جدہ سے دمشق تک ہوائی جہاز سے ایک ڈیڑھ گھنٹے کا راستہ ہے۔ اگر اسی کے مطابق غور کیا جائے تو دو تین گھنٹے بیت المقدس آنے جانے کے لئے اور باقی پوری رات عالم بالا کی سیر کے لئے تسلیم کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَنْ يُنِيبُ ٥ (مومن ۱۳)

مومن کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنے اور تصدیق کرے۔ وَالْمُرْتَابُونَ هُمُ الْهَالِكُونَ ٥

کافروں کا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا
اور
حضرات صحابہ کرامؓ کو مارنا پیٹنا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دنیا کی تاریخ میں یہ سلسلہ پہلے سے جاری رہا ہے کہ اہلِ باطل اہلِ حق کے دشمن رہے ہیں گزشتہ امتوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا کہ دشمنوں نے اہلِ ایمان کو مارا پیٹا قتل کیا اور نہ صرف مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچائیں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی سخت ایذائیں پہنچائیں بلکہ بعض انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو شہید تک کر دیا جس کو وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ (آل عمران: ۲۱) میں بیان فرمایا ہے۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝ (۲۱۴)

کیا تم نے خیال کیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اُن لوگوں جیسے واقعات تمہیں پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے گزرے ہیں ان کو پہنچی سختی اور تکلیف اور وہ لوگ جھنجھوڑ دیئے گئے یہاں تک کہ رسول نے اور ان مؤمنین نے جو رسول کے ساتھی تھے کہہ دیا کہ کب ہوگی اللہ کی مدد، خبردار بلاشبہ اللہ کی مدد قریب ہے۔

سورۃ البروج کی سات آیات پڑھیے:

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝ قُتِلَ اَصْحٰبُ

قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور وعدہ کئے ہوئے دن کی اور حاضر ہونے والے کی اور اس کی جس میں حاضری ہوتی ہے کہ خندق

الْاُخْدُوْدِ o النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ o	والے یعنی بہت سے ایندھن کی آگ والے
اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ o وَهُمْ	ملعون ہوئے جس وقت وہ لوگ اس کے
عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ	اس پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ جو کچھ
شُهُوْدٌ o (۱تا۷)	مسلمانوں کے ساتھ کر رہے تھے اس کو دیکھ
	رہے تھے۔

یہ قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد پیش آیا ایک بادشاہ تھا وہ اہل ایمان کا دشمن ہو گیا اس نے خندقیں کھدوا کر ان میں بہت زیادہ لکڑیاں ڈلوائیں اور اس میں آگ لگوائی اور پھر لوگوں کو جمع کر کے اعلان کیا کہ جو شخص دین اسلام کو چھوڑ دے گا اس کو ہم کچھ نہ کہیں گے اور جو دین اسلام سے واپس نہ ہوگا اسے آگ میں ڈال دیں گے لہٰذا وہ اہلِ ایمان کو خندقوں میں ڈالتا رہا اور وہ اپنے ایمان پر جان دیتے رہے۔ اب اگلی آیات پڑھیے۔

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ	اور ان کافروں نے ان مسلمانوں میں اور
اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ	کوئی عیب نہیں پایا تھا بجز اس کے کہ وہ
الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ o (البروج: ۸)	خدا پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست
	سزاوار حمد ہے۔

کافروں کو اور مشرکوں کو ہمیشہ سے اہلِ ایمان سے بغض ہے اور دشمنی ہے۔ اہلِ ایمان انہیں ایک نظر نہیں بھاتے۔ اہل ایمان نے کوئی ڈاکہ نہیں ڈالا کوئی چوری نہیں کی کوئی اور جرم نہیں کیا پھر بھی ان سے بغض رکھتے ہیں اور انہیں فنا کے گھاٹ اتارنے کے لئے تدبیریں کرتے رہتے ہیں اور مشورے جاری رکھتے ہیں۔ یہودی و نصرانی اور ہندو جو خود اتنے بڑے مجرم ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید کے منکر ہیں اپنے خالق و مالک کے باغی ہیں اس کے علاوہ دوسری چیزوں کو اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بتوں کو سجدہ کرتے ہیں۔ دیکھو یہ کتنی اپنے خالق و مالک کی بڑی بغاوت ہے۔ اپنا تو

یہ حال ہے اور جو لوگ اللہ پر اور اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں ان سے دشمنی کرتے ہیں۔ سورۃ المائدہ میں فرمایا:

قُلْ يَآ أَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ إِلَّآ أَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۔ (آیت ۵۹)	آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) تم ہم سے صرف اس لئے ناراض ہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو ہم سے پہلے نازل کیا گیا اور بلاشبہ تم میں سے اکثر نافرمان ہیں۔ (کیونکہ ایمان قبول نہیں کرتے)۔

اس آیت میں صاف بتا دیا کہ یہود و نصاریٰ کی دشمنی صرف اس لئے ہے کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔

سورۃ العنکبوت کی ایک آیت پڑھیے:

الٓمّٓ ۔ أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُّتْرَكُوْٓا أَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۔ (آیت ۱تا۳)	کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا اور بلاشبہ یہ حقیقت ہے کہ ہم نے ان لوگوں کو آزمایا جو ان سے پہلے تھے۔ سو اللہ تعالیٰ ضرور ضرور جان لے گا۔ ان لوگوں کو جو سچے ہیں اور ضرور جان لے گا جھوٹوں کو۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اُن تکلیفوں کی شکایت کی جو مشرکین مکہ سے پہنچتی رہتی تھیں۔ اس وقت آپ کعبہ کے سایہ میں چادر سے تکیہ لگائے ہوئے تشریف فرما تھے۔ ہم نے عرض کیا کیا آپ اللہ سے دُعا نہیں فرماتے؟ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے جو مسلمان تھے ان میں سے بعض کو زمین میں گڑھا کھود کر کھڑا کر دیا جاتا تھا پھر آرہ لا کر سر کے اُوپر سے لے کر

(ینچے تک) چیر دیا جاتا تھا جس کے دو ٹکڑے ہو جاتے تھے۔ یہ تکلیف بھی اُن کو ان کے دین سے نہیں روکتی تھی۔ اور ان کے سَروں میں لوہے کی کنگھیاں کی جاتی تھیں جو گوشت سے گزر کر ہڈی اور پٹھے تک پہنچ جاتی تھی اور یہ چیز انہیں ان کے دین سے نہیں روکتی تھی۔ (مشکوٰۃ عن البخاری ص ۵۲۵)

ان آیات میں یہ بتایا کہ کافروں کی طرف سے مسلمانوں کو ایذائیں پہنچیں گی اور الحمد للہ آج کے مسلمان بھی تکلیفیں جھیلتے ہیں مگر اسلام نہیں چھوڑتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام بڑھتا رہا، تبلیغ ہوتی رہی، مرد عورت مسلمان ہوتے رہے جو لوگ اسلام قبول کر کے پٹتے کٹتے تھے ان کا پٹنا بھی تبلیغ تھا۔ اس لئے کہ دیکھنے والے یہ بات سمجھنے پر مجبور تھے کہ اگر انہوں نے اسلام قبول کر کے حق کو نہیں پایا اور ایمان کی مٹھاس محسوس نہیں کی تو کیا بات ہے کہ انہیں اتنا پٹنا کٹنا منظور ہے لیکن اسلام سے پھرنا منظور نہیں۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مار کھانے اور تکلیف جھیلنے کے واقعات سن کر ایک منکر اسلام کافر بھی یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ بلاشبہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت ذات میں ایسی غیر معمولی صفات اور بے نظیر خوبیاں جمع تھیں کہ جو ایک مرتبہ ان کے حلقہ غلامی میں داخل ہو جاتا پھر کسی طرح بھی آپ کی غلامی چھوڑنے پر راضی نہ ہوتا تھا ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جاتے تھے اور اس بے رحمی اور بے دردی سے ستائے جاتے تھے کہ آج ان واقعات کو کتابوں میں پڑھ کر بھی بدن کانپ اٹھتا ہے۔ برسہا برس ان ہی مظالم سے سابقہ پڑتا رہا مگر کوئی بھی ان کی وجہ سے اسلام سے باہر نہ نکلا۔

یہی ایمان کی وہ لذت ہے اور یقینِ آخرت ہے کہ جب ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں تو ابوسفیان نے جواب میں کہا کہ ان پر ایمان لانے والے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ سن کر ہرقل نے کہا وکذلک امر الایمان حتی یتم

ایمان کا یہی طریقہ ہے کہ اس کے ماننے والے بڑھتے ہیں یہاں تک کہ درجۂ کمال کو پہنچ جائے۔ پھر ہرقل نے پوچھا کہ جو لوگ ایمان قبول کر لیتے ہیں کیا اس دین سے ناراض ہو کر کوئی شخص مرتد بھی ہو جاتا ہے ابوسفیان نے کہا ایسا نہیں ہوتا۔ اس پر ہرقل نے کہا وکذلک الایمان حین تخالط بشاشتہ القلوب یعنی ایمان کا یہی اثر ہے جب اس کی بشاشت دلوں میں جگہ پکڑ لیتی ہے[1]

ولقد صدق من قال

؎ اسیرش نہ خواہد رہائی زبند

شکارش نجوید خلاص از کمند

مختلف ممالک سے خبریں آتی رہتی ہیں کہ مسلمانوں پر ایسے ایسے مظالم ہو رہے ہیں الحمدللہ مسلمان سب کچھ برداشت کرتے ہیں ان تکلیفوں سے ان کے ایمان میں مزید نورانیت اور قوت آجاتی ہے اللہ کی رضا کی طلب انہیں ڈاواں ڈول نہیں ہونے دیتی۔ ہندوستان میں کوئی غیر مسلم اسلام قبول کر لیتا ہے تو اس کی جان کے لالے پڑ جاتے ہیں اس کے قتل کے درپے ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے بیوی بچوں اور اموال اور دکانوں سے کٹ ہی جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہی استقامت دیتا ہے فالحمد للہ العلی الکبیر۔

اب ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکالیف کا کچھ نمونہ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایذاؤں اور مشقتوں اور صبر و تحمل کے واقعات نقل کرتے ہیں، و باللہ التوفیق۔

ربیعہ بن عباد نے بیان کیا (جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) کہ میں نے سوق ذی المجاز میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بازار میں آنے والے لوگوں سے خطاب کر کے فرما رہے ہیں یَاَیُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْنَ (اے لوگو! لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ لو کامیاب ہو جاؤ گے

---

[1] صحیح بخاری ص ۴

لوگ وہاں جمع تھے اور آپ کا چچا ابولہب کہہ رہا تھا کہ یہ شخص جھوٹا ہے بے دین ہوگیا ہے یہ شخص تمہیں تمہارے دین سے اور تمہارے باپ دادوں کے دین سے برگشتہ نہ کر دے ایسے ہی قصہ ابوجہل کا بھی نقل کیا گیا ہے۔ جب آپ فرماتے تھے یَاَیُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا تو ایک شخص آپ کے پیچھے تھا وہ آپ پر مٹی ڈال دیتا تھا اور کہتا تھا کہ اے لوگو! یہ تمہیں تمہارے دین سے نہ ہٹا دے یہ چاہتا ہے کہ تم سے لات اور عزیٰ کی عبادت چھڑا دے[1]

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ راوی نے اس میں ابوجہل کا ذکر کیا ہے بظاہر وہ ابولہب ہی کا قصہ ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کے پاس حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک مکہ کے کافروں میں سے ایک بدبخت کافر جس کا نام عقبہ بن ابی معیط تھا آپ کے قریب آیا اور آپ کی مبارک گردن میں اس نے اپنی چادر ڈال کر اس زور سے کھینچی کہ آپ کا گلا مبارک گھٹ گیا۔ یہ حال دیکھ کر لوگوں نے شور مچایا اور یہ سمجھ لیا کہ آپ کو اس بدبخت نے شہید ہی کر دیا اور آواز سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑتے ہوئے آئے اور اس بدبخت کو ہٹایا اور یوں فرمایا اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ (کیا تم ایک شخص کو (محض) اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے[2])

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے اور مکہ کے بڑے بڑے سات کافر جن میں ابوجہل، شیبہ، ربیعہ، عقبہ بن ابی مُعَیط، امیہ بن خلف اور ان کے علاوہ دو کافر وہاں موجود تھے جب آپ سجدہ میں گئے تو لمبا سجدہ کیا۔ آپ کو اس حال میں دیکھ کر ابوجہل نے کہا کہ تم میں سے ایسا کون کرے گا جو فلاں قبیلہ کے اونٹوں کی لید (اور دوسری روایت میں ہے اوجھڑی) لاکر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ڈال دے۔ یہ سن کر بدبخت

---

[1] البدایہ ص ۴۱ ج ۳ [2] صحیح بخاری ص ۴۴۴

عقبہ بن ابی مُعیط اٹھا اور اس نے لیدھ لا کر آپؐ کے مُبارک کاندھوں پر سجدہ کی حالت میں ڈال دی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کھڑا یہ حال دیکھتا رہا اور ذرا بھی نہ بول سکا کیونکہ میں سمجھ رہا تھا کہ اس وقت میرا کوئی بھی حمایتی موجود نہیں ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو اس کی خبر ہوگئی تو وہ تشریف لائیں اور آپ کے مبارک کاندھوں سے گندگی ہٹا کر کفار قریش کو بُرا بھلا کہنے لگیں۔ ان کی بات کا کسی نے جواب نہ دیا۔ سب سنتے رہے۔ جب فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے وہ بوجھ آپ کے کاندھوں سے ہٹا دیا تو آپ نے بڑے اطمینان سے اس طرح سر مبارک اٹھا کر نماز پوری فرمائی جیسے اس سے پہلے پورا پورا سجدہ فرمایا کرتے تھے۔ نماز پڑھ کر آپ نے ان بدبختوں کے حق میں تین بار یوں دعا کی اَللّٰھُمَّ عَلَیْكَ بِقُرَیْشٍ عَلَیْكَ بِعُتْبَةَ وَعقبہ وَاَبِیْ جَھْلٍ وَّشَیْبَةَ (اے اللہ تو قریش کو سزا دے عتبہ اور عقبہ اور ابی جہل اور شیبہ کی پکڑ فرما[1]) ۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ جب وہ بدبخت اپنی یہ کمینہ حرکت کر گذرے تو اس پر ہنسے اور ہنستے ہنستے ایک دوسرے پر گر جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے اپنے نبیؐ کی بددعا قبول فرمائی اور بدر کی جنگ میں یہ سب مقتول ہوئے[2]۔

ربیعہ بن عباد الدیلی کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مکان شریف ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط کے گھروں کے درمیان میں تھا۔ دشمنی سے لوگ آپؐ کے دروازے پر کوڑا کرکٹ اور گندی چیزیں ڈال دیا کرتے تھے۔ جب آپؐ مکان شریف تشریف لے جاتے تو ان سب چیزوں کو اپنی مبارک کمان سے ہٹا دیتے تھے اور فرماتے تھے بِئْسَ الْجِوَارُ ھٰذَا یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ (اے قریشیو! یہ تو تم نے پڑوس کا بُرا حق ادا کیا۔ تم پڑوس کا لحاظ بھی نہیں کرتے ہو[3])

غزوۂ احد میں جو کچھ مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچیں اور مصیبتوں کا سامنا ہوا ان کا تذکرہ

---

[1] بخاری ومسلم۔ [2] البدایہ ۱۲۔ [3] اخرجہ الطبرانی فی الاوسط ۱۲۔

غزوات کے بیان میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

ابوجہل کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہت زیادہ دشمنی تھی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد حرام میں تشریف لاتے تھے اور نماز ادا فرماتے تھے۔ ایک دن ابوجہل نے لات اور عزّیٰ کی قسم کھا کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مٹی میں اپنا چہرہ ملائیں گے (یعنی سجدے میں جائیں گے) تو میں ان کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس نے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ کی گردن مبارک پر پاؤں رکھنے کے لئے آگے بڑھا پھر فوراً اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹا اور وہ ہاتھوں کو اس طرح ہلا رہا تھا جیسے کسی چیز سے بچاؤ کر رہا ہو، لوگوں نے کہا کیا ہوا؟ کہنے لگا کہ میرے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان آگ کی ایک خندق ہے اور ڈراؤنی حالت ہے اور بازووں والی مخلوق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ مجھ سے قریب ہو جاتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو کر کے اُچک لیتے، اس پر آیات کریمہ كَلَّآ إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰٓ (العلق: ۶) سے آخر سورت تک نازل ہوئیں۔ (رواہ مسلم ص ۳۷۲ ج ۲)

ایک دن ایسا ہوا کہ ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے سے روکا تو آپ نے ابوجہل کو جھڑک دیا۔ اس پر ابوجہل نے کہا کہ مجھے جھڑکتے ہو میں پوری وادی کو گھوڑوں سے اور فوجی لوگوں سے بھر دوں گا اس پر آیات ذیل نازل ہوئیں۔ كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۝ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ (العلق: ۱۶) (خبردار اگر یہ شخص اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کو پکڑ کر گھسیٹ لیں گے جو پیشانی جھوٹی ہے خطاکار ہے)۔

فَلْيَدْعُ نَادِيَهُۥ (سو جب وہ عذاب میں مبتلا ہو اپنی مجلس والوں کو بلا لے) سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ (ہم عذاب کے فرشتوں کو بلا لیں گے) جن کے سامنے اس کا کوئی بس نہیں چل سکتا، معالم التنزیل میں زجاج سے نقل کیا ہے کہ زَبَانِيَةٌ سے دوزخ کے فرشتے مراد ہیں جنہیں سورۃ التحریم میں غِلَاظٌ شِدَادٌ فرمایا ہے

نیز حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ اگر ابوجہل اپنی مجلس والوں کو بلالیتا تو اللہ تعالیٰ کے ذَبَانِیَہ فرشتے اسے پکڑ لیتے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا آیات بالا ابوجہل لعین کی بے ادبی اور بدتمیزی اور گستاخی پر نازل ہوئیں اس کے بارے میں جو لَنَسْفَعًاۢ بِالنَّاصِيَةِ فرمایا ہے اس سے اس کی دنیا کی ذلت بھی مراد لی جاسکتی ہے بدر کی لڑائی میں وہ دیگر مشرکین مکہ کے ساتھ بڑے طمطراق اور فخر و غرور کے ساتھ آیا اور بُری طرح مقتول ہوا اگر آیت کریمہ سے یہ دنیا والی سزا مراد لی جائے تو پیشانی پکڑ کر گھسیٹنے سے ذلیل کرنا مراد ہوگا اور روح المعانی میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ جنگ بدر کے موقعہ پر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اس کا سر کاٹ دیا اور خدمتِ عالی میں حاضر کرنے کے لئے اٹھانا چاہا تو اٹھا نہ سکے لہٰذا انہوں نے ابوجہل کے کان میں سوراخ کیا اور اس میں دھاگہ ڈال کر کھینچتے ہوئے لے گئے۔

اور آخرت کا عذاب اور وہاں کی ذلت مراد لی جائے تو وہ بھی مراد لے سکتے ہیں۔ سورۃ المؤمن میں فرمایا ہے۔

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ إِذِ الْأَغْلَالُ	سو عنقریب جان لیں گے جبکہ طوق ان کے
فِيْٓ أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ	گردنوں میں ہوں گے گھسیٹے ہوئے پانی
يُسْحَبُوْنَ فِي الْحَمِيْمِ ثُمَّ	میں کھینچے جائیں گے پھر آگ میں جھونک
فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ (۷۰، ۷۱، ۷۲)	دیئے جائیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ایذا پہنچانا

جب مسلمانوں کی تعداد اڑتیس تک پہنچ گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ کھلم کھلا اسلام کی دعوت دی جائے اور علی الاعلان تبلیغ کی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّل تو انکار فرمایا مگر جب حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ مانے اور اصرار کرتے رہے تو آپؐ نے ان کی درخواست قبول فرمالی اور مسلمانوں کو ساتھ لے کر مسجد حرام میں پہنچے

مسلمان متفرق ہو کر اپنے اپنے قبیلہ کے آدمیوں میں بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشرکین کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے تقریر شروع فرمادی ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما رہے۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس تقریر کے بارے میں سیرت نگار حضرات لکھتے ہیں کہ:

فَكَانَ اَوَّلُ خَطِيْبٍ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔

ابوبکرؓ کی یہ تقریر اسلام میں سب سے پہلی تقریر تھی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلانے کیلئے کی گئی۔

دعوت اسلام کی تقریر ہوتے ہی مشرکین حضرت صدیق اکبرؓ اور دیگر مسلمانوں پر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اور مسلمانوں کی بہت زیادہ مار پیٹ کی اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو تو اس قدر مارا کہ تمام چہرہ مبارک خون آلودہ ہوگیا اور ناک کان لہولہان ہوگئے۔ جوتوں اور لاتوں سے حضرت صدیقؓ کو مارا گیا اور اس قدر آپ کا منہ چھپتا گیا کہ صورت تک نہ پہچانی جاتی تھی۔ عتبہ بن ربیعہ کافر نے آپ کے مارنے میں بہت زیادہ شقاوت اور بدبختی کا اظہار کیا تھا ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وحشیانہ حملوں کی وجہ سے بے ہوش ہوگئے تھے، جب آپ کے قبیلہ والوں کو واقعہ کا پتہ چلا تو جلدی جلدی دوڑے ہوئے آئے اور حضرت صدیقؓ کو مشرکین کے نرغہ سے چھڑا کر گھر لے گئے اور چونکہ چوٹ بہت زیادہ آئی تھی۔ اس لئے ان کے بچنے کا یقین بالکل نہ رہا تھا اور قبیلہ والے بھی گو کافر تھے لیکن قومی حمیت کے باعث سخت برہم ہوئے اور غصہ میں یہ اعلان کردیا کہ خدا کی قسم اگر ابوبکرؓ نہ بچے تو ہم ان کے بدلہ عتبہ بن ربیعہ کو مار ڈالیں گے ۔

حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد اور قبیلہ کے آدمی حضرت صدیقؓ کو آوازیں دیتے رہے اور ان کو ہوش میں لانے کی کوشش کرتے رہے بالآخر شام کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو ہوش آیا اور زبان سے سب سے پہلا لفظ یہی نکلا کہ

مَا فُعِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کیا حال ہے۔

جب قبیلے کے آدمیوں نے یہ کلمہ سنا تو حضرت صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر بہت ناراض ہوئے اور ان کو ملامت کرنے لگے کہ تم بھی عجیب ہو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وجہ سے تم پر مصیبت آئی اور اب ہوش آیا تو اب بھی انہی کا دھیان ہے۔

اس کے بعد وہ لوگ چلے گئے اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ صاحبہ ام الخیر سے کہہ گئے کہ ان کو کچھ کھلا پلا دیں۔ والدہ صاحبہ کچھ تیار کر کے لائیں اور کھانے پر اصرار کیا۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے سرور کائنات صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا حال معلوم ہوئے بغیر کھانا پینا پسند نہ کیا اور یہی سوال کرتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حال بتاؤ۔ والدہ ماجدہ نے کہا کہ مجھے تو ان کا حال معلوم نہیں ہے۔ فرمایا۔ اچھا تو ام جمیل سے جا کر دریافت کر آؤ ان کو ضرور معلوم ہوگا (کیونکہ وہ مسلمان تھیں اور اس وقت حضرت صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی والدہ صاحبہ مسلمان نہ ہوئی تھیں)۔

والدہ صاحبہ ام جمیل کے پاس گئیں اور ان سے کہا کہ ابوبکرؓ نے تم سے محمدؐ بن عبداللہ کا حال معلوم کیا ہے چونکہ مسلمان اس وقت تک اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ اس لئے حضرت ام جمیل رضی اللہ عنہا نے فوراً جواب دیا کہ میں نہ ابوبکر کو جانتی ہوں نہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے واقف ہوں۔ ہاں اگر تم کہو تو تمہارے بیٹے کو چل کر دیکھ آؤں۔ ام الخیر (حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی والدہ) نے ام جمیل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پیشکش قبول فرمائی اور ان کے چلنے کو غنیمت جان کر ان کو ساتھ لے کر اپنے گھر آئیں۔ حضرت ام جمیلؓ کی نظر حضرت صدیقؓ پر پڑی تو ان کی حالت دیکھ کر صدمہ برداشت نہ کر سکیں اور ان کو دیکھتے ہی بے تحاشا رونے لگیں اور زور سے یوں پکار کر کہا۔

وَاللّٰہِ اِنَّ قَوْمًا نَالُوْا ھٰذَا	خدا کی قسم جن لوگوں نے تمہارا یہ حال بنایا

مِنْكَ لَاَهْلُ فِسْقٍ وَكُفْرٍ — یقیناً بدکردار اور فاسق ہیں میں خدا
وَاِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ یَنْتَقِمَ — سے امید کرتی ہوں کہ خدا تمہاری طرف سے
اللّٰهُ لَكَ مِنْهُمْ ۔ — خود ان سے انتقام لے گا۔

حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ام جمیل رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حال معلوم کیا۔ انہوں نے ام الخیر کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہ سن رہی ہیں (چونکہ یہ مسلمان نہیں ہیں اس لئے ان کے سامنے کہنا ٹھیک نہیں معلوم ہوتا) حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لَا شَیْئَ عَلَیْكِ مِنْهَا (ان سے کچھ خوف نہ کرو) لہٰذا انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حال بتایا کہ آپ صحیح سالم ہیں فکر نہ کرو۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کہاں تشریف فرما ہیں۔ حضرت ام جمیل رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ابن ارقم کے مکان میں ہیں۔ یہ سنتے ہی بولے کہ خدا کی قسم جب تک آپ کی زیارت نہ کرلوں گا نہ کچھ چکھوں گا نہ کچھ پیوں گا۔

ماں کی ممتا بڑی زبردست چیز ہے جو اولاد کے لئے اپنی مرضی کے خلاف بہت سے کام کرالیتی ہے اسی ممتا کے باعث حضرت صدیق کی والدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جانے پر راضی ہوگئیں۔ کیونکہ وہ ان کو کچھ کھلانا چاہتی تھیں اور یہ سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کے بغیر نہ کھانے کی قسم کھا بیٹھے۔ لہٰذا جب خاصی رات گذر گئی۔ راستہ میں لوگوں کی آمد و رفت بند ہوگئی تو ام جمیل اور ام الخیر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر پہنچیں۔ جیسے ہی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ابن الارقم کے مکان میں پہنچے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے لپٹ گئے اور بہت زیادہ روئے اور آپ کے ساتھ دیگر مسلمان بھی روئے۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے موقعہ شناسی سے کام لیا اور اپنی والدہ کو اسلام

کے دائرہ میں شامل کرنے کے لئے گفتگو شروع کی اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ یہ میری والدہ ہیں مجھ پر بڑی شفقت کرتی ہیں۔ آپ کی بابرکت ذات ہے۔ آپ ان کے مسلمان ہو جانے کے لئے اللہ سے دعا فرما دیجئے اور ان کو بھی اسلام کی دعوت دے دیجئے۔ کیا عجب ہے کہ آپ کی برکت سے خدا ان کو (بھی) دوزخ سے بچا دے۔"

راوی کا بیان ہے کہ اسی وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا کی اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ وہ اسی وقت مسلمان ہو گئیں۔ والحمد للہ تعالیٰ علیٰ ذالک۔

ایک روز جب کہ قریش مکہ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہت ستایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچی تو دوڑے ہوئے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اذیتوں سے چھڑایا وہ لوگ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھوڑ کر ابوبکر پر پل پڑے ان کو خوب ستایا اور سر کے بال کھینچے۔ ان کی بیٹی اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ جب ابا جان ہمارے پاس پہنچے تو اپنے بالوں کے جس حصہ کو بھی ہاتھ میں لیتے تھے ہاتھ کے ساتھ بال اکھڑے چلے آتے تھے۔

(حیات الصحابہؓ عن ابی یعلیٰ)

سعید بن زیدؓ اور فاطمہ بنت خطاب کی مار پیٹ
اور
حضرت عمر بن خطاب کا اسلام قبول کرنا

حضرت فاطمہ بنت الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی تھیں یہ دونوں میاں بیوی بھی ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ کفر میں ان دونوں کو اسلام قبول کرنے کے جرم میں مارا پیٹا تھا۔

اور ان ہی دونوں کے ذریعہ خود بھی مسلمان ہوئے جس کا مفصل قصہ یہ ہے کہ عمر ایک روز تلوار لے کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو (بزعم خود) قتل کرنے کے ارادہ سے چلے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ (جو تقریباً ۴۰ مرد عورت تھے)[1] صفا کے قریب ایک گھر میں تشریف رکھتے تھے اور آپ کے ساتھیوں میں ابوبکر، علی، حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہم موجود تھے اور حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمرؓ کی بہن کے گھر قرآن مجید کی تعلیم دینے گئے ہوئے تھے، حضرت عمر تلوار لئے چلے جا رہے تھے کہ راستہ میں سعد بن ابی وقاصؓ (یا نعیم بن عبداللہ) سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے سوال کیا عمر کہاں چلے؟ جواباً بے خوف ہو کر کہہ دیا کہ اس نئے مذہب کے بانی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کرنے کے لئے جا رہا ہوں جس نے قریش میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ ان کو بے عقل بتایا ہے اور ان کے دین کو عیب لگایا ہے اور ان کے معبودوں کو گالیاں دی ہیں! سائل نے کہا کہ تم فریب نفس میں مبتلا ہو۔ کیا یہ سمجھتے ہو کہ محمدؐ کو قتل کر کے زندہ رہ سکو گے اور عبد مناف کی اولاد (جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کنبہ کے لوگ تھے) تم کو بدلہ میں قتل نہ کریں گے؟ ذرا اپنے گھر والوں کی خبر تو لو اور ان کو تو درست کرو۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے! بولے میرے کون سے گھر والے مسلمان ہو گئے؟ مخاطب نے کہا تمہاری بہن فاطمہ اور تمہارے بہنوئی سعید بن زید!

یہ سنتے ہی بہن کے گھر کا رخ کیا۔ وہاں حضرت خباب رضی اللہ عنہ دونوں میاں بیوی کو سورۂ طٰہٰ پڑھا رہے تھے جو ایک صحیفہ میں لکھی ہوئی ان کے پاس موجود تھی۔ حضرت عمر نے دروازہ پر پہنچ کر کواڑ کھلوانے کے لئے آواز دی تو حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی آواز سن کر اندر گھر میں چھپ گئے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کواڑ کھول دئے۔ عمر اندر پہنچے اور چونکہ باہر سے حضرت خباب رضی اللہ

---

[1] یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے حبشہ کی ہجرت نہ کی تھی اور مکہ ہی میں رہ گئے تھے اور ان کے علاوہ باقی صحابہؓ حبشہ کو چلے گئے تھے حضرت عمرؓ ہجرت حبشہ کے بعد ہی مسلمان ہوئے تھے ۱۲

تعالیٰ عنہ کے قرآن پڑھانے کی آواز سُن چکے تھے۔ اس لئے بہن اور بہنوئی سے دریافت کیا کہ یہ کیسی آواز آرہی تھی؟ جواب دیا کہ کچھ نہیں ہم دونوں باتیں کر رہے تھے! کہنے لگے میں نے سُنا ہے کہ تم نے محمدؐ کا دین اختیار کر لیا ہے؟ حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ اگر ان کا دین حق ہو تو کیا بُرائی ہے؟ یہ سنتے ہی ان کی ڈاڑھی پکڑ کر کھینچی اور زمین پر گرا کر ان کو مارا پیٹا۔ بہن نے اپنے شوہر کو بچانا چاہا تو بہن کے چہرے پر بھی اس زور سے طمانچہ مارا کہ خون نکل آیا۔ دونوں میاں بیوی نے کہا کہ ہاں ہم مسلمان ہو گئے تم سے جو ہو سکتا ہے کر لو۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ غصّہ میں مار پیٹ تو کر بیٹھے مگر بہن کے چہرے پر بہتا ہوا خون دیکھ کر شرمندہ ہو گئے اور غصّہ کا جوش بھی ٹھنڈا ہو گیا۔ کہنے لگے اچھا یہ صحیفہ مجھے بھی دکھاؤ۔ دیکھوں اس میں کیا لکھا ہے اور محمدؐ پر کیا نازل ہوا ہے۔ بہن نے کہا تم اس کو چاک کر دوگے لہٰذا تم کو نہ دیں گے۔ یہ جواب سن کر اپنے معبودوں کی قسم کھا کر کہا کہ میں ضرور واپس کر دوں گا! بہن نے کہا تم ناپاک ہو اور اس کو صرف پاک بندے چھو سکتے ہیں۔ بہت اصرار کیا مگر بغیر غسل کئے ان کے ہاتھ میں صحیفہ مبارک دینے کو تیار نہ ہوئیں۔ لہٰذا مجبوراً غسل کیا اور اس کے بعد اس صحیفہ کو پڑھا۔ سورۂ طٰہٰ کی ابتدائی آیتیں پڑھ کر کہنے لگے کہ یہ تو بڑا اچھا کلام ہے۔ چلو مجھے بھی محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس لے چلو۔ چنانچہ اسی وقت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (البدایہ وغیرہ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلمان ہوتے ہی قریش کی ہمت ٹوٹ گئی اور مسلمان علی الاعلان مسجد حرام میں نماز پڑھنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ مَازِلْنَا اَعِزَّةً مُنْذُ اَسْلَمَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ کہ اس روز سے ہم ہمیشہ کے لئے باعزت ہو گئے جس روز عمر بن خطاب مسلمان ہوئے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

ان اسلام عمر کان فتحًا — عمر کا مسلمان ہونا مسلمانوں کی فتح تھی

وان ھجرته كانت نصرة — وان کی ہجرت ان کی نصرت تھی

وان اَمَارَتَهٗ كَانَتْ رَحْمَةً[1] — اوران کا امیر المومنین ہونا رحمت تھا

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ یا اللہ عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام کو اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرما اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں دُعا قبول فرمائی۔

اسلام قبول کرنے کے بعد عرض کیا کہ یا رسُول اللہ ہم دین حق پر ہیں ہمارا دین کیوں پوشیدہ رہے اور مشرکین کا دین کیونکر ظاہر رہے جب کہ وہ باطل پر ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اے عمر ابھی ہماری تعداد کم ہے کچھ انتظار کرو۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اب مشرکین کی مجلس میں جاتا ہوں ہر مجلس میں پہنچ کر اپنے ایمان کا اعلان کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد حرام میں آئے پھر کعبہ شریف کا طواف کیا وہاں سے باہر نکلے تو قریش کی طرف روانہ ہوئے ابو جہل نے کہا کہ فلاں شخص کہتا ہے کہ تم بددین ہو گئے ہو۔ حضرت عمر نے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، پڑھ کر سب کو سنایا۔ آپ کا یہ کلمہ سنانا تھا کہ مشرکین اُن کی مار پیٹ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے لیکن وہ غالب آگئے قریش کی شامت آئی تھی جب ان کے پیچھے مشرکین میں جو ایک شخص عتبہ بن ربیعہ تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر چڑھ کر بیٹھ گئے اس کی آنکھوں میں انگلیاں دے دیں اور مار مار کر اس کا بھتو بنا دیا۔ عتبہ چیخا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہٹ گئے اور اس کے بعد جو بھی قریب آتا تھا اس کی خبر لیتے تھے اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ قریش کی مجالس میں پہنچے ہر مجلس میں اپنے ایمان لانے کا اعلان کیا، پھر خدمت عالی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب کوئی بات نہیں مشرکین کی کوئی مجلس باقی نہیں رہی جس میں میں نے نڈر ہو کر اپنا ایمان

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۹، ج ۳

اور اسلام ظاہر نہ کیا ہو اس کے بعد آپ تشریف لائے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ آپ کے آگے آگے چل رہے تھے آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا اور اطمینان کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر حضرت عمرؓ کے ساتھ دار ارقم تشریف لے گئے [1]

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا

ایک دن یہ واقعہ پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صفا پہاڑی کے قریب تشریف فرما تھے کہ وہاں سے ابوجہل کا گزر ہوا۔ ابوجہل نے تکلیف دہ باتیں کیں اور آپؐ کے بارے میں بُرے کلمات کہے آپؐ خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دیا ابوجہل نے دین اسلام کے بارے میں بھی بُرے الفاظ کہے۔ آپؐ نے کچھ جواب نہ دیا اور خاموشی اختیار فرمائی وہاں عبداللہ ابن جدعان کی ایک باندی موجود تھی اس نے یہ ساری بات سنی ابوجہل تو کعبہ شریف کے قریب قریش کی ایک مجلس میں جاکر بیٹھ گیا۔ ادھر آپؐ کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو ابوجہل کی باتوں کی خبر دے دی گئی (اس وقت تک حضرت حمزہ مسلمان نہیں ہوئے تھے) ان کو شکار کا بہت شوق تھا شکار کرکے آتے تھے تو پہلے کعبہ شریف کا طواف کرتے تھے اور قریش کی مجلسوں میں جاتے تھے سب سے ملتے جلتے تھے۔ شکار سے واپس آرہے تھے کہ باندی نے واقعہ بتادیا اور کہا کہ آج ابوالحکم (ابوجہل اس لقب سے مشہور تھا) نے آپ کے بھتیجے کو تکلیف دی ہے اور بُرا بھلا کہا ہے آپ کے بھتیجے نے خاموشی اختیار کی۔ یہ سن کر حضرت حمزہؓ کو بہت غصہ آیا وہاں سے فوراً روانہ ہوئے دیکھا کہ ابوجہل مسجد حرام میں لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے کمان تو ہاتھ میں تھی ہی ابوجہل کے سر پر ایسے زور سے ماری کہ اسے بری طرح زخمی کر دیا اور ابوجہل سے خطاب کرکے کہا کہ تو میرے بھتیجے کو بُرے الفاظ میں یاد کرتا ہے میں بھی اسی کے دین پر ہوں تجھ سے جو ہو سکے کر لے۔ بنی مخزوم کے کچھ لوگ ابوجہل کی مدد کے لئے کھڑے ہوئے لیکن ابوجہل نے روک دیا اور

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۳۰ ج ۳

کہا کہ میں نے اس کے بھتیجا کو بہت بُرے الفاظ میں خطاب کیا ہے۔

اس وقت حضرت حمزہؓ نے بھتیجا کی ہمدردی میں کہ دیا تھا کہ میں انہی کے دین پر ہوں لیکن بعد میں شیطان پیچھے لگ گیا اس نے آکے کہا کہ تُو بددین ہو گیا تُو نے اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا تُو نے جو دین اختیار کیا ہے اس سے تو موت بہتر ہے، شیطان کی باتوں سے متاثر ہو کر حضرت حمزہؓ نے اللہ تعالےٰ سے دعا کی کہ جو دین میں نے اختیار کیا ہے اگر آپ کے نزدیک ہدایت والا ہے تو میرے دل میں اس کی تصدیق پختہ کر دیجئے ورنہ میرے لئے کوئی صورت نکالئے جس سے میں کسی ایک طرف مطمئن ہو جاؤں۔ رات بھر شیطان کے وسوسے آتے رہے صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوری کیفیت سنائی۔ آپ حمزہ کی طرف متوجہ ہوئے اور نصیحت کی، کفر کی جزا سے ڈرایا اور ایمان پر جو نعمتیں ملتی ہیں ان کی بشارت دی۔ حضرت حمزہؓ اسی مجلس میں کہنے لگے أشهد انك صادق شهادة صدق (میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں) حضرت حمزہ کے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں میں اور زیادہ قوت آگئی، حضرت عمرؓ ان سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے دونوں حضرات کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت تقویت ملی اور قریش مکہ نے سمجھ لیا کہ اب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اچھی خاصی قوت مل گئی ہے لہٰذا وہ بہت کچھ اپنی حرکتوں سے باز آگئے۔[1]

---

[1] سیرت ابن ہشام ص ۲۹۲، البدایہ والنہایہ ص ۳۳ ج ۳

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی مصیبتیں

آپ حبشہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ اول سات شخصوں نے اپنا اسلام ظاہر کیا:

(۱) سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم (۲) ابوبکرؓ (۳) عمارؓ (۴) عمار کی والدہ سمیہؓ (۵) صہیبؓ (۶) بلال اور (۷) مقداد رضی اللہ عنہم۔ سو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے چچا کے ذریعہ دشمنوں سے بچایا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اللہ نے ان کی قوم کے ذریعہ کفار کی ایذاؤں سے محفوظ رکھا اور ان کے سوا باقی سب کو مشرکین نے پکڑ کر لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں ڈال ڈال کر عذاب دیا۔ یہ حضرات دن بھر لوہے کی زرہیں پہنے ہوئے دھوپ میں پڑے رہتے تھے اور پھر شام کو ابوجہل ملعون ان کو گالیاں دیتا تھا اور ڈانٹتا تھا۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک کافر کے غلام تھے جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو ان کو بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا، امیہ بن خلف کافر جو مسلمانوں کا بڑا دشمن تھا اور جو جنگ بدر میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہی کے ہاتھ سے جہنم رسید ہوا، ان کو دوپہر کے وقت سخت گرمی میں تپتی ہوئی زمین پر لٹا کر ان کے سینہ پر پتھر کی بھاری چٹان رکھ دیتا تھا اور ان سے یوں کہتا تھا:

لا واللہ لاتزال ھکذا حتی تموت اوتکفر محمّد وتعبد اللات والعزیٰ۔

قسم خدا کی تو اسی طرح پتھر میں دبا رہے گا حتیٰ کہ تو مر جائے گا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ماننے سے انکار کر دے اور لات وعزیٰ کو پوجنے لگے۔

وہ اسی حال میں یوں کہے جاتے تھے اَحَدٌ اَحَدٌ یعنی معبود ایک ہی ہے اس کو چھوڑ کر لات عزیٰ کو نہیں پوج سکتا[1]

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۵۸، ۵۹ ج ۳

دن بھر کی اس تکلیف کے بعد رات کو زنجیروں میں باندھ کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کوڑے لگائے جاتے اور اگلے دن ان کو گرم زمین پر ڈال کر ان زخموں کو اور زخمی کیا جاتا تھا تاکہ بے قرار ہو کر اسلام سے پھر جائیں یا تڑپ تڑپ کر مر جائیں۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے البدایہ والنہایہ میں حضرت امام احمد وغیرہ کی روایت سے یہ بھی نقل فرمایا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مکہ کے لڑکوں کے حوالہ کر دیئے جاتے تھے اور وہ ان کو گلی کوچوں میں چکر دیتے پھرتے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ وہی اپنی اَحَدٌ اَحَدٌ کی رٹ لگائے جاتے ہے[1]

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو عذاب دینے والے کئی شخص تھے۔ جب ایک تھک جاتا تو دوسرا عذاب دینے لگتا تھا کبھی ابوجہل کا نمبر آتا اور کبھی امیہ بن خلف کا اور کبھی دوسرے لوگ سزا دیتے تھے اور ہر شخص ان کو سزا دینے میں اپنا زور ختم کر دیتا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان ہی مصیبتوں میں مبتلا تھے اور صرف اس جرم میں کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کو طرح طرح کی سزائیں دی جاتی تھیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنے ایک غلام کے بدلے خرید کر آزاد کر دیا[2]۔ جب صحابہؓ نے مدینہ شریف کو ہجرت کی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی ہجرت فرما گئے اور وہاں مسجد نبوی کے مؤذن مقرر ہوئے اور اللہ کی راہ میں تپتی ہوئی زمین پر لیٹنے اور سینے پر پتھر رکھے جانے کی حالت میں احد احد کہنے کا یہ صلہ ملا کہ پنج وقتہ اللہ و رسول کا نام بلند کرنے کی خدمت ان کے سپرد کی گئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ مسجد نبوی کے مؤذن رہے اور جب آپؐ کی وفات ہو گئی تو مدینہ طیبہ میں رہنا اور آپؐ کی جگہ کا خالی دیکھنا دوبھر ہو گیا۔ لہٰذا شام تشریف لے گئے اور ۶۳ سال کی عمر میں ۲۰ ہجری میں وفات پائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ابوبکرؓ ہمارے سردار ہیں انہوں نے ہمارے سردار بلالؓ کو آزاد کیا[3]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے جنت دکھائی

---

[1] البدایہ ص ۵۸ ج ۳۔ [2] ایضاً۔ [3] رواہ البخاری ص ۵۳۰

گئی تو میں نے اس میں ابو طلحہؓ کی بیوی (ام سلیمؓ) دیکھی جس کی آنکھوں میں چندھا پن ہے اور میں نے اپنے سامنے کسی کے چلنے کی آہٹ سنی تو نظر اٹھا کر دیکھنے یا کسی فرشتہ کے بتانے سے معلوم ہوا کہ وہ بلال ہیں۔[1]

حضرت خبابؓ بن الارت کو آگ پر لٹانا

آپ بھی ان مبارک ہستیوں میں ہیں جنہوں نے اسلام لانے پر بڑی بڑی مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت فرمائیں۔ شروع شروع میں پانچ چھ آدمیوں کے بعد مسلمان ہو گئے۔ ایک عورت کے غلام تھے جب اسے پتہ چلا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے ہیں تو اس نے ان کو سزا دینی شروع کر دی۔ چنانچہ لوہا گرم کر کے ان کے سر کو داغ دیا کرتی تھی لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں ڈال دیے جاتے تھے جس سے گرمی اور تپش کی وجہ سے پسینوں پر پسینے بہتے رہتے تھے۔ اکثر اوقات گرم ریت پر لٹا دیے جاتے تھے۔ جس کی وجہ سے کمر کا گوشت گل کر گر گیا تھا۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی تکلیفوں کی تفصیل پوچھی تو عرض کیا کہ آپ میری کمر کو دیکھیں، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کی کمر دیکھی تو عجیب ہی شکل نظر آئی اور فرمایا ایسی شکل کی کمر تو ہم نے کسی کی بھی نہیں دیکھی؟ حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ مجھے آگ کے انگاروں پر ڈال کر گھسیٹا گیا اور وہ انگارے اس وقت بجھے جب میری کمر کی چربی نکلی اور انگاروں پر زخموں سے خون نکل کر بہا۔ (اسد الغابہ) کنز العمال میں ہے کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مشرکین نے آگ جلا کر مجھے اس میں ڈال دیا اور ایک شخص میرے سینے پر اپنا پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ میری کمر اور آگ کے درمیان کوئی اور چیز نہ تھی۔

اللہ کے لئے ایسی تکلیفیں برداشت کیں اور اپنی جان پر مصیبتیں جھیلیں مگر جب اسلام عرب کے خطہ سے آگے بڑھا اور فتوحات کے دروازے کھلے تو اس پر رو دیا

---

[1] رواہ البخاری ومسلم۔

کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ خدانخواستہ ہماری مشکلوں اور مصیبتوں کا بدلہ کہیں دنیا ہی میں تو نہیں ملے گا۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا جب ان کی قبر پر گزر ہوا تو فرمایا "خباب پر اللہ رحم کرے، وہ اپنی رغبت سے مسلمان ہوئے اور خوشی سے ہجرت کی، زندگی جہاد میں گزار دی، مصیبتیں برداشت کیں" ۳۷ ہجری میں کوفہ میں وفات پائی، اس وقت آپ کی عمر ۷۳ سال کی تھی۔

عمار بن یاسر اور ان کے والدین رضی اللہ عنہم کی تکالیف اور جنت کی خوشخبری

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والد کا نام یاسر اور والدہ کا نام سمیہ تھا۔ یہ تینوں حضرات بھی حضرت خباب اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کی طرح شروع شروع میں مسلمان ہو گئے تھے اور جیسا کہ دوسرے حضرات کو مکہ والوں نے ستایا اور اسلام قبول کرنے کے جرم میں مارا پیٹا۔ ان تینوں حضرات کو بھی پٹنے اور مصیبت جھیلنے کے صبر آزما دور سے گزرنا پڑا۔ ان تینوں کے بارے میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ البدایہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

وَكَانَتْ بَنُوْ مَخْزُوْمٍ يَخْرُجُوْنَ بِعَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ وَّبِأَبَوَيْهِ وَكَانُوْا أَهْلَ بَيْتِ إِسْلَامٍ إِذَا حَمِيَتِ الظَّهِيْرَةُ يُعَذِّبُوْنَهُمْ بِرَمْضَاءِ مَكَّةَ۔

قبیلہ بنی مخزوم کے لوگ حضرت عمار اور ان کے والدین کو دوپہر کے وقت گھر سے باہر نکال کر لاتے تھے اور مکہ کی جلتی ہوئی پتھریلی زمین پر لٹا کر ان کو عذاب دیا کرتے تھے۔

پھر لکھتے ہیں:۔

فيمر بهم رسول الله صلى الله عليه وسلم فيقول فيما بلغني صبرا آل ياسر موعدكم الجنة [1]

ان تینوں کو جب عذاب دیا جاتا تھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ان پر گزر ہوتا تھا تو آپ ان کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرماتے تھے کہ اے یاسر کے گھر والو صبر کرو تم سے جنت کا وعدہ ہے۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۵۸ ج ۳

آخر کار حضرت عمار رضی اللہ تعالٰے عنہ کے والد حضرت یاسر رضی اللہ تعالٰے عنہ مشرکین کا ظلم وستم برداشت کرتے ہوئے اسی تکلیف کی حالت میں شہید ہوگئے اور ان کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا بھی سنگدل ظالم ابوجہل کے نیزہ مارنے سے شہید ہوگئیں۔ اس ملعون نے نہ ان کے بڑھاپے کا خیال کیا۔ نہ ان کے ضعف کا اپنی ازلی شقاوت کے باعث ان کی شرم گاہ میں نیزہ مار کر ہمیشہ کے لئے اپنے کو ملعون بنالیا۔ لعنہ اللہ وقبحہ۔

خواتین میں سب سے پہلی شہادت حضرت سمیہ رضی اللہ تعالٰے عنہا ہی کی ہوئی ہے رضی اللہ تعالٰے عنہا وارضاہا[1]

حضرت عمار رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ماں باپ تو مکہ ہی میں شہید ہوگئے اور خود حضرت عمار رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کو ہجرت کر گئے اور ہمیشہ جہاد میں شریک رہے کہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرفداروں میں شریک ہو کر لڑے اور اسی میں شہید ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ۹۳ برس کی تھی[1] رضی اللہ تعالٰے عنہ وارضاہ۔

حدیث شریف کی کتابوں میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی بڑی بڑی فضیلتیں آئی ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک جنّت تین شخصوں کی مشتاق ہے (۱) علی (۲) عمار (۳) سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہم[2]

ایک روایت میں ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد میرے صحابی ابوبکر عمر کی اقتدار کرلیو اور عمار کی سیرت پہ چلیو اور ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود) کی بتائی ہوئی باتوں پہ مضبوطی سے عمل کرلیو[3] حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ تعالٰے عنہ کے حق میں یہ بھی فرمایا کہ خدا نے ان کو شیطان سے محفوظ فرما دیا ہے اور آپ نے یہ فرمایا مَنْ عَادٰی عَمَّارًا عَادَاہُ اللہُ وَمَنْ

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۵۹ ج ۳ [2] مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۷۸ [3] مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۷۸

[4] مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۷۸ و ۵۷۹۔

اَبْغَضَ عَمَّارًا اَبْغَضَہُ اللّٰہُ یعنی جس نے عمار سے دشمنی کی خدا اس سے دشمنی کرے گا اور جو عمار سے بغض رکھے خدا اس سے بغض رکھے گا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ پر قریش کا شدید حملہ، یہ بھی اللہ کی راہ میں مارے پیٹے گئے ہیں اور اسلام کا کلمہ پڑھنے پر ان کو بھی مارا گیا تھا جس کا مفصل واقعہ یہ ہے کہ جب ان کو خبر پہنچی کہ مکہ میں ایک شخص نبوّت کا مدعی ہے تو اپنے بھائی کو تحقیق حال کے لئے بھیجا کہ جاؤ مکہ پہنچو اور جو شخص اپنے کو نبی کہتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ مجھ پر آسمان سے وحی آئی ہے اس کی خبر لاؤ۔ اس کا کلام خود سن کر آؤ۔ وہ مکہ پہنچے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حال معلوم کر کے واپس ہوئے اور بھائی (ابوذر) کو بتایا۔

رأیتہ یامر بمکارم الاخلاق وسمعت کلاما ما ھو بالشعر

"میں نے ان کو دیکھا کہ عمدہ اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں ان سے کلام بھی سنا جو شاعروں جیسا کلام نہیں ہے"۔

یہ سن کر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو تشفی نہ ہوئی اور خود سامان مہیا کر کے مکہ کا سفر اختیار کیا اور سیدھے مسجد حرام میں پہنچے۔ مسجد میں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے منتظر رہے (کہ شاید یہیں تشریف لے آئیں اور ملاقات ہو جائے) اور (چونکہ یہ زمانہ آپؐ کی مخالفت کا زمانہ تھا اس لئے کسی سے پوچھا بھی نہیں کہ مدعی نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کون سے ہیں اور کہاں ہیں حتیٰ کہ رات ہو گئی اور ابوذرؓ لیٹ گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ان پر نظر پڑی تو پردیسی کی خاطر تواضع کے جذبہ کے تحت ان کو گھر لے گئے اور ان کی مہمانی کر کے رات بھر اپنے یہاں سلا کر واپس کر دیا نہ مہمان نے اپنے سفر کا مقصد ظاہر کیا نہ میزبان نے سوال کیا کہ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دعوت کھا کر مسجد حرام میں واپس آ گئے اور شام تک سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے منتظر رہے مگر اس روز بھی

ملاقات نہ ہوسکی اور رات ہو جانے پر اپنی کل کی جگہ آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے، کل کے میزبان علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پھر نظر پڑ گئی اور یہ سمجھ کر کہ غریب پردیسی ہے جس غرض سے آیا تھا ابھی پوری نہیں ہوئی ہے۔ آج بھی ابوذر کو اپنے گھر لے گئے اور کھلا پلا کر سلا دیا اور کل کی طرح صبح ہونے پر ابوذرؓ مسجد حرام میں واپس تشریف لے آئے۔ شام تک مسجد حرام میں رہے اور رات کو پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کو اپنے گھر لے گئے اور مہمانی کر کے آج پوچھ ہی بیٹھے کہ آپ یہاں کیسے تشریف لائے ہوئے ہیں؟ مسافر کو کیا پتہ کہ یہ نوجوان اس نبی پر ایمان لاچکا ہے اور خود اس کا چچیرا بھائی بھی ہے جس کی تلاش میں ہیں ہوں۔ کہنے لگے کہ پکا وعدہ کرو کہ میری بات کا صحیح جواب دو گے تو بتا دوں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے صحیح بات بتانے کا وعدہ کیا تو حضرت ابوذرؓ نے اپنی آمد کی غرض بتائی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ تم جن کی تلاش میں آئے ہو بلاشبہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اب تو آرام کرلو اور صبح کو میرے ساتھ چلنا میں تم کو ان کے پاس لے چلوں گا۔ چونکہ مخالفت کا زور تھا اور اسلام قبول کرنے والے طرح طرح سے ستائے جاتے تھے۔ اس لئے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ تم میرے پیچھے پیچھے چلتے رہنا مگر اس طرح چلنا کہ دیکھنے والے تم کو میرے ساتھ نہ سمجھیں اگر کہیں خطرہ سمجھوں گا تو میں پیشاب کرنے لگوں گا (اور بعض روایات میں ہے کہ جوتا ٹھیک کرنے لگوں گا) اور تم آگے بڑھ جانا جس سے دیکھنے والے یہ سمجھیں گے کہ ہم دونوں ساتھ نہیں ہیں۔ صبح ہونے پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے چل دئے حتیٰ کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے چنانچہ آپؐ کی بات سنی اور اسی وقت مسلمان ہوگئے۔ آپؐ نے اس وقت کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس وقت تم اپنی قوم میں چلے جاؤ اور ان کو بھی میری نبوت کی خبر دو اور جب ہمارا غلبہ ہو جائے اس وقت چلے آنا۔ یہ سن کر ابوذرؓ نے جواب دیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں تو اس کلمہ کو کفار کے درمیان علی الاعلان پڑھ کر سناؤں گا۔ چنانچہ اسی وقت باہر نکلے اور مسجد

حرام میں پہنچ کر بلند آواز سے خوب چلا کر أَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اعلان کر دیا۔ اس کلمہ کا پڑھنا تھا کہ مشرکین چاروں طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے اور اتنا مارا کہ زخمی کر کے زمین پر ڈال دیا۔ حتیٰ کہ ابو ذرؓ مرنے کے قریب ہو گئے۔ اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچ گئے جو اس وقت مسلمان بھی نہ ہوئے تھے۔ حضرت عباسؓ ابو ذرؓ کو بچانے کے لئے ان پر لیٹ گئے اور کہنے لگے کم بختیا ناسیو! تمہیں معلوم نہیں ہے کہ یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے۔ شام کے راستہ میں اس کی قوم پر ہو کر گزرتے ہو۔ اگر یہ مر گیا تو غفاری لوگ تم کو شام نہ پہنچنے دیں گے اور تمہاری تجارت بند ہو جائے گی۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ بات سن کر مشرکین نے ابو ذرؓ کو چھوڑ دیا۔ دوسرے روز حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد حرام میں پہنچ کر بلند آواز سے پھر کلمہ شہادت پڑھا اور اس روز بھی مشرکین مکہ اس مبارک کلمہ کے سننے کی تاب نہ لا سکے اور حضرت ابو ذرؓ کو مارنے کے لئے جھپٹ پڑے۔ اس روز بھی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشرکین کو ہٹایا اور تجارت شام بند ہونے کا خطرہ سمجھا کر حضرت ابو ذرؓ کی جان چھڑائی [1]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابو ذرؓ کے صدق یعنی سچائی کی تعریف فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ وہ زہد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہیں [2]

حضرت عثمانؓ بن مظعون کی آنکھ کا چلا جانا

جو حضرات حبشہ سے آکر مکہ معظمہ میں ہی رہ گئے اور واپس حبشہ نہیں گئے (جس کا تذکرہ ہجرت حبشہ میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ) ان میں حضرت عثمان بن مظعون بھی تھے انہوں نے جب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ مکہ معظمہ میں مشرکین کی طرف سے سخت تکلیف میں ہیں تو وہیں رہ گئے اور ولید بن مغیرہ (مشرک) نے امان دے دی۔ اس کے امان دینے کی وجہ سے مشرکین حضرت عثمانؓ بن مظعون کو کچھ نہیں کہتے تھے۔ ایک دن ان کے دل میں یہ آیا کہ یہ بات اچھی

---

[1] صحیح بخاری ص ۴۹۹ و ص ۵۴۵۔ [2] مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۱

نہیں کہ میں ایک مشرک آدمی کی پناہ میں امن وامان کے ساتھ گھومتا پھرتا رہوں اور رسول اللہ کے صحابہ مصیبتیں اور تکلیفیں اٹھاتے رہیں لہٰذا ولید بن مغیرہ کے پاس پہنچے اور کہا کہ تیری ذمہ داری پوری ہوگئی اور اب میں تیری امن وامان کی ذمہ داری واپس کرتا ہوں۔ ولید نے کہا کیا تمہیں میری قوم کے کسی فرد کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچی ہے فرمایا نہیں، بس اللہ کی پناہ میں رہنا پسند کرتا ہوں اس کے علاوہ کسی اور کی پناہ میں رہنا مجھے گوارا نہیں۔ ولید نے کہا اچھا تو مسجد میں چلو وہاں جاکر میری ذمہ داری سب حاضرین کے سامنے واپس کردو چنانچہ دونوں مسجد میں آئے اور ولید نے کہا کہ عثمان ہے میری پناہ کی ذمہ داری کو واپس کرتا ہے حضرت عثمان نے فرمایا ہاں اس نے سچ کہا اس نے اپنی ذمہ داری پوری کی اور پڑوس کا اچھا حق ادا کیا لیکن میں صرف اللہ کی پناہ میں رہنا چاہتا ہوں کسی دوسرے کی پناہ میں رہنا مجھے منظور نہیں۔

اس کے بعد یہ ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قریش مکہ کی ایک مجلس میں پہنچے وہاں لبید شاعر اپنے اشعار سنا رہا تھا۔ اس نے ایک مصرع یہ سنایا:

الا کل شیء ما خلا اللّٰہ باطل

(خبردار اللہ کے سوا سب چیز باطل ہے)

حضرت عثمانؓ بن مظعون نے یہ مصرع سُن کر فرمایا تو نے سچ کہا۔ اس کے بعد اس شاعر نے دوسرا مصرع پڑھا۔

وکل نعیم لامحالۃ زائل

اور ہر نعمت ضرور بضرور ختم ہوگی۔

یہ سن کر حضرت عثمانؓ نے فرمایا تو نے جھوٹ کہا کیونکہ جنت والوں کی نعمتیں کبھی ختم نہ ہوں گی۔

یہ ماجرا دیکھ کر (کہ اپنے کلام کی تردید کی جارہی ہے) لبید نے کہا اے قریشیو! اس سے پہلے تو کبھی ایسا نہ ہوا تھا کہ مجھے تمہاری مجلسوں میں ایذا پہنچائی جاتی ہو۔

بتاؤ تو سہی یہ شخص تم میں کہاں سے گھس آیا؟ حاضرین مجلس میں سے کسی نے جواب دیا کہ اس سلسلے میں تجھے دل بُرا نہ کرنا چاہیئے کیونکہ یہ شخص ان چند ناسمجھ اور بے عقل لوگوں میں سے ہے جنہوں نے آبائی دین چھوڑ کر دوسرا نیا دین اختیار کر لیا ہے حضرت عثمانؓ نے اس کی اس بیہودہ بات کا ترکی بہ ترکی جواب دیا اور معاملہ طول پکڑ گیا۔ حتیٰ کہ اس شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں اس زور سے چانٹا مارا کہ اس کی بینائی جاتی رہی۔

ولید بن مغیرہ بھی وہیں موجود تھا۔ اس نے یہ کیفیت دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے کہا کہ:

"اے بھائی! تم کو بھلا آنکھ جانے سے کیا فائدہ ہوا؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا:

"خدا کی قسم میری دوسری آنکھ کو بھی اس کی ضرورت ہے کہ اللہ کی راہ میں پھوڑ دی جائے انہوں نے یہ سمجھا کہ اس سے مجھے نقصان ہوا، ہرگز نہیں ہرگز نہیں! میرا تو کام بن گیا اور اللہ پر میرا اجر واجب ہو گیا۔ پہلے میں تیری امان میں تھا اور تو خود محتاج ہے اب میں اس کی امان میں ہوں جس سے بڑا کوئی غلبہ اور طاقت والا نہیں ہے۔"

اپنی آنکھ کے چلے جانے پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے چند شعر کہے جن میں سے ایک یہ ہے:

فقد عوّض الرحمٰن منها ثوابه ومن يرضه الرحمٰن ياقوم يسعد

ترجمہ: "میری آنکھ کے بدلہ میں اللہ نے ثواب دے دیا اور جس سے اللہ راضی ہو وہ درحقیقت نصیب والا ہے۔"

مہاجرین میں سب سے پہلے (۲ھ میں) حضرت عثمانؓ بن مظعون ہی کی وفات ہوئی۔ ان کی وفات پر نبی کریمؐ نے فرمایا نعم السلف هولنا (عثمان ہمارے لئے بہترین آگے پہنچنے والے ہیں) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روتے ہوئے ان کے چہرے کو چوما،

حتیٰ کہ ان کے چہرے پر آپ کے مبارک آنسو بہنے لگے۔ جب ان کو دفن کر دیا گیا تو سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس ایک پتھر اٹھا کر ان کی قبر کے سرہانے رکھ دیا اور فرمایا کہ یہ اس لئے ہے کہ اس سے ان کی قبر کی پہچان رہے گی اور پہچان کر ان کے قریب اپنے اہل کو دفن کروں گا۔[۱]

دیگر حضرات مستضعفین جن لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی وجہ سے تکلیف دی جاتی تھی ان میں حضرت ابو فکیہہ بھی تھے یہ صفوان ابن امیہ کے غلام تھے۔ امیہ ابن خلف نے ان کے پاؤں میں رسی باندھی اور رسی سے کھینچ کر لے گیا یہاں تک کہ گرم زمین میں لے جا کر ڈال دیا اور ان کا گلا گھونٹنا شروع کر دیا۔ اسی وقت اس کا بھائی اُبی بن خلف آ گیا اور اس نے کہا اس کو اور زیادہ سزا دو۔ امیہ برابر ان کا گلا گھونٹتا رہا یہاں تک کہ یہ سمجھ کر چھوڑ دیا کہ ان کو موت آ گئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے تو حضرت ابو فکیہہ کو خرید کر آزاد کر دیا۔[۲]

قبیلہ بنی عبدالدار کے لوگ دوپہر کے وقت سخت گرمی میں لوہے کی بیڑیاں پاؤں میں ڈال کر باہر نکالتے تھے اور سخت زمین میں ان کو الٹا لٹا دیتے تھے پھر ان کی کمر پر پتھر رکھ دیتے تھے یہاں تک کہ ان کا ہوش باقی نہ رہتا تھا۔ ان ہی مصیبتوں میں تھے حتیٰ کہ دیگر صحابہ کے ساتھ حبش کی ہجرت ثانیہ کے وقت حبشہ چلے گئے۔[۳]

عامر بن فہیرہ بھی ان ہی لوگوں میں تھے جنہیں اسلام قبول کرنے کی سزا میں مشرکین مکہ سزا دیا کرتے تھے یہ طفیل ابن عبداللہ ابن سخرۃ کے غلام تھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو بھی خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ یہ وہی عامر ابن فہیرہ ہیں جو سفر ہجرت کے موقعہ پر غار ثور میں دودھ پہنچایا کرتے تھے پھر سفر ہجرت میں بھی ساتھ رہتے تھے غزوہ بئر معونہ کے موقعہ پر شہید ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن حضرات کو مشرکین کی مار پیٹ اور

---

[۱] الاستیعاب۔ الاصابہ۔ البدایہ والنہایہ [۲] الاصابہ۔ [۳] الاستیعاب

ایذارسانی سے بچایا اور خرید کر آزاد کیا ان میں حضرت بلال، حضرت عامر ابن فہیرہ، حضرت زنیرہ، حضرت جاریہ، حضرت نہدیہ اور ان کی بیٹی اور حضرت اُم عُبَیس رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نام الاصابۃ ص ۵۰۷ ج ۴ میں لکھے ہیں لیکن نہدیہ اور ان کی بیٹی کا تذکرہ مستقل طور پر ہمیں نہیں ملا۔

حضرت ابوبکر کے والد ابوقحافہ جو فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اے ابوبکر تم ان لوگوں کو آزاد کرتے ہو جن کی دنیاوی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ضعفاء ہیں اگر تم طاقت ور لوگوں کو خرید کر آزاد کرتے تو مناسب تھا وہ مصیبت کے وقت تمہارے کام آتے اور تمہاری حفاظت کرتے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ابا جان میں دوسری نیت سے آزاد کرتا ہوں (یعنی دنیا میں ان سے نفع حاصل کرنا مقصود نہیں مجھے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہیئے[۱]

اسلام قبول کرنے کی سزا میں جن مقدس خواتین کو مارا پیٹا جاتا تھا ان میں حضرت لبینہؓ اور دوسری خاتون اُم عبیسؓ بھی تھیں ان کو بھی مشرکین مارتے اور تکلیف پہنچاتے تھے یہ بنی زہرہ کی باندی تھیں الاصابہ میں ان دونوں کا مختصر قصہ لکھا ہے تعذیب اور تکلیف کی تفصیل نہیں لکھی۔

اللہ کی راہ میں جنہیں تکلیف دی جاتی تھی ان میں حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں ابوجہل ان کو بھی مارا پیٹا کرتا تھا الاصابہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ام ہانی بنت ابوطالب نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زنیرہ کو خرید کر آزاد کر دیا تھا ان کی بینائی چلی گئی تو قریش نے کہا کہ لات اور عزیٰ نے اس کی بینائی ختم کر دی ہے حضرت زنیرہ نے کہا اللہ کی قسم لات اور عزیٰ کچھ نہیں کر سکتے کوئی نفع اور فائدہ نہیں پہنچا سکتے اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرمایا اور ان کی بینائی واپس فرمادی۔ ان مقدس خواتین میں جاریہ بنت عمرو بن مؤمل بھی تھیں الاصابہ میں ان کا ذکر بھی کیا ہے لیکن تفصیل نہیں لکھی۔

---

[۱] البدایہ والنہایہ ص ۵۸ ج ۳

طفیل بن عمرو الدوسی کا اسلام قبول کرنا

حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی ان خوش نصیب لوگوں میں ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت فرمانے سے پہلے ہی مکہ معظمہ میں ملاقات کر کے اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ قبیلہ دوس کے افراد میں سے تھے جو یمن کا ایک قبیلہ تھا۔ شاعر بھی تھے اپنی قوم کے سردار بھی تھے انہوں نے بیان کیا کہ میں مکہ معظمہ آیا تو قریش کے لوگوں نے کہا کہ دیکھو تم شاعر آدمی ہو قوم کے سردار ہو قوم میں تمہاری بات مانی جاتی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری اس شخص (محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے ملاقات ہو جائے اور تم اس کی بعض باتوں سے متاثر ہو جاؤ اس کی باتیں جادو کی طرح سے ہیں اس شخص کو تم نہ اپنے پاس آنے دینا نہ اپنی قوم سے ملاقات کرنے دینا اس کی باتیں ایسی ہیں جو باپ بیٹے اور میاں بیوی کے درمیان جدائی کر دیتی ہیں۔

طفیل بن عمرو نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بیان کیا کہ قریش مکہ برابر ایسی ہی باتیں کرتے رہے اور مجھے اس بات سے روکتے رہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بات سنوں، میں نے دل میں کہا کہ جب یہ حال ہے تو اللہ کی قسم میں مسجد حرام میں ایسی حالت میں داخل ہوں گا کہ کانوں میں روئی ٹھونس رکھی ہوگی تاکہ اس شخص کی بات میرے کان میں نہ پڑ سکے جس سے یہ لوگ مجھے ڈرا رہے ہیں۔

میں نے اپنے کانوں میں روئی بھر لی۔ پھر صبح صبح مسجد میں گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں کھڑے ہوئے دیکھا میں آپ کے قریب ہی کھڑا ہو گیا اور خواہی نخواہی میرے کانوں میں آپ کی آواز پڑ ہی گئی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں سمجھ دار آدمی ہوں اچھے برے کو سمجھتا ہوں (یہ کانوں میں روئی ٹھونس لینا کوئی سمجھ داری کی بات نہیں) اللہ کی قسم میں ان کی باتیں ضرور دھیان سے سنوں گا اگر اچھی بات ہوگی تو قبول کر لوں گا اگر اچھی نہ ہوئی تو اس سے پرہیز کر لوں گا۔ یہ کہہ کر میں نے کانوں سے روئی نکال کر پھینک دی۔ پھر کان لگا کر آپ کی باتیں سننے

لگا اس سے اچھی باتیں میں نے کبھی نہیں سنیں تھیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا سبحان اللہ
پھر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ جب آپ فارغ
ہو گئے تو میں آپ کے پیچھے پیچھے چل دیا یہاں تک کہ آپ کے گھر میں داخل ہو گیا میں
نے عرض کیا کہ آپ کی قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے انہوں نے آپ کے بارے
میں ایسی ایسی باتیں بتائیں میں چاہتا تھا کہ آپ کی آواز نہ سنوں لیکن اللہ تعالیٰ نے
مجھے آپ کی بات سنوا ہی دی اور اب میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ آپ کے ساتھ
حق ہے لہٰذا آپ مجھ پر اپنا دین پیش کیجئے اور آپ کیا حکم دیتے ہیں وہ بھی بتائیے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر اسلام پیش فرمایا، میں نے اسلام قبول کر
لیا پھر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اپنی قوم قبیلہ دوسی کی طرف جاتا ہوں،
وہ لوگ میری بات مانتے ہیں میں وہاں پہنچ کر انہیں اسلام کی دعوت دوں گا۔
امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے دے۔
چنانچہ اپنی قوم میں پہنچ کر اپنے والد اور اپنی بیوی کو اسلام کی دعوت دی،
وہ دونوں مسلمان ہو گئے، پھر میں نے پورے قبیلے کو اسلام کی دعوت دی انہوں نے
اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور انکار پر تل گئے، میں دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ قبیلہ دوسی نے اسلام
قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ان میں سود کا لین دین اور بڑے بڑے کام رواج پائے
ہوئے ہیں آپ ان کے لئے بددعا کر دیجئے آپؐ نے بددعا نہیں کی بلکہ یوں دُعا
فرمادی اَللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْسًا وَائْتِ بِھِمْ اے اللہ قبیلہ دوس کو ہدایت
دے دے اور یا اللہ ان کو لے آ۔
حضرت طفیل بن عمرو نے مزید گفتگو جاری رکھتے ہوئے بیان کیا کہ اس کے
بعد میں اپنی قوم میں واپس آ گیا اور انہیں اسلام کی دعوت دینے پر ان میں
سے کچھ لوگ مسلمان ہوئے۔
میں تو اپنی قوم میں آ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کو ہجرت فرما

گئے تھے غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور غزوۂ خندق میں شریک نہ ہو سکا بعد میں قبیلہ دوس کے اسی یا نوے خاندانوں کے ساتھ آپ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہو گیا اس کے بعد برابر آپ کے ساتھ رہا۔

جب مکہ فتح ہو گیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ذی الکفین[1] کی طرف بھیج دیجئے تاکہ میں اسے جلا دوں آپ نے فرمایا ہاں جاؤ اسے جلا دو میں اس کے پاس پہنچا اور اس پر آگ جلا دی اور یہ شعر پڑھتا رہا

یاذا الکفین لست من عبادکا ۔۔۔ میلادنا اکبر من میلادکا

انی حشوت النار فی فوادکا

ترجمہ: اے ذوالکفین میں تیری عبادت کرنے والوں میں نہیں ہوں ہماری پیدائش تیری بناوٹ سے پہلے ہے میں نے تیرے دل میں آگ بھر دی۔

پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی وفات ہونے تک آپ کے ساتھ رہا۔

(الاستیعاب علی الاصابہ ص ۲۳۲ و ۲۴۴ ج ۲، والبدایہ ص ۹۸ ج ۳)

پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ مبارک میں مرتدین سے جہاد کرنے میں حصہ لیا اور جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ (ایضاً)

حضرت عمرو بن عبسہؓ کا حاضر خدمت ہونا

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان حضرات میں سے ہیں جو عہد اوّل ہی میں اسلام لے آئے تھے یہ قبیلہ بنی سلیم میں سے تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں زمانہ جاہلیت میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ لوگ گمراہی پر ہیں۔ بتوں کو پوجتے ہیں ہدایت پر بالکل نہیں ہیں، میں نے سنا کہ ایک شخص مکہ معظمہ میں کچھ خبریں بیان کرتے ہیں، میں اپنی سواری پر بیٹھا اور مکہ معظمہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس وقت آپ پوشیدہ طریقہ پر کام کرتے تھے آپ کی قوم کے لوگ جری بنے ہوئے تھے۔

---

[1] یہ ایک بت تھا جس کی قبیلہ دوس والے پوجا کرتے تھے۔

میں کسی طرح تدبیر کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میں نے عرض کیا آپ کون ہیں؟ فرمایا میں نبی ہوں۔ میں نے عرض کیا نبی ہونے کا کیا مطلب؟ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے' میں نے کہا اللہ نے آپ کو کن کاموں کی تبلیغ کے لئے بھیجا ہے' فرمایا میں یہ حکم لے کر آیا ہوں کہ صلہ رحمی کی جائے۔ بتوں کو توڑ دیا جائے اور لوگ اللہ کی وحدانیت کے قائل ہو جائیں اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ کیا جائے۔ میں نے عرض کیا کہ اس دین پر آپؐ کے ساتھ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ آزاد اور غلام سب کے لئے ہے میں نے عرض کیا کہ میں بھی آپ کا اتباع کرتا ہوں۔ فرمایا کہ اس وقت تم اس کی استطاعت نہیں رکھتے۔ دیکھتے نہیں ہو میرا اور لوگوں کا کیا حال ہے؟ تم واپس چلے جاؤ جب تمہیں خبر مل جائے کہ میں ظاہر ہو گیا تو آجانا۔ یہ سن کر میں اپنے اہل و عیال میں چلا گیا (دل سے تو اسلام قبول کر ہی لیا تھا البتہ ساتھ رہنے کے لئے آپؐ نے مشورہ نہیں دیا تھا)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے میں ابھی اپنے گھر میں ہی تھا آپ کی خبریں معلوم کرتا رہتا تھا چند آدمی یثرب یعنی مدینہ منورہ کے رہنے والے آئے میں نے ان سے دریافت کیا کہ یہ صاحب جو (مکہ سے) مدینہ پہنچے ہیں ان کا کیا حال ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ لوگ جلدی جلدی ان کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ان کی قوم نے (مکہ معظمہ میں) ان کے قتل کا ارادہ کر لیا تھا لیکن وہ اس پر قدرت نہیں پا سکے۔ اس کے بعد میں مدینہ منورہ پہنچا آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ تم وہی ہو جو مجھے مکہ میں ملے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہاں یہی بات ہے آپ مجھے وہ چیزیں بتا دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھائی ہیں، اور مجھے نماز سکھا دیجئے۔[1]

مشکوٰۃ المصابیح میں حضرت عمرو بن عبسہؓ کی ملاقات کا قصہ یوں لکھا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ یا رسول اللہ

---

[1] جمع الفوائد کتاب المناقب۔

اس دین پر آپ کے ساتھ کون کون ہے؟ فرمایا ایک آزاد مرد ہے (یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ) اور ایک غلام ہے (یعنی زید بن حارثہؓ) میں نے عرض کیا اسلام کیا کیا کام بتاتا ہے فرمایا حسنِ کلام اور کھانا کھلانا، میں نے پوچھا ایمان کے کیا تقاضے ہیں؟ فرمایا صبر کرنا (یعنی احکامِ شریعت پر جما رہنا) اور سخی ہونا۔ میں نے عرض کیا کون سا اسلام افضل ہے؟ فرمایا اس شخص کا اسلام افضل ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان باسلامت رہیں۔ میں نے عرض کیا ایمان کے تقاضوں میں کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا کہ "اچھے اخلاق"۔

میں نے عرض کیا کون سی نماز افضل ہے؟ آپ نے فرمایا "طول القنوت" (یعنی لمبی نماز پڑھنا اور دل لگا کر پڑھنا۔ عرض کیا گیا کہ کون سی ہجرت افضل ہے فرمایا جو چیز تیرے رب کو ناگوار ہو اس کا چھوڑ دینا یہ ہجرت افضل ہے۔ میں نے عرض کیا کون سا جہاد افضل ہے فرمایا اس شخص کا جہاد افضل ہے جس کا گھوڑا بھی جہاد میں قتل کیا گیا اور وہ خود بھی شہید ہو جائے۔ میں نے عرض کیا (عبادت کے لئے) کون سی گھڑی افضل ہے؟ پچھلی رات کا درمیانی حصہ۔[2]

حضرت ضماد ازدی رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا

انہی ایام میں حضرت ضماد ازدی بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مکہ معظمہ حاضر ہوئے یہ یمن کے باشندے تھے اور سحر دور کرنے والے منتر جانتے تھے اور اس کام میں عرب میں مشہور تھے جب انہوں نے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جنون کا اثر ہے تو انہوں نے قریش سے کہا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا علاج منتر سے کر سکتا ہوں، چنانچہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے محمدؐ آؤ تمہیں منتر سناؤں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے مجھ سے سن لو پھر آپ نے انہیں سنایا:

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ من یھدہ اللہ فلا

---

[1] یہ حرّ و عبد کی دوسری تعبیر ہے جسے بعض حضرات نے اختیار کیا ہے۔ [2] مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹، از احمد۔

مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا
الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا
عبدہ ورسولہ ۔

ترجمہ: "سب تعریف اللہ کے لئے ہے ہم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں اور ہر کام میں اسی کی اعانت چاہتے ہیں، جسے اللہ تعالیٰ راہ دکھاتے ہیں اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے اللہ تعالیٰ ہی راستہ نہ دکھائیں اس کی کوئی رہبری نہیں کرسکتا میری شہادت یہ ہے کہ اللہ کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور رسول ہیں۔"

یہ سن کر ضمادؓ نے کہا کہ ان کلمات کو پھر سنا دیجئے دو تین دفعہ انہوں نے ان کلمات کو سنا اور پھر بے اختیار بول اٹھے کہ میں نے بڑے کاہن دیکھے اور ساحر دیکھے اور شاعروں کا کلام سنا لیکن ایسا کلام تو میں نے کسی سے بھی نہیں سنا۔ یہ کلمات تو ایک گہرے سمندر جیسے ہیں' اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدارا اپنا ہاتھ بڑھاؤ کہ میں اسلام کی بیعت کرلوں۔ اس کے بعد بیعت اسلام سے مشرف ہوکر واپس چلے گئے۔[1]

رکانہ سے کشتی کرنے کا واقعہ

مکہ معظمہ کے رہنے والوں میں ایک شخص رکانہ نامی تھا، مشرک تھا اور پہلوانی میں مشہور تھا، اور جنگل میں بکریاں چراتا تھا۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہر سے باہر تشریف لے گئے تو رکانہ سے ملاقات ہوگئی اس وقت آپؐ کے ساتھ کوئی شخص نہ تھا، رکانہ نے کہا کہ اے محمدؐ! تم وہی ہو جو ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہو اور اپنے معبود عزیز وحکیم پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہو' میرا اور تمہارا رشتہ داری کا تعلق نہ ہوتا تو آج تمہیں قتل کردیتا، آؤ آج مجھ سے کشتی لڑو تم اپنے معبود عزیز وحکیم کو پکارو کہ تمہاری مدد کرے اور میں اپنے معبود لات وعزیٰ کو پکارتا

[1] البدایہ والنہایہ ص ۳۶ ج ۳

ہوں، اگر تم نے مجھے پچھاڑ دیا تو میری ان بکریوں میں سے دس بکریاں چن کر لے لینا آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے مجھے منظور ہے اس کے بعد دونوں نے کشتی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غالب آگئے اور اس کے سینے پر بیٹھ گئے تین مرتبہ کشتی ہوئی ہر مرتبہ کے لئے رکانہ نے دس بکریاں پیش کیں اور ہر مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پچھاڑ دیا، تینوں مرتبہ اس نے یہ کہا کہ مجھے لات اور عزیٰ نے بغیر مدد کے چھوڑ دیا، اور آپ کے معبود عزیز و حکیم نے آپ کی مدد کی۔ چلئے آپ میرے ریوڑ میں سے تیس بکریاں لے لیں، آپؐ نے فرمایا مجھے بکریاں نہیں چاہئیں میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں تو اپنی جان پر رحم کھا اپنی جان کو دوزخ سے بچا، اگر تو نے اسلام قبول کر لیا تو دوزخ سے محفوظ ہو جائے گا۔

رکانہ نے کہا میں اس وقت مسلمان ہوں گا جب تم مجھے کوئی خاص نشانی، معجزہ، دکھا دو۔ آپؐ نے فرمایا اگر میں تجھے نشانی دکھا دوں تو مان لے گا یعنی اسلام قبول کرے گا، کہنے لگا ہاں مان لوں گا۔ وہیں قریب میں ایک درخت تھا جس کی شاخیں اور ٹہنیاں بہت ساری تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا اللہ کے حکم سے ادھر آجا۔ اس پر درخت درمیان سے پھٹ گیا اور دو ٹکڑے ہو گیا، ایک ٹکڑا اپنی شاخوں اور ٹہنیوں سمیت چل کر آگیا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور رکانہ کے درمیان آکر کھڑا ہو گیا۔ رکانہ کہنے لگا کہ یہ تو آپ نے بڑی نشانی دکھا دی آپ اس کو حکم فرمائیے واپس لوٹ جائے، آپؐ نے اس کو حکم دیا تو وہ اپنی ٹہنیوں اور شاخوں سمیت واپس ہو گیا اور دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے۔ آپؐ نے رکانہ سے پھر فرمایا اسلام قبول کر لے تو با سلامت رہے گا۔ دوزخ سے بچ جائے گا، رکانہ نے کہا معجزہ تو آپ نے خوب دکھایا لیکن مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ میرے شہر کی عورتیں اور بچے یوں کہیں کہ ایک شخص کا رعب رکانہ کے دل میں داخل ہو گیا، میں آپ کا دین تو قبول نہیں کرتا لیکن آپ شرط کے مطابق بکریاں لے لیں آپؐ

نے فرمایا تُو نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا مجھے تیری بکریوں کی کوئی حاجت نہیں ادھر تو رکانہ سے آپؐ کی کُشتیاں ہو رہی تھیں اُدھر آپؐ کی تلاش میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نکلے اور کہنے لگے یا رسول اللہؐ اس وادی میں آپ تنہا کیسے آ گئے یہاں تو رکانہ موجود رہتا ہے وہ لوگوں کا بہت بڑا قاتل ہے اور آپ کی تکذیب کرنے والوں میں بہت آگے آگے ہے۔ یہ بات سن کر آپؐ کو ہنسی آ گئی اور آپ نے فرمایا کیا تمہیں پتہ نہیں اللہ تعالیٰ کا مجھ سے حفاظت کا وعدہ ہے اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے "وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" (اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا) اس کے بعد آپؐ نے اپنی کُشتی کا واقعہ سنایا اور فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا کی تھی۔ میرے رب نے مجھے دس سے زیادہ افراد کی قوت دے کر مدد فرمائی[1] رکانہ اس وقت تو مسلمان نہ ہوئے لیکن بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

قال السهيلي في الروض الأنف: وركانة هذا ابن عبد يزيد، وتوفي في خلافة معاوية وهو الذي طلق امرأته البتة فسأله رسول الله صلى الله عليه وسلم عن نيته فقال انما أردت واحدة فردها عليه ومن حديثه عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال ان لكل دين خلقا وخلق هذا الدين الحياء ولابنه يزيد بن ركانة صحبة ايضا۔

معجزہ شق القمر

سورۃ القمر کی ابتداء میں فرمایا:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ	قیامت قریب آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا،
وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا	اور یہ لوگ اگر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اعراض
سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۔ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا	کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو
اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۔	ابھی ختم ہو جانے والا ہے اور انہوں نے

---

[1] دلائل النبوۃ لابی نعیم الاصبہانی ص ۳۳۶

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۔ حِكْمَةٌ ۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۔ (آیات ۵)

جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کا اتباع کیا اور ہر بات قرار پانے والی ہے اور بلاشبہ ان کے پاس ایسی خبریں آئی ہیں جن میں باز آنے کے لئے عبرت ہے یعنی اعلیٰ درجے کی حکمت ہے۔ سو ڈرانے والی چیزیں ان کو کچھ فائدہ نہیں دے رہی ہیں۔

ان آیات میں انشقاق قمر یعنی چاند کے پھٹنے کا اور اہل مکہ کے عناد اور انکار کا تذکرہ فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب انہیں یہ بتایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تو بہت سے معجزات ظاہر ہوئے ان میں وہ معجزات بھی تھے جنہیں اہل مکہ نے خود طلب کیا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ انہیں کوئی نشانی یعنی معجزہ دکھا دیں لہٰذا آپ نے انہیں چاند کا پھٹنا دکھا دیا۔ (صحیح بخاری ص ۲۲ ج ۲)

دوسری روایت میں یوں ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چاند پھٹ گیا اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ پر اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کے نیچے آ گیا آپ نے فرمایا کہ حاضر ہو جاؤ۔ (صحیح بخاری ص ۲۲۱ ج ۲)

سنن ترمذی (فی تفسیر سورۃ القمر) میں ہے کہ مکہ معظمہ میں چاند کے پھٹنے کا واقعہ دو مرتبہ پیش آیا جس پر سورۂ قمر کی شروع کی دو آیتیں نازل ہوئیں۔ تفسیر معالم التنزیل ص ۵۰۸ ج ۴ میں ہے کہ اس وقت تو قریش مکہ نے یہ کہہ دیا کہ ہم پر جادو کر دیا ہے پھر جب باہر سے آنے والے مسافروں سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ ہاں ہم نے چاند کے دو ٹکڑے دیکھے اس پر آیت کریمہ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ نازل ہو گئی۔ سنن ترمذی میں ہے کہ (جب مسافروں سے تصدیق ہو گئی تو) ان میں بعض مشرکین نے کہا کہ اگر ہم پر جادو کر دیا ہے تو سارے لوگوں پر تو جادو نہیں کر دیا۔ بہرحال چاند پھٹا حاضرین نے دیکھا مسافروں کو بھی پھٹا ہوا نظر آیا اور جو چیز انسانوں کے خیال میں نہ ہونے والی تھی وہ وجود میں آ گئی اسی سے قیامت کا

دو ٹوک سمجھ میں آجانا چاہیئے۔

معجزہ شق القمر کا واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں صحیح اسانید کے ساتھ ماثور و مروی ہے، دشمنانِ اسلام کو محض دشمنی کی وجہ سے اسلامی روایات کے جھٹلانے اور تردید کرنے کی عادت رہی ہے، انہوں نے معجزہ شق القمر کے واقع ہونے پر بھی اعتراض کر دیا ان لوگوں کا کہنا ہے کہ چاند پورے عالم پر طلوع ہونے والی چیز ہے اگر ایسا ہوا ہوتا تو دنیا کی تاریخوں میں اس کا تذکرہ ضروری تھا، یہ ان لوگوں کی جہالت کی بات ہے۔

اوّل تو اس زمانہ میں کتابیں لکھنے والے ہی کہاں تھے تصنیف اور تالیف کا دَور نہیں تھا پھر کسی نے کوئی چیز لکھی ہو تو قرنوں گزر جانے تک اس کا محفوظ رہنا ضروری نہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ وہ پریس اور کمپیوٹر بلکہ کاغذ کا زمانہ بھی نہ تھا اس سے بڑھ کر دوسری بات یہ ہے کہ چاند ہر وقت پورے عالم پر طلوع نہیں ہوتا کہیں دن ہوتا ہے کہیں رات ہوتی ہے، چاند شق ہوتے وقت جہاں کہیں دن تھا وہاں تو اس کے نظر آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ دیکھو عرب میں رات ہوتی ہے تو امریکہ میں دن ہوتا ہے اور امریکہ کا ظہور تو شق القمر کے صدیوں کے بعد ہوا۔ اسی طرح رات کے اوقات مختلف ہوتے ہیں کہیں اوّل رات ہوتی ہے کہیں درمیانی رات ہوتی ہے اور کہیں آخری شب ہوتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ چاند مکہ معظمہ کے قریب منیٰ میں شق ہوا تھا یعنی وہاں کے حاضرین دیکھ سکتے تھے۔ بہت سے لوگ اپنے کاموں میں لگے تھے بہت سے سو رہے تھے بہت سے گھروں کے اندر تھے بہت سے دوکانوں میں بیٹھے ہوئے تھے اور پہلے سے کوئی اطلاع نہیں دی گئی تھی کہ دیکھو آج رات چاند پھٹے گا، ان حالات میں لوگوں کو باہر آنے اور چاند پر نظر جانے کی کوئی حاجت اور ضرورت نہ تھی۔ چاند پھٹا تھوڑی دیر میں دونوں ٹکڑے ایک جگہ ہو گئے جن لوگوں کو اس کا پھٹا ہوا دکھانا مقصود تھا ان لوگوں نے دیکھ لیا، اگر سارا عالم دیکھ لیتا یا کم از کم سارا عرب ہی دیکھ لیتا اور پھر تاریخ لکھنے والوں تک خبر پہنچ جاتی جس پر

وہ یقین کر لیتے اور ان کی کتاب محفوظ رہ جاتی تو تاریخوں میں اس کا کوئی تذکرہ مل جاتا، جنہوں نے پھٹا ہوا دیکھا تھا انہیں تو اس کا یقین نہیں آیا کہ چاند پھٹا ہے اس کو انہوں نے جادو بتایا اور مسافروں کے کہنے سے کسی نے مانا بھی تو اسے پی گیا، اگر تسلیم کر لیتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا پڑتا یہ انہیں گوارا نہ تھا، پھر کیوں وہ کتابیں لکھتے اور کیوں شہرت دیتے؟ یہ ایک صاحب بصیرت کے سمجھنے کی بات ہے۔

اگر کسی بھی تاریخ میں اس کا تذکرہ نہ ہو تو کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے پھر بھی معجزہ شق القمر کا تذکرہ تاریخ فرشتہ میں موجود ہے۔

دیکھئے سورج تو چاند سے بہت بڑا ہے لیکن ہر وقت پورے عالم میں وہ بھی طلوع نہیں ہوتا کہیں رات ہوتی ہے کہیں دن ہوتا ہے۔ اس کے گرہن ہونے کی خبریں بھی چھپتی رہتی ہیں کہ فلاں تاریخ کو فلاں وقت فلاں ملک میں گرہن ہوگا۔ بیک وقت پورے عالم میں گرہن نہیں ہوتا اور جہاں کہیں گرہن ہوتا ہے وہاں بھی ہزاروں آدمیوں کو خبر نہیں ہوتی کہ گرہن ہوا تھا پہلے سے اخبارات میں اطلاع دے دی جاتی ہے۔

اس پر بھی سب کو علم نہیں ہوتا، اگر کسی سے پوچھو کہ تمہارے علاقہ میں کب گرہن ہوا اور کتنی بار ہوا تو پڑھے لکھے لوگ بھی نہیں بتاسکتے اور وہ کون سی تاریخ کی کتاب ہے جس میں تاریخ وار سورج گرہن ہونے کے واقعات لکھے ہوں جب آفتاب کے گرہن کے بارے میں زمین پر بسنے والوں کا یہ حال ہے تو چاند کا پھٹنا جو ایک ہی بار ہوا اور عرب میں ہوا اور عشاء کے وقت ہوا اور ذرا سی دیر کو ہوا اور اسی وقت دونوں ٹکڑے مل گئے اور یہ دنیا کی تاریخوں میں نہیں آیا تو یہ کون سی ایسی بات ہے جو سمجھ سے بالاتر ہو۔

بعض لوگوں نے خواہ مخواہ دشمنوں سے مرعوب ہو کر معجزہ شق القمر کا انکار کیا ہے اور یوں کہتے ہیں کہ اس سے قیامت کے دن واقع ہونے والا شق القمر مراد ہے۔

آیت کریمہ میں جو لفظ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ فرمایا ہے یہ ماضی کا صیغہ ہے تاویل کر کے اس کو خواہ مخواہ مستقبل کے معنی میں لینا بے جا تاویل ہے اور اتباع ہوی ہے۔ پھر اگر آیت قرآنیہ میں تاویل کر لی جائے تو احادیث شریفہ جو صحیح اسانید سے مروی ہیں

ان میں تو تاویل کی کوئی گنجائش ہے ہی نہیں۔

جس ذاتِ پاک جَلَّتْ قُدْرَتُہٗ کی مشیت اور ارادہ سے نفخ صور سبب شق القمر ہو سکتا ہے اس کی قدرت اور اذن سے قیامت سے پہلے بھی شق ہو سکتا ہے اس میں کیا بُعد ہے جو خواہ مخواہ تاویل کی جائے۔

عام الحزن ۱۰ھ نبوی کو عام الحزن غم کا سال کہا جاتا ہے کیونکہ چچا ابو طالب اور غم گسار اہلیہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا سال ہے۔ ابو طالب نے پہلے وفات پائی اور ان کے چند ہی روز بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی اس وقت ان کی عمر پینسٹھ سال تھی۔ مقام حجون میں (جو آج کل معلیٰ کے نام سے مشہور ہے) دفن کی گئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر میں اتر کر بنفس نفیس ان کا جنازہ سپرد خاک کیا اس وقت تک نماز جنازہ مشروع نہیں ہوئی تھی۔

آپ کے چچا ابو طالب آپ پر بہت مہربان تھے اور بہت زیادہ شفیق تھے۔ انہوں نے آپ کے دادا کی وفات کے بعد بڑی محبت کے ساتھ آپ کی پرورش بھی کی لیکن انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ آپ ان کی موت کے وقت ان کے پاس پہنچے وہاں مشرکین میں سے ابو جہل اور عبد اللہ بن أبی امیہ موجود تھے۔ آپ نے ابو طالب سے کہا کہ تم میرے سامنے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی گواہی دے دو تمہاری اس گواہی کے ذریعہ سے بارگاہِ الٰہی میں تمہاری مغفرت کے لئے سفارش کر سکوں گا۔ جب دونوں مشرکوں نے اسلام کی طرف ابو طالب کا میلان دیکھا تو کہنے لگے۔

یَا أَبَا طَالِبٍ اَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ؟

اے ابو طالب کیا تم عبد المطلب کے دین کو چھوڑ رہے ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برابر اپنی دعوت پیش کرتے رہے، دونوں مشرک جو حاضر تھے اپنی بات کہتے رہے۔ بالآخر ابو طالب نے آخری بات یہی کہی کہ میں عبد المطلب کے دین پر مرتا ہوں اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے سے انکار کر دیا۔ آپ

نے فرمایا کہ میں تمہارے لئے استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے منع نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت کریمہ مَاکَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ (التوبہ) اور دوسری آیت اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (القصص ۵۶) نازل فرمائی (پہلی آیت میں مشرکین کے لئے استغفار کرنے سے منع فرمادیا اور دوسری آیت میں فرمایا کہ اے نبیؐ آپ اپنی خواہش کے مطابق جسے چاہیں ہدایت دیں یہ آپ کی قدرت میں نہیں ہے لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دے۔)[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ والوں میں سب سے زیادہ ہلکے عذاب والا شخص ابو طالب ہے وہ (آگ کے) دو چپل پہنے ہوئے ہے جن کی وجہ سے اس کا دماغ کھولتا ہے۔[2]

البدایہ والنہایہ (ص ۱۲۵ ج ۳) میں ابوداؤد الطیالسی سے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب میرے والد ابوطالب کی وفات ہوگئی تو میں حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہؐ آپ کے چچا کی وفات ہوگئی فرمایا کہ جاؤ اسے دفن کردو میں نے عرض کیا کہ حالتِ شرک میں اس کی موت آئی فرمایا جاؤ اسے مٹی میں چھپا دو اور اس کے بعد کسی سے کوئی بات کئے بغیر میرے پاس آجانا۔ حکم کے مطابق میں آپؐ کے پاس حاضر ہوگیا تو آپؐ نے فرمایا کہ جاؤ غسل کرو۔ البدایہ والنہایہ میں بحوالہ ابوداؤد اور نسائی حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے کہ اس کے بعد آپؐ نے وہ وہ دعائیں دیں کہ ان کے عوض مجھے ساری زمین پر جو کچھ ہے اس کا لینا بھی منظور نہیں۔

قریش مکہ کا معاہدہ اور معاقدہ

جب قریش مکہ نے دیکھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت آگے بڑھ رہی ہے ان کا دین پھیل رہا ہے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے عمر بن خطاب

---

[1] صحیح بخاری ص ۱۸۱ و ۷۰۳ ۔ [2] صحیح مسلم ص ۱۱۰ ج ۱

اور حمزہؓ بن عبدالمطلب بھی مسلمان ہو چکے ہیں تو اب اس نئے دین سے چھٹکارے کا یہی راستہ ہے کہ جو شخص اس دین کو لے کر آیا ہے اسے قتل کر دیا جائے اس بارے میں انہوں نے عجیب پختہ مشورہ کر لیا تو مشرکین مکہ نے یہ طے کیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حامی بنو ہاشم اور حضرات صحابہؓ) ان کو ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم ان کو قتل کر دیں ورنہ ان سب لوگوں سے مکمل بائیکاٹ کر دیا جائے نہ ان سے کسی لڑکے یا لڑکی کا نکاح کا معاملہ کیا جائے نہ ان تک کھانے پینے کی کوئی چیز پہنچنے دی جائے نہ ان کے ہاتھ کچھ بیچا جائے نہ ان سے کچھ خریدا جائے۔

آپؐ کے چچا ابو طالب اور دوسرے بنی ہاشم نے (حالانکہ ان میں بہت سے مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے) آپ کو ان دشمنوں کے حوالہ کرنے پر راضی نہ ہوئے لہٰذا ان لوگوں نے ایک محضر نامہ (یعنی دستاویز) تیار کیا اور اس میں یہ لکھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پورے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب اور تمام مسلمانوں کا مکمل بائیکاٹ کیا جاتا ہے کوئی شخص نہ ان کے ہاتھ کچھ بیچے نہ ان سے کچھ خریدے نہ ان سے نکاح کئے جائیں اور نہ ان کے ہاتھ کھانے پینے کی کوئی چیز بالکل نہ جانے دیں۔ یہ مضمون لکھ کر ان لوگوں نے کعبہ شریف کے اندر چھت میں لٹکا دیا تاکہ سب لوگ اس کا احترام کریں کوئی بھی خلاف ورزی نہ کر سکے۔ منصور بن عکرمہ ایک آدمی تھا جس کے ہاتھ سے یہ دستاویز لکھی گئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں بددعا کر دی جس کی وجہ سے اس کے ہاتھ کی انگلیاں شل ہو کر رہ گئی تھیں۔

اس عہد نامہ پر عمل کرتے ہوئے مشرکین مکہ کوئی کھانے پینے کی چیز ان حضرات کے پاس نہیں جانے دیتے تھے ان میں سے کوئی شخص کوئی چیز نہیں خرید سکتا تھا، اور باہر سے جو لوگ کھانے پینے کا سامان لے کر آتے تھے اسے بھی وہاں تک نہیں جانے دیتے تھے بڑوں سے زیادہ بچوں کو تکلیف تھی بھوک کے مارے بچے روتے اور بلبلاتے تھے، دور تک ان کی آوازیں جاتی تھیں چھپ چھپا کر ذرا بہت کوئی کھانے پینے کی چیز ان حضرات تک پہنچ جاتی تھی تو کچھ کھا لیتے تھے۔

جب اس حالت پر تین سال گزر گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے کہا کہ اے چچا جان ان لوگوں نے جو عہد نامہ لکھ کر کعبہ شریف کی چھت پر لٹکایا تھا اسے دیمک کھا گئی ہے اور اس میں صرف اللہ کا نام باقی ہے (اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس عمل سے راضی نہیں اور یہ کہ جب معاہدہ کا کاغذ ختم ہو گیا تو وہ معاہدہ بھی ختم ہو گیا جو معاہدہ کے کاغذ میں لکھا گیا تھا)۔

یہ سن کر ابوطالب قریش مکہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ دیکھو میرے بھتیجے نے یہ بات کہی ہے اور اس نے کبھی بھی غلط نہیں کہا اور کبھی جھوٹی خبر نہیں دی، تم لوگ اس معاہدہ کے کاغذ کو نکال کر دیکھو ان لوگوں نے عہد نامہ کے کاغذ کو نکالا تو دیکھا کہ واقعی یہی بات ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خبر دی ہے وہ صحیح ہے۔ جب یہ بات سامنے آئی تو قریش کہنے لگے کہ یہ تو تمہارے بھتیجے کا جادو ہے۔ ان لوگوں کے جواب میں بنی عبدالمطلب کے بعض افراد نے مشرکین کو سمجھایا اور بتایا کہ ہم جادو کو کیا جانیں تم لوگوں نے جو قطع رحمی کر رکھی ہے یہ جادو کے قریب ہے[1] (یعنی جادوگر ایسی حرکتیں کیا کرتے ہیں) اس کے بعد شعب ابی طالب سے تو نکل گئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں سے دشمنی اور زیادہ تیز کر دی۔

البدایہ والنہایہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب قریش کے معاقدہ کے زمانے میں وہیں مصیبت کی جگہ میں ٹھہرے ہوئے تھے اور مصیبت میں مبتلا تھے اس موقعہ پر قریش کے چند افراد کو ان پر ترس آیا۔ ہشام بن عمرو موقع پا کر رات کے اوقات میں بنی ہاشم کے پاس (شعب ابی طالب میں) کھانے کے لئے کچھ نہ کچھ پہنچا دیا کرتا تھا۔ اس نے زہیر بن ابی امیہ سے کہا کہ کیا تمہارا دل یہ گوارا کرتا ہے کہ تم کھاتے پیتے اور پہنتے رہو اور تمہاری عورتوں کے رشتے بھی ہوتے رہیں اور تمہاری ننھیال کے لوگ (بنی ہاشم) مصیبت میں رہیں نہ ان کے ہاتھ کچھ بیچا جائے

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۸۴، ۸۵، ۸۶ ج ۳

نہ ان سے کچھ خرید اجائے نہ ان سے نکاح کیا جائے، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر یہ ابو الحکم بن ہشام یعنی ابو جہل کے ننھیال والے ہوتے اور اس سے مطالبہ کرتے کہ اپنے ننھیال والوں سے ایسا سلوک کر تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتا۔ زہیر نے کہا کہ میں کیا کرسکتا ہوں تنہا آدمی ہوں اگر کوئی میرے ساتھ ہوتا تو معاہدہ کو توڑ دیتا اور کاغذ کو ختم کر دیتا، ہشام نے کہا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں زہیر نے کہا ایک تیسرا بھی تلاش کرو۔ ہشام مطعم ابن عدی کے پاس گیا اور مطعم سے کہا کہ کیا تم اس پر خوش ہو بنی عبد مناف کے دو قبیلے ہلاک ہو جائیں اور تم قریش کی موافقت میں اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہو مطعم نے بھی یہی کہا کہ میں کیا کروں تنہا آدمی ہوں ہشام نے کہا کہ میں دوسرا ہوں اور زہیر تیسرا ہے مطعم نے کہا چوتھا شخص بھی تلاش کرو۔ اس کے بعد ابو البختری کو اپنے ساتھ ملایا پھر زمعہ بن اسود کو ساتھ ملایا یہ پانچ افراد ہو گئے انہوں نے کہا کہ حجون یعنی معلیٰ میں رات کو جمع ہوں گے اور اس بارے میں کوئی اقدام کریں گے رات کو معلیٰ میں جمع ہوئے پھر صبح کو زہیر نے کہا کہ میں بات کی ابتدا کرتا ہوں اوّل تو اس نے طواف کیا پھر قریشیوں سے خطاب کیا جو اپنی مجلسوں میں بیٹھے تھے کہ :

"اے مکّہ والو! ہم لوگ کھاتے پیتے اور کپڑے پہنتے ہیں اور بنو ہاشم ہلاک ہو رہے ہیں نہ وہ کوئی چیز خرید سکتے ہیں نہ فروخت کرسکتے ہیں اللہ کی قسم میں آج اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک مقاطعہ والے صحیفہ کو پھاڑ نہ دوں اس صحیفہ میں قطع رحمی بھی ہے ظلم بھی ہے۔"

اس وقت ابو جہل بھی مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا تھا وہ کہنے لگا کہ واللہ تُو اسے چاک نہیں کرسکتا۔ اس پر زمعہ نے کہا کہ اللہ کی قسم تُو سب سے بڑا جھوٹا ہے۔ یہ صحیفہ جب لکھا گیا تھا ہم اس سے راضی نہیں تھے ابو البختری نے کہا واقعی زمعہ نے سچ کہا ہماری رضامندی کے بغیر لکھا گیا ہے مطعم ابن عدی نے کہا تم دونوں نے سچ کہا اس کے علاوہ جو شخص کچھ کہتا ہے وہ جھوٹا ہے ہم اس صحیفہ سے جو کچھ اس میں لکھا گیا ہے سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔ ابو جہل نے کہا کہ سمجھ میں آگیا رات ان

باتوں کا شورہ ہوا ہے ابوطالب بھی مسجد کے گوشے میں بیٹھے تھے مطعم ابن عدی نے کھڑے ہو کر صحیفہ مذکورہ کو ہاتھ میں لیا تو دیکھا کہ اس کو دیمک نے کھا لیا ہے اس میں صرف اللہ کا نام باقی رہ گیا ہے بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے صحیفہ پر دیمک کو مسلط کر دیا ہے اس میں صرف اللہ کا نام باقی ہے ظلم اور قطع رحمی اور بہتان والی سب چیزیں دیمک نے کھالی ہیں۔ اب جب مطعم ابن عدی نے ہاتھ میں لیا اور دیمک کے کھانے کا علم ہوا تو آپ کی بات کی تصدیق ہوگئی۔ ابوطالب نے قریشیوں سے کہا تھا کہ دیکھو میرے بھائی کے بیٹے نے تمہارے صحیفے کے بارے میں ایسی ایسی خبر دی ہے چلو اس کو دیکھو اگر میرے بھتیجے کی خبر سچی نکلی تو ہماری قطع رحمی سے باز آ جاؤ اور اگر بات صحیح نہ نکلی (العیاذ باللہ) تو میں اپنے بھتیجے کو تمہارے سپرد کر دوں گا قریش اس بات پر راضی ہوگئے تھے پھر جب صحیفہ کو دیکھا تو آپ نے جو خبر دی تھی اس کے مطابق پایا لہٰذا صحیفہ پھاڑ دیا گیا اور بنو ہاشم مقاطعہ کی مصیبت سے نجات پا گئے۔ یہ ۱۰ نبوی کی بات ہے اسی سال میں ابوطالب کی اور حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوگئی۔[1]

صحیفہ مذکورہ گو قریش کے مشورہ سے لکھا گیا تھا۔ لکھا کس نے تھا اس بارے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ منصور بن عکرمہ نے لکھا تھا اور دوسرا یہ کہ نضر ابن حارث نے لکھا تھا جو بھی کاتب ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بددعا دے دی تھی جس کی وجہ سے اس کی انگلیاں شل ہوگئی تھیں۔[2]

طائف کا سفر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اُحد کی جنگ میں جو آپ کو مصیبت و تکلیف پہنچی کیا اس سے بڑھ کر بھی آپ پر کوئی مصیبت کا دن گذرا ہے؟ تو آپ نے فرمایا اُحد میں جو کچھ ہوا وہ تو ہوا ہی تھا اور جو مصیبت مجھے

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ص ۹۶،۹۵ ج ۳ ۔

[2] سیرت ابن ہشام ص ۳۷۷ ج ۱ ۔

اس دن پہنچی تھی جبکہ میں طائف سے واپس ہو رہا تھا ایسی مصیبت کبھی نہیں اٹھائی، جس کا مفصّل واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ابوطالب کے مرنے کے بعد اس امید پر تبلیغ کے لئے طائف تشریف لے گئے کہ قبیلہ ثقیف کے لوگ اسلام قبول کرلیں تو مسلمانوں کو ایک امن کی جگہ مل جائے گی اور مکّہ کی مصیبتوں سے چھٹکارا نصیب ہوگا جب آپؐ طائف پہنچے تو قبیلہ ثقیف کے تین سرداروں سے ملے جو آپس میں بھائی بھائی تھے ان سے آپؐ نے گفتگو فرمائی اور اللہ کے دین کی طرف بلایا اور اپنی مدد کی طرف متوجہ فرمایا اور قریش مکّہ کی بدسلوکی کا ذکر فرمایا۔ ان تینوں نے بجائے دین حق قبول کرنے کے آپ کو بُری طرح جواب دیا۔ عرب کی مشہور مہمان نوازی کا بھی خیال نہ کیا۔ ایک نے کہا۔ او ہو جناب ہی کو اللہ نے نبی بنا کر بھیجا ہے؟ دوسرا بولا تمہارے سوا کوئی اور اللہ کو نہ ملا جسے نبی بنا کر بھیجتا؟ تیسرے نے کہا۔ میں تم سے نہیں بولتا۔ کیونکہ اگر تم اپنے دعوے کے موافق نبی ہو تو تمہاری بات سے انکار کردینا مصیبت سے خالی نہیں اور اگر تم جھوٹے ہو تو میں جھوٹے سے بات نہیں کرتا!

چونکہ آپؐ ہمت و استقلال کے پہاڑ تھے اس لئے ان کی گفتگو سن کر ہمت نہ ہاری اور وہاں کے دیگر باشندوں سے گفتگو فرمائی مگر کسی نے بھی آپ کی بات قبول نہ کی اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ آپؐ سے کہا کہ ہمارے شہر سے فوراً نکل جاؤ اور جہاں تمہاری چاہت ہو وہاں چلے جاؤ۔ جب آپ ان سے ناامید ہوگئے تو واپس ہوتے ہوئے ان سے فرمایا اگر تم نے میری بات نہیں مانی تو میرے یہاں آنے اور اپنے جواب دینے کی خبر مکّہ والوں کو نہ پہنچانا مگر انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا اور آپؐ کے پیچھے لڑکوں اور غلاموں کو لگا دیا جو کہ آپؐ کو گالیاں دیتے رہے اور آپؐ کے پیچھے بے تحاشا چیختے چلاتے رہے۔

جب آپؐ واپس ہوئے تو طائف والے آپؐ کے راستہ میں دونوں طرف صفیں بنا کر بیٹھ گئے۔ آپؐ چلتے ہوئے جو بھی قدم اٹھاتے یا زمین پر رکھتے تو وہ آپؐ کے قدموں پر پتھر مارتے جاتے تھے حتیٰ کہ آپؐ کے مبارک قدم لہولہان ہوگئے

اور آپ کے مبارک جوتے بھی خون مبارک میں رنگ گئے۔

چلتے چلتے آپ (روحی فداہ وامی وآبائی) مقام قرن الثعالب میں پہنچے سر اٹھا کر دیکھا تو اوپر بادل نظر آیا جو آپ پر سایہ کئے ہوئے تھا۔ اس میں حضرت جبریل علیہ السلام نظر آئے اور انہوں نے آواز دے کر کہا کہ:

إِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ وَمَا رَدُّوْهُ عَلَيْكَ وَقَدْ بَعَثَ اللّٰهُ إِلَيْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ لِتَأْمُرَهُ بِمَا شِئْتَ فِيْهِمْ۔

یقیناً اللہ نے وہ سب کچھ سنا جو آپ کی قوم نے آپ کو جواب دیا اور جو انہوں نے بُرے الفاظ کہے اور اللہ نے آپ کے پاس پہاڑوں کے منتظم فرشتہ کو بھیجا ہے تاکہ آپ اس کو حکم دے کر ان لوگوں کو جو چاہیں سزا دلائیں۔

اس کے بعد ملک الجبال (پہاڑوں کے منتظم فرشتہ) نے آپ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ جو ارشاد فرمائیں تعمیل کے لئے حاضر ہوں، اگر ارشاد ہو تو طائف کے دونوں جانب کے پہاڑوں کو ملا دوں تاکہ ان سب کا چورا ہو جائے۔ آپ نے فرمایا:

بَلْ أَرْجُوْ أَنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهٗ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا۔

میں ان کو سزا دلانا نہیں چاہتا بلکہ اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ ان کی پشتوں سے ایسی اولاد پیدا فرما دے گا جو اللہ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے۔[1]

فَهَلْ نَظَرَتْ عَيْنٌ كَمِثْلِ مُحَمَّدٍ رَءُوْفًا عَلَى الْأَعْدَاءِ بَعْدَ التَّقَصُّرِ

طائف سے ہوتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک جگہ کھجور کے سایہ میں قیام فرمایا یہاں ربیعہ کے بیٹوں عقبہ اور شیبہ کا باغ تھا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مظلومیت کی حالت دیکھی تو اپنے غلام عداس سے کہا کہ یہ سامنے جو شخص بیٹھا ہے اسے یہ انگور دے آؤ۔ عداس نے آپ کے سامنے انگور رکھ دیئے آپ نے انگوروں کی طرف ہاتھ بڑھایا اور بسم اللہ پڑھ

---

[1] صحیح بخاری ص ۴۵۸ ۔ سیرت ابن ہشام الروض الانف

کرانگور کھانے شروع کئے۔ عداس نے آپ کی طرف خیرت سے دیکھا اور یہ کہنے لگا کہ یہ تو ایسی بات ہے جسے یہاں کے لوگ نہیں جانتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سوال فرمایا کہ تم کون ہو؟ کہاں کے رہنے والے ہو؟ تمہارا کیا دین ہے؟

عداس نے جواب دیا کہ میں عیسائی ہوں اور نینوی کا باشندہ ہوں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم مرد صالح یونس بن متی کے شہر کے باشندے ہو؟

عداس نے کہا: آپ کو کیا خبر ہے کہ یونس بن متی کون تھا اور کیسا تھا؟

آپ نے فرمایا: "وہ میرا بھائی ہے وہ بھی نبی تھا اور میں بھی نبی ہوں۔"

عداس یہ سنتے ہی جھک پڑا اور اس نے نبیؐ کا سر، ہاتھ، قدم چوم لئے۔

عقبہ و شیبہ نے دور سے غلام کو ایسا کرتے دیکھا اور آپس میں یہ کہنے لگے لو غلام تو خراب ہو گیا، ہاتھوں سے نکل گیا۔ جب عداس لوٹ کر اپنے آقا کے پاس گیا تو انہوں نے کہا: "کمبخت تجھے کیا ہو گیا تھا کہ اُس شخص کے ہاتھ پاؤں اور سر چومنے لگ گیا تھا؟"

عداس نے کہا آج اس شخص سے بہتر روئے زمین پر کوئی بھی نہیں۔ اس نے مجھے ایسی بات بتائی جو صرف نبی ہی بتا سکتا ہے۔[1]

آپ نے طائف سے واپسی پر بے چینی کے وقت اللہ تعالیٰ سے یہ دعا بھی کی:

اللّٰهم اليك اشكو ضعف قوتي وقلّة حيلتي وهواني على الناس يا ارحم الرّاحمين انت ربّ المستضعفين وانت ربّي الى من تكلني الى بعيد يتجهمني او الى عدو ملكته امري ان لم يكن علىّ غضبك فلا ابالي ولكن عافيتك هي اوسع لي اعوذ بنور وجهك الذي اشرقت له الظلمات وصلح عليه امر الدنيا

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۱۳۶ ج ۳

والآخرة من ان ينزل بي غضبك او يحل علي سخطك لك العتبى حتى ترضى ولا حول ولا قوة الا بك۔

یا الٰہی میں اپنی کمزوری، بے بسی اور بے سروسامانی اور لوگوں کی تحقیر کے بارے میں آپ سے فریاد کرتا ہوں۔ آپ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں اور آپ ضعیفوں کے رب ہیں اور میرے مالک ہیں۔ آپ مجھے کس کے سپرد فرما رہے ہیں کیا ایسے بے گانہ کی طرف جو مجھے بری طرح دیکھے یا ایسے دشمن کی طرف جس کو آپ نے مجھ پر قابو دے دیا ہے اگر آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں تو مجھے کسی کی کچھ پرواہ نہیں۔ آپ کی عافیت میرے لئے سب سے زیادہ وسیع ہے۔ میں آپ کی ذات کے نور کے ذریعہ اس بات سے پناہ چاہتا ہوں کہ مجھ پر آپ کا غضب ہو یا آپ کی ناراضگی مجھ پر نازل ہو آپ کی ذات کے نور سے سب تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں اور میں آپ ہی کی رضامندی کا خواہشمند ہوں اور مجھے آپ ہی کی خوشنودی درکار ہے اور برائیوں سے بچنے اور نیک کام کرنے کی طاقت آپ ہی کی طرف سے مل سکتی ہے[1]

طائف سے واپس ہو کر آپؐ نے مطعم ابن عدی کے پاس پیغام بھیجا کہ تم مجھے اپنی حمایت میں لے سکتے ہو تو لے لو۔ مطعم نے پناہ دینا منظور کر لیا اور حرم شریف کے پاس آکر زوردار آواز میں اعلان کیا کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دی ہے لہٰذا آپؐ حرم میں تشریف لائے اور امن و امان سے نماز ادا فرمائی[2]

حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ میں عداس کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے اَشْهَدُ اَنَّكَ عَبْدُ اللهِ وَرَسُوْلُهٗ پڑھا اور اسے صحابیت کا شرف نصیب ہوا۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۱۳۶ ج ۳ ۔ [2] البدایہ ص ۱۳۷ ج ۳

جنّات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا پھر واپس جا کر اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دینا!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول الثقلین تھے یعنی آپ انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور جنات کی طرف بھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنات بھی ایمان کے مکلف ہیں جس طرح بنی آدم میں کافر و مشرک اور مؤمن و مسلم ہیں اسی طرح جنات میں کافر بھی ہیں اور مشرک بھی نیک بھی ہیں اور بد بھی۔ سورۃ الاحقاف میں اور سورۃ الجن میں جنات کا خدمت عالی میں حاضر ہونا اور آپ سے قرآن مجید سننا مذکور ہے۔

علمائے حدیث نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات کی آبادی میں تشریف لے گئے اور انہیں احکام دینیہ کی تبلیغ فرمائی، محدثین کی اصطلاح میں اس کو لیلۃ الجن کہتے ہیں۔ حضرات محدثین کرام نے فرمایا ہے کہ لیلۃ الجن کا واقعہ چھ مرتبہ پیش آیا۔ ایک مرتبہ اس وقت جنات حاضر خدمت ہوئے جب آپ طائف سے واپس ہو کر مقام نخلہ میں رات گذاری اور وہاں نماز فجر ادا فرمائی۔ جنات نے آپ کی تلاوت سنی اور اپنی قوم کے داعی بن کر چلے گئے۔

معالم التنزیل ص ۴، ج ۴ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ جنات کو تبلیغ کریں، انہیں ایمان لانے کی دعوت دیں اور قرآن سنائیں، پھر اللہ تعالیٰ نے نینوا بستی کے رہنے والے جنات میں سے ایک جماعت کو آپ کے پاس بھیج دیا۔ آپ تشریف لے جانے لگے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ساتھ چلے گئے یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم چلتے چلتے شعب الحجون پہنچ گئے (المعلیٰ کے علاقہ کا پرانا نام الحجون ہے) وہاں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خط کھینچ کر میرے لئے جگہ تجویز فرما دی اور ارشاد فرمایا کہ میرے واپس آنے تک اسی جگہ رہنا، آپ مجھے چھوڑ کر آگے تشریف لے گئے وہاں قرآن کریم پڑھنا شروع کیا۔ آپ کے آس پاس گدھوں جیسی

چیزیں جمع ہوگئیں اور میں نے طرح طرح کی سخت آوازیں سنیں، یہاں تک کہ مجھے آپؐ کی جان کا خطرہ ہوگیا۔ آپؐ کی آواز بھی مجھ سے اوجھل ہوگئی پھر میں نے دیکھا کہ وہ لوگ بادلوں کے ٹکڑوں کی طرح واپس جارہے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فارغ ہوکر فجر کے بعد تشریف لائے اور فرمایا کیا تمہیں نیند آگئی تھی میں نے عرض کیا کہ مجھے نیند کیا آتی مجھے تو آپ کی جانِ عزیز کا خیال آرہا تھا بار بار خیال ہوا کہ میں لوگوں کو بلاؤں تاکہ آپؐ کا حال معلوم کریں فرمایا اگر تم اپنی جگہ سے چلے جاتے تو اس کا کچھ اطمینان نہیں تھا کہ ان میں سے تمہیں کوئی اچک لیتا، پھر فرمایا کیا تم نے کچھ دیکھا۔ عرض کیا کہ میں نے کالے رنگ کے لوگوں کو دیکھا جو سفید کپڑے لپیٹے ہوئے تھے آپؐ نے فرمایا کہ یہ شہر نصیبین کے جنات تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہمارے لئے کچھ بطور خوراک تجویز فرمادیجئے لہٰذا میں نے ان کے لئے ہڈی اور گھوڑے وغیرہ کی لید، نیز اونٹ اور بکری وغیرہ کی مینگنی تجویز کردی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ان چیزوں سے ان کا کیا کام چلے گا؟ فرمایا وہ جو بھی کوئی ہڈی پائیں اس پر اتنا ہی گوشت ملے گا جتنا اس دن تھا جس دن اس سے گوشت چھڑایا گیا، اور جو بھی لید پائیں گے انہیں اس پر وہ دانے ملیں گے جو جانوروں نے کھائے تھے (جن کی لید بن گئی تھی) میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں نے سخت آوازیں سنیں یہ کیا بات تھی؟ فرمایا جنات میں ایک قتل ہوگیا تھا وہ اسے ایک دوسرے پر ڈال رہے تھے وہ میرے پاس فیصلہ کرانے کے لئے آئے تھے میں نے ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کردیا۔

بعض روایات میں ہے کہ ہڈی کو جنات کی خوراک اور مینگنی کو ان کے جانوروں کی خوراک تجویز کیا اور اس کی وجہ سے ان سے استنجا کرنے کی ممانعت فرمادی۔

ایک روایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان یوں بھی نقل کیا گیا ہے کہ لیلۃ الجن کی صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا کی طرف سے تشریف لائے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم رات بھر آپ کو ڈھونڈتے پھرے آپؐ سے ملاقات نہ ہو سکی فکر اور غم میں ہم نے پوری رات گزاری آپؐ نے فرمایا کہ جنات کی طرف سے

ایک بُلانے والا میری طرف آیا تھا میں اس کے ساتھ چلا گیا اور ان کو قرآن مجید سنایا

سورۃ الاحقاف میں فرمایا:

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (۲۹، ۳۰، ۳۱)

ترجمہ: "اور جب ہم نے آپ کی طرف جنّات کی ایک جماعت کو پھیر دیا جو قرآن سننے لگے سو جب یہ لوگ قرآن کے پاس حاضر ہوئے تو کہنے لگے کہ چپ رہو۔ پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر چلے گئے، کہنے لگے اے ہماری قوم بے شک ہم نے ایسی کتاب سنی ہے جو موسیٰؑ کے بعد نازل کی گئی ہے۔ وہ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے تھیں، وہ حق کی طرف اور سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دینے والی ہے اے ہماری قوم اللہ کی طرف بلانے والے کی بات مان لو اور اس پہ ایمان لے آؤ اللہ تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا اور تمہیں سخت عذاب سے بچا دے گا۔[1]

کیا جنّات میں سے رسول آئے ہیں؟

سورہ انعام کی آیت شریفہ میں جو انسانوں اور جنّات کی جماعت کو خطاب کرتے ہوئے اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ فرمایا ہے۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنّات میں بھی رسول انہی میں سے آتے رہے ہیں کیونکہ یہ خطاب انسانوں اور جنّوں دونوں

[1] جنّات نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور توریت شریف کا جو ذکر کیا اس سے بعض مفسرین نے یہ بات ثابت کی ہے کہ یہ جنّات جنہوں نے آپ سے قرآن مجید سنا پھر واپس ہو کر اپنی قوم کو دینِ اسلام کی دعوت دی یہ لوگ یہودی تھے نیز یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت جنّات کی طرف بھی تھی۔

جماعتوں کو فرمایا ہے۔

حضرات مفسرین نے اس بارے میں علماء سلف کے مختلف اقوال نقل کئے۔ مفسر ابن کثیرؒ نے (ص۱۷۲ ج۲) بحوالہ ابن جریر ضحاک بن مزاحم سے نقل کیا ہے کہ جنات میں بھی رسول گذرے ہیں اور لکھا ہے کہ ان کا استدلال اسی آیت کریمہ سے ہے پھر لکھا ہے کہ آیت اس معنی میں صریح نہیں ہے ہاں محتمل ہے۔ کیونکہ مِنْكُمْ کا معنی من جملتکم بھی ہو سکتا ہے جس کا معنی ہوگا کہ مجموعہ انس وجن سے رسول بھیجے گئے جیسا کہ سورہ رحمٰن میں فرمایا ہے يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ (۲۲) اس میں مِنْهُمَا کی ضمیر بحرین کی طرف راجع ہے۔ حالانکہ لؤلؤ اور مرجان صرف شور سمندر سے نکلتے ہیں۔ اس اعتبار سے مِنْهُمَا بمعنی من جملتھما ہوا اور رُسُلٌ مِّنْكُمْ سے بھی یہ معنی مراد لئے جاسکتے ہیں۔

مفسر ابن کثیرؒ نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ جنات میں رسول نہیں آئے اور اس قول کو مجاہد اور ابن جریج وغیر واحد من الائمۃ من السلف والخلف کی طرف منسوب کیا ہے اور روح المعانی (ص۲۸ ج۸) میں بعض حضرات کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رُسُلٌ مِّنْكُمْ میں جو لفظ رُسُل آیا ہے یہ لفظ عام ہے یعنی حقیقی رسولوں کو اور رسولوں کے رسولوں کو شامل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو حضرات اللہ کے رسول تھے (صلی اللہ علیہم وسلم) وہ اپنے طور پر دین حق کے پہنچانے کے لئے جن افراد کو امتوں کے پاس بھیجا کرتے تھے ان کو بھی رسول فرمایا یعنی جنات کی طرف جنات میں سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جو مبلغ بھیجا کرتے تھے ان پر یہ لفظ رسولوں کا فرستادہ ہونے کے اعتبار سے صادق آتا ہے رسول تو بنی آدم ہی میں سے تھے لیکن رسولوں کے ارسال فرمودہ نمائندے جنات میں سے بھی تھے۔

یہ تو معلوم ہے کہ بنی آدم سے پہلے اس دنیا میں جنات رہتے اور بستے تھے اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ قوم بھی احکام خداوندی کی مکلف ہے۔ جب یہ قوم مکلف ہے تو تبلیغ احکام کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس رسول نہ بھیجے ہوں سمجھ میں نہیں آتا بلکہ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ کا عموم اس بات کو بتاتا ہے کہ بنی آدم سے پہلے

(الفاطر: ۲۴)

جنات میں انہیں میں سے رسول آتے ہوں گے۔

بنی آدم کے زمین پر آباد ہو جانے کے بعد جنات کو انہیں انبیاء و رسل کے تابع فرما دیا ہو جو بنی آدم میں سے آتے رہے تو یہ ممکن تو ہے لیکن قطعی ثبوت کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ سورۃ الجن کے ابتداء میں فرمایا:

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۙ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۙ (۱،۲،۳)	آپ فرما دیجئے کہ میرے پاس یہ وحی آئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے میری طرف بات سننے کے لئے دھیان دیا۔ پھر انہوں نے کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت کا راستہ بتاتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے رب کے ساتھ ہرگز کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔

جو جنات ایمان لے آئے سورۃ الاحقاف میں ان کا اجر و ثواب یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرما دے گا اور عذاب سے محفوظ فرما دے گا اس میں داخلہ جنت کا ذکر نہیں ہے چونکہ مؤمن جنات کے جنت میں داخل ہونے کا کسی آیت کریمہ میں واضح اور صریح تذکرہ نہیں ہے اور کوئی حدیث مرفوع صحیح صریح بھی اس بارے میں نہیں ملتی اس لئے مسئلہ اختلافی ہو گیا ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کے ایمان کا صلہ بس یہی ہے کہ دوزخ سے محفوظ کر دیے جائیں اور ان سے کہہ دیا جائے گا کہ مٹی ہو جاؤ جیسا کہ جانوروں کے لئے یہی ارشاد ہوگا لہٰذا وہ مٹی ہو جائیں گے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں توقف فرمایا ہے جنت میں داخل ہونے نہ ہونے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حبشہ کو ہجرت جب مشرکین مکہ نے بہت زیادہ ستایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت اور مشورہ سے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ معظمہ چھوڑ کر حبشہ چلے

گئے، حبشہ مکہ معظمہ سے قریب ترین ملک ہے اس وقت وہاں کا بادشاہ نصرانی تھا۔ وہ اس کا خیال رکھتا تھا کہ میری حکومت میں کسی پر ظلم نہ ہو، چنانچہ تراسی ۸۳ افراد نے مکہ معظمہ سے حبشہ کو ہجرت کی ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد حضرت عثمان بن عفان بھی تھے اور ان کے ساتھ ان کی اہلیہ رُقیہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی) بھی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوط علیہ السلام کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جس نے اللہ کے لئے ہجرت کی ہے ان ہجرت کرنے والوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے وہ زمانہ پاسپورٹ اور ویزے کا تو تھا نہیں وہاں پہنچ گئے اور رہنے لگے اور مشرکین مکہ کی طرف سے جو تکلیفیں پہنچتی تھیں ان سے نجات پائی۔

یہ حضرات حبشہ پہنچ کر امن وامان اور خیریت سے رہنے لگے لیکن کفار مکہ نے وہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا، انہوں نے دو آدمی عبداللہ بن ابی ربیعہ (اور بعض روایات میں عمارہ بن الولید آیا ہے) اور عمرو بن العاص کو اس مقصد کے لئے بھیجا کہ جو صحابہ حبشہ میں آکر بس گئے ہیں وہاں سے ان کو واپس لائیں۔ یہ دونوں گئے اور نجاشی (شاہ حبشہ) اور وہاں کے نصاریٰ کے بڑے بڑے پادریوں کے لئے بہت سے تحفے لے گئے (یاد رہے کہ یہ دونوں آدمی جنہیں بھیجا گیا تھا اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے بعد میں مسلمان ہوگئے) مشرکین مکہ نے اپنے دونوں قاصدوں کو اچھی طرح سمجھا بجھا کر بھیجا کہ پہلے وہاں کے ہر پادری کو ہدیہ دینا اس کے بعد نجاشی کے پاس جانا اور اس کو ہدیے پیش کرنا پھر اس سے کہنا کہ اے بادشاہ ہمارے شہر مکہ میں رہنے والے لوگوں میں سے کچھ ناسمجھ لڑکے یہاں آگئے ہیں انہوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا اور نیا دین نکالا ہے اس نئے دین کو نہ آپ جانتے ہیں نہ ہم پہچانتے ہیں اور ان لوگوں نے آپ کا دین بھی قبول نہیں کیا ہماری قوم کے بڑے بڑے لوگوں نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے کہ ان کو ہمارے ساتھ واپس بھیج دیں۔ ان دونوں نے حبشہ پہنچ کر مشرکین مکہ کی نصیحت کے مطابق عمل کیا۔

نجاشی (شاہ حبشہ) ان کی باتیں سن کر غصہ میں بھر گیا اور اس نے کہا کہ اللہ کی قسم میں ایسا نہیں کر سکتا کہ انہیں تمہارے حوالے کر دوں انہوں نے میرا پڑوسی ہونا میرے شہروں میں رہنا اختیار کیا ہے اور میرے علاوہ دوسرے بادشاہوں کو چھوڑ کر مجھے ترجیح دی ہے۔ میں انہیں بلاتا ہوں۔ اس سے پوچھوں گا کہ دیکھو یہ دونوں آدمی تمہارے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں اگر انہوں نے وہی بات کہی جو یہ کہہ رہے ہیں تو ان کے سپرد کر دوں گا اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور بات ہوئی تو میں ان کی حفاظت کروں گا اور پڑوسی ہونے کی حیثیت سے ان کے ساتھ اچھا سلوک کروں گا۔

اس کے بعد اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو بلوایا جب اس کا ایلچی (قاصد) پہنچا تو ان حضرات نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ طے کیا کہ ہم وہی بات کہیں گے جو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہے آگے جو کچھ ہونا ہو گا ہو جائے گا۔

یہ حضرات نجاشی کے پاس پہنچے اس نے پہلے سے عیسائی پادریوں کو بلا رکھا تھا جو صحیفے کھولے ہوئے بیٹھے تھے۔ ان حضرات سے دریافت کیا کہ یہ کیا دین تھا جس کو چھوڑ کر تم اپنی قوم سے جُدا ہوئے اور نہ میرے دین میں داخل ہوئے اور نہ اور کسی دین کو اختیار کیا؟ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اے بادشاہ ہم لوگ جاہلیت میں پھنسے ہوئے تھے بُتوں کی پوجا کرتے تھے مردار کھاتے تھے، فحش کام کرتے تھے قطع رحمی کرتے تھے ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کو تکلیف پہنچاتا تھا اور جو قوی ہوتا تھا وہ ضعیف کو ہڑپ کر لیتا تھا۔ ہمارا یہی رنگ ڈھنگ تھا کہ اللہ تعالےٰ نے ہمیں میں سے ایک رسول بھیجا جس کے نسب کو اور سچائی کو اور امانت داری کو اور پاکبازی کو ہم جانتے ہیں اس رسول نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ احکام بتائے تاکہ ہم اس کو وحدہٗ لاشریک مانیں اور اس کی عبادت کریں اور جو کچھ ہم نے اور ہمارے باپ دادوں نے پتھروں اور بُتوں کو معبود بنا رکھا تھا اس کو چھوڑیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ بھی حکم دیا کہ ہم سچ بولیں، امانت ادا کریں صلہ رحمی کریں، پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں، حرام چیزوں سے اور ناحق قتل کرنے سے دور رہیں انہوں نے ہمیں فحش باتوں اور فحش کاموں سے اور جھوٹی باتوں سے اور یتیم کا مال کھانے سے اور پاک عورتوں کو تہمت لگانے سے منع فرمایا اور ہمیں نماز کا اور روزے رکھنے کا حکم دیا (اس وقت یہ نفلی کام تھے بعد میں فرائض کے احکام میں نازل ہوئے) لہٰذا ہم نے اس رسول کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لے آئے اور اس نے جو کچھ فرمایا اور بتایا اس پر عمل کرنے لگے ہم نے توحید کو اختیار کرلیا اور شرک سے دور ہو گئے۔

جب ہم لوگوں نے سچا دین اختیار کرلیا تو ہماری قوم کے لوگ ہم سے ناراض ہو گئے، ہم پر ظلم و زیادتی کرنے لگے ہمیں طرح طرح کی تکلیفیں دیں اور سچے دین سے ہٹانے کے لئے ہم پر زور ڈالنے لگے تاکہ ہم پھر سے بتوں کی عبادت کرنے لگیں اور برے اعمال کرنے لگیں اور خبیث چیزیں کھانے لگیں۔

جب ان لوگوں نے ہم پر ظلم کیا اور بہت زیادہ زیادتی کی اور ہم پر جینا تنگ کردیا اور اس کوشش میں لگ گئے کہ ہمیں دین حق سے ہٹادیں تو ہم آپ کے شہروں میں آگئے اور ہم نے دوسرے بادشاہوں پر آپ کو ترجیح دی اور آپ کے پڑوس میں رہنا منظور کیا اس امید پر کہ ہم آپ کے پاس امن و امان کے ساتھ رہیں گے ہم پر کوئی ظلم نہ کیا جائے گا۔

یہ سب باتیں سن کر نجاشی نے کہا کہ اچھا تمہارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو کچھ نازل ہوا ہے اس میں سے تمہیں کچھ یاد ہے۔ حضرت جعفر نے کہا کہ ہاں ہمارے پاس محفوظ ہے۔ نجاشی نے کہا تو کچھ مجھے سناؤ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کا شروع سے پڑھنا شروع کیا (یہ موقعہ شناسی کی بات ہے کہ چونکہ نجاشی نصرانی یعنی عیسائی تھا اس لئے اسے قرآن مجید میں سے حضرت مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہی کا ذکر سنانا وقت کا تقاضا تھا) جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے

سورۂ مریم پڑھنا شروع کیا تو نجاشی نے زار و قطار رونا شروع کر دیا اس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی اور اس کے پاس جو نصرانی دین کے علماء موجود تھے وہ جو اپنی کتابیں کھولے ہوئے بیٹھے تھے رو رو کر انہوں نے ان کتابوں کو بھی تر کر دیا نجاشی نے کہا کہ یہ اور وہ کتاب جو عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے یہ دونوں ایک ہی طاقچہ سے نکل رہے ہیں یعنی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ پھر مکہ والوں کے بھیجے ہوئے دونوں قاصدوں سے کہا کہ تم چلے جاؤ اللہ کی قسم میں ان لوگوں کو تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔

جب مکہ والوں کے دونوں قاصدوں نے یہ ماجرا دیکھا اور اپنا سا منہ لے کر نجاشی کے دربار سے باہر نکلے عمرو بن العاص نے کہا کہ میں کل کو ایسی تدبیر کروں گا کہ ان لوگوں کو جو ہری بھری جگہ مل گئی ہے یہاں سے نکلنا پڑے گا۔ عبداللہ بن ربیعہ نے کہا کہ ایسا نہ کرو آخر یہ اپنے ہی رشتہ دار اور عزیز و قریب ہیں اگرچہ دین میں ہمارے مخالف ہو گئے ہیں لیکن عمرو بن العاص نہ مانا صبح کو پھر نجاشی کے دربار میں گیا اور کہا کہ اے بادشاہ یہ لوگ عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں بہت ہی زیادہ غلط بات کہتے ہیں ان کو بلا کر آپ پوچھئے کہ عیسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں آپ کا کیا عقیدہ ہے۔ نجاشی نے ان کو بلوایا انہوں نے آپس میں کہا کہ عیسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں کیا بتاؤ گے پھر آپس میں یہی طے ہوا کہ ہم وہی کہیں گے جو اللہ نے فرمایا اور ہمارے نبیؐ نے بتایا آگے جو ہونا ہو گا ہو جائے گا جب یہ لوگ نجاشی کے پاس پہنچے تو اس نے ان حضرات سے پوچھا کہ عیسیٰ بن مریم کے بارے میں تم کیا کہتے ہو۔ حضرت جعفرؓ نے جواب میں فرمایا ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بتایا وہ یہ ہے کہ عیسیٰ اللہ کا بندہ ہے اور اس کا رسول ہے اور اس کی روح ہے (جو اس نے مریم کی طرف بھیجی) اور اس کا کلمہ ہے جو اس نے مریم کی طرف بھیجا جو بالکل کنواری تھی اور مردوں سے بچ کر رہنے والی تھی۔

یہ سن کر نجاشی نے زمین پر اپنا ہاتھ مارا اور ایک چھوٹا سا لکڑی کا ٹکڑا اٹھایا اور

کہا اللہ کی قسم عیسیٰ ابن مریم بالکل ایسے ہی تھے جیسے انہوں نے بیان کیا ان کی شخصیت اس بیان سے اتنی بھی آگے نہ تھی جتنی میرے ہاتھ میں لکڑی ہے۔

چونکہ نصاریٰ میں یہ عقیدہ چلا آرہا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اس لئے پادری لوگ جو وہاں موجود تھے ان کو بہت ناگوار گزرا نجاشی نے کہا کہ بات یہی ہے جو انہوں نے کہی ہے اگر چہ تم کتنا ہی ناک بھوں چڑھاؤ۔ اس کے بعد نجاشی نے صحابہؓ سے کہا کہ آپ لوگ جائیے میری سرزمین میں امن چین کے ساتھ رہیئے جو شخص تمہیں برا کہے گا اسے سزا بھگتنی ہوگی مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ مجھے سونے کا پہاڑ مل جائے اور تمہیں کوئی تکلیف پہنچ جائے۔

نجاشی نے یہ کہا اور مکہ والوں کے دونوں قاصدوں کے ہدایا واپس کر دیئے اور کہا کہ اللہ نے جب میرا ملک مجھے واپس کیا تو مجھ سے کوئی رشوت نہیں لی اب میں اللہ کے دین کے بارے میں رشوت کیسے لے سکتا ہوں؟ مجھے لوگوں کو راضی رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں جب یہ ماجرا پیش آیا تو دونوں آدمی (مکہ والوں کے قاصد) بری طرح بدحالی کی صورت میں واپس آگئے۔

حضرات صحابہؓ جو ہجرت کر کے گئے تھے وہ سب وہاں امن وامان اور خیر و خوبی کے ساتھ رہنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد یہ خبر پہنچی کہ مکہ والے مسلمان ہوگئے ہیں اس لئے بعض صحابہ واپس مکہ معظمہ آگئے اور بعض صحابہ وہیں حبشہ میں رہتے رہے جب حبشہ چھوڑ کر آنے والے حضرات مکہ معظمہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ خبر جھوٹی تھی اور یہاں مسلمانوں پر اور زیادہ سختی ہورہی ہے۔ پھر ان میں سے بعض حضرات واپس حبشہ چلے گئے اور بعض حضرات مکہ معظمہ ہی میں رہ گئے اور مصیبتیں برداشت کرتے رہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیقؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ کو ہجرت فرما گئے اور پیچھے سے اکثر صحابہ بھی مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ بعض ضعفاء اور عورتیں بچے رہ گئے تھے ۷ھ میں جب آپ فتح خیبر کے لئے تشریف لے گئے اور ابھی خیبر ہی میں تھے کہ حبشہ میں جو حضرات مقیم تھے وہ وہیں خیبر میں جا کر آپؐ سے مل

لئے پہلے تو وہ مدینہ منورہ آئے جب معلوم ہوا کہ آپ یہاں تشریف نہیں رکھتے خیبر تشریف لے گئے ہیں تو یہ حضرات بھی خیبر پہنچ گئے آپ نے ان حضرات کو بھی مالِ غنیمت میں سے حصّہ دیا۔

اب سورۃ المائدہ کی آیات ذیل مع ترجمہ پڑھیئے:

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ	ان کی آنکھوں کو اشکبار دیکھیں گے
تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ	حق کے پہچاننے کی خوشی میں وہ کہتے
مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا	ہیں کہ اے رب ہم ایمان لائے ہمیں
مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا	بھی اس کے گواہوں میں لکھ لیجیئے
فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ۔	اور ہم کیوں نہ اللہ پر ایمان لائیں اور
وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا	جو ہمارے پاس حق آیا ہے ہم اس
جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ	کے آرزومند ہیں کہ ہمارا رب ہمیں
يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ	صالحین کے ساتھ جنّت میں داخل
الصّٰلِحِيْنَ۔ فَاَثَابَهُمُ	کرے گا تو اللہ نے ان کی طلب کے
اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِىْ	مطابق انہیں جنتوں میں داخل کیا جن
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ	کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ اس
فِيْهَا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ۔	میں ہمیشہ رہیں گے اور نیکوکاروں کا
(المائدہ ۸۲ - ۸۵)	یہی بدلہ ہے۔

مفسرین کا بیان ہے کہ یہ آیات حبشہ کے نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئیں بعض حضرات کا فرمانا ہے کہ حضرات صحابہؓ جب ہجرت کرکے حبشہ پہنچے اور بادشاہ کے دربار میں حضرت جعفرؓ نے بیان دیا اور سورۂ مریم پڑھ کر سنائی۔ اس سے متاثر ہو کر شاہی دربار کے لوگ رو پڑے تھے، ان آیات میں ان کا ذکر ہے لیکن بعض مفسرین نے اس کو تسلیم نہیں کیا ان حضرات کا فرمانا ہے کہ سورۂ مائدہ مدنی ہے جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی اور ہجرت حبشہ کا واقعہ مکہ معظمہ کے قیام ہی میں پیش

آیا تھا لہٰذا یہ آیات دربار کے ابتدائی حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کی ملاقات سے متعلق نہیں ہوسکتیں۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جب حضرت جعفرؓ حبشہ سے واپس ہونے لگے تو نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک وفد بھیجا جو ساٹھ افراد پر مشتمل تھا، وفد کے اراکین میں نجاشی کا بیٹا بھی تھا۔

نجاشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی خدمت میں تحریر کیا کہ یارسول اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالےٰ کے سچے رسول ہیں اور میں نے آپ کے چچا کے بیٹے کے ہاتھ پر آپ سے بیعت کرلی اور میں نے اللہ تعالےٰ کی اطاعت قبول کرلی میں آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے کو بھیج رہا ہوں اور اگر آپ کا فرمان ہو تو میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاؤں والسلام علیک یارسول اللہ!

نجاشی کا بھیجا ہوا یہ وفد کشتی میں سوار تھا لیکن یہ لوگ سمندر میں ڈوب گئے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جن کی تعداد ستر تھی دوسری کشتی پر سوار ہوئے تھے یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے ان میں بہتر حضرات حبشہ کے اور آٹھ آدمی شام کے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وصحبہٖ وسلم نے اوّل سے آخر تک سورۂ یٰسٓ سنائی۔ قرآن مجید سن کر یہ لوگ رونے لگے اور کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے اور یہ جو کچھ ہم نے سنا ہے یہ بالکل اس کے مشابہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام پر نازل ہوتا تھا۔ اس پر اللہ جل شانہٗ نے آیت کریمہ " وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى " نازل فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آیت بالا نجاشی کے بھیجے ہوئے وفد کے بارے میں نازل ہوئی۔[1]

نصاریٰ نجران کا اسلام قبول کرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت کا کام جاری تھا مشرکین مکہ کی مخالفت اور دشمنی اور ایذا رسانی کے باوجود اسلام

---

[1] معالم التنزیل ص ۵۶، ۵۷ ج ۲

پھیل رہا تھا جو لوگ باہر سے آکر مسلمان ہوئے ان میں نجران کے نصاریٰ کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں تشریف رکھتے تھے کہ بیس افراد کے لگ بھگ نصاریٰ کی جماعت حاضر خدمت ہوئی ان لوگوں کو آپؐ کی بعثت کی اطلاع حبشہ سے آنے جانے والی خبروں کے ذریعہ پہنچی تھی۔ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے کچھ سوالات کئے۔ جب آپؐ نے ان کے سوالات کے جوابات دے دیے تو آپؐ نے انہیں دین اسلام کی دعوت دی اور قرآن شریف پڑھ کر سنایا۔ قرآن سنا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپؐ کی تصدیق کی اور آپؐ پر ایمان لائے اور انہوں نے یہ مان لیا کہ ان کی کتابوں میں جو آخری نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دی گئی ان کے بیان کردہ اوصاف آپ میں پوری طرح موجود ہیں۔

جب آپؐ کی خدمت سے رخصت ہو کر روانہ ہونے لگے تو ابوجہل اور اس کے چند ساتھی ان کی طرف آگے بڑھے اور ان سے کہا کہ تم تو بڑے خراب مسافر نکلے تمہارے دین والوں نے تمہیں اس لئے بھیجا تھا کہ تم اچھی طرح اس شخص کی خبر لے کر واپس پہنچو ابھی تم ٹھیک سے بیٹھے بھی نہ تھے کہ تم نے اپنا دین چھوڑ دیا اور اس آدمی کی تصدیق کر دی ہم نے کوئی ایسا مسافر نہیں دیکھا جو تم سے بڑھ کر احمق ہو یہ سن کر نجران سے آنے والے نئے مسلمانوں نے جواب میں کہا:

سلام علیکم لا نجاھلکم لنا ما نحن علیہ ولکم ما انتم علیہ لم نأل انفسنا خیراً ۔

(تم اپنی جگہ خوش رہو ہم تمہاری جہالت کا جواب نہیں دیتے۔ ہمیں اپنے دین پر چلنے کا ثواب ملے گا اور تمہیں تمہارے دین پر چلنے کا بدلہ ملے گا۔ ہم نے جو کچھ کیا سوچ سمجھ کر کیا اور اپنے حق میں خیر کو اختیار کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً
(النساء: ۱۰۰)

*

ہجرت کی ضرورت اور اہمیت

غیر دینی ماحول میں رہنے والوں کو تنبیہ

اور

مہاجرین کے لئے

مدد کے وعدے

*

ہجرت کی مشروعیت اور اہمیت
اور
احوال حاضرہ کے مطابق اس کے احکام

ابتدائے اسلام میں جبکہ مکہ معظمہ میں مسلمانوں کا رہنا دوبھر تھا اور احکام شرعیہ پر عمل نہیں کر سکتے تھے اور مدینہ منورہ امن و امان کی جگہ نصیب ہوگئی تھی اس وقت اہل مکہ کو اور جو لوگ دوسرے علاقوں میں رہتے تھے ان پر ہجرت کرنا فرض تھا۔ پھر جب مکہ معظمہ فتح ہوگیا تو ہجرت کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا ھجرۃ بعد الفتح (کہ مکہ فتح ہونے کے بعد ہجرت فرض نہ رہی) اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ولکن جہاد ونیۃ (لیکن جہاد اور نیت باقی ہے)

وإذا استنفرتم فانفروا[1]

اور جب تمہیں فی سبیل اللہ نکلنے کا حکم دیا جائے تو نکل کھڑے ہو۔

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے:

"الجہاد واجب علیکم مع کل أمیر، برًّا کان أو فاجرًا والصلاۃ واجبۃ علیکم خلف کل مسلم، برًّا کان أو کان فاجرًا، وإن عَمِلَ الکبائر، والصلاۃُ واجبۃ علی کل مسلم، برًّا کان او فاجرًا، وإن عمل الکبائر[2]"

ترجمہ: جہاد تم پر واجب ہے ہر امیر کے ساتھ نیک ہو یا بد ہو، اور نماز باجماعت واجب ہے تم پر ہر مسلمان کے پیچھے نیک ہو یا بد، ہو اگرچہ کبیرہ گناہ کرتا ہو، اور ہر مسلمان کی نماز جنازہ واجب ہے نیک ہو یا بد ہو، اگرچہ کبیرہ گناہ کرتا ہو۔

---

[1] رواہ البخاری ومسلم۔ [2] رواہ ابوداؤد۔

رہی ہجرت کی بات تو ہجرت ہمیشہ اور ہر وقت اور ہر علاقہ میں فرض نہیں ہوتی البتہ مؤمن بندوں پر لازم ہے کہ یہ نیت رکھیں کہ جب بھی دینی تقاضوں کی وجہ سے وطن چھوڑنا پڑے گا تو چھوڑ دیں گے، ہر شخص غور کرے کہ کس ملک میں ہے کس حال میں ہے اسلامی احکام پر چل سکتا ہے یا نہیں یا دینی احکام پر عمل کرنے میں کچھ رکاوٹیں ہیں ہر جگہ حالت یکساں نہیں رہتی، احوال بدلتے رہتے ہیں، جن میں ہجرت کرنا فرض ہو جاتا ہے، انقلابات کے مواقع میں ایسا بہت ہوتا ہے کہ کچھ مسلمان کافروں کے علاقے میں رہ جاتے ہیں باوجود موقعہ پانے کے، گھر در مال جائیداد یا رشتہ داریوں کی محبت میں اپنے جائے پیدائش ہی میں جمے رہتے ہیں، اذان بھی نہیں دے سکتے لیکن حُبِّ دنیا ان کو وطن نہیں چھوڑنے دیتی۔ ایسے لوگ ترک ہجرت سے گنہگار ہوتے ہیں، ان پر ہجرت فرض ہوتی ہے جس کے چھوڑنے سے گنہگار ہوتے ہیں۔

بعض مرتبہ مؤمن بندے کفر کے ماحول سے جان چھڑانے کے لئے خود سے وطن چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور بعض مرتبہ اہلِ کفران کو وطن سے نکال دیتے ہیں۔ ان دونوں صورتوں پر ہجرت صادق آتی ہے۔ آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ساتھ بہت سے صحابہؓ نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی اور بھی مختلف علاقوں سے صحابہ کرامؓ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے۔ اس کے بعد بھی مختلف ادوار اور مختلف ازمان میں ہجرت کے واقعات پیش آتے رہے ہیں۔

۱۳۶۶ھ میں مشرقی پنجاب میں اس طرح کے واقعات پیش آ گئے تھے اور اب بھی یورپ اور ایشیا اور افریقہ کے علاقوں میں ایسے حالات پیش آتے رہتے ہیں جہاں سے مسلمانوں کو ہجرت کرنا فرض ہو جاتا ہے جب کوئی شخص اللہ کے لئے ہجرت کا ارادہ کرے گا تو اس کے لئے اللہ ضرور کوئی صورت پیدا فرمائے گا جیسا کہ آئندہ آیت میں وعدہ فرمایا ہے۔ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا وَّسَعَةً شرط یہ ہے کہ ہجرت اللہ کے لئے ہو۔

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ تمام مؤمنین کے لئے اسوۂ حسنہ

ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے حالات اور معاملات میں ایسی چیزیں پیش آئیں جو آپ کے لئے تکلیف کا باعث تھیں یہ تکلیفیں بنفس نفیس آپ نے اور آپ کے صحابہؓ نے برداشت کیں اور بعد میں آنے والوں کے لئے نمونہ چھوڑ گئے، کافروں سے جہاد کرنا ان کے حملوں کا جواب دینا جہاد کے لئے سفر کرنا دشمنوں پر دھاک بٹھانا اسفار میں تکلیفیں پہنچنا بھوک اور پیاس سے دوچار ہونا یہ سب چیزیں احادیث شریفہ میں مذکور ہیں۔

دین اسلام کے لئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابہؓ نے محنتیں کیں اور تکلیفیں اٹھائیں ان میں سے ہجرت بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے آپ کا خاندان نسب کے اعتبار سے بلند مانا جاتا تھا اور خاندان کے بڑوں کے پاس بڑے بڑے عہدے بھی تھے جو اہل عرب میں مشہور تھے۔ نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ میں بڑے ہی محبوب تھے لیکن جب آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور بتوں کی عبادت چھوڑنے کے لئے فرمایا تو یہ لوگ آپ کے دشمن ہوگئے ان کی دشمنی کی تفصیلات مکہ معظمہ کے زمانۂ قیام کے حالات میں مذکور ہیں (اس کتاب کے باب دوم کا دوبارہ مطالعہ کرلیا جائے)

مشرکین مکہ نے آپ کو اور اسلام قبول کرنے والے حضرات کو (خاص کر جو ان میں دنیا کے اعتبار سے ضعیف تھے) ایذاء دینے اور تکالیف پہنچانے میں کوئی کسر نہیں رکھی تھی اللہ پاک نے مدینہ کے رہنے والے دو قبیلوں اوس اور خزرج کو ایمان کی دولت سے مالا مال فرمادیا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ تشریف لانے کی درخواست پیش کی، آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمراہ لے کر سفر ہجرت کے لئے روانہ ہوئے اور پھر وفات پانے تک وہیں قیام فرمایا۔

ذیل میں چند آیات قرآنیہ درج کی جاتی ہیں جن میں ہجرت کا ذکر ہے اور مہاجرین

کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور غیر معذور کو ہجرت نہ کرنے پر توبیخ ہے اور عذاب کی وعید ہے۔

ہجرت کا ثواب

چونکہ ہجرت میں بہت سخت تکلیف ہوتی ہے، آبائی وطن چھوڑنا پڑتا ہے، اموال دشمنوں کے قبضہ میں رہ جاتے ہیں، جائیدادوں سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں، اعزہ و اقربا جدا ہو جاتے ہیں اس لئے اس بڑے عمل کا ثواب بھی بہت بڑا ہے۔

سورہ آل عمران کے آخری رکوع میں فرمایا:

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا	سو جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں
مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ	سے نکالے گئے اور انہیں میری راہ میں
سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا	تکلیفیں دی گئیں اور انہوں نے قتال
لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ	کیا اور مقتول ہوئے میں ضرور ان کی
سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ	خطاؤں کا کفارہ کر دوں گا اور ضرور اُن
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ	کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن
ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ	کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہ انہیں بدلہ
عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ٥ (۱۹۵)	ملے گا اللہ کے پاس سے، اور اللہ ہی کے
	پاس اچھا بدلہ ہے)۔

اور سورۂ بقرہ میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ	بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے
هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ	ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں وہ
سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ	اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور
رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۲۱۸)	اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

اور سورہ توبہ میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا	جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ

وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَائِزُوْنَ. (۴۰)	کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے درجے والے ہیں اور یہی لوگ کامیاب بامراد ہیں.

اور سورہ نحل میں فرمایا :

وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا فِی اللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّھُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَۃِ اَکْبَرُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ . (۴۱)	جن لوگوں نے اللہ کے لئے ہجرت کی اس کے بعد کہ ان پر ظلم کیا گیا ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا ثواب بہت بڑا ہے کاش یہ لوگ سمجھ لیتے ۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ہجرت اور جہاد دونوں کی شریعت اسلامیہ میں بڑی اہمیت ہے۔ پردیس میں نیا نیا پہنچنے کی وجہ سے ابتداً کوئی تکلیف پہنچ جائے تو یہ اور بات ہے لیکن جلد ہی رحمت اور برکت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ظاہری و باطنی منافع ملنے لگتے ہیں اور معاشں میں بھی فراوانی ہو جاتی ہے حضرات صحابہؓ نے مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ کو ہجرت کی تھی۔ چند سال بعد مکہ معظمہ بھی فتح ہو گیا۔ خیبر فتح ہوا بہت سے علاقے قبضے میں آئے بڑی بڑی جائیدادیں ملیں، اموال غنیمت ہاتھ آئے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مصر، شام، عراق فتح ہوئے جو حضرات مکہ میں مجبور اور بے کس تھے ان کو بڑے بڑے اموال ملے۔

تاریخ اس پر شاہد ہے کہ ہجرت اور جہاد سے کایا پلٹ جاتی ہے اور مسلمان صرف یہی کہ ثواب آخرت کے اعتبار سے (جس کے برابر کوئی چیز نہیں ہو سکتی) بلکہ دنیاوی اعتبار سے بھی، ہجرت اور جہاد کی وجہ سے عزت اور شرف اور کافروں پر غلبہ اور مالداری اور غلام اور باندیوں کی ملکیت کے اعتبار سے کامیاب اور فائز المرام ہو جاتے ہیں۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اپنا ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں آپ سے بیعت کروں۔ آپ نے اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ سکیڑ لیا۔ آپ نے فرمایا اے عمرؓ! کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا میں شرط لگانا چاہتا ہوں فرمایا کیا شرط لگاتے ہو؟ میں نے عرض کیا یہ شرط لگاتا ہوں کہ میری مغفرت کر دی جائے آپ نے فرمایا اے عمرؓ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بے شک اسلام ان سب خطاؤں کو ختم کر دے گا جو اس سے پہلے ہوئیں اور بے شک ہجرت ان سب گناہوں کو ختم کر دیتی ہے جو اس سے پہلے تھے اور بے شک حج ان سب گناہوں کو ختم کر دیتا ہے جو اس سے پہلے تھے (بشرطیکہ کبیرہ گناہ نہ کئے ہوں اور حقوق العباد ذمہ نہ ہوں۔ ہجرت اور حج کے ذریعہ صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور حقوق العباد کی ادائیگی حسب سابق لازم رہتی ہے)

اخلاص کی ضرورت

ہر عمل میں اخلاص کی ضرورت ہے یعنی جو بھی عمل کیا جائے اللہ تعالٰی کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہو جہاد اور ہجرت دونوں بڑے اعمال ہیں ان کے لئے بھی اخلاص کی ضرورت ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی سو جس کی نیت اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف ہے (سو اللہ کے نزدیک بھی) اس کی ہجرت اللہ اور رسولؐ کی طرف ہے اور جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہے تاکہ اس میں سے کچھ مل جائے یا کسی عورت کی طرف ہے تاکہ اس سے نکاح کر لے (تو اللہ کے نزدیک بھی) اس کی ہجرت اسی طرف ہے جس کی اس نے ہجرت کی۔

(رواہ البخاری ومسلم وآخرون)

حضرت ابو موسٰی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے سوال کیا کہ ایک شخص مال غنیمت کے لئے لڑائی لڑتا ہے اور ایک شخص اس لئے لڑتا ہے اس کی شہرت ہو اور ایک شخص اس لئے لڑتا

ہے کہ لوگوں کو اس کی بہادری کا پتہ چل جائے ان میں فی سبیل اللہ لڑنے والا کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا فی سبیل اللہ لڑنے والا وہ ہے جو اس لئے جنگ کرے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو۔ (صحیح بخاری ص ۳۹۴)

احادیث میں صاف بتادیا گیا ہے کہ ہر عمل اللہ کی رضا کے لئے ہو اگر بظاہر عمل صالح ہو لیکن اس میں نیت اللہ کی رضا نہ ہو تو وہ وبال ہوگا بلکہ آخرت میں عذاب کا سبب بنے گا۔ عورت کا ذکر بطور مثال بیان فرمایا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جس نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا جسے ام قیس کہا جاتا تھا اس عورت نے انکار کیا اور نکاح ہونے کے لئے ہجرت کرنے کی شرط لگائی۔ اس شخص نے ہجرت کرلی۔ اس عورت سے نکاح کرلیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ہم لوگ اسے مہاجر ام قیس سے یاد کرتے تھے [1]

اصل ہجرت یہ ہے کہ گناہ چھوڑ دیئے جائیں

ہجرت کس لئے کی جائے؟ اس لئے کہ اللہ کے دین پر چل سکیں،

احکام اسلام بجالانے میں جو دشمن رکاوٹ ڈالتے ہیں وہ رکاوٹ دور ہو جائے اور اہل ایمان میں پہنچ کر سکون و اطمینان کے ساتھ دینی کاموں میں لگ سکیں۔ صرف وطن چھوڑ دینا ہی ہجرت نہیں ہے۔ ہجرت کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ گناہوں کو چھوڑ دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اطاعت کو شعار بنایا جائے۔ صحیح بخاری ص ۶ ج ۱ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المهاجر من هجر ما نهى الله عنه (حقیقی مہاجر وہ ہے جو اُن چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے)۔

حضرت عمرو بن عبسہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ای الهجرة افضل (کون سی ہجرت افضل ہے) آپؐ نے فرمایا اَنْ تَهْجُرَ مَاكَرِهَ رَبُّكَ کہ تُو ان کاموں کو چھوڑ دے جو تیرے رب کو ناگوار ہوں [2]۔ کافروں سے جہاد تو کرلیا

---

[1] رواہ الطبرانی فی المعجم الکبیر باسنادہ رجالہ ثقات کما فی حاشیۃ البخاری ص ۲

[2] مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۶۔

خود گناہوں میں مبتلا ہیں نفس سے مقابلہ نہیں کرسکتے، وطن چھوڑ کر مہاجر تو بن گئے لیکن گناہ نہیں چھوڑتے اس سے ایمانی تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے المجاهد من جاهد نفسه فی طاعة الله والمهاجر من هجر الخطايا والذنوب[1] (مجاہد وہ ہے جو اللہ کی فرمانبرداری میں اپنے نفس سے جہاد کرے اور مہاجر وہ ہے جو گناہوں کو اور خطاؤں کو چھوڑ دے)

فی سبیل اللہ ہجرت کرنیوالوں کیلئے وعدے

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	اور جو شخص اللہ کی راہ میں وطن چھوڑے
يَجِدْ فِى الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا	وہ زمین میں جانے کی بہت سی جگہ پائے گا
وَّسَعَةً ۚ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ	اور اُسے بہت کشادگی ملے گی اور جو شخص
بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ	اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف
وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ	ہجرت کرنے کی نیت سے نکل کھڑا ہو پھر
فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ	اس کو موت آپکڑے تو یقینی طور پر اس
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔	کا ثواب اللہ کے ذمہ ثابت ہوگیا اور
(النساء : ۱۰۰)	اللہ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

لباب النقول ص ۹۱ میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ضمرہ بن جندب نے ہجرت کی نیت سے نکلنے کا ارادہ کیا اپنے گھر والوں سے کہا کہ مجھے سواری پر سوار کردو اور مشرکین کی سرزمین سے نکال دو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاؤں۔ جب وہ روانہ ہوگئے تو راستہ میں موت آگئی آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچ سکے آپ پر وحی کا نزول ہوا اور آیت بالا نازل ہوئی۔

دوسرا واقعہ ابو ضمرہ زرقی کا نقل کیا ہے وہ مکہ معظمہ میں مشرکین میں پھنسے ہوئے تھے۔ جب آیت کریمہ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۵

(النساء ۹۹)

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً نازل ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں مالدار ہوں میں نکلنے کی تدبیر کرسکتا ہوں لہٰذا انہوں نے ہجرت کا سامان تیار کیا اور آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے ان کو مقام تنعیم میں موت آگئی (جو حرم سے قریب تر جگہ ہے) اس پر آیت بالا وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ نازل ہوئی اور ایک واقعہ خالد بن حزامؓ کا لکھا ہے وہ حبشہ سے (مدینہ منورہ آنے کے لئے) روانہ ہوئے راستے میں ان کو سانپ نے کاٹ لیا جس کی وجہ سے موت ہوگئی اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ صاحب لباب النقول نے اسی طرح کا ایک واقعہ اکثم بن صیفی کا بھی نقل کیا ہے۔ کسی آیت کے اسباب نزول متعدد بھی ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا ان میں کوئی تعارض نہیں۔ پھر یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ سبب نزول اگرچہ وہ واقعات ہیں جو اوپر مذکور ہوئے لیکن آیت کا مفہوم عام ہے۔ اس میں واضح طور پر یہ اعلان فرمادیا کہ جو کوئی شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف ہجرت کے لئے نکل کھڑا ہو اور اس کا مقصد صرف اللہ کی رضا ہو دین ایمان کو بچانا چاہتا ہو تو اس کا یہ سچی نیت سے نکل کھڑا ہونا ہی باعث اجر و ثواب بن گیا اگرچہ وہاں تک نہ پہنچ سکا جہاں تک اس کو پہنچنا تھا۔ راستے میں موت ہوجانے کی وجہ سے مقصد ظاہری تک تو نہ پہنچ پایا لیکن حقیقی مقصد حاصل ہوگیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا ثواب لکھ دیا گیا اور اس کی ہجرت منظور ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑے مغفرت والے اور رحم فرمانے والے ہیں۔

کافروں کے درمیان رہنے والوں کو تنبیہ

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ	بے شک فرشتے جن لوگوں کی جان
الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ	ایسی حالت میں قبض کرتے ہیں کہ انہوں
قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوْا كُنَّا	نے اپنی جان پر ظلم کر رکھا تھا ان سے
مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ	فرشتے کہتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے

قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ
وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۭ
فَاُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ
وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۔ اِلَّا
الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ
وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ لَا
يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا
يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۔ فَاُولٰۗىِٕكَ
عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۭ
وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۔ (النساء ۹۷، ۹۸، ۹۹)

وہ کہتے ہیں کہ ہم بے بس تھے زمین میں
فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین کشادہ
نہیں تھی کہ تم ترک وطن کرکے دوسری جگہ
چلے جاتے سو یہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ
جہنم ہے اور وہ بُری جگہ ہے لیکن جو مرد
اور عورتیں اور بچے قادر نہ ہوں کہ کوئی
تدبیر کرسکیں اور نہ راستے سے واقف ہوں
امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے
گا اور اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

صحیح بخاری ص ۶۶۱ ج ۲ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا (انہوں نے ہجرت نہ کی تھی) وہ مشرکین ہی کے ساتھ رہتے تھے، مشرکین کی جماعت کی تکثیر کرتے تھے (مشرکین کہیں جنگ کرنے جاتے تو یہ بھی ساتھ چلے جاتے تھے جس سے مشرکین کی جماعت میں اضافہ ہو جاتا تھا)۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان کو بعض مرتبہ تیر لگ جاتا تھا جس سے قتل ہو جاتے تھے یا تلوار وغیرہ سے مقتول ہو جاتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

لباب النقول ص ۴۹ میں نقل کیا ہے کہ کچھ لوگ مکہ میں مسلمان ہو گئے تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو ان لوگوں کو ہجرت کرنا گوارا نہ ہوا (اور اپنے جان و مال پر) خوف کھانے لگے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ دونوں باتیں سبب نزول ہو سکتی ہیں۔ آیت شریفہ میں اس بات پر ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے کہ کوئی شخص ہجرت کے مواقع میسر ہونے کے باوجود ہجرت نہ کرے اپنے دین و ایمان اور اعمالِ اسلام کے لئے فکر مند نہ ہو اور کافروں ہی میں گھسا رہے۔ اوّل تو ایسے لوگوں کو ظَالِمِیْ اَنْفُسِهِمْ فرمایا کہ یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم

کرنے والے ہیں اور فرمایا کہ جب فرشتے ان کی جانیں قبض کرنے لگتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تم کہاں تھے۔ دین کے ضروری کام کیوں نہیں بجالاتے تھے۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہمارا رہنا سہنا ایسی سرزمین میں تھا جہاں ہم مغلوب تھے اس لئے بہت سی ضروریات دین پر عمل نہ کرسکتے تھے۔ فرشتے جواب میں کہتے ہیں اَلَمْ تَکُنْ اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃً فَتُھَاجِرُوْا فِیْھَا کیا اللہ کی زمین وسیع اور کشادہ نہ تھی، تم ترک وطن کرکے کسی دوسری جگہ چلے جاتے وہاں فرائض ادا کرتے۔ مزید فرمایا کہ وَمَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ (ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے) یہ وعید ترکِ فرض کی وجہ سے ہے۔

پھر ضعفاء کے بارے میں فرمایا اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ اس میں یہ بتایا کہ جو مرد اور عورتیں اور بچے کافروں میں پھنس جائیں وہاں مغلوب ہوں ہجرت سے عاجز ہوں کوئی تدبیر سامنے نہ ہو اور راستہ بھی معلوم نہ ہو کہ کہاں جائیں اور کیا کریں تو ایسے لوگ مواخذہ سے مستثنیٰ ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں اور میری والدہ بھی انہیں لوگوں میں سے تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے معذور قرار دیا (ص۶۵۹ صحیح بخاری) ان کے علاوہ اور متعدد صحابہ تھے جو مکہ مکرمہ میں پھنسے ہوئے تھے اور وہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہ تھی اور کافروں کے ماحول میں مصیبت میں پڑے ہوئے تھے۔ ان کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قنوتِ نازلہ میں دعا کیا کرتے تھے ان میں عیاش بن ابی ربیعہ اور سلمہ بن ہشام اور ولید بن ولید کے اسماء گرامی روایات میں آتے ہیں۔

آخر میں فرمایا فَاُولٰٓئِکَ عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْھُمْ وَکَانَ اللّٰہُ عَفُوًّا غَفُوْرًا کہ اللہ جل شانہٗ ان مستضعفین مغلوبین پھنسے ہوئے لوگوں کو معاف فرمادے گا وہ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے۔ صاحب روح المعانی ص۱۲۶ ج۵ لکھتے ہیں کہ اس میں یہ بتایا ہے کہ ہجرت کا چھوڑ دینا بڑے خطرہ کی چیز ہے یہاں تک کہ مجبور حال جس پر ہجرت فرض نہیں اس کا ہجرت چھوڑ دینا بھی اس درجے میں ہے کہ اس کو گناہ شمار کرلیا جائے کیونکہ معافی گناہ سے متعلق ہوتی ہے۔ ایسے مجبور حال کو بھی چاہئے کہ موقعہ کی تلاش میں رہے اور اس کا دل ہجرت کے خیال میں لگا رہے۔ جیسے ہی موقعہ ملے روانہ ہو جائے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ ۝

حج کے موقع پر انصارِ مدینہ کا آپ ﷺ سے بیعت کرنا

اور

آپ ﷺ کو مدینہ منورہ میں تشریف لے جانے کی دعوت دینا

ہجرت کے اسباب اور دواعی،
مدینہ طیبہ کا انتخاب، سفر ہجرت کے واقعات
قبا میں قیام، مسجد قبا کی تعمیر
شہر مدینہ کے لئے روانگی
حضرت ابوایوبؓ کے مکان میں قیام
مسجد نبویؐ کی تاسیس
اور حجرات شریفہ کی تعمیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں حج کے لئے آنے والے افراد اور جماعتوں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کیا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں دو قبیلے رہتے تھے، ایک اوس اور ایک خزرج اور دو بڑے قبیلے یہود کے رہتے تھے، بنی نضیر اور بنی قریظہ، آپس میں چشمک رہتی تھی، لڑائی بھی ہو جاتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا جو سلسلہ جاری تھا اسی سلسلہ میں آپ نے حج میں آئے ہوئے خزرج کے چند افراد سے ملاقات کی اور انہیں اسلام کی دعوت دی، یہ چھ افراد تھے، ان لوگوں نے آپس میں کہا ارے میاں ہم کو تو یہ وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کے بارے میں یہودی کہتے رہے ہیں کہ اگر وہ آجائیں گے تو ہم اُن سے مل کر تم سے جنگ کریں گے، بہتر یہی ہے کہ ہم آپ کی بات مان لیں اور آپ کا دین قبول کر لیں، ایسا نہ ہو کہ یہودی دین حق کے قبول کرنے میں تم سے آگے بڑھ جائیں، انہوں نے باہمی مشورہ کیا اور اسلام قبول کر لیا، جب مدینہ منورہ واپس پہنچے تو وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا اور وہاں کے رہنے والوں کو اسلام کی دعوت دی، حتیٰ کہ وہاں اسلام کا خوب چرچا ہو گیا اور انصار کے گھروں میں سے کوئی گھر ایسا خالی نہ تھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہ ہوتا ہو۔

العقبۃ الأولیٰ

آئندہ سال بارہ افراد نے حج کے موقع پر منیٰ کی گھاٹی میں آپ سے ملاقات کی اور آپ سے بیعت کی اس کو "بیعۃ العقبۃ الاُولیٰ" کہا جاتا ہے۔ ان بارہ افراد

کے نام سیرت ابن ہشام میں لکھے ہیں جن میں قبیلہ خزرج کے افراد بھی تھے اور بنی اوس کے بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ان امور پر بیعت لی جو سورۃ الممتحنہ کی آیت "یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ" میں مذکور ہیں جس میں مندرجہ ذیل امور پر بیعت کا ذکر ہے۔

(۱) اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گے۔
(۲) چوری نہیں کریں گے۔
(۳) زنا نہیں کریں گے۔
(۴) اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔
(۵) کسی پر کوئی بہتان نہیں باندھیں گے۔
(۶) اور نیک کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان باتوں پر بیعت کی کہ ہم تنگ دستی و آسانی میں اور خوشی میں اور ناگواری میں بات سنیں گے اور فرماں برداری کریں گے اور اس بات میں بھی فرمانبرداری کریں گے کہ ہمارے اوپر دوسروں کو ترجیح دی جائے" اور اس بات پر بھی ہم بیعت کرتے ہیں کہ جو لوگ امیر ہوں اُن سے امارت نہیں چھینیں گے اور ہم جہاں کہیں بھی ہوں حق بات کہیں گے اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔

(مشکوٰۃ المصابیح کتاب الامارۃ از بخاری و مسلم)

یہ بارہ حضرات بیعت کر کے مدینہ منورہ واپس چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو بھیج دیا وہ انہیں قرآن کی تعلیم دیتے تھے اور احکام اسلام سکھاتے تھے، دینی مسائل سمجھاتے اور نماز باجماعت پڑھاتے تھے، مدینہ منورہ میں ان کا لقب المقریؔ مشہور ہو گیا تھا، ان کا قیام اسعد بن زرارہؓ کے پاس تھا، اہلِ مدینہ کو سب سے پہلا جمعہ

بھی حضرت مصعب بن عمیرؓ نے پڑھایا تھا۔

العقبة الثانية

آئندہ سال جو لوگ مدینہ منورہ سے حج کے لئے آئے وہیں منیٰ کی گھاٹی (عقبہ) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی، انہوں نے عرض کیا کہ آپ مدینہ منورہ تشریف لے چلیں، یہ حضرات تہتر ۷۳ افراد تھے اور دو خواتین تھیں۔ آپ کے چچا عباسؓ بھی اس وقت وہاں موجود تھے، انہوں نے محسوس کر لیا کہ آپ انصارِ مدینہ کی دعوت پر مدینہ منورہ جانا منظور کر چکے ہیں اس لئے ایک چچا ہونے کی حیثیت سے انہوں نے ایک ہمدردانہ بات کی، اس وقت تک وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے، انہوں نے فرمایا کہ دیکھو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہمارے یہاں جو مرتبہ ہے اور جو حیثیت ہے وہ تم جانتے ہو، لوگ ان کے مخالف ہیں، لیکن پھر بھی ہمارے اندر رہتے ہوئے وہ محفوظ ہیں انہوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تمہارے پاس پہنچ جائیں اب تم دیکھ لو اپنے وعدہ کے مطابق ان کی حفاظت کر سکتے ہو؟ اس سلسلہ میں تکلیف اٹھا سکتے ہو تو لے جاؤ، اور اگر تم حفاظت نہیں کر سکتے تو ان کو ابھی سے یہیں چھوڑ دو، کیونکہ وہ اپنے شہر میں اپنی قوم میں محفوظ ہیں۔ انصار نے جواب میں کہا ہم نے تمہاری بات سن لی اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بارے میں فیصلہ فرمائیں۔ بہرحال آپ نے قرآن مجید کی تلاوت کی اللہ کی طرف دعوت دی، اسلام کی رغبت دی اور فرمایا میں تم سے بیعت کرتا ہوں اس شرط پر کہ تم میری اسی طرح حفاظت کروگے جس طرح اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہو، وہاں براء بن معرور بھی تھے انہوں نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیعت فرمائیے، ہم آپ کی پوری طرح حفاظت کریں گے، ہم لڑائیوں کے میدانوں میں اترنے والے ہیں، ہتھیار والے ہیں، یہ چیزیں ہمیں اپنے بڑوں کی میراث میں ملی ہیں۔ ابھی براء

ابن معرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ ابوالہیثم بن تیہان بول پڑے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارے اور لوگوں کے درمیان معاہدے ہیں (اس سے یہود کے معاہدے مراد تھے) ہم آپ سے بیعت ہو کر آپ کو بلا کر ان سب سے کٹ جائیں گے ایسا نہ ہو کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ دے دے تو آپ اپنی قوم میں چلے جائیں اور ہمیں چھوڑ دیں۔ یہ سن کر آپ مسکرائے اور آپ نے فرمایا میں پوری طرح تمہارے ساتھ رہوں گا۔ میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو جس سے تمہاری لڑائی اس سے میری لڑائی اور جس سے تمہاری صلح اس سے میری بھی صلح ہوگی[1]

اس سلسلہ میں عباس بن عبادہ انصاری کا سوال جواب بھی قابل ذکر ہے اور وہ یہ کہ جب انصار مدینہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے لئے جمع ہوئے تو عباس بن عبادہ نے کہا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ تم کن چیزوں پر بیعت کر رہے ہو؟

انہوں نے کہا کہ ہاں ہم جانتے ہیں کس بات پر بیعت کر رہے ہیں، عباس بن عبادہ نے کہا کہ دیکھو تم لوگ جو اس شخص سے بیعت ہو رہے ہو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ تمہیں گوروں سے اور کالے لوگوں سے جنگ کرنی پڑے گی، سو اگر تم سمجھتے ہو کہ جب تمہارے اموال ختم ہو جائیں اور بڑے لوگ قتل ہو جائیں تو اس وقت ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دو گے، تو ابھی سے سمجھ لو اور بیعت ہونے کا خیال چھوڑ دو، اگر تم نے بیعت ہونے کے بعد آپ کو بے یار و مددگار چھوڑا تو تمہیں دنیا و آخرت کی رسوائی بھگتنی پڑے گی، اور اگر تم سمجھتے ہو کہ تم اپنی بیعت کو پورا کر دو گے خواہ اموال ختم ہوں خواہ اشراف قتل ہوں تو بیعت کر لو، اللہ کی قسم اس میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے، انصار نے جواب میں کہا کہ ہم ہر بات کو سمجھتے ہوئے اور ہر مصیبت کو سمجھتے ہوئے بیعت ہو رہے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے

---

[1] سیرت ابن ہشام ص ۲۲۸، ۲۴۴ ج ا ملخصاً

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف رُخ کیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمیں کیا ملے گا اگر ہم نے بیعت والی باتوں کو پورا کر دیا، آپ نے فرمایا تمہیں جنت ملے گی، اس پر انہوں نے کہا لائیے ہاتھ بڑھائیے ہم بیعت ہوتے ہیں، چنانچہ آپ نے اپنا مبارک ہاتھ بڑھایا اور انصار نے آپ سے بیعت کر لی۔[1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارادۂ ہجرت

مشرکین مکہ کی دشمنی اور دشمنی کے واقعات سے پریشان ہو کر بہت سے حضرات نے حبشہ کو ہجرت کی تھی اسی اثنا میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حبشہ جانے کی نیت سے روانہ ہو گئے تھے مکہ معظمہ سے باہر نکل کر برک الغماد تک پہنچ پائے تھے کہ ابن الدغنہ سے ملاقات ہو گئی وہ اس علاقہ کے سرداروں میں سے تھا دریافت کیا کہ اے ابوبکر کہاں جا رہے ہو، فرمایا میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے لہٰذا میں مکہ معظمہ کی سرزمین چھوڑ کر جا رہا ہوں جہاں کہیں مجھے موقع ملے گا قیام کر لوں گا اور اپنے رب کی عبادت کروں گا۔ ابن الدغنہ نے کہا کہ تمہارے جیسا شخص نہیں نکالا جا سکتا اور نہ اسے خود نکلنا چاہیئے تم غریب آدمی کے لئے محنت کر کے مال کماتے ہو، صلہ رحمی کرتے ہو، مشکلات میں پریشان حال کا بوجھ اٹھاتے ہو، مہمانداری کرتے ہو حق کے بارے میں جو مشکلات پیش آتی ہیں ان کو دور کرنے میں صاحب حق کی مدد کرتے ہو واپس چلو میں تمہاری حفاظت کی ذمہ داری لیتا ہوں، آؤ اپنے شہر میں اپنے رب کی عبادت کرو۔

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ ابن الدغنہ کے ساتھ واپس لوٹ آئے۔ شام کو ابن الدغنہ نے قریش کے سرداروں میں گشت کیا اور ان سے کہا کہ ابوبکر جیسا شخص نہیں نکالا جا سکتا اور نہ اسے خود نکلنا چاہیئے (اس کے بعد ان کی وہی صفات بیان کیں جن کا اوپر تذکرہ ہوا) قریش نے ابن الدغنہ سے کہا کہ ہمیں یہ منظور ہے کہ ابوبکرؓ تمہاری

---

[1] سیرت ابن ہشام

پناہ میں رہیں لیکن تم ان سے کہہ دو کہ وہ اپنے گھر ہی میں اپنے رب کی عبادت کریں۔ گھر میں نماز ادا کریں اور جو چاہیں پڑھیں ہمیں تکلیف نہ دیں اور علی الاعلان عبادت نہ کریں، ہمیں ڈر ہے کہ ہماری عورتیں اور ہمارے لڑکے اس سے متاثر ہو کر فتنہ میں پڑ جائیں (ہدایت کا نام ان لوگوں نے فتنہ رکھ لیا)۔

ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ دیکھو بھئی ان شرطوں کے ساتھ آپ کو مکہ معظمہ میں رہنے اور عبادت کرنے کی گنجائش دی جارہی ہے آپ مکہ معظمہ میں رہتے رہیں جو شرط لگائی ہے اس کا خیال رکھیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ دن تو ان باتوں کی پابندی کی، پھر اپنے گھر کے باہر والے حصہ میں مسجد بنالی اسی میں نماز ادا کرتے اور قرآن شریف پڑھتے تھے جب آپ مشغول عبادت ہوتے تو مشرکین کی عورتیں اور ان کے لڑکے وہاں کھڑے ہو کر غور سے دیکھتے تھے اور ان کے طریق عبادت کو پسند کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے والے آدمی بھی تھے جب قرآن پڑھتے تھے تو خوب روتے تھے۔ قریش کے سرداروں کو یہ بات کھل گئی انہوں نے ابن الدغنہ کو بلایا اور کہا کہ ہم نے ابوبکرؓ کو تمہاری ذمہ داری پر اس شرط پر پناہ دی تھی کہ وہ اپنے گھر میں عبادت کرے اب تو اس نے گھر کے باہر مسجد بنالی اس میں علی الاعلان نماز اور قرآن پڑھنا شروع کر دیا، ہمیں ڈر ہے کہ ہماری عورتیں اور لڑکے فتنے میں پڑ جائیں لہٰذا تم ان کو منع کر دو وہ اگر اپنے گھر ہی میں عبادت کرے تو یہ منظور ہے ورنہ وہ علی الاعلان تمہاری ذمہ داری سے براءت کا اعلان کر دے، ہمیں یہ گوارا نہیں ہے کہ تمہاری ذمہ داری خراب کریں اور یہ بھی منظور نہیں کہ ابوبکر علی الاعلان نماز و قرآن پڑھتے رہیں۔

یہ سن کر ابن الدغنہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ دیکھو وعدہ کے مطابق اندرون خانہ عبادت کرو ورنہ میری ذمہ داری واپس کر دو، مجھے یہ گوارا نہیں کہ عرب کے لوگ یوں کہیں کہ ایک شخص کے بارے میں میں نے اپنی

ذمہ داری کی خلاف ورزی کر دی۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فَاِنِّیْ اَرُدُّ اِلَیْكَ جِوَارَكَ وَاَرْضٰی بِجِوَارِ اللّٰهِ۔

(میں تمہاری پناہ کی ذمہ داری واپس کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی کی پناہ میں رہنے پر راضی ہو جاتا ہوں)۔

اس کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ کو ہجرت کرنے کا ارادہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی تم ٹھہرو مجھے امید ہے کہ مجھے بھی ہجرت کی اجازت دے دی جائے گی۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ٹھہر گئے تاکہ آپ کے ساتھ روانہ ہوں۔ دو اونٹنیوں کو چار ماہ تک ببول کے پتے کھلائے اور سواری کے لئے تیار کیا[1]

قریشِ مکہ کا مشورہ، اس میں شیطان کی شرکت

قریشِ مکہ مشورہ کر رہے تھے کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ کریں؟ سورۃ الانفال میں یوں ہے:۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ	اور جب کافر لوگ آپ کے بارے میں
كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ	تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید
اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ	کر دیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو
وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ	جلا وطن کر دیں، اور وہ اپنی تدبیریں کر
وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (۳۰)	رہے تھے اور اللہ بھی تدبیر فرما رہا

تھا اور اللہ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔

اس آیت میں سفرِ ہجرت کا سبب اور ابتدائی واقعہ مذکور ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ جب مدینہ منورہ میں حضرات انصار نے اسلام قبول کر لیا تو قریشِ مکہ خائف ہوئے اور مشورے کے لئے دار الندوہ

---

[1] صحیح بخاری ص ۵۵۲

(پنچایت گھر) میں جمع ہوئے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غور کریں کہ اب آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ اس موقع پر ابلیس ملعون بھی ایک بڑے میاں کی صورت میں ظاہر ہوگیا۔ ان لوگوں نے پوچھا کہ تو کون ہے۔ کہنے لگا کہ میں شیخ نجدی ہوں مجھے آپ لوگوں کے جمع ہونے کا پتہ چلا تو میں نے چاہا کہ تمہارے پاس حاضر ہو جاؤں اور اپنی خیرخواہانہ رائے سے تم لوگوں کو محروم نہ کروں۔ ان لوگوں نے اسے اپنے مشورے میں شریک کرلیا۔ مکہ والوں میں سے جو لوگ حاضر تھے ان میں سے ایک شخص ابوالبختری ابن ہشام بھی تھا۔ اس نے اپنی رائے ظاہر کی اور کہنے لگا کہ میری رائے یہ ہے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کسی گھر میں محبوس کرکے دروازہ بند کردو صرف تھوڑا سا روشن دان کھلا رہے جس میں سے دانہ پانی ڈالتے رہو اور اس کی موت کا انتظار کرو، جیسے اس سے پہلے دوسرے شعراء ہلاک ہوگئے یہ بھی ہلاک ہو جائے گا۔ یہ سنتے ہی شیخ نجدی ابلیس چیخ اٹھا، اور اس نے کہا یہ تو بری رائے ہے۔ اگر اس پر عمل کروگے تو اس کے ماننے والے میدان میں آجائیں گے اور تم سے جنگ کرکے تمہارے ہاتھوں سے چھڑا لیں گے۔ یہ سن کر سب کہنے لگے شیخ نجدی نے صحیح کہا، یہ رائے مصلحت کے خلاف ہے۔ اس کے بعد ایک شخص نے رائے دی اور کہنے لگا کہ میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ اس شخص کو کسی اونٹ پر بٹھا کر اپنے درمیان سے نکال دو۔ آگے کہاں جائے کیا بنے تمہیں کوئی نقصان نہ ہوگا جب تمہارے یہاں سے چلا گیا تو تمہیں تو آرام مل ہی جائے گا، یہ سن کر ابلیس ملعون بولا کہ یہ رائے بھی صحیح نہیں تم اس شخص کو جانتے ہو تمہیں پتہ ہے کہ اس شخص کی گفتگو کتنی شیریں ہے اور زبان میں کتنی مٹھاس ہے۔ یہ بھی جانتے ہو کہ اس کی باتیں سن کر لوگ گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی قسم اگر تم نے اس رائے پر عمل کیا تو باہر جاکر بہت سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرکے حملہ آور ہوگا اور تمہیں وطن سے نکال دے گا۔ یہ سن کر اہل مجلس کہنے لگے کہ شیخ نجدی نے ٹھیک کہا۔

اس کے بعد ابوجہل بولا اور کہنے لگا کہ اللہ کی قسم میں تمہیں ایک ایسی رائے دوں گا

کہ اس کے علاوہ کوئی رائے ہے ہی نہیں۔ میری سمجھ میں تو یوں آتا ہے کہ قریش کے جتنے قبیلے ہیں ہر قبیلے میں سے ایک ایک خوب تگڑا نوجوان لیا جائے اور ہر ایک کو تلوار دے دی جائے۔ پھر یہ نوجوانوں کی جماعت یکبارگی مل کر حملہ کر کے قتل کر دے۔ ایسا کرنے سے تمام قبیلوں پر اُن کے خون کی ذمہ داری آجائے گی اور میرے خیال میں بنی ہاشم قصاص لینے کے لئے مقابلہ نہ کر سکیں گے، لہٰذا دیت قبول کر لیں گے اور سارے قریش مل کر دیت ادا کر دیں گے، یہ سُن کر ابلیس بولا! اس جوان آدمی نے صحیح رائے دی ہے اور یہ شخص تم میں سب سے اچھی رائے رکھنے والا ہے۔ اس نے جو رائے دی ہے میرے خیال میں بھی اس کے علاوہ کوئی دوسری رائے درست نہیں ہے۔ سب نے اسی پر اتفاق کر لیا اور مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔

حضرت جبریلؑ کی آمد

اِدھر تو یہ لوگ متفرق ہوئے اور اُدھر حضرت جبریل علیہ السّلام حاضر خدمت ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے مشورے سے باخبر کر دیا اور عرض کیا کہ آپ جس گھر میں رات گزارہ کرتے ہیں اس میں رات کو نہ رہیں ساتھ ہی انہوں نے مشرکین کے مشوروں سے آپ کو باخبر کر دیا۔ آپ نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اپنی جگہ رات گذارنے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ اس کے بعد آپ سفر ہجرت کے لئے روانہ ہو گئے، اور ایک مٹھی میں مٹی بھر کر دشمنوں کی طرف پھینک دی جو اُن کے سروں میں بھر گئی اور آپ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ (یٰس، ۹) پڑھتے ہوئے روانہ ہو گئے، آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ دونوں حضرات راتوں رات غارِ ثور میں پہنچ گئے (آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ چھوڑ دیا تھا تاکہ وہ امانتیں ادا کر دیں جو آپ کے پاس رکھی رہتی تھیں۔ سچائی اور امانت داری ایسی ہی چیز ہے جو سچے اور امانت دار شخص کا لوہا خود منوا

دیتی ہے، اہلِ مکہ آپؐ سے دشمنی بھی کرتے تھے لیکن ساتھ ہی اپنی امانتیں رکھنے کے لئے آپؐ ہی کو منتخب کر رکھا تھا۔)

مشرکین کی ناکامی جب آپؐ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ مکہ معظمہ سے تشریف لے گئے تو مشرکینِ مکہ اس خیال میں رہے کہ صبح اٹھ کر باہر تشریف لائیں گے، صبح ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر حیران رہ گئے، ارادہ تھا کہ حملہ کریں لیکن جب دیکھا کہ جسے قتل کرنا تھا وہ موجود نہیں۔ لہٰذا اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تمہارے دوست کہاں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے پتہ نہیں۔ لہٰذا قدموں کے نشانوں پر چلتے رہے یہاں تک کہ غارِ ثور تک پہنچ گئے۔ وہاں دیکھا کہ غار کے دروازہ پر مکڑی نے جالا بُن رکھا ہے یہ دیکھ کر ٹھٹھک کر رہ گئے اور کہنے لگے کہ اگر اس کے اندر گئے ہوتے تو مکڑی کا جالا غار کے دروازہ پر کیسے ہوتا؟

یہ حضرات جب غارِ ثور کے منہ پر پہنچ گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ان میں سے اگر کوئی شخص اپنے قدموں کی طرف نظر کرلے تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آپؐ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (التوبۃ: ۴۰) غمگین نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے) آپؐ نے تین دن غارِ ثور میں قیام فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ کا غلام عامر بن فہیرہؓ روزانہ رات کو دودھ لے جاکر پیش کردیتا تھا۔ دونوں حضرات اس کو پی لیتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کی جاں نثاری

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غارِ ثور پہنچنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے خیال سے کبھی آگے چلتے تھے اور کبھی پیچھے اور کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف اور مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی تکلیف پہنچے تو مجھے پہنچ جائے آپؐ محفوظ اور صحیح سالم رہیں۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اس خیال سے کہ دشمنوں کو نشان ہائے قدم کا پتہ نہ چل جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اوپر اٹھا کر انگلیوں کے بل چلے یہاں تک کہ

اُن کی اُنگلیاں چھل گئیں۔

پھر جب غار ثور پہنچے تو عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ابھی باہر تشریف رکھیں، میں پہلے اندر داخل ہوتا ہوں اگر کوئی تکلیف دہ صورت حال پیش آئے تو مجھ ہی پر گزر جائے آپ محفوظ رہیں گے۔ اس کے بعد پہلے خود اندر گئے غار کو صاف کیا اس میں جو سوراخ تھے اپنا کپڑا پھاڑ پھاڑ کر انہیں بند کرتے رہے ایک سوراخ رہ گیا جس کا منہ بند کرنے کے لئے کچھ بھی نہ ملا لہٰذا انہوں نے اس پر ایڑی لگادی اور آنحضرت سرورِ عالم کو اندر بُلالیا۔ آپؐ اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سوراخ کے اندر سے سانپ نے ڈس لیا لیکن انہوں نے اس ڈر سے کہ کہیں آپؐ کی آنکھ نہ کھل جائے سُوراخ کے مُنہ سے نہ تو پاؤں ہٹایا اور نہ ذراسی حرکت کی تکلیف کی وجہ سے ان کے آنسو بہنے لگے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر گر گئے۔ آنسو گرنے سے آپؐ کی آنکھ کھل گئی اور آپؐ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ کیا بات ہے؟ عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے تو کسی نے ڈس لیا ہے۔ آپؐ نے اپنا لعابِ مبارک ڈال دیا جس کی وجہ سے اُن کی تکلیف جاتی رہی۔ (درمنثور ص ۲۴۱ ج ۲ و مشکوٰۃ المصابیح ص۵۵۶)

اس جانثاری اور فداکاری کو دیکھو اور روافض کی اس جاہلانہ بات کو دیکھو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمان ہی نہیں تھے۔ (العیاذ باللہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفرِ ہجرت اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہمراہی

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا کہ ایک دن ہم (حضرت ابوبکر کے اہل خانہ) عین دوپہر کے وقت گھر میں بیٹھے ہوئے تھے اچانک ایک آدمی آیا۔ اس نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ دیکھو وہ رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سر پر کپڑا ڈالے

ہوئے تشریف لارہے ہیں۔ یہ ایسا وقت تھا کہ رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف نہیں لایا کرتے تھے عموماً آپؐ کا تشریف لانا صبح وشام ہوتا تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپؐ پر میرے ماں باپ قربان ہوں اس وقت تشریف لانا کسی خاص ہی مقصد کے لئے ہے آپؐ حضرت ابوبکرؓ کے دروازہ پر پہنچ گئے اجازت طلب کی آپؐ کو اندر آنے کی اجازت دے دی گئی گھر میں داخل ہو کر آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ تنہائی میں بات کرنا ہے تمہارے پاس جو لوگ ہیں ان کو ذرا علیحدہ کر دو۔ ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ لوگ آپ ہی کے آدمی ہیں (ان سے کوئی خطرہ نہیں) آپؐ نے فرمایا کہ مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔ ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان میں سفر میں آپ کا ساتھی رہوں گا، میں نے دو سواریاں تیار کی ہیں ایک سواری آپ لے لیں۔ آپؐ نے فرمایا قیمت سے لوں گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مزید تفصیل بتاتے ہوئے بیان کیا کہ ہم نے جلدی جلدی سفر کا سامان تیار کر دیا اور ایک تھیلی میں کھانے پینے کا سامان رکھ دیا۔ اس تھیلے کا منہ بند کرنے کے لئے کچھ نہ تھا لہٰذا بہن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے اپنی کمر میں باندھنے کا پٹکا پھاڑ کر کے ایک ٹکڑے سے تھیلے کا منہ باندھ دیا۔ پٹکے کو عربی میں نطاق کہتے ہیں اس وجہ سے اسماء بنت ابی بکر کا لقب ذات النطاقین ہو گیا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ روانہ ہو گئے اور غار ثور میں جا کر قیام فرمالیا، اس میں تین دن پوشیدہ رہے۔ عبداللہ بن ابی بکر رات کو ان کے پاس پہنچ جاتا تھا، وہ بہت ہوشیار نوجوان تھا یہ رات کو ان حضرات کی خدمت میں پہنچتا اور صبح صبح واپس ہو کر مکہ معظمہ پہنچ جاتا تھا ان دونوں حضرات کے بارے میں مکہ والوں کے جو مشورے ہوتے تھے رات کو جا کر بتا دیتا تھا عامر بن فہیرہ جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غلام تھا وہ بکریاں چراتا تھا اور رات کو ان حضرات کے پاس دودھ لے کر حاضر ہو جاتا تھا، دونوں حضرات دودھ پی کر

رات گزارتے تھے [1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر ہجرت کے لئے روانہ ہونے لگے تو ان کے پاس جو کچھ بھی مال تھا یعنی پانچ چھ ہزار درہم وہ بھی ساتھ لے لئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ نابینا تھے وہ آئے اور گھر والوں سے کہنے لگے کہ میرا خیال ہے کہ ابوبکرؓ نے تم لوگوں کے لئے مال نہیں چھوڑا سارا مال ساتھ لے گئے اس سے تم لوگوں کو تکلیف ہوگی؟

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ابا جان ایسا نہیں ہے انہوں نے ہمارے لئے خیر کثیر چھوڑی ہے (مال کثیر نہیں کہا تاکہ بات سچ رہے) وہ فرماتی ہیں کہ میں نے کچھ پتھروں کے ٹکڑے لئے اور گھر کے اسی گوشہ میں رکھ دیئے جہاں والد صاحب اپنا مال رکھتے تھے پھر ان پر ایک کپڑا ڈال دیا اور دادا جان کا ہاتھ پکڑ کر اس پر رکھ دیا اور کہا کہ دیکھئے یہ مال ابا جان نے چھوڑا ہے، اس پر وہ کہنے لگے کہ جب اتنا مال چھوڑ دیا تو کوئی بات نہیں یہ تمہارے گزارے کے لئے ایک عرصہ تک کافی ہے۔ حضرت اسماءؓ نے بیان کیا کہ چھوڑا تو کچھ بھی نہ تھا میں نے دادا جان کی تسکین کے لئے ایسا کیا تھا۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے یہ بھی بیان فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے تو ہمارے پاس قریش کے چند افراد آئے جن میں ابوجہل بھی تھا یہ لوگ دروازہ پر کھڑے ہو گئے میں اندر سے نکلی تو سوال کیا کہ تمہارے والد کہاں ہیں میں نے کہا اللہ کی قسم مجھے تو معلوم نہیں یہ جواب سن کر ابوجہل نے مجھے ایک طمانچہ مارا جس سے میرے کان کی بالی بھی گر گئی، ابوجہل بڑا خبیث تھا [2]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو دو سواریاں تیار کر رکھی تھیں وہ دونوں مکہ سے روانگی سے پہلے ایک شخص کے حوالہ کر دی تھیں جو راستوں کو جاننے والا اور مسافروں کو راہ بتانے والا تھا اس کا نام عبداللہ بن اریقط تھا اس سے یہ طے ہو گیا تھا کہ تین دن

---

[1] صحیح بخاری ص ۵۵۳ [2] سیرت ابن ہشام

کے بعد وہ غارِ ثور پر دونوں اونٹنیاں لے کر پہنچ جائے گا (وہ شخص اگرچہ مشرک تھا لیکن پیسوں کے لالچ میں اس نے یہ بات گوارا کر لی تھی کہ مشرکین کو نہ بتائے گا اور تین دن کے بعد ان دونوں حضرات کے پاس پہنچ جائے گا) جب یہ شخص صبح صبح چوتھے دن غارِ ثور پر پہنچ گیا تو دونوں حضرات اونٹنیوں پر سوار ہو گئے اور وہ شخص انہیں سمندر کے کنارہ کنارہ مدینہ کی طرف لے کر روانہ ہو گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غلام عامر بن فہیرہ بھی ساتھ تھا۔

چلتے چلتے دوسرے دن دوپہر کے وقت دھوپ سخت ہو گئی تو حضرت ابوبکرؓ نے چاہا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سایہ میں آرام فرمالیں۔ چاروں طرف نظر ڈالی، ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا، سواری سے اُتر کر زمین جھاڑی، پھر اپنی چادر بچھادی۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آرام فرمایا تو تلاش میں نکلے کہ کہیں کچھ کھانے کو مل جائے تو لے جائیں۔ پاس ہی ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا اس سے کہا، ایک بکری کا تھن گرد وغبار سے صاف کر دے، پھر اس کے ہاتھ صاف کرائے اور دودھ دوہا۔ برتن کے منہ پر کپڑا لپیٹ دیا کہ گرد نہ پڑنے پائے، دودھ لے کر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے اور تھوڑا سا پانی ملا کر پیش کیا، آپؐ نے پی کر فرمایا کہ "کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں آیا"؟ آفتاب اب ڈھل چکا تھا، اس کے بعد آپؐ وہاں سے روانہ ہو گئے۔

سراقہ کا پیچھے لگنا

قریش مکہ تین دن تلاش کر کے عاجز تو ہو چکے تھے لیکن پھر بھی انہوں نے اعلان کر رکھا تھا کہ جو شخص ان دونوں حضرات کو قتل کر دے یا قید کر کے لے آئے اسے اتنا مال دیں گے۔ سراقہ بن مالک ایک شخص تھا جو بڑا ہوشیار سمجھا جاتا تھا اسے ایک شخص نے آکر بتایا کہ دیکھو میں نے دریا کے کنارے جاتے ہوئے کچھ لوگوں کو دور سے دیکھا ہے بظاہر یہ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی ہیں سراقہ نے بیان کیا (جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) کہ میرے دل میں کبھی تو یوں آتا تھا کہ یہ وہی حضرات ہوں گے اور کبھی

آتا تھا کہ نہیں وہ نہیں اسی طرح سوچ بچار کرتے ہوئے بالآخر میں نے اپنا نیزہ لیا اور اپنے گھوڑے کے پاس پہنچا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوا اور ان حضرات کے قریب تک پہنچ گیا وہاں جو پہنچا تو میرا گھوڑا پھسل گیا اور میں نیچے گر گیا۔ میں نے اپنے تیروں کے ذریعہ فال نکالی تو یہی سمجھ میں آیا کہ میں ان حضرات کو نہیں پکڑ سکتا تاہم میں پھر بھی گھوڑے پر سوار ہو کر پیچھے پیچھے چلتا رہا یہاں تک کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کی آواز آنے لگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی طرف توجہ نہیں فرما رہے تھے ہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ اِدھر اُدھر دیکھتے جاتے تھے ان حضرات کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے یہ ہوا کہ میرے گھوڑے کے سامنے کے دونوں پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ چنانچہ میں گھوڑے سے گر گیا پھر گھوڑے کو میں نے جھڑکا وہ اٹھا تو سہی لیکن حال یہ تھا کہ اس کی دونوں ٹانگیں زمین سے بآسانی نہیں نکلیں، میرا گھوڑا سیدھا کھڑا ہو گیا تو دیکھتا ہوں کہ آسمان پر دھوئیں کی طرح سے بہت زیادہ غبار ہے میں نے پھر فال نکالی تو یہی نکلا کہ یہ کام کرنا میرے بس کا نہیں ہے۔ میں نے سمجھ لیا کہ ان کا پیچھا کرنا اور ان پر قابو پانا میرے قابو سے باہر ہے۔ میں نے ان کو آواز دی کہ آپ لوگ ٹھہر جائیے میری طرف سے امان ہے، وہ حضرات ٹھہر گئے، اور میرے دل میں یہ آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ظاہر ہو کر رہے گا میں نے عرض کیا کہ آپ کی قوم نے آپ کو واپس لانے والوں کے لئے دیت (یعنی سو اونٹ) دینا طے کیا ہے (جو شخص آپ حضرات کو ان تک واپس پہنچا دے وہ اسے بہت سامان دیں گے) میں نے ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ میرے پاس کھانے پینے کی چیزیں ہیں آپ جو چاہیں لے لیں آپ نے نہیں لیا اور صرف اتنا فرمایا کہ تم پوشیدہ رکھنا اور ہماری خبر نہ دینا، سُراقہ نے عرض کیا کہ میرے لئے کوئی پرچہ لکھ دیجئے جس میں میرے لئے امان ہو (اور اس بات کی نشانی ہو کہ میں آپ کے پیچھے لگا تھا اور آپ تک پہنچ گیا تھا) آپ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا انہوں نے چمڑے کے ٹکڑے پر ایک پرچہ لکھ دیا۔[1] آٹھ سال کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طائف

---

[1] صحیح بخاری ص ۵۵۳، ۵۵۴۔

سے واپس ہوتے ہوئے جعرانہ (ایک جگہ کا نام ہے) میں مقیم تھے تو آپؐ کی خدمت میں وہ رقعہ پیش کر دیا اور اسلام قبول کر لیا۔

اس کے بعد یہ ہوا کہ جو لوگ قریش مکہ سے مال لینے کی لالچ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیچھا کرنے کے لئے نکلے تھے ان میں سے جو بھی کوئی ملتا سراقہ اسے آگے بڑھنے سے روک دیتا اور کہتا کہ ادھر کہاں جا رہے ہو میں سب دیکھ آیا ہوں ادھر نہیں ہیں۔

کسریٰ کے کنگن سراقہ کے ہاتھوں میں

روایت کیا گیا ہے کہ سفر ہجرت میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سراقہ کی ملاقات ہوئی تھی تو آپؐ نے ان سے یہ بھی فرمایا تھا کہ دیکھو ایک وہ وقت آئے گا جب تم کسریٰ (فارس کے بادشاہ) کے کنگن پہنو گے۔ فارس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتح ہوا اور کسریٰ کے کنگن ان کی خدمت میں پیش کئے گئے ان کے ساتھ کسریٰ کی کمر کا پٹکا اور سر کا تاج بھی تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سراقہ کو بلا کر یہ سب کچھ پہنا دیا اور فرمایا کہ ہاتھ اٹھاؤ اور یوں کہو الحمد للہ الذی سلبهما من کسریٰ بن هرمز والبسهما سراقة الأعرابی [1]

(سب تعریف اللہ کے لئے جس نے ان کو ہرمز کے بیٹے کسریٰ سے چھین لیا اور عرب کے ایک دیہاتی سراقہ کو پہنا دیا)

ام معبد کے خیمے کے پاس قیام فرمانا

سفر ہجرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ام معبد پر گزر ہوا یہ قبیلہ بنی خزاعہ کی عورت تھی اس کے خیمہ پر آپؐ کا گزر ہوا تو وہاں قیام فرما لیا۔ آپؐ نے سوال فرمایا کیا تمہارے پاس کھانے پینے کو کچھ ہے؟ ہم قیمت سے لے لیں گے۔ اس نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم نہ ہمارے پاس کھانے کو کچھ ہے نہ کوئی دودھ والی بکری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بکریوں میں سے ایک بکری کو اپنے پاس بلایا اور اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیر دیا اور بسم اللہ پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

---

[1] الاستیعاب، الاصابہ

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ (اے اللہ اس کی بکری میں برکت دے)

پھر ایک پیالے میں دودھ دوہا یہاں تک کہ اس میں جھاگ آگئے۔ فرمایا اے ام معبد لے یہ دودھ ہے، ام معبد نے کہا کہ آپ ہی پیجئے آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں آپ نے دوبارہ ام معبد کے پاس بھیج دیا اور اس نے پی لیا پھر آپ نے دوسری بکریوں کے تھنوں پر بھی اپنا مبارک ہاتھ پھیرا اور عبداللہ بن اُریقط کو پلایا اور آپ کے ساتھیوں نے بھی نوش جان کیا، سب سے آخر میں آپ نے پیا اور فرمایا ساقی القوم آخرهم شربا (جو لوگوں کو پلائے وہ سب سے آخر میں پیئے)

ام معبد کے شوہر اُبو معبد آئے تو انہوں نے دودھ دیکھا تو سوال کیا کہ دودھ کہاں سے آیا جب کہ گھر میں دودھ دینے والی کوئی بکری نہیں، ام معبد کہنے لگی کہ اللہ کی قسم ایک مبارک شخص تشریف لائے تھے ان کے دودھ دوہنے سے بکری دودھ دینے لگی، ابو معبد نے کہا کہ جس مہمان کی وجہ سے ہمارے گھرانے میں یہ برکت ہوئی ان کی صفت بیان کرو تو ام معبد نے آپ کی صفت بیان کرتے ہوئے کہا:

رأيت رجلاً ظاهر الوضاءة، أبلج الوجه، حسن الخلق،
لم تعبه نحلة، ولم تُزر به صعلة، وسيم قسيم.
وقال محمد بن موسى: وسيماً قسيماً. في عينه دَعَج،
وفي اشفاره غطف، وفي صوته صهل، وفي عنقه سطع
وفي لحيته كَثَاثَةٌ، أزجُّ أقرَن. إن صَمَتَ فعليه الوقار
وان تكلّم سما وعلاه البهاءُ، أجمل الناس وأبهاه من
بعيد، واحلاه واحسنه من قريب. حلو المنطق، فصل
لا نزر ولا هزر. كان منطقه خرزات نظم يتحدرن
ربعةٌ لا بائن من طول، ولا تقتحِمُه عين من قصر،
غصنًا بين غصنين فهو انضر الثلاثة منظراً،
وأُحسنهم قدراً، له رفقاء يَحُفُّون به، إن قال

أنصتوا لقوله، وإن أمر تبادروا إلى أمره، محفود محشود لا عابس ولا مفند۔

ترجمہ: میں نے ایسے آدمی کو دیکھا جو بہت خوبصورت تھا اس کا چہرہ روشن تھا خلقی طور پر حسین تھا، دبلا پتلا نہیں تھا، اس کی کمر نہ پھولی ہوئی تھی اور نہ اس میں دُبلا پن تھا، اس کے اعضاء میں شکستگی نہیں تھی اور سر بھی اس کا چھوٹا نہیں تھا، وہ حسن ظاہری سے موصوف تھا، آنکھوں کی پتلیاں سیاہ تھیں اور پلکیں دراز تھیں، آواز میں بھاری پن نہیں تھا اور گردن میں بلندی تھی ڈاڑھی گھنی تھی بھویں باریک تھیں، یہ شخص اگر خاموش ہوتا تو اس پر وقار ظاہر ہوتا تھا اور بات کرتا تو خوبصورتی ظاہر ہوتی تھی۔ دور سے دیکھنے ہی سے جمال ظاہر ہوتا تھا قریب سے دیکھو تو مٹھاس اور حسن ظاہر ہوتا تھا، بات میں مٹھاس تھی، جملہ اور کلمات الگ الگ تھے، نہ بات اتنی مختصر کہ سمجھ میں نہ آئے اور نہ ضرورت سے زیادہ، کلمات ایسے تھے جیسے پروئے ہوئے موتی گر رہے ہیں، دیکھنے میں قد زیادہ دراز معلوم نہیں ہوتا تھا اور قد مختصر بھی نہیں تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک ٹہنی دو ٹہنیوں کے درمیان ہے، تین اشخاص جو آئے تھے یہ شخص خوبصورتی کے اعتبار سے سب سے زیادہ نظر میں بھلنے والا تھا اور سب سے اچھی شان والا تھا اس کے ساتھی اُسے ہر وقت گھیرے ہوئے تھے اگر وہ بات کرتا تو خاموشی کے ساتھ سنتے تھے، اگر کوئی حکم دیتا تھا تو جلدی سے اس پر عمل کر لیتے تھے، وہ شخص مخدوم تھا اس کے رفقاء ساتھ لگے رہتے تھے اس کے چہرہ میں کوئی تُرشی نہ تھی اور اس پر بڑھاپے کے آثار نہ تھے۔

ام معبد (معبد کی والدہ) کا نام عاتکہ تھا اور والد کا نام خالد تھا۔ مؤرخ واقدی نے بیان کیا ہے کہ ام معبد نے اسلام قبول کر لیا تھا ان کے شوہر کے بارے میں نقل کیا ہے کہ جب ان سے ام معبد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف نقل

کے تو برجستہ کہنے لگے کہ واللہ یہ تو وہی شخص معلوم ہوتا ہے جس کا تذکرہ میں نے مکہ معظمہ میں قریش سے سنا ہے میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ میں ان کی صحبت اختیار کروں گا۔ اس موقعہ پر مکہ معظمہ میں مندرجہ ذیل اشعار سُنے گئے کسی کے پڑھنے کی بلند آواز آرہی تھی لیکن پڑھنے والے کا پتہ نہ تھا لہ

جزی اللہ رب الناس خیر جزائہ	رفیقین حلّا خیمتی ام معبد
ھما نزلا بالبر وارتحلا بہ	فافلح من امسی رفیق محمدٌ
فیال قصی ما زوی اللہ عنکم	بہ من فعال لا تجازی وسودد
سلوا اختکم عن شاتھا وانائھا	فانکم ان تسالوا الشاۃ تشھد
دعاھا بشاۃ حائل فتحلبت	لہ بصریح ضرۃ الشاۃ مزبد
فغادرہ رھنا لدیھا لحالب	یدرتھا من مصدر ثم مورد

ترجمہ: (۱) اللہ تعالیٰ بہتر جزا عطا فرمائے جو لوگوں کا رب ہے ان دو ساتھیوں کو جو ام معبد کے خیمہ کے قریب قیام پذیر ہوئے (۲) وہ دونوں نیکی کے ساتھ نازل ہوئے اور نیکی کے ساتھ روانہ ہوئے سو وہ شخص کامیاب ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رفیق بنا (۳) ارے بنی قصی اتہاری محرومی ہے اللہ تعالیٰ نے تم سے کیسی ہستی کو جدا فرمادیا جس کے افعال بے مثال ہیں اور جس کی سرداری کے برابر کوئی سرداری نہیں (۴) اپنی بہن (ام معبد) سے دریافت کرلو اس کی بکری اور برتن کا حال اور اگر بکری سے پوچھو گے تو وہ بھی گواہی دے گی (۵) اس مہمان نے بکری کو بلایا جو بے دودھ والی تھی تو اس بکری کے تھن سے خالص جھاگ مارتا ہوا دودھ لے لیا (۶) پھر اس بکری کو اس عورت ام معبد کے پاس ہی چھوڑ دیا جو دوہنے والے کو دودھ دیتی رہے گی اول میں بھی اور دوسری بار بھی۔

ام معبد کا گھر مقام قُدید میں تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے آگے

لہ صفۃ الصفوۃ ص ۵۳، ۵۴ ج ۱

بڑھے، منزلیں طے فرماتے ہوئے بروز دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول کو چاشت کے وقت مدینہ منورہ کے محلہ قبا میں پہنچ گئے۔ اہلِ مدینہ کو آپ کی تشریف آوری کی خبر مل چکی تھی روزانہ صبح کو آبادی سے باہر جاتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے تھے، سخت گرمی کا زمانہ تھا جب کسی آنے والے سے ملاقات نہ ہوتی تو واپس آجاتے جس دن آپؐ پہنچے ہیں اس دن بھی انتظار کر کے واپس آگئے تھے جب آپؐ حضرت ابوبکر صدیق کو ساتھ لئے ہوئے شہر میں داخل ہوئے تو ایک یہودی کی نظر پڑ گئی اس نے زور سے پکار کے آواز دی کہ اے بنی قیلہ تم لوگ جس شخص کے انتظار میں تھے وہ پہنچ گیا۔ حضرات انصار رضی اللہ عنہم اپنے گھروں سے نکلے اور آپ کا استقبال کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپؐ کے ساتھ تھے، دونوں شہر میں تشریف لائے اور حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے مکان میں تشریف فرما ہوگئے جو بنی عمرو بن عوف کے قبیلہ سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق بھی ساتھ تھے حاضرین نے ان کے بارہ میں یہ تصور کر لیا کہ یہ رسول اللہؐ ہیں۔ پھر جب دھوپ آئی تو حضرت ابوبکرؓ اپنی چادر دے کر سایہ کرنے کے لئے کھڑے ہوگئے۔ حاضرین کو اب پتہ چلا کہ کون خادم ہے اور کون مخدوم ہے، حاضرین نے حضرت ابوبکرؓ کو رسول اللہ کی ذات گرامی اس لئے سمجھا کہ ان کی ڈاڑھی میں خضاب لگا ہوا تھا، سرخ ڈاڑھی ہونے کی وجہ سے ان کو عمر میں بڑا سمجھ کر مرتبہ میں بھی بڑا سمجھ لیا۔ آپؐ نے حضرت کلثوم بن ہدم کے دولت کدہ پر ابتدائی قیام فرمایا تھا پھر لوگوں کی آمد ورفت کی وجہ سے سعد بن خیثمہ کے گھر میں تشریف فرمایا کرتے تھے کیونکہ ان کے اہل و عیال نہ تھے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکہ معظمہ میں چھوڑ کر روانہ ہوگئے تھے تاکہ لوگوں کی امانتیں ادا کر دی جائیں جو لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس رکھوائی تھیں، حضرت علی

رضی اللہ عنہ نے تین دن مکہ معظمہ میں قیام کیا اور امانتیں ادا کیں۔ پھر مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ ابھی آپ کلثوم بن ہدم کے مکان پر ہی تھے کہ آپ کے پہنچنے کے ایک دو دن بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے۔

مسجد قباء کی بنیاد

قیام قباء کے دوران رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد قباء کی بنیاد ڈالی یہ سب سے پہلی مسجد ہے جو اسلام کی تاریخ میں تعمیر کی گئی۔ پہلے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبلہ کی جانب پتھر رکھا پھر حضرت ابوبکرؓ نے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہم نے ایک ایک پتھر رکھا اس کے بعد تعمیر شروع ہوئی۔ منافقین نے بھی قباء میں اپنی مجرمانہ حرکتیں جاری رکھنے کے لئے ایک مسجد بنائی تھی جو مسجد ضرار کے نام سے موسوم کی گئی اس مسجد کو گرا دیا گیا اور مسجد قباء اب تک باقی ہے، مسجد ضرار کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا) ترجمہ: آپ اس مسجد میں کبھی بھی کھڑے نہ ہو۔

اور مسجد قباء کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ) (التوبۃ: ۱۰۸)

ترجمہ: البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہو وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔

جو مسجد تقویٰ کی بنیاد پر بنائی گئی اس سے کون سی مسجد مراد ہے؟ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مسجد قباء مراد ہے اور بعض روایات میں ہے کہ اس سے مراد مسجد نبوی ہے۔ محققین نے فرمایا ہے کہ اس میں کوئی تعارض کی بات نہیں ہے دونوں مسجدیں (مسجد قباء، مسجد نبوی) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بنائی ہوئی ہیں اور دونوں کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔ پھر فرمایا:

(فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ) (التوبہ)

ترجمہ: "اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔"

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اے انصار کی جماعت بے شک اللہ نے پاکی اختیار کرنے کے بارے میں تمہاری تعریف فرمائی ہے تو بتاؤ تمہاری کیا پاکیزگی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم نماز کے لئے وضو کرتے ہیں اور جنابت ہو جائے تو غسل کرتے ہیں اور پانی سے استنجا کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ یہی بات ہے لہٰذا تم اس کے پابند رہو (لہٰذا تمام مسلمانوں کے لئے یہ قانون ہو گیا کہ پتھر یا ڈھیلے استعمال کرنے کے بعد پانی سے بھی دھویا کریں۔

قبا سے شہر مدینہ کو روانگی اور حضرت ابو ایوبؓ کے گھر میں قیام

قبار میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قبار میں چند دن قیام فرمایا پھر جمعہ کے دن آپؐ شہر مدینہ کے لئے روانہ ہوئے، راستہ میں بنی سالم بن عوف کا محلہ پڑتا تھا اس محلہ میں آپؐ نے نماز جمعہ ادا فرمائی یہ جگہ وادی رانوناء کے نام سے معروف ہے۔ یہ سب سے پہلا جمعہ تھا جو آپؐ نے ہجرت کے بعد ادا فرمایا جمعہ پڑھ کر جب شہر کی طرف روانہ ہوئے تو مدینہ منورہ کے رہنے والے اپنی درخواست پیش کرتے رہے اور عرض کرتے رہے کہ یارسول اللہ ھلم الینا الی العدد والعدۃ والمنعہ (یارسول اللہ تشریف لائیے ہمارے پاس قیام فرمائیے ہماری تعداد بھی اچھی خاصی ہے ہر طرح کا سامان بھی ہے حفاظت کا انتظام بھی ہے) آپؐ آگے بڑھتے رہے اور پیش کش کرنے والے اصحاب سے فرماتے رہے خَلُّوْا سَبِيْلَهَا فَاِنَّهَا مَامُوْرَةٌ (اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو اسے آگے بڑھنے دو یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے) چلتے چلتے اونٹنی بنی مالک بن النجار کے گھرانہ

کے پاس پہنچ کر بیٹھ گئی، یہ جگہ اس جگہ کے قریب تھی جہاں اب مسجد نبوی ہے۔ اونٹنی بیٹھ تو گئی لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے نہیں اترے، اس کے بعد اونٹنی اٹھی تھوڑی دور چلی پھر پیچھے کو مڑی اور اسی جگہ آکر بیٹھ گئی جہاں پہلے بیٹھی تھی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی باگ کو ڈھیل دے رکھی تھی اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا کیونکہ آپ نے فرمادیا تھا کہ مامورہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاں اس کو بیٹھنے کا حکم ہوا ہے وہیں بیٹھے گی۔ جب دوسری بار بیٹھ گئی اور اپنی گردن کو وہیں رکھ دیا تو آپ اونٹنی سے اترے، یہ جگہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے قریب بھی تھی جن کا اسم گرامی خالد بن زید تھا۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے آپ کا سامان اونٹنی سے اتارا اور اپنے گھر لے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ کے گھر میں تشریف فرما ہوگئے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اونٹنی پر بات چھوڑ دی کہ جہاں بیٹھ گئی وہاں اتر جائیں گے خود سے کسی کے گھر قیام فرمانا مناسب نہیں جانا بہت سے صحابہ نے پیش کش کی اور اپنے گھر قیام کرانا چاہا لیکن آپ نے عذر فرمادیا اور اونٹنی پر بات رکھ دی اگر آپ کسی ایک شخص کے ہاں اقامت فرمالیتے تو دوسروں کی دل شکنی کا اندیشہ تھا اس لئے آپ نے اونٹنی پر معاملہ رکھ دیا پھر وہ جہاں خود سے بیٹھی تو آپ اونٹنی سے اتر آئے۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف فرما ہوئے تو نیچے کی منزل میں قیام فرمایا۔ میں اور میری اہلیہ ام ایوب اوپر کی منزل میں رہنے لگے۔ ایک دن میں نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یہ تو مجھے بہت ہی ناگوار ہے کہ ہم آپ کے اوپر کی منزل میں رہیں اور آپ نیچے کی منزل میں ہوں آپ اوپر کی منزل میں تشریف لے آئیں ہم نیچے کی منزل میں رہیں گے۔ آپ نے فرمایا اے ابو ایوب ہم پر اور ہمارے پاس آنے والوں پر رحم کھاؤ ہمارا نیچے کی ہی منزل پر رہنا

ہی مناسب ہے۔ چنانچہ ہم اوپر ہی کی منزل میں رہتے رہے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ ہمارا پانی کا مٹکا ٹوٹ گیا پانی بہنے لگا ہمیں ڈر ہوا کہ پانی بہہ کر آپ تک نہ پہنچ جائے لہٰذا میں نے اور ام ایوب نے ایک چادر لی جس سے پانی کو پونچھتے رہے اور چھت کو صاف کرتے رہے اس وقت ہمارے پاس یہی ایک چادر تھی۔

پیاز لہسن کھانے سے پرہیز

حضرت ابو ایوب انصاری نے مزید بیان فرمایا کہ ہم رات کا کھانا تیار کر کے آپؐ کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے اس میں سے جو کھانا بچ کر آتا تھا میں اور ام ایوب اسے کھا لیتے تھے اور اسی جگہ ہاتھ ڈالتے تھے جہاں سے آپؐ نے کھایا تھا۔ ایک دن ہم نے آپ کے لئے کھانا بھیجا تو جیسا تھا ویسا ہی واپس آ گیا میں گھبرایا ہوا خدمت عالی میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ نے پورا کھانا واپس فرما دیا آپ کے دستِ مبارک کا اس میں کوئی نشان نہیں اب تک ہمارا طریقہ یہ رہا ہے کہ جب آپ کا بچا ہوا کھانا واپس جاتا تھا تو میں اور ام ایوب اسی جگہ سے کھاتے تھے جہاں سے آپؐ نے تناول فرمایا تھا۔ آپؐ نے فرمایا مجھے اس کھانے میں بدبو والے درخت (پیاز یا لہسن) کی بُو محسوس ہوئی اس لئے میں نے نہیں کھایا کیونکہ میری بات چیت اس مخلوق سے ہوتی ہے جس سے تمہاری بات چیت نہیں ہوتی لہٰذا تم کھالو اس کے بعد ہم نے جب کبھی آپؐ کے لئے کھانا تیار کیا اس میں پیاز یا لہسن نہیں ڈالا (وروى جابر أن النبي صلى الله عليه وسلم أتي بقدر فيه خضرات من بقول فوجد لها ريحا فقال قربوها إلى بعض أصحابه وقال كل فإني أناجي من لا تناجي (رواه البخاري ومسلم)

مسجد نبویؐ کی تعمیر

شہر مدینہ منورہ میں قیام فرمانے کے بعد ہی حضرت سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مسجد بنانے کی فکر ہوئی جہاں آپؐ کی اونٹنی بیٹھ گئی تھی وہاں ایک جگہ خالی تھی جس

پر کوئی عمارت بنی ہوئی نہ تھی آپ نے چاہا کہ یہاں مسجد بنائی جائے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کس کی جگہ ہے حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ سہل بن عمرو اور سہیل بن عمرو کی زمین ہے اور یہ دونوں بھائی یتیم ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ مسجد تعمیر فرمالیں میں ان دونوں کو راضی کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں یتیم لڑکوں سے خریداری کا معاملہ کیا۔ وہ دونوں کہنے لگے یا رسول اللہ ہم بلا قیمت ہی پیش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی سے اس کا بدلہ چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم قیمتاً لیں گے چنانچہ وہ فروخت کرنے پر راضی ہوگئے، آپ نے ان سے خرید کر مسجد کی تعمیر فرمادی۔ کچھ خراب جگہ تھی جس میں نشیب وفراز تھا۔ کچھ کھجور کے درخت تھے کچھ مشرکین کی قبریں تھیں، کھجوروں کو کاٹ دیا گیا اور اونچے نیچے حصہ کو برابر کردیا گیا اور مشرکین کی قبروں میں جو کچھ تھا اس کو علیحدہ کرکے پھینک دیا گیا۔ حضرات صحابہ کرام نے مسجد بنانی شروع کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ شریک عمل تھے جو کھجور کے درخت کاٹے تھے ان کو قبلہ کی طرف برابر برابر لگادیا اور کچھ درختوں کے ستون کھڑے کردئے اور دروازہ کے دونوں جانب پتھروں کی چوکھٹ بنادی اور چھت میں کھجور کی ٹہنیاں لگادیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ مشغول عمل تھے اور یہ پڑھتے جاتے تھے۔

هذا الحمال لا حمال خيبر　　　هذا أبر ربنا واطهر

اللّٰهم ان الأجر أجر الآخرة　　　فارحم الانصار والمهاجرة

ترجمہ: یہ بوجھ اٹھانا خیبر کا بوجھ اٹھانا نہیں ہے (جہاں سے کھجوریں آتی ہیں) اے ہمارے رب یہ سب سے بڑی نیکی ہے سب سے زیادہ پاکیزہ عمل، اے اللہ بے شک اصل اجر آخرت کا اجر ہے سو انصار ومہاجرین پر رحم فرمایئے[1]

جو حضرات صحابہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد بنا رہے تھے ان میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی تھے دوسرے حضرات ایک ایک اینٹ اٹھا

---

[1] صحیح بخاری ص ۵۵۵ و ۵۶۰

کرلاتے تھے اور حضرت عمار دو دو اینٹیں اٹھا کر لا رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ لیا اور ان کے بدن سے مٹی جھاڑتے ہوئے فرمایا کہ عمار کو باغیوں کی جماعت قتل کرے گی، عمار ان کو جنت کی طرف اور وہ لوگ عمار کو دوزخ کی طرف بلاتے ہوں گے[۱] اس کے بعد حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اچھی خاصی عمر پائی، اور حضرت علی اور حضرت معاویہ کی جنگ میں شہید ہوئے اس وقت وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرف داروں میں سے تھے[۲]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبا میں قیام فرماتے ہی مسجد بنانے کی طرف توجہ فرمائی اس میں یہ بتا دیا کہ مسجد اہل اسلام کی سب سے پہلی ضرورت کی چیز ہے جہاں کہیں بھی مسلمان آباد ہوں مسجد بنانے کی طرف توجہ دیں، روا جی پختہ اینٹ پتھر کی مسجد ہونا ضروری نہیں کچی زمین پر چھپر ڈال دیں شرعی مسجد ہو گئی بعد میں آنے والے مسلمان ان شاء اللہ تعالیٰ آگے اس کی توسیع کرتے رہیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبا کے زمانہ قیام میں بھی مسجد کی تعمیر فرمائی پھر جب مدینہ منورہ میں اندرون شہر تشریف لے آئے تو وہاں بھی مسجد بنانے کی طرف توجہ فرمائی اور اس کام میں جلدی کی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے مسجد اپنی اسی حالت پر رہی جیسی آپؐ نے بنائی تھی آپؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے بھی اس میں کچھ اضافہ نہیں کیا حضرت عمرؓ نے اضافہ تو کیا لیکن دیواروں کی جگہ نہیں بدلی پرانی ہی بنیاد پر مسجد کو باقی رکھتے ہوئے ستونوں کو بدل دیا تھا اور کھجوروں کی جگہ لکڑیاں لگا دی تھیں، کیونکہ بنائے اول میں جو کھجوروں کے ستون لگائے گئے تھے اُن میں گھن لگ گیا تھا پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے مسجد میں بہت سا اضافہ کر دیا اور دیواریں پتھر کی پختہ بنا دیں اور ستون بھی پتھر کے بنا دیے اور چھت بھی ساگوان کی لکڑی کی بنا دی[۳]

---

[۱] صحیح بخاری ص ۶۱ [۲] سیرت ابن ہشام [۳] صحیح بخاری ص ۶۴

اہل وعیال کا مکہ معظمہ سے طلب فرمانا

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے ہی مکہ معظمہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمالیا تھا اس وقت آپ کی عمر پچیس ۲۵ سال تھی ان سے جو دو تین صاحبزادے پیدا ہوئے تھے ان کی بچپن ہی میں وفات ہوگئی تھی، البتہ حضرت خدیجہؓ سے جو چار صاحبزادیاں پیدا ہوئی تھیں وہ ہجرت فرمانے کے وقت موجود تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمالیا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے نکاح پُرفلاح میں آگئی تھیں لیکن وہ چھوٹی تھیں اس لئے ان کی رخصتی مکہ معظمہ میں نہیں ہوئی تھی، جب آپ ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت سودہ بنت زمعہؓ کو مکہ معظمہ ہی میں چھوڑ آئے تھے اور آپ کی صاحبزادیاں حضرت زینب، حضرت ام کلثوم، حضرت رقیہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن بھی مکہ معظمہ میں رہ گئی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمانے کے بعد چند دن قبا میں قیام فرمایا، امانتیں ادا کرنے کے لئے آپ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو مکہ معظمہ میں چھوڑ آئے تھے، پھر تین دن کے بعد وہ بھی قبا پہنچ گئے۔ قبا میں قیام فرمانے کے بعد آپؐ شہر مدینہ میں تشریف لائے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں قیام فرمایا، مسجد نبوی تعمیر فرمائی اور اپنی رہائش کے لئے بھی دو حجرے بنوالئے۔ آپؐ اور آپ کے رفیقِ سفر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے تھے، مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہونے کے بعد اہل وعیال کو بلانے کے لئے فکرمند ہونا ضروری تھا لہٰذا آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پانچ سو درہم عنایت فرمائے اور ان سے فرمایا کہ جاؤ مکہ معظمہ سے ہمارے اہل وعیال کو لے آؤ، حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ آپ نے اپنے غلام

ابورافع کو بھیجا۔

یہ دونوں حضرات مکہ معظمہ پہنچے اور کسی طرح تدبیر کر کے حضرت سودہؓ اور حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ اور حضرت ام ایمن اور ان کے بیٹے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کو اونٹوں پر بٹھا کر مدینہ منورہ لے آئے، آپؐ نے جو حجرے پہلے سے بنوا رکھے تھے ان میں قیام کرا دیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر والے بھی ان حضرات کے ساتھ مدینہ منورہ آگئے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس قافلہ کے ساتھ نہ آسکیں؛ کیونکہ وہ اپنے شوہر ابوالعاص بن ربیع کے نکاح میں تھیں جو اُن کے خالہ زاد بھائی بھی تھے اور ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، انہوں نے حضرت زینبؓ کو اس قافلہ کے ساتھ نہ آنے دیا پھر سنہ ۲ ہجری میں حضرت زینبؓ نے اپنے شوہر کو حالتِ کفر میں چھوڑ کر مدینہ منورہ کو ہجرت کی، یہ غزوۂ بدر کے بعد کا واقعہ ہے۔

ہجرت کے وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو یہ دردناک واقعہ پیش آیا کہ جب وہ ہجرت کے ارادہ سے نکلیں تو ہبار بن اسود اور اس کے ایک اور ساتھی نے ان کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کیا ان دونوں میں سے کسی ایک نے دھکا دے دیا جس کی وجہ سے وہ ایک پتھر پر گر پڑیں اور ایسی تکلیف پہنچی کہ ان کا حمل ساقط ہوگیا اس حادثہ کی تکلیف ان کو آخری دم تک رہی جو ان کی وفات کا سبب بن گیا۔

بعض روایات میں ہے کہ جب وہ ہجرت کے لئے گھر سے نکلیں تو ہبار اور اس کے ساتھی نے ان کو روکا اور گھر میں واپس کر دیا۔ ابوالعاص کی اجازت دینے کے باوجود ان لوگوں نے یہ حرکت کی، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو ہمراہ لانے کے لئے مدینہ منورہ سے آدمی بھیجا جس کے ساتھ وہ مدینہ منورہ تشریف لے آئیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو جو تکلیف پہنچی تھی اس کے بارے میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ وہ میری سب سے اچھی بیٹی تھی جو میری محبت میں ستائی گئی۔

اس کے بعد ان کے شوہر حضرت ابوالعاص نے بھی اسلام قبول کر لیا اور مدینہ منورہ آگئے۔ آپؐ نے اپنی صاحبزادی زینبؓ کا ان سے دوبارہ نکاح فرما دیا[1]

---

[1] وقیل ردھا الیہ بالنکاح الاول واختلفت الروایات فی ذٰلک ۱۲

حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں وہ ان کو ساتھ لے کر حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے ان کے ساتھ چند دیگر مسلمان بھی تھے جو سفرِ ہجرت میں شریک تھے۔ یہ حضرات حبشہ پہنچے تو وہاں خبر ملی کہ قریشِ مکہ مسلمان ہوگئے ہیں اور اسلام کا غلبہ ہو گیا ہے اس خبر سے بہت خوش ہوئے اور اپنے وطن کو واپس لوٹ آئے لیکن مکہ معظمہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے پھر اُن میں سے بعض حضرات وہیں سے حبشہ کو واپس ہوگئے اور بعض حضرات مکہ معظمہ ہی میں رہ گئے جن حضرات نے دوبارہ حبشہ کو ہجرت کی ان میں حضرت عثمانؓ اور ان کی اہلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، بعد میں یہ دونوں حبشہ سے مکہ معظمہ آگئے اور وہاں سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی جو اُن حضرات کی تیسری ہجرت تھی ان دونوں نے بعد میں مدینہ منورہ کو ہجرت کی تھی اور حضرت زینبؓ اپنے شوہر کے ساتھ مکہ معظمہ ہی میں رہ گئی تھیں، پھر خود ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچی تھیں اس لئے حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ آنے والوں میں صرف حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ کی تشریف آوری کا تذکرہ کیا گیا ہے [1]

---

[1] البدایہ، الاستیعاب، الاصابہ

مَدِینہ مُنوّرہ پہنچ کر
ضروری اعمال واشغال

مدینہ منورہ پہنچ کر دو خطبے

اوّل خطبة خطبها رسول الله حين قدم المدينة

عن ابی سلمة بن عبد الرحمٰن بن عوف، قال: "كانت أول خطبة خطبها رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة أنه قام فيهم فحمد الله وأثنى عليه بما هو أهله ثم قال:
أما بعد أيها الناس فقدموا لأنفسكم، تَعْلَمُنَّ والله ليُصْعَقَنَّ احدكم، ثم ليدعن غنمه ليس لها راع، ثم ليقولن له ربه ليس له ترجمان ولا حاجب يحجبه دونه، ألم يأتك رسولي فبلّغك، وآتيتك مالا، وأفضلت عليك، فما قدمت لنفسك فلينظُرَنَّ يَمِينًا و شمالًا فلا يرى شيئًا، ثم لينظرن قدامه فلا يرى غير جهنم، فمن استطاع أن يقي وجهه من النار ولو بشق تمرة (۱) فليفعل، ومن لم يجد فبكلمة طيبة فإن بها تُجزى الحسنة عشر أمثالها إلى سبعمائة ضعف والسلام عليكم وعلى رسول الله (صلى الله عليه وسلم) ورحمة الله وبركاته." ۱؎

پہلا خطبہ

امابعد، اے لوگو تم اپنی جانوں کے لئے آگے (اچھے اعمال واموال) بھیجو اور اس بات کو سمجھ لو کہ ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے کہ انسان

موت کے وقت بے ہوش ہو جائے گا پھر مر جائے گا، اپنی بکریوں کو اس حال میں چھوڑ دے گا کہ کوئی شخص ان کو چرانے والا نہ ہوگا۔ پھر اس کا رب اس سے سوال فرمائے گا اور درمیان میں کوئی ترجمان یا حاجب نہ ہوگا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا اے شخص کیا تیرے پاس میرا رسول نہیں آیا جس نے تجھے حق بات پہنچائی اور میں نے تجھے مال دیا اور تجھ پر فضل کیا، اس میں سے تُونے اپنی جان کے لئے کیا بھیجا (جس سے سوال ہوگا) وہ دائیں بائیں دیکھے گا تو کوئی عمل نظر نہیں آئے گا پھر آگے دیکھے گا تو جہنم کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا، تم میں سے جو شخص اپنی جان کو دوزخ سے بچا سکتا ہو بچالے اگرچہ کھجور کا آدھا ٹکڑا ہی اللہ کے لئے خرچ کرے اور جس کے کچھ بھی نہ ہو تو اچھی بات ہی بول دے (جس سے سامع کا دل خوش ہو جائے) کیونکہ ایک نیکی کا بدلہ کم از کم دس گنا بڑھا کر دیا جاتا ہے اور سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے۔ والسلام علیکم وعلی رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

ثم خطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرۃ أخری فقال:

ان الحمد للہ أحمدہ وأستعینہ، نعوذ باللہ من شرور انفسنا وسیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ، ومن یضلل فلا ھادی لہ وأشھد أن لا إلہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ۔ ان أحسن الحدیث کتابُ اللہ قد افلح من زینہ اللہ فی قلبہ وأدخلہ فی الاسلام بعد الکفر واختارہ علی ما سواہ من احادیث الناس انہ احسن الحدیث وابلغہ أحبوا من أحب اللہ احبوا اللہ من کل قلوبکم ولا تملوا کلام اللہ تعالی وذکرہ ولا تقس عنہ قلوبکم فانہ من کل یختار اللہ

ویصطفی فقد سماہ خیرتہ من الاعمال، ومصطفاہ من العباد، والصالح من الحدیث، ومن کل ما اتی الناس من الحلال والحرام، فاعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئاً واتقوہ حق تقاتہ، واُصدقوا اللہ صالح ما تقولون باُفواھکم، وتحابوا بروح اللہ بینکم. ان اللہ یغضب اُن یُنکث عَھْدُہٗ ۔

دُوسرا خطبہ

دوسری بار آپ نے ایک اور خطبہ دیا جس کا ترجمہ یہ ہے:

بے شک سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں میں اسی کی تعریف کرتا ہوں اور اسی سے مدد مانگتا ہوں. ہم اللہ کی پناہ لیتے ہیں اپنے نفسوں کے شرور سے اور اپنے اعمال کی برائیوں سے جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں. بلاشبہ سب سے اچھی بات اللہ کی کتاب ہے وہ شخص کامیاب ہوا جس کے دل میں اللہ نے اپنی کتاب کو مزین کردیا، اور کفر کے بعد جسے اللہ نے اسلام میں داخل فرمایا اور جسے اللہ نے اپنی کتاب کے لئے چن لیا، وہ لوگوں کی باتوں میں مشغول نہیں رہتا بیشک قرآن سب سے اچھی بات ہے اور سب سے زیادہ دلوں میں اثر کرنے والا ہے جو اللہ سے محبت کرے تم اس سے محبت کرو۔ اپنے دلوں میں اللہ کی محبت بٹھاؤ اور اللہ تعالیٰ کے کلام سے اور اس کے ذکر سے ملول یعنی تنگ دل نہ ہو جاؤ اور تمہارے دلوں میں اللہ کے ذکر کی طرف سے سختی نہ آجائے (یعنی دل غافل نہ ہو جائیں) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں

سے چن لیتا ہے۔ اس نے کلام اللہ اور ذکر اللہ کو بہترین اعمال بتایا ہے اس نے کلام اللہ کو اور اچھی بات کو اپنے بندوں کے لئے انتخاب فرما لیا ہے اور جو لوگ اپنی زندگی میں کام کرتے ہیں اس کی تفصیل بتادی ہے کیا حلال ہیں کیا حرام ہے سو تم اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے اور جو باتیں تم کرتے ہو ان باتوں میں نیک بات کو اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ سے سچا معاہدہ اور معاملہ کرو، اللہ نے جو تمہارے درمیان رحمت پیدا فرمائی ہے اس کے ذریعہ ایک دوسرے سے محبت کرو، بے شک اللہ تعالیٰ اس بات سے ناراض ہوتا ہے کہ اس سے عہد کرکے توڑ دیا جائے۔

مُعاھدہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار کے درمیان ایک معاہدہ بھی کروایا اور اس میں یہودیوں کو بھی شامل فرمالیا جو یہودی اپنی یہودیت پر باقی رہ گئے تھے وہ اس معاہدہ میں شریک کرلئے گئے اور جو مسلمان ہو گئے تھے یا آئندہ ہوئے وہ مسلمانوں کی فہرست میں آگئے۔ معاہدہ کا متن یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ھذا کتاب من محمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم، بین المؤمنین والمسلمین من قریش ویثرب ومن تبعھم فلحق بھم وجاھد معھم انھم امۃ واحدۃ من دون الناس، المھاجرون علی ربعتھم یتعاقلون بینھم، وھم یفدون عانیھم بالمعروف والقسط بین المؤمنین، وبنو عوف علی ربعتھم یتعاقلون معاقلھم الأولی، کل طائفۃ تفدی عانیھا بالمعروف والقسط بین المؤمنین، وبنو ساعدۃ علی ربعتھم

يتعاقلون معاقلهم الاولى، وكل طائفة منهم تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين، وبنوا الحارث على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى، وكل طائفة تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المومنين، وبنوجُشَم على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى، وكل طائفة منهم تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين، وبنو النجّار على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الاولى، وكل طائفة منهم تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين، وبنو عمرو بن عوف على ربعتهم يتعاقلون معاقلهما الأولى، وكل طائفة تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين؛ وبنو النَّبيت على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى، وكل طائفة تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين، وبنو الأوس على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الاولى وكل طائفة منهم تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين، وإن المؤمنين لايتركون مُفرَحًا بينهم ان يعطوه بالمعروف فى فداء او عقل۔

وأن لا يحالف مؤمن مولى مؤمن دونه، وان المؤمنين المتقين على من بغى منهم، او ابتغى دسيعة ظلم، أو إثم، اوعدوان أو فساد بين المؤمنين، وان ايديهم عليه جميعا، ولوكان وَلَدَ احدهم، ولا يقتل مومن مومنا فى كافر، ولا ينصر كافرا على مؤمن، وان ذمة الله واحدة، يُجير عليهم أُدناهم، وان المؤمنين بعضهم موالى بعض دون الناس، وإنه من تبعنا من يهود فان له النصر والأُسوة، غير مظلومين ولا متناصَرٍ عليهم، وإنَّ سلم المؤمنين واحدة، لايسالم مؤمن دون

مؤمن فی قتال فی سبیل الله، إلا علی سواء وعدل بینهم، وان کل غازیة غزت معنا یعقب بعضها بعضا، وإن المؤمنین یبیء بعضهم علی بعض بما نال دماءهم فی سبیل الله، وان المؤمنین المتقین علی أحسن هدی وأقومه، وانه لا یجیر مشرك مالا لقریش ولا نفسا، ولا یحول دونه علی مؤمن، وإنه من اعتبط مؤمنا قتلا عن بینة فانه قود به الا أن یرضی ولی المقتول، وأن المؤمنین علیه کافة، ولا یحل لهم الا قیام علیه، وانه لا یحل لمؤمن اقر بما فی هذه الصحیفة، وآمن بالله والیوم الآخر، ان ینصر محدثا ولا یؤویه، وأنه من نصره او آواه، فان علیه لعنة الله وغضبه یوم القیامة، ولا یؤخذ منه صرف ولا عدل، وانکم مهما اختلفتم فیه من شیء، فان مرده إلی الله عز وجل، وإلی محمد صلی الله علیه وسلم، وان الیهود ینفقون مع المؤمنین ماداموا محاربین، وان یهود بنی عوف امة مع المؤمنین، للیهود دینهم، وللمسلمین دینهم، موالیهم وانفسهم، الا من ظلم واثم، فانه لا یوتغ الا نفسه واهل بیته، وان لیهود بنی النجار مثل مالیهود بنی عوف، وان لیهود بنی الحارث مثل مالیهود بنی عوف، وان لیهود بنی ساعدة مثل مالیهود بنی عوف، وان لیهود بنی جُشَم مثل مالیهود بنی عوف، وان لیهود بنی الأوس مثل مالیهود بنی عوف، وإن لیهود بنی ثعلبة مثل مالیهود بنی عوف، إلا من ظلم واثم، فانه لا یوتغ الا نفسه وأهل بیته، وإن جفنة بطن من ثعلبة کانفسهم، وان لبنی الشطیبة مثل مالیهود بنی عوف، وان البر دون الاثم، وان موالی ثعلبة کانفسهم، وان بطانة یهود کانفسهم، وانه لا یخرج منهم احد الا باذن محمد صلی الله علیه وسلم، وإنه لا ینحجز علی ثار جُرح، وإنه من فتك فبنفسه فتك، واهل بیته، الا

من ظلم، وان الله على ابر هذا؛ وان على اليهود نفقتهم وعلى المسلمين نفقتهم، وان بينهم النصر على من حارب اهل هذه الصحيفة؛ وان بينهم النصح والنصيحة، والبر، دون الاثم؛ وانه لم ياثم امرو بحليفه؛ وان النصر للمظلوم؛ وان اليهود ينفقون مع المومنين ماداموا محاربين؛ وان يثرب حرام جوفها لاهل هذه الصحيفة؛ وان الجار كالنفس غير مضارّ ولا آثم؛ وانه لا تجار حُرمة الا باذن أهلها؛ وانه ما كان بين أهل هذه الصحيفة من حدث أو اشتجار يخاف فساده. فان مرده الى الله عزوجل، والى محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم؛ وان الله على اتقى ما فى هذه الصحيفة وأبرّه؛ وانه لا تجار قريش ولا من نصرها؛ وان بينهم النصر على من دهم يثرب وإذا دعوا إلى صلح يصالحونه ويلبسونه، فانهم يصالحونه ويلبسونه؛ وانهم اذا دُعوا إلى مثل ذلك فانه لهم على المؤمنين الا من حارب فى الدين، على كل اناس حصتهم من جانبهم الذى قبلهم؛ وان يهود الأُوس، مواليهم وانفسهم، على مثل ما لاهل هذه الصحيفة. مع البر المحض؟ من أهل هذه الصحيفة

قال ابن اسحاق: وإن البرّ دون الاثم، لا يكسب كاسب الا على نفسه؛ وأن الله على اصدق ما فى هذه الصحيفة وابرّه؛ وانه لا يحول هذا الكتاب دون ظالم وآثم، وانه من خرج آمن، ومن قعد آمن بالمدينة، إلا من ظلم او اثم؛ وان الله جار لمن برّ واتقى، (محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم)

لہ سیرت ابن ہشام ص   البدایہ ص ۲۲۴ ج ۳

”ترجمۂ معاہدہ“

”یہ کتاب ہے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے (جو ایک معاہدہ ہے) قریش مکہ جو مسلمان ہو کر آئے اور جو یثرب یعنی مدینہ کے رہنے والے مسلمان ہیں اور جو ان سے آ کر مل جائے اور جو ان کے ساتھ جہاد میں شرکت کرے یہ سب امت واحدہ ہیں دوسرے لوگوں سے علیحدہ ہو کر۔

مہاجرین قریش آپس میں ایک دوسرے کی عقل، دیت ادا کریں گے اور اپنے قیدی کو مال کا فدیہ دے کر بھلائی اور ایثار کے ساتھ چھڑائیں گے اور بنو عوف اپنی حالت پر باقی رہیں گے، پرانے طریقہ پر آپس میں دیتیں ادا کریں گے، اور ہر جماعت اپنے قیدیوں کو بھلائی کے ساتھ چھڑائے گی، مؤمنین کے درمیان انصاف کرتے ہوئے۔ بنو ساعدہ اپنی سابقہ حالت پر رہیں گے اپنی دیتیں آپس میں ادا کریں گے اور ہر جماعت اپنے قیدی کو فدیہ دے کر بھلائی کے ساتھ چھڑائے گی اور مؤمنین کے درمیان انصاف قائم رہے گا اور بنو حارث اپنی حالت پر قائم رہیں گے، اپنی سابقہ دیتوں کو ادا کرتے رہیں گے اور ہر جماعت اپنے قیدی کو فدیہ دے کر بھلائی کے ساتھ چھڑائے گی اور مؤمنین کے درمیان انصاف قائم رہے گا اور بنو جشم اپنی حالت پر رہیں گے اپنی سابقہ دیتوں کو ادا کرتے رہیں گے اور ہر جماعت اپنے قیدی کو فدیہ دے کر بھلائی کے ساتھ چھڑائے گی اور مؤمنین کے درمیان انصاف قائم رہے گا اور بنو نجار اپنے طور طریقہ پر رہیں گے اپنی سابقہ دیتوں کو ادا کرتے رہیں گے اور ہر جماعت اپنے قیدی کو فدیہ دے کر بھلائی کے ساتھ چھڑائے گی اور مؤمنین کے درمیان انصاف قائم رہے گا، اور بنی عمرو بن عوف بھی اپنے طریقہ پر رہیں گے اپنی پرانی دیتوں کو ادا کرتے رہیں گے اور ہر جماعت اپنے قیدی کو بھلائی کے

ساتھ چھڑائیں گی اور مؤمنین کے درمیان انصاف قائم رہے گا، اور بنی نبیت اپنی حالت پر رہیں گے، اپنی پرانی دیتیں ادا کرتے رہیں گے اور ہر جماعت اپنے قیدی کو بھلائی کے ساتھ رہا کرائے گی اور مؤمنین کے مابین عدل قائم رہے گا۔ بنو الاوس اپنے حال پر رہیں گے، اپنے قیدی کو بھلائی کے ساتھ چھڑائیں گے اور مسلمانوں کے درمیان عدل وانصاف قائم رہے گا

اور اس بات پر بھی معاہدہ کیا جارہا ہے کہ مؤمنین آپس میں اپنے درمیان کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑیں گے جو ایک دوسرے پر بوجھ ڈالنے والی ہو، نہ فدیہ دینے کے سلسلہ میں نہ دیت ادا کرنے کے بارے میں، اور کوئی مؤمن کسی مؤمن کے مولیٰ کو چھوڑ کر کسی کو حلیف نہیں بنائے گا (جس سے پہلے معاہدہ ہو اس سے مولیٰ مراد ہے) اور بے شک مؤمنین متقین اس شخص پر غالب رہیں گے جو بغاوت کرے یا خفیہ طور پر کوئی ظلم کا راستہ تلاش کرے یا فساد یا زیادتی کا یا فتنہ بین المؤمنین کو چاہتا ہو، سارے مؤمن ایسے (ظالم) شخص پر غالب رہیں گے اگرچہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی ہو، اور کوئی مؤمن کسی مؤمن کو کسی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کرے گا اور مؤمن کے مقابلہ میں کوئی مؤمن کسی کافر کی مدد نہیں کرے گا (بشرطیکہ مؤمن حق پر ہو)

اور یہ بات بھی معاہدہ میں شامل ہے کہ اللہ کی ذمہ داری ایک ہی ہے (یعنی اللہ کے نزدیک سب کے لئے انصاف ہے) ادنیٰ مسلمان بھی کسی کو پناہ دے دے تو وہ سب کی ذمہ داری میں آجائے گا اور مؤمنین آپس میں ایک دوسرے کے موالی (یعنی مددگار ہیں) دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر،

یہ بات بھی معاہدہ میں شامل کی جارہی ہے کہ یہودیوں میں سے جو شخص ہمارے تابع ہو کر رہے گا اس کی مدد ہوگی اور اس کے برابر کے حقوق ہوں گے ان پر ظلم نہیں ہوگا، اور مسلمان آپس میں مل کر یہودیوں پر کوئی ظلم نہیں کریں گے، یہ بات بھی معاہدہ میں طے کی جارہی ہے کہ آپس میں اہل ایمان

باسلامت رہیں گے، قتال فی سبیل اللہ میں سب برابر ہوں گے اور آپس میں انصاف سے رہیں گے اور بے شک جہاد کے لئے نکلنے والی ہر جماعت جو ہمارے ساتھ جہاد کے لئے نکلے گی اس کی مدد کے لئے ایک دوسرے کے پیچھے جماعتیں جاتی رہیں گی اور اللہ کے راستہ میں جو دشمنوں کے خون مسلمانوں کے ہاتھوں بہائے جائیں گے مؤمنین اس بارے میں آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ مؤمنین میں جو لوگ متقی ہیں وہ ہدایت کے اعتبار سے سب سے زیادہ اچھی اور عمدہ حالت پر ہیں اور یہ بات بھی طے پائی کہ کوئی مشرک (جو اس معاہدہ میں شامل ہو رہا ہے) کسی (قریشی مشرک) کے مال کی یا کسی مشرک کی جان کی حفاظت نہیں کرے گا، اگر کوئی مؤمن کسی مشرک کو قتل کرنا چاہے گا یا اس کا مال لینا چاہے گا تو کوئی مشرک (جو ہمارے اس معاہدہ میں شریک ہے) مسلمان کو نہیں روکے گا، اور یہ بات بھی طے کر دی گئی کہ جو شخص حالت ایمان میں (خطأ) کسی وقت رات کو قتل کر دیا گیا تو اس کی دیت واجب ہوگی یہاں تک کہ مقتول کا ولی راضی ہو جائے تمام مؤمنین پر لازم ہے کہ اس حکم پر قائم رہیں اور اس کی خلاف ورزی ان کے لئے حلال نہیں ہے (رات کی قید احترازی نہیں ہے چونکہ عموماً قتل رات ہی کو ہوتا ہے اس لئے اس لفظ کا اضافہ کر دیا گیا۔)

اور جو کوئی مومن اس مضمون کا اقراری ہے جو اس صحیفہ میں لکھا ہے، اور اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ دین میں کوئی نئی بات نکالنے والے کی مدد کرے یا اُسے ٹھکانہ دے اور جو شخص ایسے شخص کی مدد کرے یا اسے ٹھکانا دے اس پر اللہ کی لعنت ہے اور اس پر اللہ کا غصہ ہے قیامت کے دن تک اس کا کوئی فرض یا نفل قبول نہیں ہوگا۔

اور بے شک جب کبھی کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اللہ عزّوجل اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا۔

اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ مؤمنین سے جنگ کرنے کے لئے جو لوگ آئیں گے یہودیوں کو بھی ان کے ساتھ مل کر مال خرچ کرنا ہوگا اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ قبیلہ بنی عوف کے یہودی معاہدہ میں مؤمنین کے ساتھ ہیں، یہودی اپنے دین پر رہیں گے اور مسلمان اپنے دین پر رہیں گے۔ ان کے موالی اور ان کی جانیں محفوظ ہوں گی لیکن جس نے ظلم کیا اور گناہگاری اختیار کی تو وہ اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں ہی کو مصیبت میں ڈالے گا۔ اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ یہود بنی النجار کے لئے وہ حقوق ہیں جو یہود بنی عوف کے لئے ہیں اور یہ کہ یہود بنو حارث کے لئے وہی حقوق ہیں جو یہود بنی عوف کے لئے ہیں اور یہ کہ یہود بنی ساعدہ کے لئے وہی حقوق ہیں جو یہود بنو عوف کے لئے ہیں اور یہ کہ یہود بنو جشم کے لئے وہی حقوق ہیں جو یہود بنو عوف کے لئے ہیں اور یہ کہ یہود بنی الاوس کے لئے وہی حقوق ہیں جو یہود بنی عوف کے لئے ہیں اور یہ کہ یہود بنی ثعلبہ کے لئے وہی حقوق ہیں جو یہود بنی الاوس کے لئے ہیں ہاں جس نے ظلم کیا اور گناہگاری کی وہ اپنے گھر والوں ہی کو ظلم میں ڈالے گا۔

اور یہ بھی طے پایا کہ بنی جفنہ قبیلہ بنی ثعلبہ کی ایک شاخ ہے ان سے وہی معاملہ ہوگا جو بنی ثعلبہ کے ساتھ کیا جائے گا اور بنی شطیبہ سے وہی معاملہ ہوگا جو بنی عوف کے یہود سے ہوگا اور یہ بات بھی واضح رہے کہ نیکی گناہگاری سے علیحدہ چیز ہے اور یہ بھی طے پایا کہ بنی ثعلبہ کے موالی کے ساتھ وہی معاملہ ہوگا جو ان کے ساتھ ہوگا اور یہ بھی طے پایا کہ یہودیوں میں جو ان کے خاص رازدار ہیں (ان کے اندرونی معاملات کی دیکھ بھال کرتے ہیں) اس معاہدہ کے اعتبار سے وہ دیگر یہودیوں کی طرح سے ہیں ان میں سے کوئی شخص محمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر خروج نہیں کر سکتا اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ جو شخص کسی کو زخمی کر دے گا، زخمی کو اس زخم کا بدلہ لینے سے نہیں روکا جائے گا (الا یہ کہ جارح مجروح آپس میں صلح کر لیں) اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ جو شخص کسی کا خون بہائے گا وہ اس کا خود ذمہ دار ہوگا اور اس کے اہل بیت بھی ذمہ دار ہوں گے (یعنی دیت ادا کرنے کی ان پر ذمہ داری ہوگی) مگر مظلوم کو ظلم کا بدلہ لیتے وقت ظلم کرنا جائز نہیں ہوگا۔

اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان ساری نیک باتوں پر گواہ ہے

اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ یہودیوں پر ان کے اخراجات ہوں گے اور مسلمانوں پر ان کے اخراجات ہوں گے، اور یہ بات بھی طے پائی کہ یہود اور اہل اسلام آپس میں اس شخص کے مقابلہ میں ایک دوسرے کے مددگار ہوں گے جو اس صحیفہ کے معاہدہ میں شریک ہونے والوں سے جنگ کرے، اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ دونوں فریق آپس میں ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوں گے اور نیکی اور گناہ آپس میں علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں (دونوں کا آپس میں جوڑ نہیں بیٹھ سکتا) اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ جو کوئی شخص کسی کے ساتھ جائز طور پر کسی کو اپنا حلیف بنالے تو اس سے گناہگار نہیں ہوگا، اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ مظلوم کی مدد کی جائے گی۔

اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ اہل ایمان کی جب تک کسی دشمن سے جنگ ہوگی یہودی بھی مؤمنین کے ساتھ اپنے اموال خرچ کریں گے، اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ شہر یثرب (یعنی مدینہ منورہ) محترم ہے اس کی حرمت اس صحیفہ والوں کے لئے برقرار ہے، اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ جو شخص جس کا پڑوسی ہوگا اس کے حقوق ایسے ہی ہوں گے جیسے اپنے نفس کے حقوق ہیں نہ کسی کو ضرر دیا جائے گا اور نہ کسی کی نافرمانی برداشت ہوگی، اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ جو شخص کسی قوم کے اندر صاحب احترام ہو

اس کو پناہ نہیں دی جائے گی مگر اس قوم کی اجازت سے (بشرطیکہ یہ قوم اس معاہدہ میں شامل نہ ہو)

اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ اس عہدنامہ میں جو لوگ شریک ہیں ان کے درمیان جو کوئی حادثہ پیش آئے گا یا کوئی ایسا اختلاف رونما ہوگا جس کی وجہ سے فساد کا اندیشہ ہو تو اسے اللہ کی طرف اور محمد رسول اللہ کی طرف لے جایا جائے گا، اور یہ بات یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس صحیفہ میں جو تقویٰ نیکی والی باتیں درج ہیں اللہ تعالےٰ ان سب پر گواہ ہے۔

اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ قریش (مشرکین) کو اور جو شخص ان کی مدد کرے پناہ نہیں دی جائے گی، اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ یثرب یعنی مدینہ منورہ پر جو شخص حملہ آور ہو اس کے دفاع میں آپس میں سب ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ صلح کی دعوت دیں تو ان سے صلح کر لی جائے گی اور جب صلح ہو جائے گی تو مؤمنین اپنی ذمہ داریاں پوری کریں گے ہاں جو شخص دین میں لڑائی کی بات نکالے اس کے مقابلہ میں سب لوگ اپنے اپنے حصہ کے مطابق جنگ کریں گے۔

اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ بنی اوس کے یہودی اور ان کے موالی اسی شرط کے مطابق رہیں گے جو اس صحیفہ میں شریک ہونے والوں کی ذمہ داری ہے، اس عہدنامہ میں جو لوگ شریک ہوئے وہ حسن سلوک کے مستحق ہوں گے، اور یہ بات طے شدہ ہے کہ نیکی اور گناہ برابر نہیں ہیں جو بھی کوئی شخص کوئی عمل کرے گا اس کی ذمہ داری اسی پر ہوگی، اور بیشک اللہ تعالیٰ اس عہدنامہ کی سچائی پر اور اس کو پورا کرنے والوں پر گواہ ہے۔

اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ اس صحیفہ کی خلاف ورزی ظالم اور گناہگار ہی کر سکتا ہے، اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ جو شخص اپنے گھر سے نکلا وہ امن میں ہے اور جو شہر مدینہ میں رہتے ہوئے اپنے گھر میں بیٹھا

وہ بھی پرامن ہے سوائے اس کے جو ظلم کرے یا گناہگاری کا طریقہ اختیار کرے، اور بے شک اللہ تعالیٰ اس کا نگہبان ہے جو نیکی پر چلے اور تقویٰ اختیار کرے۔" (محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

معاہدہ کا ترجمہ ختم ہوا اس میں جو یہ لکھا ہے کہ یہودی اپنے دین پر رہیں گے اور مسلمان اپنے دین پر رہیں گے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہودیوں کو یہودیت پر رہنے کی اجازت دے دی گئی، یہ تو ایک امن وامان کا معاہدہ ہے، رہا ایمان وکفر کا مسئلہ وہ اپنی جگہ ہے۔ دین اسلام میں زبردستی نہیں ہے جیسے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرۃ ۲۵۶) میں بیان فرمایا ہے دین اسلام کی دعوت معاہدہ کے بعد بھی جاری رہی اور جن یہودیوں کو مسلمان ہونا تھا مسلمان ہو گئے۔ نیز یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اس معاہدہ میں بعض وہ چیزیں مذکور ہیں جو بعد میں منسوخ ہو گئیں اور بعض وہ احکام بھی ہیں جو بعد میں بدل گئے ان کو بھی اسی پر محمول کر لیا جائے کہ یہ اس وقت کی باتیں ہیں جب تفصیلی احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔

اور یہ بات بھی یاد رہے کہ بعد میں یہودیوں نے خود ہی اس معاہدہ کو توڑ دیا تھا۔ یہودیوں کے قبیلہ بنی قینقاع نے اس کی ابتدا کی، واقعہ یوں پیش آیا کہ ایک عربی عورت اپنے جانوروں کا دودھ لے کر آئی اور اسے بنی قینقاع کے بازار میں بیچ دیا اس کے بعد ایک سنار کی دوکان پر بیٹھ گئی وہاں قبیلہ قینقاع کے یہودی جمع ہو گئے اور اس سے منہ کھولنے کو کہا اس نے انکار کیا تو سنار نے اس کے سامنے سے کپڑا ہٹا کر اس کی پشت کی طرف باندھ دیا جب وہ کھڑی ہوئی تو اس کا پردہ والا حصہ کھل گیا اس پر یہودی ہنسے اور وہ عورت چیخ اٹھی، ایک مسلمان نے اس یہودی سنار کو قتل کر دیا۔ اس پر یہودیوں نے اس مسلمان کو قتل کر دیا اب تو مقتول مسلمان کے گھر والوں نے مسلمانوں کو پکارا جو غصہ میں بھر گئے اور یہودیوں کے خلاف کھڑے ہو گئے اور اس کے بعد دونوں جماعتوں میں دشمنی کی بات ٹھن گئی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ فرمایا اور انہوں نے کہا آپ جو حکم دیں ہم اس پر راضی ہیں۔ اس کے بعد عبداللہ ابن

اُبی ابن سلول رئیس المنافقین درمیان میں کھڑا ہوگیا اور اس نے انہیں قتل کرنے نہ دیا۔[1] پھر بعد میں یہودیوں کے دوسرے قبیلوں کی طرح قبیلہ بنی قینقاع کو بھی جلاوطن کر دیا گیا۔[2]

مواخات

حضرات مہاجرین اور انصار میں تو بہت ہی زیادہ محبت تھی پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپس میں مواخات کرادی تھی یعنی ایک مہاجر اور ایک انصاری کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا تھا تاکہ اور مزید محبت بڑھ جائے اور خصوصی طور پر ایک بھائی دوسرے بھائی کا خیال کرے۔ مسجد نبویؐ کی تعمیر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات مہاجرین اور انصار میں مواخات کرادی اس کی تفصیل سیرت ابن ہشام میں لکھی ہے۔ جس مہاجر کو جس انصاری کا بھائی بنایا اس کے نام بھی لکھے ہیں، یہ مواخات اتنی مضبوط تھی کہ ان میں سے کسی ایک کی وفات ہو جاتی تھی تو دوسرا بھائی اس کا وارث ہو جاتا تھا اور ذوی الارحام کو میراث نہیں پہنچتی تھی۔

سورۃ الانفال میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا	جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی
وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ	اور خدا کی راہ میں مال و جان سے جہاد
وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ	کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ان لوگوں
وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا	کو پناہ دی اور ان کی مدد کی، یہ
اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ (۲)	لوگ باہم بھائی بھائی ہیں۔

جنگ بدر کے بعد جب مہاجرین کو اعانت کی ضرورت نہ رہی تو یہ آیت نازل ہوئی:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ	ارباب قرابت، ایک دوسرے
اَوْلٰی بِبَعْضٍ ۔ (الانفال: ۷۵)	کے زیادہ حقدار ہیں۔

اس آیت سے میراث کا حکم منسوخ ہو گیا اور وراثت میں رشتہ داری کے اصول

---

[1] سیرت ابن ہشام۔ [2] ایضاً

پڑھنے مقرر کردئے گئے (جو سورۂ نساء کے دوسرے رکوع میں مذکور ہیں)

ہجرت ونصرت دونوں کا باہمی تعلق

جو حضرات ہجرت کرکے کسی ملک میں پہنچیں انہیں تو کسی مخلوق سے کوئی لالچ رکھنا نہیں چاہیئے اللہ کی رضا کے لئے وطن چھوڑا ہے اسی سے نصرت کی امید رکھیں اور اسی پر بھروسہ رکھیں، لیکن جس ملک میں ہجرت کرکے گئے ہیں وہاں کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کی مدد کریں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جب مکہ معظمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچے تو مدینہ منورہ کے مسلمانوں نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا، ہر طرح سے ان کی مدد کی۔ اسی لئے ان کو انصار (مدد کرنے والے) کا لقب دیا گیا، سورۂ حشر میں فرمایا

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ	اور وہ لوگ جنہوں نے دارالاسلام کو
وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ	پہلے سے اپنا ٹھکانا بنایا اور ایمان کو
مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا	مضبوطی سے پکڑا ان لوگوں سے محبت
يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ	کرتے ہیں جنہوں نے ان کی طرف ہجرت
حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ	کی اور جو کچھ ان کو دیا گیا اس سے اپنے
عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ	سینوں میں کوئی رشک محسوس نہیں
خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ	کرتے، اور اپنی جانوں پر ترجیح دیتے
نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۹)	ہیں اگرچہ خود ان کو حاجت ہو اور جو

شخص اپنے نفس کے بخل سے بچا دیا گیا سو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

انصار کا ایثار

انصار مدینہ نے مہاجرین کے ساتھ جو کچھ لینے دینے کا اور نصرت وخدمت کا برتاؤ کیا اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ انصار نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مہاجرین کے اور ہمارے درمیان ہمارے اموال تقسیم فرمادیجئے آپ ﷺ نے انکار فرمایا۔ پھر یہ بات طے ہوئی کہ حضرات مہاجرین انصار کے ساتھ باغوں میں کام کریں اور وہ ان کا حصہ دے دیا کریں[1]

---

[1] صحیح بخاری ص ۵۳۲

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ تمہیں بحرین کا مال اور جائیداد میں سے دینے کا ارادہ کیا ہے، انصار نے عرض کیا ہم اس صورت میں اس مال کو لے سکتے ہیں کہ جس قدر ہمیں دیا جائے اسی قدر مہاجرین کو بھی عنایت فرمائیں، آپ نے فرمایا اگر تم نہیں لیتے تو صبر کرو یہاں تک کہ تم مجھ سے حوض کوثر پر ملاقات کرو، مزید فرمایا کہ میرے بعد تم دیکھو گے کہ دوسروں کو تم پر ترجیح دی جا رہی ہے اس وقت تم صبر کرنا[1]

مہاجرین کی تجارت

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم کر دی تو حضرات انصارؓ نے بہت ہی زیادہ ایثار اور قربانی کا مظاہرہ کیا اس سلسلہ میں جو واقعات روایت کئے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف مہاجر اور حضرت سعد بن الربیع انصاری رضی اللہ عنہما کے درمیان رشتہ مواخات قائم ہو جانے کے بعد حضرت سعد بن الربیعؓ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن ابن عوف کے سامنے اپنے تعاون کی پیش کش کرتے ہوئے کہا کہ انصار کو علم ہے کہ میں ان میں سب سے زیادہ مالدار ہوں میں اپنا آدھا مال آپ کو دے دیتا ہوں اور میری دو بیبیاں ہیں ایک کو طلاق دے دیتا ہوں جب اس کی عدت گذر جائے تو تم اس سے نکاح کر لینا، حضرت عبدالرحمٰنؓ نے جواب میں کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اہل اور مال میں برکت عطا فرمائے مجھے تو تم بازار کی جگہ بتا دو (کچھ تجارت کروں گا) چنانچہ انہیں سوق بنی قینقاع کا راستہ بتا دیا (یہ ایک مشہور بازار کا نام تھا) وہ بازار میں گئے اور اسی دن کچھ تھوڑا سا کاروبار کیا جس کے نتیجہ میں کچھ پنیر اور کچھ گھی نفع میں بچ گیا اور چند دن تک روزانہ علی الصباح بازار میں جاتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے شادی بھی کر لی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کے کپڑوں پر کچھ زردی کا اثر دیکھا آپ نے فرمایا اے عبدالرحمٰن یہ کیا ہے (آپ کو یہ زرد رنگ ناگوار ہوا) حضرت عبدالرحمٰنؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں نے انصار کی ایک عورت سے نکاح کر لیا ہے یہ نشان بیوی

---

[1] صحیح بخاری ص ۵۳۴ -

کے میل جول سے لگ گیا ہے میں نے اپنے کپڑے میں خود نہیں لگایا) آپ نے فرمایا کتنا مہر مقرر کیا ہے؟ عرض کیا ایک گٹھلی کے برابر سونا دیا ہے۔ آپ نے فرمایا ولیمہ کرو اگرچہ ایک ہی بکری ذبح کر دو۔[1]

ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی کہ جب کوئی شخص تین بار آنے کی اجازت طلب کرے اور اجازت نہ ملے تو واپس ہو جائے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس پر گواہ قائم کرو کہ واقعی یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ انہوں نے حضرت ابوسعید کو پیش کیا جنہوں نے گواہی دی کہ میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد سنا ہے اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم بازاروں کی خرید و فروخت میں مشغول رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہم پر پوشیدہ رہا۔ (جمع الفوائد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ خیبر کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے چار سال کے لگ بھگ خدمت عالی میں رہے لیکن احادیث شریفہ دیگر تمام صحابہ سے زیادہ انہیں سے مروی ہیں لوگوں کو تعجب ہوتا تھا کہ پرانے صحابہ تو اس قدر روایات بیان نہیں کرتے یہ کیسے بیان کرتے چلے جاتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں کے اس تعجب کا پتہ چلا تو فرمایا:

"تم لوگ کہتے ہو کیا بات ہے مہاجرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ احادیث نقل نہیں کرتے اور کیا بات ہے انصار ان حدیثوں کی روایات نہیں کرتے (جو ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں) بات یہ ہے کہ مہاجرین تو بازاروں میں اپنے کاروبار میں مشغول رہتے تھے اور انصار اپنی زمینوں کی دیکھ بھال اور کاشت کاری میں لگے رہتے تھے۔ میں مسکین آدمی تھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس میں خوب زیادہ حاضری دینے والا تھا دوسرے حضرات غائب ہوتے تھے تو میں حاضر ہوتا تھا اور وہ لوگ بھول جاتے تھے اور میں یاد رکھتا تھا، اور ایک دن کی بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] صحیح بخاری ص ۷۷۵

علیہ وسلم نے فرمایا، کون ہے جو اپنا کپڑا بچھادے میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں، میری بات ختم ہونے تک کپڑا بچھا رہے اور بات ختم ہونے کے بعد اس کپڑے کو اٹھالے (پھر اپنے جسم سے لگالے) جو شخص ایسا کرے گا میری جو بھی کوئی بات سنے گا کبھی نہ بھولے گا میں نے اپنا کپڑا بچھادیا پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی بات بیان فرمائی اس کے بعد اپنا کپڑا میں نے اٹھالیا اٹھاکر اپنے جسم سے لگالیا اللہ کی قسم اس کے بعد سے میں کوئی بھی بات نہیں بھولا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو اللہ کی قسم اگر کتاب اللہ میں یہ آیت نہ ہوتی تو میں کبھی بھی تم سے کچھ بیان نہ کرتا وہ آیت یہ ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَ الْهُدٰی (البقرۃ) (الی آخر الآیۃ)[۱]

اس آیت میں علم چھپانے کی وعید بیان فرمائی ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ علم کے چھپانے کی جو وعید ہے اس کی وجہ سے میں احادیث بیان کرتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے علاوہ دیگر مہاجرین کرامؓ بھی مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد تجارت کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا کاروبار تو مشہور ہی ہے، حضرات مہاجرین انصار مدینہ پر بوجھ نہ بنے ان کے باغوں میں کام کیا، کاروبار میں لگے اور اپنا خرچہ خود اٹھانے کے لئے فکر مند ہوئے۔ اگرچہ حضرات انصار نے بھی اپنی رواداری میں کوئی کسر نہیں رکھی۔

حضرات انصار کے فضائل

حضرات انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جو فضیلتیں احادیث شریفہ میں وارد ہوئی ہیں ان میں سب سے بڑی فضیلت تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد پوری زندگی مدینہ منورہ ہی میں گذاری اور فتح مکہ کے بعد بھی مدینہ منورہ ہی میں رہے اور انصار سے فرمایا معکم المحیا والممات تمہارے

---

[۱] اخرجاہ فی الصحیحین۔

ہی ساتھ میری زندگی ہے اور موت ہے' ایک مرتبہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ انصار جس وادی اور جس گھاٹی میں چلیں میں اسی گھاٹی میں چلوں گا اور اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار میں سے ایک فرد ہوتا۔[1]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انصار سے مؤمن ہی محبت کرے گا اور منافق ہی ان سے بغض رکھے گا جس نے ان سے محبت کی اللہ ان سے محبت فرمائے گا اور ان سے جس نے بغض رکھا وہ اللہ کے نزدیک بھی مبغوض ہوگا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ انصار کی عورتیں اور بچے جو کسی شادی سے واپس آرہے تھے انہیں دیکھا اور کھڑے ہو کر فرمایا کہ اللہ گواہ ہے تم لوگوں میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو' یہ کلمہ آپؐ نے تین بار فرمایا۔[1]

ہجرت کے بعد بعض مہاجرین کا امراض میں مبتلا ہونا

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے مدینہ منورہ وبائی شہر تھا' اس میں بخار کثرت سے آتا تھا جو بہت سخت اور گردن توڑ ہوتا تھا' اور اکثر افراد اس میں مبتلا رہتے تھے' حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں کی وبائی آب وہوا سے متاثر ہوئے اور بخار میں مبتلا ہو گئے' مبتلا ہونے والوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت بلالؓ اور حضرت عامر بن فہیرہؓ بھی تھے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی بخار آ گیا تھا' اور اس قدر شدید تھا کہ ان کے سر کے بال تک اڑ گئے تھے' جب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بخار آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئیں' اس وقت ان کی عمر سات آٹھ سال

---

[1] صحیح بخاری ص ۵۳۲

تھی اور پردہ کا حکم بھی نازل نہیں ہوا تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بخار میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ　　وَالْمَوْتُ أَدْنٰى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ شعر سنا تو دل میں کہا کہ ابا جان عجیب بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں، اور ان کو پتہ بھی نہیں کہ کیا فرما رہے ہیں۔

اخبار مدینہ میں عمر بن شیبہؒ نے لکھا ہے کہ یہ شعر حنظلہ بن سیار کا ہے جو اس نے یوم ذی قار میں کہا تھا، حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبرت اور نصیحتِ نفس کے لئے اس کو بخار کے زمانہ میں پڑھا کرتے تھے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو صبح کے وقت دوسرے لوگ دعا دیتے ہیں اور کہتے ہیں صَبَّحَكَ اللهُ بِالْخَيْرِ۔ "اللہ خیریت کے ساتھ تیری صبح کرے" لیکن موت کا کسی کو پتہ نہیں کب آ کھڑی ہو اور وہ انسان سے اتنی قریب ہے کہ اس کے جوتہ کا تسمہ بھی قدم سے اتنا قریب نہیں ہے۔

بعض شراح نے كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ کا مطلب یہ بتایا ہے کہ ہر آدمی کو صبح کے وقت شراب پلائی جاتی ہے اور اس کو یہ بھی پتہ نہیں کہ موت قریب کھڑی ہے، تھوڑی دیر میں دبا لیتی ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ معظمہ بہت یاد آتا تھا اور بخار اُتر جانے کے بعد مکہ کی یاد میں بلند آواز سے یہ دو شعر پڑھا کرتے تھے،

أَلَا لَيْتَ شِعْرِي هَلْ أَبِيتَنَّ لَيْلَةً　　بِوَادٍ وَّحَوْلِي إِذْخِرٌ وَّجَلِيلُ

ترجمہ: کاش مجھے پتہ چل جاتا کیا کوئی رات اس وادی میں گذاروں گا کہ میرے ارد گرد اذخر و جلیل گھاس ہو گی۔

اذخر مکہ معظمہ کے جنگل کی مشہور گھاس ہے جو بہت عام ہوتی ہے یہ گھاس خوشبودار ہوتی ہے، پتے چوڑے چوڑے ہوتے ہیں، اور جلیل پیلے رنگ کی ایک گھاس ہے، اس سے چھپر وغیرہ بنایا کرتے تھے، شیخ ابو عمر نے فرمایا کہ یہ دونوں گھاس (اذخر و جلیل) مکہ میں اور اس کی وادیوں میں ہوتی ہیں، اور کسی جگہ نہیں ملتی ہیں۔

وَهَلْ اَرِدَنْ یَوْمًا مِیَاہَ مَجِنَّۃٍ ۔ وَھَلْ یَبْدُوَنْ لِیْ شَامَۃٌ وَّطَفِیْلُ

ترجمہ: "اور کیا میں کسی دن مجنہ مقام کے پانیوں پر وارد ہوں گا (یعنی وہاں کے پانیوں سے پیا اور فائدہ حاصل کرنا نصیب ہوگا) اور کیا میرے لئے شامہ اور طفیل پہاڑ ظاہر ہوں گے (یعنی کیا کبھی یہ دونوں پہاڑ نظر پڑیں گے)"

مقام مجنہ کے بارے میں شراح حدیث نے لکھا ہے کہ یہ جگہ مکہ معظمہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے کسی نے کہا ہے کہ یہ جگہ مَرُّ الظَّہران میں تھی، اور کسی نے بتایا ہے کہ مکہ معظمہ کے نشیبی حصہ کی جانب ایک برید کے فاصلہ پر تھی، زمانہ جاہلیت میں یہاں ذی الحجہ کا چاند نظر آنے سے دس دن بازار لگتا تھا، اس کے بعد آٹھ روز تک ذی المجاز میں بازار لگتا تھا، اس کے بعد حج کے لئے منیٰ کو روانہ ہو جاتے تھے۔

شامہ اور طفیل کے بارے میں شراح نے لکھا ہے کہ یہ دونوں مکہ سے تیس ۳۰ میل دور دو پہاڑ ہیں، اور بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ دونوں پہاڑ مقام مجنہ کے قریب ہیں علامہ خطابی نے فرمایا ہے کہ "میں بھی یہی سمجھتا رہا کہ یہ دونوں پہاڑ ہیں، پھر وہاں سے میرا گذر ہوا تو پتہ چلا کہ یہ دونوں پانی کے چشمے ہیں" لیکن علامہ زرقانی نے فرمایا ہے کہ دونوں باتیں اس طرح جمع ہوتی ہیں کہ پہاڑوں میں یا پہاڑوں کے قریب دو چشمے ہوں، لہٰذا جس نے پہاڑ بتایا اس کی بات بھی ٹھیک ہوئی اور جس نے کہا چشمے ہیں اس کی بات بھی درست ہوئی، واللہ اعلم۔

علامہ زرقانی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ دونوں شعر خود حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نہیں ہیں بلکہ بکر بن غالب جُرہمی کے شعر ہیں، جو اس نے اس وقت کہے تھے جبکہ بنی خزاعہ نے اس کو مکہ معظمہ سے نکال دیا تھا۔[1]

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو حبشہ کے رہنے والے لیکن برسہا برس چونکہ مکہ معظمہ میں رہے تھے اور وہاں کی سرزمین سے مانوس تھے، اور مدینہ منورہ آتے ہی وبائی بخار میں پڑ گئے تھے اس لئے مکہ کی سرزمین کے چھوٹ جانے پر بطور حسرت اور

---

[1] صحیح بخاری مع حاشیہ فتح الباری، اوجز المسالک، ص ۱۲۹ و ۱۳۰ ج ۱۔

افسوس کے یہ شعر پڑھتے تھے، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ "کاش! میں مکہ کی وادی میں پہنچ جاتا اور وہاں گھاس کے درمیان اٹھتا بیٹھتا، اور کاش! مکہ کے راستے کے پہاڑوں اور پانیوں پر میرا گذر ہوتا اور پرانے وطن پہنچنا نصیب ہوتا۔

ان اشعار کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ کے مشرکوں کے سرغنوں کے لئے بددعا بھی کی کہ اے اللہ شیبہ، ربیعہ، عتبہ، امیہ پر لعنت کر جنہوں نے ہم کو ہماری سرزمین سے نکال کر وباوالی زمین میں آنے پر مجبور کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلالؓ کے بخار کا اور ان کے مکہ معظمہ کے اشتیاق کا ذکر کیا تو آپ نے اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں یہ دعا فرمائی کہ :

اللّٰھم حبّب الینا المدینۃ	"اے اللہ مدینہ ہمیں محبوب بنا
کحبنا مکۃ او اشدّ	دے جیسا کہ مکہ سے ہم کو محبت ہے،
اللّٰھم بارك لنا فی	بلکہ اس سے بھی زیادہ محبت دے
صاعنا وفی مدنا وصحّحھا	دے، اے اللہ ہمارے صاع میں
لنا وانقل حُمّاھا الی	اور ہمارے مُد میں برکت عطا فرما
الجُحفۃ۔	اور مدینہ کی آب و ہوا کو درست فرما
(صحیح بخاری ص ۲۵۳ ج ۱)	دے اور اس کے بخار کو جحفہ میں بھیج دے"

چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا قبول ہوئی، اور مدینہ منورہ کی آب و ہوا نہایت عمدہ ہو گئی، اس کی ہوا اور اس کی مٹی میں شفا ہے، اس کی بھینی بھینی ہوا کے اثر سے معلوم ہوتا ہے جیسے دل پر شبنم کے پُر بہار قطرے گر رہے ہوں، اس کی گلیوں میں عجیب کیفیت ہے اور در و دیوار میں عجیب بہار ہے، آپ کی دعا کے بعد مدینہ منورہ حضرات صحابہؓ کو ایسا ہی محبوب ہو گیا جیسا کہ مکہ معظمہ تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ محبت ہو گئی، اور مدینہ کے پھلوں میں صاع و مُد میں بھی بہت زیادہ برکت ہو گئی جو آج تک آنکھوں سے دیکھی جاتی ہے صاع اور مُد اس زمانے میں پیمانوں کے نام تھے،

جن سے ناپ کر خرید و فروخت کرتے تھے۔

جحفہ رابغ کے قریب ایک بستی تھی، اس زمانہ میں وہاں یہودی رہتے تھے اس لئے مدینہ منورہ کے بخار کو وہاں بھیجنے کی دعا فرمائی، مدینہ کی آب و ہوا تو عمدہ ہو گئی اور جحفہ کو ایسی بددعا لگی کہ اُجڑ ہی گیا اور آج تک اجاڑ ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ بال بکھرے ہوئے ایک سیاہ عورت مدینہ منورہ سے مَہْیَعَہْ میں داخل ہو گئی، آپؐ نے تعبیر دی کہ مدینہ کی وبا منتقل ہو کر مَہْیَعَہْ میں چلی گئی، مَہْیَعَہْ جحفہ کا دوسرا نام ہے۔

مدینہ منورہ میں جو آج کل کسی کو بخار آجاتا ہے یہ آب و ہوا کی خرابی کی وجہ سے نہیں ہے اور نہ وبائی بخار ہے، بلکہ بخار کے جو دوسرے طبعی اسباب ہیں ان کی وجہ سے بخار آتا ہے اور بخار مؤمن کے لئے بہت مبارک ہے، اس سے خوب گناہ معاف ہوتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مدینہ منورہ سے بہت ہی محبت تھی، سفر سے واپس تشریف لاتے ہوئے جب مدینہ منورہ کی دیواروں پر نظر پڑتی تھی تو آپؐ سواری کو تیز کر دیتے تھے، مدینہ منورہ کی محبت کی وجہ سے آپؐ سواری کو تیز کر دیتے تھے، آپؐ کا ارشاد ہے،

أُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ	"یعنی اُحد ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت
(بخاری شریف)	کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں"

مدینہ منورہ میں رہنا اور مرنا بہت محبوب اور مرغوب عمل ہے، ایک حدیث میں فرمایا کہ "جو شخص مدینہ منورہ سے بے رغبت ہو کر اس کو چھوڑے گا اللہ جل شانہٗ اس کے بدلے اس میں کوئی دوسرا شخص بھیج دے گا جو اس چلے جانے والے سے بہتر ہوگا، اور (فرمایا کہ) جو شخص (مدینہ کے قیام میں) اس کی شدت اور مشقت پر صبر کرے گا میں اس کے لئے سفارش کرنے والا اور گواہی دینے والا بنوں گا۔" (صحیح مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰے عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس سے یہ ہو سکے کہ مدینہ میں مرے اس کو چاہئے کہ وہ مدینہ

ہیں مرے کیونکہ میں اس کے لئے سفارش کروں گا، جو مدینہ میں مرے گا۔

(احمد و ترمذی وقال حسن صحیح غریب اسناداً)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ کوئی شہر ایسا نہیں جس میں دجّال نہ پہنچے گا سوائے مکہ اور مدینہ کے، مدینہ کے ہر راستہ پر فرشتے صف بنائے پہرہ دے رہے ہوں گے، (دجّال وہاں پہنچے گا تو شہر میں داخل نہ ہو سکے گا، شہر کے باہر) شور زمین میں اتر جائے گا اس وقت مدینہ میں تین بار زلزلہ آئے گا جس کی وجہ سے ہر کافر اور منافق مدینہ سے نکل کر دجال کے ساتھ ہو جائے گا۔ (صحیح بخاری)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ دجّال مشرق کی جانب سے آئے گا اور اُحد کے پیچھے اترے گا، پھر فرشتے اس کا رُخ شام کی طرف کر دیں گے اور وہ وہاں جا کر ہلاک ہو جائے گا۔ (مسلم)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ مدینہ میں طاعون اور دجّال داخل نہ ہوگا (مسلم)

اور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو شخص اہل مدینہ کے بارے میں کسی طرح کی بُرائی (یعنی دکھ پہنچانے والی چیز) کا ارادہ کرے گا اللہ اس کو اس طرح پگھلا دے گا جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔ (مسلم)

جن حضرات کو مدینہ طیبہ میں رہنا نصیب ہے اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور مدینہ و اہلِ مدینہ سے محبت کریں، کسی سے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو درگذر کریں اور تکلیف دینے والے کے حق میں دعا کریں، جس طرح ممکن ہو دکھ تکلیف کے ساتھ آخری دم تک مدینہ میں رہیں تاکہ مدینہ میں موت آئے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ بلاشبہ ایمان مدینہ کی طرف اس طرح سمٹ کر آجائے گا جیسے سانپ اپنے بل کی طرف سمٹ کر آتا ہے، اور ایک حدیث میں یوں ارشاد ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے اور بعض احادیث میں مدینہ کو طیبہ فرمایا ہے۔ (مسلم) "طیبۃ" اور "طابۃ" دونوں بمعنی پاکیزہ ہیں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ مدینہ لوگوں کو گناہوں سے اس طرح دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے

کے میل کچیل کو دُور کرتی ہے۔ (بخاری)

مدینہ طیبہ میں کسب دنیا کے لئے نہ رہے، اور مدینہ کو اس لئے نہ چھوڑے کہ فلاں جگہ مال بہت ہے، یا چیزیں سستی ہیں، حضرت سفیان بن ابی زہیر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ یمن فتح ہوگا، پس لوگ آئیں گے، اپنے جانوروں کو چلا کر لے جائیں گے، اور اپنے اہل وعیال کو، اور جو کوئی ان کی بات مانے گا اس کو اٹھا کر وہاں لے جائیں گے حالانکہ مدینہ اُن کے لئے بہتر ہوگا، کاش وہ جانتے ہوتے، اور شام فتح ہوگا پس لوگ آئیں گے جو اپنے جانوروں کو چلائیں گے اور اپنے اہل وعیال کو اور جو کوئی ان کی اطاعت کرے اس کو اٹھا کر وہاں لے جائیں گے، حالانکہ ان کے لئے مدینہ بہتر ہوگا کاش وہ جانتے ہوتے، اور عراق فتح ہوگا پس لوگ آئیں گے جو اپنے جانوروں کو چلائیں گے اور اپنے اہل وعیال کو اور جو کوئی ان کی بات مانے گا اس کو اٹھا کر وہاں لے جائیں گے، حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر ہوگا، کاش وہ جانتے ہوتے۔ (بخاری)

ہجرت کے بعد مکہ معظمہ کو واپسی کا حکم

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب اِقَامَۃِ الْمُهَاجِرِ بِمَكَّةَ بَعْدَ قَضَاءِ نُسُكِهٖ قائم کیا ہے اس کے بعد حضرت علی بن حضرمی رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ (حجۃ الوداع کے موقع پر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ مکہ معظمہ سے ہجرت کر گئے تھے وہ حج سے فارغ ہو کر تین دن مکہ معظمہ میں رہ سکتے ہیں اس کے چند سطر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا نقل کی ہے:۔

اَللّٰهُمَّ اَمْضِ لِاَصْحَابِىْ هِجْرَتَهُمْ وَلَا تَرُدَّهُمْ عَلٰىٓ اَعْقَابِهِمْ (اے اللہ میرے صحابہ کی ہجرت کو پوری طرح قبول فرما لے اور انہیں پرانے حال پر واپس نہ فرما)

اس کے بعد آپ نے فرمایا لٰكِنَّ الْبَآئِسَ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ (لیکن قابلِ رحم

سعد بن خولہ ہے) یہ اس لئے فرمایا کہ حضرت سعد بن خولہ نے مکہ معظمہ سے ہجرت کی تھی. پھر حج کرنے کے لئے مکہ معظمہ گئے تھے. پھر وہاں وفات پاگئے. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ جن صحابہؓ نے مکہ معظمہ سے ہجرت کی تھی وہ دوبارہ ــــــ مکہ معظمہ میں جاکر نہ بس جائیں تاکہ آخر عمر تک ہجرت باقی رہے (مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے اس کے باوجود آپؐ کی یہی خواہش تھی کہ مہاجرین واپس مکہ جاکر نہ بسیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہجرت فرمانے سے پہلے بہت سے صحابہ مدینہ طیبہ کو ہجرت کر گئے تھے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ سب سے پہلے ہمارے پاس مصعب ابن عمیرؓ اور ابن ام مکتومؓ پہنچے یہ دونوں لوگوں کو قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے ان کے بعد بلالؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ اور عمار بن یاسرؓ پہنچے پھر عمر بن الخطابؓ بیس صحابہ کی ہمراہی میں مدینہ منورہ پہنچے. ان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے. میں نے نہیں دیکھا کہ مدینہ کے رہنے والے کبھی اتنے خوش ہوئے ہوں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر خوش ہوئے. آپؐ کے تشریف لانے سے پہلے پہلے میں نے سورۃ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ اور مفصل[1] کی چند سورتیں یاد کر لی تھیں[2]۔

حضرت ابو سلمہ اور عامر بن ربیعہ اور ان کی اہلیہ اور عثمان بن مظعون اور عیاش بن ابی ربیعہ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ عثمان بن عفان اور زبیر ابن العوام اور طلحہ بن عبیدہ حمزہ بن عبدالمطلب اور زید بن حارثہؓ عبیدہ بن الحارث مسطح بن اثاثہ وغیرہم رضی اللہ عنہم اور دیگر حضرات ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ چکے تھے جن کے اسماء گرامی لکھے ہیں. سیرت ابن ہشام میں عثمان بن مظعون جن کا اوپر ذکر ہوا یہ وہی صحابی ہیں جو حبشہ سے واپس آگئے تھے اور مکہ والوں نے انہیں تکلیف پہنچائی تھی جس سے ان کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی۔

---

[1] سورۃ الحجرات سے لے کر سورۃ الناس تک تمام سورتوں کو مفصل کہا جاتا ہے۔

[2] رواہ البخاری ص ۵۵۰

حضرت صہیبؓ رومی کی ہجرت کا واقعہ

صہیب بن سنان رومی کو رومی کہا جاتا ہے۔ درحقیقت وہ رومی نہیں تھے اطراف موصل (عراق) کے رہنے والے تھے۔ رومیوں نے ان کے علاقہ پر حملہ کیا اور انہیں قید کر کے لے گئے۔ آپ اس وقت کم سن تھے روم ہی میں پلے بڑھے۔ پھر بنی کلب ان کو خرید کر مکہ معظمہ میں لے آئے۔ ان سے عبداللہ بن جدعان نے خرید کر آزاد کر دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ جب بڑے ہو گئے تھے تو روم سے بھاگ آئے تھے اور مکہ معظمہ میں عبداللہ بن جدعان کے حلیف بن گئے تھے۔ ان کا شمار قدمائے صحابہ میں ہوتا ہے۔ اُن سے پہلے تیس سے کچھ اوپر حضرات مسلمان ہو چکے تھے۔ حضرت صہیبؓ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں مکہ والے اسلام لانے کی وجہ سے مارا پیٹا کرتے تھے[۱]

حضرت صہیبؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو قریش کو پتہ چل گیا تو انہوں نے ان کو روک دیا اور کہنے لگے کہ تم مکہ معظمہ میں آئے تھے تنگدست تھے حقیر تھے تم ہمارے شہر میں رہے پیسہ بھی کمایا اور اب چاہتے ہو کہ ہمارا شہر چھوڑ کر اپنی جان اور مال کو لے کر چلے جاؤ اللہ کی قسم ایسا نہ ہو گا۔ حضرت صہیبؓ نے فرمایا اگر میں اپنا مال تمہیں تمہارے لئے چھوڑ دوں اور تنہا چلا جاؤں تو کیا تم اس پر راضی ہو سکتے ہو۔ قریش مکہ نے کہا ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔ حضرت صہیبؓ نے فرمایا چلو میں تمہارے لئے اپنا مال چھوڑ کر روانہ ہوتا ہوں۔ چنانچہ مال وہیں مکہ معظمہ میں چھوڑ دیا اور ہجرت فرما کر مدینہ منورہ آ گئے[۲]

مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ (البقرہ: ۲۰۷)

(اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جو اپنے نفس کو اللہ کی رضا کے لئے

---

[۱] الاصابہ والاکمال لصاحب المشکاۃ [۲] سیرت ابن ہشام

خرید لیتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے)۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

حلیۃ الاولیاء ص ۱۵۱ ج ۱ میں حضرت سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ ہجرت کرنے کی نیت سے (مکہ معظمہ سے) نکلے تو قریش کے چند افراد ان کے پیچھے لگ گئے تاکہ ان کو واپس کریں۔ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ اپنی سواری سے اترے اور اپنے ترکش سے تیر نکالے اور ان سے کہا کہ اے قریش کے لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ میں تم سے بڑھ کر تیر انداز ہوں اور خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ میں اپنے سارے تیر تمہاری طرف نہ پھینک دوں جو میرے ترکش میں بھرے ہوئے ہیں اس کے بعد میں اپنی تلوار سے لڑوں گا جب تک میرے ہاتھ میں سکت رہے گی اب تم جو چاہو کر لو، اور ایک صورت یہ ہے کہ میرا مال اور میرے کپڑے جہاں مکہ میں رکھے ہیں میں تمہیں اس کا پتہ بتا دیتا ہوں تم ان کو لے لو اور میرا راستہ چھوڑ دو۔ وہ کہنے لگے ہاں یہ ٹھیک ہے ہم اس پر راضی ہیں، اس پر وہ لوگ چلے گئے اور حضرت صہیبؓ سفر قطع کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا (ربح البیع ابا یحییٰ، ربح البیع ابا یحییٰ) (اے ابویحییٰ یہ بیع نفع والی ہے اے ابویحییٰ یہ بیع نفع والی ہے) جس کا مطلب یہ ہے کہ تھوڑی سی دنیا خرچ کر کے جو اپنی جان اور دین کو بچا لیا یہ نفع کا سودا ہے (ابویحییٰ حضرت صہیبؓ کی کنیت ہے) ان کے پہنچنے سے پہلے ہی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ کی خبر دے دی تھی۔

حضرت ام سلمہؓ کی ہجرت

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب ابوسلمہ نے مدینہ منورہ کو ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو اپنے اونٹ پر کجاوا کسا اور پھر مجھے اس پر سوار کیا میری گود میں سلمہ ابن ابی سلمہ کو بٹھا دیا اور اونٹ کی نکیل پکڑ کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے جب بنو المغیرہ

(جو میرے میکے والے تھے) نے یہ ماجرا دیکھا تو آڑے آ گئے اور کہنے لگے کہ تم تو جا ہی رہے ہو ہماری بچی کو ساتھ لے چلے؟ کس بنیاد پر ہم اپنی بچی کو تمہارے ساتھ جانے دیں یہ کہہ کر ابو سلمہ سے اونٹ کی مہار کھینچ لی اور مجھے ابو سلمہ سے علیحدہ کر دیا جب یہ صورتحال پیش آئی تو ابو سلمہ کے خاندان کے لوگوں نے کہا کہ جب ہماری بچی کو اس کے شوہر کے ساتھ نہیں جانے دیتے (پوتا) کو بھی تمہارے قبضہ میں نہیں رہنے دیں گے اب ہم تین افراد الگ الگ ہو گئے۔ ابو سلمہ تو مدینہ منورہ چلے گئے میں بنی مغیرہ کے پاس رہنے لگی اور میرے بچہ کو بنو عبدالاسد اپنے ساتھ لے گئے (جو ابو سلمہ کے قبیلہ والے تھے)۔ یہ جدائی ایک سال تک رہی۔ اس عرصہ میں میں روزانہ صبح کو پتھریلی زمین پر جا کر بیٹھ جاتی اور روتی رہتی۔ جب ایک سال کا عرصہ گزر گیا تو بنی مغیرہ کے ایک شخص نے مجھے دیکھ لیا اسے مجھ پر رحم آیا اور اس نے بنی مغیرہ کو کہا کہ تم اس مسکین کو کیوں چھوڑ نہیں دیتے تم نے میاں بیوی اور بچہ کے درمیان جدائی کر رکھی ہے۔ یہ بات سن کر میرے میکہ کے لوگ یعنی بنو مغیرہ مجھ سے کہنے لگے کہ اگر تمہارا جی چاہے تو چلی جاؤ۔ جب بنو عبدالاسد یعنی میرے سسرال کے لوگوں کو اس بات کی خبر ملی کہ بنو مغیرہ نے مجھے چھوڑ دیا ہے تو میرے بچہ کو بھی واپس کر دیا۔ اب میں اونٹ پر سوار ہو کر بچہ کو گود میں بٹھا کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ جب مقام تنعیم پہنچی تو عثمان بن طلحہ سے ملاقات ہو گئی انہوں نے کہا کہ اے ابو امیہ کی بیٹی کہاں جا رہی ہو؟ میں نے کہا مدینہ منورہ اپنے شوہر کے پاس جا رہی ہوں کہنے لگے کہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ میں نے کہا اللہ کی قسم بس میرے ساتھ اللہ ہے اور یہ چھوٹا سا میرا بیٹا ہے۔ یہ سن کر انہوں نے اونٹ کی مہار پکڑی اور میرے آگے آگے چل دیے حتیٰ کہ مجھے مدینہ منورہ پہنچا دیا اور قبیلہ عمرو بن عوف پہنچ کر مجھ سے کہا کہ اس بستی (یعنی قباء) میں تمہارے شوہر ہیں حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے عثمان بن طلحہ جیسا شریف اور پاک دامن آدمی نہیں دیکھا جب اونٹ سے اترنے کا وقت آتا تھا تو اونٹ کو بٹھا کر دور ہو جاتے تھے پھر اسے کسی درخت سے باندھ کر دور جا کر لیٹ جاتے تھے،

اور جب چلنے کا وقت آتا تھا تو اونٹ کو میرے قریب لاکر بٹھا دیتے تھے جب میں بچہ کو لے کر سوار ہو جاتی تھی تو اونٹ کی مہار پکڑ کر چل دیتے تھے لہ

دَورِ حاضر کے مہاجرین

آج کل لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وطن تو چھوڑ دیتے ہیں لیکن جہاں آکر آباد ہوتے ہیں وہاں نہ صرف یہ کہ گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں بلکہ سابق وطن میں جو دینی زندگی تھی اس کو چھوڑ کر زیادہ سے زیادہ گناہوں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ نمازیں بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ شرعی پردہ بھی انہیں ناگوار ہونے لگتا ہے اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے اس کے حقوق ادا نہیں کرتے، زکوٰتیں حساب سے نہیں دیتے۔ بائن یا مغلظہ طلاق دے کر بھی جاہلی قانون کا سہارا لے کر عورت کو گھر میں رکھے ہوئے ہیں اور عناد و فساد اور جنگ و جدال کو اپنا وطیرہ بنا لیتے ہیں۔ کوئی دین کی طرف متوجہ کرے تو اس کے گلے پڑتے ہیں۔ کفریہ کلمات تک بک جاتے ہیں' ان سب باتوں کے باوجود اپنے کو مہاجر ہی کہتے ہیں۔

مہاجرین ہی مہاجرین ہیں انصار کا وجود نہیں ہے۔ اس کی ایک وجہ تو وہی ہے، کہ دینی تقاضوں کے مطابق زندگی گذارنے کا مزاج نہیں رہا۔ مہاجرین کی خدمت کو اپنا کام سمجھنے کی بجائے دار الہجرت کے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ قوم ہمارے لئے بوجھ بن گئی اور ہمارے علاقے میں آکر ہمارے حقوق چھیننے لگی، انصار کو یہ بھی گوارا نہیں کہ مہاجرین اپنے دست و بازو سے اور تجارت و زراعت سے مال حاصل کرکے کمائیں اور کھائیں، دونوں فریق کو عصبیت کھائے جاتی ہے، ہر شخص اپنی نیت کا جائزہ لے کہ اس نے کیوں ہجرت کی۔ ہجرت اللہ کے لئے ہوتی ہے تو اس کے برکات ہی اور ہوتی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ مہاجرین صاحبان دین پر قائم نہیں رہتے اعمالِ صالحہ

لہ الاصابہ والاستیعاب' البدایہ

سے بچتے ہیں بڑھ چڑھ کر گناہوں میں حصہ لیتے ہیں اور دشمنانِ دین کی شہہ پر مقامی لوگوں کو دشمن بنا لیتے ہیں، دینی تقاضے تو چھوڑ دیئے، خالص دنیاداری اور گناہ گاری میں لگ گئے۔ اس کے باوجود یہ امید کرتے ہیں کہ انصار ہماری مدد کریں مدد تو دین داری کی وجہ سے ہوتی ہے۔ دین داری کو پس پشت ڈال دیا۔ دنیا ہی دنیا رہ گئی اس کے لئے مرتے ہیں اس کے لئے جیتے ہیں' اہل دنیا سے تو اسی طرح صلح ہو سکتی ہے کہ ان کی ذاتی اشیاء سے گریز کیا جائے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازھد فی الدنیا یحبك الله وازھد فیما عند الناس یحبك الناس[1] کہ تو دنیا سے بے رغبت ہو جا تجھ سے اللہ محبت فرمائے گا اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے بے رغبت ہو جا لوگ تجھ سے محبت کریں گے' اگر اس پر عمل نہ کیا تو وہی ہوگا جو ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا۔

دُنیا کی طلب میں وطن چھوڑنے والے

آج کل مسلمانوں میں اپنا وطن چھوڑ کر یورپ' امریکہ' کینیڈا، آسٹریلیا جا کر آباد ہونے کا ذہن بن رہا ہے اور اس کا رواج بڑھتا جا رہا ہے۔ ان ملکوں میں جانے سے جو دینی خطرات ہیں اس طرف لوگوں کی توجہ نہیں ہے بہت سے لوگ جن میں خاندانی طور پر دینی جذبات ہیں اور حضرات اکابر علماء اور سادات و شیوخ کے اولاد ہیں وہ بھی مذکورہ ممالک کی طرف رُخ کر رہے ہیں اور کتنے ہی افراد و خاندان وہاں جا کر آباد ہو چکے ہیں اور سلسلہ جاری ہے۔

جو لوگ ممالک مذکورہ میں جا کر آباد ہوتے ہیں، مال کی طلب میں اپنا وطن چھوڑتے ہیں کھانے پینے اور پہننے کی حد تک ہی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ضروریات سے زائد مال ان کے پاس اپنے وطن میں ہوتا ہے لیکن کثرت مال کی حرص میں اپنا وطن چھوڑ کر مذکورہ ممالک کا سفر اختیار کرتے ہیں اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کا مقصد

---

[1] رواہ الترمذی۔

صرف حب جاہ ہے یعنی ان کا نفس انہیں ترغیب دیتا ہے کہ باہر کے ملکوں میں چلیں تو شہرت ہوگی لوگ بڑا آدمی سمجھیں گے اور عزیز و اقارب یہ کہیں گے کہ فلاں صاحب کو امریکن نیشنلٹی مل گئی اور اس طرح سے ایک فخر کی شان پیدا ہو جائے گی۔

ان دونوں چیزوں پر نظر ہے لیکن اپنے دین و ایمان کی بقاء و حفاظت کے لئے کوئی فکر نہیں ہے اگر کوئی شخص حلال روزی طلب کرے تو شرعاً بُری بات نہیں لیکن مال کی طلب میں ایمان کو خطرہ میں ڈالنا اور فرائض و واجبات سے غافل ہو جانا اور گناہ والی زندگی گذارنا دنیا میں بھی تباہی ہے اور آخرت میں بھی عذاب و بربادی ہے یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ جو لوگ ان ممالک میں جاتے ہیں وہ سب ہی اپنا دینی نقصان کر بیٹھتے ہیں لیکن اب تک جو بات سننے میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ اکثر لوگ ان ملکوں میں جا کر دینی ماحول نہ ہونے کی وجہ سے اپنا دین و ایمان کھو بیٹھتے ہیں اور ایسے افراد تو ہزاروں ہیں جنہیں وہاں پہنچ کر حلال و حرام کی تمیز نہیں رہتی نہ شریعت اسلامیہ کی پاسداری رہتی ہے، فرائض اور واجبات چھوٹ جاتے ہیں اور کبیرہ گناہوں میں ملوث ہو جاتے ہیں اگر دین برباد ہوا اور آخرت کے عذاب میں گرفتار ہوئے تو یہ چند دن کی دنیا کی چہل پہل کیا فائدہ دے سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَإِنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيْهَا فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ ؕ

ترجمہ: دنیا میٹھی ہری بھری چیز ہے اللہ تمہیں اس میں اپنا خلیفہ بنائے گا پھر وہ دیکھے گا کہ تم اس میں کیا عمل کرتے ہو لہٰذا تم دنیا سے بچو اور عورتوں سے پرہیز کرو (یعنی عورتوں کے فتنہ میں نہ آؤ کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ جو ظاہر ہوا وہ عورتوں کا فتنہ تھا۔)

کافروں کے ماحول میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جاتے ہیں اور آخرت کی پیشی کا فکر نہیں رہتا فرائض کو چھوڑتے ہیں اور واجبات کو بھی اور طرح طرح کے گناہوں میں ملوث ہو جاتے ہیں، خیانت، فریب، مال میں ملاوٹ، رشوت لینے

دینے اور حرام چیزوں کی خرید وفروخت کرنے اور حرام کھانے سے پرہیز نہیں کرتے۔ گناہوں میں لت پت ہونا ان کا مزاج بن جاتا ہے یہ چیزیں مؤمن بندوں کی شان سے بہت دور ہیں یہ وہ باتیں ہیں جنہیں سب جانتے ہیں اور سب کی نظروں کے سامنے ہیں مؤمن بندوں پر لازم ہے کہ آخرت کے لئے فکرمند ہوں اور حقیر دنیا کو اپنی زندگی کا مقصد نہ بنائیں۔ لوگ محض طلب دنیا کے لئے جا کر رہتے ہیں ان کے لئے سب سے بڑا خطرہ نسلوں کی بربادی کا خطرہ ہے۔ عام طور سے اسلامی اور دینی ماحول سعودی عربیہ، پاکستان، بنگلہ دیش میں پایا جاتا ہے یہاں علم دین بھی ہے علماء بھی ہیں، دینی محنتیں بھی ہیں (گو اسلام پر پورا عمل نہیں پھر بھی یورپ اور امریکہ کے ماحول سے بہت زیادہ بہتر ہے)۔

ممالک مذکورہ میں بہت سے مسلمانوں میں دینی اعمال کی پابندی ہے اور جن لوگوں میں عملی کمزوری ہے ان میں سے بھی بہت سے لوگ ماحول کے اثر سے دینی اعمال کر لیتے ہیں، نئی نسلوں کے لئے قرآنی مکاتب اور اسلامی مدارس بھی اچھی خاصی تعداد میں ہے اس ماحول کو چھوڑ کر ان ممالک میں جانے سے جہاں اسلامی ماحول نہیں ہے بلکہ فواحش، منکرات اور معاصی کا دور دورہ ہے نئی نسلیں متاثر ہوں گی اور بے دینی کی زندگی اختیار کریں گی خصوصاً جبکہ قانونی طور پر ان ملکوں میں بچوں پر ماں باپ کا کنٹرول بھی گوارہ نہیں ہے اور اٹھارہ سال کا لڑکا ہو یا لڑکی وہ تو پوری طرح سے قانونی طور پر آزاد ہوتا ہے کہ جو دین چاہے اختیار کرلے اور جیسی زندگی چاہے اختیار کرلے فواحش ومنکرات سے اسے باز نہیں رکھا جاسکتا لہٰذا ایسے ملکوں میں اولاد کو لے جا کر ڈالنا ان کو برباد کرنا ہے۔ مزید بات یہ ہے کہ ان ملکوں میں کمپلسری ایجوکیشن کا نظام ہے اٹھارہ سال تک لڑکوں اور لڑکیوں کو حکومتی اداروں میں پڑھنا لازمی ہے اور مسلم اور غیر مسلم طلبہ وطالبات سب مل جل کر کلاسوں میں حاضر ہوتے ہیں اور چلنے پھرنے اور مل کر بیٹھنے میں بھی ہر طرح کی آزادی ہے۔ پھر اسکول اور کالجوں کا یونیفارم بھی سراسر بے پردگی بلکہ عریانی والا ہے، یہ بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ ایشیا سے مذکورہ ممالک میں

جاکر آباد ہوتے ہیں ان میں سے بہت سے جنگلوں اور کھیتوں میں کام کرتے ہیں اور بعض لوگ چھوٹی موٹی دکان کھول لیتے ہیں جن میں شراب سؤر اور دوسرے حرام گوشت بیچتے ہیں اور اس کے بغیر وہاں دکان چل نہیں سکتی۔ اوّل تو حرام کا بیچنا حرام ہے اور پھر اس کی قیمت بھی حرام ہے۔ پھر مزید یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شراب بنانے والے پر اور شراب پینے والے پر اور شراب پلانے والے پر اور شراب اٹھا کر لے جانے والے پر اور جس کے پاس شراب لے جائی جائے ان سب پر لعنت بھیجی ہے[۱]

جو لوگ ان ہوٹلوں میں کام کرتے ہیں جن میں آنے جانے والوں کو شراب پلائی جاتی ہے وہ لوگ بھی اس وعید پر غور کرلیں، عموماً ایشیائی ملکوں کے مسلمان یورپ امریکہ کے ممالک میں جاکر اس طرح کے ہوٹلوں میں نوکریاں کرلیتے ہیں، غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر اس طرح کی دکانیں کرنے اور نوکریاں حاصل کرنے سے کچھ پیسے زیادہ مل بھی گئے اور ساتھ ہی لعنت پڑ گئی تو ایسا پیسہ کس کام کا ؟ زیادہ مال کمانے کے لئے مسلمانوں کا ملک چھوڑ کر کافروں کے ملکوں میں سکونت اختیار کرنا اور شراب بیچ کر لعنتی بننا اس میں کون سا ایسا نفع ہے جسے مقصود زندگی بنایا جائے۔

مذکورہ ممالک سے آنے جانے والوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ مسلمان ایسی ایسی جگہوں میں جاکر آباد ہو جاتے ہیں جہاں سے مسجدیں بیس تیس میل کے فاصلہ پر ہوتی ہیں اگر کوئی شخص نماز کا اہتمام کرتا ہو تو تنہا نماز پڑھتا ہے اور جماعت کی نماز سے محروم رہ جاتا ہے البتہ بعض لوگ ہمت کرکے جمعہ کی نماز میں حاضر ہو جاتے ہیں اور ایسی بستیوں میں رہنا پڑتا ہے جہاں صرف کافر ہی ہوتے ہیں کافروں میں رہنا مستقل وبال ہے شیطان پیچھے لگ جاتا ہے ایمانیات سے ہٹا دیتا ہے۔ مسلمان کو مسلمانوں میں رہنا لازم ہے تاکہ اللہ کے ذکر کا چرچہ ہوتا رہے نمازیں پڑھی جاتی رہیں اور اسلامی احکام ادا ہوتے رہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس جنگل میں یا بستی میں تین آدمی

---

[۱] مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۲

ہوں اور وہاں نماز قائم نہ کی جاتی ہو تو ان پر شیطان غلبہ پالیتا ہے لہٰذا تم جماعت کو لازم پکڑو کیونکہ بھیڑیا اس بکری کو کھا جاتا ہے جو اپنی جماعت سے دور ہو جاتی ہے[1]

دوسری حدیث میں ہے کہ انسان کا بھیڑیا شیطان[2] ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے انا بریٔ ممن یعیش بین أظھر الکفار۔ (میں اس شخص سے بری ہوں جو کافروں کے درمیان زندگی گذارتا ہے۔)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ مومن کافر سے اتنا دور رہیں کہ دونوں طرف کی آگ جلے تو ایک دوسرے کو دکھائی نہ دے۔ غیر مسلموں میں رہتے ہوئے اپنے دین کا احساس نہیں رہتا ہے۔ ہمارے ایک دوست کی بہن آسٹریلیا میں رہتی تھی عرصہ دراز کے بعد آپس میں ملاقات ہوئی تو بھائی نے بہن سے پوچھا تم وہاں کس حال میں رہتی ہو؟ بہن نے جواب دیا کہ ہم تو وہاں بسم اللہ پڑھ کر سور بھی کھا لیتے ہیں۔ (العیاذ باللہ) یہ دینی ماحول سے دور رہنے کا اثر ہے۔

سب مسلمانوں سے درخواست ہے کہ دینی ماحول میں رہیں اپنے بچوں کو دین سکھائیں قرآن و حدیث پڑھائیں بے دینی کے ماحول میں نہ خود جائیں نہ اولاد کو جانے دیں اگر ایسی غلطی ہو چکی ہے تو جلد سے جلد اس سے چھٹکارہ حاصل کر کے دینی ماحول میں پہنچیں جہاں ایمانیات کا نماز باجماعت کا اور قرآن و حدیث کی تعلیم کا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کا اور دین کی محنت کرنے کا ماحول ہو ورنہ شیطان خود والدین کو اور ان کی آنے والی نسلوں کو دین سے دور کر دے گا، شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے وہ چاہتا ہے کہ انسان بھی میرے ساتھ دوزخ میں چلے جائیں اور اسی کے لئے اس کی محنتیں ہو رہی ہیں، اللہ تعالیٰ نفس اور شیطان کے شر سے بچائیں دنیا سے زیادہ آخرت کی محبت دل میں بسائیں اور ہر مومن کو عبادت اور تلاوت اور ذکر پر لگائیں جو بہت بڑی کامیابی ہے سورۃ الذاریات میں فرمایا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (۵۶)

ترجمہ: اور میں نے جنات اور انسان کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص۹۴ [2] جمع الفوائد از احمد

لہٰذا انسان کے پیشِ نظر صرف اپنا مقصد تخلیق یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی ہونا چاہئے۔ دنیا میں جینے اور جینے کی ضروریات پوری کرنے کے لئے دنیا کمانے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن دنیا کو مقصد زندگی نہ بنایا جائے جو لوگ دنیا ہی کو زندگی کا مقصد بنا لیتے ہیں اور اس کے لئے مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور کھاتے ہیں کمانے کے لئے اور کماتے ہیں کھانے کے لئے ایسے لوگ پوری طرح دنیا میں منہمک ہوجانے کی وجہ سے فکر آخرت سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل رہتے ہیں آخرت سے بے فکر ہو جاتے ہیں۔ موت کے بعد کیا ہوگا اس کی بالکل فکر نہیں رہتی فرائض کو چھوڑتے ہیں اور واجبات کو بھی اور طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ
فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ (۱۸۵)

ترجمہ: ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور تمہارے کاموں کے بدلے قیامت کے دن پورے پورے دیئے جائیں گے سو جو شخص دوزخ سے بچا دیا گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا یہ کامیاب ہے اور دنیا والی زندگی صرف دھوکہ کا سامان ہے۔

دیکھو قرآنِ کریم نے صاف بتا دیا کہ کامیاب وہ ہیں جو دوزخ سے بچا دئے گئے اور جنت میں داخل کر دئے گئے لہٰذا ہر شخص اپنی زندگی اس طرح گذارے کہ دوزخ سے بچ سکے اور جنت میں جا سکے۔ ہری بھری اور میٹھی میٹھی دنیا کو مقصود زندگی نہ بنائے جسے قرآنِ کریم نے مَتَاعُ الْغُرُوْر (دھوکے کا سامان) بتایا ہے۔ یاد رہے کہ ان اوراق میں وہ لوگ مخاطب نہیں ہیں جو ممالک مذکورہ میں دینی محنتیں کرتے ہیں دین کی دعوت دیتے ہیں اور اپنی اولاد کو کفر اور فسق اور فحاشی و عریانی سے محفوظ رکھتے ہیں۔

بس ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں یہ سطور اخلاص کے ساتھ اہلِ ایمان کی ہمدردی کے لئے لکھی گئی ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو اعمال صالحہ کی توفیق دیں اور معاصی سے بچائیں۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝

جہاد کی ضرورت اور حکمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے، ان کی اہلیہ محترمہ ساتھ تھیں دونوں سے نسل چلی اور بڑی تعداد میں افرادِ انسان دنیا میں پھیل گئے (وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً) (نساء: ۱)

ایک عرصہ تک دنیا میں مؤمنین ہی موحدین تھے پھر دینِ حق کے منکرین بھی پیدا ہوگئے بت پرستی بھی دنیا میں رواج پذیر ہوگئی اہل حق اور اہل باطل کے درمیان جنگیں ہوتی رہیں۔

سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الرسل ہیں، آپ شہرِ مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، اسی شہر میں مشرکین رہتے تھے کعبہ شریف کے اندر تک ان لوگوں نے بت رکھے ہوئے تھے، جب تک آپ نبوت سے سرفراز نہیں ہوئے تھے تو مشرکین مکہ آپ کی بہت تعریف کرتے تھے اور آپ کو الصادق الامین کے لقب سے یاد کرتے تھے، جب آپ نے لا الٰہ الا اللہ کی دعوت دی اور توحید کا سبق سکھایا تو وہ ہی لوگ جو کل تک آپ کی تعریفیں کرتے تھے آپ کے دشمن ہوگئے یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے تھے تکلیفیں پہنچاتے تھے جو شخص اسلام قبول کرلیتا تھا اسے بہت زیادہ مارتے پیٹتے تھے جیسا کہ اسی کتاب کی پہلی جلد میں گذر چکا ہے۔

مشرکین مکہ نے دینِ توحید کی دشمنی پر ایسی کمر باندھی اور آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو ایسی تکلیفیں پہنچائیں کہ آپؐ اور آپ کے صحابہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے، جب تک یہ حضرات مکہ معظمہ میں تھے ان کو صبر کرنے کا حکم تھا جنگ کرنے کی اجازت نہ تھی، جب مسلمان مدینہ منورہ میں جمع ہوگئے اور امن کی جگہ مل گئی اور ایک مرکزی جگہ حاصل ہوگئی (جس میں اپنا اقتدار بھی ہوگیا) تو اللہ جل شانہ نے مسلمانوں کو جنگ کرنے کی اجازت دیدی

سورۃ الحج میں ارشاد فرمایا:

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا ؕ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ (۴۰،۳۹)	ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا، اور بلاشبہ اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے، یہ لوگ ناحق اپنے گھروں سے صرف یہ کہنے کی وجہ سے نکالے گئے کہ ہمارا رب اللہ ہے، اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ دفع فرماتا ہے تو نصاریٰ کے خلوت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ

کا ذکر کیا جاتا ہے گرادیئے جاتے، اور یہ بات ضروری ہے کہ اللہ اس کی مدد کریگا جو اللہ کی مدد کرے بلاشبہ اللہ قوی ہے غلبہ والا ہے

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ اہلِ ایمان کو قتال کرنے کی اجازت دی گئی جو اب تک مظلوم تھے اور ان سے جنگ کی جاتی رہی تھی۔ دوسرے یہ فرمایا کہ یہ مومن بندے اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے۔ دشمنوں کے نزدیک ان کا صرف یہی قصور تھا کہ یہ حضرات یوں کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے حالانکہ یہ کوئی قصور کی بات نہیں ہے، یہ حضرات کسی کا مال نہیں چراتے تھے، خیانت نہیں کرتے تھے، بُرے افعال میں مبتلا نہ تھے، اس کے باوجود توحید کے دشمنوں نے انہیں ان کے گھروں سے نکال دیا۔ چوتھی بات یہ بتائی کہ اللہ جل شانہٗ کا اپنے مومن بندوں کے ساتھ یہ معاملہ رہا ہے کہ کافروں سے ان کی لڑائیاں ہوتی رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومن بندوں کی مدد ہوتی رہی ہے۔

سورۂ آل عمران میں فرمایا:

وَكَاَیِّنْ مِّنْ نَّبِیٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّیُّوْنَ كَثِیْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا	اور بہت سے نبی گزرے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی، پھر جو مصیبتیں ان کو اللہ کی راہ میں پہنچیں اُن کی

اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ○ وجہ سے نہ ہمت ہارے نہ کمزور پڑے اور نہ عاجز
(۱۴۶) ہوئے، اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے،

اپنے اپنے زمانہ میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی امتوں نے اپنے نبیوں کے ساتھ مل کر کافروں سے جنگ کی ہے اور اس کے ذریعہ کافروں کا زور توڑا ہے، یہ اللہ جل شانہٗ کی عادت رہی ہے کہ ایک جماعت کے ذریعہ دوسری جماعت کو دفع فرمایا ہے، اگر یہ صورت حال نہ ہوتی تو کفار اہل ایمان کی عبادت گاہوں کو گرا کر ختم کر دیتے۔ یہود نے (جو اپنے زمانے میں مسلمان تھے) دشمنوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کیا اور اپنی عبادت گاہوں کو بچایا، پھر نصاریٰ کا دور آیا (جو اپنے زمانہ کے مسلمان تھے) انہوں نے بھی کافروں سے جنگ کی اور اپنے عبادت خانوں کی حفاظت کی، وہ دونوں قومیں اب بھی ہیں لیکن سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبول نہ کرنے کی وجہ سے کافر ہیں، اب امتِ محمدیہ ہی مسلمان ہے اور تمام کافروں سے (جن میں یہود و نصاریٰ بھی داخل ہیں) مسلمانوں کی جنگ ہے اگر مسلمان اپنے دین کی بقا کے لئے محنت نہ کریں اور بوقت شرعی جہاد جنگ نہ کریں تو ان کی مسجدیں گرا دی جائیں ______ جن میں اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کیا جاتا ہے، کافروں کو یہ کہاں گوارا ہے کہ مسلمان اذانیں دیں اور مسجدیں بنائیں اور ان میں جماعت سے نمازیں پڑھیں۔

اسلام میں جیسے نماز روزہ اور دیگر احکام کی اہمیت ہے ایسے ہی جہاد جاری رکھنا بھی مامور بہ ہے اگر جہاد جاری نہ رکھا جائے تو اہل کفر مسلمانوں کو کچا کھا جائیں، نہ نئی مساجد تعمیر ہونے دیں، نہ پرانی مسجدوں کو باقی رہنے دیں، اذانیں بند کرا دیں، مدارسِ قرآنیہ ختم کرا دیں، اور گو آپس میں اہل کفر میں اختلاف ہے لیکن اسلام اور مسلمان کو نقصان پہنچانے اور دنیا سے مٹانے کی نیتوں اور مشوروں میں سب ایک ہیں۔ الحمد للہ علماء کرام اور مجاہدین عظام کی جہود اور مساعی سے اور مسلمانوں کی باہمی کوششوں سے عرب و عجم میں کافر مسلمان ہو رہے ہیں اور مساجد اور مدارس کی تعمیر پوری شان و شوکت کے ساتھ ہو رہی ہے۔ یورپ اور امریکہ میں کثرت سے غیر مسلم مسلمان ہو رہے ہیں اور مساجد و مدارس کا جال پھیل رہا ہے۔

ضروری نہیں ہے کہ جہاد جنگ ہی کے ذریعہ ہو اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لئے مال خرچ کرنا، سفر کرنا، تقریریں کرنا، رسائل اور کتابیں لکھنا یہ سب جہاد کی صورتیں ہیں، جنگ کے موقعہ پر جنگ کریں اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے ہر طرح کی محنتیں جاری رکھیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جاھدوا المشرکین بأموالکم وأنفسکم وألسنتکم[1] (باب کراھیۃ ترک الغزو)

اس حدیث میں زبانوں سے جہاد کرنے کا حکم بھی فرمایا ہے۔ زبان سے جہاد کرنے میں بہت باتیں آگئیں، کافروں سے مناظرہ کرنا، ان کے خلاف تقریریں کرنا، مسلمانوں کو جہاد کے لئے ترغیب دینا اور آمادہ کرنا وغیرہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے ایک جماعت برابر حق بلند کرنے کے لئے قتال کرتی رہے گی جو شخص ان کے مقابلہ میں آئے گا یہ جماعت اس پر غلبہ پاتی رہے گی اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ میری امت کے آخری لوگ مسیح دجال سے قتال کریں گے۔

ائمہ کرام اور فقہاء عظام کا یہی مذہب ہے کہ مسلمانوں پر ہر قسم کا جہاد باقی رکھنا لازم ہے۔ علامہ ابوبکر جصاص احکام القرآن ص ۱۱۳ ج ۳ میں لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف اور امام محمد اور امام مالک اور تمام فقہاء امصار کا قول ہے کہ جہاد قیامت تک فرض ہے لیکن اس میں اتنی تفصیل ہے کہ عام حالات میں فرض کفایہ ہے۔ مسلمانوں کی ایک جماعت اس میں مشغول رہے گی تو باقی مسلمانوں کو اس کے ترک کرنے کی گنجائش ہوگی، اور یہ بھی لکھا ہے کہ تمام مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مسلمانوں کے ممالک کی سرحدوں کے رہنے والے مسلمان اگر طاقت ور نہ ہوں اور ان میں کافروں سے مقابلہ کی طاقت نہ ہو جس کی وجہ سے انہیں اپنے شہروں اور اپنی جانوں اور اپنے بال بچوں پر دشمنوں کی طرف سے خوف ہو تو ساری امت پر فرض ہوگا کہ وہ اپنے گھروں سے نکلیں اور کافروں کے حملہ سے مسلمانوں کی حفاظت کریں۔

---

[1] رواہ ابوداؤد

اس کے بعد لکھتے ہیں ـــــ کہ امت میں کسی کا بھی یہ قول نہیں ہے کہ جب (کسی علاقہ میں) مسلمانوں کو اپنی جانوں کے قتل ہونے کا اور بچوں کے قید ہونے کا خطرہ ہو تو دوسرے (علاقہ کے) مسلمانوں کو ان کی مدد چھوڑ کر گھر بیٹھنا جائز ہو۔

پھر لکھا ہے کہ امام المسلمین پر اور عامۃ المسلمین پر لازم ہے کہ ہمیشہ کافروں سے جنگ کرتے رہیں یہاں تک کہ اسلام قبول کریں یا جزیہ ادا کریں۔

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ جہاد فرض کفایہ ہے، مسلمانوں کی ایک جماعت اگر اس فریضہ پر قائم رہے تو باقی مسلمانوں سے ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی بھی جہاد میں مشغول نہ رہے تو سب گناہ گار ہوں گے۔ پھر لکھتے ہیں کہ کافروں سے قتال کرنا واجب ہے اگرچہ وہ خود سے جنگ میں پہل نہ کریں، اور اگر مسلمانوں کے کسی شہر پر دشمن چڑھ آئیں تو تمام مسلمانوں پر ان کا دفاع لازم ہوگا اس صورت میں عورت بھی شوہر کی اجازت کے بغیر نکل کھڑی ہو، اور غلام بھی آقا کی اجازت کے بغیر میدان میں آجائے، اس لئے کہ اس صورت میں دشمنوں سے جنگ کرنا فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ (ہدایہ کتاب السیر) جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔ جہاد اور قتال اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے اور اللہ کا دین پھیلانے کے لئے ہے اور جنگ برائے جنگ نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ مزید لکھتے ہیں کہ جب مسلمان کافروں کے ملک میں داخل ہوں اور ان کے کسی شہر یا قلعہ کا محاصرہ کرلیں تو ان کو اسلام کی دعوت دیں، اگر وہ دعوت قبول کرلیں اور اسلام لے آئیں تو جنگ کرنے سے رک جائیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کی گواہی دیں (اور مجھ پر اور میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائیں (کما زادہ مسلم فی روایۃ)۔ اور اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کریں تو ان کو جزیہ ادا کرنے کی دعوت دیں۔ اگر وہ جزیہ ادا کرنا منظور کرلیں تو پھر ان کے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں اور ان کی وہی ذمہ داریاں ہوں گی جو (ملک کی حفاظت کے سلسلے میں) مسلمانوں پر عائد ہوں گی (لیکن جزیہ کی دعوت مشرکینِ عرب کو نہیں دی جائے گی ان کے لئے اسلام ہے یا تلوار ہے) جن لوگوں کو دعوتِ اسلام نہیں پہنچی ان کو دعوت دیئے بغیر جنگ کرنا جائز نہیں۔ اور جن لوگوں کو دعوتِ اسلام پہنچ چکی ہے، ان کے بارے میں

مستحب ہے کہ پہلے ان کو دعوت دی جائے پھر قتال کیا جائے اگر کفار قبولِ اسلام سے بھی انکاری ہوں اور جزیہ دینے پر بھی راضی نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کر کے ان سے جنگ کی جائے اور عورتوں اور بچوں کو اور بہت بوڑھے کو اور اپاہج کو اور اندھے کو قتل نہ کیا جائے۔ ہاں اگر ان میں سے کوئی شخص امورِ حرب میں رائے رکھنے والا ہو یا عورت بادشاہ بنی ہوئی ہو تو ان کو قتل کر دیا جائے (من الھدایہ باب کیفیۃ القتال)

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ (کفر و باطل کی) جماعتیں تمہیں ختم کرنے کے لئے آپس میں ایک دوسرے کو اس طرح بلا کر جمع کر لیں گی جیسے کھانے والے ایک دوسرے کو بلا کر پیالہ کے آس پاس جمع ہو جاتے ہیں۔ یہ سن کر ایک صاحب نے سوال کیا کہ کیا ہم اس روز کم ہوں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں! بلکہ تم اس روز تعداد میں بہت ہو گے لیکن گھاس کے ان تنکوں کی طرح ہو گے جنہیں پانی کا سیلاب بہا کر لے جاتا ہے (پھر ارشاد فرمایا کہ) اور خدا ضرور ضرور تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہارا رعب نکال دیگا اور بالضرور یقیناً وہ تمہارے دلوں میں کاہلی اور سستی ڈال دے گا۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ سستی کا کیا (سبب) ہوگا۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا (یعنی مال و دولت) سے محبت کرنے لگو گے اور موت کو مکروہ سمجھنے لگو گے۔ (رواہ ابوداود)

برسوں سے یہ پیشین گوئی حرف بحرف صادق ہو رہی ہے اور مسلمان آج اپنی اس حالتِ زار کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کوئی قوم انہیں نہ عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھتی ہے نہ دنیا میں ان کا رہنا گوارا کرتی ہے۔ ایک وہ بھی زمانہ تھا کہ دوسری قومیں اپنے اوپر مسلمانوں کو حکمراں دیکھنا چاہتی تھیں، ایک دور یہ ہے کہ غیر مسلم اقوام مسلمان کو اپنی قلمرو میں رکھنا بھی پسند نہیں کرتیں۔ ایسے واقعات گزر چکے ہیں کہ کسی ملک میں جہاں مسلمان خود حکمراں تھے انقلاب کے بعد وہاں سے جان بچا کر بھی نہ جا سکے۔ اسپین اس کی زندہ اور مشہور مثال ہے۔

مسلمانوں کو آج ذلت و خواری کا منہ کیوں دیکھنا پڑ رہا ہے اور کروڑوں کی تعداد میں

ہوتے ہوئے بھی کیوں غیروں کی طرف تک رہے ہیں۔ اس کا جواب خود ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں موجود ہے کہ دنیا کی محبت اور موت کے خوف کے باعث یہ حال ہو رہا ہے۔ جب مسلمان دنیا کو محبوب نہ سمجھتے تھے اور جنت کے مقابلے میں (جو موت کے بغیر نہیں مل سکتی) دنیا کی زندگی ان کی نظروں میں کچھ بھی حقیقت نہ رکھتی تھی (اس لئے وہ موت سے ڈرتے نہ تھے) تو گو تعداد میں کم تھے لیکن دوسری قوموں پر حکمراں رہے اور اللہ کی راہ میں جہاد کر کے غیروں کے دلوں تک پر حکومت کرنے لگے۔ آج بھی جو ہمارا حال ہے ہم اسے خود بدل سکتے ہیں بشرطیکہ پچھلے مسلمانوں کی طرح دنیا کو ذلیل اور موت کو عزیز از جان سمجھنے لگیں ورنہ ذلت اور بڑھتی رہے گی۔

دشمنانِ اسلام کو مسلمانوں کے جہاد اور قتال پر تو اعتراض ہے کہتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے لیکن ان میں سے کوئی بڑے سے بڑا لیڈر خاص کر جسے منصف مزاج ہونے کا دعویٰ ہو مشرکینِ مکہ کے مظالم کی کوئی مذمت نہیں کرتا۔ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد دعوتِ حق کا کام شروع کیا، اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی اور بت پرستی چھوڑنے کے لئے فرمایا اس میں کونسی بات تھی جس کی وجہ سے آپ سے دشمنی کی جاتی؟ کیا وجہ تھی کہ جس شخص کو پہلے الصادق الامین کہتے تھے آج دعوت و توحید کی وجہ سے دشمن ہو گیا؟ کیا وجہ تھی کہ جو لوگ آپ کی دعوت قبول کر لیتے تھے انہیں مارا پیٹا جاتا تھا، آگ پر لٹا دیا جاتا تھا۔ گرم پتھر کی چٹان کے نیچے دبا دیا جاتا تھا، اور کیا وجہ تھی کہ آپ کو اور آپ پر ایمان لانے والوں کو تین سال تک خیف بنی کنانہ میں محصور رہنے پر مجبور کیا گیا؟ اور کیا وجہ تھی کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حبشہ کو ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے؟ جن حضرات کو ایمان قبول کرنے پر ایذائیں دی گئیں، مارا پیٹا گیا، کھانا پانی بند کر دیا گیا انہوں نے کیا جرم کیا تھا کیا انہوں نے کوئی چوری کی تھی کہیں ڈاکہ ڈالا تھا یا کوئی بے حیائی کا کام کیا تھا؟ بس اتنی بات تھی کہ انہوں نے توحید کا اقرار کر لیا اور شرک سے بیزاری کا اظہار کر دیا۔ یہ تو اچھی بات ہے، ہر انسان کا فریضہ ہے کہ موحد بنے لیکن چونکہ کفر ملتِ واحدہ ہے اس لئے کافر لوگ مستشرقین اور محررین، مدیرین

معترضین اہل کفر و اہل شرک کی زیادتیوں کا نہ تذکرہ کرتے ہیں نہ مذمت کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے درمیان جو زمانہ گذرا ہے اس میں اصحاب الاخدود کا تذکرہ ملتا ہے۔ اصحاب الاخدود وہ لوگ تھے جنہوں نے خندقیں کھود کر آگ جلائی تھی اور اہل ایمان کو اس دہکتی آگ میں ڈال دیتے تھے۔ سورۃ بروج میں فرمایا:

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۙ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۙ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۙ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ؕ	ملعون ہوئے خندق والے جس وقت وہ لوگ آگ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ کر رہے تھے دیکھ رہے تھے۔

پھر فرمایا:

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ (۸تا۴)	اور ان کافروں نے ان مسلمانوں میں اور کوئی عیب نہیں پایا سوائے اس کے کہ وہ اللہ پر ایمان لے آئے جو زبردست ہے اور حمد کا مستحق ہے

یعنی دشمنوں نے اہل ایمان کو جو تکلیف دی، آگ میں ڈالا ان سے دشمنوں کی ناراضگی بس اسی بات سے تھی کہ انہوں نے ایمان کو قبول کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے دین کو قبول کر لینا دشمنانِ توحید کے نزدیک سب سے بڑا جرم تھا

سورۃ المائدہ میں فرمایا:

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (۵۹)	آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب تم ہم سے صرف اس وجہ سے ناراض ہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور اس پر ایمان لائے جو اس سے پہلے نازل کیا گیا اور بے شک تم میں سے اکثر فاسق ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہیں، اس کے دین کو قبول نہیں کرتے، تم میں سے بہت کم لوگ اللہ کے دین کو قبول کرتے ہیں۔

سورہ بروج اور سورہ مائدہ کی آیات میں بتا دیا کہ اہل ایمان سے دشمنی کرنے والے اہل ایمان کی کسی جنایت یا عیب یا قصور یا خطا کی وجہ سے بغض نہیں رکھتے صرف اس

وجہ سے بغض رکھتے ہیں کہ وہ اللہ پر ایمان لے آئے، مدعیانِ عقل اور مدعیانِ عدل وانصاف بتائیں کہ ان ایمان والوں کو تکلیف دینا، گھروں سے نکالنا، جلاوطن کرنا، مقاطعہ کرنا، اس میں کونسا عدل وانصاف ہے اور کونسی خیر قائم کرنے کا ارادہ ہے؟ اہل ایمان سے دشمنی رکھنے والے اپنے خالق ومالک کے باغی ہیں، ان باغیوں کی مذمت نہیں کی جاتی، اہلِ ایمان اگر ان حملوں کا دفاع کریں یا ان کو کفر وشرک سے نکالنے کے لئے قتال اور جہاد کریں تو اس پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ لیکن اہل مکہ کی ان زیادتیوں کو پی جاتے ہیں جو انہوں نے اہل ایمان کے ساتھ روا رکھیں۔

اسلامی جہاد پر اعتراض کرنے والے بتائیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے مظلوم بندے جن کا صرف یہی قصور تھا کہ وہ کفر چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوگئے، اللہ کا نام لینے لگے، نمازیں پڑھنے لگے، اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے لگے، جب ان پر کافر چڑھ کر آئے، ان پر حملہ کیا اور ان کو مٹانے کی اسکیمیں بنائیں تو ان حالات میں یہ اہل ایمان کیا کرتے؟ کیا یہ حضرات مظلوم اور مقہور ہو کر چپکے بیٹھے رہتے اور دشمنوں سے اپنی گردنیں کٹوا لیتے، کیا ان مظلوموں کو دفاع کرنے کا بھی حق نہ تھا!

پھر یہ تو بتائیں کہ مدینہ منورہ میں جو حضرات انصار نے اسلام قبول کیا یہاں کس نے تلوار چلائی اور فتح مکہ کے بعد جو عرب کے وفود اور قبائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالی میں بڑی تعداد میں حاضر ہوئے ان پر کس نے حملہ کیا اور کون ان کی گردنوں میں طوق ڈال کر مدینہ میں لے کر آیا؟ اور یہ بھی تو بتائیں کہ لنکا، برما، انڈونیشیا میں کس نے کافروں پر تلوار چلائی جو تلوار کے ڈر سے مسلمان ہوئے۔

اور ہاں دور کیوں جائیں بتایئے افغانستان کے افغان کیسے مسلمان ہوتے؟ بلکہ غیر منقسم ہندوستان کے بارے میں بتائیں کہ کس نے ہندو بت پرستوں کو زبردستی مسلمان کیا، کیا تاریخ میں ایسا کوئی واقعہ ہے کہ کسی مخلص مسلم متبع شریعت نے کسی ہندو کو کھڑا کر کے یوں کہا ہو کہ مسلمان ہوجاؤ ورنہ تیری گردن اڑاتا ہوں۔ ہندوستان میں کئی سو سال تک مسلمانوں کی حکومت رہی۔ یہاں بھی اگر تلوار کے زور سے ہندوؤں کو مسلمان کیا جاتا اور

بدھسٹوں کو تلوار کے ذریعہ اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا تو ہندوستان میں ایک بھی گھر کسی کافر یا مشرک کا باقی نہ رہتا۔ یہ جو کروڑوں مسلمان ہندوستان میں آباد ہیں یہ نومسلموں کی اولاد ہیں جو برضا و رغبت مسلمان ہوئے۔ حضراتِ صوفیہ رحمۃ اللہ علیہم کی دعوت و تبلیغ نے انہیں متاثر کیا۔ مشہور ہے کہ معترض اندھا ہوتا ہے، جو لوگ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں وہ حق اور حقیقت کو سمجھنا ہی نہیں چاہتے فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ. (الحج: ۴۶) "بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہے وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں۔"

اسلام کی دعوت یہ ہے کہ سارے انسان اللہ کو وحدہٗ لاشریک مانیں، اس کے سب رسولوں اور سب کتابوں پر ایمان لائیں، خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی اور رسول مانیں، قرآن پر ایمان لائیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی طرف سے جو شریعت پیش کی ہے اس کو مانیں، جو شخص یہ سب قبول کریگا وہ مسلم ہوگا، اللہ کا فرماں بردار ہوگا، مستحقِ جنت ہوگا۔ اور جو شخص اس دین و شریعت کو قبول نہ کرے گا، وہ کافر ہوگا، مستحقِ دوزخ ہوگا، ہمیشہ ہمیش آگ کے دائمی عذاب میں رہے گا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے جب مسلمان کافروں سے جنگ کریں تو انہیں پہلے اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو کوئی لڑائی نہیں، جنگ نہیں، قتال نہیں۔ اگر اسلام قبول نہ کریں تو ان سے جزیہ دینے کو کہا جائے گا، پھر اگر جزیہ دینا بھی قبول نہ کریں تو جنگ کی جائے۔ جہاد کا مقصودِ اعلیٰ کافروں کو دینِ حق کی طرف بلانا ہے تاکہ وہ جنت کے مستحق ہو جائیں۔ اگر جنگ کرکے کسی قوم کو دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا تو اس میں ان کے ساتھ احسان ہی کیا، کسی قوم کے تھوڑے سے افراد جنگ میں کام آگئے اور اکثر افراد نے اسلام قبول کرلیا تو مجموعی حیثیت سے اس قوم کا فائدہ ہی ہوا، اگر کوئی قوم اسلام قبول نہ کرے اور جزیہ دینے پر راضی ہو جائے اور اس طرح مسلمانوں کی عملداری میں رہنا قبول کرے تو اس میں بھی اس قوم کا فائدہ ہے کہ دنیاوی اعتبار سے ان کی جانیں محفوظ ہوگئیں اور آخرت کے اعتبار سے یہ فائدہ ہوا کہ انہیں دینِ اسلام کے بارے میں غور کرنے

کا موقعہ مل گیا، مسلمانوں کی اذانیں سنیں گے، نمازیں دیکھیں گے، مسلمانوں کا جو اللہ سے تعلق ہے اور جو مخلوق کے ساتھ ان کے معاملات ہیں وہ سامنے آئیں گے، مسلمانوں کے زہد و تقویٰ سے متاثر ہوں گے۔ اس طرح سے قریب ہے کہ وہ اسلام قبول کرلیں اور کفر سے بچ جائیں اور آخرت کے عذاب سے محفوظ ہو جائیں۔ رہا جزیہ تو وہ ان کی جانوں کی حفاظت کا بدلہ ہے اور وہ بھی سب پر نہیں ہے، اور زیادہ نہیں ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ عبدالحمید بن عبدالرحمٰن نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ یہاں حیرہ کے لوگ اسلام قبول کرتے جا رہے ہیں جو یہودی و نصرانی و مجوسی ہیں حالانکہ ان پر بھاری تعداد میں جزیہ کی رقوم باقی ہیں، ان سے جزیہ لینے کی اجازت دی جائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو جواب میں لکھا کہ اللہ تعالےٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے بھیجا تھا اموال جمع کرنے کے لئے نہیں بھیجا، ان لوگوں میں سے جو شخص بھی اسلام قبول کرلے اس کے مال میں (قانون شرعی کے مطابق) زکوٰۃ فرض ہوگی جزیہ ختم ہو جائے گا۔ وان اللہ جل ثناءہ بعث محمداً صلی اللہ علیہ وسلم داعیا الی الاسلام ولم یبعثہ جابیا فمن اسلم من تلک الملل فعلیہ من مالہ صدقۃ ولا جزیۃ علیہ۔

(کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف: ۱۳۱)

(فصل فی المجوس وعبدۃ الأوثان واھل الردۃ)

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دین عام اور تام غالب کرنے کے لئے بھیجا ہے اگر دشمنوں کی دشمنی سے اللہ تعالےٰ کے دین کی اشاعت میں کمی آتی یا اس میں رکاوٹ ہو جاتی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر سے دین اسلام آگے نہ بڑھتا، دشمن اسلام کی اشاعت میں رکاوٹ لگاتے رہے، مسلمانوں کو مارتے پیٹتے رہے، اسلام قبول کرنے والوں کو ختم کرنے کے لئے حملے کرتے رہے، چڑھائیاں کرتے رہے، الحمدللہ اسلام اس سب کے باوجود خوب پھیلتا رہا، دشمن دانت پیس کر رہ گئے اور تلوار کشی کا الزام دیتے رہے۔ سورۃ الصف میں ارشاد ہے:

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (الصف: ۹)	یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھادیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچائے گا گو کافر کیسے ہی ناخوش ہوں، وہ ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کردے، گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔

دین اسلام اللہ کا نور ہے، دین حق ہے، اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دین دیکر بھیجا تاکہ زمین میں اُجالا، حق کا بول بالا ہو، اللہ تعالیٰ اپنے نور کو عام اور تام فرمائے گا، کافروں کی تدبیروں سے اور رکاوٹ ڈالنے سے اسلام کی اشاعت نہ رُکی ہے اور نہ رکے گی (ان شاء اللہ تعالیٰ) کافر و مشرک جل بھن کر مرجائیں اللہ کا نور پورا ہو کر رہے گا۔

ہندوستان میں مشرکین کا اب تک یہ حال ہے کہ مسلمانوں کے قتل کے درپے رہتے ہیں، فساد اور بلوہ کرتے رہتے ہیں، مساجد اور مدارس تعمیر کرنے پر پابندی لگانے کی فکر میں ہیں، مدارس جاری کرنے پر پابندی، پرانی مساجد کو گرانے کی منصوبہ بندی، اور جو کوئی ہندو مسلمان ہو جائے اسے مار پیٹ کا سامنا، کہنے کو سیکولر اسٹیٹ لیکن جو ہندو اپنی خوشی سے مسلمان ہو اس کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں، قانونی اعتبار سے مجسٹریٹ پر لازم ہے کہ اسے اسلام قبول کرنے کا سرٹیفکٹ دے لیکن وہ بھی پہلو تہی کرتا ہے، ہندوؤں کی جماعتیں بدھسٹ ہو گئیں اس پر کوئی اعتراض نہیں، اگر کوئی ہندو اسلام قبول کرلے تو اس کے لئے بڑی بڑی آفات کا سامنا، یہاں آزادیِ نفس کا قانون ختم ہو جاتا ہے، عیسائی لوگ شرارتیں کر رہے ہیں مسلم ممالک میں ہزاروں مشن لگا رکھے ہیں تاکہ مسلمانوں کو عیسائی بنائیں، انڈونیشیا میں مسلمانوں کو دکھ دینے اور عیسائی بنانے کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے اس پر کسی کی نہ کوئی تنقید ہے نہ تبصرہ ہے۔ آخر میں وہی کہنا پڑتا ہے کہ الکفر ملۃ واحدۃ کہ ہر طرح کا کفر ایک ہی مذہب ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف

سوچنے میں سب برابر ہیں)

ہم یہ نہیں کہتے کہ مسلمانوں نے صرف دفاعی ہی قتال کیا ہے، کافروں کے ملکوں پر خود بھی حملے کئے ہیں لیکن اسی شرط کے ساتھ کہ پہلے اسلام کی دعوت دی، حق کی طرف بلایا، جب حق قبول کرنے کے بجائے وہ لوگ جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئے تو قتال کیا گیا، ہم مسلم متقی مخلص مجاھدین کا تذکرہ کر رہے ہیں، اگر کسی نے شرعی اصول سامنے رکھے بغیر قتال کیا ہو تو وہ اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔

کافر اللہ کا باغی ہے، کفر بہت بڑی بغاوت ہے۔ مجازی حکومتوں میں سے کسی حکومت کا کوئی فرد یا جماعت بغاوت کرے تو اس کو سخت سے سخت سزا دی جاتی ہے اللہ کے باغی جو اس کی زمین پر بستے ہیں، اس کا دیا کھاتے ہیں، اس کی عطا کی ہوئی نعمتیں کام میں لاتے ہیں، اللہ پر ایمان نہیں لاتے، اگر اللہ کو مانتے ہیں تو اس کے ساتھ غیر اللہ کی بھی عبادت کرتے ہیں، بتوں کو پوجتے ہیں اور بہت سے خدا مانتے ہیں۔ ایسے لوگ اس قابل کہاں ہیں کہ خدا کی زمین پر زندہ رہیں، اللہ کے وفادار بندے جنہوں نے اللہ کے دین کو قبول کر لیا اللہ کے دین کی دعوت دیتے ہیں پھر ان باغیوں کے منکر ہونے کے بعد اللہ کے وفادار بندے ان کو قتل کر دیں تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ دنیا سے کفر و شرک مٹانے کے لئے اور خالق و مالک جل مجدہٗ کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے جو اسلام میں جہاد شروع کیا گیا ہے اس پر تو دشمنوں کو اعتراض ہے لیکن صدیوں سے دشمنانِ اسلام خاص کر یورپ کے لوگ جو ایشیا کے ممالک پر قبضہ کرتے رہے ہیں اور اس سلسلہ میں جو لاکھوں کروڑوں خون ہوتے ہیں۔ اٹھارہ سو ستاون میں جو انگریزوں نے ہندوستانیوں کا قتل عام کیا ہے اور ۱۹۱۴ء اور ۱۹۴۲ء میں جو عالمی جنگیں ہوئی تھیں اور ہیروشیما پر جو بم پھینکا گیا اور ایک طویل زمانہ تک جو صلیبی جنگیں ہوئی ہیں جن میں لاکھوں انسان تباہ ہوئے یہ سب کچھ کونسی خیر پھیلانے کے لئے ہوا؟ کیا اس میں ملک گیری کی ہوس اور کفر و شرک پھیلانے کے عزائم اور دینِ اسلام کو مٹانے کے ارادے نہیں تھے؟ یہ ان لوگوں کی حرکتیں ہیں جو سیدنا حضرت عیسٰی علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت رکھنے کے جھوٹے دعوے دار ہیں، جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت

عیسٰی علیہ السلام کی تعلیم یہ تھی کہ کوئی شخص تمہارے رخسار پر ایک طمانچہ مارے تو دوسرا رخسار بھی اس کے سامنے کر دو۔ اور مشرکین ہند کو دیکھو جن کے یہاں ہتھیا ـــــ کرنا بہت بڑا پاپ ہے، جو چوہا مارنے کو بُرا جانتے ہیں وہ مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں اور برابر فساد کرتے ہیں اور قتل وخون کا بازار گرم کرتے رہتے ہیں۔

اسلامی جہاد پر اعتراض کرنے والے اپنے آئینہ میں اپنا منہ نہیں دیکھتے اور جو لوگ اللہ کے باغی ہیں ان کی بغاوت کو کچلنے والوں کے جہاد اور قتال پر اعتراض کرتے ہیں، سچ ہے

اپنے عیبوں کی کہاں آپ کو کچھ پرواہ ہے   غلط الزام بھی اوروں پر لگا رکھا ہے!

یہ ہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام   یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے؟

احقر نے اس باب میں مشہور غزوات کو ذکر کیا ہے اور غزوۂ بدر سے شروع کر کے غزوۂ تبوک تک کہیں تفصیل اور کہیں اجمال کے ساتھ سنین کی ترتیب کے ساتھ ذکر کر دئیے ہیں، اگر کہیں سنین میں اختلاف ہے جسے اصحاب السیر نے ذکر کیا ہے اس کو بھی بیان کر دیا ہے، پھر کچھ ضروری مسائل ومباحث لکھ کر باب ختم کر دیا ہے۔ غزوۂ بدر ہی ابتدائی غزوات میں سب سے بڑا غزوہ تھا (اگرچہ اس سے پہلے بھی بعض غزوات کا ذکر ملتا ہے) اسی لئے ہم نے اس باب کی ابتداء غزوۂ بدر سے کی ہے، ناظرین کرام دیکھیں گے کہ ان غزوات میں عموماً وہ غزوات ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دفاع کے طور پر جنگ کرنی پڑی جن میں جنگ کے بغیر چارہ ہی نہ تھا۔ مثلاً غزوۂ احد میں مشرکین مکہ خود مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کے لئے آئے تھے اور غزوۂ احزاب بھی اسی طرح پیش آیا کہ عرب کے قبائل اور مشرکین مکہ جمع ہو کر آئے اور ان لوگوں نے اسلام کو مٹانے کا ارادہ کر لیا تھا، یہودیوں نے معاہدہ توڑ دیا مشرکین کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھاری پتھر گرانے کا پکا مشورہ کر لیا لہٰذا ان کو جلاوطن بھی کیا گیا اور قتل بھی کیا گیا۔ فتح مکہ میں دو چار ہی آدمیوں کو مارنے کا حکم دیا البتہ سفلہ میں جو چند اوباش لوگ نے پہلے سے جنگ کرنے کا پروگرام بنا رکھا تھا وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ قتل ہوئے۔ حنین اور طائف میں مشرکین نے خود سے حملہ کرنے

کا پروگرام بنایا تھا، اور بھی متعدد غزوات ایسے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ دشمن حملہ آور ہونے کا ارادہ کر رہے ہیں، غزوۂ تبوک اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اس تمہید کے بعد اب غزوۂ بدر کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس غزوہ کو قرآنِ حکیم میں یوم الفرقان سے تعبیر فرمایا ہے تین سو تیرہ ۳۱۲ مسلمانوں کی مختصر تعداد کے مقابلہ میں نوسو مشرکین کا شکست کھانا اور مشرکین کے ستر مقتولین کا کنویں میں ڈالا جانا اور ستر افراد کو قید کر کے مدینہ منورہ لانا پھر ان کا فدیہ دے کر اپنی جانوں کو چھڑانا یہ ایسی واضح باتیں ہیں جنہوں نے اہل اسلام کا حق ہونا اور مشرکین کا باطل پر ہونا واضح کر دیا۔ اگرچہ اسلام کی حقانیت دلائلِ قاہرہ سے ثابت ہے، ہار جیت پر موقوف نہیں۔ مشرکین مکہ جو اسلام کو مٹانے کے عزائم لے کر آئے تھے وہ سب خاک میں مل گئے، اللہ کا بول بالا ہوا، دشمن کا منہ کالا ہوا، اللہ تعالیٰ حضرات صحابہ کرام سے راضی ہو، ان پر رحمتوں کی بارش ہو جنہوں نے مشرکین کو نیچا دکھایا اور عدد اور سامانِ حرب کی کمی کے باوجود جنگ کی اور بڑی ہمت کے ساتھ کافروں کا مقابلہ کیا رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

آل عمران : ۱۲۳

غزوۂ بدر

اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ونصرت، مسلمانوں کی
حیرت انگیز فتح یابی، مشرکین کی شکست اور ذلّت
سردارانِ قریش کا عبرت ناک انجام

تذکرۂ غزوۂ بدر

تفصیلی حال، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا، صحابہ کرامؓ کی ثابت قدمی، مشرکین کی ذلت، شیطان کی رسوائی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

قریشِ مکہ ہر سال تجارت کے لئے ملکِ شام جایا کرتے تھے، مکہ معظمہ سے شام کو جائیں تو راستہ میں مدینہ منورہ سے گزرنا ہوتا ہے۔ شہرِ مدینہ میں داخل نہ ہوں تو دور سے یا قریب سے اس کی محاذات سے ضرور گزرنا پڑتا ہے، اب آگے یہ سمجھیں کہ قریشِ مکہ کا ایک قافلہ تجارت کے لئے شام گیا ہوا تھا، بہت سے لوگوں نے اس تجارت میں شرکت کی تھی اور اپنے اموال لگائے تھے۔ قافلہ کے سردار ابوسفیان تھے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) جب ابوسفیان کا قافلہ شام سے واپس ہو رہا تھا جس میں تیس یا چالیس افراد تھے اور ایک ہزار اونٹ تھے تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قافلہ کے گزرنے کا علم ہو گیا۔ آپ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ قریش کا قافلہ ادھر گزر رہا ہے چلو اس قافلہ کو پکڑیں گے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے اموال تم کو عطا فرما دے آپ نے تاکیدی حکم نہیں فرمایا تھا اور یہ بھی نہیں فرمایا تھا کہ جہاد کرنے نکل رہے ہیں، اس لئے بعض صحابہؓ آپ کے ہمراہ روانہ ہو گئے اور بعض مدینہ ہی میں رہ گئے، ابوسفیان کو خطرہ تھا کہ راہ میں مسلمانوں سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے اس لئے وہ راستہ میں راہ گیروں سے اس بات کا کھوج لگاتا ہوا جا رہا تھا کہ کہیں مسلمان میرے قافلہ کے درپے تو نہیں ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کے ساتھ مدینہ منورہ سے سفر فرمایا تو

ابوسفیان کو اس کی خبر مل گئی، اس نے اپنا راستہ بدل دیا اور ضمضم بن عمرو غفاری کو اہل مکہ تک خبر پہنچانے کے لئے جلدی جلدی آگے روانہ کر دیا، اس کو اس کام کا محنتانہ دینا بھی طے کر دیا۔ ضمضم جلدی سے مکہ پہنچا اور اس نے خبر دے دی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کے ساتھ تمہارے قافلے کے درپے ہیں اور مدینہ منورہ سے روانہ ہو چکے ہیں اپنے قافلہ کی حفاظت کر سکتے ہو تو کر لو، یہ خبر سنتے ہی اہلِ مکہ میں ہل چل مچ گئی اور مقابلہ کے لئے ایک ہزار آدمی جن کا سردار ابوجہل تھا بڑے کر و فر اور اسبابِ عیش و طرب کے ساتھ اکڑتے اور اتراتے ہوئے بدر کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ ایک آبادی کا نام ہے جو مکہ معظمہ سے براستہ رابغ مدینہ منورہ کو جاتے ہوئے راستہ میں پڑتی ہے یہاں سے مدینہ منورہ سو میل سے کچھ کم ہے، بدر نامی ایک شخص تھا، اس نے اس بستی کو آباد کیا تھا اس کے نام پر اس بستی کا نام ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ مقام بدر میں ایک کنواں تھا اس کا نام بدر تھا اسی کنوئیں کے نام سے یہ آبادی مشہور تھی۔ قریشِ مکہ اپنے ساتھ گانے بجانے والی عورتیں لے کر نکلے تھے تاکہ وہ گانا گائیں اور لڑائی کے لئے ابھاریں، اس لشکر میں تقریباً تمام سردارانِ قریش شامل تھے، صرف ابولہب نہ جا سکا تھا، اس نے اپنی جگہ ابوجہل کے بھائی عاصی بن ھشام کو چار ہزار درہم کا معاوضہ دینے پر راضی کر کے بھیج دیا تھا۔

مشرکینِ مکہ میں سے جنہوں نے نہ جانے کا فیصلہ کیا تھا، اُمیہ بن خلف بھی تھا جو بوڑھا آدمی تھا اور اس کا جسم بھی بھاری تھا، عقبہ بن ابی معیط اس کے پاس آیا اور بالآخر اسے بھی ساتھ جانے پر آمادہ کر لیا، بعض روایات میں یوں ہے کہ ابوجہل امیہ بن خلف کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ تو پیچھے رہا جا رہا ہے تو تو یہاں کا سردار ہے، لوگوں کو تیرے نہ جانے کا علم ہوگا تو وہ بھی بیٹھے رہیں گے، امیہ نے کہا جب یہ میرے لئے عیب کی بات ہے تو سب سے زیادہ عمدہ اونٹ خریدوں گا ساتھ نکل تو جاؤں گا لیکن راستہ سے واپس آجاؤں گا۔ چنانچہ قریشِ مکہ کے ساتھ چلا گیا اور واپسی کا موقعہ نہ ملا حتی کہ بدر میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

مشرکین کے پاس دیگر سامانِ حرب کے علاوہ ساٹھ گھوڑے اور چھ سو زرہیں تھیں

اور سواری کے اونٹوں کے علاوہ کثیر تعداد میں ذبح کرنے اور کھانے کھلانے کے لئے بھی اونٹ ساتھ لے کر چلے تھے، سب سے پہلے ابوجہل نے مکہ سے باہر آکر دس اونٹ ذبح کر کے لشکر کو کھلائے پھر مقامِ عسفان میں امیہ بن خلف نے نو اونٹ ذبح کئے، پھر مقامِ قُدَید میں سہیل بن عمرو نے سو اونٹ ذبح کئے پھر اگلی منزل میں شیبہ بن ربیعہ نے نو اونٹ ذبح کئے پھر اس سے اگلی منزل میں (جو مقامِ جحفہ میں تھی) عتبہ بن ربیعہ نے دس اونٹ ذبح کئے۔ اسی طرح ہر منزل میں دس دس اونٹ ذبح کرتے رہے اور کھاتے کھلاتے رہے، اور ابوالبختری نے بدر پہنچ کر دس اونٹ ذبح کئے۔ جب ابوسفیان اپنے قافلہ کو لے کر مسلمانوں کی زد سے بچ کر نکل گیا تو اس نے قریشِ مکہ کے پاس خبر بھیجی کہ تم ہماری حفاظت کے لئے نکلے تھے اب جبکہ ہم بچ کر نکل آئے ہیں تو تمہیں آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں، لہٰذا واپس چلے جاؤ۔ اس پر ابوجہل نے کہا اللہ کی قسم ہم واپس نہیں لوٹیں گے جب تک کہ ہم بدر نہ پہنچ جائیں، وہاں تین دن قیام کریں گے، اونٹ ذبح کریں گے، کھانے کھلائیں گے، شرابیں پئیں گے اور گانے والیاں گانے سنائیں گی اور عرب کو پتہ چل جائے گا کہ ہم مقابلہ کے لئے نکلے تھے۔ ہمارے اس عمل سے ایک دھاک بیٹھ جائے گی اور لوگ ہم سے ڈرتے رہیں گے۔ لہٰذا چلو آگے بڑھو۔

روانگی سے پہلے مشرکینِ مکہ کا اپنے ارادوں میں کچا پڑنا
ابلیس کا ورغلانا اور خروج پر آمادہ کرنا

قریشِ مکہ ایک طرف تو ابوسفیان کے قافلہ کی حفاظت کے لئے روانہ ہونے کے لئے سوچ رہے تھے اور دوسری طرف انہیں یہ خیال دامن گیر تھا کہ اگر قافلہ کی حفاظت کے لئے روانہ ہو جائیں تو ممکن ہے کہ بنی بکر ہمارے گھروں اور بال بچوں پر حملہ کر دیں (جن سے دشمنی چل رہی ہے) جب ان کے اس خوف اور خطرہ کا علم ہوا تو ابلیس شیطان، شیطانوں کا گرو گھنٹال سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں آیا اور قریش سے کہا کہ تم لوگ ڈرو نہیں میں تمہارے پیچھے تمہارے گھروں کی حفاظت کا ذمہ دار ہوں۔

سورۃ الانفال میں فرمایا:

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۚ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (۴۸)

اور اس وقت کا ان سے ذکر کیجئے جب شیطان نے اُن کو اور ان کے اعمال خوشنما کر کے دکھلائے اور اس نے یوں کہا کہ لوگوں میں سے آج تم پر کوئی بھی غلبہ پانے والا نہیں ہے اور میں تمہاری حمایت کرنے والا ہوں، پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو وہ اُلٹے پاؤں بھاگ نکلا اور اس نے کہا بلاشبہ میں تم سے بَری ہوں، بے شک میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت عذاب والا ہے۔

شیطان ملعون ہمیشہ سے انسان کا دشمن ہے وہ چاہتا ہے کہ کافر کفر پر جمے رہیں اور اہل اسلام سے جنگ کرتے رہیں اس کی خواہش ہے کہ کفر پھیلے اور اسلام کی اشاعت نہ ہو، جیسے وہ قریشِ مکہ کے اُس مشورے میں شیخ نجدی کی صورت بنا کر شریک ہو گیا تھا، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے یا شہر بدر کرنے کے مشورے کر رہے تھے۔ اسی طرح سے وہ غزوۂ بدر کے موقعہ پر بھی آموجود ہوا۔ اول تو وہ مکہ معظمہ ہی میں اُس وقت مشرکین کے پاس پہنچا جب وہ بدر کے لئے روانہ ہونے کا مشورہ کر رہے تھے اور ساتھ ہی انہیں بنی بکر کی دشمنی کا بھی خیال ہو رہا تھا کہ ممکن ہے وہ حملہ کر دیں اس لئے روانہ ہونے میں کچھ جھجک رہے تھے۔ اس موقعہ پر ابلیس سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں پہنچ گیا۔ (یہ سراقہ بنی کنانہ کے سرداروں میں سے تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) ابلیس نے قریشِ مکہ سے کہا کہ تم لوگ ہرگز اپنے ارادہ سے باز نہ آؤ بلکہ چلے چلو میں تمہارا حامی اور مددگار ہوں، آج تم پر کوئی غلبہ پانے والا نہیں ہے۔ یہ تو مکہ میں ہوا، پھر وہ بدر میں بھی موجود ہو گیا۔ جب مسلمانوں اور کافروں کی صفیں مقابلے کے لئے ترتیب دی گئیں تو یہاں بھی وہ مشرکین کی صف میں اسی سراقہ والی صورت میں موجود تھا اور حارث بن ہشام کا ہاتھ پکڑے ہوئے

تھا جب اس نے دیکھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام گھوڑے کا لگام پکڑے ہوئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے موجود ہیں تو وہ ہاتھ چھڑا کر بھاگنے لگا۔ حارث نے کہا کہ تو تو جنگ سے پہلے ہی بھاگ رہا ہے۔ اس پر اس نے حارث کے سینہ میں دھپ مارا اور الٹے پاؤں چلا گیا اور اس نے یوں کہا کہ میں تم سے بیزار ہوں میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ یہ تو اس وقت کی بات ہوئی، پھر جب قریش شکست کھا کر مکہ معظمہ پہنچے تو یوں کہنا شروع کیا کہ ہمیں سراقہ نے شکست دی۔ سراقہ کو یہ خبر پہنچی تو تو اس نے کہا کہ تم لوگ میرے بارے میں ایسا کہتے ہو، اللہ کی قسم مجھے تو تمہارے جانے ہی کی خبر نہیں ہوئی، مجھے تو تمہاری شکست کی خبر پہنچی ہے۔ ان لوگوں نے کہا کیا تو فلاں فلاں دن ہمارے پاس نہیں آیا تھا؟ اس نے قسم کھا کر کہا مجھے تو اس کی بالکل خبر نہیں، پھر سراقہ اور دوسرے لوگ مسلمان ہوگئے تو پتہ چلا کہ یہ شیطان کی حرکت تھی[1]

شیطان نے یہ جو کہا کہ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ (میں اللہ سے ڈرتا ہوں) اس کا مطلب حضرت عطاء نے یہ بتایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ دیگر ہلاک ہونے والوں کے ساتھ مجھے ہلاک نہ کردے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ مجھے تمہارے بارے میں ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہلاک نہ فرما دے۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ اللہ سخت عقاب والا ہے۔ تم لوگوں پر تو عذاب آنے ہی والا ہے، میں کیوں تمہارے ساتھ شریک رہوں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ابلیس کا کلام اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ پر ختم ہو گیا اور وَاللّٰہُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ جملہ مستانفہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کے لئے یہاں بھی سخت عذاب ہے اور آخرت میں بھی۔ ابلیس اس موقعہ پر جو بھاگ گیا تو وہ اور اس کے ساتھی یہ نہ سمجھیں کہ عذاب سے بچ گئے، آخرت کا عذاب تو لازمی ہی ہے جو شدید ہے۔ قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ:
لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (ص: ۸۵) میں تجھ سے اور جو ان میں تیرا ساتھ دے ان سب سے دوزخ کو بھردوں گا۔

---

[1] معالم التنزیل ص۲۵۵ ج ۲، روح المعانی ص۱۵ ج ۱۰

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ سے روانگی

قریشِ مکہ، مکہ معظمہ سے چلے اور آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے، یہ رمضان المبارک (۲ھ) کا مہینہ تھا۔ آپ نے عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا، وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ آپ کے ساتھ روانہ ہونے والوں میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں مقام روحاء سے واپس کر دیا اور امیر مدینہ بنا کر بھیج دیا۔ آپ کے لشکر کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور آپ کے ساتھ ستر اونٹ تھے جن پر نمبروار سوار ہوتے تھے۔ ہر تین افراد کو ایک اونٹ دیا گیا تھا خود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی حضرت ابولبابہؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھ ایک اونٹ میں شریک تھے۔ نوبت کے اعتبار سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی پیدل چلتے تھے۔

مقامِ روحاء تک یہی سلسلہ رہا۔ جب روحاء سے حضرت ابولبابہؓ کو واپس فرما دیا تو آپ حضرت علیؓ اور حضرت مرثدؓ کے ساتھ ایک اونٹ میں شریک رہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیدل چلنے کی نوبت آتی تھی تو حضرت ابولبابہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما عرض کرتے تھے کہ یا رسول اللہ آپ برابر سوار رہیں ہم آپ کی طرف سے پیدل چل لیں گے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: ما انتما باقوی منی ولا أنا بأغنی عن الأجر منکما[1] (تم دونوں مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور ثواب کے اعتبار سے بھی میں تمہاری بنسبت بے نیاز نہیں ہوں۔ یعنی جیسے تمہیں ثواب کی ضرورت ہے مجھے بھی ثواب کی ضرورت ہے) جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وادی ذفران میں پہنچے تو وہاں قیام فرمایا۔ اب تک تو ابوسفیان کے قافلے سے تعرض کرنے کی نیت سے سفر ہو رہا تھا یہاں پہنچ کر خبر ملی کہ قریش بھی اپنے قافلے کی مدد کے لئے مکہ معظمہ سے نکل چکے ہیں۔ ابوسفیان اپنا

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۴۰

قافلے کر راستہ کاٹ کر آگے بڑھ چکا تھا۔ اب صورتِ حال یہ پیدا ہوگئی کہ قریشِ مکہ سے جنگ کرنے کی نوبت آگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہؓ سے مشورہ فرمایا کہ قریش ہمارے مقابلہ کے لئے نکل چکے ہیں، اب کیا کیا جائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور اچھا جواب دیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے انہوں نے بھی اچھا جواب دیا، پھر حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ اپنی رائے کے مطابق تشریف لے چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم ایسا نہ ہوگا جیسے بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا تھا کہ

اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ۝ (المائدۃ: ۲۴)	تو اور تیرے رب چلے جائیں دونوں قتال کرلیں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔

آپ تشریف لے چلیں ہم آپ کے ساتھ قتال کرنے والے ہیں۔ قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر آپ ہمیں برک الغماد[۱] تک ساتھ لے چلیں گے تو ہم ساتھ رہیں گے اور جنگ سے منہ نہ موڑیں گے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اشیروا علی ایہا الناس (اے لوگو! مشورہ دو) آپ کا مقصد یہ تھا کہ انصاری حضرات اپنی رائے پیش کریں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بات سن کر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا (جو انصار میں سے تھے) کہ یا رسول اللہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہم سے جواب لینا چاہتے ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! انہوں نے عرض کیا کہ ہم آپ پر ایمان لائے آپ کی تصدیق کی، ہم نے گواہی دی کہ جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں وہ حق ہے اور ہم نے آپ سے عہد کیا ہے کہ ہم آپ کی بات مانیں گے اور فرمانبرداری کریں گے، آپ اپنے ارادہ کے موافق عمل کریں اور تشریف لے چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر راہ میں سمندر آگیا اور آپ اس میں

---

[۱] برک الغماد " یہ یمن میں ایک جگہ کا نام ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ جگہ مکہ معظمہ سے پانچ رات کی مسافت پر ہے

داخل ہونے لگیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ داخل ہو جائیں گے اور ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہ رہے گا ہم جنگ میں ڈٹ جانے والے ہیں اور دشمن کے مقابلہ میں مضبوطی کے ساتھ معرکہ آرائی کرنے والے ہیں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ کو ایسی بات دکھادے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ آپ اللہ کی برکت کے ساتھ چلئے۔

حضرت سعد بن معاذؓ کی بات سُن کر آپ کو بہت خوشی ہوئی اور فرمایا کہ چلو خوش خبری قبول کرلو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ دو جماعتوں میں سے تم کو ایک جماعت پر غلبہ عطا فرمائیں گے (ایک جماعت ابو سفیان کا قافلہ اور دوسری جماعت قریشِ مکہ کا لشکر)

بعض روایات میں ہے کہ جب ابو سفیان کے قافلے سے تعرض کرنے کے لئے روانہ ہوئے تھے تو ایک[1] دن یا دو دن کی مسافت طے کرنے کے بعد آپ نے صحابہؓ سے مشورہ لیا کہ ابو سفیان کو پتہ چل گیا ہے کہ ہم اس سے تعرض کرنے نکلے ہیں (وہ قافلہ تو نکل چکا ہے) اب قریشِ مکہ کے آنے کی خبر سُنی گئی ہے۔ اُن سے مقابلہ ہونے کی بات بن رہی ہے۔ اس بارے میں کیا خیال ہے؟ اس پر بعض صحابہؓ نے کہا کہ ہمیں تو قریش کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں آپ تو ابو سفیان کے قافلہ کے لئے نکلے تھے آپ نے پھر وہی سوال فرمایا کہ قریشِ مکہ سے جنگ کرنے کے بارے میں کیا رائے ہے۔ اس پر حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ جواب دیا جو عنقریب گزر چکا۔ بعض صحابہ نے جو یہ کہا تھا کہ ہمیں قریشِ مکہ سے جنگ کی طاقت نہیں، ان کے بارے میں یہ

---

[1] اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشِ مکہ سے مقابلہ کرنے کا مشورہ کہاں فرمایا۔ بعض روایات میں ہے کہ مدینہ منورہ سے ایک دو دن کی مسافت پر پہنچنے کے بعد مشورہ فرمایا، اور بعض روایات میں ہے کہ مقام روحاء میں اور بعض روایات میں ہے کہ وادیٔ ذفران میں مشورہ کیا ہے، ممکن ہے تینوں جگہ مشورہ فرمایا ہو اور بار بار انصار سے اُن کی رائے کا اظہار مطلوب ہو تاکہ ان کی رضا اور رغبت کا خوب یقین ہو جائے اور ممکن ہے کہ راویوں سے جگہ کی تعیین میں بھول ہوئی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

آیت نازل ہوئی :

وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَکٰرِھُوْنَ یُجَادِلُوْنَکَ فِی الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَیَّنَ کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ وَھُمْ یَنْظُرُوْنَ ۝ (الانفال، ۶،۵)

اور بلاشبہ مومنین کی ایک جماعت کو گراں گزر رہا تھا وہ آپ سے حق کے بارے میں جھگڑ رہے تھے اس کے بعد کہ حق ظاہر ہو چکا تھا گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں اس حال میں کہ وہ دیکھ رہے ہیں

اللہ جل شانہ نے اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا تھا کہ دونوں جماعتوں میں سے ایک جماعت پر تمہیں غلبہ دیا جائے گا۔ جب آپ نے حضرات صحابہؓ سے مشورہ فرمایا تو اُن میں سے بعض صحابہؓ نے یہ مشورہ دیا کہ ابوسفیان کے قافلے ہی کا پیچھا کرنا چاہیئے کیونکہ وہ تجارت سے واپس ہو رہے ہیں، جنگ کرنے کے لئے نہیں نکلے، ان میں لڑنے کی قوت اور شوکت نہیں ہے لہٰذا اُن پر غلبہ پانا آسان ہے اور قریش کا جو لشکر مکہ مکرمہ سے چلا ہے وہ لوگ تو لڑنے ہی کے لئے چلے ہیں اور تیاری کر کے نکلے ہیں لہٰذا اُن سے مقابلہ مشکل ہوگا۔ ان لوگوں کی اس بات کو ان الفاظ میں ذکر فرمایا :

وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ ۔ (الانفال: ۷)

اور تم چاہتے تھے کہ وہ جماعت تمہارے قابو میں آجائے جو قوت و طاقت والی نہیں تھی ۔

قریشِ مکہ نے آنحضرت سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اور آپ کے ساتھیوں کو بہت تکلیفیں دی تھیں اور مکہ مکرمہ کو چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا، حق نہ خود قبول کرتے تھے اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے تھے۔ غیر متوقع طور پر بدر میں پہنچے اور معرکہ پیش آنے کی صورت بن گئی۔ اس میں گو بعض اہلِ ایمان کو طبعاً کراہت تھی لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر سب پر غالب ہے۔ جنگ ہوئی اور اہلِ مکہ نے زبردست شکست کھائی اور ان کا فخر اور طمطراق سب دھرا رہ گیا۔

اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

وَیُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ

اللہ کو یہ منظور تھا کہ اپنے کلمات کے ذریعہ

بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝	حق کو ثابت فرمادے
لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ	تاکہ اللہ تعالیٰ حق کا ہونا ثابت فرمادے اور
وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝	باطل کا باطل ہونا ثابت فرمادے، اگرچہ
(الانفال ۷، ۸)	مجرموں کو ناگوار ہو

غزوۂ بدر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دُعا میں مشغول ہونا اور آپ کی دعا کا قبول ہونا

سورۃ الانفال میں ارشاد ہے:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ	جب تم اپنے رب سے فریاد کررہے تھے سو
لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ	اُس نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ میں ایک
مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝ وَمَا	ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد کروں گا جو
جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ	مسلسل آتے رہیں گے[1] اور اللہ نے اس امداد
بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا	کو نہیں بنایا مگر بشارت اور تاکہ مطمئن ہوجائیں
مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ	تمہارے دل، اور مدد صرف اللہ ہی کی طرف
حَكِيْمٌ ۝ (۹، ۱۰)	سے ہے، بے شک اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے

صاحب روح المعانی ص۱۷۲ ج۹ میں بحوالہ مسلم و ابوداؤد و ترمذی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ مجھے عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ بدر کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ پر نظر ڈالی تو یہ حضرات تین سو دس سے کچھ اوپر تھے (ان حضرات کی مشہور تعداد ۳۱۳ ہے جیسا کہ صحیح بخاری ص۵۶۴ میں ذکر ہے) اور مشرکین پر نظر ڈالی تو وہ ایک ہزار سے کچھ زیادہ تھے آپ نے قبلہ کی طرف رُخ کیا پھر ہاتھ پھیلا کر اپنے پرور دگار سے خوب زور دار

---

[1] یہ لفظ مردفین کا ترجمہ ہے۔ مفسرین نے اس کے دوسرے معنی بھی بتائے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر فرشتے کے پیچھے ایک ایک فرشتہ ہوگا۔

دعا کرتے رہے ۔ دعا کے الفاظ یہ ہیں :

اَللّٰھُمَّ اَنْجِزْ لِیْ مَا وَعَدْتَنِیْ اَللّٰھُمَّ اِنْ تُھْلِكْ ھٰذِهِ الْعِصَابَةَ مِنْ اَھْلِ الْاِسْلَامِ لَا تُعْبَدْ فِی الْاَرْضِ ۔	اے اللہ آپ نے جو مجھ سے وعدہ فرمایا ہے پورا فرمایئے ، اے اللہ اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین میں آپ کی عبادت نہ کی جائیگی

مطلب یہ تھا کہ یہ اہل اسلام کی مختصر سی جماعت ہے ، اگر یہ ہلاک ہوگئے تو جو اُن کے پیچھے مدینہ منورہ میں رہ گئے ہیں ان میں بھی کمزوری آجائے گی اور ایمان واسلام کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا ۔ پھر آپ کی عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا ۔ آپ نے یہ بات ناز کے انداز میں بارگاہِ الٰہی میں عرض کر دی ورنہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اگر کوئی بھی نہ کرے اور کبھی بھی نہ کرے تو اس بے نیاز وحدۂ لاشریک کو کوئی ضرر یا نقصان نہیں پہنچ سکتا ۔ (وہ کسی کی عبادت کا محتاج نہیں) آپ قبلہ رُخ ہو کر ہاتھ پھیلائے ہوئے برابر اس دعا میں مشغول رہے یہاں تک کہ آپ کی چادر بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاندھوں سے گر گئی ۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضرِ خدمت ہوئے اور آپ کی چادر لے کر آپ کے مونڈھوں پر ڈال دی پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے چمٹ گئے اور عرض کیا یا نبی اللہ! بس کیجئے آپ نے جو اپنے رب سے بہت زوردار دعا کی ہے یہ کافی ہوگئی بے شک آپ کا رب اپنا وعدہ پورا فرمائے گا ۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کا دست مبارک پکڑ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! بس کیجئے آپ نے اپنے رب سے مبالغہ کے ساتھ دعا کرلی (دعا کی قبولیت کا تو آپ کو بھی یقین تھا لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عرض کرنے سے اور زیادہ اطمینان ہوگیا ۔ اس وقت آپ زرہ پہنے ہوئے تھے آپ قبہ سے باہر یہ آیت پڑھتے ہوئے تشریف لائے[۱] سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُھُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْھٰی وَاَمَرُّ ۔ (سورۃ القمر ۴۵، ۴۶) عنقریب یہ جماعت بھی شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے بلکہ قیامت ان کے وعدے کا وقت ہے اور قیامت زیادہ وحشت ناک اور تلخ ہے ۔

---

[۱] صحیح بخاری ص ۴۱۰ ج ۱ و ص ۵۶۴ ج ۲

سورہ انفال میں مزید فرمایا:

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَ لِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ. (۱۰) — فرشتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جو امداد فرمائی یہ محض اس لئے ہے کہ تم لوگوں کو بشارت ہو اور تمہارے دلوں کو اطمینان ہو۔

فرشتوں کی آمد کی پیشگی خبر ایک بہت بڑی خوشخبری تھی جس سے دلوں کو سکون ہو گیا، طبعی طور پر انسان کو اسباب کے ذریعہ تسلی ہو جاتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسباب کے طور پر فرشتوں کو بھیج دیا گیا۔

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ — اور مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

وہ جس کی چاہے مدد فرمائے اور جیسے چاہے مدد فرمائے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (۱۰) — بلاشبہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا ہے اور حکمت والا ہے

وہ بغیر فرشتوں کے بھی غلبہ دے سکتا ہے لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ فرشتوں کو بھیجا جائے۔ کسی قوم کی فتح و نصرت اور غلبہ دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کو کسی سبب کی ضرورت نہیں۔ لیکن وہ اپنی حکمت کے مطابق اسباب بھی پیدا فرما دیتا ہے اور پھر اسباب کے ذریعہ جو نفع پہنچانا مقصود ہو وہ نفع پہنچا دیتا ہے۔

فرشتوں کا نازل ہونا، قتال میں حصہ لینا اور اہل ایمان کے قلوب جمانا

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (سورۃ الانفال) — جب کہ آپ کا رب فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ بلاشبہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو تم ایمان والوں کو جماؤ میں عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔ سو تم گردنوں پر مارو اور ان کے ہر پورے پر مارو۔

اس آیت میں اللہ جل شانہ نے اپنے بعض انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے جو غزوۂ بدر کے موقعہ پر اپنے بندوں پر فرمائے۔ ارشاد ہے کہ اس وقت کو یاد کرو جب تمہارے رب نے

فرشتوں کو حکم دیا کہ تم مؤمنین کے قلوب کو جماؤ اور ان کو معرکہ میں ثابت رکھو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں یعنی تمہارا مددگار ہوں۔ نیز یہ وعدہ فرمایا کہ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو پورا فرمایا۔ مسلمان جم کر لڑے اور کافر مقتول ہوئے اور مغلوب ہوئے اور قیدی بنے۔ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ (اور مارو گردنوں پر) اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ فرشتوں کو حکم ہے کہ وہ مشرکین کو ماریں۔

غزوۂ بدر میں فرشتوں کے قتال کے بارے میں متعدد روایات حدیث اور سیر کی کتابوں میں مروی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ بدر کے دن فرشتوں کی نشانی یہ تھی کہ انہوں نے سفید عمامے باندھے ہوئے تھے، جن کے شملے اپنی کمروں پر ڈال رکھے تھے۔ البتہ حضرت جبرئیلؑ کا عمامہ زرد رنگ کا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا کہ بدر کے علاوہ کسی دوسرے موقعہ پر فرشتوں نے قتال نہیں کیا۔[1]

حضرت ابن عباسؓ نے غزوۂ بدر کا ایک یہ واقعہ بھی بیان کیا کہ ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا اس نے اپنے سامنے کوڑا لگنے کی اور گھوڑ سوار کی آواز سنی جو اپنے گھوڑے کو یوں کہہ رہا تھا اقدم حیزوم کہ اے حیزوم آگے بڑھ (حیزوم اس فرشتہ کے گھوڑے کا نام تھا) اچانک وہ مسلمان کیا دیکھتا ہے کہ وہ مشرک اس کے سامنے چت پڑا ہوا ہے، اس پر جو نظریں ڈالیں تو دیکھا کہ اس کی ناک پر ضرب کا نشان ہے اور اس کا چہرہ کوڑے کی ضرب سے چیر دیا گیا ہے۔ یہ بات رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیان کی تو آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ ان فرشتوں کا کام ہے جو تیسرے آسمان سے مدد کے لئے آئے ہیں۔[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ بھی بیان فرمایا کہ فرشتوں نے مقتولین کی گردنوں کے اوپر مارا تھا اور ان کی انگلیوں کے پوروں پر ایسا نشان تھا جیسے آگ نے جلا دیا ہو۔ حضرت ابو بردہؓ نے بیان کیا کہ میں بدر کے دن کٹے ہوئے تین سر لے کر

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ص ۲۸۱ ج ۳ [2] صحیح مسلم ص ۹۳ ج ۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ میں نے آپ کے سامنے رکھدیئے اورعرض کیا کہ ان میں سے دو شخصوں کو تو ہم نے قتل کیا ہے اور تیسرے شخص کو ایک دراز قامت آدمی نے قتل کیا ہے، میں اس مقتول کا سر بھی لے آیا ہوں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دراز قد فلاں فرشتہ تھا، سائب بن ابی حبیش نے بیان کیا (جو بدر کے دن قید کرلئے گئے تھے) کہ مجھے ایک خوب زیادہ بالوں والے دراز قد آدمی نے پکڑ کر باندھ دیا جو سفید گھوڑے پر سوار تھا، عبدالرحمٰن بن عوف نے مجھے بندھا ہوا دیکھا تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے فرمایا تجھے کس نے قید کیا؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا۔ یہ بات میں نے اس لئے کہی کہ میں اصل صورتحال بتانا نہیں چاہتا تھا کہ ایسے ایسے شخص نے مجھے قید کیا، آپ نے فرمایا کہ تجھے ایک فرشتہ نے قید کیا ہے۔ بعض صحابہؓ نے یہ بھی بیان کیا کہ ہم مشرکین کے سر کی طرف تلوار سے اشارہ کرتے تھے تو اس کا سر تلوار پہنچنے سے پہلے ہی جدا ہو کر گر جاتا تھا۔[1]

صاحب روح المعانی نے بحوالہ ابن جریر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام ہزار فرشتوں کو لے کر نازل ہوئے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے داہنی طرف تھے۔ اور اسی جانب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے اور میکائیل علیہ السلام ہزار فرشتوں کو لے کر نازل ہوئے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف تھے اور میں بھی اسی جانب تھا۔ سورۃ الانفال میں ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ مدد فرمانا مذکور ہے۔ اور سورہ آل عمران میں تین ہزار اور پانچ ہزار فرشتوں کا ذکر ہے۔ حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ اولاً ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ مدد کی، پھر تین ہزار فرشتے آئے پھر اللہ تعالیٰ نے پانچ ہزار کی تعداد پوری فرمادی۔ جو فرشتے آئے تھے انہوں نے قتال بھی کیا جس کا بعض احادیث میں ذکر ہے لیکن پوری طرح قتال میں حصہ نہیں لیا۔ ان کا اصل کام اہل ایمان کو جمانا اور ثابت قدم رکھنا تھا جیسا کہ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا میں ذکر ہے اس سے یہ اشکال

---

[1] البدایۃ والنہایۃ صفحہ ۲۸۱ ج ۳

بھی رفع ہوگیا کہ ہزار آدمیوں کے لئے ایک فرشتہ بھی کافی تھا۔ ہزاروں فرشتوں کی کیا ضرورت تھی؟ فرشتوں کا بڑا کام مسلمانوں کو جمانا تھا اس کے ساتھ انہوں نے کچھ قتال میں بھی حصہ لیا۔ جنگ تو اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ ہی سے کروائی لیکن فرشتوں کو بھی مددگار بنادیا۔ اس میں یہ بتادیا گیا کہ ہر شخص کو اپنی محنت اور مجاہدہ پر ثواب ملتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی مدد آئے یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ مسلمانوں میں خود اپنے ہی طور پر لڑنے کا اور جم کر مقابلہ کرنے کا جذبہ رہنا چاہئے۔

بدر میں مسلمانوں پر اونگھ کا طاری ہونا

اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَۃً مِّنْہُ وَیُنَزِّلُ عَلَیْکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَہِّرَکُمْ بِہٖ وَیُذْہِبَ عَنْکُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَلِیَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ وَیُثَبِّتَ بِہِ الْاَقْدَامَ ؕ (سورۃ الانفال: ۱۱)

جب چین دینے کے لئے اللہ اپنی طرف سے تم پر اونگھ طاری فرمارہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی نازل فرمارہا تھا تاکہ تمہیں پاک کردے اور تم سے شیطان کے وسوسے کو دور فرمادے اور تاکہ تمہارے دلوں کو مضبوط کردے اور اس کے ذریعہ قدموں کو جمادے۔

اللہ جل شانہ نے مسلمانوں پر یہ بھی انعام فرمایا کہ پریشانی دور فرمانے کے لئے ان پر اونگھ بھیج دی۔ جیسا کہ غزوۂ اُحد کے موقعہ پر بھی اونگھ بھیجی تھی، جس کا ذکر سورۂ آل عمران میں

اس اونگھ کا نفع یہ ہوا کہ وہ جو تکلیف محسوس کر رہے تھے اس کا احساس ختم ہوگیا کیونکہ نیند ہر چیز سے غافل کردیتی ہے خوشی سے بھی اور رنج سے بھی۔ ان کی پریشانی جاتی رہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم سب پر نیند کا غلبہ ہوگیا تھا، مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صبح تک برابر نماز میں مشغول رہے (کما فی الدر المنثور) نیز اللہ تعالیٰ نے بارش بھی نازل فرمائی، اس بارش کے دو فائدے ہوئے ایک تو نہانے دھونے اور پانی پینے کا فائدہ ہوا، دوسرے شیطان نے قلوب میں جو ناپاک وسوسے ڈال دیئے تھے یہ بارش ان وسوسوں کے ازالہ کا سبب بن گئی۔ نیز یہ بھی فائدہ ہوا کہ مسلمان جس جگہ قیام پذیر تھے وہاں ریت تھا وہ پانی پڑنے کی وجہ سے جم گیا اور جہاں مشرکین ٹھہرے ہوئے تھے وہاں

کیچڑ ہوگئی۔ تفسیر ابن کثیر ص۲۵۱ ج۲ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر تشریف لے گئے اور وہاں قیام فرمایا تو وہاں آپ اور مشرکین کے درمیان بہت زیادہ ریت تھا، اس ریت میں جنگ کرنا بھی مشکل تھا اور ادھر مسلمانوں کو پانی کی بھی ضرورت تھی لہٰذا شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ تم یہ خیال کرتے ہو کہ اللہ کے دوست ہو اور تمہارے اندر خدا کا رسول ہے اور حال یہ ہے کہ پانی پر مشرکین نے قبضہ کر رکھا ہے اور تم حالتِ جنابت میں نمازیں پڑھ رہے ہو۔

اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے خوب زیادہ بارش برسائی لہٰذا مسلمانوں نے پانی پیا اور پاکی حاصل کی (جس سے ظاہری نجاست دُور ہوگئی) اور اللہ تعالیٰ نے شیطان کے وسوسہ کو دور فرما دیا (جس سے باطنی نجاست بھی دُور ہوگئی) اور ریت سیمنٹ کی طرح جام ہوگیا، جس پر مسلمانوں کا اور ان کے جانوروں کا چلنا پھرنا اور دشمنوں سے جم کر مقابلہ کرنا آسان ہوگیا اور اس سے دلوں کو اطمینان ہوگیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد کا ایک منظر جنگ سے پہلے ہی دیکھ لیا تھا

بدر میں محاذِ جنگ کا نقشہ اور اللہ تعالیٰ کی مدد

سورۃ الانفال میں فرمایا:

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا	جبکہ تم قریب والے کنارے پر تھے اور وہ لوگ
وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى	دور والے کنارے پر، اور قافلے والے تم سے نیچے کی طرف
وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ	تھے اور اگر تم آپس میں وعدہ کر لیتے تو تم میعاد کے بارے
تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ	میں اختلاف کر لیتے اور لیکن تاکہ اللہ تعالیٰ اس امر کا
وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ	فیصلہ فرمائے جو ہو جانے والا تھا، تاکہ جو شخص ہلاک
لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّ	ہو حجت قائم ہونے کے بعد ہلاک ہو اور جو شخص زندہ
يَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ	رہے وہ حجت قائم ہونے کے بعد زندہ رہے اور
اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ اِذْ يُرِيْكَهُمُ	بلاشبہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے، جبکہ اللہ

اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۚ وَلَوْ	ان کو آپ کے خواب میں کم دکھا رہا تھا اور اگر وہ تمہیں
اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَ	ان کی تعداد زیادہ دکھاتا تو تم ہمت ہار جاتے اور اس
لَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ	امر میں باہم تم میں نزاع ہو جاتا لیکن اللہ نے بچا لیا۔
سَلَّمَ ۗ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝	بیشک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے، اور
وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِیْٓ	جبکہ تم باہم مقابل ہوئے وہ ان کو تمہاری آنکھوں میں
اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِیْٓ اَعْيُنِهِمْ	کم کر کے دکھا رہا تھا اور تمہیں ان کی آنکھوں میں کم
لِيَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۗ وَ	کر کے دکھا رہا تھا تاکہ اس بات کا فیصلہ ہو جائے
اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝	جس کا وجود میں آنا مقرر ہو چکا تھا اور تمام امور اللہ
(۴۲، ۴۳، ۴۴)	ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔

ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے اول تو غزوۂ بدر کے محاذِ جنگ کا نقشہ بتایا ہے پھر اپنے انعامات ذکر فرمائے ہیں جو غزوۂ بدر کے دن مسلمانوں کے فتح یاب ہونے کا ذریعہ بنے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ مشرکینِ مکہ نے مقام بدر میں پہنچ کر ایسی جگہ پر قیام کیا تھا جو مدینہ سے دُور ہے اور وہ لوگ ایسی جگہ لے چکے تھے جو بظاہر محاذِ جنگ کے لئے زیادہ مناسب تھی جب مسلمان پہنچے تو ان کو نیچے والی جگہ ملی۔ یہ جگہ ریتلی تھی اور مدینہ سے قریب تھی اور تیسری جماعت یعنی ابوسفیان کا تجارتی قافلہ، وہ اس جگہ سے نیچے کی طرف تھا کیونکہ یہ لوگ ساحلِ سمندر پر چل رہے تھے جو مقام بدر سے تین میل دُور تھا۔ پہلے سے مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان آپس میں جنگ کرنے کا نہ خیال تھا اور نہ کوئی اس کا وقت مقرر تھا۔ مسلمان ابوسفیان کے قافلے کا پیچھا کرنے کے لئے نکلے تھے اور رشدہ شدہ بدر تک پہنچے تھے اللہ تعالیٰ کا پہلے سے فیصلہ تھا کہ ایمان اور اہلِ ایمان بلند ہوں اور فتح یاب ہوں اور کفر اور کافر نیچا دیکھیں اور شکست کھائیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسی تدبیر فرمائی کہ دونوں جماعتیں پیشگی بات چیت کئے بغیر جمع ہو گئیں اور ابھی لڑائی شروع نہیں ہوئی کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ مشرکین کی تعداد کم ہے

جب یہ بات حضرات صحابہؓ کے سامنے آئی تو ان کا حوصلہ بلند ہوگیا اور جنگ کرنے کیلئے دل سے آمادہ ہوگئے۔ اگر ان کی تعداد زیادہ دکھائی جاتی تو مسلمانوں میں بزدلی آجاتی اور آپس میں اختلاف کرتے کہ جنگ کے لئے آگے بڑھیں یا پیچھے ہٹیں، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مسلمانوں کے حوصلے بلند فرمادئے اور بزدلی اور کم ہمتی سے بچالیا اور باہمی اختلاف سے محفوظ رکھا۔ اسی کو فرمایا: وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب کے دلوں کا حال معلوم ہے کس کو اللہ سے محبت ہے اور کس کا رُخ آخرت کی طرف ہے اور کون دنیا کا طالب ہے اور کون بزدل ہے اور کون دلاور ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مزید یہ کرم فرمایا کہ جب مقابلہ کا وقت آیا اور مڈبھیڑ ہوگئی تو مسلمانوں کی آنکھوں میں کافروں کو اور کافروں کی آنکھوں میں مسلمانوں کو کم تعداد میں دکھایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان شجاعت اور بے جگری سے لڑے اور کافر بھی یہ سمجھ کر لڑے کہ یہ تھوڑے سے لوگ ہیں ان کو ختم کرنا آسان ہے۔ پھر انجام یہ ہوا کہ کافر مغلوب ہوئے اور شکست کھائی اور مسلمان غالب ہوئے اور فتح پائی۔ اور اللہ تعالیٰ کا جو فیصلہ مقرر اور مقدور تھا اسی کے مطابق ہوکر رہا۔ معالم التنزیل ص۲۵۳ ج ۲ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ بدر کے دن مشرکین کی تعداد ہماری آنکھوں میں اس قدر کم ہوگئی تھی کہ میں نے ایک ساتھی سے پوچھا جو میرے پہلو میں تھا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ لوگ ستر تو ہوں گے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے خیال میں سو ہیں۔ اس کے بعد ہم نے مشرکین میں سے ایک شخص کو قید کرلیا اور اس سے پوچھا کہ تمہاری کتنی تعداد ہے تو اس نے کہا کہ ایک ہزار کی نفری ہے۔

یہ جو فرمایا: لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَىَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ۔
اس میں یہ بیان کیا کہ واقعۂ بدر میں دینِ اسلام کی کھلی اور واضح حقانیت ظاہر ہوگئی اور کفر و شرک کے باطل ہونے کا خوب واضح طریقہ پر لوگوں کو علم ہوگیا، اب بھی جو شخص ہلاک ہوگا یعنی کفر پر جا رہے گا وہ حجت تمام ہونے کے بعد اس کو اختیار کرے گا۔ اور جو

شخص ایمان پر پختگی کے ساتھ جما رہے گا وہ بھی حجت کے ساتھ دینِ حق پر رہے گا۔ ہلاکت سے کفر پر باقی رہنا اور حیات سے اسلام پر جما رہنا اور اسلام قبول کرنا مراد ہے۔ حق واضح ہو جانے کے بعد ہر طرح کی غلط فہمی کا احتمال ختم ہو گیا، اب کافر دیکھتی آنکھوں دھکتی آگ میں جائے گا اور خود اپنی ہلاکت کے راستہ کو اختیار کرے گا، اور جو شخص اسلام پر جمے گا اور اسی طرح جو کافر اسلام قبول کرے گا وہ بھی دلیل و حجت کے ساتھ دینِ حق پر مستقیم ہوگا۔

فائدہ: سورۂ آل عمران کے دوسرے رکوع میں بھی غزوۂ بدر کا ذکر ہے۔ وہاں یَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ فرمایا ہے دونوں آیات کا مضمون ملانے سے معلوم ہوا کہ جنگ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی آنکھوں میں مسلمانوں کو اُن کی اپنی تعداد سے کم دکھایا تاکہ مشرکین میں جنگ کرنے کی جرأت بڑھ جائے اور زیادہ تعداد دیکھ کر واپس نہ ہو جائیں، پھر جب جنگ شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو مسلمانوں کی اصل تعداد سے زیادہ دکھایا (وہ دیکھ رہے تھے کہ مسلمان ہم سے دوگنے ہیں) اور مسلمانوں کی آنکھوں میں مشرکین کی تعداد کم دکھائی۔ تاکہ مسلمان خوب زیادہ جرأت سے لڑیں اور مشرکین بزدل ہو جائیں۔ آیت کی تفسیر میں علماء کا یہ ایک قول ہے جسے صاحب معالم التنزیل نے ص ۲۸۴ ج ۱ نقل کیا ہے۔ صاحب روح المعانی نے بھی ص ۹۷ ج ۳ میں ذکر کیا ہے۔

صاحب روح المعانی نے بعض علماء سے یہ بھی نقل کیا کہ یَرَوْنَ کی ضمیر مرفوع سے مؤمنین مراد ہیں اور ضمیر منصوب کافروں کی طرف راجع ہو اس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا کہ مؤمنین کافروں کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے حالانکہ وہ ان سے تین گنا تھے اور ان کو دوگنا اس لئے دکھایا کہ انھیں اپنی فتح کا اطمینان رہے۔

بدر پہنچنا اور کافروں سے مقابلہ ہونا

بدر پہنچ کر حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایک حوض بنایا جس میں پانی بھر دیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ایک چھپر ڈال دیا گیا۔ یعنی خیمے کی طرح ایک جگہ بنا دی گئی آپ اس میں تشریف فرما ہو گئے اسی میں نمازیں پڑھتے رہے اور اللہ تعالیٰ

کی بارگاہ میں اپنی کامیابی اور دشمنوں کی شکست اور ہزیمت کے لئے دعا کرتے رہے۔ اسود بن عبدالاسود مخزومی بدخلق مشرک تھا اس نے کہا کہ مدینے سے آنے والے لوگوں نے جو حوض بنایا ہے میں اس سے پیوں گا یا اسے ختم کردوں گا یا مر جاؤں گا یہ کہہ کر آگے بڑھا۔ حوض کی طرف آرہا تھا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی طرف بڑھے (یا وہ حوض میں پہنچ چکا تھا) حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسے وہیں قتل کر دیا۔[1]

جب مقابلے کی ابتداء ہوئی تو مشرکین کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ صف سے باہر نکلے اور مقابلہ کے لئے مسلمانوں کو پکارا انصار میں سے ان کے مقابلہ کے لئے تین حضرات یعنی عوف بن حارث اور معوذ بن حارث نکلے اور تیسرے کا نام عبداللہ بن رواحہ بتایا جاتا ہے عتبہ اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ تم لوگ کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم انصار میں سے ہیں۔ کہنے لگے کہ ہمیں تمہاری کوئی حاجت نہیں اور زور سے پکارنے لگے کہ اے محمد ہماری قوم (قریش) کے افراد ہمارے مقابلہ میں بھیجو جو ہمارے برابر کے لوگ ہیں۔ آپ نے فرمایا اے عبیدہ (بن حارث) تم کھڑے ہو اور اے حمزہ تم کھڑے ہو، اے علی تم کھڑے ہو، یہ تینوں حضرات کھڑے ہوئے اور تینوں مشرکوں کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے پوچھا کہ تم کون ہو، حضرت عبیدہ نے اپنا نام بتایا اور حضرت حمزہ نے اپنا نام اور حضرت علی نے اپنا نام بتایا۔ تینوں مشرک کہنے لگے کہ ہاں تم سے مقابلہ ہوگا، تم ہمارے برابر کے ہو چنانچہ حضرت عبیدہ آگے بڑھے، ان کا مقابلہ عتبہ بن ربیعہ سے ہوا اور حضرت حمزہ آگے بڑھے ان کا مقابلہ شیبہ بن ربیعہ سے ہوا اور حضرت علی آگے بڑھے تو ولید بن عتبہ سے مقابلہ ہوا۔ تینوں نے جو مقابلہ کیا اس کے نتیجے میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو شیبہ کو قتل کر دیا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ولید کو قتل کر دیا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عتبہ نے ایک دوسرے پر وار کیا جس سے ہر ایک بے جان ہو گیا پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عتبہ کو بالکل جان سے مار دیا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو

---

[1] سیرت ابن ھشام

اٹھا کر لے آئے۔ جنگ کے ختم ہونے کے بعد جب حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ میں مقامِ صفراء میں حضرت عبیدہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوگئی۔[1]

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ (سورۂ حج کی آیت) هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ۔ ان چھ افراد کے بارے میں نازل ہوئی جو بدر کے دن آپس میں مقابل ہوئے۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور مشرکین کی طرف سے شیبہ، عتبہ اور ولید۔[2]

ابوجہل، عتبہ، شیبہ، ولید، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط ان لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی زیادہ دشمنی تھی۔ انھیں لوگوں کا قصہ ہے کہ جب ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کے قریب نماز پڑھ رہے تھے تو ان لوگوں میں سے ایک شخص[3] نے آپ کی کمر مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی رکھدی تھی جبکہ آپ سجدہ میں تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہوکر ان کے لئے بد دعا فرمائی تھی، ان میں سے اکثر بدر میں مقتول ہوئے۔[4]

اس کے بعد دونوں لشکر ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی تھی کہ مشرکین تمہارے اوپر حملہ آور ہوجائیں تو ان کو تیروں سے دفع کریں اور بلا ضرورت تیر نہ پھینکیں۔ لڑائی ہورہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مٹھی میں کنکریاں لیں اور فرمایا شَاهَتِ الْوُجُوْهُ (ان کے چہرے بدصورت ہوجائیں) اور اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ حملہ کرو، حضراتِ صحابہ نے جم کر حملہ کیا اور کافروں کے مقابلے میں فتح پائی جس میں ستر مشرک مقتول ہوئے اور ستر کو قید کردیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوالبختری اور اپنے چچا عباس بن عبد المطلب کو قتل کرنے سے منع کردیا تھا اول الذکر کو اس لئے کہ مکہ کے زمانہ قیام میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تکلیف

---

[1] صحیح بخاری، سیرت ابن ہشام، البدایۃ والنہایۃ [2] بخاری ص ۵۶۵

[3] وهو عقبة بن ابي معيط [4] بخاری جلد اول ص ۳۷

دینے سے لوگوں کو روکتا تھا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ ان کو زبردستی ساتھ لے آئے ہیں۔ بعد میں ابوالبختری مقتول ہوگیا، اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھل کر مسلمان ہوگئے تھے، اس سے پہلے اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتے تھے۔[1]

امیہ بن خلف اسلام اور مسلمانوں کا بہت بڑا دشمن تھا اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت دُکھ دیتا تھا، مکہ معظمہ کی سخت دھوپ اور گرمی میں انہیں زمین پر لٹا کر سینے پر بڑا پتھر رکھ دیتا تھا اور کہتا تھا کہ تو برابر اسی حال میں پڑا رہے گا جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین نہ چھوڑ دے، اس پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ احد احد کہتے تھے (جس کا مطلب یہ تھا کہ معبود ایک ہے) جب امیہ بن خلف پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر پڑی تو بلند آواز سے حضرات انصار کو پکارا اور کہا رَأسُ الْكُفْرِ أُمَيَّةُ بنُ خَلَفٍ لَا نَجَوْتُ إِنْ نَجَا (یہ کفر کا سرغنہ ہے اگر اس کو نجات ہوگئی تو میری خیر نہیں، یعنی میں اپنے غم میں مرجاؤں گا) اس کے بعد بعض صحابہؓ نے اُمیہ کو وہیں قتل کر دیا۔[2]

ابوجہل کا قتل

ابوجہل اسلام کا اور مسلمانوں کا بہت بڑا دشمن تھا جس کے بعض واقعات پہلے گزر چکے ہیں۔ یہ شخص بھی بڑی ذلت کے ساتھ غزوۂ بدر میں مارا گیا اور یہی وہ شخص ہے جو بڑے طمطراق کے ساتھ مکہ سے آیا تھا اور لڑنے والوں کو ہمراہ لایا تھا اور جب اس سے واپس ہونے کے لئے کہا گیا تو اس نے کہا واپس نہیں ہوں گے، اس طرح تو عرب میں ہماری بدنامی ہوجائے گی، اسے انصار کے دو لڑکوں نے میدانِ بدر میں قتل کر دیا۔ سارا طمطراق دھرا رہ گیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں جنگِ بدر کے موقع پر صف کے اندر کھڑا تھا، اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ میرے دائیں طرف ایک نوعمر لڑکا ہے اور بائیں طرف بھی اسی طرح ایک نوعمر لڑکا

[1] سیرت ابن ہشام [2] البدایۃ والنہایۃ و صحیح البخاری

موجود ہے، انھیں دیکھ کر مجھے کچھ زیادہ خوشی نہ ہوئی اور یہ سمجھا کہ مجھ پر کسی کافر نے حملہ کر دیا تو یہ دونوں مجھے بچا سکیں گے۔ ان میں سے ایک نے مجھ سے آہستہ سے کہا کہ چچا جان یہ تو بتایئے کہ ابوجہل کون ہے؟ میں نے کہا اے بھائی کے بیٹے! تم اس کا کیا کروگے؟ جواب دیا کہ میں نے اللہ سے یہ عہد کیا ہے کہ میں اسے دیکھ لوں گا تو اسے قتل کر دوں گا یا اس کے مارنے کی کوشش میں خود ہی مرجاؤں گا۔ اس کے بعد دوسرے لڑکے نے بھی اسی طرح کی بات کہی، اچانک مجھے ابوجہل نظر آگیا۔ میں نے ان دونوں سے کہا دیکھو وہ ابوجہل ہے، میری بات سن کر دونوں لڑکے شکرہ کی طرح اس کی طرف بڑھے اور اپنی تلواروں سے اس پر حملہ کر دیا۔ یہ دونوں لڑکے عفراء نامی عورت کے بیٹے تھے (ایک کا نام معاذ اور دوسرے کا معوذ تھا) روایاتِ حدیث میں معاذ بن عمرو بن جموح کا نام بھی آتا ہے۔ شراحِ حدیث نے روایات میں توفیق دینے کے لیے فرمایا ہے کہ ممکن ہے کہ تینوں افراد نے اس پر حملہ کر کے قتل کیا ہو (قتل کی حد تک تو ان صاحبزادوں نے پہنچا دیا تھا لیکن ابھی تک اس کی پوری جان نہیں نکلی تھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہے کوئی شخص جو ابوجہل کی خبر لائے۔ آپ کا فرمان سن کر مشہور صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوجہل کو تلاش کرتے ہوئے اس کے پاس پہنچے اور اس کی ڈاڑھی پکڑ کر فرمایا کہ ابوجہل ہے (دیکھ تیرا کیا انجام ہوا) کہنے لگا اس سے زیادہ کیا ہے کہ ایک آدمی اس کی قوم نے ختم کر دیا اور اس نے یہ بھی کہا کہ کاش مجھے کوئی ایسا شخص قتل کرتا جو کاشتکار نہ ہوتا (چونکہ اسے انصاری لڑکوں نے قتل کیا تھا جو کسان کا کام کرتے تھے اس لئے اس نے ایسی بات کہی اور اس پر افسوس ظاہر کیا کہ مجھے کسی اونچی شخصیت کے ہاتھوں قتل ہونا چاہیے تھا، جان جا رہی ہے پھر بھی کبر و نخوت دامنگیر ہے۔ متکبرین کا یہی حال ہوتا ہے اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا جو ذرا سی جان باقی تھی وہ بھی ختم ہوگئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا سر لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ (صحیح بخاری ص۴۴۳ و ص۵۶۵ و ص۵۶۹)

مقتولین سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خطاب:

بدر کی جنگ شروع ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ مشرکین مکہ میں سے فلاں شخص مقتول ہو کر فلاں جگہ گرے گا اور فلاں شخص فلاں جگہ گرے گا۔ آپ نے جو خبر دی تھی اسی کے مطابق یہ لوگ مقتول ہوئے اور ہر ایک اپنی اسی جگہ مقتول ہو کر گرا، پھر ان مقتولین میں سے جو قریش کے بڑے بڑے سردار تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بدر کے کنویں کے گڑھوں میں سے ایک بدترین گڑھے میں ڈال دیئے گئے اس کے بعد آپ نے بدر میں مزید تین دن قیام فرمایا۔ تیسرے دن آپ اس کنویں کے پاس تشریف لے گئے جس میں مشرکین کی نعشوں کو ڈالا تھا اور ایک ایک کا نام لے کر فرمایا اے فلاں بن فلاں، اے فلاں بن فلاں کیا تمھیں اب اس بات کی آرزو ہے کہ تم اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کر لیتے (اور اللہ کے عذاب سے بچ جاتے) ہم نے تو اپنے رب کے وعدہ کو حق پالیا، سو کیا تم نے بھی اس وعدہ کو حق پایا جو تمھارے رب نے تم سے وعدہ فرمایا تھا؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہمراہ تھے، انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ان جسموں سے کیا کلام کر رہے ہیں جن میں روح نہیں ہے آپ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں جو کچھ ان سے کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو (یعنی جیسے تم یہ باتیں سن رہے ہو وہ بھی سن رہے ہیں) راوی حدیث قتادہ (تابعی) جنہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ واقعہ نقل کیا انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنانے کے لئے مشرکین کو زندہ فرما دیا تھا تاکہ ان کی مزید تذلیل و توبیخ ہو اور وہ سمجھ لیں کہ ہمیں اپنی ہی حرکتوں سے یہ عذاب ہو رہا ہے اور تاکہ انھیں حسرت اور ندامت ہو۔ (بخاری صـ۵۶۶)

تکمیل:

غزوۂ بدر کا واقعہ تفصیل کے ساتھ گذشتہ اوراق میں بیان کر دیا گیا، بعض امور

کا تذکرہ رہ گیا جو ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں :

(۱) بدر کے دن جو مسلمان شہید ہوئے ان میں چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے تھے ۔

(۲) فتح یابی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن بدر میں قیام فرمایا اور پہلے سے حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو فتحیابی کی خوش خبری دینے کے لئے مدینہ منورہ بھیج دیا تھا۔ حضرت اسامہ بن زید نے بیان فرمایا کہ ہمیں ایسے وقت میں فتح یابی کی خبر پہنچی جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے دفن سے فارغ ہو رہے تھے ۔ یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مریضہ کی تیمارداری کے لئے مدینہ منورہ میں چھوڑ دیا تھا ۔

(۳) غزوۂ بدر میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت قتادہ بن نعمانؓ کی آنکھ حلقے سے نکل کر اُن کے رخسار پر آپڑی لوگوں نے چاہا کہ اسے کاٹ دیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا، تو آپ نے فرمایا مت کاٹو۔ پھر آپ نے ان کو بُلا کر اپنے دستِ مبارک سے آنکھ کے حلقے میں رکھ کر دبا دیا تو اُن کی یہ آنکھ ٹھیک طرح لگ گئی اور اس کی روشنی دوسری آنکھ سے زیادہ اچھی ہو گئی ۔

(۴) بعض دیگر صحابہؓ کے ساتھ بھی ایسا واقعہ پیش آیا۔ تیر آکر لگا تو ان کی آنکھ جاتی رہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی آنکھ پر اپنا لعابِ مبارک ڈال دیا، وہ بالکل درست ہو گئی۔[1]

(۵) جو حضرات بدر میں شریک ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی فضیلت عطا فرمائی۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ میں ہرگز ایسا شخص داخل نہ ہوگا جو بدر میں یا حدیبیہ میں

---

[1] ان مذکورہ حوالوں کے لئے صحیح بخاری (کتاب المغازی) اور البدایۃ والنہایہ کی مراجعت کی جائے۔

حاضر ہوا ہو۔ قال فی النہایۃ ص۳۲۹ ج ۳ تفرد بہ احمد وھو علی شرط مسلم۔

(۶) صحیح بخاری ص۵۶۸ ج ۱ میں ہے کہ حارثہ (بن سراقہ) غزوۂ بدر میں شہید ہوگئے تھے۔ اُن کی والدہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حارثہ سے جو مجھے خاص تعلق تھا وہ آپ کو معلوم ہے۔ سو اگر وہ جنت میں چلا گیا تو میں صبر کرتی ہوں اور ثواب کی امید رکھتی ہوں اور اگر دوسری کوئی بات ہے (یعنی دوزخ میں چلا گیا) تو آپ دیکھیں گے میں کیا کرتی ہوں۔ یعنی رو رو کر ڈھیر کردوں گی۔ (کمافی روایۃ) آپ نے جواب میں فرمایا افسوس کی بات ہے، تم کیا کہہ رہی ہو۔ وہ کوئی ایک جنت تھوڑا ہی ہے، وہ بہت سی جنتیں ہیں اور تیرا بیٹا فردوسِ اعلےٰ میں ہے۔[۱]

حافظ ابن کثیرؒ البدایہ والنہایہ ص۳۲۹ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ یہ حارثہ معرکہ سے دور تھے اور نگرانی کرنے والوں سے دور تھے، حوض سے پانی پی رہے تھے کہ اچانک ایک تیر آیا جو اُن کی موت کا سبب بن گیا۔ جب اس شخص کو اتنا بڑا درجہ ملا کہ فردوس میں داخل کردیا گیا (جو جنت کا سب سے بلند درجہ ہے) تو جن لوگوں نے قتال میں حصہ لیا دشمن سے مقابلہ کیا اُن کے درجات کا کیا عالم ہوگا۔

(۷) جس طرح مہاجرین اور انصار میں سے غزوۂ بدر میں شریک ہونے والوں کو بڑی فضیلت ملی۔ اسی طرح سے جو فرشتے اس غزوہ میں شریک ہوئے تھے دوسرے فرشتوں پر ان کو بھی فضیلت دی گئی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ اہل بدر کو آپ حضرات کس درجہ میں شمار فرماتے ہیں آپ نے فرمایا ہمارے نزدیک وہ افضل المسلمین میں سے ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا اسی طرح سے ہم بھی بدر میں شریک ہونے والے فرشتوں کو دوسرے فرشتوں سے افضل جانتے ہیں۔[۲]

---

[۱] صحیح بخاری ص ۵۶۷ ج ۲
[۲] صحیح بخاری ص ۵۶۹ ج ۲

قیدیوں کے احکام

جب مسلمانوں اور کافروں میں جنگ ہو تو بہت سے امور پیش آتے ہیں ان میں یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق کے افراد کو گرفتار کر لیتا ہے، ان گرفتار شدہ گان کو قیدی کہا جاتا ہے۔ اگر کافر مسلمانوں کی قید میں آجائیں تو امیر المؤمنین کو ان کے بارے میں کن باتوں کا اختیار ہے؟

سورۃ الانفال میں قیدیوں کو قتل کرنے اور فدیہ لیکر قتل کرنے کا حکم ہے اور سورہ محمد میں احسان کر کے چھوڑ دینا اور فدیہ لیکر چھوڑ دینا دونوں مذکور ہیں پھر فدیہ لینے کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لئے ان کے قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے۔ دوسرا یہ کہ کافر قیدیوں کو مال لے کر چھوڑ دیا جائے اور ایک صورت یہ ہے کہ انھیں ذمی بنا کر رکھ لیا جائے اور ایک صورت یہ ہے کہ انھیں غلام باندی بنا لیا جائے۔

فقہاء حنفیہ میں سے صاحب ھدایہ لکھتے ہیں کہ امیر المؤمنین کو اختیار ہے، چاہے تو کافر قیدیوں کو قتل کر دے اور چاہے تو انھیں ذمی بنا کر دار الاسلام میں رکھ لے۔ البتہ مشرکین میں جو اہلِ عرب ہوں اور جو مرتد ہوں ان کو ذمی بنا کر نہیں رکھا جا سکتا۔ اب رہی یہ بات کہ آیا مسلمان قیدیوں کو چھڑانے کے لئے بطورِ مبادلہ کے کافر قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے؟ تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو جائز قرار نہیں دیا، اور حضرات صاحبینؒ اور حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ایسا کرنا درست ہے۔ اور کافر قیدیوں کو مال لیکر چھوڑ دینا جائز ہے یا نہیں، اس کے بارے میں حنفیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔

البتہ امام محمدؒ نے سیرِ کبیر میں لکھا ہے کہ اگر مسلمانوں کو مال کی حاجت ہو تو ایسا بھی کر سکتے ہیں اور بالکل ہی بطورِ احسان کے چھوڑ دینا نہ قیدیوں کا مبادلہ ہو اور نہ مال لیا جائے اور نہ ذمی بنایا جائے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں۔

حضرت امام شافعیؒ اس کو بھی جائز کہتے ہیں۔

علامہ ابوبکر جصاصؒ احکام القرآن، ص ۳۹۲ ج ۳ میں لکھتے ہیں کہ سورۃ برأۃ، سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد نازل ہوئی۔ سورۃ محمد میں جو منّ اور فداء کی اجازت ہے اس کو سورۃ برأۃ کی آیات فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ اور قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۔ نے منسوخ کردیا۔ لہذا اب فداء اور منّ کی اجازت نہیں رہی۔ فوجب ان یکون الحکم المذکور فیہا ناسخاً للفداء المذکور فی غیرہا ا ھ۔

بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینا اور اس پر عتاب نازل ہونا

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ غزوۂ بدر میں ستّر کافر مارے گئے اور ستر کافروں کو قید کر کے مدینہ منورہ لایا گیا۔ اب یہ سوال پیدا ہوا کہ ان قیدیوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ مشورہ میں جب بات آئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ آپ کی قوم کے افراد ہیں، اور رشتہ دار بھی ہیں ان کو زندہ رہنے دیجئے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا اور اس وقت ان سے فدیہ لے لیا جائے یعنی ان کی جانوں کے بدلہ میں مال لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا، شہر مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا، اجازت دیجئے کہ ہم ان کی گردنیں ماردیں، اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کوئی ایسی جگہ دیکھئے جہاں خوب زیادہ لکڑیاں ہوں انہیں اس میں داخل کر کے آگ سے جلا دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کو اختیار فرمالیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب نازل ہوا۔ سورۃ الانفال میں فرمایا:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے پاس

حَتّٰی یُثۡخِنَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ تُرِیۡدُوۡنَ
عَرَضَ الدُّنۡیَا ٭ۖ وَاللّٰہُ یُرِیۡدُ
الۡاٰخِرَۃَ ؕ وَاللّٰہُ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ﴿﴾
لَوۡلَا کِتٰبٌ مِّنَ اللّٰہِ سَبَقَ لَمَسَّکُمۡ
فِیۡمَاۤ اَخَذۡتُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿﴾
فَکُلُوۡا مِمَّا غَنِمۡتُمۡ حَلٰلًا
طَیِّبًا ۫ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ
غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿﴾
(۶۷، ۶۸، ۶۹)

قیدی موجود رہیں جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح خون ریزی نہ کرلے، تم دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت کو چاہتا ہے، اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ پہلے سے مقدر نہ ہوچکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کے بارے میں تم کو بڑا عذاب پہنچ جاتا، سو کھاؤ اس میں سے جو تمہیں بطور غنیمت کے مل گیا حلال پاکیزہ ہونے کی حالت میں، اور اللہ سے ڈرو۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگلے دن جب میں حاضر ہوا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بتلائیے کہ آپ اور آپ کے ساتھی کیوں رو رہے ہیں؟ مجھے رونے کا سبب معلوم ہوجائے تو میں بھی رونے لگوں اور اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت ہی بنا کر آپ کی موافقت کرلوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ فدیہ لینے کی لوگوں نے جو رائے دی تھی اُس رائے کے اختیار کرنے پر مجھے اس قریب والے درخت کے پاس سے عذاب آتا ہوا معلوم ہو رہا ہے۔ (معالم التنزیل)

مذکورہ قیدیوں کو مال لے کر چھوڑنے کا جو فیصلہ کرلیا گیا تھا اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند تھی، اس لئے عتاب نازل فرمایا پھر عذاب کو روک لیا اور اس مال کو لینے اور کھانے کی اجازت دے دی۔ اول تو یہ فرمایا کہ یہ نبی کی شان کے لائق نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں اور انھیں چھوڑ دیا جائے بلکہ خونریزی کرنی چاہئے تاکہ کفار کی شوکت بالکل ٹوٹ جائے اور مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی سکت ان میں باقی نہ رہے۔ جن حضرات نے مال لینے کی رائے دی تھی اُن کے سامنے ایک مصلحت تو یہ تھی کہ امید ہے یہ لوگ مسلمان ہوجائیں گے اور دوسری مصلحت یہ تھی کہ اس وقت

مسلمانوں کو حاجت اور ضرورت ہے مال مل جائے گا تو مسلمانوں کو کافروں کے مقابلے میں قوت پہنچ جائے گی۔ اس مال لینے کے جذبہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا : تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ کہ تم دنیا کو چاہتے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم آخرت کے طالب بنو، تمہیں آخرت میں اجور اور ثمرات ملیں۔ کافر قیدیوں کو قتل کرنے میں کفر کی مغلوبیت تھی جو اور زیادہ اسلام کے پھیلنے کا ذریعہ ہے جیسے جیسے مسلمانوں کے ہاتھوں اسلام پھیلے گا مسلمانوں کی آخرت اچھی بنے گی اور درجات بلند ہوں گے۔

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے) اس نے تم کو کافروں پر غلبہ دیا۔ اس کے بعد بھی غلبہ دے گا اور اپنی حکمت کے موافق جب چاہے گا تمہیں مالا مال فرمائے گا۔ اس وقت ذرا سی دیر محسوس کر کے جو فدیہ لینے پر اتر آئے یہ ناپسندیدہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا : لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (اگر اللہ کا نوشتہ پہلے سے مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کے بارے میں تم کو بڑا عذاب پہنچ جاتا) اس نوشتہ سے کیا مراد ہے۔ اس کے بارے میں حضرات مفسرین نے حضرات صحابہؓ اور تابعینؒ کے متعدد اقوال نقل کیے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ جل شانہ نے ام الکتاب میں یہ جو لکھ دیا تھا کہ مال غنیمت امت مسلمہ کے لئے حلال ہوں گے (جس میں قیدیوں کا فدیہ لینا بھی شامل ہے) اس لئے اللہ تعالیٰ نے عذاب روک لیا۔ مفسر ابن کثیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت سعید بن جبیرؒ اور حضرت عطاءؒ اور حضرت حسن بصریؒ اور حضرت قتادہؒ اور حضرت اعمشؒ سے یہ بات نقل کی ہے اور لکھا ہے۔ مفسر ابن جریجؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ صاحب روح المعانی نے ص۳۴ ج۱۰ میں ایک یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات لکھی ہوئی نہ ہوتی کہ جب تک کسی قوم کے لئے بطور امر و نہی واضح طور پر حکم بیان نہ ہو جائے

اس وقت تک عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان پر عذاب نہ ہوگا تو عذاب آجاتا۔ چونکہ واضح طور پر فدیہ لینے کی ممانعت بیان نہیں ہوئی تھی اس لیے عذاب روک دیا گیا۔ صاحب روح المعانی نے اس قول کو بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے، پھر ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات مقرر اور مقدر ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں عذاب نہیں آئے گا۔ اس لیے عذاب نہیں آیا۔ اور ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ اعلان ہوچکا تھا کہ جو لوگ بدر میں شریک ہوئے تھے ان کی مغفرت کر دی گئی (اور رائے دینے والے بھی بدری صحابہ رضی اللہ عنہم تھے) اس لئے عذاب نہیں آیا۔

اس کے بعد فرمایا: فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا (سو کھاؤ اس میں سے جو تمہیں بطور غنیمت کے مل گیا حلال پاکیزہ ہونے کی حالت میں) بدر کے قیدیوں سے فدیہ لیکر جو ان کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کر دیا گیا تھا اس پر عتاب تو ہوا لیکن اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنی مہربانی سے اس مال کو حلال اور طیب قرار دے کر کھانے کی اجازت مرحمت فرما دی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ (اللہ سے ڈرو) اللہ کے احکام کی خلاف ورزی سے احتراز کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ بلاشبہ اللہ بخشنے والا ہے، اس نے تمہارے گناہ معاف فرمائے رَحِيْمٌ (رحم فرمانے والا ہے) جو کچھ تم نے کافروں سے لیا اس کے بارے میں تم پر رحم فرما دیا اور تمہارے لئے حلال قرار دیا۔

مفسر ابن کثیر (ص ۳۲۶ ج ۲) نے لکھا ہے: فعند ذلك اخذوا من الاساری الفداء۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مال لینے کے فیصلے پر عتاب ہوا تھا۔ پھر جب مال لینے کی اجازت دے دی گئی تو قیدیوں سے مال وصول کر لیا گیا۔

اور معالم التنزیل میں یوں لکھا ہے کہ:

جب پہلی آیت نازل ہوئی تو کچھ بطور فدیہ مال لے چکے تھے اس سے پرہیز کرتے رہے۔ جب آیت فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ نازل ہوئی تو اس مال کو استعمال کر لیا، ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگوں سے پہلے مال لیا گیا ہو اور باقی لوگوں سے بعد میں لیا گیا ہو۔ اور اقرب یہی ہے۔

کیونکہ سب کے پاس اُس وقت اموال موجود نہیں تھے ۔

سب قیدیوں کے ساتھ برابری کا معاملہ

بدر کے قیدیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابوالعاص بن الربیع اور آپ کے چچا عباس بن عبدالمطلب بھی تھے ۔ آپ نے صحابہ سے اجازت لے کر ابوالعاص کو فدیہ لیے بغیر چھوڑ دیا اور ان سے فرمایا کہ تم مکہ معظمہ پہنچ کر زینب کو بھیج دینا (زینب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی بیٹی تھیں آپ نے جب ہجرت فرمائی تھی تو وہ وہیں رہ گئی تھیں ۔ اس لئے ان سے فرمایا کہ زینب کو بھیج دینا ، انہوں نے وعدہ پورا کیا اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھیج دیا. اور پھر بعد میں خود بھی اسلام قبول کر لیا ۔ کما ذکرہ الحافظ ابن حجر فی الاصابۃ فی حرف العین ۔

حضرت عباس مشرکین کے لشکر میں آئے تھے اور بیس اوقیہ سونا لے کر چلے تھے تاکہ اپنے ساتھیوں کو کھلاتے پلاتے رہیں (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا) اب ان کے پاس بیس اوقیے رہ گئے تھے ۔ وہ بیس اوقیے صحابہ نے ان سے مقام بدر میں لے لیے تھے جب قید کر کے لائے گئے اور ان سے سوال ہوا کہ فدیہ دو تو انہوں نے کہا کہ وہ جو بیس اوقیے لے لیے ہیں انہیں کو میری جان کے فدیہ میں لگا لیں ، آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چیز تم ہمارے مقابلہ میں خرچ کرنے کے لئے لے کر آئے تھے وہ تمہارے حساب میں نہیں لگ سکتی ۔ عباس نے یوں بھی کہا کہ یارسول اللہ میں تو مسلمان تھا آپ نے فرمایا اگر تم مسلمان تھے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے ، اگر تم سچے ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دے دے گا ۔ ہمارے نزدیک بظاہر تم مقابلہ کرنے کے لئے جنگ میں شریک ہوئے تھے لہٰذا تم اپنی جان کا بھی فدیہ دو اور اپنے دونوں بھتیجوں نوفل بن حارث اور عقیل بن ابی طالب اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا بھی فدیہ دو عباس نے کہا کہ اے محمد تم مجھے اس حال میں چھوڑنا چاہتے ہو کہ زندگی بھر قریش سے بھیک مانگا کروں ، میرے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ اس قدر فدیہ دے سکوں ۔ آپ نے

فرمایا وہ مال کہاں ہے جو تم نے اور تمہاری بیوی ام الفضل نے ملکر دفن کیا ہے۔ تم نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ اگر میں اس سفر میں مقتول ہوگیا تو یہ مال میرے بیٹوں عبداللہ عبیداللہ، فضل اور قثم کے کام آئے گا۔ عباس نے کہا اللہ کی قسم یا رسول اللہ اس بات کا علم میرے اور ام الفضل کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہے، آپ کو کس نے بتایا؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے رب تعالیٰ شانہٗ نے بتایا۔ اس پر عباس کہنے لگے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں اور وہ بات پھر دہرائی کہ وہ جو بیس اوقیہ میدانِ جنگ میں مجھ سے لے لیا گیا ہے وہ میرے فدیہ کے حساب میں لگالیا جائے۔ آپ نے فرمایا نہیں، وہ حساب میں نہیں لگ سکتا ــــ وہ تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں (بطور مالِ غنیمت کے) عطا فرمایا ہے۔ لہٰذا عباس نے اپنا فدیہ بھی دیا اور اپنے دونوں بھتیجوں کا بھی اور اپنے حلیف کا بھی۔ (من معالم التنزیل ص۲۶۳ ج ۲ وابن کثیر ص۳۲۷ ج ۲)

حضرت عباسؓ نے اپنا اسلام تو فدیہ کے دن ہی ظاہر کر دیا تھا لیکن اس وقت مکہ معظمہ گئے تھے پھر مکہ معظمہ فتح ہونے سے کچھ پہلے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تھے۔ (کما فی الاصابۃ، حرف العین)

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ ہر قیدی کا فدیہ چالیس اوقیہ تھا اور ہر اوقیہ چالیس درہم ہوتا تھا، اس طرح سے ہر قیدی کا فدیہ سولہ سو درہم ہوا۔ اور روح المعانی میں لکھا ہے کہ ہر ایک قیدی کا فدیہ سو اوقیہ تھا اور اس کے علاوہ اور بھی بعض اقوال ہیں۔

چونکہ صحابہ کے مشورے سے یہ طے ہوگیا تھا کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اور جو مال ان سے لے لیا گیا اس میں صحابہ کا بھی حصہ ہوگیا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں کسی اپنے پرائے کی رعایت نہیں فرمائی۔ اپنے چچا عباس سے بھی فدیہ لیا اور اپنے دو چچا زاد بھائیوں کا فدیہ بھی چچا سے وصول فرمایا۔ انہوں نے یہ جو کہا کہ میں مسلمان تھا (زبردستی جنگ میں شریک کر لیا گیا) تو اس کے جواب میں آپ نے صاف طور پر فرما دیا کہ دلوں کا حال اللہ جانتا ہے ہم تو ظاہر پر قانون نافذ کرنے والے ہیں۔ تم مخالفین کے ساتھ لڑنے والوں میں شامل ہو کر آئے تھے، قیدی ہوگئے ہم تو فدیہ لے کر ہی

چھوڑیں گے لہٰذا اُن سے فدیہ لیا۔ صحیح بخاری ص۴۲۸ ج ۱ میں ہے کہ انصار میں سے بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اجازت دیجئے کہ ہم عباس کی جان کا بدلہ چھوڑ دیں۔ آپ نے فرمایا نہیں ایک درہم بھی نہ چھوڑو۔ اور اپنے داماد ابوالعاص ابن الربیع کا جو فدیہ چھوڑا وہ بھی حضرات صحابہ سے اجازت لے کر چھوڑا تھا۔ یہ قانون میں مساوات اختیار کرنے کا ایک نمونہ ہے۔ لوگ مساوات کا نام تو لیتے ہیں لیکن جب اپنے پرائے کا سوال آتا ہے تو قانون بھول جاتے ہیں۔ قانون غیروں کے لئے ہوتا ہے، اور اپنی جان اور اپنے لوگ قانون سے بالاتر ہوتے ہیں، یہ اسلام کے طریقہ کے خلاف ہے

معلوماتِ ضروریہ متعلقہ غزوۂ بدر

قرآن مجید میں غزوۂ بدر کا جو تذکرہ فرمایا ہے اس کا بیان آیات کی تفسیر کے ذیل میں کر دیا گیا ہے۔ البتہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں جو کچھ معاملہ کیا گیا اس کا ذکر باقی ہے۔ وہ دو رکوع کے بعد آرہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ بعض چیزیں جو رہ گئیں جن کا حدیث اور سیرت کی کتابوں میں ذکر ہے، ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

۱۔ سترہ رمضان سنہ ۲ھ میں غزوۂ بدر ہوا۔

۲۔ مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی، جن میں مہاجرین کی تعداد ۷۶ تھی اور باقی انصار میں سے تھے، اوس میں سے بھی اور خزرج میں سے بھی۔ البدایہ والنہایہ ص۲۶۷ ج۳ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

۳۔ قریشِ مکہ جو بدر میں پہنچے تھے اُن کی تعداد ۹۰۰ سے لے کر ۱۰۰۰ تک کے درمیان تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ ۹۵۰ آدمی تھے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ایک ہزار سے بھی زیادہ تھے۔

۴۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا تھا کہ مشرکین میں سے فلاں فلاں شخص یہاں قتل ہو کر گرے گا، پھر ایسا ہی ہوا۔

۵۔ اس موقعہ پر ستّر مشرکین مقتول ہوئے اور ستّر افراد قید کر لئے گئے جن کی مُشکیں باندھ کر مدینہ منورہ لے جایا گیا۔

۶۔ مقتول ہونے والوں میں ابوجہل بھی تھا جو مشرکینِ مکّہ کو آمادہ کر کے لایا تھا اور جس نے فخر کرتے ہوئے بڑی بڑی باتیں کہی تھیں، اسے انصار کے دو لڑکوں نے قتل کر دیا۔ تھوڑی سی رمق باقی رہ گئی تھی وہ حضرت ابن مسعودؓ کے سر کاٹ دینے سے ختم ہو گئی۔ اس کا کٹا ہوا سر لیکر حضرت ابن مسعودؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے الحمد للہ فرمایا۔ انہیں مقتولین میں اُمیّہ بن خلف بھی تھا۔ یہ وہی شخص تھا جو حضرت بلالؓ کو اسلام قبول کرنے پر مار اپیٹا کرتا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقعہ پر انصار کو آواز دی اور کہا کہ یہ کفر کا سرغنہ بچ کر نہ نکل جائے۔ چنانچہ حضراتِ انصار نے اس کو گھیر لیا اور قتل کر دیا۔

۷۔ جو مشرکین بدر میں قتل ہوئے تھے ان کی نعشوں کو وہیں ایک کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔ البتہ امیہ بن خلف کی لاش پھول گئی تھی جب اُسے زرہ سے نکالنے لگے تو اس کے گوشت کے ٹکڑے ہو گئے۔ لہٰذا اسے وہیں چھوڑ دیا گیا اور اوپر سے مٹی اور پتھر ڈال دیے گئے۔

۸۔ جب ان لوگوں کو کنوئیں میں ڈال دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور ایک ایک کا نام لے کر فرمایا کیا تمہیں اس بات کی خوشی نہ ہوتی کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کر لیتے۔ ہم نے تو اُسے حق پایا جو ہمارے رب نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا کیا تم نے بھی وہ وعدہ حق پالیا جو تمہارے رب نے تم سے کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ایسے اجسام سے کلام فرما رہے ہیں جن میں روح نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو بات میں کہہ رہا ہوں اُن سے بڑھ کر تم زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ (یعنی جیسے تم سن رہے ہو ایسے وہ بھی سن رہے ہیں) حضرت قتادہ تابعی نے فرمایا کہ اللہ نے ان کو زندہ فرما دیا تھا تاکہ آپ کی بات ان کو سنائے اور ان کو حسرت اور ندامت ہو۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ○

(الصف ٨)

یہود کا تعارف

حق قبول کرنے والوں کی تعریف

نصاریٰ کا حال

منافقین کی شرارتیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو انصار کی محبت وعقیدت سے بھرپور خوشی ہوئی لیکن ساتھ ہی منافقوں سے اور یہودیوں سے واسطہ پڑا۔ ادھر تو ان لوگوں نے آپ کو اور آپ کے صحابہؓ کو اذیت پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کی حتیٰ کہ دونوں جماعتوں نے آپ کو شہید کرنے کا پروگرام بھی بنایا اور مکہ والوں نے بھی پیچھا نہ چھوڑا جنگ کرنے کے لئے بار بار جماعتیں بنا کر آئے۔ غزوۂ اُحد اور غزوۂ بدر اور غزوۃ الاحزاب اہل مکہ کے حملہ آور ہونے ہی کی وجہ سے پیش آیا، غزوۂ احزاب اور غزوہ احد میں یہودِ مدینہ کا بھی دخل تھا۔ غرض یہ کہ تیرہ سال مکہ معظمہ میں بڑی مصیبتوں سے گزارے یہاں آکر بھی قریشِ مکہ نے دکھ تکلیف دینے کی کوششیں جاری رکھیں اور یہودیوں اور منافقوں کی طرف سے جو ایذاء رسانی اور بے ایمانی اور مکاری کا سلسلہ شروع ہوا وہ مستقل مصیبت بنا رہا۔

منافقین، انصار کے دونوں قبیلوں اوس وخزرج میں سے بھی تھے اور یہودیوں میں سے بھی تھے جن کے نام سیرت ابن ھشام میں لکھے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پہنچنے سے پہلے اوس وخزرج کے دونوں قبیلے مسلمان ہوگئے تھے، ان میں اسلام پھیل گیا تھا حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت ابن اُم مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تعلیم وتدریس سے بعض اہلِ مدینہ نے قرآن شریف کی بعض سورتیں بھی یاد کرلی تھیں۔

منافقین نے ایک چال چلی اور اپنے خیال میں بڑی ہوشیاری کی تاکہ

دونوں ہاتھوں میں لڈو رہیں، مسلمانوں سے بھی فائدہ اٹھاتے رہیں اور ان لوگوں سے بھی جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اپنے خیال میں تو انہوں نے بڑی ہوشیاری کی چال چلی لیکن بُری طرح سے ذلیل ہوئے اور پھر ایسا وقت آیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو نام لے لے کر اپنی مسجد سے نکال دیا۔

پہلے یہود کا تعارف کرایا جاتا ہے جنہیں بنی اسرائیل کہا جاتا تھا، پھر نصاریٰ کا تعارف کرایا جائے گا پھر منافقین کی حرکتیں اور شرارتیں حیطۂ تحریر میں لائی جائیں گی انشاء اللہ تعالے۔

مدینہ منورہ میں تو نصاریٰ نہیں رہتے تھے لیکن چونکہ وہ بھی اہل کتاب تھے اور نجران سے آکر اسلام کو دل سے سچا مانتے ہوئے بھی قبول نہ کیا اور مباہلہ سے بھی راہِ فرار اختیار کی۔ اس لئے یہودیوں کے تذکرہ کے بعد نصاریٰ کا تذکرہ بھی آئندہ اوراق میں کردیا گیا ہے۔

بنی اسرائیل کا تعارف

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن اور اولاد

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا اصل وطن بابل کا علاقہ تھا، جہاں نمرود بادشاہ تھا، وہاں بُت پرست رہتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد بھی بُت پرست تھے۔ آپ نے ان لوگوں کو حق کی تبلیغ کی اور توحید کی دعوت دی اور اس سلسلہ میں بہت تکلیفیں اٹھائیں۔ ان کی پوری قوم دشمن ہو گئی، یہاں تک کہ ان کو آگ میں ڈالا گیا۔ ان کے واقعات جگہ جگہ قرآن میں مذکور ہیں۔ اُن کی بیوی کا نام سارہ تھا جو ان کے چچا کی لڑکی تھی اور ایک بیوی کا نام ہاجرہ تھا، حضرت سارہ سے حضرت اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت ہاجرہ سے اسماعیل السلام پیدا ہوئے۔ حضرت ہاجرہ وہی ہیں جنہیں مکہ معظمہ کے چٹیل میدان میں بحکم الٰہی چھوڑ دیا تھا۔ ان کے ساتھ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی تھے جو اس وقت گود میں تھے۔ مکہ معظمہ کو بالکل ابتداءً آباد کرنے والے یہی دونوں ماں بیٹے تھے۔ حضرت اسحٰق اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے علاوہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لڑکے تھے جن کے نام البدایہ والنہایہ ص۱۷۵ ج ۱ میں لکھے ہیں۔

حضرت اسحٰق علیہ السلام کے فرزند حضرت یعقوب علیہ السلام تھے، جن کا لقب اسرائیل تھا۔ ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ اور اُن کے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کنوئیں میں ڈال دیا تھا، جس کا قصہ سورۂ یوسف میں مذکور ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے کا نام یہودا تھا، اسی وجہ سے بنی اسرائیل کو یہودی بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ کلمہ ان لوگوں کے لئے کئی جگہ استعمال ہوا ہے، سورۂ بقرہ میں لفظ "ھودًا" بھی آیا ہے۔ یہ لفظ

عربی ہے ھَادَ یَھُوْدُ سے ماخوذ ہے جو توبہ کرنے کے معنی میں ہے اور ھَائِدٌ صیغۂ اسم فاعل کی جمع ہے۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ چونکہ ان لوگوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی۔ پھر توبہ کرلی تھی اس لئے ان کو ھُود کہا جانے لگا۔ پھر بعد میں وہ جماعت کا عَلَم یعنی نام بن گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ھَادَ بمعنی تَھَوَّدَ ہے اور اسی سے ھائد مشتق ہے جو تَھَوَّدَ کے معنی میں ہے اور اس کی جمع ھُوْدٌ ہے

بنی اسرائیل مصر میں

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ اقتدار میں مصر میں جا کر رہنے لگے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات ہوگئی تب بھی یہ لوگ مصر ہی میں رہتے رہے پشتہا پشت وہاں رہنے سے ان کی نسل بھی بہت زیادہ ہوگئی اور بارہ بھائیوں کی اولاد جو بارہ قبیلوں میں منقسم تھی، مجموعی حیثیت سے ان کی تعداد چھ لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ ان لوگوں کا اصل وطن کنعان تھا، جو فلسطین کا علاقہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنا اصلی وطن (بابل) چھوڑ کر اور ہجرت فرما کر اس علاقہ میں آباد ہوگئے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد مکہ معظمہ میں آباد رہی اور بڑھتی رہی اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کی نسل اولاً کنعان میں پھر مصر میں آباد ہوگئی جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد پر مشتمل تھی۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو ان لوگوں کا اقتدار میں کچھ حصہ بھی نہ رہا۔

چونکہ یہ لوگ مصر کے اصل باشندے نہیں تھے، اجنبی قوم کے افراد تھے اس لئے مصری قوم (قبط) کے افراد ان لوگوں سے بڑی بڑی بیگاریں لیتے تھے اور ان کو بُری طرح غلام بنا رکھا تھا۔ حد یہ ہے کہ ان کے لڑکوں کو ذبح کر دیتے تھے اور یہ اُن کے سامنے عاجزِ محض تھے، ان کے سامنے چوں بھی نہیں کر سکتے تھے غلامی کی ایسی بدترین مثال دنیا کی تاریخ میں کسی قوم کی نہیں ملتی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور دعوت

اللہ جل شانہ نے بنی اسرائیل میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا، جنہوں نے اس زمانہ کے ظالم اور جابر ترین بادشاہ فرعون کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ کا دین قبول کرنے کی دعوت دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے یہ بھی کہا کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیجدے۔ نہ اُس نے دعوتِ حق کو قبول کیا اور نہ بنی اسرائیل کو ان کے ساتھ بھیجنے پر راضی ہوا اور اس نے اعلان کیا کہ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی میں تمہارا سب سے زیادہ بلند معبود ہوں۔

بنی اسرائیل کا مصر سے نکلنا

بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے راتوں رات مصر سے نکل کھڑے ہوئے اور سمندر تک پہنچ گئے۔ جب صبح ہوکر ان کے نکلنے کا فرعون کو علم ہوا تو وہ اپنے لشکر لے کر ان کے پیچھے لگا اور سمندر پر پہنچ گیا حضرت موسی علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک سمندر پر مارا جس سے سمندر پھٹ گیا اور اس میں راستے بن گئے، اور بنی اسرائیل کے قبیلے اِن راستوں سے پار ہوگئے۔ ان کو دیکھ کر فرعون نے بھی اپنے لشکروں کو سمندر میں ڈالدیا جب فرعون اور اس کا لشکر بیچ سمندر میں آگیا تو اللہ جل شانہ نے سمندر کو ملادیا۔ فرعون کا لشکر تو ڈوب گیا اور حضرت موسی علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو لیکر سمندر پار ہوگئے۔ فرعون بھی اس عظیم حادثہ میں غرق ہوا فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى۔

مصر سے نکل کر چالیس سال میں وطن پہنچے

بنی اسرائیل سمندر پار تو ہوگئے لیکن اب سوال تھا کہ کہاں جاکر بسیں؟ اپنے ہی علاقہ میں جانا تھا اور وہ علاقہ بہت دور بھی نہیں تھا، آخر وہیں سے ان کے باپ دادے مصر میں آئے تھے اور چند دن میں اونٹوں پر پورا سفر قطع کرلیا تھا لیکن یہ چلے تو ان کو اپنے وطن پہنچنے میں چالیس سال لگ گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ستاتے رہے میدانِ تیہ میں چالیس سال سرگرداں

پھرتے رہے (صبح کو جہاں سے چلتے تھے شام کو وہیں پہنچ جاتے تھے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف ملی، وہ طور پہاڑ پر توریت شریف لینے گئے تو پیچھے ان لوگوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کر لی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم تو تمہاری بات جب مانیں گے جب ہم اللہ تعالیٰ کو آمنے سامنے دیکھ لیں۔ ان کی غذا کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مَن اور سلویٰ ملتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے، ہم کو سبزی، پیاز، کھیرا وغیرہ چاہیئے۔ جب توریت شریف لے کر موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا پہاڑ طور اکھاڑ کر ان پر سائبان کی طرح کھڑا کر دیا گیا۔ یہ واقعات اسی میدان میں پیش آئے۔ جس میں چالیس سال حیران اور سرگرداں گزارے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہیں وفات ہو گئی۔ ان کی وفات کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے زمانہ میں اُن کا علاقہ فتح ہوا اور بیت المقدس میں داخلہ نصیب ہوا۔ ان کو حکم ہوا تھا کہ عاجزی کے ساتھ اور خطاؤں کی معافی مانگتے ہوئے عاجزی کے ساتھ داخل ہوں انہوں نے اس کی خلاف ورزی کی۔

بنی اسرائیل کے یہ واقعات مختلف مواقع میں قرآن مجید میں مذکور ہیں۔

بنی اسرائیل کو یہودی بھی کہا جاتا ہے۔

یہودی مدینہ میں کب آئے؟

اس کے بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان کے وطن بیت المقدس کو جب بخت نصر (مشہور کافر بادشاہ) نے منہدم کر لیا اور وہاں کے رہنے والوں کو جلا وطن کر دیا اور بنی اسرائیل (یہود) میں سے بڑی مقدار میں لوگوں کو قید کر لیا تو ان میں سے ایک جماعت نے حجاز کی طرف رُخ کیا، ان میں بعض وادی القریٰ میں اور بعض تیماء اور بعض مدینہ منورہ میں آکر مقیم ہو گئے۔ یہاں پہلے سے کچھ لوگ بنی جرہم کے اور کچھ بقایا عمالقہ کے آباد تھے۔ انہوں نے کھجوروں کے باغ لگا رکھے تھے اور کھیتیاں کرتے تھے، یہودی ان کے ساتھ ٹھہر گئے اور گھل مل کر رہنے

لگے پھر یہ بڑھتے رہے اور بنی جرہم اور عمالقہ کم ہوتے رہے یہاں تک کہ ان کو یہودیوں نے مدینہ منورہ سے نکال دیا اور مدینہ منورہ پوری طرح ان کے تسلط میں آگیا، اس کی عمارتیں اور کھیتیاں سب انہیں کی ہوگئیں اور ایک مدت تک جس کا علم اللہ ہی کو ہے اسی حال میں یہ لوگ مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔

(فتوح البلدان للبلاذری ص۲۹)

بعض مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہودی علماء توریت شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات پڑھتے تھے، ان میں یہ بھی تھا کہ آپ کی ہجرت ایسے شہر کی طرف ہوگی جس میں کھجوریں ہوں گی اور وہ دو پتھریلی زمینوں کے درمیان ہوگا لہٰذا وہ شام سے آئے اور اس صفت کے شہر کی تلاش میں نکلے تاکہ اسی شہر میں جاکر رہیں اور مبعوث ہونے والے نبی پر ایمان لائیں اور ان کا اتباع کریں جب مدینہ منورہ آئے، وہاں کھجوریں دیکھیں، تو وہ سمجھ گئے کہ یہی وہ شہر ہے جس کی تلاش میں ہم نکلے ہیں اور پھر وہیں رہنے لگے۔

(عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار ص۲۱ و معجم البلدان للحموی ص۸۴ ج ۵)

اوس و خزرج کا مدینہ میں آکر آباد ہونا

مدینہ منورہ کی آبادی بہت پرانی آبادی ہے اس کا پرانا نام یثرب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرمانے کے بعد اس کا نام مدینۃ الرسول، طابہ اور طیبہ معروف ہوگیا۔ اور المدینہ، نیز المدینۃ المنورۃ کے نام کی زیادہ شہرت ہوگئی۔ یہودیوں کے مدینہ منورہ میں آکر بسنے کے سالہاسال کے بعد یمن کے دو قبیلے اوس اور خزرج بھی مدینہ منورہ آکر آباد ہوگئے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرماکر تشریف لائے تو مدینہ منورہ میں تین بڑے قبیلے یہودیوں کے یعنی بنی نضیر، بنی قریظہ، بنی قینقاع۔ اور دو قبیلے یمن سے آکر آباد ہونے والوں کے موجود تھے، یعنی اوس اور خزرج۔ یہی دونوں قبیلے ہیں جو بعد میں انصار بنے۔

یہود کے قبیلوں اور اوس و خزرج میں لڑائیاں

یہ دونوں قبیلے بت پرست

تھے، آپس میں بھی ان کی لڑائیاں ہوتی تھیں اور یہودیوں سے بھی جنگ ہوتی رہتی تھی۔ یہودی اہلِ کتاب تھے اور اہلِ علم سمجھے جاتے تھے۔ جب یمن کے ان دونوں قبیلوں سے ان کی لڑائی ہوتی تھی تو کہا کرتے تھے کہ ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں، ان کا زمانہ آنے گا ہم ان کا اتباع کر کے اور ان کے ساتھی بن کر تمہارا ناس کھودیں گے۔

اوس وخزرج کا اسلام قبول کرنا

حج کے موقعہ پر پہلی ملاقات میں جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس اور خزرج کے چند افراد پر اپنی دعوت پیش کی تو یہ لوگ آپس میں کہنے لگے کہ یہ تو وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کی تشریف آوری کی خبر یہودی دیا کرتے ہیں اور ہمیں دھمکیاں دیتے ہیں کہ نبی آخر الزماں تشریف لائیں گے تو ہم ان کے ساتھ مل کر تمہیں قتل کردیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ آگے بڑھ جائیں۔ لہٰذا ہمیں یہ دین قبول کرلینا چاہیے۔ چنانچہ یہ حضرات مسلمان ہوگئے اور مدینہ منورہ آکر انہوں نے اسلام کی تبلیغ شروع کردی اور انصار کے دونوں قبیلوں میں اسلام پھیل گیا۔

پھر دونوں قبیلوں کے نمائندوں نے موسم حج میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور آپ سے بیعت کی اور عرض کیا آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئیں۔

یہودیوں کا حق قبول کرنے سے انکار اور عناد پر اصرار

سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہر مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، چالیس سال عمر شریف ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا آپ سے پہلے جو انبیاء کرام تھے وہ اپنی اپنی قوموں کی طرف مبعوث ہوئے تھے آپ کی بعثت عام ہے سارے انسانوں اور سارے جنات کے لئے ہے، اور آپ رسول الثقلین ہیں۔ تمام مشرکین اور تمام یہود و نصاریٰ کو اسلام کی دعوت دینا اور حق کی تبلیغ کرنا آپ کے فرائض میں سے تھا۔ آپ نے تمام اقوام کو اسلام کی دعوت دی اور واضح طور پر بتا دیا کہ اے لوگو! میں اللہ تعالیٰ

کی طرف سے تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ توحید کی دعوت سن کر مشرکین تو آپ کے دشمن ہو ہی گئے، یہودیوں نے بھی دشمنی پر کمر باندھ لی اور نصاریٰ بھی حق سے منحرف ہو گئے، ان دونوں جماعتوں میں سے تھوڑے ہی افراد نے اسلام قبول کیا، علامات اور آپ کی صفات اور توریت وانجیل کی تصریحات جانتے ہوئے قبول نہیں کرتے تھے۔ یہودیوں نے تو بہت ہی زیادہ جحود اور عناد وعداوت پر کمر باندھی اور اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بن گئے اور آج تک ہیں، خود بھی اسلام کو مٹانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اور نصاریٰ کو بھی اسلام دشمنی پر ابھارتے ہیں اور گو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہمارے سوا کوئی بھی جنت میں داخل نہ ہو گا لیکن یہ کوششیں پھر بھی جاری ہیں کہ کوئی قوم اسلام قبول نہ کرلے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ نصاریٰ اور ہندو اور بدھسٹ جنت میں جانے والے تو نہیں ہیں لیکن اسلام کی دشمنی میں اس سے خوش ہیں کہ وہ مسلمان نہ ہوں۔ نہ صرف یہ کہ خود اسلام قبول نہیں کرتے اور دوسروں کو قبول کرنے نہیں دیتے بلکہ ان کی خواہش رہتی ہے کہ مسلمان بھی اسلام کو چھوڑ دیں (العیاذ باللہ)

قرآن مجید میں جگہ جگہ اہل کتاب سے خطاب فرمایا ہے، انہیں دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی ہے اور ان کی گمراہی اور حق سے انحراف اور ان کی بری حرکتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ سورہ مائدہ میں ارشاد فرمایا:

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (۱۹)	اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا یہ رسول آپہنچا جو کہ تم سے صاف صاف بیان کرتا ہے ایسے وقت میں کہ رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا تاکہ تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر نہیں آیا، سو تمہارے پاس بشیر اور نذیر آچکا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں۔

سورۃ البقرہ میں فرمایا :

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ○ (۸۸)

اور انہوں نے کہا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں. بلکہ اُن کے کفر کی وجہ سے اُن کو اللہ نے ملعون قرار دیدیا سو بہت کم ایمان لاتے ہیں

یہودی اسلام کو قبول نہیں کرتے تھے اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے تھے، آپ کی سچائی کی علامات اور معجزات دیکھ کر بھی منحرف تھے اور اس گمراہی کو اپنے لئے کمال اور باعثِ فخر سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم ایمان لانے والے نہیں ہیں ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوتے ہیں، کسی کی بات ہمارے دلوں پر اثر نہیں کر سکتی اور اپنے دین کے علاوہ ہم کوئی دوسرا دین قبول نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی تردید فرمائی کہ یہ بات کو سنتے اور سمجھتے ہیں اور حق بھی جانتے ہیں لیکن حق سے ان کو تنفر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ملعون قرار دیدیا ہے، لعنت اور پھٹکار میں گرفتار ہیں، دلوں پر پردے اور غلاف کچھ نہیں کفر کی پھٹکار اور لعنت کے سبب ایمان سے محرومی ہے۔ سورۃ نساء میں فرمایا : بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (۱۵۵) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مُہر مار دی۔ غرض یہ ہے کہ کفر میں ان کی پختگی لعنت اور پھٹکار اور دلوں پر مُہر لگ جانے کے سبب سے ہے جس پر وہ فخر کر رہے ہیں۔ قبحهم الله۔

یہ جو فرمایا کہ بہت کم ایمان لاتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان لاتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی تھا لیکن تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانے کا جو حکم دیا گیا تھا جن میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی بھی ہے اس سے منکر ہو گئے۔ ایک نبی کی تکذیب بھی کفر ہے تھوڑا سا ایمان آخرت میں کام نہیں دے گا۔ بعض مفسرین نے فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ○ کا یہ معنی بھی بتایا ہے کہ ان میں سے بہت کم لوگ ہوں گے جو ایمان لائیں گے۔

مزید فرمایا:

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○

(البقرۃ: ۸۹، ۹۰)

اور جب اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب پہنچی وہ اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس ہے اور حال یہ تھا کہ اس سے پہلے وہ کافروں کے مقابلہ میں فتح یابی طلب کرتے تھے پس جب وہ چیز ان کے پاس آگئی جس کو پہچان لیا تو اس کے منکر ہوگئے سو اللہ کی لعنت ہے کافروں پر، بُری چیز ہے وہ جس کو اختیار کر کے اپنی جانوں کو خرید لیا یہ کہ کفر کریں اس چیز کے ساتھ جو اللہ نے اتارا حسد کرتے ہوئے اس بات پر کہ اللہ اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نازل فرمائے، سو وہ لوگ غضب پر غضب کے مستحق ہوگئے اور کافروں کے لئے عذاب ہے ذلیل کرنے والا۔

مزید فرمایا:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو اتارا گیا ہم پر، اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اس کے منکر ہوتے ہیں حالانکہ وہ حق ہے اس کی تصدیق کرنے والا جو ان کے پاس ہے، آپ فرما دیجئے سو تم کیوں اللہ کے نبیوں کو اس سے پہلے قتل کرتے رہے ہو اگر تم مومن ہو، اور بلاشبہ

الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ○ (البقرة : ۹۱، ۹۲)

موسیٰ تمہارے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے پھر تم نے ان کے بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا، حالانکہ تم ظالم تھے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مدینہ منورہ میں یہودی اس لئے آ کر آباد ہوئے تھے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوگی تو ہم ان کا اتباع کریں گے، یہ لوگ اپنے کو موحد سمجھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ ہم دینِ سماوی کے حامل ہیں، اوس اور خزرج کے قبیلے بھی یمن سے آ کر مدینہ منورہ میں آباد ہوئے تھے۔ یہ لوگ بت پرست مشرک تھے، یہودیوں سے ان لوگوں کی جنگ ہوتی رہتی تھی اور یہودی ان سے کہا کرتے تھے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے ان کی بعثت کا زمانہ قریب آ چکا ہے، ہم ان پر ایمان لا کر اُن کے ساتھ ہو کر تم سے جہاد کریں گے اور اس وقت تمہارا ناس کھو دیں گے اور قوم عاد کی طرح تمہارا قتل عام کرینگے بلکہ بعض روایات میں ہے کہ یہودی یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ اس نبی کی بعثت فرما جس کے مبعوث ہونے کا ہماری کتاب میں ذکر ہے تاکہ ہم اس کے ساتھ مل کر عرب کے مشرکوں کو قتل کریں۔ یہ لوگ نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور صفت جانتے تھے جو توریت شریف میں مذکور تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوگئی اور آپ مدینہ منورہ میں بھی تشریف لے آئے اور یہودیوں نے آپ کو اُن علامات اور صفات کے ذریعہ پہچان بھی لیا جو اُن کے علم میں تھیں کہ یہ واقعی نبی آخر الزماں ہیں، ہم جن کے انتظار میں تھے۔ انہوں نے آپ کے معجزات بھی دیکھے اور سب کچھ دیکھتے ہوئے آپ کی نبوت اور رسالت کے منکر ہو گئے۔ اُن کو اوس اور خزرج کے بعض افراد نے توجہ بھی دلائی اور کہا کہ اے یہودیو! تم اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرو تم ہی تو کہا کرتے تھے کہ نبی آخر الزماں تشریف لانے والے ہیں تم ان کی صفات بھی بیان کرتے تھے اور ہم سے یوں کہتے تھے کہ ہم نبی آخر الزماں پر ایمان لا کر اور اُن کے

ساتھ مل کر تمہیں مغلوب اور مقہور کردیں گے۔ لہٰذا اب تم حق کو قبول کرو نبی آخر الزماں پر ایمان لاؤ اور مسلمان ہو جاؤ۔ اس پر انہوں نے کہا کہ یہ وہ نبی نہیں ہیں ہم جس کے انتظار میں تھے وہ تو ہم ہی میں سے ہوگا، عرب میں سے نہیں ہوگا۔ جانتے پہچانتے ہوئے منکر ہو گئے اور یہ حسد اُن کو کھا گیا کہ نبی عرب میں سے کیوں آیا۔

اس آیت میں اُن کے اسی انکار اور حق سے انحراف کرنے کا تذکرہ ہے اور اخیر میں یہ فرمایا ہے کہ کافروں پر اللہ کی لعنت ہے جو حق اور حقیقت کو جانتے ہیں پھر بھی اس کے ماننے سے منکر ہیں۔ (من ابن کثیر ص۸۲۳ ج۱)

سورۂ آل عمران میں فرمایا:

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ٥ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ٥ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ٥ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ٥ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ

اہل کتاب کی ایک جماعت نے اس بات کی خواہش کی کہ کسی طرح تمہیں گمراہ کردیں۔ اور وہ گمراہ نہیں کرتے مگر اپنے ہی نفسوں کو اور وہ نہیں سمجھتے، اے اہل کتاب تم کیوں کفر کرتے ہو اللہ کی آیات کے ساتھ، حالانکہ تم اقرار کرتے ہو، اے اہل کتاب تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں مخلوط کرتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو۔ اور کہا اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہ ایمان لاؤ اس پر جو نازل کیا گیا مسلمانوں پر دن کے شروع حصہ میں اور منکر ہو جاؤ دن کے آخر حصہ میں، امید ہے کہ یہ لوگ واپس لوٹ آئیں۔ اور اقرار مت کرنا مگر ایسے شخص کے سامنے جو تمہارے دین کا تابع ہو۔ آپ فرما دیجیے کہ بلاشبہ ہدایت وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے، یہ باتیں تم اس لئے کرتے ہو کہ

عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

(۶۹، ۰، ۱، ۷، ۲۰۲)

کسی دوسرے کو ایسی چیز مل رہی ہے جو تمہیں دی گئی یا اس لئے کہ وہ تم پر دلیل میں غالب ہو جائیں گے تمہارے رب کے پاس. آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ اُسے عطا فرماتا ہے جسے چاہے، اور اللہ واسع ہے خوب جاننے والا ہے. وہ مخصوص فرماتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے.

سورۂ مائدہ میں ارشاد فرمایا:

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ۝ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝

(۹۱، ۹۲، ۹۳)

اور جب یہ لوگ تم لوگوں کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ وہ کفر کے ساتھ داخل ہوئے اور کفر ہی کو لیکر چلے گئے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جس کو یہ پوشیدہ رکھتے ہیں، اور آپ ان میں بہت آدمی ایسے دیکھتے ہیں جو دوڑ دوڑ کر گناہ اور ظلم کرتے ہیں اور حرام کھانے پر گرتے ہیں واقعی ان کے یہ کام بُرے ہیں، ان کو مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام مال کھانے سے کیوں نہیں منع کرتے واقعی ان کا یہ طرزِ عمل بُرا ہے.

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ

آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب تم کیوں انکار کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے احکام کا حالانکہ

عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ۝ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝
(آل عمران: ۹۸، ۹۹)

اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی اطلاع ہے، آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب کیوں ہٹاتے ہو اللہ تعالیٰ کی راہ سے ایسے شخص کو جو ایمان لاچکا اس طور پر کہ تم اس میں کجی تلاش کرتے، حالانکہ تم خود گواہ ہو، اور ان کاموں سے اللہ غافل نہیں جن کو تم کرتے ہو۔

سورۂ مائدہ میں فرمایا:

وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا (۴۱)

اور یہودیوں میں سے جاسوسی کرنے والے ہیں جھوٹ کہنے کے لئے اور دوسری جماعت کے جاسوس ہیں جو آپ تک نہیں آئے، کلمات کو ہٹا دیتے ہیں ان کی جگہ سے، کہتے ہیں اگر تمہیں یہ ملے تو لے لو اور نہ ملے تو بچو۔

نیز سورۃ المائدہ میں ارشاد فرمایا:

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ (۴۲)

وہ جھوٹ بولنے کیلئے کان لگا کر سننے والے اور حرام خوری کرنے والے ہیں اگر وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ فیصلہ کردیں یا ان سے اعراض کریں۔

سورۃ البقرہ میں فرمایا:

وَاٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْۤا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۪ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۫ وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ۝ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ

اور (اے بنی اسرائیل) تم اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کی ہے جو اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو تمہارے پاس ہے تم سب سے پہلے انکار کرنے والے نہ ہو اور اللہ کی آیات کے ذریعہ تھوڑی سی قیمت

بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (۴۲،۴۱) — حاصل نہ کرو اور مجھ ہی سے ڈرو اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور حق کو نہ چھپاؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ میں یہ بتادیا کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے تمہارے لئے اس کی مخالفت کرنے اور اس پر ایمان نہ لانے کی کوئی وجہ نہیں، یہ قرآن تو اس کتاب کی تصدیق کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے رسول یعنی موسیٰ علیہ السلام پر اتاری تھی۔ اگر یہ قرآن تمہاری کتاب کے مخالف کچھ بیان کرتا، تو تمہارے لئے اس سے انحراف کرنے کی کوئی وجہ بھی تھی اللہ جل شانہ کی سب کتابیں آپس میں متفق ہیں یعنی سب توحید کی دعوت دیتی ہیں، عقائد میں کوئی اختلاف نہیں جن پر دینِ حق کی بنیاد ہے، فروعی احکام میں جو اختلاف ہے وہ احوالِ حاضرہ کے اعتبار سے ہے۔

نیز سورہ بقرہ میں فرمایا:

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ (۷۵) — کیا تم یہ امید کرتے ہو کہ یہ تمہاری بات مان لیں گے حالانکہ ان میں سے ایک فریق کا حال یہ تھا کہ وہ اللہ کا کلام سنتے تھے پھر وہ اسے سمجھنے کے بعد اس میں تحریف کر دیتے تھے حالانکہ وہ جانتے تھے (کہ اللہ کی کتاب میں تحریف کرنا بہت بڑا جرم ہے)

بعض مسلمان امید رکھتے تھے کہ یہودی مسلمان ہو جائیں گے، اس پر آیتِ بالا نازل ہوئی۔

نیز سورہ بقرہ میں ارشاد ہے:

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (۱۴۴) — اور بے شک جن لوگوں کو کتاب دی گئی وہ جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ ان کاموں سے غافل نہیں جو یہ کرتے ہیں

مزید ارشاد ہے :

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ○ (البقرۃ : ۱۴۶)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ رسول کو پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، بلاشبہ ان میں ایسے لوگ ہیں جو حق کو ضرور چھپاتے ہیں حالانکہ جانتے ہیں۔

بعض اہل کتاب، کتاب اللہ میں تحریف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے

وَاِنَّ مِنْھُمْ لَفَرِیْقًا یَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَھُمْ بِالْکِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْکِتٰبِ وَمَا ھُوَ مِنَ الْکِتٰبِ ۚ وَیَقُوْلُوْنَ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَیَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْکَذِبَ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ○ (آل عمران : ۷۸)

اور بلاشبہ ان میں ایک گروہ ایسا ہے جو اپنی زبانوں کو موڑ کر کتاب بیان کرتا ہے تاکہ تم اس کو کتاب سے سمجھو حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے پاس سے ہے حالانکہ وہ اللہ کے پاس سے نہیں ہے، اور وہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی، یہ لوگ توریت شریف میں تحریف اور تغیر کرتے تھے، بیان کرتے ہوئے اس انداز سے زبان موڑ کر بات کر جاتے تھے کہ سننے والا یہ سمجھ لے کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں یہ اللہ کی کتاب میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات جو توریت شریف میں پائی تھیں ان کو بدل دیا اور آیتِ رجم کو چھپا لیا۔ تحریف کرتے ہوئے جو بات کہتے تھے اس کو ایسے انداز میں پیش کرتے تھے کہ سننے والا یہ سمجھے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ ان کی اپنی بنائی ہوئی بات ہوتی تھی، اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ صاف ہی کہہ دیتے تھے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ بات خود تراشیدہ

ہوتی تھی۔ اَلْسِنَتَهُمْ کا جو مطلب اوپر عرض کیا گیا اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص سے مدعی نے کہا کہ تو کعبہ کی قسم کھا اس نے زبان دبا کر کابک کی قسم کھالی دوسرے کاف کی طرف مدعی اور دوسرے سننے والوں کا ذہن بھی نہ گیا، انہوں نے سمجھا کہ اس نے واقعی کعبہ کی قسم کھالی، پھر جب مجلس سے جدا ہوا تو اس کے متعلقین نے کہا کہ تو نے جھوٹی قسم کھائی تو کہنے لگا کہ میں نے تو کابک کی قسم کھائی ہے۔

کابک بعض علاقوں میں کبوتر بند کرنے کے پنجرے کو کہتے ہیں۔ کعبہ کی قسم کھانا بھی جائز نہیں ہے۔

یہ ایک مثال ذہن میں آئی تھی عرض کر دی اس طرح کے اور بھی واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں کہ یہ کلمہ لوی لسانہ عن کذا سے ماخوذ ہے اور یہ غیّر کے معنی میں ہے۔ حافظ ابن کثیر اس کا معنی بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یحرفون الکلم عن مواضعہ ویبدلون کلام اللہ و یزیلونہ عن المراد بہ لیوھموا الجھلۃ انہ فی کتاب اللہ کذلک و ینسبونہ الی اللہ وھو کذب علی اللہ وھم یعلمون من انفسھم انھم قد کذبوا وافتروا فی ذلک کلہ۔

حافظ بغوی اور حافظ ابن کثیر نے زبان موڑ کر بیان کرنے کا معنی یہی لیا ہے کہ وہ اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے ہیں یعنی اس کا مطلب غلط بتاتے ہیں اور لوگوں کو یہ سمجھاتے ہیں کہ ہم نے اللہ کی کتاب کا مطلب تمہارے سامنے صحیح بیان کیا ہے وہ لوگ تحریف کرتے تھے اور اپنے ہاتھ سے لکھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے اور جان بوجھ کر یہ گناہ کرتے تھے۔

سورۂ بقرہ میں فرمایا:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ

اَیۡدِیۡهِمۡ وَوَیۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا یَکۡسِبُوۡنَ (البقرۃ:۷۹) چونکہ اللہ کی کتاب کی تعلیم اُن کے ہاں عام نہیں تھی اور چند علماء ہی ٹھیکیدار بنے ہوئے تھے اس لئے اپنے عوام کو جو چاہتے تھے سمجھا دیتے تھے۔ امتِ محمدیہ میں بھی بعض فرقے جو اہلِ ھوی ہیں، حقیر دنیا کے لئے اہل کتاب کی نقل اتارتے ہیں، ایک واعظ صاحب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے منکر تھے اپنے عوام کو خوش کرنے کے لئے قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ کا ترجمہ کرتے ہوئے ما کو نافیہ بتلا گئے اور اس سے بشریت کی نفی ثابت کر گئے۔ اہل ہویٰ کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ خواہ کافر ہی ہو جائیں لیکن ان کے عوام ناراض نہ ہوں اور عوام سے جو ملتا ہے وہ ملتا رہے۔

آیاتِ مذکورہ بالا میں اہل کتاب کو اور تمام انسانوں کو ہدایت پر آنے اور حق قبول کرنے کی دعوت دی ہے اور خاص طور سے یہودیوں کی حرکتیں اور شرارتیں بیان فرمائی ہیں جو باتیں آیاتِ مذکورہ سے مستنبط ہوتی ہیں ان کو ذہن نشین کر لینا چاہئے:

۱۔ یہودیوں کا طریقہ تھا کہ اپنی خواہشِ نفس کے مطابق رسول چاہتے تھے یعنی یہ چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جو رسول بھیجے وہ ہماری خواہش کے مطابق ہو، اس میں یہ خواہش بھی شامل تھی کہ رسول صرف ہم ہی میں سے ہو اگر دوسری کسی قوم سے رسول ہوگا تو اسے نہیں مانیں گے۔ جن رسولوں کو اپنی خواہش کے مطابق نہ پایا ان کو نہیں مانا اور رسولوں کی ایک جماعت کو قتل کر چکے تھے یہودیوں کو یہ ناگوار تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جس کو چاہے رسول بنا دے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے بھی ناراض تھے کہ اس نے ہمارے علاوہ دوسری قوم میں رسول کیوں بھیجا

۲۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب اچھی طرح پہچان گئے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان سے خطاب کر کے فرمایا جو کتاب میں نے اب نازل کی ہے جس کی صفت یہ ہے کہ وہ اس کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے جو تمہارے رسول پر نازل ہوئی تھی لہٰذا تم اس پر ایمان لاؤ وَلَا تَکُوۡنُوۡۤا اَوَّلَ کَافِرٍۭ بِهٖ

اور تم اس کے سب سے پہلے انکار کرنے والے نہ بنو (جاننے والے کو سب سے پہلے اقراری ہونا چاہیئے نہ یہ کہ جب اس کے پاس حق آجائے تو اس کا منکر ہوجائے اور اپنے بعد والوں کو بھی ہدایت سے روکنے والا بن جائے)

۲؎ ان لوگوں کو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا علم تھا، اپنی کتاب توریت شریعت میں آپ کا ذکر پاتے تھے، جب آپ تشریف لے آئے تو اللہ کی کتاب کو پیچھے ڈال دیا گویا کہ انہیں پتہ ہی نہیں یہ لوگ کہتے تھے کہ جو کچھ ہم پر نازل ہوا ہم اُسی پر ایمان لائے اس کے علاوہ جو بھی کچھ ہے ہم اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے لیکن ساتھ ہی یوں کہتے تھے کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں ہمیں کسی پر ایمان لانا نہیں ہے۔

۳؎ اور انہوں نے ایک یہ مکاری والا طریقہ نکالا تھا کہ آپس میں یوں کہتے تھے کہ صبح صبح کو مسلمان ہوجاؤ اور شام کو کافر ہوجانا تاکہ دوسرے مسلمان بھی تمہارے ساتھ کفر پر واپس آجائیں۔

۵؎ یہودیوں نے یہ طریقہ بھی نکال رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی توریت شریف میں تحریف کرنے کو اپنا خاص شغل بنا رکھا تھا اور توریت شریف کے خلاف مسائل بتا کر ان کے علماء رقمیں وصول کیا کرتے تھے اور عوام کا یہ حال تھا کہ انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو ارباب بنا رکھا تھا یعنی انہوں نے انہیں خدائی اختیارات دے رکھے تھے اور تحلیل وتحریم کا مرتبہ دے رکھا تھا۔

۶؎ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں یہودی آتے تھے تاکہ جو کچھ آپ کی مجلس میں سنیں اپنے بڑوں کو (جو حاضر خدمت نہیں ہوتے) مجلس کی باتیں پہنچادیں۔

۷؎ یہ لوگ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو بھی کافر بنالیں یعنی اپنی مکاریوں سے اور چالبازیوں سے ان کو بھی دین حق سے ہٹادیں اللہ تعالیٰ نے اُن سے خطاب فرمایا

کہ تم اللہ تعالیٰ کے راستے سے کیوں روکتے ہو اور ٹیڑھا راستہ کیوں تلاش کرتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔

۸ یہودیوں میں گنہگاری اور ظلم وزیادتی اور حرام کھانے کا سلسلہ جاری تھا

۹ یہ لوگ حق کو باطل کے ساتھ ملاتے تھے اور حق کو چھپاتے تھے دوسری قوموں کو بھی اسلام میں نہیں آنے دیتے تھے۔

۱۰ ان میں جو درویش بنے ہوئے تھے اور جو علماء تھے انہیں گنہگاری کے اقوال سے اور حرام کھانے سے نہیں روکتے تھے۔

یہودی مدینہ منورہ میں رہتے تھے لیکن نہ اسلام قبول کرتے تھے اور نہ اسلام دشمنی میں کوئی کوتاہی کرتے تھے اور اپنے بارہ میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے اولیاء ہیں جیسا کہ نصاریٰ کا بھی یہ دعویٰ تھا۔ اور دونوں قوموں کا دعویٰ تھا کہ جو شخص ہمارا دین قبول کرلے گا وہی ہدایت پر ہوگا۔ سورۂ بقرہ میں فرمایا:

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا — اور انہوں نے کہا کہ یہودی یا نصاریٰ ہو جاؤ تم ہدایت پا جاؤ گے۔

ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ٥ (۱۳۵) — آپ فرما دیجئے بلکہ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو جو کہ پوری طرح حق کے طرفدار تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔

دونوں جماعتوں کی تردید فرمادی کہ تم حق پر کیسے ہو سکتے ہو جبکہ مشرک ہو، توحید کو چھوڑ چکے ہو (یہودی حضرت عزیرؑ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے تھے اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو) پھر یہود و نصاریٰ یہ بھی کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اس کے اولیاء ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی مانتے تھے کہ ہم چند دن کے لئے دوزخ میں چلے جائیں گے۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت

کا اقرار نہیں کرتے تھے، پھر ساتھ ہی یہ بھی کہتے تھے کہ دارِ آخرت اللہ کے نزدیک صرف ہمارے ہی لئے ہے۔ ایسی جھوٹی امیدوں نے انہیں تباہ کر رکھا تھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے آپ سے سوالات کرتے تھے جواب مل جانے پر بھی کفر ہی پر جمے رہتے تھے، ضد اور عناد کی حد کردی۔ یہ جانتے ہوئے کہ حق کا منکر ہونے سے دوزخ میں جائیں گے پھر بھی کفر کو نہیں چھوڑتے تھے۔

کچھ یہودیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ایسا کرو کہ صبح کے وقت مسلمانوں کے ساتھ ہو جاؤ اور ان سے کہدو کہ ہم بھی تمہاری طرح مؤمن ہیں اور شام کو کافر ہو جاؤ ممکن ہے تمہاری دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی اسلام سے پھر جائیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ تم اسی پر ایمان لاؤ جو تمہارے دین کا تابع ہو ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ آپ فرما دیجئے کہ بے شک ہدایت اللہ ہی کی ہدایت ہے (جو شخص اللہ کی ہدایت سے منہ موڑیگا وہ باطل پر ہوگا اور عذاب الیم کا مستحق ہوگا)

یہودیوں کی یہ بھی شرارت تھی کہ خدمت عالی میں آتے تھے تو رَاعِنَا کہتے تھے، عربی میں اس لفظ کا معنی ہے کہ ہماری طرف توجہ فرمائیے لیکن عبرانی زبان میں یہ بددعا کے معنی میں ہے، یہ لوگ حاضر خدمت ہو کر اس لفظ کو استعمال کرتے تھے تا کہ سننے والے یہ سمجھیں کہ یہ لوگ یوں کہہ رہے ہیں کہ ہماری رعایت فرمائیے اور اندر دل میں برے معنی کی نیت کرتے تھے سورہ نساء میں فرمایا:

لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ (۴۶) یہ لوگ جو رَاعِنَا کہتے ہیں زبان موڑ کر کہتے ہیں ان کا مقصد دین میں طعن کرنا ہے۔ ان کی دیکھا دیکھی بعض مسلمان بھی رَاعِنَا کہکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر لیتے تھے۔ چونکہ

اس سے یہودیوں کو اس لفظ کے کہنے کی سند ملتی تھی اس لئے مسلمانوں کو اس لفظ کے کہنے سے روک دیا گیا، فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا . (البقرۃ: ۱۰۴)	اے ایمان والو! رَاعِنَا نہ کہو بلکہ اُنْظُرْنَا کہو (تاکہ یہود کو اس لفظ کے کہنے کی سند نہ ملے)

حضرت سعد یہودیوں کی زبان جانتے تھے انہوں نے محسوس کرلیا کہ یہودی راعنا کہتے ہیں اور آپس میں ہنستے ہیں اور یہ کلمہ شرارت سے کہتے ہیں لہذا انہوں نے یہودیوں سے کہا کہ آئندہ تم میں سے کسی نے یہ لفظ بولا تو میں گردن ماردوں گا۔

یہودیوں کی گمراہی اور گمراہی پر جمنے اور اسلام کی دشمنی میں دوسروں کو جمانے کا ایک قصہ اور سنو، اور وہ یہ ہے کہ چند یہودی مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے اُبھارنے اور ترغیب دینے کے لئے مکہ معظمہ پہنچے، قریشِ مکہ مشرک تھے انہوں نے آپس میں کہا کہ یہودیوں میں علماء ہیں، ان کے پاس پہلی کتابوں کا علم ہے ان سے دریافت کرو کہ تمہارا دین (شرک والا) بہتر ہے یا محمد علیہ السلام کا دین (توحید والا) بہتر ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے علماء یہود سے یہ بات پوچھی، علماء یہود نے جواب میں کہا کہ تمہارا دین محمد کے دین سے بہتر ہے اور تم محمد علیہ السلام اور ساتھیوں کے بنسبت زیادہ ہدایت پر ہو۔ اللہ اکبر! ضد اور ہٹ دھرمی کیسی بُری بلا ہے؟

سورۃ نساء میں فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ	کیا آپ نے ان کو دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا باطل اور شیطان پر ایمان لاتے ہیں اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں کی بنسبت

اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ	زیادہ ہدایت یافتہ ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن
لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ	پر اللہ نے لعنت کردی اور اللہ جس پر لعنت
فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ○ (۵۱)	کر دے تو اے مخاطب تو اس کے لئے
	کوئی مددگار نہ پائے گا۔

توریت شریف میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات مذکور ہیں وہ برابر یہودیوں میں منقول ہوتی آرہی تھیں اپنے آباء و اجداد سے سنتے تھے اور آپ کی بعثت کے منتظر تھے ان میں جو لوگ حق پسند تھے انہوں نے حق قبول کیا اور آپ پر ایمان لائے، لیکن وہ چند ہی افراد تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو یہود کے بڑے عالم تھے انہوں نے واضح طور پر اقرار کیا اور بلا خوف و خطر بیان کیا کہ لَقَدْ عَرَفْتُهٗ حِيْنَ رَاَيْتُهٗ (میں نے جب آپ کو دیکھا تو دیکھتے ہی پہچان لیا) اور یہ بھی کہا کہ میں نے آپ کا چہرہ دیکھتے ہی یہ سمجھ لیا کہ یہ چہرہ جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ جب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لے آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پردہ کے پیچھے چھپا دیا اور یہودیوں سے پوچھا کہ عبداللہ بن سلام کیسے آدمی ہیں؟ کہنے لگے کہ وہ ہم میں سے سب سے بہتر ہیں اور سب سے بہتر باپ کے بیٹے ہیں، آپ نے فرمایا اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کے بارے میں کیا کہو گے؟ کہنے لگے کہ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا! آپ نے عبداللہ بن سلام کو آواز دی وہ اندر سے نکلے اور یہودیوں پر اپنا مسلمان ہونا ظاہر کردیا۔ وہی یہودی جو اس کی تعریف کر رہے تھے ان کے مسلمان ہونے کا اعلان سنتے ہی کہنے لگے هُوَ شَرُّنَا وَابْنُ شَرِّنَا[1] (وہ ہم میں سب میں بُرا آدمی ہے اور ہم میں سے سب سے بُرے انسان کا بیٹا ہے)

جب انسان میں حیا نہ رہے اور اپنے بارے میں یہ فیصلہ کرلے کہ مجھے

---

[1] صحیح بخاری ص۵۶۱ و مشکوٰۃ المصابیح ص۱۶۸

دوزخ ہی میں جانا ہے تو پھر ایمان اور عملِ صالح کی اس کے ہاں کوئی حیثیت نہیں رہتی ۔

یہ لوگ اپنے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیرو بتاتے تھے اور توریت کا محافظ سمجھتے تھے ۔ حالانکہ توریت شریف کو ضائع کر چکے تھے ، اس میں تحریف کر لی تھی ۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کو بدل چکے تھے ۔ نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور رسالت کے منکر تھے جبکہ ان کی والدہ بھی بنی اسرائیل ہی میں سے تھیں ۔

توریت اور انجیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ مبارک

یہود و نصاریٰ دونوں قومیں نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد کی منتظر تھیں اور آپ کی علامات اور نشانیاں ان لوگوں میں معروف و مشہور تھیں ۔

سورۃ الاعراف میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :

الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ (۱۵۷)	نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ لوگ اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں

کعب احبار کا بیان

کعب احبار پہلے یہودی تھے ، پھر حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں اسلام قبول کیا وہ بیان کرتے تھے کہ ہم توریت میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں میرے برگزیدہ بندے ہیں ، نہ درشت خو ہیں نہ سخت مزاج ہیں ، وہ بازاروں میں شور مچانے والے نہیں ہیں ۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے لیکن معاف کرتے ہیں اور بخش دیتے ہیں ان کی پیدائش مکہ میں ہوگی اور ان کی ہجرت کی جگہ طیبہ (مدینہ منورہ) ہے اور ان کا ملک شام میں ہوگا (ملکِ شام اولین وہ

سرزمین ہوگی جہاں ان کے اصحاب کی حکومت ہوگی) اوران کی امت کے لوگ خوب زیادہ حمد بیان کرنے والے ہوں گے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں گے خوشحالی میں بھی اور سختی میں بھی۔ وہ ہر منزل میں اللہ کی تعریف کریں گے اور ہر بلندی پر اللہ کی بڑائی بیان کریں گے۔ یہ لوگ آفتاب کی نگرانی کریں گے۔ جب نماز کا وقت ہوجائے گا نماز ادا کریں گے آدھی پنڈلیوں پہ تہبند باندھیں گے۔ وہ وضو میں اپنے اطراف یعنی ہاتھ پاؤں دھوئیں گے۔ ان کا مؤذن فضاء آسمانی میں اذان دے گا اوران کی ایک صف قتال میں اور ایک صف نماز میں ہوگی، دونوں صفیں (اخلاص اور عزیمت میں) برابر ہوں گی رات کو ان (کے ذکر) کی آواز ایسی ہوگی جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے، صاحبِ مشکوٰۃ نے یہ روایت بحوالہ مصابیح السنہ نقل کی ہے۔ پھر لکھا ہے کہ دارمی نے بھی تھوڑی سی تغییر کے ساتھ روایت کی ہے۔

حضرت عطا بن یسار تابعی نے بیان فرمایا کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو میں نے کہا کہ توریت میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان کی گئی ہے وہ مجھے بتائیے، انہوں نے فرمایا کہ قرآن مجید میں جو آپ کی صفات بیان کی گئی ہیں ان میں سے بعض صفات توریت شریف میں بھی ہیں۔ یعنی یہ کہ اے نبی ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور امیین (یعنی عرب) کی حفاظت کرنے والا بنا کر بھیجا، تو میرا بندہ ہے، میں نے تیرا نام متوکل رکھا جو درشت خو اور سخت مزاج نہیں ہے اور بازاروں میں شور مچانے والا نہیں اور جو برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتا۔ لیکن معاف کرتا ہے اور بخش دیتا ہے اور اللہ اسے نہیں اٹھائے گا جب تک کہ اس کے ذریعے کجی والی ملت کو سیدھی نہ کردے۔ اس طرح سے کہ وہ لوگ لا الٰہ الا اللہ کہیں گے اور اس کے ذریعے ان کی اندھی آنکھوں کو کھول دے گا اور بہرے کانوں کو اور غلاف چڑھے ہوئے قلوب کو کھول دے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کا یہ بیان

صحیح بخاری سے مشکوٰۃ المصابیح ص۵۱۳ میں نقل کیا ہے، سنن دارمی ص۱۷ ج ۱ میں بھی یہ مضمون ہے۔ اس میں یوں ہے کہ حضرت عطاء بن یسار نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مذکورہ بالا مضمون کی روایت کی۔

مصابیح میں یہ روایت ص۱۷۱ پر اور سنن دارمی میں ص ۱۵/۱ پر موجود ہے، اس کے بعد صاحب مصابیح نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ توریت میں محمد اور عیسٰی علیہما السلام کی صفت بیان کی ہے (اس میں یہ بھی ہے) کہ عیسٰی علیہ السلام آپ کے ساتھ دفن ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان سنن ترمذی میں بھی ہے۔

توریت شریف میں یہودیوں نے تحریف بھی کردی اور اصل کتاب کو بھی گم کردیا لیکن تحریف کے باوجود اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کی خبر موجود ہے۔

توریت شریف کی پیشینگوئی اور اس میں بائبل شائع کرنے والوں کی تحریف

کتاب استثناء باب ۳۳ میں اس طرح پیشینگوئی موجود ہے: خداوند سینا[1] سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشیں شریعت تھی۔ وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے اور ان کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیری باتوں کو مانیں گے۔

چونکہ اس پیشینگوئی میں لفظ فاران موجود ہے جو مکہ مکرمہ کے پہاڑ کا نام ہے اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فاران پر جلوہ گر ہونے کا تذکرہ ہے اور

---

[1] خداوند تعالیٰ کے سینا سے آنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے موسٰی علیہ السلام کو توریت شریف عطا فرمائی اور کوہ شعیر سے طلوع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عیسٰی علیہ السلام کو انجیل عطا فرمائی۔ (شعیر شام میں ایک پہاڑ کا نام ہے، جہاں حضرت عیسٰی علیہ السلام عبادت کیا کرتے تھے) اور کوہ فاران سے جلوہ گر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل فرمایا (فاران مکہ معظمہ کے پہاڑ کا نام ہے۔

یہ دس ہزار وہ صحابہ تھے جو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ سے فتح مکہ کے موقع پر گئے تھے۔ لہٰذا تحریف کے مجرمین کو یہ دونوں باتیں بھاری پڑیں۔ اس لئے انہوں نے سابقہ تحریفات میں اضافہ کر دیا (جب تحریف پر ہی دین اور دیانت کی بنیاد رکھ لی تو اب آگے تحریف کرنے میں خوفِ خدا لاحق نہ ہو تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے) اول تو فاران کا مصداق بدلنے کی کوشش کی اور یہ کہہ دیا کہ یہ بیت المقدس کا نام ہے۔ حالانکہ قدیم و جدید جغرافیہ نویسوں میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ بیت المقدس کا نام فاران ہے۔ خود توریتِ سلمری کے عربی ترجمہ میں لفظ فاران کے سامنے بریکٹ میں لفظ الحجاز موجود ہے (یہ ترجمہ آرکو نیٹس نے ۱۸۵۱ء میں شائع کیا تھا) دوسری تحریف ان مجرموں نے یہ کی کہ دس ہزار کی جگہ کسی ترجمہ میں ہزاروں لکھ دیا اور کسی میں لاکھوں لکھ دیا اور بعض ترجموں میں پورا جملہ ہی ختم کر دیا۔ بائبل کا انگریزی ترجمہ جو کنگ جیمس ورجن نے ۱۸۵۸ء میں شائع کیا تھا اس میں بھی دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آنے کا ذکر ہے۔ لیکن بعد میں تحریف کے دلیروں نے اس کو بدل کر رکھ دیا۔

یہود و نصاریٰ کا عجیب طرزِ فکر ہے وہ سمجھتے ہیں کہ تحریف کر کے جو لفظ اور معنی ہم اپنی طرف سے مقرر کر دیں گے وہی روزِ قیامت ہمارے لئے حجت بن جائے گا اور نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا انکار کرنے کے لئے جو تدبیریں سوچی جائیں گی وہ بارگاہِ خداوندی میں کام دے دیں گی اور دوزخ سے بچا دیں گی۔ یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ مسئلہ مسلمانوں کو جواب دینے کا نہیں ہے، آخرت میں نجات پانے کا ہے۔ یہود نے یقین کر لیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ توریت شریف میں آپ کا تذکرہ پڑھتے تھے۔ آپس میں اس کا ذکر بھی کرتے تھے اور جب ان میں سے کوئی شخص مسلمانوں کے سامنے اقراری ہو جاتا تو اسے برا کہتے اور یوں کہتے تھے:

أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُم بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ (البقرہ، ۷۶) کیا تم ان سے

وہ باتیں بیان کرتے ہو جو اللہ نے تم پر کھول دیں تاکہ یہ لوگ تمہارے رب کے پاس تم پر حجت قائم کرلیں)

بعض یہود کا اقرار کہ آپ اللہ کے نبی ہیں لیکن قتل کے ڈر سے اسلام نہیں لاتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہودی حاضر ہوتے رہتے تھے اور بہت سی باتیں پوچھا کرتے تھے (جن کے بارے میں جانتے تھے کہ یہ نبی کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا) اس میں اپنے سوالوں کا صحیح جواب پاتے اور بار بار ان کے یقین میں پختگی آتی جاتی تھی، اور آپ کا ہر جواب ان کو چیلنج کرتا تھا لیکن حق جانتے ہوئے مانتے نہیں تھے اور قبول نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دو یہودی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے آیات بینات کے بارے میں سوال کیا آپ نے جواب دے دیا تو انہوں نے آپ کے ہاتھ پاؤں چومے اور کہنے لگے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں آپ نے فرمایا کہ تمہیں میرا اتباع کرنے سے کیا چیز روک رہی ہے؟ کہنے لگے کہ ہمیں خوف ہے کہ اگر آپ کا اتباع کرلیں تو ہمیں یہودی قتل کردیں گے

(مشکوٰۃ المصابیح ص۱۷)

(یہ جان کا خوف اور مال کا لالچ انہیں اسلام قبول کرنے سے باز رکھتا تھا) جن یہودیوں نے آپ کو آزمایا اور آپ کی نشانیوں کو دیکھا اور دنیوی مفاد کو ٹھوکر ماری انہوں نے اسلام قبول کیا لیکن یہ معدودے چند ہی تھے۔

ایک یہودی کا آپ کو آزمانا پھر مسلمان ہونا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عالم کے چند دینار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرض تھے وہ تقاضے کے لئے آیا آپ نے فرمایا کہ اے یہودی میرے پاس اس وقت انتظام نہیں ہے جو تیرا قرض ادا کروں، اس پر یہودی نے کہا کہ اے محمدؐ میں آپ سے جدا نہ ہوں گا جب تک آپ میرا قرضہ ادا نہ کریں، آپ نے فرمایا تو میں بھی تیرے ساتھ بیٹھا رہوں گا، آپ اس کے ساتھ بیٹھے رہے اور

اسی دوران آپؐ نے ظہر سے لے کر فجر تک سب نمازیں ادا کرلیں۔ آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اسے دھمکی دیتے تھے اور ڈراتے تھے آپؐ نے اس کو محسوس فرمایا اور استفہام انکاری کے طریقہ پر فرمایا کہ تم کیا کرتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک یہودی نے آپ کو روک رکھا ہے (جو ہم سے دیکھا نہیں جاتا) آپ نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے اس بات سے منع فرمایا کہ کسی معاھد (ذمّی یا مستامن) پر ظلم کروں۔ دوسرے دن جب دن چڑھ گیا تو اس یہودی نے کہا اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اور ساتھ یہ بھی کہا کہ میں اپنا آدھا مال اللہ کی راہ میں دیتا ہوں اور میں نے یہ جو کچھ کیا اسی لئے کیا کہ میں آپ کو ان اوصاف کے موافق دیکھ لوں جو توریت میں بیان کئے گئے ہیں۔ توریت میں ہے کہ محمد بن عبداللہ کی پیدائش مکہ میں ہوگی اور ان کی ہجرت کی جگہ طیبہ ہے اور ان کا ملک شام میں ہوگا۔ وہ درشت خو اور سخت مزاج نہیں ہوں گے اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے ہوں گے، وہ فحش کلامی کو اختیار نہ کریں گے اور برے الفاظ سے بھی بچیں گے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ بے شک آپؐ اللہ کے رسول ہیں یہ میرا مال ہے، آپؐ اس میں جس طرح چاہیں حکم فرمائیں۔

(رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ، کما فی المشکوٰۃ ص۵۲۰)

ایک یہودی کا اپنے لڑکے کو اسلام قبول کرنے کا مشورہ دینا

صحیح بخاری ص۱۸۱ ج ۱ میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا، وہ بیمار ہوگیا تو آپؐ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور اس کے سر کے پاس تشریف فرما ہوئے آپؐ نے اسے اسلام کی دعوت دی اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا (جو وہیں موجود تھا اس کا مقصد مشورہ لینا تھا) اس کے باپ نے کہا کہ ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی

بات مان لو، لہذا اُس نے اسلام قبول کرلیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے ہوئے باہر تشریف لائے للحمد للہ الذی انقذہ من النار۔ (سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے اسے آتشِ دوزخ سے بچالیا)

جو یہودی عہدِ نبوت میں مسلمان ہو گئے تھے اور صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئے وہ تو توریت شریف سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی علامات اور صفات بیان کیا ہی کرتے تھے ان کے بعد علماء یہود میں سے جو لوگ مسلمان ہوئے، جن کو تابعیت کا شرف نصیب ہوا وہ بھی توریت سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی علامات اور صفات بیان کیا کرتے تھے۔

سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو یہودی یہ جاننے کے باوجود کہ آپ نبی ہیں (اور علامات پوری اتر رہی ہیں، جو نبی آخر الزماں کے بارے میں انہیں معلوم تھیں) منکر ہو گئے اور آپ کو نبی، رسول ماننے اور اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا۔ ان کو اوس اور خزرج کے لوگوں نے توجہ دلائی اور کہا کہ اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرو، تم ہی تو کہا کرتے تھے کہ ایک نبی آئیں گے اور ہم اُن کے ساتھ مل کر تم سے جنگ کریں گے اور تم ان کی صفات بیان کرتے تھے۔ اب کیوں منکر ہو رہے ہو۔ لیکن اِن لوگوں نے ایک نہ سنی۔ (سیرۃ ابن ہشام اوائل المجلد الثانی) —— اور بجز چند آدمیوں کے یہودیوں نے اسلام قبول نہیں کیا اور طرح طرح کی باتیں بناتے رہے اور کٹ حجتی پر اُتر آئے۔ حسد اور دشمنی پر کمر باندھ لی، اسلام اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ آج تک اُن کے سارے قبیلوں اور خاندانوں کا یہی حال ہے۔

منافقین کی تاریخ اور نفاق کے اسباب

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں سے بھی واسطہ پڑا اور جن لوگوں نے منافقت اختیار کی تھی اُن سے بھی نمٹنا پڑا، ذیل میں منافقین کا تعارف، ان کی شرارتیں اور حرکتیں بیان کی جاتی ہیں۔ دنیا کے طالب اصل دنیا ہی کو سمجھتے ہیں، اُسی کے لئے جیتے ہیں اسی کے لئے مرتے ہیں، دنیا، جاہ اور مال کا نام ہے، جن لوگوں کو حق اور حقیقت سے تعلق نہیں ہوتا صرف دنیا ہی محبوب ہوتی ہے، ان کا ظاہر و باطن یکساں نہیں ہوتا۔

سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ (۱۰،۹،۸)	اور بعضے لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخری دن پر ایمان لائے، حالانکہ وہ ایمان والے نہیں ہیں، وہ دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے، اور نہیں دھوکہ دیتے مگر اپنی جانوں کو اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے، ان کے دلوں میں بڑا روگ ہے سو اللہ نے ان کا روگ بڑھا دیا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اور دینِ اسلام خوب پھیلنے لگا تو یہودیوں اور خاص کر ان کے علماء اور احبار کو یہ بات زیادہ کھلی اور یہ لوگ دشمنی پر اتر آئے کچھ لوگ اوس اور خزرج میں سے بھی اسلام کے مخالف ہو گئے۔ اسلام کی اشاعت عام ہو جانے کے بعد

کھل کر یہ لوگ مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اور دشمنی کے اظہار سے بھی عاجز تھے اس لئے انہوں نے یہ چال چلی کہ ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا، اندر سے کافر تھے اور ظاہر میں مسلمان تھے۔

ان کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے سے پہلے اوس اور خزرج نے عبداللہ بن اُبی کو اپنا بادشاہ بنانے اور اُس کو تاج پہنانے کا مشورہ کیا تھا، سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے کسی کی سرداری نہیں چل سکتی تھی اس نے اور اُس کے ساتھیوں نے ظاہری طور پر اسلام قبول کر کے اپنے کو مسلمانوں میں شمار کرادیا اور اندر سے اسلام کی جڑیں کاٹنے میں لگے رہے۔ ان کے اس طریقہ کار میں یہ راز پوشیدہ تھا کہ اسلام قبول کرنے پر جو منافع ہیں وہ بھی ملتے رہیں اور کنبے اور قبیلے سے باہر بھی نہ ہوں اور اہلِ کفر سے بھی گٹھ جوڑ رہے اور ان سے بھی فائدہ ملتا رہے۔

اور یہ بھی پیش نظر تھا کہ اگر العیاذ باللہ اسلام اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام اور بقاء زیادہ دیر تک نہ رہے تو حسبِ سابق پھر سرداری مل جائے گی لہذا اوپر سے مسلمان اور اندر سے کافر رہے، اسلام اور اہلِ اسلام کی ناکامی کے انتظار میں رہنے لگے، مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہم مؤمن ہیں اور اس طرح سے اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے تھے اور خالص کافروں سے تنہائیوں میں ملتے تھے تو کہتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

اپنے کو مسلمان ظاہر کرنے کے لئے نمازیں بھی پڑھتے تھے لیکن چونکہ دل سے نمازی نہ تھے اس لئے جماعتوں کی حاضری میں سستی کرتے تھے اور الکساتے ہوئے اوپر کے دل سے نماز پڑھتے تھے، جہادوں میں بھی شریک ہونے کے لئے ساتھ لگ جاتے تھے لیکن کبھی تو درمیان سے واپس آگئے اور کبھی ساتھ رہتے ہوئے ہی مکر و فریب کو کام میں لاتے رہے، حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو تکلیفیں پہنچانے اور دل دکھانے کی تدبیریں کرتے رہتے تھے، جھوٹی

قسمیں کھاکر کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں اور اسلام کے خلاف منصوبے بناکر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے والی باتیں کرکے صاف انکار کرجاتے تھے اور قسم کھاجاتے تھے کہ ہم نے تو نہیں کہا۔ ان لوگوں کے حالات سورہ بقرہ کے دوسرے رکوع اور سورہ نساء کے رکوع ۲۱ میں اور سورۂ منافقون میں اور سورہ حشر میں بیان کئے گئے ہیں اور سورۃ برأت میں خوب زیادہ ان کی قلعی کھولی گئی ہے۔ سیرت کی کتابوں میں ان لوگوں کے نام بھی لکھے ہیں کہ یہ کون تھے اور کس قبیلہ سے تھے۔ البدایہ والنہایہ اوائل المغازی ص۳۳۶ ج ۳ تا ص۳۴۰ میں یہودی علماء اور احبار جنہوں نے اسلام اور داعئ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اختیار کی اور خوب زیادہ دشمنی میں لگ گئے اُن کے نام اور اُن لوگوں کے نام جو یہودیوں اور اوس وخزرج میں سے منافق بنے ہوئے تھے، واضح طور پر ذکر کئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ فرماتے رہے اور ان کی ایذاؤں کو سہتے رہے آپ احسن اسلوب سے اپنی دعوت کو لے کر آگے بڑھتے رہے اور دین اسلام کو برابر ترقی ہوتی رہی۔ اس میں جہاں یہ حکمت تھی کہ شاید یہ لوگ مخلص مسلمان ہو جائیں وہاں یہ بھی مصلحت تھی کہ اگر ان کے ساتھ سختی کریں گے تو عرب کے دوسرے قبائل جو مسلمان نہیں ہوئے ہیں اور انہیں صحیح صورت حال معلوم نہیں وہ اسلام کے قریب آنے کے بجائے اور دور ہو جائیں گے۔ اور شیطان ان کو یہ سجھائے گا کہ دیکھو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ماننے والوں کے ساتھ کیسا برتاؤ ہے۔ بالآخر ایک دن وہ آیا کہ یہ لوگ سختی ـــــــ کے ساتھ مسجد نبوی سے نکال دئے گئے۔ جس کی تفصیل سیرت ابن ہشام (جلد ثانی کے اوائل) میں مذکور ہے۔ مذکورہ آیات میں اور ان کے بعد والی چند آیتوں میں منافقین کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور یوم آخرت پر بھی ایمان لائے پھر فرمایا کہ ان لوگوں کا یہ دعویٰ سراسر جھوٹ ہے ان کے دلوں میں ایمان نہیں ہے ایمان فعلِ قلب ہے، صرف زبانی دعویٰ سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوگا۔

جب تک ان چیزوں کی تصدیق نہ کرے جو اللہ نے اپنے نبیوں کے ذریعہ بتائی ہیں اور جن پر ایمان لانے کا حکم فرمایا ہے اس وقت تک کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا۔ منافقین کے اسی دوغلے پن کو سورۃ مائدہ میں اس طرح بیان فرمایا:

مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ (۴۱) ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے مونہوں سے کہا کہ ہم ایمان لائے اور حال یہ کہ ان کے دل ایمان نہیں لائے

اس دورنگی اور دوغلے پن کو قرآن و حدیث میں نفاق اور منافقت سے تعبیر کیا گیا ہے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کو منافق فرمایا گیا ہے۔

یہ کلمہ لفظ "نفق" سے ماخوذ ہے۔ نفق اس سرنگ کو کہتے ہیں جس میں دونوں طرف سے راستہ ہو چونکہ منافقین اسلام میں ایک دروازے سے داخل ہوتے ہیں اور دوسرے دروازہ سے نکل جاتے ہیں اس لئے ان کے اس عمل کا نام نفاق رکھا گیا۔ مفردات امام راغب میں ہے:

ومنه النفاق وهو الدخول في الشرع من باب والخروج عنه من باب وعلى ذلك نبه بقوله: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ، اى الخارجون من الشرع۔ (۵۰۲) تحت المادة "نفق"۔

منافقت کفر کی بدترین اور خبیث ترین قسم ہے۔ اس میں کفر بھی ہے، جھوٹ بھی ہے، دھوکہ دہی بھی ہے، ایسے لوگ صرف بندوں ہی کو دھوکہ نہیں دیتے بلکہ اللہ تعالیٰ کو بھی دھوکہ دیتے ہیں اور ایمان اور اہل ایمان کا مذاق بناتے ہیں اور جو کھلے کافر ہیں ان کو بھی دھوکہ دیتے ہیں، ان سے کہتے ہیں کہ ہم تم میں سے ہیں اور حال یہ ہے کہ وہ کسی میں سے نہیں۔ جس کو سورۃ نساء میں یوں بیان فرمایا ہے:

مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى یہ لوگ ایمان اور کفر کے درمیان مذبذب

هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ (۱۴۳) ہیں، نہ اِن کی طرف ہیں اور نہ اُن کی طرف

وجہ اس کی یہ ہے کہ منافق کسی کا نہیں ہوتا، وہ صرف اپنا ہوتا ہے۔
جتنے وقت تک ضرورت محسوس کرتا ہے ساتھ رہتا ہے پھر الگ ہو جاتا ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی مثال ایسی ہے جیسے بکریوں کے دو ریوڑوں کے درمیان ایک بکری ہے وہ گابھن ہونے کے لئے کبھی اس ریوڑ کی طرف جاتی ہے، کبھی اس ریوڑ کی طرف جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ ص۱۷)

چونکہ منافقین کی حرکتِ بد کا وبال انہیں پر پڑنے والا ہے اس لئے فرمایا

وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ (البقرۃ: ۹) وہ دھوکہ نہیں دیتے مگر اپنی ہی جانوں کو اور وہ اس بات کو سمجھتے ہی نہیں

سورہ نساء میں منافقین کی نماز کا حال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى۔ (۱۴۲) اور جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کسل مندی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔

جس کی وجہ یہ ہے کہ دل میں ایمان نہیں ہے پھر نماز کی کیا اہمیت ہوتی لیکن چونکہ ظاہراً یہ کہہ چکے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اس لئے ظاہر داری کے طور نماز بھی پڑھ لیتے ہیں اور چونکہ نماز کی اہمیت اور ضرورت ان کے دلوں میں اُتری ہوئی نہیں ہے اس لئے سستی کے ساتھ الکساتے ہوئے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ مومن ہوتے تو اچھی نماز پڑھتے اور اللہ کو راضی کرنے کی فکر کرتے لیکن وہاں تو مسلمانوں کو دکھانا مقصود ہے کہ ہم تمہاری طرح سے نمازی ہیں تاکہ اسلام سے جو ظاہری دنیاوی منافع حاصل ہوتے ہیں ان سے محروم نہ ہوں۔ اللہ سے ثواب لینا مقصود ہو تو اچھی نماز پڑھیں۔ دکھاوے کے لئے جو عمل کیا جائے وہ اور طرح کا ہوتا ہے، اس میں خوبی اور عمدگی اختیار نہیں کی جاتی

ان کی ریاکاری کو بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ وہ لوگوں کو دکھلاتے ہیں اور اللہ کو یاد

اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا. (النساء: ۱۴۲) نہیں کرتے مگر تھوڑا سا۔
یعنی محض نماز کی صورت بنا لیتے ہیں جس میں نماز کا نام ہو جائے اور مسلمان سمجھیں کہ یہ بھی مسلمان ہیں۔

منافقوں کی دوسری حالت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِکَ کہ وہ اس کے درمیان ادھر لٹکے ہوئے ہیں۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ ذلك مجموعہ ایمان و کفر کی طرف اشارہ ہے جس پر مؤمنین اور کافرین کے ذکر سے دلالت ہو رہی ہے پھر فرماتے ہیں کہ مؤمنین اور کافرین کی طرف اشارہ مانا جائے تو یہ بھی صحیح ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ عالم حیرانی میں تردد میں پڑے ہوئے ہیں شیطان نے ان کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔

پھر امام راغب سے التذبذب کا معنی نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: صوت الحرکۃ للشئ المعلق ثم استعیر لکل اضطراب و حرکۃ او تردد بین الشیئین۔ یعنی ذبذبۃ اس آواز کو کہا جاتا ہے جو کسی لٹکی ہوئی چیز سے نکل رہی ہو پھر بطور استعارہ ہر اضطراب اور ہر حرکت کے لئے یا دو چیزوں کے درمیان اپنی حالتِ ظاہرہ کے اعتبار سے متردد ہونے کے لئے استعمال کر لیا گیا۔ منافقین کفر و ایمان کے درمیان اپنی حالتِ ظاہرہ کے اعتبار سے متردد ہیں۔ ورنہ حقیقت میں تو کافر ہی ہیں۔

مزید فرمایا: لَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ یعنی منافقین بظاہر دونوں طرف ہیں مسلمانوں سے بھی ملتے ہیں اور کافروں سے بھی۔ اور ہر ایک کے ساتھ اپنی محبت اور دوستی ظاہر کرتے ہیں لیکن حقیقت میں نہ اِن کی طرف ہیں نہ اُن کی طرف۔ جو لوگ منافق ہوتے ہیں اپنے خیال میں تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے چالاک ہیں دیکھو دونوں جماعتوں کو اپنا بنا رکھا ہے۔ حالانکہ ایسے لوگوں کو کوئی جماعت بھی اپنا نہیں سمجھتی۔ منافق کا کردار خواہ وہ کتنی ہی قسمیں کھائے کسی فریق کو مطمئن نہیں کر سکتا۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مثل المنافق

كالشاة العائرة بين الغنمين تعير الى هذه مرة والى هذه مرة

(رواه مسلم عن ابن عمرؓ)

یعنی منافق کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بکری دو ریوڑوں کے درمیان ہو کبھی اس ریوڑ کی طرف جاتی ہے اور کبھی اس ریوڑ کی طرف جاتی ہے۔ شراح حدیث نے لکھا ہے کہ اس سے وہ بکری مراد ہے جو گابھن ہونے کے لئے کبھی اس ریوڑ میں اپنے لئے نر تلاش کرتی ہے اور کبھی دوسرے ریوڑ میں (ذکره القاری فی المرقاة)

فائدہ: معلوم ہوا کہ نماز میں سستی کرنا الکساتے ہوئے نماز کے لئے اٹھنا بد دلی سے نماز کے افعال ادا کرنا منافقوں کا طریقہ ہے۔ اہل ایمان کو چاہئے کہ خوب خوشی اور بشاشت اور نشاط کے ساتھ نماز پڑھیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب اس میں زردی آجاتی ہے اور وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان ہوتا تو کھڑے ہو کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے ان میں اللہ کو یاد نہیں کرتا مگر تھوڑا سا۔

(رواہ مسلم)

چار ٹھونگیں مارنے کا مطلب ہے کہ لپ جھپ سجدہ کرتا ہے، سر رکھا بھی نہیں کہ اٹھا لیا جیسا کہ مرغا جلدی جلدی ٹھونگیں مار کر دانہ اٹھاتا ہے۔ اور شیطان کے سینگوں کے درمیان سورج کے ہونے کا مطلب ہے کہ سورج جب چھپتا اور نکلتا ہے تو شیطان ایسی جگہ کھڑا ہو جاتا ہے جو سورج کے اور اس کے دیکھنے والوں کے درمیان ہو وہاں کھڑے ہو کر سر ہلاتا ہے جس سے دیکھنے والوں کو سورج کی شعاعوں کی جگہ گاہٹ معلوم ہوتی ہے، وہ یہ حرکت اس لئے کرتا ہے کہ سورج کی پرستش کرنے والے اس وقت اس کی عبادت کریں۔

چونکہ منافقین مسلمانوں کو دکھلانے کے لئے نماز پڑھتے تھے نماز کی فرضیت اور فضیلت اور اس کے اجر و ثواب کا یقین نہیں تھا اس لئے برے دل سے

نمازوں میں حاضر ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی اور سلام پھیر کر فرمایا کیا فلاں حاضر ہے؟ حاضرین نے عرض کیا نہیں! پھر فرمایا کیا فلاں حاضر ہے؟ عرض کیا گیا کہ نہیں، آپ نے فرمایا بلاشبہ یہ دو نمازیں (عشاء اور فجر) منافقین پر سب نمازوں سے زیادہ بھاری ہیں اور اگر تم کو معلوم ہو جاتا کہ ان میں کیا اجر و ثواب ہے تو ان نمازوں میں حاضر ہوتے اگرچہ گھٹنوں کے بل چل کر آنا پڑتا۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی کما فی المشکوٰۃ ص۹۶)

اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ان میں سے (یعنی جماعت میں غیر حاضر ہونے والوں میں سے) کسی کو پتہ چل جائے کہ اُسے ایک چکنی ہڈی مل جائے گی یا بکری کے دو اچھے کھر مل جائیں گے تو عشاء کی نماز کے لئے حاضر ہو جاتے۔ (رواہ البخاری)

طالبِ دنیا کو ذرا سی دنیا بھی مل جائے تو تکلیف اٹھانے اور نیند قربان کرنے کو حاضر ہو جاتا ہے اور جسے اعمالِ صالحہ پر اجر و ثواب ملنے کا یقین نہیں وہ اپنے نفس کو اجر والے عمل کے لئے آمادہ نہیں کر سکتا۔ اس بات کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بکری کے کھر کی مثال دے کر واضح فرمایا۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں نماز اور جماعت کا اس قدر اہتمام تھا کہ منافقوں کو بھی اس ماحول میں رہنے کی وجہ سے نماز پڑھنی پڑتی تھی۔ جب دینی فضا بن جاتی ہے تو جو اپنے دل سے دین دار نہ ہو اُسے بھی مجبوراً دینداروں کے گھسٹنا پڑتا ہے اور یہی حال بدعملی اور بے دینی کا ہے۔ جب بدعملی اور بے دینی کی فضا ہوتی ہے تو اچھے جذبات والا آدمی بھی بے عملوں اور بے دینوں کے طور طریق اختیار کر لیتا ہے۔

جس فساد میں یہ لوگ مبتلا تھے اس میں کئی طرح سے حصہ لیتے تھے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف فتنے کھڑے کرتے تھے اور دشمنانِ اسلام کو لڑائیوں پہ آمادہ کرتے تھے اور مسلمانوں کے بھید دشمنوں تک پہنچاتے تھے۔ اور جو لوگ

مسلمان ہونے کا ارادہ کرتے اُن کو اسلام سے روکنے کا سبب بنتے تھے۔ اور مسلمانوں کا مذاق بناتے تھے۔ منافقین اپنے اس عمل کو چال بازی اور ہوشیاری سمجھتے ہیں کہ ہم نے خوب اللہ تعالیٰ، اور مؤمنین کو دھوکہ دیا اور اپنا کام نکالا۔ حالانکہ اس دھوکہ دہی اور چال بازی کا بُرا انجام خود انہی کے سامنے آئے گا۔ اور یہ چال بازی انہیں کے لئے وبالِ جان بنے گی وہ سمجھتے ہیں کہ ہم خوب سمجھتے ہیں حالانکہ اپنے اصل نفع اور نقصان تک کو نہیں سمجھتے۔

نفاق کا مرض بہت پُرانا ہے اور اس میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ زمانۂ نبوت کے منافقین اس مرض میں مبتلا تھے جیسے جیسے اسلام آگے بڑھتا گیا منافقوں کا نفاق بھی بڑھتا رہا، مرضِ نفاق، حسد اور حُبِّ دنیا کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے دنیا میں ایسا شخص ذلیل ہوتا ہے اور آخرت میں منافق کے لئے سخت سزا ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ	بے شک منافق اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور
وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْۤا	حال یہ ہے کہ اللہ اُن کی دھوکہ بازی کی
اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰىۙ	ان کو سزا دینے والا ہے اور جب وہ نماز کو
یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْكُرُوْنَ	کھڑے ہوتے ہیں تو کسل مندی کے ساتھ
اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا٘ۙ مُّذَبْذَبِیْنَ	کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کو دکھلاتے ہیں
بَیْنَ ذٰلِكَ ﳓ لَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَآءِ	اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا سا ادھر
وَلَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَآءِ ؕ وَمَنْ	میں لٹکے ہوئے ہیں اس کے درمیان، نہ ان
یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ	لوگوں کی طرف، نہ ان لوگوں کی طرف، اور
سَبِیْلًا۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ	جسے اللہ گمراہ کردے اس کے لئے تو ہرگز کوئی
اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ	راستہ نہ پائے گا۔ اے ایمان والو! مؤمنوں
اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ	کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ کیا تم یہ
اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ	چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کی صریح حجت

عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ○ اِنَّ	قائم کرلو، بے شک منافق دوزخ کے سب
الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ	سے نیچے طبقے میں ہوں گے اور تو ہرگز ان
النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۙ	کے لئے کوئی مددگار نہ پائے گا سوائے اُن
اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَ	لوگوں کے جنہوں نے توبہ کرلی اور اصلاح
اعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ	کرلی اور اللہ پر مضبوط بھروسہ رکھا اور اپنا
لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ	دین اللہ کے لئے خالص کردیا تو یہ لوگ
وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کے ساتھ ہوں گے اور عنقریب
اَجْرًا عَظِيْمًا ○ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ	اللہ مؤمنین کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ اللہ
بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ	تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر
وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ○	گذار بنو اور ایمان لاؤ اور اللہ قدر دان ہے
(النساء: ۱۴۲ تا ۱۴۷)	جاننے والا ہے۔

ان آیات میں منافقین کے کردار پر مزید روشنی ڈالی ہے اور اُن کا طور طریق بتایا ہے۔ پھر اُن کا وہ مقام بتایا ہے جہاں انہیں دوزخ میں جانا ہے، پھر یہ بھی فرمایا کہ ان میں سے جو لوگ توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں اور اللہ پر پختہ بھروسہ کرلیں اور اللہ کے لئے اپنے دین کو خالص کرلیں تو یہ مؤمنین کے ساتھ ہوں گے جس کا مطلب یہ ہے کہ توبہ کی راہ ہر وقت کھلی ہوئی ہے۔ شروع میں ارشاد فرمایا کہ منافقین اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور سورہ بقرہ کے دوسرے رکوع میں فرمایا يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (کہ وہ اللہ کو اور اہل ایمان کو دھوکہ دیتے ہیں) مسلمانوں سے جھوٹ کہہ دیتے ہیں کہ ہم مؤمن ہیں، اندر سے مؤمن نہیں ہیں اور پھر انہیں نعمتوں اور برکتوں کے آرزو مند ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا۔ گویا ان کا عقیدہ اور ان کا ایمان سے منحرف ہونا اللہ کو معلوم ہی نہیں۔

پھر فرمایا وَهُوَ خَادِعُهُمْ (اللہ ان کے دھوکے کی ان کو سزا دینے والا ہے) لفظ وھو خادعھم علیٰ سبیل المشاکلہ فرمایا ہے۔

آج بے دینی اور بے عملی کی فضا ہے، بے نمازی بغیر کسی شرم وحیا کے دنیا اور اس میں گھل مل کر رہتے ہیں اور اپنا کوئی قصور محسوس نہیں کرتے، انہیں ایک نماز چھوٹنے کا ذرا بھی ملال نہیں ہوتا. اگر دوبارہ دینی فضا بن جائے تو پھر وہی عمل کی فضا لوٹ آئے جو زمانۂ نبوت میں تھی۔

پھر مسلمانوں کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْکَافِرِینَ أَوْلِیَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِینَ (مؤمنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ) کافر منافق ہوں یا دوسرے عام کافر ہوں، ان کو دوست بنانا اور اہل ایمان کو چھوڑ دینا منافقوں کا طریقہ ہے تم اسے اختیار نہ کرو أَتُرِیدُونَ أَن تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَیْکُمْ سُلْطَانًا مُّبِینًا (کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی حجت صریحہ قائم کرلو) یعنی اللہ تعالیٰ نے جس چیز سے منع فرمایا اس چیز کو اختیار کر کے اپنے کو مجرم اور مستحقِ عذاب بنانے کے لئے اپنے عمل سے اپنے اوپر کیوں حجت قائم کرتے ہو۔

اس کے بعد منافقین کا عذاب ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا إِنَّ الْمُنَافِقِینَ فِی الدَّرْکِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ کہ منافق دوزخ میں سب سے نیچے کے طبقہ میں ہوں گے صاحب روح المعانی (ص۱۷۵ ج ۵) لکھتے ہیں کہ دوزخ کے سات طبقے ہیں پہلے طبقے کا نام جہنم اور دوسرے کا لظیٰ اور تیسرے کا حطمہ اور چوتھے کا سعیر اور پانچویں کا سقر اور چھٹے کا جحیم اور ساتویں کا ھاویہ ہے اور کبھی کبھی ان سب کے مجموعے کو النار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان طبقات کو درکات اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ متدارکہ ہیں یعنی ایک دوسرے کے نیچے ہیں۔ درک اور درج میں یہ فرق ہے کہ اوپر سے آئیں تو ہر طبقے کو درک سے موسوم کرتے ہیں اور نیچے سے اوپر کو جائیں تو ہر طبقے کو درج سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ منافق کو بنسبت دوسرے کافروں کے سخت عذاب اس لئے ہوگا کہ اس نے کفر کے ساتھ مزید اس بات کو اختیار کرلیا کہ اسلام کا مذاق اڑایا اور اہل اسلام کو دھوکہ دیا۔

مزید فرمایا وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا کہ اے مخاطب منافقوں کے لئے تو کوئی مددگار نہ پائے گا جو انہیں عذاب سے نکال دے یا ان کا عذاب ہلکا کردے۔

پھر فرمایا اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا کہ وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جنہوں نے نفاق سے توبہ کی وَاَصْلَحُوْا اور اپنی نیتوں کو درست کرلیا اور نفاق کی حالت میں جو بگاڑ کیا تھا اس کو درست کردیا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ اور اللہ پر مضبوط بھروسہ رکھا، (یعنی اپنی تدبیروں پر اور کافروں سے تعلق رکھنے پر جو بھروسہ تھا اس کو چھوڑا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا اور توکل اختیار کیا) وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ اور اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کیا (یعنی اسلام کو سچے دل سے قبول کیا جس سے صرف اللہ کی رضا مقصود ہو لوگوں کو دکھانا مقصود نہ ہو اور یہ غرض سامنے نہ ہو کہ مسلمانوں کے سامنے اظہار اسلام کرکے مسلمانوں سے منافع حاصل کرتے رہیں گے اور ان سے جو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے اس سے بچتے رہیں گے) ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ کہ یہ لوگ مخلص مؤمنین کے ساتھ جنت کے بلند درجات میں ہوں گے وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا (عنقریب اللہ مؤمنین کو اجر عظیم عطا فرمائے گا)

نصاریٰ کا قبولِ حق سے انکار اور باطل پر اصرار

نصاریٰ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے منتظر تھے۔ یہ بات کابراً عن کابر، سلفاً عن خلفٍ ان میں معروف اور مشہور تھی کہ آخری نبی تشریف لانے والے ہیں اسی لئے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آخری پادری نے بتایا کہ اب میرے خیال میں کوئی صحیح دین پر نہیں ہے تم آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرو۔ اسی نصیحت کی وجہ سے وہ مدینہ منورہ پہنچے اور آپ کی آمد کا انتظار کرتے رہے، جب آپ کی تشریف آوری کی خبر ملی تو حاضر خدمت ہوئے جو نشانیاں بتائی گئی تھیں وہ آپ کی ذات مبارک میں موجود پائیں اور اسلام

قبول کرلیا جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نوعمری میں چچا ابوطالب کے ساتھ شام کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ میں بعض راہبوں نے آپ کو پہچان لیا اور بتایا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی آمد کا انتظار ہے۔

ہرقل (قیصرِ روم) نے بھی یہ مان لیا کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ اس کا ذکر صحیح بخاری ج۱ باب بدء الوحی میں موجود ہے۔ جانتے پہچانتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار یہود و نصاریٰ دونوں قوموں نے کیا۔ دورِ حاضر کے نصاریٰ کی ڈھٹائی دیکھو کہ موجودہ بائیبل میں (جو پہلے سے بھی محرف ہے) جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پیشین گوئی پائی تو اس کی تحریف پر اتر آئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو بنی اسرائیل کو توحید ہی کی تعلیم دی تھی اور یہی بتایا اور سمجھایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی تنہا معبود ہیں اور یہ بھی بتایا تھا کہ اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی، اسی ہی کی عبادت کرو لیکن ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد ان کے ماننے والوں نے بُرے بُرے عقیدے تراش لئے، ان کے بعض فرقوں نے آپ کے بارے میں یہ عقیدہ گڑھ لیا کہ آپ ہی کی ذات اللہ ہے، اور ان میں بعض لوگوں نے یہ عقیدہ بنا لیا کہ عیسیٰ تین خداؤں میں سے ایک ہیں۔

قرآن مجید میں اُن کے اِن دعووں کی تردید فرمائی ہے اور جگہ جگہ ان کی گمراہی پر مطلع فرمایا ہے۔

سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے:

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَ	اور (عیسیٰ نے کہا) تاکہ میں اپنے سے پہلے والی کتاب توراۃ کی تصدیق کروں اور تاکہ تم پر بعض حرام کی ہوئی کچھ چیزوں کو حلال کردوں اور تمہارے رب کے پاس سے نشانی لے کر آیا ہوں، تو اللہ سے ڈرو

رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (آل عمران۔ ۵۰۔ ۵۱)

اور میری اطاعت کرو، اللہ میرا رب ہے اور تمہارا بھی، تو اسی کی اطاعت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

اور سورہ زخرف میں فرمایا:

وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ (زخرف ۶۳۔ ۶۴)

اور جب عیسٰی کھلی دلیلیں لے کر آیا اور کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں، اور اس لئے آیا ہوں کہ تم جن باتوں میں جھگڑتے ہو انھیں واضح کردوں لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے، اس لئے اسی کی عبادت کرو، یہی صراطِ مستقیم ہے۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کی والدہ سے جب بنی اسرائیل نے دریافت کیا کہ بلا شوہر کے یہ بچہ کہاں سے آیا تو حضرت عیسٰی علیہ السلام نے ماں کی گود میں خود ہی جواب دیدیا، جو سورہ مریم میں مذکور ہے۔

قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝ وَجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ وَبَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۝ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ

وہ بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اس نے کتاب عطا فرمائی اور اس نے مجھے نبی بنایا اور مجھے برکت والا بنایا میں جہاں کہیں بھی ہوں، اور اس نے مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا جب تک کہ میں زندہ رہوں اور مجھے اپنی والدہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا بنایا اور مجھے سرکش بدبخت نہیں بنایا اور مجھ پر سلام ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مجھے موت آئے گی اور جس

الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ○ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ○ وَ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ○ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ○

(۳۰ تا ۳۷)

دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم، ہم نے سچی بات کہی ہے جس میں وہ لوگ شک کر رہے ہیں یہ اللہ کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنی اولاد بنائے وہ اس سے پاک ہے جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو صرف یوں فرما دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے۔ اور بیشک اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے اسی لئے اس کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے پھر جماعتوں نے آپس میں اختلاف کر لیا سو بڑے دن کی حاضری کے موقع پر ان لوگوں کی بڑی خرابی ہے جنہوں نے کفر اختیار کیا۔

سورۃ التوبہ میں فرمایا:

اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ ۚ وَ مَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِیَعْبُدُوْۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ○ (۳۱)

انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو رب بنا رکھا ہے اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ ان کو صرف یہ حکم کیا گیا ہے کہ فقط ایک معبود کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، وہ ان کے شرک سے پاک ہے،

سورۃ الصف میں فرمایا:

وَ اِذْ قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا

اور جبکہ عیسیٰ بن مریم نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے لئے خدا کا رسول ہوں اور اپنے سے قبل کی کتاب توریت کی تصدیق کرنے والا اور اس رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آنے والا ہے اور جس کا نام احمد ہے

جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ (٦)

تو جب وہ رسول ان کے پاس بینات لیکر آیا تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے

سورۃ المائدہ میں ارشاد ہے

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ○ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ

انہوں نے کفر ہی کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح بن مریم ہے، حالانکہ مسیح نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اس اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی، جو بھی اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے تو وہ اس پر جنت کو حرام کر دیگا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا، ان لوگوں نے بھی کفر کیا جو کہتے ہیں کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے حالانکہ خدائے واحد کے سوا کوئی خدا نہیں اور اگر وہ اپنے کہنے سے باز نہیں آتے تو ان کے کفر کرنے والوں کو ضرور دردناک عذاب پکڑے گا، وہ اللہ سے توبہ اور معافی کیوں نہیں چاہتے، اللہ تو بڑا غفور رحیم ہے، مسیح بن مریم تو ایک رسول ہیں ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں ان کی ماں بھی صداقت شعار تھیں وہ دونوں (عام انسانوں ہی طرح) کھانا کھاتے تھے، آپ دیکھیے ہم ان کے لئے کس طرح آیات کی وضاحت کرتے ہیں، دیکھیے کہ وہ کس طرح الٹے پاؤں پھرے جاتے ہیں، آپ

الْعَلِيْمُ ۝ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝

(المائدہ، ۷۶ - ۷۷)

کہئے کہ کیا تم خدا کے سوا اس کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے کسی نفع نقصان کا مالک نہیں اور اللہ ہی سننے والا اور جاننے والا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور گمراہ قوم کا اتباع نہ کرو جنہوں نے بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کیا ہے اور وہ سیدھے راستے سے بہک گئے۔

اوپر متعدد آیاتِ کریمہ مع ترجمہ نقل کی گئی ہیں جو حضرت مسیح ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اور ان کی نبوت ورسالت اور ان کے لائے ہوئے دینِ توحید کو اور ان کی والدہ کی سچائی اور پاکبازی کو بیان کررہی ہیں۔ غور سے پڑھا جائے تو ان سے یہ باتیں واضح طریقے پر سامنے آجاتی ہیں:

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح ابن مریم تھے، نام عیسیٰ تھا (جسے موجودہ انجیلوں میں یسوع سے تعبیر کیا ہے) اور مسیح ان کا لقب تھا (کیونکہ نابینا اور برص والے پر ہاتھ پھیر دیتے تو وہ اچھا ہو جاتا تھا)۔

(۲) ان کا کوئی باپ نہیں تھا اسی لئے بار بار ماں کی طرف نسبت کی گئی ہے اور جب ان کی والدہ مریم پیدائش کے بعد ان کو گود میں لے کر آئیں تو لوگوں نے ان پر تہمت دھری اور کہا یہ بچہ کہاں سے آیا ________________

انہوں نے اشارے سے جواب دیا کہ اسی بچہ سے پوچھو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فوراً پہلا لفظ جو زبان سے نکالا اِنِّیْ عَبْدُ اللہِ (میں اللہ کا بندہ ہوں) یوں نہیں کہا کہ میں اللہ کا بیٹا ہوں اور نہ یوں کہا کہ میں بھی معبود ہوں اور اپنی صفات اور اعمال اور اللہ تعالیٰ نے جو کام ان کے ذمے لگایا، ان کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا اور والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے کا حکم دیا

(غور کیا جائے بَرًّا بِوَالِدَتِی فرمایا بَرًّا بِوَالِدَیْهِ نہیں فرمایا جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں بَرًّا بِوَالِدَیْهِ فرمایا۔ قرآن مجید کی تصریح کے خلاف بعض فرقے زبردستی مخلوق میں ان کے لئے باپ تجویز کرتے ہیں اور ان کی طرف نسبت کرنے والے اور یہ کہنے والے کہ ہم دینِ مسیحی پر ہیں، اپنی طرف سے عقیدہ تراش کر کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے تھے (العیاذ باللہ)

(۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ میرا رب اور تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہی ہے تم اسی کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔

(۴) حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام فرما دیگا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا۔

(۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے واضح طور پر توحید کی دعوت دی اور فرمایا کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے کہ وحدہ لاشریک لہ ہے لیکن جو لوگ ان کی طرف نسبت رکھتے ہیں ان میں بعض جماعتوں نے تو یوں کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے اور ان میں سے دوسرے فریق نے کہا کہ تین معبود ہیں: اللہ تعالیٰ، مسیحؑ اور ان کی والدہ مریمؑ دونوں جماعتوں کے بارے میں فرمایا کہ کافر ہیں،

(۶) مسیح ابن مریم کے بارے میں فرمایا کہ وہ صرف اللہ کے رسول ہیں ان کی یہ حیثیت نہیں ہے کہ ان کو معبود بنا لیا جائے۔ ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں ان کی والدہ سچی تھی دونوں ماں بیٹے کھانا کھاتے تھے (جسے کھانے کی حاجت ہو وہ کیسے معبود بن سکتا ہے)

(۷) حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بعض چیزیں حرام تھیں بحکمِ الٰہی اس کو حلال قرار دیا اور شریعتِ موسویہ کے بارے میں جو بنی اسرائیل میں اختلافات تھے ان کو رفع کرنا اور صحیح صورت حال بیان کرنا بھی ان کے منصب میں داخل

تھا۔ انجیل متی میں اب تک موجود ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھروں کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا (متی باب۱ نمبر ۶) اور یہ بھی فرمایا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔

(متی باب۱۵ - ۲۵)

اب نصاریٰ کو دیکھ لو کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی اور انجیل کی دل کھول کر کیسی مخالفت کرتے ہیں، بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کے پاس تو جاتے نہیں اور دنیا بھر میں مشن قائم کر رکھے ہیں اور مسلمانوں کے دلوں سے ایمان کھرچنے کی کوشش کرتے ہیں، مال اور عورت کا لالچ دے کر اپنی طرف کھینچتے ہیں، کسی دین کے باطل ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ دنیا کا لالچ دے کر اس کی دعوت دی جائے، جن لوگوں کے پاس حق نہ ہوگا تو وہ باطل ہی کو لئے پھریں گے۔

(۸) حضرت عیسٰی علیہ السلام نے سیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت دی جب آپ تشریف لے آئے تو نصاریٰ نے بھی آپ کی مخالفت کی اور آپ پر ایمان نہ لائے۔ آپ کے زمانہ میں نصاریٰ میں سے چند ہی افراد نے اسلام قبول کیا۔

نصاریٰ کو دعوتِ مباہلہ

سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے:

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ	سو جو شخص اُن کے بارے میں آپ سے جھگڑا کرے اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آگیا ہے تو آپ فرما دیجئے کہ آجاؤ ہم بلا لیں اپنے بیٹوں کو اور تم بلا لو اپنے بیٹوں کو اور ہم بلا لیں اپنی عورتوں کو اور تم بلا لو اپنی

ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ٥ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ٥ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ٥ (۶۱، ۶۲، ۶۳)

عورتوں کو اور ہم حاضر کردیں اپنی جانوں کو اور تم بھی حاضر ہو جاؤ اپنی جانوں کو لیکر پھر ہم سب مل کر خوب سچے دل سے اللہ سے دعا کریں اور لعنت بھیجدیں جھوٹوں پر بلا شبہ یہ سچی بات ہے اور کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا، اور بے شک اللہ زبردست ہے اور حکمت والا ہے پھر اگر وہ روگردانی کریں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے۔

اس سے پہلی آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر ہے، اللہ جل شانہ نے انسانوں کی عام تخلیق کا سبب والدین کے ملاپ کو بنایا ہے اور یہ سلسلہ سب کے سامنے ہے، عادت مستمرہ ہے اس لئے اس میں کسی کو تعجب نہیں ہوتا آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بغیر ماں باپ کے اور حضرت حوا کو بغیر ماں کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمادیا، اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں اللہ کی قدرت میں سب کچھ ہے، اگر توالد اور تناسل کا موجودہ سلسلہ نہ ہوتا تو عورت مرد کے ملاپ سے پیدا ہونے ہی کو لوگ تعجب کی بات سمجھتے۔ حضرت حسنؓ سے منقول ہے کہ نجران کے دو راہب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان پر اسلام پیش فرمایا انہوں نے کہا کہ ہم تو آپ سے پہلے مسلم ہیں آپ نے فرمایا تم دونوں جھوٹے ہو، اسلام سے تم کو تین چیزیں روکتی ہیں: صلیب کی عبادت اور خنزیر کا کھانا اور اللہ کے لئے اولاد تجویز کرنا۔ کہنے لگے عیسیٰ کا باپ کون ہے؟ آپ جواب دینے میں جلدی نہیں فرماتے تھے جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہ مل جائے۔ اللہ جل شانہ نے آیت اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ (آل عمران: ۵۹)

نازل فرمادی جس میں ان کا جواب مذکور ہے۔

اللہ جل شانہ، نے اپنے نبیؐ سے فرمایا فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ (الآیۃ) اس میں دعوتِ مباھلہ کا ذکر ہے۔ مفسر ابن کثیرؒ نے ص۴۳۸ ج ۱ میں محمد بن اسحٰق بن یسار سے نقل کیا ہے کہ نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد جو ساٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ان میں چودہ اشخاص ان کے اشراف میں سے تھے جن کی طرف ہر معاملہ میں رجوع کیا جاتا تھا ان میں سے ایک شخص کو سید کہتے تھے جس کا نام ایہم تھا اور ایک شخص ابوحارثہ تھا اور بھی لوگ تھے اُن میں عاقب ان کا امیر تھا اور صاحب رائے سمجھا جاتا تھا اسی سے مشورہ لیتے تھے اور اس کی ہر رائے پر عمل کرتے تھے اور سید اُن کا عالم تھا، ان کی مجلسوں اور محفلوں کا وہی ذمہ دار تھا اور ابوحارثہ ان کا پوپ تھا جو ان کی دینی تعلیم و تدریس کا ذمہ دار تھا بنی بکر بن وائل کے قبیلے سے تھا اور عرب تھا لیکن نصرانی ہو گیا تھا۔ رومیوں نے اس کی بڑی تعظیم کی اس کے لئے گرجا گھر بنا دیئے اور اس کی طرح طرح سے خدمت کی۔ اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کا علم تھا، کتب سابقہ میں آپ کی صفات مذکور ہیں اُن سے واقف تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر بھی نصرانیت پر مُصر رہا۔ دنیاوی اکرام اور عزت وجاہ نے اس کو اسلام قبول کرنے سے باز رکھا۔

جب یہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نمازِ عصر سے فارغ ہوئے تھے اور مسجد ہی میں تشریف رکھتے تھے ان لوگوں نے بہت بڑھیا کپڑے پہن رکھے تھے اور خوب صورت چادریں اوڑھ رکھی تھیں ان کی اپنی نماز کا وقت آ گیا تو انہوں نے مسجدِ نبوی ہی میں مشرق کی طرف نماز پڑھ لی۔ ان میں سے ابوحارثہ عاقب اور سید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور وہی اپنی شرکیہ باتیں پیش کرنے لگے، کسی نے کہا عیسیٰ اللہ ہے کسی نے کہا ولد اللہ ہے، کسی نے کہا ثالث ثلاثہ (یعنی ایک معبود عیسیٰ ہے، ایک

اس کی والدہ اور ایک اللہ تعالیٰ ہے) ان لوگوں نے گفتگو میں یہ سوال کیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عیسیٰ کا باپ کون تھا؟ آپ نے خاموشی اختیار فرمائی، اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران کے شروع سے لے کر اسی سے کچھ اوپر آیات نازل فرمائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ کی طرف سے جب تفصیل کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وحی نازل ہو گئی اور اُن سے مباہلہ کرنے کی دعوت کا حکم نازل ہو گیا تو آپ نے اس کے مطابق ان کو مباہلہ کی دعوت دی۔

مباہلہ کا طریقہ دعوت یہ تھی کہ ہم اپنی اولاد اور عورتوں سمیت آجاتے ہیں تم بھی اپنی اولاد اور عورتوں اور اپنی جانوں کو لے کر حاضر ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دونوں فریق مل کر خوب سچے دل سے دعا کریں گے کہ جو بھی کوئی جھوٹا ہے اس پر اللہ کی لعنت ہو جائے، جب آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مباہلہ کی دعوت دی تو کہنے لگے کہ ابو القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں مہلت دیجئے ہم غور و فکر کر کے حاضر ہوں گے۔

نصاریٰ کا مباہلہ سے فرار جب آپ کے پاس سے چلے گئے اور آپس میں تنہائی میں بیٹھے تو عبد المسیح سے کہا کہ تیری کیا رائے ہے اس نے کہا کہ یہ تو تم نے سمجھ لیا کہ محمد نبی مرسل ہیں اور انہوں نے تمہارے صاحب (حضرت عیسیٰؑ) کے بارے میں صاف صاف صحیح باتیں بتائی ہیں اور تمہیں اس بات کا بھی علم ہے کہ جب کسی قوم نے کسی نبی سے کوئی مباہلہ کیا ہے تو کوئی چھوٹا بڑا اُن میں باقی نہ رہا۔ اگر تمہیں اپنا بیج ناس کھونا ہے تو مباہلہ کر لو، اگر تمہیں اپنا دین نہیں چھوڑنا تو ان سے صلح کر لو اور اپنے شہروں کو واپس ہو جاؤ۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتِ بالا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ آخر تک نجران کے نصاریٰ کے سامنے پڑھی اور ان کو مباہلہ کی دعوت دی تو انہوں نے کل تک مہلت مانگی جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے آپ پہلے سے

حضرت حسینؓ کو گود میں لئے ہوئے اور حضرت حسنؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تشریف لا چکے تھے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پیچھے پیچھے تشریف لا رہی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اُن کے پیچھے تھے آپ نے اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ جب میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا، یہ منظر دیکھ کر نصاریٰ نجران کا پوپ کہنے لگا کہ اے نصرانیو! میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر اللہ سے یہ سوال کریں کہ وہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے تو ضرور ہٹا دے گا لہٰذا تم مباہلہ نہ کرو، ورنہ ھلاک ہو جاؤ گے اور قیامت تک روئے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا۔ یہ سُن کر کہنے لگے کہ اے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری رائے یہ ہے کہ ہم مباہلہ نہ کریں اور آپ کو آپ کے دین پر چھوڑ دیں اور ہم اپنے دین پر رہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہیں مباہلہ سے انکار ہے تو اسلام قبول کرو، اسلام قبول کرنے پر تمہارے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں اور تمہاری وہی ذمہ داریاں ہوں گی جو مسلمانوں کی ہیں۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا، اس پر آپ نے فرمایا کہ بس ہمارے اور تمہارے درمیان جنگ ہو گی۔ وہ کہنے لگے کہ ہمیں جنگ کی طاقت نہیں ہم آپ سے صلح کر لیتے ہیں۔

نصاریٰ نجران سے مال لینے پر صلح

اور وہ یہ کہ ہر سال دو ہزار جوڑے کپڑوں کے پیش کیا کریں گے، ایک ہزار ماہِ صفر میں اور ایک ہزار ماہِ رجب میں۔ آپ نے ان سے اس بات پر صلح کر لی اور فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اہل نجران پر عذاب معلق رہا تھا، اگر وہ مباہلہ کر لیتے تو مسخ کر دئیے جاتے، بندر اور خنزیر بنا دئیے جاتے اور اُن کے سارے علاقے کو آگ جلا کر ختم کر دیتی اور نجران کے لوگ بالکل ختم ہو جاتے، یہاں تک کہ پرندے بھی درختوں پر نہ رہتے اور ایک سال بھی پورا نہ ہوتا کہ تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔

تفسیر ابن کثیر صفحہ ۳۶۹ ج۱ میں بحوالہ مسند احمد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مباہلہ کرنے کو تیار ہوئے

تھے اگر مباہلہ کے لئے نکل آتے تو (میدانِ مباہلہ سے) اس حال میں واپس ہوتے کہ نہ مال پاتے، نہ اہل وعیال میں سے کسی کو پاتے۔ (اور خود بھی مرجاتے)

نصاریٰ مباہلہ کے لئے راضی نہ ہوئے اور اپنے باطل دین پر قائم رہے اور یہ جانتے ہوئے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اللہ کے رسول ہیں ایمان نہ لائے اور ایمان سے روگردانی کر بیٹھے اور آج تک ان کا یہی طریقہ ہے۔ حضرات علماء کرام نے بارہا مناظروں میں ان کو شکست دی ہے، ان کی موجودہ انجیل میں تحریف ثابت کی ہے۔ ان کے دین کو مصنوعی خودساختہ دین بارہا ثابت کرچکے ہیں لیکن وہ اپنی دنیاوی اغراض سیاسیہ اور غیر سیاسیہ کی وجہ سے دینِ اسلام کو قبول نہیں کرتے اور دنیا بھر میں فساد کر رہے ہیں۔ جس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی تھی اس وقت سے لے کر آج تک ان کا یہی طریقہ رہا ہے۔

اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ (کہ اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو اللہ تعالیٰ مفسدوں کو خوب جاننے والا ہے) یہ وعید اس وقت سے لے کر آج تک کے نصاریٰ کو اور آج کے بعد جو نصاریٰ حق سے اعراض کریں گے قیامت تک اُن سب کو شامل ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝	آپ فرمادیجئے کہ اے اہل کتاب آجاؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم عبادت نہ کریں مگر اللہ کی، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور اللہ کو چھوڑ کر ہم آپس میں کوئی کسی دوسرے کو رب نہ بنائے، سو اگر وہ روگردانی کریں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم فرمانبردار ہیں۔
(آل عمران: ۶۴)	

موجودہ انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیش گوئی

سورۃ الاعراف میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اَلَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ کہ یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، اصل انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا ذکر تو ہے ہی بہت سی تحریفات کے باوجود اب نصاریٰ کے پاس جو انجیل ہے اس میں بھی آپ کا تذکرہ موجود ہے۔

انجیل یوحنا باب ۱۴ میں ہے کہ :

"میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن وہ مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائیگا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔"

پھر باب ۱۶ میں ہے :

"لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے، کیوں کہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر میں جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیجدوں گا۔"

پھر چند سطر کے بعد ہے :

"لیکن جب وہ یعنی رُوحِ حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھلائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سُنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبر دے گا۔"

پھر چند سطر کے بعد ان کی رفع الی السماء کی پیشین گوئی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں :

"اور پھر تھوڑی دیر میں مجھے دیکھ لوگے اور یہ اس لئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں۔" (یہ بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ کی طرف اشارہ ہے)

پھر چند سطر کے بعد دنیا میں تشریف لانے کا ذکر ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں :

"میں نے تم سے یہ باتیں اس لئے کہیں کہ تم مجھ میں اطمینان پاؤ، دنیا میں مصیبتیں اٹھاتے ہو لیکن خاطر جمع رکھو، میں دنیا پر غالب آیا ہوں۔"

چونکہ عہد قدیم اور عہد جدید سب انہی لوگوں کے مرتب کئے ہوئے ہیں اس لئے تحریف کرتے رہتے ہیں اور ترجموں میں بھی اختلاف ہوتا رہتا ہے اور اصل کتاب پاس نہیں جس سے میلان کیا جائے اس لئے تحریف کرنے میں آزاد ہیں۔ سیدنا عیسٰی علیہ السلام کی طرف جو یہ منسوب کیا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا باپ کہہ کر پکارا اور اسی عنوان سے ذکر کیا۔ یہ سب باتیں ان کی اپنی تراشیدہ عقیدۂ تثلیث اور تکفیر کا نتیجہ ہیں۔

سیدنا حضرت عیسٰی علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ میں اللہ کا بیٹا ہوں، تم مجھے دوسرا معبود مانو (العیاذ باللہ) انہوں نے تو یہ فرمایا تھا:

اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ○ (مریم: ۳۶)

بلاشبہ اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے سو تم اسی کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے

ہم نے جو بائیبل سے عبارتیں نقل کی ہیں ان پر حجت قائم کرنے کے لئے لکھ دی ہیں۔ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ ہم نے ان کی تحریف کردہ کتاب کی تصدیق کردی، ہاں ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ ان کے پاس جو کتاب ہے تحریفات سے پُر ہے۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے بہت سی باتیں کہیں انہیں توحید کا سبق دیا انہیں شرعی احکام سکھائے لیکن چند ہی لوگوں نے ان کی بات مانی جنہیں حواری کہا جاتا ہے۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْھُمُ الْکُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَاشْھَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ (آل عمران: ۵۲)

پھر جب عیسٰی نے ان کی طرف سے انکار دیکھا تو کہنے لگے کہ کون ہیں جو میرے مددگار ہو جائیں اللہ کی طرف، حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیے کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

جو تھوڑے سے افراد نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت قبول کرلی تھی، آپ کے بعد کچھ عرصہ آپ کی طرف نسبت رکھنے والے آپ کے دین پر قائم رہے کچھ لوگ راہب بن گئے، جنگلوں میں رہتے رہے پھر سوائے شرک اور کفر اور دنیا داری کے نصرانیوں میں کچھ نہ رہا۔

نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخالف ہیں

انجیل متی میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نقل کیا ہے اس میں ایک بات یہ بھی ہے کہ میں بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا ہوں ان کی یہ بات انجیل متی میں بھی لکھی ہے جسے نصرانی پڑھتے پڑھاتے اور پھیلاتے ہیں تحریف و تبدیل کے باوجود اب تک اس میں یہ موجود ہے کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں نہ جانا بلکہ اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑیوں کی طرف جانا۔

(انجیل متی باب ۱۰)

نیز یہ بھی فرمایا کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑیوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ (انجیل متی باب ۱۵)

یہ نصاریٰ نے جو دنیا بھر میں اپنے مشن قائم کر رکھے ہیں اور اپنے بنائے ہوئے دینِ شرک کو پھیلاتے ہیں اس میں اپنے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کرتے ہیں، جنہوں نے فرمایا تھا کہ میں صرف بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا ہوں اور تم کسی اور شہر کی طرف نہ جانا۔

یہودی اپنی مکاریوں سے سیاستِ باطلہ میں نصاریٰ کو استعمال کرتے ہیں اور نصاریٰ اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف غیر قوموں میں اور خاص کر مسلمانوں میں شرکیہ مذہب کی تبلیغ کرتے رہتے ہیں اور مال کا لالچ دے کر اپنے شرکیہ دین کو پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

دینِ حق پھیلانے کے لئے لالچ نہیں دیا جاتا، جو لوگ اپنے مذہب کو ثابت کرنے کے لئے دلیل سے عاجز ہیں وہ لوگ کھانے پینے کی چند چیزیں مفت تقسیم کر کے

غیر قوموں کو قابو کرتے ہیں پھر اپنا دین شرک سکھلاتے ہیں۔ فَاَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ۔

لفظ فارقلیط کے بارے میں ضروری وضاحت

ہم نے بلفظہ نصاریٰ کا اپنا کیا ہوا ترجمہ اور نقل کر دیا ہے

تینوں عبارتوں میں جو "مددگار" آیا ہے یہ لفظ "فارقلیط" کا ترجمہ کیا گیا ہے، جو انجیلوں کے پرانے ایڈیشنوں میں پایا جاتا تھا، اس لفظ کا ترجمہ "احمد" کے معنی کے قریب تر ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام عبرانی زبان بولتے تھے آپ کے فرمان کا یونانی میں ترجمہ کیا گیا، الفاظ بدل گئے لیکن مفہوم باقی رہا۔ جب نصاریٰ نے دیکھا کہ ان الفاظ سے ہم پر حجت قائم ہوتی ہے تو انہوں نے "فارقلیط" کا لفظ چھوڑ کر اس کی جگہ "مددگار" کا ترجمہ کر دیا۔ اصل لفظ پیرکلوطوس تھا جس کا معنی محمد اور احمد کے قریب ہے۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک پیشنگوئی دوسرے الفاظ میں دی ہے جو انجیل یوحنا کے سولھویں باب میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے "لیکن جب وہ یعنی روحِ حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا، اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا۔ لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ یہ پیشنگوئی پوری طرح سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہے

یہود و نصاریٰ اپنی کتابوں کی تحریف میں مہارت رکھتے ہیں انہوں نے لفظ پیرکلوطوس کا ترجمہ کبھی "مددگار" اور کبھی شافع کر دیا لیکن ان کی تغیر اور تحریف سے اُن کو کفر پر جمے رہنے کے بارے میں کچھ فائدہ نہ پہنچا کیونکہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم احمد بھی تھے محمد بھی تھے اور اپنے صفات کے اعتبار سے معین اور مددگار بھی تھے اور روزِ محشر میں اہلِ ایمان کے شافع ہوں گے۔ پھر نصاریٰ سے یہ بھی سوال ہے کہ اگر سیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے مصداق نہیں ہیں تو کون شخص ہے جس کی انہوں نے بشارت دی تھی اگر کٹ حجتی کے طور پر کسی شخصیت کا نام جھوٹ موٹ پیش کر دیں تو ان سے یہ سوال ہے کہ اگر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اس بشارت

کا مصداق ہو چکا تھا تو یہود و نصاریٰ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے کیوں منتظر تھے اور جب آپ کی بعثت ہو گئی تو نصرانی بادشاہوں اور راہبوں نے اسی بشارت کے مطابق جو ان کے یہاں چلی آرہی تھی آپ کو کیوں اللہ کا رسول تسلیم کیا، شاہِ روم ہرقل اور ملک حبشہ کا قصہ مشہور ہی ہے اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو ایک راہب نے کہا تھا اب نبی آخر الزماں کا انتظار کرو، نجران کے نصاریٰ آئے وہ بھی قائل ہو کر چلے گئے اور یہ بھی سب پر واضح ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد یہود و نصاریٰ کو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے مصداق کے لئے کسی شخص کی نہ تلاش ہے اور نہ انتظار ہے، مزید تشریح اور توضیح کے لئے "اظہار الحق" عربی از مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور اس کا اردو ترجمہ "بائبل سے قرآن تک" کا مطالعہ کیا جائے۔

جھوٹے مدعی نبوت کی گمراہی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد جس نبی کے آنے کی خبر دی تھی اس کا نام احمد بتایا اور اس رسول کی بعثت ہو گئی جس کے بارے میں قرآن کریم نے بتا دیا کہ وہ خاتم النبیین ہے اور خود صاحبِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا انا خاتم النبیین لا نبی بعدی لیکن غیر منقسم ہندوستان میں بعض جھوٹے مدعیانِ نبوت نے آیتِ شریفہ کا مصداق اپنے آپ کو بنا دیا اور آیت کے مضمون میں تحریف کر دی دعوائے نبوت سے بھی یہ شخص کافر ہوا۔ اور سورۃ الاحزاب کی آیت میں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمایا اس کی تحریف سے بھی کافر ہوا۔ اور سورۃ الصف میں جو احمد مجتبیٰ رسول مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی اپنی ذات کو اس کا مصداق قرار دے کر بھی کفر در کفر کا مرتکب بن گیا۔ خود سورۃ الصف کی آیت میں آگے موجود ہے فَلَمَّا جَاءَهُم بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ کہ جب وہ رسول آگیا جس کی عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی تو ان لوگوں نے کہا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے، اس میں ایک تو جَاءَ ماضی کا صیغہ استعمال فرمایا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ جب آیت کریمہ نازل ہوئی تھی اس وقت اس رسول کی بعثت ہو چکی تھی اور لوگوں نے کہا تھا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ جس کسی نے بھی احمد مجتبیٰ خاتم النبیین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا ایسے لوگوں کو جھوٹا بھی کہا گیا اور ان کے بارے میں دوسری باتیں بھی کہی گئیں لیکن جادوگر نہیں کہا گیا۔

جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنے آپ کو نبی بتاتا ہے اور اپنے کو سورۃ صف کا مصداق بتاتا ہے اس کا جھوٹا ہونا آیت کریمہ کے الفاظ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ سے ظاہر ہے اور اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ اس شخص کا نام احمد نہیں تھا، ہم نے اس کے نام سے تفسیر کو ملوث کرنا نہیں چاہا اس لئے نام ذکر نہیں کیا، سب جانتے ہیں وہ کون شخص ہیں۔

عقیدہ قتل اور عقیدۂ تکفیر کی تردید

جیسے جیسے سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت آگے بڑھتی گئی اور آپ اپنے عہدۂ رسالت کے کام کرتے رہے اور کچھ نہ کچھ افراد ان کے ساتھی ہوتے گئے بنی اسرائیل کی دشمنی تیز ہوتی گئی اور بالآخر انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے کی ٹھان لی اور طے کر لیا کہ انہیں ختم کر کے رہیں گے۔ اب بنی اسرائیل نے اپنی ایسی تدبیریں شروع کر دیں جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام شہید کر دئے جائیں اور اُن سے بنی اسرائیل کا چھٹکارہ ہو جائے۔ بنی اسرائیل نے جب سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا تو ان کو ایک مکان میں بند کر دیا اور ان پر ایک نگران مقرر کر دیا۔ جب قتل کرنے کے لئے وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے اس نگران کی صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی صورت بنا دی اور ان کو اوپر اٹھا لیا (ذکرہ البغوی فی معالم التنزیل صفحہ ۴۹۶ ج ۱) ان لوگوں نے اندر جا کر دیکھا تو وہاں ایک ہی شخص کو پایا اور اسے قتل کر دیا کیونکہ یہ شخص صورۃً حضرت عیسیٰ

کا ہم شکل تھا، لیکن اس سوچ بچار میں رہے کہ اگر یہ شخص وہی تھا جس کے قتل کرنے کے لئے ہم آئے تھے تو ہمارا آدمی کہاں گیا؟ قتل تو اس کو کردیا لیکن پھر بھی شک و شبہ میں رہے، اس کو سورۃ نساء میں یوں بیان فرمایا:

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ۔ (۱۵۷)

اور انہوں نے نہ اُن کو قتل کیا نہ ان کو صلیب پر چڑھایا لیکن ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا۔

یہ اشتباہ کس طرح سے ہوا اس بارے میں مفسرین نے کئی باتیں لکھی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو ایک جگہ قید کردیا تھا آپ نے ان کے لئے بددعا کی لہٰذا وہ بندر اور خنزیر بنا دیئے گئے، جب یہ بات یہودیوں کے سردار کو پہنچی جس کا نام یہودا تھا اس نے یہودیوں کو جمع کیا اور سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ ان کو قتل کردیا جائے۔ قتل کرنے کے لئے چلے تو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جبرئیل علیہ السلام کو بھیج دیا، جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھالیا۔ یہودیوں ہی کا ایک شخص قتل کرنے کے لئے اندر داخل ہوا، جس کا نام طیطانوس تھا وہاں ان کو موجود نہ پایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی صورت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت کے مشابہ بنادی جب وہ باہر نکلا تو یہودیوں نے اسے قتل کردیا اور سولی پر چڑھا دیا۔

اور وہب بن منبہ سے یوں منقول ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ستر حواری تھے جو ایک گھر میں جمع تھے۔ قتل کرنے والے جب آئے اور گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ہر شخص عیسیٰ علیہ السلام کی صورت پر ہے یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے کہ تم لوگوں نے ہم پر جادو کردیا، تم میں عیسیٰ کون ہے وہ سامنے آجائے ورنہ ہم تم سب کو قتل کردیں گے یہ سن کر حضرت علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم میں ایسا کون شخص ہے جو آج اپنی جان کو جنت کے بدلے میں بیچ دے اُن میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں حاضر ہوں، لہٰذا وہ شخص باہر نکلا اور اس نے حاضرین سے کہا

میں عیسیٰ ہوں لہٰذا انہوں نے اس کو قتل کر دیا اور سولی پر چڑھا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اوپر اٹھالیا۔ قتادہ اور مجاہد وغیرہما کا بھی یہی قول ہے۔ ایک قول یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں میں ایک شخص منافق تھا جب یہودیوں نے انہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس منافق نے کہا کہ میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ وہ کہاں ہیں اور دس درہم کی اجرت بھی لے لی، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوا تو آپ آسمان پر اٹھائے جا چکے تھے، منافق کی صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جیسی صورت بنا دی گئی۔ لہٰذا ان لوگوں نے اندر داخل ہو کر اُسی کو قتل کر دیا۔ اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا۔ اس کے علاوہ اور بھی بعض اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔ (روح المعانی ص ج ۱)

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اوپر اٹھالیا اور کافروں کے ارادوں اور شرارتوں سے انہیں بچالیا۔ بہرحال جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تھا وہ ان کے قتل میں ناکام ہو گئے اور ان کو اشتباہ ہو گیا ان کا اپنا آدمی قتل ہو گیا، اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب آئی اور اُن کی مکاری دھری کی دھری رہ گئی۔ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ۔

مزید فرمایا

وَإِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ (النساء : ۱۵۷)

اور جن لوگوں نے ان کے بارے میں اختلاف کیا وہ ان کی جانب سے شک میں ہیں، ان کو ان کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے سوائے اٹکل پر چلنے کے۔

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ قتل کے دعویدار ہیں انہیں قتل کا یقین نہیں کیونکہ انہیں یہ تردد تھا کہ اگر ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو ختم کر دیا ہے تو ہمارا آدمی کہاں ہے اور ہمارا آدمی مقتول ہوا ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کہاں ہیں۔

پھر فرمایا،

وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ. (النساء: ۱۵۷)

اور یہ یقینی بات ہے کہ انہوں نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔

عیسیٰ علیہ السلام نہ مقتول ہوئے نہ انہیں ابھی تک طبعی موت آئی ہے۔ معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے آسمانِ دوم میں ملاقات کی پھر وہ قیامت کے قریب نازل ہوں گے، دجال کو قتل کریں گے اور زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔ قرآن وحدیث کے موافق مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے۔ جن لوگوں کو قرآن وحدیث ماننا نہیں ہے وہ اس کے خلاف باتیں کر کے اپنا ایمان کھو چکے ہیں۔

قتل کرنے کے درپے تو بنی اسرائیل ہوئے تھے وہ تو قتل نہ کر سکے لیکن جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اپنا دینی رشتہ جوڑتے ہیں اور ان کی طرف نسبت کر کے اپنے آپ کو مسیحی یا کرسچن کہتے ہیں ان لوگوں نے یہ عقیدہ بنالیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو قتل کر دیا گیا اور ان کا قتل ان کے ماننے والوں کے گناہوں کا کفارہ بن گیا، جب سے نصاریٰ نے اس عقیدہ کو اپنایا ہے دنیا میں بڑھ چڑھ کر ہر قسم کے خوب گناہ کرتے ہیں، دوسری قومیں بھی ان کا دیکھا دیکھی خوب گنہگار بنتی ہیں۔ عیسائی لوگ اتوار کے دن چرچ میں جا کر اپنے گناہ معاف کرا لیتے ہیں اور ہفتہ بھر خوب گناہ کرتے ہیں اور اب تو چرچ میں جانے کی بھی ضرورت نہیں تفریح گاہوں میں پادری پہنچ جاتے ہیں اور ڈھول باجے بجا کر حاضرین کو جمع کر کے لوگوں کے گناہ معاف کر دیتے ہیں، گناہوں پر جسارت اور جرأت کرنے کے لئے یہ عقیدہ نکالا کہ اتوار کے دن چرچ میں سب کچھ معاف ہو جائے گا اور یہ ایسی موٹی بات ہے کہ جو نافرمانی خالقِ تعالیٰ شانہ کی ہوئی کوئی بندہ اسے کیسے معاف کر سکتا ہے؟

اور اس بات کا جواب بھی ضروری ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کب

فرمایا اور کس سے فرمایا کہ تم مجھے قتل کر دو اور میرے قتل کو میرے گناہوں کا کفارہ بنالو اس کا کون راوی ہے، انہوں نے کس سے فرمایا؟ ایسے خود ساختہ عقیدوں کے باوجود کہتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی اسی دین کی دعوت دیتے ہیں اور یہ عقیدہ لئے بیٹھے ہیں کہ جنت میں ہم ہی داخل ہوں گے جیسا کہ یہودیوں کا بھی اپنے بارے میں یہی خیال ہے۔ قرآن مجید میں صاف فرمادیا۔ تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ (کہ ان کی یہ آرزوئیں ہیں) اور فرمایا: قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (البقرۃ: ۱۱۱) کہ اے محمد آپ ان سے صاف فرمادیجئے کہ اپنی دلیل لے آؤ اگر تم سچے ہو)

قیامت کے دن سوال وجواب

سورۃ المائدہ میں ارشاد ہے:

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ○ (المائدۃ: ۱۱۷،۱۱۶)

جب اللہ کا سوال ہوگا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا بنالو؟ مسیح نے کہا پاک آپ کی ذات میری یہ جرأت نہیں کہ میں وہ کہتا جس کا مجھے حق نہ تھا، اگر میں نے ایسا کہا ہے تو آپ اسے جانتے ہوں گے، آپ میرے جی کا حال جانتے ہیں لیکن میں آپ کے دل کا حال نہیں جانتا، آپ ہی غیبوں کے جاننے والے ہیں، میں نے ان سے وہی کہا جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ اس خدا کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اور میں جب تک ان میں رہا اس کا گواہ رہا اور جب آپ نے مجھے وفات دی تو آپ ہی ان پر نگراں تھے اور آپ ہر شے پر گواہ ہیں۔

إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ

(آلِ عمران: ۱۴۰)

غزوۂ اُحُد

فتح اور شکست کی تفصیلات

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تسلی

اور

لغزش ہو جانے پر معافی کا اعلان

غزوۂ اُحد کا تذکرہ

سورہ آل عمران میں فرمایا :

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ	اور جب آپ اپنے گھر سے صبح کے وقت نکلے مسلمانوں
الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ	کو قتال کرنے کے لئے مقامات بنا رہے تھے، اور اللہ
وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِذْ هَمَّتْ	سننے والا جاننے والا ہے۔ جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے
طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ	تم میں سے کہ بزدل ہو جائیں، اور اللہ ان کا ولی تھا،
وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ	اور اللہ پر بھروسہ کریں مومن بندے۔
الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (۱۲۱، ۱۲۲)	

سنہ ۲ ہجری میں غزوۂ بدر کا معرکہ پیش آیا تھا۔ اس کے بعد آئندہ سال غزوۂ اُحد کا واقعہ سامنے آیا، اور وہ اس طرح کہ گذشتہ سال غزوۂ بدر میں جو مشرکین بُری طرح شکست کھا کر واپس ہوئے تھے انہیں انتقام لینے کا جوش آیا اور باہمی مشورہ کیا۔ ایک دوسرے کو ابھارا کہ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیوں نے بدر میں ہم سے جنگ کی اور ہمیں شکست دی لہٰذا اب ہمیں اہل مدینہ پر چڑھائی کرنی چاہیے اور بدلہ لینا چاہیے۔ چنانچہ مکہ والے اپنی جماعت بنا کر مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے، ان کی تعداد تین ہزار تھی جو ابوسفیان کی قیادت میں نکلے تھے ابوسفیان نے اپنی بیوی ھند بنت عتبہ کو ساتھ لیا، عکرمہ بن ابوجہل بھی لشکر کے ساتھ روانہ ہوا۔ حارث بن ھشام اور صفوان بن اُمیہ بھی ہمراہ ہو گئے تھے، ان لوگوں نے بھی اپنی اپنی بیویاں ساتھ لی تھیں۔ جبیر بن مطعم کا ایک حبشی غلام تھا جس کا نام وحشی تھا اس نے غلام سے کہا کہ اگر تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہؓ کو قتل کر دے تو تُو آزاد ہے[۱]۔

قریشِ مکہ نے اس موقعہ پر خوب زیادہ چندہ کیا اور قریش آپس میں مجتمع ہو کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے مکہ معظمہ سے نکلے۔ قریشِ مکہ اپنے اموال اور فوج

---

[۱] صحیح بخاری، البدایۃ والنہایہ

اور سپاہ کو لیکر مدینہ منورہ پہنچے تو اُحد پہاڑ کے قریب پڑاوڈالدیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہؓ سے مشورہ کیا، آپ کی اپنی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رہ کر ہی مقابلہ کیا جائے، باہر نہ نکلیں لیکن وہ مسلمان جو گذشتہ سال غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوسکے تھے انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ! ہم شہر سے باہر نکلیں گے اور اُحد جاکر ہی اُن سے لڑیں گے، ان حضرات کا اندازہ تھا کہ جس طرح مسلمان سالِ گذشتہ بدر میں دشمن کے مقابلہ میں فتح یاب ہوچکے ہیں اس مرتبہ بھی ان شاءاللہ ضرور غالب ہوں گے۔

یہ حضرات برابر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر نکلنے پر آمادہ کرلیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیاری فرمالی، زرہ پہن لی اور خود (لوہے کی ٹوپی) اوڑھ لی، آپ مشورہ کی وجہ سے آمادہ تو ہوگئے لیکن ہتھیار پہننے سے پہلے آپ نے فرمادیا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں ایک مضبوط زرہ کے اندر ہوں جس کی تعبیر میں نے یہ دی کہ اس سے مدینہ منورہ مراد ہے اور میں نے ایک خواب میں دیکھا ہے کہ میری تلوار کچھ کُند ہوگئی، اس کی تعبیر میں نے یہ دی کہ تمہارے اندر کچھ شکستگی ہوگی اور میں نے یہ بھی خواب دیکھا کہ ایک بیل کو ذبح کیا جارہا ہے اور وہ بھاگ رہا ہے۔ مطلب اس خواب کے بیان کرنے کا یہ بھی تھا کہ مدینہ منورہ ہی کے اندر رہنا چاہیئے اور یہ کہ جنگ ہونے کی صورت میں مسلمانوں کو شکست ہوگی۔ بعد میں بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ ہماری تاریخ یہ ہے کہ جب کبھی اندر رہتے ہوئے جنگ لڑی ہے تو ہم کامیاب ہوئے ہیں اور جب کبھی باہر نکل کر جنگ کی ہے تو دشمن فتح یاب ہوا ہے۔ لہٰذا رائے یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے اندر ہی رہیں باہر نہ نکلیں جن حضرات نے خوب جماؤ کے ساتھ باہر نکلنے کا مشورہ دیا تھا بعد میں ان کو بھی ندامت ہوئی جب آپ کی خدمت میں دوسرا مشورہ پیش کیا اور عرض کیا کہ آپ کی جیسی رائے ہو آپ اسی پر عمل فرمائیں تو آپ نے فرمایا کسی نبی کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ سامانِ جنگ سے آراستہ ہوجائے اور دشمن کی طرف نکلنے کا حکم دیدے

تو وہ قتال کیے بغیر واپس ہو جائے، میں نے تم کو پہلے اس امر کی دعوت دی تھی کہ مدینہ ہی میں رہیں لیکن تم لوگوں نے نہیں مانا، پس اب اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اور دشمن سے مڈبھیڑ ہو جائے تو جاؤ کے ساتھ جنگ کرنا۔ اور اللہ نے جو حکم دیا ہے اس پر عمل کرو[۱]۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو لیکر اُحد کی طرف تشریف لے چلے، اس وقت آپ کے ساتھ ایک ہزار کی نفری تھی اور دشمن کی تعداد تین ہزار تھی۔ اُحد جاتے ہوئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ قیام کیا تو رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی بن سلول تین سو آدمیوں کو لیکر واپس چلا گیا۔ لہٰذا مسلمانوں کی تعداد سات سو رہ گئی۔ عبداللہ بن اُبی جب اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس ہو گیا تو انصار کے دو قبیلے بنی سلمہ اور بنی حارثہ کی نیت بھی ڈانواں ڈول ہو گئی اور ان کے اندر بھی بزدلی کا اثر ہونے لگا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو استقامت دی اور یہ بھی لشکرِ اسلام کے ساتھ ٹھہر گئے۔ اسی کو آیتِ بالا میں فرمایا:

اِذْ هَمَّتْ طَّآىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (آل عمران: ۱۲۲)	اور جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے تم میں سے کہ بزدل ہو جائیں اور اللہ اُن کا ولی ہے اور اللہ پر بھروسہ کریں مؤمن بندے۔

حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اُحد کے دامن میں پہنچ گئے اور وہاں ایک گھاٹی میں نزول فرمایا آپ نے اور آپ کے لشکر نے اُحد کی طرف پُشت کر لی تاکہ اُحد پیچھے رہے اور دشمن سے اُحد کے سامنے میدان میں قتال کیا جا سکے، وہیں ایک پہاڑی پر پچاس صحابہؓ کو مقرر فرما دیا۔ اور ان کا امیر حضرت عبداللہ بن جُبَیر کو بنا دیا اور ان حضرات سے فرمایا کہ تم لوگ اسی پہاڑ پر ثابت قدم رہنا، فتح ہو یا شکست تم یہاں سے مت ٹلنا۔ اگر تم یہ دیکھو کہ ہم کو پرندے بھی بوٹی بوٹی کر کے لے اُڑیں تب بھی اس جگہ سے نہ جانا۔ ان حضرات کا کام یہ تھا کہ دشمن کے لشکر کو مقررہ پہاڑی سے تیر مارتے رہیں تاکہ وہ

[۱] البدایۃ والنہایہ

ان کی طرف سے گذرتے ہوئے لشکرِ اسلام پر حملہ نہ کردیں[1]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو زرہیں پہنے ہوئے تھے اور جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ آپ نے اپنے لشکر کی ترتیب دی اور ان کے ٹھکانے مقرر فرمائے، میمنہ اور میسرہ کی تعیین فرمائی جس کو آیتِ بالا میں اس طرح بیان فرمایا

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ. (آل عمران: ۱۲۱) اور جب آپ اپنے گھر سے صبح کے وقت نکلے مسلمانوں کو قتال کے لئے مقامات بتا رہے تھے۔

جب جنگ شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور فتح یاب فرمایا لیکن پھر یہ ہوا کہ جن پچاس افراد کو تیراندازی کے لئے ایک پہاڑی پر مامور فرمادیا تھا انہوں نے جب فتح وظفر دیکھی تو ان میں آپس میں اختلاف ہوگیا۔ ان میں سے بعض صحابہؓ کہنے لگے کہ اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت کیا ہے، اب تو ہم فتح یاب ہو چکے ہیں لہٰذا اس جگہ کو چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں، اور بعض صحابہؓ نے فرمایا کہ جو بھی صورت ہو ہمیں جم کر رہنے کا حکم ہے، جماعت کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے کچھ ساتھی وہیں جمے رہے اور اکثر حضرات نے جگہ چھوڑ دی اور مالِ غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہوگئے دشمن کے پاؤں اکھڑ چکے تھے اور وہ شکست کھا کر راہِ فرار اختیار کر چکا تھا لیکن جب اس نے یہ دیکھا کہ تیرانداز پہاڑی سے اتر چکے ہیں تو پلٹ کر پھر جنگ شروع کردی، اب صورتِ حال بدل گئی اور مسلمانوں کو شکست ہوگئی جس کے نتیجے میں ستر صحابہؓ شہید ہوگئے۔ جو حضرات صحابہؓ پہاڑی پر مقرر کئے گئے تھے ان میں بارہ افراد اپنے امیر جماعت حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ پہاڑی پر پختگی کے ساتھ جمے ہوئے تھے مشرکین نے ان کو بھی شہید کردیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی اس موقعہ پر تکلیف پہنچی، چہرہ مبارک زخمی ہوگیا، ایک پتھر آکر لگا جس سے سامنے کے بعض دندانِ مبارک شہید ہوگئے، خود مبارک آپ کے سر پر تھا اس کے حلقے ٹوٹ کر سر میں گھس گئے تھے۔ اسی موقع پر ایک مشرک نے

---

[1] البدایۃ والنہایۃ۔

آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا حضرت مصعب بن عمیرؓ وہاں موجود تھے جن کے ہاتھ میں جھنڈا تھا، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دفاع کیا لیکن خود شہید ہوگئے۔ ان کی شہادت کے بعد آپ نے جھنڈا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سپرد فرمایا۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ افراد رہ گئے تھے (بعد میں دیگر افراد بھی حاضر ہوگئے تھے) ان کے علاوہ جو صحابہ تھے ان میں سے کچھ لوگ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوگئے اور کچھ پہاڑی پر چڑھ گئے آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت حارث بن صمہ اور دیگر چند صحابہ تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) آپ ان حضرات کے ساتھ گھاٹی کی طرف روانہ ہوگئے جہاں جنگ سے پہلے قیام تھا۔

جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رخساروں میں مارا تھا یہ عبداللہ بن قمئہ تھا اور جس نے آپ کے ہونٹ اور دانتوں میں مارا تھا وہ عتبہ بن ابی وقاص تھا، جب ابن قمئہ کے حملہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوگئے تو اس نے یہ مشہور کردیا کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کردیا، شیطان بھی چیخ پڑا۔ اس نے زور دار آواز میں کہا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قتل کردیئے گئے جس سے مسلمانوں کو بڑی حیرانی اور پریشانی ہوئی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چوٹ لگی تو آپ گر گئے، جب ایک پتھر پر چڑھنے کا ارادہ کیا تو نہیں چڑھ سکے اوّل تو آپ کا جسم مبارک بھاری تھا، دوسرے آپ نے لوہے کی دو زرہیں پہنی ہوئی تھیں۔ آپ کو اوپر اٹھانے کے لئے حضرت طلحہ بن عبیداللہ نیچے بیٹھ گئے آپ ان پر قدم مبارک رکھ کر پتھر پر تشریف فرما ہوگئے اور فرمایا اَوْجَبَ طَلْحَۃُ یعنی اپنے اس عمل کی وجہ سے طلحہ نے جنّت واجب کردی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص کسی شہید کو دیکھنا چاہے جو زمین پر چلتا پھرتا ہو وہ طلحہ بن عبیداللہ کو دیکھ لے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اُحد کی جنگ میں جو زخم پہنچا تھا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ

خون چوس کر نگل لیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا خون جس کے خون میں مل گیا اُسے دوزخ کی آگ نہیں پہنچے گی۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ انور میں جو خود (یعنی لوہے کی ٹوپی) کے دو حلقے گھس گئے تھے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اپنے دانتوں سے نکالا، پہلا حلقہ نکالا تو سامنے کا ایک دانت ٹوٹ گیا، پھر دوسرا حلقہ نکالا تو دوسرا دانت ٹوٹ گیا ان کے یہ ٹوٹے ہوئے دانت بڑے خوبصورت معلوم ہوتے تھے[1]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب دشمنوں نے گھیر لیا تو آپ نے فرمایا کون ہے جو ہماری جان کو بچانے کے لئے اپنی جان کو بیچتا ہے۔ اس پر پانچ انصاری صحابہؓ سامنے آئے جو آپ کے سامنے کھڑے ہو کر جنگ کرتے رہے اور ایک ایک کر کے قتل ہوتے رہے۔ سب سے آخر میں زیاد یا عمارہ بن زید شہید ہوئے۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا اسے میرے قریب لاؤ، چنانچہ آپ کے قریب کیا گیا، آپ کے قدمِ مبارک پر اپنا رخسار رکھا اور موت آ گئی[2]

صحیح مسلم ص۱۰۷ ج ۲ میں ہے کہ اس موقعہ پر سات انصاری صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے غزوۂ احد میں اپنی کمان سے تیر پھینکے یہاں تک کمان ٹوٹ گئی۔ اسے تبرکاً قتادہ بن نعمان نے لے کر رکھ لیا اور قتادہ بن نعمان کی آنکھ اپنے حلقہ سے نکل کر رخسار پر گر پڑی۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اٹھا کر اس کی جگہ واپس رکھ دیا جس کی وجہ سے یہ آنکھ دونوں آنکھوں میں سب سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ تیز ہو گئی[3]

اس موقعہ پر حضرت طلحہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ آپ کے سامنے سپر بن کر کھڑے ہو گئے تھے ان کے ہاتھوں میں آ کر تیر لگتے تھے جن سے ان کا ہاتھ شل ہو گیا تھا[4] حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ

---

[1] سیرت ابن ہشام ص۸۶ ج ۲   [2] سیرت ابن ہشام ص۸۸ ج ۳

[3] ابن ہشام ص۸۶ ج ۳   [4] صحیح بخاری ص۵۸۵

بھی آپ کے سامنے سپر یعنی ڈھال لے کر کھڑے رہے۔ تیراندازی میں بہت ماہر تھے انہوں نے اس دن خوب تیر اندازی کی جس سے اُن کی دو یا تین کمانیں ٹوٹ گئیں جو شخص وہاں سے تیر لئے ہوئے گزرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس سے فرماتے تھے کہ یہ تیر ابوطلحہ کے لئے چھوڑ دو۔ ابوطلحہ جب تیر پھینکتے تھے تو آپ نظر اُٹھا کر دیکھتے تھے کہ یہ تیر کس کو جا کر لگا۔ حضرت ابوطلحہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ سر نہ اٹھائیے خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ آپ کو دشمنوں کا کوئی تیر لگ جائے میرا سینہ آپ کے سینہ کے لئے ڈھال بنا ہوا ہے۔[1]

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ غزوۂ اُحد کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے تیروں کا تھیلا مجھ سے لے لیا اور مجھے تیر نکال نکال کر دیتے رہے اور فرمایا: ارم فداك أبي وأمي[2] (مارو تیر، تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں)

اس موقع پر حضرت ثابت بن دحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضراتِ صحابہؓ سے خطاب کیا انھوں نے جب دیکھا کہ مسلمان شکست کھا کر منتشر ہو رہے ہیں تو انصار کو آواز دی اور ان سے کہا کہ اگر محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) مقتول ہو گئے ہیں تو اللہ تو زندہ ہے اسے کبھی موت نہ آئے گی تم اپنے دین کی طرف سے قتال کرو اللہ تمہیں غلبہ دے گا اور تمہاری مدد فرمائے گا ان کے توجہ دلانے پر انصار میں سے چند حضرات اٹھے، اور حضرت ثابت ان کے ساتھ مل کر جنگ کرتے رہے حتیٰ کہ شہید ہو گئے اور ان کے ساتھ جو انصاری تھے وہ بھی شہید ہو گئے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت ثابت اُحد میں پہنچنے والے زخموں سے تو اچھے ہو گئے تھے بعد میں وفات پائی جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس آرہے تھے وہی پرانا زخم جو اچھا ہو گیا تھا ہرا ہو گیا تھا اور بہتا رہا جو موت کا سبب بن گیا ذکرہ ابن عبدالبر فی الاستیعاب۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو زخم پہنچا تھا اس سے جو خون جاری ہوا اسے آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دھوتی رہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ

---

[1] صحیح بخاری ص۵۸۱ [2] صحیح بخاری ص۵۸۰

پانی ڈالتے رہے جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیکھا کہ خون بڑھتا ہی جا رہا ہے تو چٹائی کا ایک ٹکڑا لیکر جلایا اور اسے خون کی جگہ پر اچھی طرح لگا دیا اس سے خون جاری ہونا بند ہو گیا۔[۱]

غزوۂ اُحد کے موقع پر جب مسلمانوں کو ظاہری شکست ہوئی، مجروح اور مقتول ہوئے تو حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بہت خدمت کی، انہوں نے اپنی کمروں پر مشکیزے اٹھائے بار بار پانی بھر کر لاتی تھیں اور جو صحابہ اٹھ کر جانے کے قابل نہ تھے ان کے منھوں میں پانی ڈالتی تھیں۔ بار بار انہوں نے ایسا کیا، (یہ اس زمانہ کی بات ہے جب پردہ کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے[۲])

جب آپ گھاٹی میں ٹیک لگا کر بیٹھ گئے تو اُبی بن خلف مشرک نے آپ کو دیکھ لیا اور کہا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دوں گا۔ یہ بات وہ پہلے سے کہا کرتا تھا جب مکہ مکرمہ میں تھا۔ آپ نے فرمایا میں تجھے قتل کر دوں گا۔ یہ شخص پوری طرح لوہے کے ہتھیاروں سے مسلح تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی ہنسلی نظر آگئی آپ نے اس کو ایک نیزہ مار دیا جس کی وجہ سے وہ گھوڑے سے گر پڑا آپ کا نیزہ لگنے سے اسے بظاہر معمولی سی خراش آگئی تھی لیکن وہ گائے کی طرح آوازیں نکال رہا تھا۔ اس کے ساتھی اٹھا کر لے گئے اور کہنے لگے تو اتنا کیوں چیختا ہے ذرا سی خراش ہی تو آئی ہے، وہ کہنے لگا کہ میں مر کر رہوں گا کیونکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہا تھا کہ میں اُبی کو قتل کروں گا۔ پھر کہنے لگا کہ یہ تکلیف جو مجھے ہو رہی ہے اگر سب اہلِ حجاز کو ہو جائے تو سب مر جائیں واپس ہوتے ہوئے رابغ میں مر گیا اور جہنم رسید ہوا۔[۳]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب میں وہ شخص مبتلا ہو گا جس نے کسی نبی کو قتل کیا ہو یا جس کو کسی نبی نے قتل کیا ہو یا جس نے والدین میں سے کسی کو قتل کیا ہو اور تصویر بنانے والوں کو بھی سب سے زیادہ سخت عذاب ہو گا اور اس عالم کو بھی سب سے

---

[۱] صحیح بخاری ص۵۸۴ [۲] صحیح بخاری ص۵۸۱ [۳] صحیح بخاری، تفسیر روح المعانی، تفسیر ابن کثیر۔

زیادہ سخت عذاب ہوگا جس نے اپنے علم سے نفع حاصل نہ کیا ہو[1]

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص پر اللہ کا سخت غصہ ہے جسے نبی نے فی سبیل اللہ قتل کیا، اللہ کا سخت غصہ ہے اس قوم پر جنہوں نے اللہ کے نبی کا چہرہ خون آلود کر دیا[2] (یہ غزوہ اُحد میں پیش آنے والے واقعہ کی طرف اشارہ ہے)

یاد رہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بہت سے غزوات میں شرکت فرمائی لیکن آپ کے دست مبارک سے یہی ایک شخص مارا گیا۔ اس میں بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی والی شان کا مظاہرہ تھا، کافر اپنی موت مرے یا مقتول ہو ہر حال میں اُسے عذاب میں تو جانا ہی ہے لیکن بہت زیادہ لوگ عذاب میں مبتلا نہ ہوں، رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی رعایت فرمائی اور صرف ایک آدمی کو قتل کیا جو آپ کو قتل کرنے کے لئے حملہ آور ہوا تھا۔

غزوۂ بدر میں مسلمانوں نے مشرکینِ مکہ کے ستر آدمی قتل کئے تھے، ابوسفیان جو اس وقت مشرکینِ مکہ کا قائد بن کر آیا تھا اُس نے اونچی آواز سے پوچھا کیا تم لوگوں میں محمد علیہ السلام ہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ اس کو جواب نہ دو! پھر ابوسفیان نے پوچھا کہ کیا تمہارے اندر ابن ابی قحافہ یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں؟ تین بار یہ سوال کیا، پھر دریافت کیا کیا تمہارے اندر ابن الخطاب یعنی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں؟ جب کوئی جواب نہ ملا تو اپنے ساتھیوں کے پاس جا کر ابوسفیان نے کہا کہ یہ تینوں قتل ہو چکے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہ رہا گیا، انہوں نے فرمایا کہ اے اللہ کے دشمن تو جھوٹا ہے، یہ سب حضرات زندہ ہیں جن کے نام تو نے لئے ہیں اور دیکھ تیرے لئے ابھی وہ افراد باقی ہیں جن سے تجھے ناگواری ہے۔ پھر ابوسفیان نے کہا کہ یہ دن بدر کے دن کے مقابلہ میں ہے (یعنی تم نے بدر میں ہمارے ستر آدمی مارے تھے اور آج ہم نے تمہارے ستر آدمی مار دئے) لڑائی ایسی ہی چیز

---

[1] صحیح بخاری، تفسیر روح المعانی، تفسیر ابن کثیر [2] مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۰۹

ہے کبھی ایک فریق غالب کبھی دوسرا فریق غالب ۔ اس کے بعد ابوسفیان نے بتوں کا نعرہ اور جیکارہ لگایا اور یوں کہا اُعْلُ ھُبَل اُعْلُ ھُبَل یعنی اس کا مطلب یہ تھا کہ ھبل بت کی جئے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کیا تم جواب نہیں دیتے؟ عرض کیا یا رسول اللہ ہم جواب میں کیا کہیں آپ نے فرمایا یوں کہو اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ (اللہ تعالیٰ سب سے بلند ہے اور سب سے زیادہ عظمت والا ہے) پھر ابوسفیان نے کہا: اِنَّ لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ (ہمارے لئے عزّٰی ہے تمہارے لئے عزّٰی نہیں ہے) یہ بھی ایک بت کا نام تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جواب نہیں دیتے؟ عرض کیا کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا یوں کہو:

اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ (اللہ ہمارا مولا ہے اور تمہارا کوئی مولا نہیں)[1]

جب ابوسفیان نے کہا کہ یہ بدر کے دن کا بدلہ ہے، دن بدلتے رہتے ہیں، کبھی کسی کی فتح ہوتی ہے اور کبھی کسی کی، لڑائی برابر سرابر ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ برابر نہیں ہے، ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے مقتولین دوزخ میں ہیں۔ اس پر ابوسفیان نے کہا کہ اگر تم یہ عقیدہ رکھتے ہو تو ہم تو بالکل ہی برباد ہیں۔

اس موقعہ پر بعض صحابہؓ نے بڑی ہمت اور جرأت سے کام لیا، حق کا اعلان بھی کیا، مجاہدین کو تسلی بھی دی اور جامِ شہادت بھی نوش کیا۔

ایک مہاجر صحابی کا ایک انصاری پر گزر ہوا جو اپنے خون میں لت پت پڑے ہوئے تھے مہاجر صحابی نے اُن سے کہا کیا تمہیں پتہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے اس انصاری نے اسی حالت میں جواب دیا اگر وہ شہید ہوگئے تو انہوں نے رسالت کا کام پورا کردیا (اب ہمارا کام باقی ہے) لہٰذا اپنے دین کی طرف سے قتال کرو۔

حضرت سعد بن ربیع کا واقعہ بھی اسی طرح کا ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضؓ کو

---

[1] صحیح بخاری ص۴۲۶ ج۱ و ص۵۷۹ ج۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلاش میں بھیجا اور فرمایا کہ ان کو کہیں دیکھ لو تو میرا سلام کہنا۔ حضرت زید بن ثابتؓ اُن کو مقتولین میں تلاش کر رہے تھے تو دیکھا کہ ان میں زندگی کے دو چار سانس رہ گئے ہیں اور ستر زخم ان کے جسم میں آچکے ہیں۔
حضرت زیدؓ نے اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا دیا اور ان سے کہا کہ آپؐ نے دریافت فرمایا ہے کہ تمہارا کیا حال ہے؟ سعد بن ربیعؓ نے جواب دیا کہ اللہ کے رسول پر سلام اور تم پر سلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دینا کہ جنت کی خوشبو پا رہا ہوں اور میری قوم انصار سے کہنا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک دشمن پہنچ گئے، اور تم میں سے ایک آنکھ بھی دیکھتی رہی (یعنی تم میں سے کوئی بھی زندہ رہ گیا) تو تمہارے لئے اللہ کے نزدیک کوئی عذر نہ ہوگا، یہ کہا اور اُن کی روح پرواز کرگئی۔ [1]

مسلمانوں کو تسلی اور واقعہ احد کی حکمتیں

إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ۝ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ۝ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ

اگر تم کو زخم پہنچ گیا تو تمہاری مقابل قوم کو اس جیسا زخم پہنچ چکا ہے۔ اور یہ دن ہیں جنہیں ہم باری بدلتے رہتے ہیں لوگوں کے درمیان، اور تاکہ اللہ جان لے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے، اور بنالے تم میں سے شہادت پانے والے، اور اللہ پسند نہیں فرماتا ظالموں کو۔ اور تاکہ پاک صاف کرے ایمان والوں کو اور مٹا دے کافروں کو، کیا تم نے یہ خیال کیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی معلوم نہیں کیا اللہ نے اُن لوگوں کو جو جہاد کرنے والے ہیں تم میں سے اور تاکہ وہ جان لے ثابت قدم رہنے والوں کو، اور اس میں شک نہیں کہ تم لوگ موت کے سامنے آنے سے پہلے اس کی آرزو کرتے تھے، سو اب تم نے موت

[1] البدایہ والنہایہ، سیرت ابن ہشام

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○ (آل عمران: ۱۳۴تا۱۴۳) کو دیکھ لیا اس حال میں کہ وہ آنکھوں کے سامنے ہے۔

ان آیات میں اول تو مسلمانوں کو تسلی دی اور فرمایا کہ اگر تمہیں زخم پہنچا ہے تو اس سے پہلے تمہارے دشمنوں کو بھی اس جیسا زخم پہنچ چکا ہے (کہ بدر میں ان کے بھی ستر آدمی مارے جا چکے ہیں) پھر یہ بیان فرمایا کہ ہم اہل زمانہ کا حال یکساں نہیں رکھتے، یہ ایام باری باری بدلتے رہتے ہیں کبھی کسی کا پلہ بھاری ہو جاتا ہے اور کبھی اس کے مقابل دشمن کو غلبہ ہو جاتا ہے۔ اسی معمول کے مطابق پچھلے سال تمہارے دشمن مغلوب ہو گئے اور اس سال انہوں نے غلبہ پالیا اور تم کو ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑا۔

اس کے بعد واقعۂ احد کی بعض حکمتیں بیان فرمائیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ وہ جان لے کہ ایمان والے کون ہیں، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مصیبت کے وقت امتحان ہو جاتا ہے اور مخلص اور غیر مخلص کی پہچان ہو جاتی ہے، چنانچہ منافقین معرکہ پیش آنے سے پہلے ہی واپس ہو گئے اور جو اہل ایمان تھے شکست کھا کر بھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے (اللہ تعالیٰ کو علم تو ہر بات اور ہر واقعہ کا پہلے ہی سے ہے لیکن ایک علم وہ ہے جو قبل الوقوع ہے اور ایک علم وہ ہے جو بعد الوقوع ہے۔ اس قسم کے مواقع میں وہ علم مراد ہوتا ہے جو بعد الوقوع ہو کیونکہ یہ علم ہونا کہ اب یہ واقعہ ہو چکا یہ وقوع کے بعد ہی ہو سکتا ہے اس کو خوب سمجھ لیں)۔

اور دوسری حکمت یہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کو تم میں شہید بنانا منظور تھا۔ شہادت بہت بڑی نعمت ہے اور اس کی قیمت اور عظمت وہی جانتا ہے جس کا قرآن و حدیث پر ایمان ہے۔

تیسری حکمت یہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ ایمان والوں کو پاک و صاف کر دے، کیونکہ مصیبت پر صبر کرنے اور تکلیفیں جھیلنے سے اخلاق اور اعمال کا تصفیہ ہو جاتا ہے۔

چوتھی حکمت یہ بیان فرمائی کہ اللہ کو یہ منظور تھا کہ کافروں کو مٹا دے وہ اس مرتبہ

غالب ہوئے تو آئندہ پھر اسی گمان سے چڑھ کر آئیں گے کہ ہمیں غلبہ ہوگا اور مسلمانوں کے مقابلہ میں آکر ہلاک ہوں گے۔

صاحبِ روح المعانی ؒ فرماتے ہیں کہ یہاں کافرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اُحد کے موقع پر جنگ کرنے کے لئے آئے اور کفر پر مُصر رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ختم کردیا اور ہلاک فرمادیا۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کافر جب کبھی غالب ہوجاتے ہیں تو شیطان ان کو ورغلاتا ہے اور ان کے دلوں میں یہ بات ڈالتا ہے کہ برابر کفر پر مصر ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک فرمادیتا ہے اور ہمیشہ کے لئے وہ عذاب نار میں داخل ہوجاتے ہیں۔

کیا جنت میں بغیر جہاد اور صبر کے داخل ہوجاؤ گے؟

پھر ارشاد فرمایا: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ الآیہ (کیا تم نے یہ خیال کیا کہ جنت میں داخل ہوجاؤ گے اور اللہ کو ان لوگوں کا علم نہ ہو جنہوں نے جہاد کیا، اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نہ جان لے جو صبر کرنے والے ہیں) مطلب یہ ہے کہ تم جنت کے طلب گار ہو، جنت حاصل کرنے کے لئے محنت، مشقت، جہاد اور صبر کی ضرورت ہوتی ہے، جنت میں جانے کی آرزو رکھنے والوں کو ان سب چیزوں کے لئے تیار رہنا چاہئے اور حسب موقع ان چیزوں میں اپنی جانوں کو لگا دینا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ وہ تم کو ان تکالیف میں مبتلا کرے، پھر وہ تمہاری جہاد والی محنت کو اور صبر کو ان کے وقوع کے بعد جان لے کہ تم نے واقعی جہاد کیا اور صبر سے کام لیا۔

پھر فرمایا: وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ الآیۃ۔

اس آیت میں اُن حضرات صحابہؓ سے خطاب ہے جو غزوۂ بدر میں شریک ہونے سے رہ گئے تھے۔ بدر میں جنگ کی صورت پیش آجائے گی یہ بات ان کے ذہن میں نہ تھی اس لئے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے جب وہاں معرکہ پیش آیا اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت نازل ہوئی جس میں بعض صحابہؓ شہید بھی ہوئے تو یہ پیچھے رہ جانے والے شریک نہ ہونے پر نادم ہوئے، یہ حضرات جنگ کی آرزو کرنے لگے

اور کہنے لگے کہ کاش ہم بھی ان حضرات کے ساتھ مقتول ہو جاتے جو بدر میں مقتول ہوئے اور ہم بھی شہادت کا درجہ پالیتے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احد میں شرکت کا موقع دیا اور مسلمانوں کی فتح کے بعد صورت حال پلٹ گئی اور مشرکین بھاگنے کے بعد الٹ کر واپس آکر حملہ آور ہوئے جس سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو ان لوگوں نے بھی ثابت قدمی کا ثبوت نہ دیا جو شہادت کے پیش نظر غزوہ میں شریک ہوئے تھے۔ (روح المعانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر پر پریشان ہونے والوں کو تنبیہ

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ	اور محمد صرف رسول ہیں، اُن سے پہلے رسول گذر چکے
مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ	ہیں، تو کیا ان کو موت آجائے یا مقتول ہو جائیں
قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ	تو تم اُلٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے؟ اور جو شخص اُلٹے
وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ	ــــــ پاؤں پھر جائے تو وہ اللہ کو کچھ نقصان
يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ	نہ دے گا اور اللہ عنقریب شکر گزاروں کو ثواب
الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ	دے گا۔ اور کسی جان کو موت نہیں آسکتی مگر اللہ
تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ	کے حکم سے اس طرح پر کہ اس کا وقت مقرر کیا ہوا ہے،
وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ	اور جو شخص دنیا کے بدلہ کا ارادہ کرے گا ہم اس میں
مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ	سے اس کو دیدیں گے اور جو شخص آخرت کے ثواب کا
نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ۝	ارادہ کرے گا ہم اس میں سے اُسے دیدیں گے، اور
(آل عمران: ۱۴۴، ۱۴۵)	عنقریب ہم شکر گزاروں کو جزا دیں گے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ حضرات صحابہؓ کو ابتداءً غزوۂ احد میں فتح حاصل ہو گئی لیکن جب فتح یابی دیکھ کر اُن تیرانداز حضرات نے اپنی جگہ چھوڑ دی جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پہاڑی پر مقرر فرما دیا تھا تو مشرکین نے واپس ہو کر حملہ کیا اور ستر مسلمان شہید ہو گئے اور آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر بھی دشمن نے اڑا دی،

اس موقع پر بعض منافقین نے یوں کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، تو مقتول ہو گئے لہذا اب اپنے پہلے دین کو اختیار کر لو۔ منافقین تو پہلے ہی دین اسلام پر نہ تھے ظاہری طور پر اپنے کو مسلمان کہتے تھے اب جب موقع آ گیا تو مخلص مسلمانوں کو بھی دین اسلام سے پھر جانے کی دعوت دینے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارنا شروع کیا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ (کہ اے اللہ کے بندو میری طرف آؤ) چنانچہ تیس آدمی آپ کے آس پاس جمع ہو گئے، انہوں نے آپ کی حفاظت کی اور مشرکین کو دفع کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آواز دینے پر صحابہ کرام جمع ہونے شروع ہوئے، سب سے پہلے آپ کو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے پہچانا اُن کی نظر آپ کی مبارک آنکھوں پر پڑ گئی دیکھا کہ آپ کی مبارک آنکھیں خود کے نیچے سے پوری آب و تاب کے ساتھ روشن ہیں۔ انہوں نے بلند آواز سے پکارا کہ خوش خبری سن لو، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ آپ نے خاموش رہنے کو فرمایا (شاید اس میں یہ مصلحت ہو کر دشمن ارادہ بدل کر واپس نہ آ جائے) حضرت کعب کی آواز سن کر صحابہ کی ایک جماعت آپ کے پاس پہنچ گئی آپ نے ان کو ملامت کی کہ تم لوگوں نے راہِ فرار اختیار کی، وہ کہنے لگے یا رسول اللہ ہمارے باپ دادے اور بیٹے آپ پر قربان ہوں ہم نے جو خبر سنی تھی کہ آپ شہید کر دیئے گئے اس سے ہمارے دلوں پر رعب چھا گیا اور ہم بھاگ نکلے، اس پر آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ نازل ہوئی۔

جب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر اڑا دی گئی تو حضرت انس ابن نضر رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے کہا آپ لوگ کیوں بیٹھے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے اب ہم کیا کریں انہوں نے کہا اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہ کر ہی کیا کرو گے قوموا فموتوا علی ما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جاؤ اور اسی دین پر مر جاؤ جس دین پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دے دی۔ اس کے بعد انہوں نے دشمن کی طرف رُخ کیا اور جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

آیتِ بالا میں اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے عہدہ

اور مرتبہ کے اعتبار سے رسول ہی تو ہیں۔ تم نے یہ کیسے اپنے پاس سے تجویز کرلیا کہ ان کو موت نہیں آئے گی۔ یہ تو خالقِ کائنات جل مجدہٗ کی شان ہے کہ وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ پھر مسلمانوں کو سرزنش فرمائی کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف بلانے والے تھے۔ معبود نہیں تھے، معبود تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اپنی دعوت کا کام کرکے شرک چھڑا کر اور تم کو توحید پر لگا کر اور اللہ کی عبادت کی تعلیم دے کر اگر اپنی طبعی موت سے اس دنیا سے تشریف لے گئے یا مقتول ہوگئے تو کیا تم اپنے پچھلے پاؤں پلٹ جاؤ گے کیا دینِ حق کو چھوڑ کر پھر دینِ باطل کو اختیار کرلوگے۔ دین تو اللہ کا بھیجا ہوا ہے۔ جس کا دین ہے وہ تو ہمیشہ زندہ ہے، ہمیشہ اسی کی عبادت کرتے رہو۔ ان باتوں اور ان وسوسوں کا کیا مقام ہے جو اس وقت تمہارے نفسوں میں ہیں۔

آیتِ شریفہ میں اس سرزنش کے بعد کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوجائیں یا مقتول ہوجائیں تو کیا تم پچھلے پاؤں پلٹ جاؤ گے یوں فرمایا: وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْہِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیْئًا کہ جو شخص پچھلے پاؤں پلٹ جائے اور دینِ حق کو چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی نقصان نہ دے گا۔ اس میں یہ ارشاد فرمایا کہ جو کوئی شخص دینِ حق پر ہے یعنی دینِ اسلام قبول کئے ہوئے ہے وہ ہرگز یہ نہ سمجھے کہ میرے ایمان و اسلام سے اور میری عبادت سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نفع ہے۔ اگر میں اس دین کو چھوڑ دوں اور اللہ کی عبادت نہ کروں تو اللہ کا کوئی نقصان ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے برتر اور بالا ہے کہ اسے کوئی فائدہ یا نقصان پہنچے۔ البتہ جو شخص موحد مؤمن مسلم ہے، اللہ کی عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ اس کو اس کے ایمان کی اور اعمالِ صالحہ کی جزا دیدے گا۔ ایمان اور اعمالِ صالحہ میں خود مؤمنین کا اپنا نفع ہے۔ صاحبِ روح المعانی فرماتے ہیں کہ الشاکرین سے الثابتین علیٰ دین الاسلام مراد ہیں۔ اسلام پر ثابت قدمی اُسی وقت ہوتی ہے جب اس کی حقانیت کا یقین ہو اور اسلام پر ثابت رہنا شکر ہے اور اس دین کو چھوڑ دینا کفرانِ نعمت ہے (اور بہت بڑا کفران وہ ہے جو کفر کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے)

ہر شخص کو اجلِ مقرر پر موت آئے گی

پھر فرمایا :

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا (آل عمران : ۱۴۵) یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی جان اللہ کے حکم کے بغیر مرجائے

یعنی جس کو بھی موت آئے گی اللہ کے حکم سے آئے گی اور اجل مقرر کے مطابق آجائے گی جس کی جو اجل یعنی موت کا وقت مقرر ہے اس سے پہلے موت نہیں آسکتی۔ اور اس وقت سے ٹل بھی نہیں سکتی جو اس کے لئے مقرر ہے۔

صاحب روح المعانی (ص ۵۷۔ ج ۴) فرماتے ہیں کہ اس میں جہاد کی ترغیب ہے اور قتل کے ڈر سے جہاد کو چھوڑ دینے پر ملامت کی گئی ہے۔ پھر فرماتے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی جو خبر سُنی اس میں استبعاد کی کوئی بات نہیں، ان کو بھی اللہ کے حکم سے موت آئے گی۔ جیسا کہ سب جانوں کو موت آنا ہے۔ اگر ان کی موت ہو ہی گئی جو اللہ کے حکم سے ہے تو ان کے دین کو چھوڑنے کا جواز کیا ہے۔

شکست کے اسباب

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۗ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ○

اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جو اس نے تم سے کیا تھا جس وقت تم دشمنوں کو بحکم خداوندی قتل کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے اور حکم کے بارے میں تم نے آپس میں اختلاف کیا اور تم نے اس کے بعد نافرمانی کی جبکہ تمہیں اللہ نے وہ چیز دکھا دی جسے تم محبوب رکھتے تھے، تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض آخرت کے طلب گار تھے۔ پھر اللہ نے تم کو دشمنوں کی طرف سے پھیر دیا تاکہ تم کو آزمائے۔ اور البتہ تحقیق

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰٓ أَحَدٍ
وَّالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِيٓ أُخْرَاكُمْ
فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا
تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ
أَصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا
تَعْمَلُونَ ۝ ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم
مِّنۢ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا
يَغْشَىٰ طَآئِفَةً مِّنكُمْ ۖ وَطَآئِفَةٌ
قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ
يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ
الْجَاهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَل لَّنَا
مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ ۗ قُلْ
إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ۗ يُخْفُونَ
فِيٓ أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ
لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ
الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا ۗ
قُل لَّوْ كُنتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ
لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ
الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ وَلِيَبْتَلِيَ
اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ
مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَاللَّهُ
عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝
إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ

اللہ نے تم کو معاف فرمادیا اور اللہ مؤمنین پر بڑے فضل
والا ہے۔ جب تم دور چلے جارہے تھے اور کسی کو
مڑکر نہیں دیکھ رہے تھے اور رسول تم کو پکار
رہے تھے تمہارے پیچھے سے پس اللہ نے تمہیں غم
کی پاداش میں غم دیدیا تاکہ تم غمگین نہ ہو اس چیز
پر جو تم سے جاتی رہے اور نہ اس مصیبت پر جو تم
کو پہنچ جائے اور اللہ تمہارے سب کاموں سے باخبر
ہے۔ پھر اللہ نے غم کے بعد تم پر امن کو نازل فرمادیا
جو اونگھ کی صورت میں تھی جو تم میں سے ایک جماعت
پر چھائی ہوئی تھی، اور ایک جماعت ایسی تھی جن کو
اپنی ہی جانوں کی فکر پڑی ہوئی تھی یہ لوگ اللہ کے
بارے میں حق کے خلاف جاہلیت والا خیال کر رہے تھے
یوں کہہ رہے تھے کیا ہمارا امر میں بھی کچھ اختیار ہے۔ آپ فرمادیجئے
کہ بلاشبہ سب اختیار اللہ ہی کو ہے، یہ لوگ
اپنے نفسوں میں ایسی بات چھپا رہے ہیں جسے آپکے
سامنے ظاہر نہیں کرتے تھے، یہ لوگ کہہ رہے تھے
کہ اگر ہمارا کچھ بھی اختیار چلتا تو ہم یہاں قتل نہ کیے
جاتے، آپ فرمادیجئے اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے
تب بھی بلاشبہ وہ لوگ جن کے بارے میں قتل ہونا
مقدر ہوچکا تھا اپنی اُن جگہوں کے لئے نکل کھڑے
ہوتے جہاں جہاں وہ قتل ہوکر گرے، اور تاکہ اللہ
آزمائے جو تمہارے سینوں میں ہے اور تاکہ اس کو
صاف کرے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ سینوں

يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝

(آل عمران: ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵)

کی باتوں کو جاننے والا ہے۔ بیشک تم میں سے جو لوگ اس دن پشت پھیر کر چلے گئے جس دن دونوں جماعتیں آپس میں مقابل ہوئی تھیں بات یہی ہے کہ ان کو شیطان نے لغزش دے دی بعض ایسے اعمال کے سبب جو انہوں نے کئے، اور البتہ تحقیق اللہ نے ان کو معاف فرما دیا۔ بے شک اللہ بخشنے والا ہے حلم والا ہے۔

ان آیات میں مسلمانوں کی اس عارضی شکست کے اسباب بیان فرمائے جو انہیں غزوۂ احد میں پیش آگئی تھی۔ اور ابتداءً جو مسلمانوں کو غلبہ ہوا تھا اس کا بھی تذکرہ فرمایا، نیز مسلمانوں کو غم کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ایک آرام اور چین کی صورت پیش آگئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر اونگھ کا غلبہ فرما دیا تھا تاکہ غم غلط ہو جائے۔ اس کا بھی تذکرہ فرمایا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیراندازوں کے ایک دستہ کو ایک پہاڑی پر مقرر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تم یہاں سے مت ٹلنا اور یہ کہ ہم برابر غالب ہی رہیں گے جب تک تم اپنی جگہ پر ثابت قدم رہو گے۔ اس وعدہ کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی فرمایا تھا مسلمانوں کو ابتداء میں فتح حاصل ہوئی اور وہ دشمنوں کو باذن اللہ قتل کرتے رہے، یہاں تک کہ مشرکین کی عورتیں جن میں ہندہ بنت عتبہ بھی تھیں بھاگنے لگیں اپنے سامان میں سے قلیل یا کثیر اٹھا کر چلنے کا بھی ان کو ہوش نہ رہا۔ لیکن فتح دیکھنے کے بعد (جو مسلمانوں کو محبوب تھی) تیرانداز حضرات (جو پہاڑی پر مقرر تھے) نے اول تو آپس میں اختلاف کیا کہ ہم کیا کریں اختلاف کرنا ہی صحیح نہ تھا کیونکہ یہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تھا (اس کو تَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ سے تعبیر فرمایا) اور پھر اکثر افراد پہاڑی کو چھوڑ کر چلے ہی گئے اور مالِ غنیمت لینے لگے، اس کو وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ میں بیان فرمایا۔ اور مالِ غنیمت کے لوٹنے میں مشغول ہونے کے

بارے میں مِنْكُمْ مَنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا فرمایا۔ جب دشمنوں نے پہاڑی خالی دیکھی تو پلٹ کر حملہ آور ہوئے اور مسلمانوں کو مقابلہ کی ہمت نہ رہی اور دشمنوں کا دفاع نہ کر سکے اس کو ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ سے تعبیر فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اس میں تمہاری آزمائش مقصود تھی (لِيَبْتَلِيَكُمْ) ساتھ ہی معافی کا اعلان بھی فرما دیا وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔

کافروں کے پلٹ کر حملہ کرنے سے جو مسلمانوں میں انتشار ہوا اور میدان چھوڑ کر چل دیئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ پر بھی متوجہ نہیں ہوئے (مگر چند افراد) تو اللہ تعالیٰ نے غم کے بدلہ غم پہنچایا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تم نے تکلیف پہنچائی تھی اس تکلیف کے بدلہ تم کو تکلیف پہنچائی گئی، اس کو اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ میں بیان فرمایا ہے۔ تُصْعِدُوْنَ باب افعال سے ہے اس کا معنی ذهاب اور ابعاد فی الارض ہے۔ بعض حضرات نے اس کے مشہور معنی بھی لئے ہیں اور گھوڑوں کا چڑھنا مراد لیا ہے۔ غَمًّا بِغَمٍّ کی ایک تفسیر تو وہی ہے جو ابھی اوپر بیان ہوئی اور اس کے علاوہ اس کی تفسیر میں مفسرین کے اور بھی چند اقوال ہیں جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ ایک غم تو مقتول اور مجروح ہونے اور مشرکین کے غالب ہونے کی وجہ سے تھا اور دوسرا غم وہ تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر اڑ جانے سے ہوا (اس صورت میں ب مصاحبت کے لئے ہوگی) مزید اقوال جاننے کے لئے روح المعانی کا مطالعہ کیا جائے۔

غم پہنچنے میں بھی حکمت

پھر فرمایا لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ (تاکہ تم غمگین نہ ہو اس چیز پر جو تم سے جاتی رہے اور نہ اس مصیبت پر جو تم کو پہنچ جائے) مطلب یہ ہے کہ جو غم تم کو پہنچا اس میں یہ حکمت ہے کہ تم میں پختگی پیدا ہو جائے اور آئندہ جب بھی کوئی مشکل درپیش ہو مثلاً کوئی چیز جاتی رہے یا کوئی مصیبت آپڑے تو تم صبر کرو، صبر کی عادت ہو جانے سے ہر مشکل آسانی سے گزر جائے گی، اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، صبر سے اللہ کی مدد نازل ہوتی ہے۔

غم غلط کرنے کے لئے نیند کا غلبہ | مسلمانوں کو جو تکلیف پہنچ گئی اور شکست کا جو سامنا ہوا (جو بہت بڑا غم تھا) اس غم کو غلط کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اونگھ بھیج دی اور اتنی زیادہ اونگھ سوار ہوئی کہ رنج اور غم کی طرف توجہ ہی نہ رہی۔ علاج کرنے والوں کا یہ قاعدہ ہے کہ جب مریض کی تکلیف بڑھ جاتی ہے اور کسی طرح سے افاقہ نہیں ہوتا تو تکلیف سے بے خبر کرنے کے لئے کوئی ایسی دوا دے دیتے ہیں یا انجکشن لگا دیتے ہیں جس سے نیند آجائے، اللہ جل شانہٗ نے ان حضرات پر نیند غالب فرما دی جس سے غم کا محسوس ہونا ختم ہوگیا۔ ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا یَّغۡشٰی طَآئِفَةً مِّنۡکُمۡ میں اسی کو بیان فرمایا اور اونگھ کو اَمَنَةً یعنی چین اور راحت بتایا، یہ تو مسلمانوں کے ساتھ ہوا۔ جو منافقین تھے ان کا دوسرا ہی رنگ تھا، ان کو اپنی ہی جانوں کی پڑی تھی۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور دین اسلام سے کچھ بھی ہمدردی نہ تھی اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں حق کے خلاف جاہلیت کے خیالات پکار رہے تھے، کہتے تھے کہ ہماری تو کچھ چلتی ہی نہیں، ہم نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ شہر سے باہر جا کر نہ لڑیں، ہماری بات چلتی اور ہماری رائے پر عمل ہوتا تو یہاں آکر ہم کیوں مارے جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو جواب دے دو کہ سب اختیار اللہ ہی کو ہے، سب کام اللہ کی قضا و قدر کے مطابق ہوتے ہیں اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تب بھی وہ لوگ گھروں سے نکل کر اپنی اپنی قتل گاہوں میں پہنچ جاتے جن کے بارے میں مقتول ہونا مقدر ہو چکا تھا۔

پھر فرمایا: وَلِیَبۡتَلِیَ اللّٰهُ مَا فِیۡ صُدُوۡرِکُمۡ وَلِیُمَحِّصَ مَا فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ (اور تاکہ اللہ آزمائے جو تمہارے سینوں میں ہے اور تاکہ اس کو صاف کرے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے) مطلب یہ ہے کہ یہ جو کچھ ہوا اس لئے پیش آیا کہ اللہ تمہارے باطن کی آزمائش فرمائے کیونکہ مصیبت کے وقت سچوں اور جھوٹوں کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ منافقوں کا نفاق کھل گیا اور مؤمنین کا ایمان اور زیادہ مضبوط اور ثابت

ہو گیا اور یوں تو اللہ تعالیٰ سب باتوں کو جانتا ہی ہے لیکن علم ظہور کے طور پر یہ باتیں ظاہر ہو گئیں۔

صحابہؓ کی معافی کا اعلان آخر میں فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ (الآیہ) (بے شک تم میں سے جو لوگ اس دن پشت پھیر کر چلے گئے جس دن دونوں جماعتیں آپس میں مقابل ہوئیں بات یہی ہے کہ ان کو شیطان نے لغزش دے دی بعض ایسے اعمال کے سبب جو انہوں نے کئے اور البتہ تحقیق اللہ نے اُن کو معاف فرمایا، بے شک اللہ بخشنے والا حلم والا ہے)

اس آیتِ کریمہ میں مسلمانوں کو تسلی بھی دی ہے (کیونکہ ان کی معافی کا اعلان فرمایا ہے) اور یہ بھی بتایا ہے کہ جو لوگ پشت پھیر کر چل دیتے تھے اُن کو شیطان نے لغزش دے دی تھی اور اس لغزش کا سبب اُن کے بعض گناہ بن گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ گناہوں کی طرف کھینچتے ہیں ایک گناہ دوسرے گناہ کا سبب بن جاتا ہے اور گناہوں کے ذریعہ شیطان دوسرے گناہوں پر آمادہ کر دیتا ہے۔

مسلمانوں کو تسلی اور منافقوں کی بدحالی

اَوَلَمَّاۤ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَمَاۤ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ

اور جس وقت تم کو ایسی مصیبت پہنچی جس کی دو گنی مصیبت تم پہنچا چکے ہو تو کیا تم یوں کہتے ہو کہ یہ کہاں سے ہے، آپ فرما دیجئے یہ تمہاری ہی طرف سے ہے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور جو تکلیف تمہیں پہنچی جس دن دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے مقابلے میں آئی تھیں، سو یہ اللہ کے حکم سے تھا اور تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے مومنین کو اور جان لے ان کو جنہوں نے نفاق اختیار کیا ہے۔ اور اُن سے کہا گیا کہ آؤ جنگ

قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ	کرو اللہ کی راہ میں یا دفاع کرو، وہ کہنے لگے
هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ	کہ اگر ہم جنگ کرنا جانتے تو ضرور تمہارے ساتھ
مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ	ہو لیتے، وہ لوگ بہ نسبت ایمان کے آج کفر
بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ	سے زیادہ قریب ہیں۔ وہ اپنے مونہوں سے
قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا	وہ بات کہتے ہیں جو اُن کے دلوں میں نہیں ہے
يَكْتُمُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا	اور اللہ خوب جاننے والا ہے اُس بات کو جسے
لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ	وہ چھپاتے ہیں۔ جنہوں نے اپنے بھائیوں سے
اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ	کہا اور خود بیٹھ رہے کہ اگر ہماری بات مانتے
فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ	تو نہ مارے جاتے، آپ فرما دیجئے تم اپنی جانوں
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ آل عمران: ۱۶۷،۱۶۸	سے موت کو دفع کرو اگر تم سچے ہو۔

مسلمانوں کو جو غزوۂ اُحد میں وقتی طور پر شکست ہوئی اور اس سلسلہ میں تکلیف پہنچی اس پر کچھ لوگوں کے منہ سے یہ نکلا اَنّٰى هٰذَا (یہ مصیبت ہم کو کہاں سے پہنچی؟) اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان کو جواب میں فرما دیں کہ یہ اسباب ظاہرہ میں تمہاری اپنی جانوں کی طرف سے ہے کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اور پہاڑی پر جن تیراندازوں کو بٹھا دیا گیا تھا انہوں نے باوجود تاکیدی حکم کے اس جگہ کو چھوڑ دیا اور مالِ غنیمت لوٹنے میں لگ گئے، اس بات کو بیان فرماتے ہوئے قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا بھی فرمایا کہ تم کو جو تکلیف پہنچی ہے گذشتہ سال غزوۂ بدر میں اس سے دوگنی مصیبت تم دشمنوں کو پہنچا چکے ہو ستر آدمی اُن کے قتل ہوئے تھے اور ستر آدمیوں کو تم قیدی بنا کر مدینہ منورہ میں لے آئے تھے۔ اس میں تسلی دینے کا پہلو اختیار فرمایا کہ تم اپنے دشمنوں کو اپنی مصیبت سے دوگنی مصیبت پہنچا چکے ہو۔ اب اگر تمہیں مصیبت پہنچ ہی گئی اور وہ بھی تمہاری نافرمانی کی وجہ سے تو اس پر غمگین کیوں ہو رہے ہو، پھر فرمایا: وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ (جس دن دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے مقابلہ

میں آئی تھیں اس روز تمہیں جو تکلیف پہنچی سو یہ تکلیف پہنچنا اللہ کے حکم سے تھا)
یعنی سببِ ظاہری وہی تھا جس کا ذکر ہوا کہ تم نے نافرمانی کی اور حقیقت میں بات یہ ہے کہ جنگ کے موقع پر جو کچھ مصیبت پیش آئی وہ اللہ تعالیٰ کے حکم تکوینی سے تھی وہ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہے۔ بعض حکمتیں پہلے بیان ہو چکی ہیں اور بعض حکمتیں آگے بیان ہوتی ہیں اور وہ یہ ہیں:
وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ تاکہ اللہ مومنین کو جان لے کہ مخلص مومن کون ہیں وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا، اور تاکہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جان لے جنہوں نے منافقت کی، جو اندر سے مسلمان نہ تھے، زبانوں سے کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمانوں میں گھل مل کر رہتے تھے۔ اب جب جنگ کا موقع آیا تو ظاہری دوستی بھی چھوڑ بیٹھے اور اُن کا نفاق کھل کر ظاہر ہو گیا جس کی صورت آگے بیان فرمائی وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا۔ یعنی ان سے کہا گیا کہ آجاؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو، اگر جنگ نہیں کر سکتے ہو تو ہمارے ساتھ ہی رہو اگر ہمارے ساتھ رہو گے تو دشمن کو ہماری جماعت زیادہ نظر آئے گی اس سے بھی دشمن کے دفاع کی ایک صورت بنے گی۔ (ذکرہ فی الروح عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما)
آگے ان کا جواب نقل فرمایا قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ وہ کہنے لگے اگر ہم جنگ کرنا جانتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہو لیتے۔ اس کا ایک مطلب تو وہی ہے جو ترجمہ میں ظاہر کیا گیا اور ایک مطلب یہ ہے کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ واقعی لڑائی مفید ہو سکتی ہے تو ہم تمہارے ساتھ جنگ میں شرکت کر لیتے۔ ہمارے خیال میں تو لڑائی کا ڈھنگ نہیں ہے یہ کیا لڑائی ہے کہ تم تھوڑے سے آدمی ہو اور دشمن زیادہ ہے، سامانِ حرب بھی تمہارے پاس کم ہے۔ کم سے کم برابر کی ٹکر ہو تو لڑائی لڑی جائے۔ غالب ہونے کی امید نہ ہو تو کم از کم مدافعت کرنے کی قوت تو ہو۔ اب تو ظاہری حالات میں اپنے کو جنگ میں جھونک دینا سراسر ہلاکت میں ڈال دینا ہے (ذکرہ فی الروح)

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کے بارے میں فرمایا ھُمْ لِلْکُفْرِ یَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْھُمْ لِلْاِیْمَانِ یعنی اس بات کے کہنے سے وہ اب ظاہر میں بھی کفر سے زیادہ قریب ہو گئے جبکہ اس سے پہلے ایمان کے جھوٹے دعوے کر کے مسلمانوں میں گھلے ملے رہنے کی وجہ سے ظاہر میں ایمان کے قریب تھے۔ اندر سے کافر تو پہلے ہی سے تھے لیکن ظاہر میں جو ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اس دعوے پر خود ان کے اپنے قول و فعل نے پانی پھیر دیا۔ ہر عقلمند ان کی باتوں کے پیش نظر یہ کہنے پر مجبور ہے کہ یہ مومن نہیں ہیں کیونکہ باتیں کافروں جیسی کر رہے ہیں۔

پھر فرمایا یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاھِھِمْ مَا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ کہ وہ اپنے مونہوں سے وہ باتیں کہہ رہے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں۔ ان کا یہ کہنا کہ ہم جنگ کو جانتے ہوتے یا یہ کہ جنگ کا ڈھنگ دیکھتے تو تمہارے ساتھ ہو جاتے دونوں باتیں ایسی ہیں جو ان کے قلبی عزائم کے خلاف ہیں۔ حقیقی بات یہ ہے کہ وہ کوئی بھی حیلہ بہانہ کریں ان کو تمہارے ساتھ ہونا ہی منظور نہ تھا۔

پھر فرمایا وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا یَکْتُمُوْنَ کہ اللہ تعالیٰ کو پوری طرح اس کا علم ہے جس کو وہ دلوں میں چھپاتے ہیں (مومنین تو اجمالی طور پر علامات سے ان کے ظاہر کو دیکھ کر باطن کا اندازہ کرتے ہیں اور اللہ جل شانہ پوری طرح ان کے باطن سے باخبر ہے، ان کے قلبی عزائم کو پوری طرح جانتا ہے)۔

جنگ میں شرکت نہ کرنے سے موت سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا

منافقین کا مزید حال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اَلَّذِیْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِھِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو خود تو لڑائی سے جان بچا کر بیٹھ رہے اور اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا (جو ان کے نسب میں رشتہ دار تھے) کہ ہم نے تو پہلے ہی رائے دے دی تھی کہ جنگ نہ کی جائے ہماری بات مان لیتے تو مقتول نہ ہوتے، اُن کے جواب میں بطور سرزنش اور توبیخ کے ارشاد فرمایا قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِکُمُ الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ

صٰدِقِیْنَ کہ آپ فرما دیجئے موت سے کہاں بچاؤ ہے لڑائی چھوڑ کر گھر میں بیٹھ رہے اور یہ سمجھ لیا کہ موت سے بچ گئے یہ بیوقوفی ہے، موت تو پھر بھی آنی ہی ہے۔ جب تم کو موت آنے لگے جو اپنے مقررہ وقت پر آئے گی تو موت کو دفع کر دینا اور اُسے ٹال دینا اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ جنگ میں شرکت نہ کرنے سے موت سے بچاؤ ہو سکتا ہے۔

منافق کے نزدیک جان کی قیمت زیادہ ہے اللہ کی راہ میں جان دینے سے کتراتا ہے۔ مؤمن کو اللہ کی رضا مندی مقصود ہے، وہ اللہ کے لئے جیتا ہے اور اسی کے لئے مرتا ہے، اللہ کے لئے لڑنے اور جان دینے سے اسے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔

شہداء زندہ ہیں اور خوش ہیں

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ۙ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۘ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ

(آل عمران: ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱)

اور ہرگز گمان نہ کرو اُن لوگوں کے بارے میں جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے کہ وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں، وہ خوش ہیں اس سے جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا اور خوش ہو رہے ہیں ان لوگوں کی وجہ سے جو ان کے پاس نہیں پہنچے، ان کے پیچھے رہ گئے کہ کوئی خوف نہیں اُن پر اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ وہ خوش ہو رہے ہیں بوجہ نعمت اور فضلِ خداوندی کے۔ اور اس بات سے خوش ہیں کہ بلاشبہ اللہ ضائع نہیں فرماتا مؤمنین کے اجر کو۔

منافقین نے اللہ کی راہ میں شہید ہو جانے والوں کے بارے میں یوں کہا تھا

کہ اگر ہماری بات مان لی جاتی تو مقتول نہ ہوتے، گویا کہ ان کا مقتول ہو جانا ان کے نزدیک اچھا نہ ہوا اور ان کی خیر خواہی اس میں ظاہر کر رہے تھے کہ وہ مقتول نہ ہوتے اور دنیا میں اور زیادہ زندہ رہ جاتے۔ آیت بالا میں ان لوگوں کی جاہلانہ بات کا توڑ بھی ہے اور مؤمنین کو تسلی بھی ہے اور بشارت بھی کہ جو حضرات اللہ کی راہ میں مقتول ہوئے اُن کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ تو اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور دنیا کی چیزیں ان کے پاس نہیں ہیں تو یہ کوئی نقصان کی بات نہیں کیونکہ ان کو وہاں ان کے رب کے پاس سے رزق ملتا ہے جو دنیا کی نعمتوں سے کہیں زیادہ بڑھ کر اعلیٰ اور افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انہیں عطا فرمایا اُس پر وہ خوش ہیں بشاش بشاش ہیں۔ وہ تو نعمتوں میں ہیں اور رحمتوں میں ہیں اور منافقین خواہ مخواہ کی ہمدردی ظاہر کر رہے ہیں کہ ہماری بات مانتے تو مقتول نہ ہوتے۔ یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ اللہ کی راہ میں مرجانا یہ موت نہیں ہے بلکہ وہ زندگی ہے اور عمدہ زندگی ہے اور بڑی زندگی ہے۔

جو حضرات شہید ہو گئے وہ نہ صرف اپنی نعمتوں میں خوش ہیں بلکہ وہ ان مسلمانوں کے بارے میں بھی خوش ہو رہے ہیں جو اُن تک ابھی نہیں پہنچے اس دنیا میں ان سے پیچھے رہ گئے۔ کہ اگر یہ لوگ بھی اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں تو ان پر بھی ہماری طرح انعام ہوگا، نہ خوف زدہ ہوں گے نہ مغموم ہوں گے۔ وہ سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔ نہ اُس نے ہمارا اجر ضائع فرمایا نہ ہمارے بعد میں آنے والے اہل ایمان کا اجر ضائع فرمائے گا۔

حضرت مسروق تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ کا مطلب معلوم کیا، انہوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مطلب معلوم کر چکے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ان کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں

ان کے لئے قندیل ہیں جو عرش سے لٹکے ہوئے ہیں، وہ جنت میں جہاں چاہیں چلتے پھرتے ہیں۔ پھر ان قندیلوں میں واپس آجاتے ہیں۔ اللہ جل شانہ نے خاص توجہ فرمائی اور ان سے دریافت فرمایا کیا تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے انہوں نے عرض کیا ہمیں کس چیز کی خواہش ہوگی؟ اور حال یہ ہے کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں چلتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے تین مرتبہ اسی طرح سوال فرمایا۔ جب انہوں نے سمجھ لیا کہ ہمیں کچھ نہ کچھ جواب دینا پڑے گا، جب تک خواہش کا اظہار نہ کریں سوال ہوتا ہی رہے گا تو اللہ تعالیٰ شانہ سے عرض کیا کہ اے رب ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں واپس کر دی جائیں تاکہ ہم ایک بار پھر آپ کی راہ میں قتل کردیئے جائیں۔ جب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ انہیں اور کوئی حاجت نہیں ہے تو سوال کرنا چھوڑ دیا گیا (اول تو کسی چیز کی خواہش ظاہر نہ کی اور ظاہر کی بھی تو یہ کہا کہ ہمیں دنیا میں دوبارہ واپس بھیج دیا جائے تاکہ ایک بار پھر شہید ہوجائیں۔ وہاں سے واپس آنے کا قانون نہیں اور اس کے سوا کچھ مانگتے نہیں لہٰذا آگے سوال نہیں فرمایا)۔

(رواہ مسلم ص ۱۳۵۔ ج ۲)

صحابہؓ کی تعریف جنہوں نے زخم خوردہ ہونے کے باوجود اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم مانا۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ	جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے حکم کو مان لیا
مِنْ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ	اس کے بعد کہ اُن کو زخم پہنچ چکا تھا ان میں سے
اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ	جنہوں نے نیکی کے کام کئے اور تقویٰ اختیار
عَظِيْمٌ ۚ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ	کیا ان کے لئے بہت بڑا ثواب ہے۔ یہ ایسے
النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا	ہیں کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ بلاشبہ
لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ	لوگوں نے تمہارے لئے سامان جمع کیا ہے

اِیْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ○ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ ○ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○

(آل عمران: ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵)

لہٰذا تم ان سے ڈرو تو ان کی اس بات نے اُن کا اور زیادہ ایمان بڑھا دیا اور کہنے لگے کہ ہم کو اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔ سو وہ اللہ کی نعمت اور اس کا فضل لے کر واپس ہوئے ان کو کچھ بھی تکلیف نہ پہنچی اور وہ اللہ کی رضامندی کے تابع رہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ یہ جو بات پیش آئی صرف اس وجہ سے کہ شیطان اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے سو تم اُن سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔

درِ منثور ص۱۰۱ ج ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب ابوسفیان اور اس کے ساتھی (غزوۂ احد کے بعد) واپس ہوئے اور مشرکین کا آپس مشورہ ہوا کہ ہم شکست دے کر واپس آ گئے (یہ تو کچھ بھی نہ ہوا) سب مسلمانوں کو ختم ہی کر دیتے، لہٰذا واپس چل کر حملہ کریں، اس کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو گئی تو آپ اپنے صحابہ کو لے کر ان کے پیچھے چلے اور مقام حمراء الاسد تک اُن کا پیچھا کیا۔ جب ابوسفیان کو یہ پتہ چلا کہ آپ ہمارے پیچھے آ رہے ہیں تو ابوسفیان اپنے ساتھیوں کو لے کر چلا گیا۔ راستے میں بنی عبدالقیس کے چند سواروں سے ملاقات ہوئی ان سے ابوسفیان نے کہہ دیا کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کہہ دو کہ ہم واپس لوٹ کر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کو بالکل ہی ختم کر دیں۔ ان لوگوں کی حمراء الاسد میں آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہو گئی انہوں نے ابوسفیان کی بات نقل کر دی، اس پر آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ کہا کہ اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور ہمارا کارساز ہے۔

اللہ جل شانہ نے آیتِ بالا نازل فرمائی (جس میں مسلمانوں کی تعریف ہے کہ غزوۂ اُحد میں زخم خوردہ ہونے کے بعد بھی) اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کی بات مان لی اور دشمن کا پیچھا کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، حمراء الاسد تک پیچھا کیا اور جب دشمن کی طرف سے یہ بھبکی ملی کہ ہم نے بہت سا سامان تیار کر لیا ہے تو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ مضبوط اعتقاد اور یقین کے ساتھ پڑھ لیا۔ اور دشمن واپس نہ ہوئے اور سیدھے مکہ معظمہ چلے گئے۔

اور ابن شہاب زہری سے بحوالہ بیہقی فی الدلائل نقل کیا ہے کہ ابوسفیان نے چلتے وقت یہ کہہ دیا تھا کہ اب بدر میں جنگ ہوگی جہاں تم نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا تھا اس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ساتھ بدر کیلئے روانہ ہوئے، ساتھ ہی تجارت کے لئے سامان بھی لے لیا تھا کہ اگر جنگ ہوئی تو جنگ کرلیں گے ورنہ تجارت تو ہو ہی جائے گی۔ جب یہ حضرات بدر کے لئے جا رہے تھے تو راستہ میں شیطان نے اپنے دوستوں کو ان کے ڈرانے کے لئے کھڑا کر دیا تھا، وہ کہتے تھے کہ ہم نے سنا ہے کہ تمہارے مقابلہ کے لئے بہت سا سامان تیار کر لیا گیا ہے لہٰذا تم اپنے ارادہ سے باز آجاؤ اور احتیاط سے کام لو، دشمن تم سے جنگ کرے گا اور تمہارا سامان چھین لے گا۔ ان شیطانی حرکتوں کا ان حضرات پر کچھ اثر نہ ہوا اور برابر چلتے رہے حتیٰ کہ بدر میں پہنچ گئے، وہاں دشمن کا نام ونشان بھی نہ تھا انہوں نے اپنے اموال کو فروخت کیا اور نفع کے ساتھ واپس ہوئے۔

مذکورہ بالا آیات میں حضرات صحابہؓ کی تعریف ہے جو غزوۂ احد میں چوٹ کھانے کے باوجود دشمن کا پیچھا کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور دشمن کی جھوٹی بھبکیوں اور شیطان کی حرکتوں کا بھی ذکر ہے اور مسلمانوں کو جو مالِ تجارت میں نفع حاصل ہوا اس کا بھی تذکرہ ہے۔ شیطان کے دوستوں نے جو ڈرایا کہ تمہارا دشمن ایسے ایسے سامان جنگ سے لیس ہو کر حملہ آور ہونے والا ہے اس کا اثر لینے کی بجائے وہ اللہ ہی کی طرف متوجہ ہوئے اور مضبوط یقین کے ساتھ انہوں نے حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ کہا جس سے اُن کا قلب بھی قوی ہوا اور ایمان بڑھ گیا۔ مؤمن بندوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا لازم ہے، شیطان اور شیطان کے دوستوں کی شرارتیں تو جاری رہتی ہی

ہیں لیکن مسلمان کو اللہ کافی ہے اور وہی ان کا کارساز ہے۔ اگر اللہ کی مدد اور نصرت نہ ہوتی تو اسلام پورے عالم میں کیسے پھیلتا شیطان اور اُس کے دوستوں نے کبھی بھی اسلام کی دشمنی میں کمی نہیں کی۔ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ . یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (یعنی دین اسلام) کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھادیں، حالانکہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا گو کافر لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں۔

(سورۃ الصف : ۸)

سعد بن الربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک انصاری صحابی تھے ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو وہ زندہ ہیں یا وفات پاگئے ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ میں تلاش کرتا ہوں، جب انہیں تلاش کیا تو اس حال میں پایا کہ زندگی کی کچھ رمق باقی تھی ان سے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ تمہیں تلاش کروں اور دیکھوں کہ تم زندہ ہو یا دنیا سے جاچکے ہو، سعد بن الربیع نے جواب دیا کہ میں زندہ ہوں میری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پہنچا دو اور یہ پیغام پہنچا دو کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے جو اس نے کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے جزا دی ہو۔ اور میری طرف سے اپنی قوم کو بھی سلام پہنچادو اور ان سے کہو کہ سعد بن الربیع نے پیغام بھیجا ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دشمن پہنچ گئے تو تم میں سے کسی کے لئے بھی اللہ کے نزدیک کوئی عذر نہ ہوگا اور یہ جائز نہ ہوگا کہ تم میں سے کسی کی آنکھ بھی دیکھنے والی باقی رہ جائے (مطلب یہ ہے کہ تم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے مرمٹو اور جان دیدو) یہ کہا اور تھوڑی ہی دیر میں ان کی روح نکل گئی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
راوی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک ان کی بات پہنچادی۔ (سیرت ابن ہشام ص۹۴ج۱)

شہداء اُحد کی تکفین وتدفین

جیسا کہ پہلے معلوم ہوا کہ غزوۂ احد کے موقعہ پر ستر صحابہ شہید ہوگئے تھے۔ مدینہ منورہ واپس جانے سے پہلے ان حضرات کی تکفین وتدفین کا معاملہ درپیش تھا بعض صحابہ نے اپنے اپنے شہداء کو اٹھا کر شہر مدینہ منورہ میں لے گئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو وہیں لے آؤ جہاں ان کو شہید کیا گیا تھا چنانچہ شہر سے ان کے جنازے واپس لائے گئے، طبیعت میں ضعف بھی تھا شکستگی بھی تھی ہر شخص کے لئے علیحدہ قبر کھودنا بھی مشکل تھا لہٰذا ایک ایک قبر میں دو دو آدمی دفن کئے گئے ______ ، جن دو جنازوں کو ایک قبر میں رکھنا چاہتے تھے ان کے بارے میں آپ دریافت فرماتے تھے کہ ان میں سے زیادہ قرآن کس نے حاصل کیا پھر جب کسی ایک کے بارے میں بتا دیا جاتا تھا کہ اس نے قرآن زیادہ پڑھا ہے تو اسے لحد میں اندر رکھتے تھے اور اس کے برابر اس کے ساتھی کو رکھ دیتے تھے اور بطور کفن دونوں کو ایک چادر اوڑھا دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں ان کا گواہ ہوں، آپ نے حکم دیا کہ ان کو اسی طرح غسل دئے بغیر زخموں میں سے جو خون نکلا ہے اسی کے ساتھ دفن کردیا جائے [1] حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک قبر میں دفن فرما دیا (کما ذکرہ فی الاصابۃ)

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شہدائے اُحد میں سے تھے۔ انہوں نے ایک ہی کپڑا چھوڑا تھا، جب انھیں قبر میں رکھا گیا تو بطور کفن اس چادر کو ان پر ڈھانکنے لگے تو سر ڈھانکتے تھے پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں ڈھانکتے تو سر کھل جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سر ڈھانک دو اور ان کے پاؤں پر اذخر (گھاس) ڈال دو۔[2]

---

[1] صحیح بخاری ص ۱۰۹

قبیلہ بنی نضیر کی جلاوطنی ۲ سنہ ہجری

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے تین قبیلے موجود تھے۔

(۱) قبیلہ بنی نضیر (۲) قبیلہ بنی قریظہ (۳) قبیلہ بنی قینقاع

یہ قبیلے زور قوت والے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو یہود نے آپؐ سے معاہدہ کر لیا تھا کہ ہم آپ سے جنگ نہیں کریں گے اور اگر کوئی فریق حملہ آور ہوگا تو آپ کے ساتھ مل کر اس کا دفاع کریں گے۔ پھر ان لوگوں نے معاہدہ کو توڑ دیا۔ قبیلہ بنی قریظہ کا انجام سورۃ الاحزاب کے رکوع نمبر ۳ میں گزر چکا ہے اور قبیلہ قینقاع کا انجام سورۃ آل عمران کی آیت شریفہ قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ کے ذیل میں گزر چکا ہے اور اسی سورت کے دوسرے رکوع میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ ان کا ذکر آئے گا، یہاں ان آیات میں قبیلہ بنی نضیر کا ذکر ہے۔

قبیلہ بنی نضیر کی جلاوطنی کا سبب

سنہ ۲ ہجری میں غزوۂ بدر کا اور سنہ ۳ ہجری میں غزوۂ احد کا واقعہ پیش آیا اور قبیلہ بنی نضیر کی جلاوطنی کا واقعہ کسی نے غزوہ اُحد سے پہلے اور کسی نے غزوۂ اُحد کے بعد لکھا ہے واقعہ یوں ہوا کہ قبیلہ بنی عامر کے دو شخصوں کی دیت کے بارے میں یہود بنی نضیر کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔ ان دو شخصوں کو عمرو بن امیہ نے قتل کر دیا گیا تھا آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی دیت ادا کرنی تھی۔ آپ نے بنی نضیر سے فرمایا کہ دیت کے سلسلہ میں مدد کرو، ان لوگوں نے کہا آپ تشریف رکھیے ہم مدد کریں گے، ایک طرف تو آپؐ سے یہ بات کہی اور آپ کو اپنے گھروں کی ایک دیوار کے سایہ میں بٹھا کر یہ مشورہ کرنے لگے کہ اس سے اچھا موقع نہیں مل سکتا۔ کوئی شخص اس دیوار پر چڑھ جائے اور ایک پتھر پھینک دے ان کی موت ہو جائے

تو ہماراان سے چھٹکارا ہو جائے، ان میں سے ایک شخص عمرو بن جحاش تھا اس نے کہا یہ کام میں کردوں گا وہ پتھر پھینکنے کے لئے اوپر چڑھا اور ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے مشورہ کی آسمان سے خبر آگئی کہ ان لوگوں کا ایسا ایسا ارادہ ہے آپ کے ساتھ حضرات ابوبکر، عمر، علی رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ آپؐ جلدی سے اُٹھے اپنے ساتھیوں کو لے کر شہر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ شہر میں تشریف لاکر آپؐ نے اپنے صحابی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو یہودیوں کے پاس بھیجا کہ ان سے کہہ دو کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ، آپ کی طرف سے تو یہ حکم پہنچا اور منافقین نے ان کی کمر ٹھونکی اور ان سے کہا کہ تم یہاں سے مت جانا اگر تم نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور اگر تمہارے ساتھ جنگ ہوئی تو ہم بھی تمہارے ساتھ لڑیں گے (اس کا ذکر سورت کے دوسرے رکوع میں ہے) اس بات سے یہودی بنی نضیر کے دلوں کو وقتی طور پر تقویت ہوگئی اور انہوں نے کہلا بھیجا کہ ہم نہیں نکلیں گے جب ان کا یہ جواب پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو جنگ کی تیاری کا اور ان کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔ آپ حضرت ابن مکتومؓ کو امیر مدینہ بنا کر صحابہؓ کے ساتھ تشریف لے گئے اور وہاں جا کر ان کا محاصرہ کرلیا۔ وہ لوگ اپنے قلعوں میں پناہ گزیں ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کھجور کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دے دیا۔ جب بنی نضیر کے پاس کھانے کا سامان ختم ہوگیا اور ان کے درخت بھی کاٹ دیئے اور جلا دیئے گئے اور ادھر انتظار کے بعد منافقین کی مدد سے ناامید ہوگئے تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہمیں جلاوطن کردیں اور ہماری جانوں کو قتل نہ کریں اور ہتھیاروں کے علاوہ جو مال ہم اونٹوں پہ لے جا سکیں وہ لے جانے دیں۔ آپؐ نے ان کی یہ بات قبول کرلی۔ پہلے تو انہوں نے ترڑی دی تھی کہ ہم نہیں نکلیں گے پھر جب مصیبت میں پھنسے تو خود ہی جلاوطن ہونا منظور کرلیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رُعب ڈال دیا اور بہادری کے دعوے اور مقابلے کی ڈینگیں سب دھری رہ گئیں، آپؐ نے چھ دن ان کا محاصرہ فرمایا اور مؤرخ واقدی کا بیان ہے کہ پندرہ دن ان کا محاصرہ رہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے

بیان کیا کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو اجازت دے دی کہ ہر تین آدمی ایک اونٹ لے جائیں جس پر نمبروار اترتے چڑھتے رہیں۔ مؤرخ ابن اسحاق نے بیان کیا کہ وہ لوگ اپنے گھروں کا اتنا سامان لے گئے جسے اونٹ برداشت کر سکتے تھے۔ سامان ساتھ لے جانے کے لئے اپنے گھروں کو اور گھر کے دروازوں کو توڑ رہے تھے اور مسلمان بھی ان کے ساتھ اس کام میں لگے ہوئے تھے۔ اسی کو آیت کریمہ میں یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَھُمْ بِاَیْدِیْھِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ لوگ اونٹوں پر سامان لے کر روانہ ہوگئے ان میں سے بعض لوگ خیبر میں مقیم ہوگئے اور بعض شام کے علاقوں میں داخل ہوگئے جب یہ لوگ خیبر میں داخل ہوئے تو وہاں کے لوگ بہت خوش ہوئے اور گانوں اور باجوں سے ان کا استقبال کیا، یہ سب تفصیل حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایۃ میں لکھی ہے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ ہم قلعوں میں چھپ کر اپنی جانیں بچالیں گے۔ مسلمانوں کے دلوں میں بھی یہ خیال نہ تھا کہ یہ لوگ نکلنے پر راضی ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا اور خود ہی جلاوطن ہونے پر تیار ہوگئے جس کا آپ نے انہیں حکم دیا تھا۔

اس تفصیل کے بعد آیاتِ بالا کا ترجمہ دوبارہ مطالعہ کریں۔

ان لوگوں کا ایمان قبول کرنے سے منکر ہونا اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مقابلے کے لئے تیار ہو جانا ایسا عمل تھا کہ ان کو دنیا میں عذاب دے دیا جاتا جیسا کہ قریشِ مکّہ بدر میں قتل کئے گئے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے لکھ دیا تھا کہ ان کو دنیا میں جلاوطنی کا عذاب دیا جائے گا (جس میں ذلّت بھی ہے اور اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے توڑنا بھی ہے اور اپنے مالوں کو چھوڑ کر جانا بھی ہے) اس لئے دُنیا میں اس وقت جلاوطنی کی سزا دی گئی اور آخرت میں بہرحال ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔ سورۃ الحشر میں ارشاد ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (الآیۃ) یعنی یہ سزا ان کو اس لئے دی گئی کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ

کی مخالفت کرے گا سو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے، بنی قینقاع کو پہلے جلاوطن کر دیا گیا تھا اور بنی نضیر اپنے اس معاہدہ شکنی پر جلاوطن کئے گئے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا باہمی مشورہ کر کے خفیہ پروگرام بنایا تھا۔ بنی قریظہ کا حال سورۃ احزاب کے تیسرے رکوع کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے۔ ان لوگوں نے غزوۂ احزاب کے موقع پر قریش مکہ اور ان کے ساتھ آنے والی جماعتوں کی مدد کی تھی۔ ان تینوں قبیلوں کے علاوہ یہود کے چھوٹے بڑے اور بھی چند قبیلے مدینہ منورہ میں آباد تھے جن کے نام ابن ہشام نے اپنی کتاب "سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" میں لکھے ہیں۔

سارے یہودیوں کو مدینہ منورہ سے نکال دیا گیا تھا ان میں قبیلہ بنی قینقاع اور قبیلہ بنو حارثہ بھی تھا، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بنی قینقاع سے تھے۔

(صحیح بخاری ص ۵۷۴ ج ۲، مسلم صفحہ ۹۴ ج ۲)

یہودیوں کے متروکہ درختوں کو کاٹ دینا یا باقی رکھنا دونوں کام اللہ کے حکم سے ہوئے

حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جب یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر کا محاصرہ کیا اور وہ لوگ اپنے قلعوں میں اپنے خیال میں محفوظ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کھجوروں کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دے دیا اس پر یہودیوں نے کہا کہ اے ابوالقاسم! آپ تو زمین میں فساد سے منع کرتے ہیں کیا یہ درختوں کا کاٹنا فساد نہیں ہے اور بعض روایات میں یوں بھی ہے کہ بعض مہاجرین نے مسلمانوں کو منع کیا کہ کھجوروں کے درختوں کو نہ کاٹیں، کیونکہ یہ مسلمانوں کو بطور غنیمت مل جائیں گے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کھجوروں کے درختوں کو کاٹنے کی اجازت دے دی تھی پھر منع فرما دیا تھا اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کیا ان درختوں کو کاٹنے میں کوئی گناہ ہے یا ان کے چھوڑ دینے پر کوئی مواخذہ کی بات ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

• مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِيْنَةٍ ۔ الخ (ابن کثیر ج ۴ ص ۳۳۲)

یعنی تم نے جو بھی کھجوروں کے درخت کاٹ دیئے یا انہیں ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، سو یہ سب اللہ کی اجازت سے ہے جو کام اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اور دینی ضرورت سے ہو اس میں گناہ گار ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں۔

ان کھجوروں کے کاٹنے میں جو دینی ضرورت تھی اس کو وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِيْنَ میں بیان فرمایا۔

مطلب یہ ہے کہ ان درختوں کے جلانے میں یہ دین یہودیوں کا ذلیل کرنا بھی مقصود ہے اپنے باغوں کو جلتا ہوا دیکھ کر ان کے دل بھی جلیں گے اور ذلّت بھی ہوگی اور اس کی وجہ سے قلعے چھوڑ کر ہار ماننے اور صلح کرنے پر راضی ہوں گے۔

چنانچہ یہودی یہ منظر دیکھ کر راضی ہو گئے کہ ہمیں مدینہ سے جانا منظور ہے پھر وہ مدینہ سے جلاوطن ہو کر خیبر چلے گئے جس کا قصّہ اوپر گزرا ہے دنیاوی سامان کی حفاظت ہو یا تخریب ہو اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو تو اس میں ثواب ہی ثواب ہے گناہ کا احتمال ہی نہیں، اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحشر میں بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ

اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جو بھی آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور وہ عزیز ہے حکیم ہے اللہ وہ ہی ہے جس نے کافروں کو یعنی اہل کتاب کو پہلی بار گھروں سے نکال دیا۔ تمہارا گمان نہ تھا کہ وہ لوگ نکلیں گے اور انہوں نے گمان کیا تھا کہ ان کے قلعے انہیں اللہ سے بچا لیں گے سو ان پر اللہ کا انتقام ایسی جگہ سے آ گیا جہاں سے ان کا خیال بھی نہ تھا اور اللہ نے ان

فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ
يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ
بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ
فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ٥
وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ
عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ
فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ
عَذَابُ النَّارِ ٥ ذٰلِكَ
بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ ٥

کے دلوں میں رُعب ڈال دیا وہ اپنے
گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور
مسلمانوں کے ہاتھوں سے اجاڑ رہے تھے
سو اے آنکھوں والو عبرت حاصل کرو۔
اور اگر اللہ نے ان کے بارے میں جلاوطن
ہونا نہ لکھ دیا ہوتا تو انہیں دنیا میں
عذاب دیتا اور ان کے لئے آخرت میں
آگ کا عذاب ہے اور یہ اس لئے کہ انہوں
نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی
اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرے گا سو اللہ
سخت عذاب دینے والا ہے۔
(سورۃ الحشر آیت نمبر ۱ تا ۴)

غزوۂ احزاب

۵ ھجری

☆ اہلِ ایمان کی آزمائش

☆ دشمنوں سے حفاظت کیلئے خندق کی کھدائی

☆ اللہ تعالیٰ کی مدد کا نزول اور کفّار کی بدحواسی

☆ بنو قریظہ کی بدعہدی اور اس کا انجام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

غزوۂ احزاب کو غزوۂ خندق بھی کہا جاتا ہے یہ ۵ھ ہجری کا واقعہ ہے تھوڑی سی تمہید کے بعد اس غزوہ کی تفصیل نقل کی جاتی ہے۔

مدینہ منورہ میں زمانۂ قدیم سے یہودی رہتے تھے اور دو قبیلے یمن سے آکر آباد ہو گئے تھے جن میں سے ایک کا نام "اوس" اور دوسرے کا نام "خزرج" تھا، انہیں خبر دی گئی تھی کہ نبی آخر الزمان خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس شہر میں تشریف لائیں گے، یہ لوگ آپؐ پر ایمان لانے اور آپؐ کا اتباع کرنے کے لئے یہاں آکر بس گئے تھے۔ جب حضور انورؐ نے حج کے موقع پر اوس اور خزرج کو منیٰ میں ایمان لانے کی دعوت دی تو اوس اور خزرج کے جو افراد وہاں موجود تھے انہوں نے ایمان قبول کر لیا اور مدینہ منورہ آکر اپنے اپنے قبیلہ کو حق کی دعوت دی تو وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ یہودیوں کے سامنے حق ظاہر ہو گیا تب بھی ایمان نہ لائے (فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ) یہودیوں کے تین قبیلے مدینہ منورہ میں آباد تھے ان میں سے ایک بنی قینقاعؓ اور دوسرا بنی نضیرؓ اور تیسرا بنی قریظہ تھا۔ جب آپؐ مدینہ منورہ تشریف لائے تو ان تینوں سے تعاون اور تناصر کا معاہدہ فرمالیا تھا۔

بنی نضیر کا یہ واقعہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو مقتولین کی دیت کے سلسلہ میں ان کے پاس تشریف لے گئے، یہودیوں نے کہا کہ آپ تشریف رکھیئے ہم اس بارے میں مالی تعاون کریں گے۔ اِدھر تو آپؐ سے یہ کہا اور اُدھر یہ مشورہ کیا کہ کوئی شخص اوپر چڑھ کر ان کے اوپر بھاری پتھر گرادے، یہودیوں میں سے ایک شخص نے اس کا ارادہ اور وعدہ کر لیا اور پتھر گرانے کے لئے اوپر چڑھ گیا، اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ان کے مشورے سے مطلع فرمادیا اور آپؐ جلدی سے واپس تشریف لے آئے اور آپ نے محمد بن مسلمہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہود کے پاس پیغام دے کر بھیجا کہ تم لوگ مدینہ منورہ چھوڑ دو اور یہاں سے چلے جاؤ۔ منافقین نے یہودیوں کو بھڑکایا اور کہا تم یہیں رہو اور ہرگز مت جاؤ ہم تمہاری مدد کریں گے اس سے اُن کو تقویت پہنچ گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ ہم مدینہ سے نہیں نکلیں گے اور ہمارے اور آپ کے درمیان جو عہد ہے وہ بھی توڑتے ہیں جب اُن کی طرف سے یہ پیغام آیا تو آپؐ نے ان سے جہاد کرنے کی تیاری کی اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو نائب بنا کر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ لے کر بنو نضیر کے محلہ کی طرف روانہ ہو گئے (یہ محلہ شہر سے ذرا دور تھا) آپؐ وہاں پہنچے تو وہ لوگ قلعہ بند ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ فرمایا، منافقین نے یہودیوں کو خبر بھیجی کہ تم ڈٹے رہنا ہم تمہیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے اگر تم سے جنگ ہوئی تو ہم بھی ساتھ لڑیں گے اور اگر تمہیں نکلنا پڑا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے، یہودی منافقین کی مدد کے انتظار میں رہے، چند روز گذر گئے مگر انہوں نے کچھ بھی مدد نہ کی لہٰذا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ پیغام بھیجا کہ آپؐ ہمیں جلا وطن کر دیں مگر قتل نہ فرمائیں اور ہمیں ہتھیار بھی نہ لے جانے دیں، اس کے علاوہ جتنا سامان اونٹوں پر لے جا سکیں اُسے لے جانے کی اجازت دیں، آپؐ نے انہیں جلا وطن کرنا منظور فرما لیا اور حکم فرمایا کہ تین دن میں مدینہ منورہ سے نکل جاؤ۔ وہ لوگ مدینہ منورہ سے نکل کر خیبر میں آباد ہو گئے اور بعض لوگ شام چلے گئے۔ (بطور تمہید یہ واقعہ ہم نے البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص۷۵ سے نقل کیا ہے۔ یہود نے جو اموال چھوڑے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں تقسیم فرما دیئے۔ یہ ۴ھ کا واقعہ ہے۔

غزوۂ احزابؓ کا مفصل واقعہ

اب غزوۂ احزاب کا واقعہ سنیئے۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ بنو نضیر کو جب حضور انورؐ نے مدینہ منورہ سے جلا وطن کر دیا تو وہ وہاں جا کر بھی شرارتوں سے اور اپنی یہود والی بے ہودگیوں سے باز نہ آئے۔ اُن کے چودھری مکہ معظمہ پہنچے اور قریش مکہ سے کہا کہ

آؤ ہم تم مل کر داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کریں اور اُن کو اُن کے کام کو اور ان کے ساتھیوں کو سب کو ختم کردیں. قریش مکہ نے کہا (جو مشرک تھے) کہ تم تو اہل کتاب ہو سچ بولو ہمارا دین بہتر ہے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین بہتر ہے؟ ان لوگوں نے پوری ڈھٹائی کے ساتھ دینِ شرک کو دینِ توحید سے بہتر بتایا اور قریش سے کہہ دیا کہ تمہارا دین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین سے بہتر ہے. یہ بات سُن کر قریش بہت خوش ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہوگئے. اس کے بعد یہودیوں کے سردار قبیلہ بنی غطفان کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ دیکھو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے جنگ کرنا ہے قریش مکہ نے ہمارا ساتھ دینے کا وعدہ کر لیا ہے تم لوگ بھی ہمارے ساتھ جنگ میں شریک ہو جاؤ تاکہ اسلام اور مسلمانوں کا قصہ ہی ختم ہو جائے. ان کے علاوہ دیگر قبائل کی جماعتیں بھی جنگ کرنے کے لئے تیار ہوگئیں.

دشمنوں سے حفاظت کے لئے خندق کھودنا

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے ارادۂ بد کی اطلاع ملی تو آپ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ مدینہ منورہ کے باہر خندق کھود لی جائے. انہوں نے بتایا کہ اہلِ فارس دشمن سے محفوظ رہنے کے لئے یہ تدبیر اختیار کرتے ہیں، چنانچہ خندق کھودی گئی جو مدینہ منورہ کے اس جانب تھی جدھر سے دشمنوں کے آنے کا اندیشہ تھا، اس خندق کی کھدائی میں سیّد دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود شریک ہوئے، سردی کا موسم تھا اور ہر طرف سے خوف ہی خوف تھا، سیّد دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ہی خط کھینچ کر خندق کی حدود مقرر فرمائیں اور ہر دس آدمیوں کو چالیس ہاتھ کا رقبہ کھودنے کے لئے دیا. (بعض حضرات نے اس خندق کی لمبائی ساڑھے تین میل بتائی ہے) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بڑے قوی اور تندرست آدمی تھے ان کے متعلق مہاجرین وانصار میں اختلاف ہوا. انصار نے کہا کہ سلمان ہم میں سے ہیں اور مہاجرین نے کہا کہ ہم میں

سے ہیں ان کو ہمارے ساتھ قطعہ کھودنے کے لئے دیا جائے۔ یہ سن کر سیّد دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سَلْمَانُ مِنَّا اَھْلِ الْبَیْتِ (یعنی سلمان نہ مہاجرین میں سے ہیں نہ عام مہاجرین میں سے ہیں بلکہ وہ ہمارے اہل بیت میں سے ہیں) جب دشمنوں کی جماعتیں مدینہ طیبہ کے قریب پہنچیں جن کی تعداد دس بارہ ہزار تھی تو انہوں نے خندق کھدی ہوئی پائی اور کہنے لگے یہ تو عجیب دفاعی تدبیر ہے جسے اہل عرب نہیں جانتے تھے۔ وہ لوگ خندق کے اس طرف رہ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کے اس طرف تین ہزار مسلمانوں کے ساتھ جبل سلع کی طرف پشت کرکے قیام پذیر ہوگئے اور عورتوں اور بچوں کو حفاظت کی جگہوں یعنی قلعوں میں محفوظ فرمادیا۔

دشمنوں کا خندق پار کرنے سے عاجز ہونا

خندق کو دیکھ کر مشرکین مسلمانوں تک پہنچ تو نہ سکے جس سے آمنے سامنے ہوکر دونوں لشکروں کی جنگ ہوتی لیکن اپنی جگہ سے جلدی واپس بھی نہیں ہوئے اپنی جگہ پر جمے رہے۔ ان کا اپنی جگہ پر جمے رہنا تقریباً ایک مہینہ تک تھا۔ گو وہ خندق کے پار نہیں آسکتے تھے لیکن انہیں چھوڑ کر چلے جانے کا بھی موقعہ نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ اپنی جگہ پر مقیم رہے اس موقعہ پر مسلمانوں کو بہت زیادہ تکلیف پہنچی، سردی بھی تھی۔ کھانے پینے کا انتظام بھی نہ تھا اور خندق بھی اس حال میں کھودی کہ بھوک کی وجہ سے پیٹوں پر پتھر بندھے ہوئے تھے۔ پھر دشمن کے مقابلہ میں اتنا لمبا پڑاؤ ڈالنا پڑا نہ جانے مانند نہ پائے رفتن، اُس وقت جو سخت مصیبت کا سامنا تھا اُسے اللہ جل شانہٗ نے آیت بالا میں بیان فرمایا کہ دشمن تمہارے اوپر سے چڑھ آئے اور نیچے کی جانب سے بھی آگئے اور آنکھیں پھٹی رہ گئیں اور دل حلقوم کو پہنچ گئے جیسے اُردو کے محاورہ میں کہتے ہیں کلیجہ منہ کو آگیا۔ اس وقت مسلمان آزمائش میں ڈالے گئے اور سختی کے ساتھ جھنجھوڑ دیئے گئے۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ مِنْ فَوْقِکُمْ سے وادی کا اوپر کا حصہ مراد ہے جو مشرق کی جانب تھا اس جانب سے بنو غطفان اور ان کے ساتھی آئے جن میں اہل نجد بھی تھے اور بنو قریظہ بھی تھے اور بنو نضیر بھی۔ اور

اَسْفَلَ مِنْكُمْ سے وادی کا نیچے والا حصہ مراد ہے جو مغرب کی جانب تھا اس جانب سے قریش مکہ، بنی کنانہ اور اہل تہامہ آئے تھے۔

وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا جو فرمایا اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ صیغہ خطاب مجموعی طور پر مدعیان اسلام کو شامل ہے جس میں مخلص اہل ایمان بھی تھے اور منافقین بھی، مومنین تو یہی گمان کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائے گا اور منافقین دوسری قسم کا خیال کر رہے تھے وہ سمجھ رہے تھے کہ اب تو اسلام اور مسلمانوں کا نام و نشان ہی مٹ جائے گا اور یوں سمجھتے تھے کہ اتنے لوگوں سے جنگ کرنا ان تھوڑے سے مسلمانوں کے بس کی بات نہیں ہے وقال بعضهم انه خطاب للمومنين المخلصين وكانت ظنونهم من خواطر نفس وهو اجبها التي يوجبها الخوف الطبيعي وهذا الامو اخذة فيه قال صاحب الروح بعد هذا الذي ذكرنا اويقال، ظنونهم المختلفة هي ظن النصر بدون نيل العدو منهم شيئا وظنه بعد النيل وظن الامتحان وعلى هذا لا يحتاج الى الاعتذار۔

بعض کافروں کا مقتول ہونا

دشمن نے خندق کو پار کرنے کی ہمت تو نہ کی البتہ کچھ تیراندازی ہوتی رہی، مشرکین میں سے چند آدمی اپنے گھوڑے لے کر خندق میں اتر گئے جنہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ان میں سے ایک شخص عمرو بن عبدِ وُد بھی تھا۔ جنگِ بدر میں اس نے سخت چوٹ کھائی تھی اس لئے جنگِ اُحد میں شریک نہ ہو سکا تھا، غزوۂ خندق کے موقعہ پر وہ خندق میں کودا اور اس نے اپنی بہادری دکھانے کے لئے پکار کر کہا کہ هَلْ مَنْ يُّبَارِزُ یعنی مجھ سے کون مقابلہ کرتا ہے؟ (اس وقت وہ ہتھیاروں سے لیس تھا) اس کو اہلِ عرب ہزار سواروں کے برابر سمجھتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اس کے سامنے آئے۔ عمرو بن عبد ود نے اُن سے کہا کہ تم کون ہو؟ آپ

نے جواب میں فرمایا کہ میں علی بن ابی طالب ہوں! اس نے کہا کہ تمہاری عمر کم ہے میں اچھا نہیں سمجھتا کہ تمہارا خون بہاؤں، تمہارے چچاؤں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو عمر میں تجھ سے بڑے ہیں اُن میں سے کسی کو سامنے لاؤ، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لیکن مجھے تو یہ پسند ہے کہ تیرا خون بہاؤں، یہ بات سن کر وہ غصہ میں بھر گیا اور تلوار نکال کر حضرت علیؓ کی طرف بڑھا اور حضرت علیؓ نے اس سے مقابلہ کیا اور ڈھال آگے بڑھا دی، اس نے ایسے زور سے تلوار ماری کہ ڈھال کٹ گئی، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے مونڈھے کے قریب تلوار ماری جس سے وہ گر گیا، غبار بلند ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زور سے اللہ اکبر کہا، تکبیر کی آواز سے مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ حضرت علیؓ نے دشمن کو ختم کر دیا ہے۔ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمیں اس کی نعش دے دی جائے ہم اس کے عوض بطور دیت کے دس ہزار درہم دے دیں گے۔

بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے بارہ ہزار درہم کی پیشکش کی، آپؐ نے جواب میں کہلوا دیا کہ تم اس کی نعش کو لے لو ہم مُردوں کی قیمت نہیں کھاتے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے یوں فرمایا کہ اس کی نعش دے دو اس کی نعش بھی خبیث ہے اس کی دیت بھی خبیث ہے۔ عمرو بن عبدود کے علاوہ دشمن کے اور بھی تین چار آدمی مارے گئے، جن میں سے ایک یہودی کو حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے قتل کیا جو مسلمان عورتوں کے قلعہ کے باہر چکر لگا رہا تھا، مسلمانوں میں سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک تیر آ کر لگا جس نے ان کی اکحل نامی رگ کاٹ دی، انہوں نے دُعا کی کہ اے اللہ مجھے اتنی زندگی اور نصیب فرما کہ بنی قریظہ (قبیلہ یہود) کی ذلت اور ہلاکت دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کروں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول فرمائی جس کا تذکرہ غزوۂ احزاب کے تذکرہ کے بعد آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ شہید ہونے والوں میں انس بن اوس اور عبداللہ بن سہل اور طفیل بن نعمان، ثعلبہ بن غنمہ اور کعب بن زید رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی ذکر کئے گئے ہیں۔

جہاد کی مشغولیت میں بعض نمازوں کا قضا ہو جانا

غزوۂ احزاب کے موقع پر اس قدر مشغولیت اور پریشانی رہی کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز بھی نہ پڑھ سکے۔ آپؐ نے بددعا دیتے ہوئے فرمایا: ملأ اللہ علیھم بیوتھم وقبورھم نارًا کما شغلونا عن الصلٰوۃ الوسطیٰ حتیٰ غابت الشمس (اللہ ان دشمنوں کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھرے جیسا کہ انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ سے ایسا مشغول رکھا کہ سورج بھی غائب ہو گیا۔) اس کے بعد آپؐ نے وضو فرمایا۔ پھر آپؐ نے عصر کی نماز پڑھی، اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔ بعض روایات میں ہے کہ غزوۂ خندق کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار نمازیں قضاء ہو گئی تھیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء، آپؐ نے رات کا ایک حصّہ گذر جانے پر ان کو اسی ترتیب سے پڑھا جس ترتیب سے قضاء ہوئی تھیں۔ عشاء تو وقتِ عشاء ہی میں پڑھی گئی کیونکہ رات باقی تھی البتہ جس وقت پڑھی جاتی تھی اس سے مؤخر ہو گئی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی کہ جب کوئی مشکل پیش آتی تھی نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔ غزوۂ خندق کے موقعہ پر بھی آپؐ دعائیں کرتے رہے، دشمنوں کے شکست خوردہ ہو کر بھاگ جانے سے پہلے تین دن تک خوب زیادہ دُعا کا اہتمام کیا۔

صحیح بخاری ص۵۹۰ میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقابلے میں آنے والی جماعتوں کی شکست کے بارے میں یوں دعا کی: اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتَابِ سَرِیْعَ الْحِسَابِ اھْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰھُمَّ اھْزِمْھُمْ وَزَلْزِلْھُمْ۔ (اے اللہ کتاب کے نازل فرمانے والے جلدی حساب لینے والے ان جماعتوں کو شکست دے اور ان کو ڈگمگا دے)

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں بھی کوئی دُعا بتلائیے، آپؐ نے فرمایا کہ یہ دُعا پڑھو، اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا (اے اللہ ہماری آبرو کی

حفاظت فرما اور ہمارے خوف کو ہٹا کر امن عطا فرما)۔

دُعا کی قبولیت اور دشمنوں کی ہزیمت

اللہ تعالیٰ نے دُعا قبول فرمائی اور سخت تیز ہوا بھیج دی جس سے دشمنوں کے خیمے اُکھڑ گئے، چولہے بجھ گئے، ہانڈیاں اُلٹ گئیں، ہوا تیز بھی تھی اور سخت سرد بھی، دشمنوں کی جماعتیں اس سے متاثر ہو کر بھاگ کھڑی ہوئیں۔ ابوسفیان جو اس وقت قریشِ مکہ کا قائد بن کر آیا تھا اس نے کہا تھا اے قریشیو! اب یہاں ٹھہرنے کا موقع نہیں رہا، ہتھیار بھی ہلاک ہو گئے، جانور بھی ختم ہو چکے اور بنو قریظہ معاہدہ کی خلاف ورزی کر چکے ہیں، ہوا کے تھپیڑوں کو تم دیکھ ہی رہے ہو، اب یہاں سے چلے جاؤ میں تو جا رہا ہوں۔ اس کے بعد ابوسفیان اپنے اونٹ پر بیٹھا اور چل دیا۔ پھر قریش بھی چلے گئے۔ قبیلہ بنی غطفان کو قریش کی یہ حرکت معلوم ہوئی تو وہ بھی واپس ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنا انعام یاد دلایا اور فرمایا:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱذْكُرُوا۟ نِعْمَةَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ	اے ایمان والو! اللہ کی نعمت جو تمہیں ملی اسے یاد کرو جبکہ تمہارے پاس لشکر آگئے سو ہم نے ان پر ہوا بھیج دی اور لشکر بھیج دیئے جو تم نے نہیں دیکھے۔"

"جن لشکروں کو نہیں دیکھا" ان سے فرشتے مراد ہیں، اس موقع پر فرشتے نازل تو ہوئے تھے لیکن انہوں نے قتال میں حصّہ نہیں لیا البتہ دشمنوں کے دلوں میں رُعب ڈالنے کا کام کیا، جب ہوا کے تھپیڑوں سے عاجز آکر مشرکین بھاگ رہے تھے تو فرشتے تکبیر بلند کر رہے تھے اور یوں کہتے جا رہے تھے کہ بھاگ چلو یہاں ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ذریعہ دشمنانِ اسلام کو واپس کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب یہ لوگ ہم سے لڑنے کے لئے نہ آئیں گے اور ہم ہی ان سے لڑنے کے لئے جائیں گے [۱]۔ چنانچہ غزوۂ خندق کے بعد دشمن مدینہ منورہ پر

[۱] البدایہ والنہایہ، سیرت ابن ہشام، معالم التنزیل۔

چڑھائی کا ارادہ نہیں کرسکے ۸ ہجری میں مکہ معظمہ فتح ہوگیا اور اس کے بعد عرب کے لوگ مسلمان ہوگئے، جوق در جوق مدینہ منوّرہ میں ان کے وفود آتے تھے اور اسلام قبول کرتے تھے۔

بعض اُن واقعات کا تذکرہ جو خندق کھودتے وقت پیش آئے

سخت بھوک اور سردی کا مقابلہ جس وقت دشمن چڑھ آئے تھے اس وقت سخت سردی کا زمانہ تھا، کھانے پینے کا بھی معقول انتظام نہ تھا، بھوک کی مصیبت بھی درپیش تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنفسِ نفیس خندق کھودنے میں شریک تھے، حضراتِ صحابہ کرامؓ بھی اس کام میں مشغول تھے، پیٹوں پر پتھر باندھ رکھے تھے، خندق کھودنی بھی پڑتی تھی اور اس کی مٹی بھی منتقل کرنی پڑتی تھی جسے اپنے کندھوں اور پشتوں پر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے تھے، کھانے کے لئے ایک مٹھی جَو لائے جاتے تھے جنہیں اُبال لیا جاتا تھا اور یہ اُبلے ہوئے جَو ایسے تیل یا چربی کے ساتھ سامنے رکھ دیئے جاتے تھے جس میں بدبو آتی تھی اور ان کو کھانا بھی آسان نہ تھا مشکل سے گلے سے اترتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر یہ پڑھتے جاتے تھے: اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃَ (اے اللہ زندگی آخرت کی زندگی ہے سو آپ انصار اور مہاجرین کو بخش دیجئے) آپؐ کی یہ بات سن کر صحابہ کرامؓ جواب میں یوں کہتے تھے ؎

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا ۔۔۔ عَلَی الْجِھَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

(ہم وہ ہیں جنہوں نے جہاد پر محمدؐ سے بیعت کی ہے، ہم جب تک بھی زندہ ہیں ہماری بیعت باقی ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کھودنے میں شریک تھے اور مٹی منتقل کرنے کی وجہ سے آپؐ کے شکم مبارک پر اتنی مٹی لگ گئی کہ کھال دیکھنے میں نہیں آتی تھی۔ اس موقع پر آپؐ یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے جو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے شعر ہیں ؎

(۱) اللّٰھم لولا انت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا
(۲) فانزلن سکینۃ علینا وثبت الاقدام ان لاقینا
(۳) ان الالیٰ قد بغوا علینا وان ارادوا فتنۃ اَبَیْنَا

(۱) اے اللہ اگر آپ ہدایت نہ دیتے تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔
(۲) سو ہم پر اطمینان نازل فرمایئے اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھیئے اگر ہماری مڈبھیڑ ہو جائے۔
(۳) بلاشبہ ان لوگوں نے ہم پر زیادتی کی ہے اور اگر یہ فتنے کا ارادہ کریں گے تو ہم ان سے انکار کردیں گے۔

آخری کلمہ اَبَیْنَا کو رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم بلند آواز سے پڑھتے تھے[۱] اور اس کلمہ کو دُہراتے تھے[۲]

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی کہ مسلمان فلاں فلاں علاقوں پر قابض ہونگے

خندق کھودتے وقت ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک ایسی سخت چٹان برآمد ہوئی جس کا توڑنا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بس سے باہر ہوگیا، صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا کہ میں اس میں اترتا ہوں۔ آپ نے پھاوڑہ لے کر اس میں مارا جس سے وہ ریت کا ڈھیر بن گئی۔ بعض روایات میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس چٹان میں پھاوڑہ مارا تو ضرب لگنے کی وجہ سے ایک ایسی تیز روشنی ظاہر ہوئی جس سے مدینہ منورہ کی دونوں جانب روشنی ہوگئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اندھیری رات میں چراغ جل گیا ہو، اس پر آپ نے فتحیابی ظاہر کرنے والی تکبیر کہی اور مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کہا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور دیگر صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ کیا روشنی تھی جو بار بار ظاہر ہو رہی تھی؟ آپ نے

---

[۱] صحیح البخاری ج ۲ ص ۵۸۸، ص ۵۸۹۔ [۲] مشکوٰۃ المصابیح (باب البیان والشعر)

فرمایا کہ جب پہلی بار روشنی ہوئی تو اس میں مجھے حیرہ شہر کے محلات اور کسریٰ کے شہر ظاہر ہو گئے، مجھے جبریل نے بتایا کہ آپ کی امت ان پر غلبہ پائے گی اور دوسری بار جو چمک ظاہر ہوئی اُس سے رُوم کی سرزمین کے سُرخ محلات ظاہر ہو گئے مجھے جبریل نے بتایا کہ میری اُمت ان پر غلبہ پائے گی اور تیسری بار جو روشنی چمکی اس سے مجھے صنعاً کے محلات ظاہر ہوئے (جو یمن کا مشہور شہر ہے) جبریل نے مجھے بتایا کہ میری امت ان پر بھی غلبہ پائے گی لہٰذا تم خوش ہو جاؤ، اس پر مسلمان بہت خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور یقین کر لیا کہ یہ سچا وعدہ ہے اور پورا ہو کر رہے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب مذکورہ بالا شہروں کے فتح ہونے کی خبر دی تو منافقین کہنے لگے کہ ان کو دیکھو یثرب سے ان کو حیرہ اور کسریٰ کے محل نظر آ رہے ہیں اور یہ خبر دی جا رہی ہے کہ تم انہیں فتح کر دو گے اور حال یہ ہے کہ تم لوگ خندق کھود رہے ہو یعنی مصیبت میں گرفتار ہو۔

اور بعض روایات میں یوں ہے کہ جب آپؐ نے بسم اللہ پڑھ کر پہلی بار ضرب ماری تو اس چٹان کا تہائی حصہ ٹوٹ گیا۔ آپؐ نے فرمایا اللہ اکبر مجھے ملک شام کے خزانے دیئے گئے۔ پھر دوبارہ ضرب ماری تو اس کا ایک تہائی حصہ اور ٹوٹ گیا اور فرمایا اللہ اکبر مجھے ملکِ فارس کی چابیاں دے دی گئیں، پھر تیسری بار ضرب ماری تو باقی پتھر بھی ٹوٹ گیا۔ آپؐ نے فرمایا اللہ اکبر مجھے ملکِ یمن کی چابیاں دے دی گئیں، ساتھ ہی آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں شام کے سُرخ محل اور مدائن کا سفید محل اور صنعاء کے دروازے ابھی یہیں اسی وقت دیکھ رہا ہوں۔

حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانے میں جب یہ شہر فتح ہوتے جاتے تھے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جس ذات کے قبضہ میں ابوہریرہ کی جان ہے اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم نے جن شہروں کو فتح کر لیا اور قیامت تک جن شہروں کو فتح کرو گے ان سب کی چابیاں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی سے دی گئی تھیں، یعنی آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خوشخبری دے دی گئی تھی کہ

آپ کی اُمت ان کو فتح کرے گی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں اب تم ان کو حاصل کر رہے ہو لے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا اور جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم قیصر و کسریٰ کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے لے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے مشارق اور مغارب مجھے عطا فرما دیئے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے میری امت کا ملک وہاں تک پہنچ جائے گا لے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ہاں ضیافتِ عامہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ خندق کھودتے وقت جب ایک سخت چٹان پیش آگئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ایسی جگہ نکل آئی ہے جس کی مٹی بہت سخت ہے. (جو ہمارے قابو میں نہیں آرہی) آپ نے فرمایا میں اُترتا ہوں اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور آپ کے شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا اور بھوک کا یہ عالم تھا کہ ہم نے تین دن سے کچھ بھی نہیں چکھا تھا. آپ نے پھاوڑا لیا اور اس سخت زمین میں مارا جس کی وجہ سے وہ ایسا ہو گیا جیسے ریت کا ڈھیر ہو، وہ خود ہی پھسلا جا رہا تھا حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لی کہ ذرا گھر ہو آؤں آپ نے اجازت دے دی. میں اپنے گھر گیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ تمہارے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز ہے؟ میں نے محسوس کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت بھوک کی حالت میں ہیں اس پر میری بیوی نے چمڑے کا ایک تھیلا نکالا جس میں ایک صاع یعنی تین کلو کے لگ بھگ جَو تھے. اس کے علاوہ ہماری ایک چھوٹی سی پالتو

لے البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۰۲ تا ۱۹۹ .

بکری بھی تھی میں نے اُسے ذبح کیا اور میری اہلیہ نے جَو پیسنا شروع کئے اتنے میں میں نے بکری کی بوٹیاں بنا کر ہانڈی میں ڈالیں وہ جَو پیسنے سے فارغ ہو گئی۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانے لگا تو وہ کہنے لگی جا تو رہے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مجھے رسوامت کرنا (ایسا نہ ہو کہ زیادہ افراد آجائیں) میں حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہم نے تھوڑا سا کھانا تیار کیا ہے آپ تشریف لے چلیں اور اپنے ہمراہ ایک دو آدمی اور لے لیں۔ آپؐ نے فرمایا کتنا کھانا ہے؟ میں نے پوری صورتِ حال عرض کر دی، آپؐ نے فرمایا یہ تو بہت ہے۔ پھر آپ نے زور سے اعلان فرمایا کہ اے خندق والو! آجاؤ جابر نے کھانا تیار کیا ہے۔ آپؐ مہاجرین اور انصار کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔ آپ آگے آگے تشریف لا رہے تھے اور حضرات صحابہؓ آپ کے پیچھے چل رہے تھے۔ میں جلدی سے اپنی بیوی کے پاس پہنچا اور پوری کیفیت بیان کر دی (کہ مجمع کثیر آرہا ہے) اس پر وہ ناراض ہوئی اور کہا کہ وہی ہوا نا! جس کا مجھے اندیشہ تھا۔ میں نے کہا تھا کہ مجھے رسوامت کرنا! پھر کہنے لگی اچھا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب بات بتا دی تھی؟ میں نے کہا کہ ہاں میں نے سب کچھ بتا دیا تھا۔[1] آپؐ تشریف لائے تو جَو گوندھا ہوا آٹا تھا اس میں اپنا لُعاب مبارک ڈال دیا اور برکت کی دُعا فرمائی۔ پھر ہانڈی کی طرف توجہ فرمائی اور اس میں بھی لُعاب مبارک ڈال دیا اور برکت کی دُعا فرمائی۔ پھر فرمایا کہ ایک روٹی پکانے والی اور بلا لو اور ہانڈی کو چولہے سے مت اتارو۔ حضور اکرمؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم گھر میں آجاؤ، پچھ پچھ میں مت بیٹھو۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ بیٹھ گئے اور روٹی پکتی رہی جو آپ کی خدمت میں پیش ہوتی رہی۔ آپ روٹی توڑ توڑ کر اس پر گوشت کی بوٹیاں رکھ کر اور شوربا بھر بھر کر حاضرین کو دیتے رہے یہاں تک کہ سب نے پیٹ بھر کر کھا لیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کھانے والے ہزار آدمی تھے۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ انہوں نے

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۴ صفحہ ۹۹ میں بحوالہ دلائل النبوۃ للبیہقی یہ بھی اضافہ ہے کہ یہ سن کر وہ کہنے لگی کہ بس پھر تو اللہ اور اس کا رسول ہی جانیں۔

خوب کھایا اور سیر ہو کر واپس چلے گئے اور ہماری ہانڈی کا یہ حال تھا کہ جیسی تھی اُسی طرح اُبل رہی تھی اور ہمارا آٹا جیسا تھا ویسا ہی رہا (گویا اس میں سے کچھ بھی خرچ نہیں ہوا) آپؐ نے میری بیوی سے فرمایا کہ یہ بچا ہوا کھانا خود کھالو اور (پڑوسیوں کو بھی) ہدیہ دو کیونکہ لوگ بھوک کی مصیبت میں مبتلا ہیں [1]

اسی طرح کا ایک واقعہ حافظ ابن کثیرؒ نے بحوالہ محمد بن اسحٰق یوں بیان کیا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی بہن نے بیان کیا کہ میری والدہ نے مجھے لپ بھر کر کھجوریں دیں جو میرے کپڑے میں ڈال دیں اور کہا کہ اے میری بیٹی! جاؤ اسے اپنے والد اور اپنے ماموں عبداللہ بن رواحہ کے پاس لے جاؤ تاکہ وہ صبح کے وقت ان کو کھا لیں (یہ دونوں حضرات بھی خندق کھودنے میں مشغول تھے) میں یہ کھجوریں لے کر روانہ ہوئی۔ اپنے والد اور ماموں کی تلاش میں تھی کہ اسی اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا گذر ہوا، آپؐ نے فرمایا کہ اے بیٹی! یہ تمہارے پاس کیا ہے؟ میں نے کہا کہ یہ کچھ کھجوریں ہیں جو میری والدہ نے بھیجی ہیں تاکہ اپنے والد اور اپنے ماموں کو دے دوں! حضورؐ نے فرمایا کہ ان کو یہاں لاؤ۔ میں نے وہ کھجوریں آپؐ کی ہتھیلیوں میں ڈال دیں، وہ اتنی کم تھیں کہ ان سے آپؐ کی دونوں ہتھیلیاں نہ بھر سکیں، آپؐ نے ایک کپڑا بچھانے کا حکم دیا۔ پھر وہ کھجوریں اس پر پھیلا دیں اور ایک شخص سے فرمایا کہ اونچی آواز سے خندق والوں کو پکارو کہ آجاؤ صبح کا کھانا کھالو۔ خندق کے کام میں جو حضرات مشغول تھے حاضر ہوئے اور ان کھجوروں میں سے کھاتے رہے یہاں تک کہ سب فارغ ہو کر واپس ہو گئے [2]

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۸۸، ۵۸۹۔

[2] قال ابن کثیر فی البدایۃ والنہایۃ ج ۴ ص ۹۹ ھٰکذا رواہ ابن اسحاق وفیہ انقطاع۔

صلح حدیبیہ
کا
مفصّل واقعہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش مکہ نے بہت زیادہ تکلیفیں دی تھیں حتیٰ کہ آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہ کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ذی قعدہ ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کے لئے اپنے پیچھے نمیلہ بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر روانہ ہو گئے مدینہ منورہ کے رہنے والے اور آس پاس کے دیہات کے باشندوں کو بھی سفر میں ساتھ چلنے کے لئے فرمایا۔ آپؐ نے عمرہ کا احرام باندھ لیا اور حضرات صحابہؓ نے بھی، تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ آپؐ کا مقصد جنگ کرنا نہیں ہے صرف بیت اللہ کی زیارت کرنا مقصود ہے آپؐ اپنے ساتھ ہدی کے جانور بھی لے گئے تھے (جو حج وعمرہ میں حرم مکہ میں ذبح کیے جاتے ہیں) جب آپؐ مقام عسفان میں پہنچے تو بشر بن سفیان کعبی سے ملاقات ہوئی اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ قریش مکہ کو آپ کی روانگی کا پتہ چل گیا ہے وہ مقام ذی طویٰ میں جمع ہو گئے ہیں اور قسمیں کھا کھا کر یہ عہد کر رہے ہیں کہ آپؐ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے اور خالد بن ولیدؓ (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) اپنے سواروں کو لے کر کراع الغمیم (ایک مقام کا نام ہے) میں پہنچ چکے ہیں۔ آپؐ نے یہ سن کر راستہ بدل دیا اور داہنے ہاتھ کی طرف روانہ ہو گئے یہ باقاعدہ راستہ نہیں تھا گھاٹیاں تھیں دشوار گزار مقامات سے گزرنا پڑا یہاں تک کہ نرم زمین میں پہنچ گئے اور مقام حدیبیہ کے راستہ پر پڑ گئے، حدیبیہ مکہ اور جدہ کے درمیان ہے حرم کی حدود وہاں ختم ہو جاتی ہیں۔ (عسفان سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے حدیبیہ واقع نہیں ہوتا لیکن چونکہ قریش کے آڑے آجانے کا امکان تھا اس لئے آپ راستہ بدل کر حدیبیہ پہنچ گئے)۔

جب قریش کے سواروں کو پتہ چلا کہ آپؐ نے راستہ بدل دیا ہے تو واپس قریش کے پاس مکہ معظمہ چلے گئے۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ

مقامِ حدیبیہ میں پہنچ گئے وہاں پہنچے تو آپؐ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ صحابہؓ نے کہا یہ تو آگے بڑھنے سے اَٹ کرنے لگی۔ آپؐ نے فرمایا ہٹ کرنا اس کی عادت نہیں ہے اسے اسی ذات پاک نے روک دیا جس نے ہاتھی والوں کو مکہ معظمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔ کیونکہ قریش مکہ کے آڑے آجانے اور مکہ معظمہ کے داخلہ میں رکاوٹ ڈالنے کا گمان تھا اس لئے آپؐ نے فرمایا کہ اگر آج قریش نے مجھ سے کسی ایسی بات کا سوال کیا جو صلہ رحمی کی بُنیاد پر ہو تو میں اس میں ان کی موافقت کرلوں گا، اور بعض روایات میں یوں بھی ہے کہ اگر مجھے کسی ایسی بات کی دعوت دیں گے جس میں ان چیزوں کی حرمت کا مطالبہ ہو جنہیں اللہ تعالےٰ نے معظم قرار دیا ہے تو ان کی بات مان لوں گا۔

حدیبیہ میں قیام تو فرمالیا لیکن وہاں پانی بہت ہی کم تھا۔ حضراتِ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! یہاں تو پانی نہیں ہے نہ وضو کرسکتے ہیں، نہ پینے کا انتظام ہے بس یہی تھوڑا سا پانی ہے جو آپ کے پیالے میں ہے۔ آپؐ نے اپنا دستِ مبارک اس پیالہ میں رکھ دیا آپؐ کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوگئے۔ راوی حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے پانی پیا، وضو کیا کسی نے دریافت کیا کہ آپ حضرات کی کتنی تعداد تھی تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم لوگ پندرہ سو تھے اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی سب کے لئے کافی ہوجاتا۔

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ آیت کریمہ میں جو فتح کا ذکر ہے آپ لوگ اس سے فتح مکہ مراد لیتے ہیں اور ہم بیعتِ رضوان کو فتح کا مصداق شمار کرتے تھے جو حدیبیہ کے موقع پر ہوئی۔ ہم تعداد میں چودہ سو یا کچھ زیادہ تھے، حدیبیہ کے ایک کنوئیں میں تھوڑا سا پانی تھا ہم نے سارا پانی کھینچ کر استعمال کرلیا اور اس میں ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ تشریف لائے اور اس کنوئیں کے کنارے پر بیٹھ گئے۔ پھر فرمایا کہ اس میں سے نکالا ہوا ایک ڈول پانی لاؤ۔ وہ آپؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپؐ نے اس میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا اور ایک روایت میں ہے کہ وضو فرمایا اور کُلّی کی اور اس کنوئیں میں پانی ڈالا۔ پھر

فرمایا اسے کچھ دیر چھوڑ دو، پھر دیر کے بعد اس میں سے پانی لینا شروع کیا اور تمام حاضرین اپنے سواریوں سمیت سیراب ہو گئے۔ اس میں اختلاف کی بات نہیں ہے چودہ سو سے اوپر جو افراد تھے ان کو بعض صحابہؓ نے پندرہ سو بتا دیا اور بعض نے چودہ سو بتا دیا کسر کا اعتبار نہیں کیا اور اس میں بھی کوئی تعارض نہیں کہ پیالہ میں دست مبارک رکھنے سے چشمے جاری ہو گئے اور کنوئیں میں بھی آپ نے لعاب مبارک ڈال دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں قیام فرمایا تو قریش مکہ نے یکے بعد دیگرے بُدیل بن ورقاء اور کرز بن حفص اور حلیس بن علقمہ اور عروہ بن مسعود ثقفی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا آپؐ نے ان لوگوں کو جواب دیا کہ ہم عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں لڑائی لڑنا ہمارا مقصد نہیں ہے۔

حضراتِ صحابہؓ کی محبت اور جانثاری

عروہ بن مسعود حاضرِ خدمت ہوئے تو انہوں نے عجیب منظر دیکھا حضراتِ صحابہؓ کی محبت اور جانثاری دیکھ کر آنکھیں پھٹی رہ گئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضوء فرماتے تھے تو جو پانی آپؐ کے اعضاء سے جُدا ہوتا حضراتِ صحابہؓ اسے گرنے نہ دیتے تھے اور فوراً ہی اپنے ہاتھوں میں لے لیتے تھے، جب آپؐ ناک کی ریزش ڈالتے تھے اسے بھی جلدی سے اپنے ہاتھوں میں لے لیتے تھے اور آپؐ کا اگر کوئی بال گرتا تھا تو اُسے بھی گرنے سے پہلے ہی اُچک لیتے تھے۔

عروہ بن مسعود ثقفی نے واپس ہو کر قریش مکہ سے کہا کہ دیکھو میں کئی بار کسریٰ قیصر اور نجاشی کے پاس گیا ہوں (یہ تینوں بادشاہ تھے) میں نے کسی بادشاہ کے ایسے فرمانبردار نہیں دیکھے جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں اگر تم نے جنگ کی تو یہ لوگ کبھی بھی انہیں تنہا نہیں چھوڑیں گے اب دیکھ لو تمہاری کیا رائے ہے؟ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطابؓ سے فرمایا کہ تم مکہ معظمہ جاؤ وہاں قریش کو بتا دو کہ ہم جنگ کرنے کے لئے نہیں آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معذرت پیش کر دی کہ قریش کو معلوم ہے کہ میں ان کا کتنا بڑا دشمن ہوں اور میرے قبیلہ بنی عدی میں

سے وہاں ایسے افراد نہیں ہیں جو میری حفاظت کر سکیں میں آپ کو رائے دیتا ہوں کہ آپ عثمان بن عفانؓ کو بھیج دیں۔ قریش کے نزدیک وہ مجھ سے زیادہ معزز ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو ابو سفیان اور دیگر اشرافِ قریش کے پاس بطورِ نمائندہ بھیج دیا تاکہ وہ قریش کو بتادیں کہ آپ جنگ کے ارادے سے تشریف نہیں لائے بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت کے لیئے تشریف لائے ہیں۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے قریشِ مکہ کو پیغام پہنچادیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم یہ بات ماننے کو تیار نہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دیں، البتہ تم چاہو تو طواف کر سکتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ میں تنہا طواف نہیں کر سکتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف کریں گے تو میں بھی کروں گا۔ حضرت عثمانؓ کو قریش مکہ نے روک لیا اور ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچ گئی کہ حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا گیا ہے۔

بیعتِ رضوان کا واقعہ

جب یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے فرمایا کہ اب ہم تو یہاں سے نہیں ہٹیں گے جب تک قریش سے جنگ نہ کرلی جائے چونکہ بظاہر جنگ لڑنے کی فضا بن گئی تھی اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضراتِ صحابہ سے بیعت لینی شروع کی اور ایک شخص کے علاوہ آپ کے تمام اصحاب نے اس بات پر بیعت کرلی کہ ہم جم کر جنگ میں ساتھ دیں گے اور راہِ فرار اختیار نہ کریں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چونکہ مکہ معظمہ گئے ہوئے تھے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے خود ہی بیعت کرلی اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے ملایا اور فرمایا کہ یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے (یہ بیعت ایک درخت کے نیچے ہوئی تھی جو مقام حدیبیہ میں تھا اور اس کے بارے میں آیت کریمہ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ نازل ہوئی۔ اس لئے اس بیعت کا نام بیعت الرضوان معروف ہوگیا اور بیعت کرنے والوں کو اصحاب الشجرہ کہا جانے لگا (شجرہ عربی میں درخت کو کہتے ہیں)۔

اس کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر غلط ہے۔

لیکن اس خبر کی وجہ سے جو حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیعت کی اس کا ثواب بھی مل گیا اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا تمغہ بھی نصیب ہوگیا جس کا قرآن میں اعلان ہوگیا جو رہتی دنیا تک برابر پڑھا جاتا رہے گا۔

اس کے بعد قریش نے سہیل بن عمرو کو گفتگو کرنے کے لئے بھیجا اور یوں کہا کہ محمد علیہ السلام کے پاس جاؤ اور ان سے صلح کی گفتگو کرو لیکن صلح میں اس سال عمرہ کرنے کی بات نہ آئے اگر ہم اس سال انہیں عمرہ کرنے کی اجازت دیتے ہیں تو عرب میں ہماری بدنامی ہوگی اور اہلِ عرب یوں کہیں گے کہ دیکھو محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی قوت اور زور سے مکہ میں داخل ہوگئے۔ سہیل بن عمرو نے خدمتِ عالی میں حاضر ہوکر لمبی گفتگو کی پھر آپس میں صلح کی شرطیں طے ہوگئیں[1] جو انشاء اللہ عنقریب ذکر کی جائیں گی۔

صلح حدیبیہ کا متن اور مندرجہ شرائط

صحیح بخاری ص۳۷۱، ص۳۷۲ اور صحیح مسلم ص۱۰۴ ج ۲ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلح نامہ لکھنے لگے تو اس میں انہوں نے بطور عنوان یہ عبارت لکھ دی "ھٰذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ"۔ اس پر سہیل بن عمرو اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ہم تو آپ کے رسول اللہ ہونے کا اقرار ہی نہیں کرتے اگر ہم اس کو مانتے ہوتے تو آپ کو عمرہ کرنے سے کیوں روکتے؟ آپ محمد بن عبداللہ لکھئے، آپؐ نے فرمایا میں رسول اللہ بھی ہوں محمد بن عبداللہ بھی ہوں، پھر حضرت علیؓ سے فرمایا کہ لفظ رسول اللہ کو مٹا دو۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ میں تو کبھی بھی آپ کی اس صفت کو نہیں مٹاؤں گا (یہ نافرمانی کی قسم نہیں ہے ناز و انداز کی بات ہے) اس کے بعد صلح نامہ کے شروع میں "ھٰذا ما قاضی علیہ محمد بن عبداللہ" لکھا گیا۔

صحیح مسلم ص۱۰۴ ج ۲ میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس پر سہیل بن عمرو نے کہا کہ یہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کیا ہے ہم اس کو نہیں جانتے بلکہ وہ لکھو جو ہم پہچانتے ہیں اور وہ باسمک اللّٰھم (آپ

---

[1] صحیح بخاری (باب الشروط فی الجہاد) ص۳۷۸ ج ۱ اور اجع معالم التنزیل ص۱۹۹ ج ۴ تا ص۲۰۳)

نے اس کو بھی منظور فرمالیا۔ کماذکرہ (النووی)

البدایہ والنہایۃ ص۱۶۸ ج ۴ میں صلح نامہ کا متن جو نقل کیا ہے وہ ذیل میں درج ہے۔

ھٰذا ماصالح علیہ محمد بن عبد اللّٰہ سھیل بن عمرو واصطلحا علی وضع الحرب عن الناس عشر سنین یأمن فیھن الناس ویکف بعضھم عن بعض وعلی انہ من أتی محمدًا من قریش بغیر اذن ولیہ ردہ علیھم، ومن جاء قریشًا ممن مع محمد لم یردوہ علیہ، وان بیننا عیبۃ مکفوفۃ وانہ لا اسلال ولا اغلال، وانہ من احب ان یدخل فی عقد محمد وعھدہ دخل فیہ، ومن احب ان یدخل فی عقد قریش وعھدھم دخل فیہ، وانک ترجع عامک ھذا فلا تدخل علینا مکۃ، وانہ اذا کان عام قابل خرجنا عنک فدخلتھا باصحابک فاقمت بھا ثلاثًا معک سلاح الراکب السیوف فی القرب لا تدخلھا بغیرھا۔

ترجمہ: یہ وہ صلح نامہ ہے جس کی محمد بن عبد اللہ نے سہیل بن عمرو سے صلح کی، ان باتوں پر صلح کی گئی۔

۱. دس سال تک آپس میں جنگ نہیں کریں گے، ان دس سالوں میں لوگ امن وامان سے رہیں گے اور ایک دوسرے (پر حملہ کرنے) سے رُکے رہیں گے۔

۲. قریش میں سے جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد علیہ السلام کے پاس آجائے گا اسے واپس کرنا ہوگا۔

۳. اور محمد علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس آجائے گا وہ اسے واپس نہیں کریں گے۔

۴. اور ایک یہ بات ہے کہ ہمارے درمیان گٹھڑی بند رہے گی (یعنی آپس میں جنگ نہ کریں گے۔ (لڑائی والی بات کو گٹھڑی کی طرح باندھ کر ڈال دیں گے) اور بعض حضرات

نے گھڑی بند رکھنے کا یہ معنی بتایا ہے کہ جو کچھ ہم نے صلح کی ہے یہ سچے دل سے ہے دل گھڑیوں کی طرح ہیں جن میں راز کی چیزیں رکھی جاتی ہیں لہٰذا ہماری یہ گٹھڑی نہ کھلے گی اور کوئی فریق دھوکہ یا خیانت کا کام نہ کرے گا۔

۵۔ نہ کوئی ظاہری طور پر چوری کرے گا اور نہ خیانت کے طور پر کسی کو تکلیف دے گا (ظاہر اور باطن کے اعتبار سے ہر شرط کی پابندی کی جائے گی۔)

۶۔ اور جو شخص محمد علیہ السلام کے ساتھ کوئی معاہدہ اور معاقدہ کرنا چاہے وہ کر سکتا ہے۔

۷۔ اور جو جماعت قریش سے کوئی معاہدہ و معاقدہ کرنا چاہے اسے اس کا اختیار ہے۔

۸۔ آپ اس سال واپس ہو جائیں مکہ معظمہ میں داخل نہ ہوں۔

۹۔ اور آئندہ سال اپنے صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کے لئے آئیں اس وقت مکہ معظمہ میں داخل ہوں اور صرف تین دن رہیں۔

۱۰۔ اس وقت جب عمرہ کے لئے آئیں تو آپ کے ساتھ مختصر سے ہتھیار ہوں جنہیں مسافر ساتھ لے کر چلتا ہے تلواریں نیاموں میں ہوں گی۔ اس کا لحاظ کرتے ہوئے داخل ہو سکیں گے۔

جب یہ شرطیں لکھی گئیں تو شرط نمبر ۶ کے مطابق بنو خزاعہ نے اعلان کر دیا کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہیں اور بنو بکر نے اعلان کر دیا کہ ہم قریش کے عہد میں ہیں (پھر یہی معاہدہ فتح مکہ کا سبب بن گیا کیونکہ قریش مکہ نے بنو بکر کی مدد کر دی جب بنو خزاعہ سے ان کی جنگ چھڑی) معاہدہ کی جو شرطیں اوپر مذکور ہوئیں ان میں سے بعض صحیح بخاری[1] میں اور بعض صحیح مسلم[2] میں مذکور ہیں اور بعض سنن ابی داؤد[3] میں بھی مروی ہیں۔

حضرت عمرؓ کا تردد اور سوال و جواب

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بعض شرطوں کا قبول کرنا ناگوار ہوا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور کیا قریش مکہ باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں! پھر سوال کیا، کیا ہمارے مقتولین جنت میں نہیں ہیں اور کیا ان کے مقتولین دوزخ میں نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا

---

[1] صحیح بخاری باب الشروط فی الجہاد صفحہ ۳۲۰ ج ۱ و راجع معالم التنزیل صفحہ ۱۹۹ ، صفحہ ۲۰۰ ج ۴۔

ہاں ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور ان کے مقتولین دوزخ میں ہیں، عرض کیا پھر کیوں ہم اپنے دین میں ذلت گوارا کریں اور ہم کیوں اللہ کے فیصلے کے بغیر جو ہمارے ان کے درمیان (قتال کے ذریعہ) ہو واپس ہو جائیں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اس کی نافرمانی نہیں کرتا ہوں وہ میری مدد فرمائے گا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا، کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور طواف کریں گے؟ آپؐ نے فرمایا کیا میں نے اسی سال کے بارے میں کہا تھا؟ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ سے بھی ان کا یہی سوال وجواب ہوا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کر لی اور پورا صلح نامہ لکھ دیا گیا تو ابو جندل نے مسلمانوں سے کہا کہ دیکھو میں مسلمان ہو کر آیا ہوں مشرکین کی طرف واپس کیا جا رہا ہوں مجھے بڑی بڑی تکلیفیں دی گئی ہیں مجھے اپنے ساتھ لے چلو لیکن مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ نہیں کر سکتے تھے صلح کی جو شرطیں آپؐ نے منظور فرمائی تھیں سب کے مطابق عمل کرنا لازم تھا بالآخر ابو جندل کو وہیں چھوڑ دیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہمارا بن کر ہم کو چھوڑے گا اللہ اس کو ہم سے دور فرما دے گا (اس کی ہمیں ضرورت نہیں) اور جو شخص ان میں سے ہوگا اور ہمارا بن کر آئے گا (پھر ہم شرط کے مطابق اسے واپس کر دیں گے تو) اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی راستہ نکال دے گا۔[1]

حلق رؤس اور ذبح ہدایا

جب صلح نامہ لکھا جا چکا تو آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ اپنے ہدایا کو ذبح کرو اور سر منڈوالو۔ یہ بات سن کر کوئی بھی کھڑا نہ ہوا کیونکہ حضرات اس امید میں تھے کہ شاید کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ وقت سے پہلے احرام کھولنا نہ پڑے اور عمرہ کرنے کا موقع مل ہی جائے) آپؐ کے تین بار ارشاد فرمانے کے بعد بھی جب کوئی کھڑا نہ ہوا تو آپ اپنی اہلیہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے پوری صورت حال بیان کی (کہ میں ہدایا کے ذبح کرنے کا اور سر مونڈنے کا حکم دے چکا ہوں لیکن صحابہ اس پر عمل نہیں کر رہے ہیں) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ

---

[1] صحیح مسلم ص۱۰۵ ج۲ [2] صحیح بخاری ص۳۸۰

لوگ ذبح اور حلق والا کام کر گزریں تو آپ باہر تشریف لے جا کر کسی سے بات کئے بغیر اپنے اونٹوں کو ذبح فرمادیں اور بال مونڈنے والے کو بلا کر اپنے سر کے بال منڈوا دیں، آپ باہر تشریف لائے اور ایسا ہی کیا جب آپ کو حضرات صحابہؓ نے دیکھا کہ آپ ہدایا ذبح فرما چکے ہیں اور حلق کروا لیا ہے تو سب اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے ہدایا کو ذبح کر دیا اور ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔[1]

حضرت ابو بصیر اور ان کے ساتھیوں کا واقعہ

وہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اہل مکہ میں سے جو شخص ہمارے پاس آئے گا اور اسے شرط کے مطابق واپس کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی راستہ نکال دے گا۔ اس کے مطابق اس کا حل یہ نکلا کہ حضرت ابو بصیرؓ ایک صحابی مسلمان ہو کر مکہ سے مدینہ منورہ پہنچ گئے مکہ والوں نے ان کو واپس کرنے کے لئے دو آدمی بھیجے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شرط کے مطابق ان کو واپس کر دیا۔ واپسی میں جب ذوالحلیفہ پہنچے تو حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ان دو آدمیوں میں سے جو انہیں لینے آئے تھے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرا بھاگ کر مدینہ منورہ میں آکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ ضرور اسے کوئی خوفناک بات پیش آئی ہے اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا ساتھی تو قتل کیا جا چکا ہے اور میں بھی قتل ہونے والا ہوں۔ پیچھے سے حضرت ابو بصیر بھی حاضر خدمت ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی جو ذمہ داری تھی وہ تو اللہ تعالیٰ نے پوری کر دی آپ نے مجھے واپس کر دیا پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے نجات دے دی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ لڑائی کو بھڑکانے والا ہے کاش اسے کوئی سمجھانے والا ہوتا۔ یہ سن کر ابو بصیرؓ نے سمجھ لیا کہ آپ مجھے پھر واپس کر دیں گے لہٰذا وہ مدینہ منورہ سے نکل گئے اور سمندر کے کنارہ پر پڑاؤ ڈال لیا۔ جب ابو جندل کو اس کا پتہ چلا تو وہ بھی ابو بصیرؓ کے پاس پہنچ گئے اور اب جو بھی کوئی شخص قریش مکہ میں سے مسلمان ہوتا وہ

---

[1] صحیح مسلم ص ۱۰۵ ج ۱، ۲ صحیح بخاری ص ۳۸۰۔

ابوبصیرؓ کے پاس پہنچ جاتا یہاں تک کہ وہاں کے سمندر کے کنارے ایک جماعت اکٹھی ہوگئی قریش کا جو بھی قافلہ شام کی طرف جاتا تھا یہ لوگ اسے روک لیتے اور قافلہ کے آدمیوں کو قتل کر دیتے اور ان کے اموال چھین لیتے تھے جب یہ صورتِ حال سامنے آئی تو قریشِ مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ان لوگوں کو بلالیں اور اب ہم اس شرط کو واپس لیتے ہیں کہ ہمارا کوئی شخص آپ کے پاس جائے گا تو اسے واپس کرنا ہوگا، جو بھی شخص ہم میں سے آپ کے پاس جائے گا اسے واپس کرنے کی ذمہ داری آپ پر نہ ہوگی اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو پیغام بھیج دیا کہ واپس آجائیں لے

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوبصیر کے نام خط لکھ دیا کہ مدینہ منورہ آجائیں جب گرامی نامہ پہنچا تو وہ سیاقِ موت میں تھے ان کی موت اس حالت میں ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی ان کے ہاتھ میں تھا حضرت ابوجندل نے انہیں دفن کر دیا اور وہاں ایک مسجد بنادی، پھر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ میں حاضر ہوگئے اور برابر وہیں رہتے رہے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں شام کی طرف چلے گئے اور وہیں جہاد میں شہید ہوگئے کے

صلحِ حدیبیہ کی مذکورہ تفصیل کے بعد اب آیاتِ بالا کا ترجمہ دوبارہ پڑھ لیجئے ان میں فتحِ مبین کی خوشخبری ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اگلی پچھلی تمام لغزشوں کی معافی کا اور تکمیلِ نعمت کا اور صراطِ مستقیم پر چلانے کا اور نصرِ عزیز کا اعلان ہے۔

دیہاتیوں کی بدگمانی

معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۹۱ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلحِ حدیبیہ والے سال مدینہ منورہ کے آس پاس دیہاتوں میں یہ منادی کرادی کہ ہم عمرہ کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ بھی عمرہ کرلیں اور قریشِ مکہ کی طرف سے کوئی جنگ کی صورت پیدا ہو جائے یا وہ بیت اللہ سے روکنے لگیں تو ان سے نمٹ لیا جائے، آپؐ نے عمرہ کا احرام باندھا اور ہدی بھی ساتھ لی تاکہ یہ سمجھ لیں کہ آپ جنگ کے ارادے سے روانہ نہیں ہوئے اس وقت ایک بڑی جماعت آپؐ

لے صحیح بخاری ص ۳۸۰، ۳۸۱ ج ۱ کے فتح الباری ص ۳۵۱ ج ۵

کے ساتھ روانہ ہو گئی (جن کی تعداد چودہ سو یا اس سے کچھ زیادہ تھی) اس موقع پر دیہات میں رہنے والوں میں سے بہت سے لوگ پیچھے رہ گئے اور آپ کے ساتھ سفر میں نہ گئے۔ ابھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس نہیں پہنچے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں پہلے سے آپ کو خبر دے دی اور فرمایا سَیَقُوْلُ لَکَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا کہ دیہاتیوں میں سے جو لوگ پیچھے کر دیئے گئے (جن کی شرکت اللہ تعالیٰ کو منظور نہ تھی) وہ شرکت نہ کرنے کا عذر بیان کرتے ہوئے یوں کہیں گے کہ ہمارے مالوں اور ہمارے اہل و عیال نے ہمیں مشغول رکھا ہم ان کی ضروریات میں لگے رہے (پیچھے گھروں میں چھوڑنے کے لئے بھی کوئی نہ تھا) لہٰذا آپ ہمارے لئے اللہ سے درخواست کر دیجئے کہ وہ ہماری مغفرت فرما دے۔ جب آنحضرت سرورِ عالم مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے تو یہ لوگ حاضرِ خدمت ہو گئے اور انہوں نے ساتھ نہ جانے کا وہی عذر بیان کر دیا کہ ہمیں بال بچوں سے متعلق کام کاج کی مشغولیتوں نے آپ کے ساتھ جانے نہ دیا۔ اب آپ ہمارے لئے استغفار کر دیں، اللہ جل شانہٗ نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی زبانوں سے وہ بات کہہ رہے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے، یعنی ان کا یہ کہنا کہ ہمارا شریک ہونے کا ارادہ تو تھا لیکن گھر بار کی مشغولیت کی وجہ سے نہ جا سکے اور یہ کہنا کہ آپ ہمارے لئے استغفار کر دیں یہ ان کی زبانی باتیں ہیں جو ان کے قلبی جذبات اور اعتقادات کے خلاف ہیں نہ ان کا شریک ہونے کا ارادہ تھا اور نہ استغفار کی ان کے نزدیک کوئی حیثیت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہی نہیں لائے پھر گناہ اور ثواب اور استغفار کی باتوں کا کیا موقع ہے؟

پھر ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی جو جھوٹی عذر خواہی اور حیلہ بازی کریں کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی ضرر یا نفع پہنچانا چاہے تو وہ کون ہے جو اللہ کی طرف سے آنے والے کسی فیصلہ کے بارے میں کچھ بھی اختیار رکھتا ہو۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنے کے لئے حکم ہو گیا تو ساتھ جانا ضروری تھا آپ کے ساتھ نہ جانے کی صورت میں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضرر پہنچ جائے تو اس کو کوئی بھی دفع نہیں کر سکتا۔

بات وہ نہیں ہے جو تم بطورِ معذرت پیش کر رہے ہو اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے تم تو یہ سمجھتے تھے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی اہلِ ایمان جو سفر میں جا رہے ہیں یہ کبھی بھی واپس نہیں آئیں گے دشمن ان کو بالکل ختم کر دیں گے یہ بات تمہارے لئے شیطان نے مزین کر دی اور تمہارے دلوں میں بیٹھ گئی اور تم نے بُرا خیال کر لیا کہ یہ لوگ ہلاکت کی راہ پر جا رہے ہیں اگر کسی کے جانے کا ارادہ بھی تھا تو تم نے اسے یہ کہہ کر روک دیا کہ کہاں جا رہے ہو ذرا انتظار کرو دیکھو ان کا کیا ہوتا ہے؟

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

مکتوباتِ شریفہ

سید المرسلین، خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وہ مکاتیب جو آپ نے اپنے زمانے کے مشہور ملوک وسلاطین اور امراء و وزراء کو لکھے۔

عربی عبارت اور تراجم و تشریحات کے ساتھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاتم النبیین، سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کے لئے جو ذرائع اختیار فرمائے تھے ان میں گراں قدر مکاتیب ارسال فرمانے کا طریقہ بھی تھا۔

یہ والانامے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں اور مختلف علاقوں کے اُمراء کے نام ارسال فرمائے تھے۔ نجاشی شاہِ حبشہ اور ہرقل شاہِ روم اور کسریٰ شاہِ فارس اور مقوقس شاہِ مصر اس زمانہ میں زیادہ معروف تھے جنہیں اہلِ عرب جانتے اور پہچانتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکاتیب ارسال فرمانے کے لئے اپنے صحابہؓ میں سے متعدد افراد کا انتخاب فرمایا اور ان کے ذریعہ گرامی نامے ارسال فرمائے۔

حافظ ابن القیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے تشریف لائے تو بادشاہوں کو خطوط لکھے اور چھ افراد کو ایک ہی دن میں مختلف بادشاہوں کی طرف روانہ فرما دیا۔ یہ واقعہ محرم ۷ھ کا ہے جب آپؐ والانامے ارسال فرمانے لگے۔ (جن میں شاہِ روم کے نام بھی ایک مکتوب تھا) تو عرض کیا گیا کہ وہ لوگ کوئی خط اس وقت تک نہیں پڑھتے جب تک مہر لگی ہوئی نہ ہو۔ چنانچہ آپؐ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی اور اس کے نگینہ میں اپنا اسمِ گرامی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کندہ کروالیا۔ ایک سطر میں مُحَمَّدٌ اور ایک سطر میں لفظ رَسُوْل اور ایک سطر میں لفظ اَللّٰہ تھا۔ آپؐ نے مہر تیار فرما کر ان مکاتیب کے ختم پر وہ مہر لگا دی جو بادشاہوں کے نام لکھے گئے تھے۔

آپؐ نے صحابہؓ میں سے حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ کو نجاشی شاہِ حبشہ کی طرف اور حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ کو ہرقل شاہِ روم کی طرف اور حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمیؓ کو کسریٰ شاہِ فارس کی طرف اور حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کو مقوقس شاہِ مصر کی طرف اور حضرت شجاع بن وہب الاسدیؓ کو حارث بن شمر الغسانی شاہِ بلقاء (یعنی علاقہ شام)

کی طرف اور حضرت سلیط بن عمروؓ کو ہوذہ بن علی کی طرف بھیجا۔ آخر الذکر یمامہ کا صاحب اقتدار تھا۔ بعض اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ حضرت سلیط بن عمروؓ کو ہوذہ بن علی اور ثمامہ ابن اثال دونوں کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ یہ دونوں قبیلہ بنی حنیفہ کے سردار اور صاحب اقتدار تھے۔ نیز حضرت عمرو بن عاصؓ کو ۸ھ میں جیفر اور عقبہ کی طرف مبعوث فرمایا جو عمان میں صاحبِ اقتدار تھے۔ حضرت علاء بن الحضرمیؓ کو منذر بن ساوی ملک البحرین کی طرف۔ یہ حضرات گرامی نامے لے کر گئے۔ نہایت خوش مندی کے ساتھ واسطہ یا بلاواسطہ اپنے مکتوب الیہ کو آپؐ کا والا نامہ پہنچا دیا، اور بعض حضرات نے صرف خط ہی نہیں پہنچایا بلکہ بڑی ہمت اور جرأت کے ساتھ شاہی دربار میں اسلام کی دعوت دی اور بتایا کہ یہ دنیا فانی ہے۔ ہمیشہ رہنے والی نہیں، جن لوگوں کے نام گرامی نامے ارسال فرمائے تھے ان میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا اور بعض نے علی الاعلان تکذیب کی اور والا نامہ کی بے ادبی کی اور پھر اس کا نتیجہ بھگت لیا اور بعض نے کہا کہ ہم غور کریں گے۔

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاغ مبین میں کوئی کوتاہی نہیں فرمائی اور امت کو یہ بتا دیا کہ جیسے جان و مال، جسم و زبان سے حق کی طرف دعوت دی جاتی ہے اسی طرح قلم اور کاغذ اور خطوط کے ذریعہ دعوت کا کام موقع بہ موقع کرتے رہنا چاہیئے۔

آج کل تو دعوت و تبلیغ کا بہت بڑا میدان ہے سارے عالم میں، ہر بر اعظم میں شرقاً غرباً ہر امکانی کوشش دعوتِ اسلام کے لئے خرچ کر دینے کی ضرورت ہے۔ لوگ پیاسے ہیں ان کو اسلام کی دعوت دی جائے اور حق واضح کیا جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ اسلام قبول کریں گے۔ خاص کر نصاریٰ کو اجتماعی اور انفرادی طور پر دعوت دینے کی فکر کی جائے۔ افراد کو بھی دعوت دی جائے اور جماعتوں کو بھی۔ یہ لوگ پرانی لکیر پیٹ رہے ہیں۔ ماں باپ کے بارے میں یوں جانتے تھے کہ وہ عیسائی تھے تو خود بھی عیسائی ہیں اور پادریوں نے اپنی دنیا چلانے کے لئے انہیں دھوکہ دے

رکھا ہے۔ نصاریٰ کی جو نئی پود نکل رہی ہے حقیقت میں وہ کسی دین پر نہیں ہیں۔ لیکن رواج کی وجہ سے اور کوئی دوسرا دین سامنے نہ ہونے کی وجہ سے یہ بھی نہیں کہتے کہ ہم نصاریٰ نہیں ہیں۔ مسلمان دینِ حق یعنی اسلام پیش کریں۔ قرآن کا اعجاز بتائیں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ اور آپ کے اخلاقِ عالیہ اور آدابِ سامیہ اور آپؐ کی پیش کردہ جامع شریعت پیش کریں اور جنّت و دوزخ کی تفصیلات بتائیں اور یہ بھی سمجھائیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام کے علاوہ کوئی دین معتبر نہیں ہے اور یہ بھی سمجھائیں کہ سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ آخرت میں ہر شخص اپنے کیے کا پھل پائے گا اور یہ بھی بتائیں کہ پادری لوگ اتوار کے دن چرچ میں بلا کر حاضرین کے گناہ معاف کرتے ہیں۔ یہ بڑی بے تکی اور ناسمجھی کی بات ہے کہ نافرمانی تو ہو اللہ کی اور اُسے کوئی انسان بخش دے۔ پادریوں کو گناہ معاف کرنے کا اختیار کہاں سے مل گیا۔ قرآنِ مجید میں فرمایا ہے:

وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ (۲: ۱۳۵)

ترجمہ: اللہ کے سوا گناہوں کو کون معاف کرے گا۔

یہ باتیں نصاریٰ کو اور ان کے بچوں کو اسکولوں، کالجوں میں اچھی طرح سمجھائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوں گے۔ و باللہ التوفیق۔

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والا نامے ترجمہ کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں۔ ان کو غور سے پڑھیں اور ان مضامین کو غیر مسلمین کے وزراء، رؤساء اور امراء کے نام ارسال کریں اور یہ لکھیں کہ یہ آپ کی آخرت کی خیر خواہی کے لئے لکھا جا رہا ہے۔

و باللہ التوفیق۔

والانامہ بنام نجاشی
شاہِ حبشہ

رسول اللہ صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے جو مکاتیبِ مبارکہ اس زمانہ کے مشہور بادشاہوں کو بھیجے تھے ان میں نجاشی شاہِ حبشہ کے نام بھی مکتوب گرامی ارسال فرمایا تھا۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے شاہِ حبشہ ایک نرم دل بادشاہ تھا۔ قریشِ مکّہ کی ایذا رسانیوں کی وجہ سے جو حضرات صحابہؓ حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے ان کو بڑے اکرام کے ساتھ اس نے جگہ دی اور قریشِ مکّہ جب ہدیے اور تحفے لے کر حبشہ پہنچے اور حضرات مہاجرینؓ کو واپس کرنے کی درخواست کی تو نجاشی نے درخواست رَد کر دی تھی۔

مہاجرینِ حبشہؓ ابھی تک حبشہ ہی میں تھے کہ رسول اللہ صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کا والانامہ اس کے پاس پہنچ گیا جسے حضرت عمرو بن اُمیہ ضمریؓ لے کر گئے تھے۔

حضرت عمرو بن اُمیہ ضمریؓ نے اصحمہ شاہِ حبشہ کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا والانامہ پہنچا دیا اور اس کے دربار میں خود اس سے مخاطب ہوئے۔

"اے بادشاہ! میرے ذمّہ حق کی تبلیغ ہے اور آپ کے ذمّہ حق کی سماعت ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ گذشتہ دنوں سے ہم پر آپ کی شفقت اور محبّت کا یہ حال ہے کہ گویا آپ اور ہم ایک ہی ہیں اور ہم کو بھی آپ پر اس قدر اعتبار ہے کہ ہم آپ کو کسی طرح اپنی جماعت سے علیحدہ نہیں سمجھتے۔ ہم نے جس بھلائی کی امید آپ سے کی کامیاب ہوئے اور جس خطرہ کا بھی اندیشہ کیا ہمیشہ اس سے بے خوف و مامون رہے۔ حضرت آدم علیہ الصّلوٰة والسّلام کی ولادت ہماری طرف سے آپ پر حجّتِ قطعی ہے۔ یعنی جس

قادرِ مطلق نے حضرت آدمؑ کو بغیر والدین کے مٹی سے پیدا کر دیا اسی نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بغیر باپ کے بطنِ مادر سے پیدا کیا۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ٥ (۳: ۵۹)

ترجمہ: "بیشک اللہ کے نزدیک عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال آدم (علیہ السلام) کی طرح ہے کہ آپ نے انہیں مٹی سے پیدا کیا اور پھر حکم دیا تو وہ عالمِ وجود میں آگئے"۔

ہمارے اور آپ کے درمیان انجیل وہ شاہد ہے جس کی شہادت کبھی مردود نہیں ہو سکتی۔ اس نبی "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کی پیروی میں خیر و برکت کا ورود اور فضیلت و بزرگی کا حصول ہے۔

بادشاہ! اگر آپ نے محمد صلی اللہ کا اتباع نہ کیا تو اس نبیِ امی کا انکار آپ کے لئے اسی طرح باعثِ وبال ثابت ہوگا۔ جس طرح یہود کے حق میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انکار ثابت ہوا۔ میری طرح رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بعض جگہ دیگر اشخاص مختلف بادشاہوں کے نام دعوتِ اسلام کے لئے قاصد بن کر گئے ہیں مگر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو امید آپ کی ذات سے وابستہ ہے دوسروں سے ایسی امید نہیں ہے اور جس بات کا ان سے اندیشہ ہے آپ سے اس کے بارے میں پورا اطمینان ہے کہ آپ اپنے اور اپنے خدا کے درمیان گذشتہ طاعات اور آئندہ کے اجر و ثواب کا خیال رکھیں گے:

اصحمہ نے حضرت عمروؓ کی فصیح اور برجستہ تقریر کو سنا اور ان کی دلیرانہ نصیحت کی داد دیتے ہوئے اس طرح جواب دیا۔

"عمرو! بخدا میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے وہی برگزیدہ پیغمبر ہیں جن کی آمد کا اہلِ کتاب انتظار کر رہے ہیں۔ بے شک حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا راکب حمار "حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کی بشارت دینا ٹھیک اسی طرح ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے راکبِ جَمَل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی ہے۔ دونوں میں سرِ مو فرق نہیں اور اس بارے میں میرے لئے مشاہدہ اور خبر دونوں برابر ہیں؛ یعنی اگرچہ میں نے جمالِ جہاں آرا سے آنکھیں منور نہیں کیں لیکن حالات سن کر مجھ کو ان کے نبی ہونے کا یقین ہے۔

اصحمہ نے حضرت عمرو بن اُمیہؓ سے نامۂ مبارک ہاتھ میں لے کر تعظیماً آنکھوں سے لگایا اور مزید شرف واعزاز کی خاطر تختِ شاہی سے اُتر آیا اور ترجمان کو بلا کر نامۂ مبارک پڑھنے کا حکم دیا۔

والا نامہ کا متن

"من محمد رسول اللہ الی النجاشی ملک الحبشۃ سلام انت فانی احمد الیک اللہ الذی لا الہ الا ھو الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن واشھد ان عیسٰی بن مریم روح اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم البتول الطیبۃ الحصینۃ فحملت بعیسٰی خلقہ اللہ من روحہ ونفخہ کما خلق آدم بیدہ وانی ادعوک الی اللہ وحدہ لا شریک لہ والموالاۃ علی طاعتہ وان تتبعنی وتومن بالذی جاءنی فانی رسول اللہ وانی ادعوک وجنودک الی اللہ عزوجل وقد بلغت ونصحت فاقبلوا نصیحتی والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔"

ترجمہ: یہ خط اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حبشہ کے بادشاہ کے نام "تو باسلامت رہے" میں تجھ کو اس خدا کی حمد سناتا ہوں جو معبودیت میں یکتا ہے، کل جہاں کا مالک ہے، برگزیدہ ہے، سلام ہے،

جائے پناہ ہے، نگہبان ہے اور اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے مریم بتول طیبہ پاک دامن میں القاء کیا۔"

"اللہ نے ہی ان کو اپنی روح سے پیدا کیا اور اس کو حضرت مریمؑ میں پھونک دیا جیسا کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ید قدرت سے بنایا۔ اب میں تجھ کو خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ اور اس کی اطاعت مودت و محبت کی دعوت دیتا ہوں اور یہ کہ تو میری پیروی کرے اور جو اللہ کا پیغام میں لے کر آیا ہوں اس پر ایمان لائے۔ میں تجھ کو اور تیرے لشکر کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں۔ پس میں نے تبلیغ اور نصیحت کر دی۔ تجھ کو چاہیئے کہ اس کو قبول کرے اور سلام اس پر جو ہدایت کا پیرو ہو۔"

اصحمہ نامہ مبارک کو سنتا جاتا ہے اور متاثر ہوتا جاتا ہے۔ جونہی مضمون ختم ہوا فرطِ شوق میں نامۂ مبارک کو بوسہ دے کر سر پر رکھ لیا۔ اور حضرت جعفر طیارؓ کو دربار میں بلا کر اسلام کے متعلق گفتگو کی اور گفتگو کے بعد ان کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی اور نامۂ مبارک کے جواب میں حسبِ ذیل معروضہ لکھا۔

نقل مکتوب اصحمہ نجاشی شاہِ حبشہ

"الی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من النجاشی اصحمۃ السلام علیک یا نبی اللہ، من اللہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ الذی لا الٰہ الا ھو الذی ھدانی للاسلام، اما بعد فقد بلغنی کتابک یا رسول اللہ فیما ذکرت من امر عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام فورب السماء والارض ان عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام لا یزید علی ما ذکرت ثفروقا[1]

---

[1] قال فی القاموس الثفروق بالضم قمع التمرۃ او ما یلتزق بہ قمعہا ج ثفاریق وما لہ ثفروق شیء۔

وقد عرفنا ما بعثت به الینا وقد قربنا ابن عمك واصحابه فاشهد انك رسول الله صادقاً مصدقاً وقد بایعتك وبایعت ابن عمك واسلمت علی یده لله رب العلمین وقد بعثت الیك ابنی یا نبی الله وان شئت اتیتك بنفسی والسلام علیك ورحمة الله وبرکاته"۔

ترجمہ: اصحمہ نجاشی کی جانب سے محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام!
"اے اللہ کے نبی! سلامتی ہو آپ پر اور اللہ کی رحمت، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جس نے مجھے اسلام کا راستہ بتایا۔ اما بعد۔
اے اللہ کے رسول! مجھے آپ کے مکتوب گرامی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے میں رب السّماء والارض کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اس سے زیادہ کچھ نہیں ہیں۔ ہم نے ان تمام باتوں کو اچھی طرح سمجھ لیا جو آپ نے ہم تک پہنچائیں۔ آپ کے چچا کے بیٹے اور ان کے رفقاء ہمارے مقرب ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں میں آپ کے سلسلۂ بیعت میں داخل ہوگیا اور آپ کے چچیرے بھائی کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین کے لئے بیعت کر لی اور اسلام قبول کر لیا۔ یا نبی اللہ میں آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے کو بھیجتا ہوں اگر آپ کا حکم ہوگا تو میں خود بھی حاضر ہو جاؤں گا۔" والسلام علیك ورحمة الله وبرکاته۔

سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے کہ نجاشی جب حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوگیا تو شدہ شدہ یہ خبر اہلِ حبش میں پھیل گئی۔ اہلِ حبش کو یہ سخت ناگوار ہوا اور انھوں نے نجاشی کے مقابلہ کی تیاری شروع کر دی اور نجاشی کے سامنے مظاہرہ کر کے اس کے خلاف اظہارِ ناراضگی کیا۔ نجاشی نے جب اہلِ ملک کے یہ تیور دیکھے تو سب سے پہلے حضرت جعفرؓ کو بلایا اور ان کو حکم دیا کہ میں نے تمہارے لئے کشتیوں

کا ایک بیڑا تیار کیا ہے۔ معاملہ نازک ہے نہ معلوم قوم میرے ساتھ کس حد تک مخالفت کرے اس لئے تم تمام مہاجرین کو ان کشتیوں میں سوار کرکے موقعہ کے منتظر رہو۔ اگر خدا نے مجھ کو کامیاب کیا تو تم امن و امان سے پھر حبشہ میں قیام کرنا اور اگر خدانخواستہ معاملہ نے دوسری صورت اختیار کرلی تو فوراً تم یہاں سے فرار ہو جانا۔ اصحمہ مسلمانوں کا یہ انتظام کرکے اپنی حفاظت کی طرف متوجہ ہوا اور ایک عجیب حیلہ کام میں لایا۔ اس نے ایک پرچہ پر یہ لکھا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ نیز گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کی روح اور کلمہ ہیں کہ جس کو خداوند تعالیٰ نے مریم (علیہا السّلام) کی طرف القاء کیا۔"

اس نے یہ لکھ کر اپنی پوستین کے نیچے سینہ کے پاس چھپا لیا اور اس کے بعد دربار منعقد کیا، تمام اہلِ حبش کو صف در صف کھڑا کیا اور پھر ان کے سامنے کھڑے ہو کر سوالات کئے۔

اصحمہ: اہلِ حبش! کیا تم مجھ کو تمام حبشہ میں اس عظیم الشان منصب کا مستحق نہیں سمجھتے جس پر میں فائز ہوں؟

اہلِ حبشہ: بے شک ہم صرف تجھ کو ہی اس منصب کا اہل سمجھتے ہیں۔

اصحمہ: تم نے میری سیرت و عادات کو اپنے اور حکومت کے حق میں کیسا پایا؟

اہلِ حبشہ: بہترین پایا۔

اصحمہ: پھر یہ شور و شغب کیسا ہے؟

اہلِ حبشہ: ہم نے سنا ہے کہ تو نے مذہب عیسوی ترک کر دیا اور تو حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بندہ کہتا ہے۔

اصحمہ: تم حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہو؟

اہلِ حبشہ: وہ خدا کے بیٹے ہیں۔

اصحمہ نے اپنا ہاتھ سینے پر رکھا اور کہا کہ اس سے "یعنی جو کچھ پرچہ میں لکھا ہے" زیادہ حضرت عیسیٰؑ نے اور کوئی تعلیم نہیں دی۔

اہلِ حبش نے اس جملہ سے اپنی تائید سمجھ کر مخالف مظاہرہ ترک کر دیا۔

اصحمہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نامۂ مبارک کو ہاتھی دانت کے ڈبیہ میں بند کر کے نہایت احتیاط سے محفوظ کر دیا تھا اور کہا کرتا تھا کہ جب تک یہ نامۂ مبارک کا تحفہ مملکتِ حبش میں محفوظ ہے دشمن اس مملکت تک نہیں پہنچے گا۔

سیرت کی کتابوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ اصحمہ نے اپنے بیٹے اور ساٹھ ہمراہیوں کو خدمتِ اقدس صاحبِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کے لئے روانہ کیا۔ لیکن وہ تمام کشتیاں جن میں ان کے ہمراہی سوار تھے دریا کی طغیانی سے غرق ہوگئیں ان میں سے ایک متنفس بھی نہ بچ سکا۔ مگر حضرت عمروؓ بن اُمیہ جس کشتی میں سوار تھے وہ صحیح سلامت رہی اور انہوں نے بخیر و خوبی دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر اصحمہ کا خط پیش کیا اور تمام واقعات گوش گزار کئے۔ نیز اصحمہ کے مسلمان ہونے کا مژدہ سنایا۔ اصحمہ کے قبولِ اسلام کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں اہلِ حبشہ کا بیشتر حصہ مشرف باسلام ہوگیا۔ نیز ایک ایسے گرامی نامہ کا تذکرہ بھی اصحاب سیر نے کیا ہے جس میں نجاشی کے حسنِ سلوک کا تذکرہ ہے جو اس مضمون کے ختم پر آرہا ہے۔

دربارِ رسالتؐ سے اصحمہ کے نام دُوسرا مکتوب

ابھی حضرت عمرو بن اُمیہ ضمریؓ کو حبشہ سے واپس آئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ دربارِ رسالتؐ سے دوبارہ ان کو حبشہ جانے کا حکم ہوا۔ اس مرتبہ سفارت کا مقصد یہ تھا کہ حضرت جعفرؓ اور ان کے ہمراہی مہاجرین کو مدینہ منوّرہ واپس لایا جائے اور اُم حبیبہ بنت ابی سفیان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کرنے کی تحریک کی جائے۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور والا نامہ بھی ملتا ہے جو آپؐ نے اصحمہ کے

قبولِ اسلام پر اظہارِ طمانیت اور اس کی خدمات کی حوصلہ افزائی کے طور پر تحریر فرمایا تھا۔ اس نامہ مبارک کا مختصر مضمون درج ذیل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اما بعد۔ فكانك من الرقة علينا منا وكانا من الثقة بك منك لانا لا نرجو منك خيرا الا نلناه ولا نخاف منك الا امناه وبالله التوفيق"

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔

"تُو نے ہمارے ساتھ حسنِ سلوک برتا اور ہم کو تجھ پر اعتماد ہے۔ اس لئے کہ ہم نے تجھ سے جس چیز کی امید کی وہ پوری ہوئی اور جس بات کا خوف کیا اس سے مامون و محفوظ رہے۔ اور توفیق اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔"

اصحابِ سِیَر کہتے ہیں کہ اس نامۂ مبارک کی تحریک کا شرف حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو نصیب ہوا خط کا مضمون تمام ہو جانے کے بعد آپ نے اپنی مہر اس پر ثبت فرمائی اور حضرت عمرو بن اُمیہؓ نامۂ مبارک لے کر بری و بحری سفر طے کرتے ہوئے حبشہ پہنچے۔ اصحمہ نے انہیں نہایت اعزاز و احترام کے ساتھ مہمان بنایا اور ان کی ہر قسم کی مدارات کی۔[1]

نجاشی کی نمازِ جنازہ

اصحمہ نجاشی جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو ان کی موت کی خبر دی اور ان کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی جیسا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ میں مذکور ہے۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان اخاكم النجاشي قد مات فاستغفروا له"

---

[1] عیون الاثر، السیرۃ الحلبیہ، الروض الانف، رفع شان الحبشان للجلال السیوطی طبقات ابن سعد۔

ترجمہ! "تمہارے بھائی نجاشی کی موت ہوگئی ہے اس کے لئے استغفار کرو۔"

اور امام ابوداؤد نے کتاب الجہاد میں باب قائم کیا ہے۔ باب فی النور یُریٰ عند قبر الشہید اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب نجاشی کی موت ہوگئی تو ہم آپس میں اس کا تذکرہ کرتے تھے کہ اس کی قبر پر نور دکھائی دیتا ہے۔

فائدہ: صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے۔

أن نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب الی کسری والی قیصر والی النجاشی والی کل جبار یدعوھم الی اللہ ولیس بالنجاشی الذی صلی علیہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ اور قیصر اور نجاشی کو اور ہر جابر کو خطوط لکھے جن میں انہیں اللہ تعالیٰ کے دین کو قبول کرنے کی دعوت دی اور یہ وہ نجاشی نہیں تھا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی تھی۔ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ دو نجاشی تھے۔ پہلا نجاشی اصحمہ نامی تھا جس نے حضرات صحابہؓ کو حبشہ میں قیام کرنے کا موقع دیا تھا اور حضرت جعفر طیارؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی اور اسلام قبول کر لیا اور آپؐ نے اسی کی نماز جنازہ پڑھی تھی۔ یہ ۹ھ کا واقعہ ہے۔

دُوسرا نجاشی

اس کے بعد جو دوسرا بادشاہ جانشین ہوا۔ (اس کا لقب بھی دیگر شاہانِ حبشہ کی طرح نجاشی تھا)۔ آپؐ نے اس کو بھی دعوتِ اسلام کا خط لکھا تھا۔ جس کا صحیح مسلم میں تذکرہ ہے۔ یہ خط بھی حضرت عمرو بن اُمیہ ضمریؓ لے کر گئے تھے۔ یہاں یہ جو اشکال ہوتا ہے کہ نجاشی اوّل حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا تھا تو اسے دعوتِ اسلام کا خط کیوں ارسال فرمایا؟

یہ کوئی اہم اشکال نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ آپ کو خط لکھنے سے پہلے اس کے مسلمان ہونے کا پتہ نہ چلا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ظاہری خطاب اس کو ہو اور مقصود یہ ہو

کہ اس کے درباری لوگوں کو اور نصاریٰ کے پادریوں کو پیغام پہنچ جائے اور یہ بات زیادہ دل کو لگتی ہے کیونکہ مکتوب گرامی میں حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ طیبہ اور عصیمہ کا ذکر ہے۔

دوسرا نجاشی جو نجاشیٔ اوّل کے بعد بادشاہ بنا اس کے اسلام قبول کرنے کا علم نہ ہو سکا۔

سیرت کی کتابوں میں نجاشی کے نام ایک اور والا نامہ کا ذکر بھی ملتا ہے بظاہر یہ اس نجاشی کے نام ہے جو نجاشیٔ اوّل (مسلم) کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس کا متن ذیل میں درج ہے:

"هٰذا كتاب من النبي محمد صلى الله عليه وسلم الى النجاشي عظيم الحبشة سلام على من اتبع الهدىٰ و اٰمن بالله ورسوله وشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له لم يتخذ صاحبة ولا ولدًا وان محمدا عبده ورسوله فانی ادعوك بدعاية الاسلام فاسلم تسلم. يا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم ان لا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئًا ولا يتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون"

فان ابيت فعليك اثم النصارىٰ"

ترجمہ: یہ خط اللہ کے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے نجاشی کے نام ہے جو حبشہ کا بڑا اور سردار ہے سلام اس شخص پر جو ہدایت کا اتباع کرے اور اللہ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور اس کا اقرار کرے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تنہا ذات ہے۔ نہ کوئی اس کا شریک نہ بیوی ہے اس کے لئے نہ اولاد اور اس کا اقرار کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ اللہ کی پکار یعنی کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تجھ کو دعوت دیتا ہوں تو مسلمان ہو جا سلامتی میں رہے گا۔ اے

اہلِ کتاب! آؤ ایسے کلمہ کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے وہ یہ کہ اللہ ایک کے سوا کسی دوسرے کی پرستش نہ کریں۔ اللہ کا کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو رب نہ بنالے اللہ کے سوا۔ اگر اس کے بعد بھی اہلِ کتاب روگردانی کریں تو مسلمانو! تم کہہ دو کہ تم لوگ گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ اے نجاشی! اگر تو میری دعوت قبول کرنے سے انکاری ہے تو نصاریٰ کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا۔"

سوال: وہ کون سے صحابی ہیں جو تابعی کے ہاتھ پر ایمان لائے؟

جواب: یہ صحابی حضرت عمرو بن عاصؓ ہیں جنہوں نے نجاشی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

حضرت اُم حبیبہؓ کی ہجرت اور اُم المومنین بننے کا شرف

حضرت اُم حبیبہؓ بھی ان مبارک صحابیات میں سے تھیں جنہوں نے مکہ معظمہ ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ پھر اہلِ مکہ کی سختیوں اور ایذارسانیوں کی وجہ سے جن صحابہؓ وصحابیاتؓ نے حبشہ کو ہجرت کی تھی ان کے ساتھ یہ بھی ہجرت کر گئیں تھیں۔ ان کے شوہر کا نام عبیداللہ بن جحش تھا۔ حبشہ پہنچ کر اس نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا وہ شراب بھی پینے لگا اور کافر ہی مرا۔

حضرت اُم حبیبہؓ کی عدت گزر جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی شاہِ حبشہ کو پیغام بھیجا کہ اُم حبیبہؓ سے میرا نکاح کر دو۔ نجاشی نے اپنی باندی ابرہہ کو حضرت اُم حبیبہؓ کے پاس بھیجا کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان آیا ہے کہ میں تم سے حضورؐ کا نکاح کر دوں۔ حضرت اُم حبیبہؓ بہت خوش ہوئیں۔ باندی کو دُعا دی اور حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص کو اپنا وکیل بنا دیا۔

حضراتِ صحابہ کرامؓ جو حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے اور وہاں موجود تھے انہیں بُلا کر نجاشی نے خطبہ پڑھا اور چار سو دینار مہر مقرر کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

آپ کا نکاح کر دیا اور یہ دینار بھی اسی وقت ادا کر دیئے۔ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ حضرت ام حبیبہؓ ابوسفیانؓ کی بیٹی تھیں جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور مشرکینِ مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑانے میں پیش پیش رہتے تھے۔ جب انہیں پتہ چلا کہ میری بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آگئی تو بول اُٹھے۔ "ھو الفحل لا یجدع انفہ" محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جواں مرد ہیں ان کی ناک نہیں کاٹی جا سکتی۔ (یعنی وہ بلند ناک والے عزت دار ہیں) ہم ان کو ذلیل نہیں کر سکتے۔ اِدھر تو ہم ان سے لڑ رہے ہیں اُدھر ہماری لڑکی ان کے نکاح میں چلی گئی' اس کے کہنے کا مقصد اپنی ہار مان لینا تھا۔

حضرت اُم حبیبہؓ حبشہ ہی میں تھیں۔ وہیں رہتے ہوئے نجاشیؓ نے آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نکاح کر دیا تھا۔ بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھانجے حضرت شرجیل بن حسنہ حضرت اُم حبیبہؓ کو مدینہ منورہ لے آئے اور وہ رسول اللہ کے ساتھ رہنے لگیں۔[1]

شاہِ رُوم (ہرقل) کے نام والا نامہ

جس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں کو خط لکھے تھے ان میں قیصر (ملک شام) اور کسریٰ (شاہِ فارس) کا بڑا دبدبہ تھا۔ قیصر کے نام والا نامہ ارسال فرمانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبیؓ کو اپنا سفیر بنایا اور ان کے ذریعہ گرامی نامہ ارسال فرمایا۔ ہرقل کا پایۂ تخت حمص میں تھا۔ لیکن ان دنوں وہ ایلیا یعنی بیت المقدس پہنچا ہوا تھا۔ اہلِ فارس سے رومیوں کی جنگ ہوتی چلی آرہی تھی ہرقل کو اہلِ فارس پر فتح حاصل ہوئی تھی۔ وہ اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے بیت المقدس آیا ہوا تھا۔ جب حضرت دحیہؓ ملک شام میں داخل ہوئے تو حاکمِ بصریٰ کو والا نامہ پہنچا

---

[1] الاصابہ فی تمییز الصحابہؓ

دیا جو اس علاقہ میں ہرقل کا گورنر تھا. حاکم بصریٰ نے وہ والا نامہ ہرقل تک پہنچا دیا۔
یہ اس زمانہ کا قصہ ہے جب صلح حدیبیہ کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش مکہ کے درمیان دس سال کے لئے معاہدہ ہو چکا تھا. معاہدہ کی شروط میں یہ بھی تھا کہ ایک فریق دوسرے فریق پر حملہ نہ کرے گا۔ ابوسفیان بن حرب جو اسلام اور اہلِ اسلام کی دشمنی میں پیش پیش رہے تھے. اس وقت تجارتی قافلہ لے کر شام پہنچے ہوئے تھے۔

ہرقل کے نام گرامی نامہ پہنچا تو انہوں نے بیان کیا کہ جب اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں اس شہر میں ایسا کوئی شخص موجود ہے جو مدعیٔ نبوت کے شہر کا رہنے والا ہو۔ لوگوں نے کہا کہ ہاں کچھ لوگ وہاں سے آئے ہوئے ہیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ اس پر ہماری طلبی ہوئی۔ چنانچہ میں قریش کے چند لوگوں کے ہمراہ ہرقل کے پاس گیا. اس نے ہم سب کو اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا کہ جو شخص نبوت کا دعویدار ہے اس سے تم میں سب سے زیادہ قریب رشتہ داری کس کی ہے؟ میں نے کہا کہ میں سب سے زیادہ قریب ہوں۔ اس نے مجھے اپنے قریب بلایا اور باقی ساتھیوں کو میرے پیچھے بٹھایا اور ان سے یہ کہا کہ میں اس سے چند سوالات کرتا ہوں تم سب غور سے سنتے رہنا اور جس بات کا جواب جھوٹ بتلائے تو تم ظاہر کر دینا۔ (ابوسفیان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر مجھے اپنی بدنامی کا اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ بعد میں مجھے بدنام کریں گے تو میں جھوٹ بول دیتا مگر خوفِ بدنامی نے سچ بولنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد اس نے ترجمان کے ذریعہ مجھ سے حسب ذیل سوالات کئے۔

قیصر: یہ مدعیٔ نبوت نسب کے اعتبار سے تم میں سے کیسے شخص سمجھے جاتے ہیں؟

ابوسفیان: ہم میں بڑے عالی نسب ہیں۔

قیصر: اس کے بڑوں میں کوئی شخص بادشاہ ہوا ہے؟

ابوسفیان: کوئی نہیں ہوا۔

قیصر: کیا اس سے پہلے کسی نے یہ بات کہی ہے جس کا اس شخص نے دعویٰ کیا ہے؟

ابوسفیان: نہیں ۔

قیصر: اس کے متبعین قوم کے شرفاء ہیں یا معمولی درجے کے آدمی ہیں؟

ابوسفیان: معمولی درجہ کے لوگ ہیں ۔

قیصر: اس کے متبعین کا گروہ بڑھتا جارہا ہے یا کم ہوتا جارہا ہے؟

ابوسفیان: بڑھتا جارہا ہے ۔

قیصر: اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص مرتد تو نہیں ہو جاتا؟

ابوسفیان: نہیں ایسا نہیں ہوتا ۔

قیصر: کیا تم اس کے اس دعویٰ سے پہلے اسے جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے؟

ابوسفیان: نہیں ۔

قیصر: کیا وہ کبھی دھوکہ دیتا ہے؟

ابوسفیان: نہیں (اب تک تو ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا) ہاں اتنی بات ہے کہ آج کل ہماری اور ان کی صلح کا زمانہ گزر رہا ہے۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ اس کے بارے میں کیا رویہ اختیار کرتے ہیں؟ ابوسفیان کہتے ہیں کہ اس ایک کلمہ کے علاوہ میں کوئی بھی کلمہ ایسا نہ کہہ سکا جو آپ کے اخلاقِ کریمانہ کے خلاف ہو۔[1]

قیصر: کیا کبھی تمہاری ان سے جنگ ہوئی؟

ابوسفیان: ہاں جنگ تو ہوئی ہے ۔

قیصر: جنگ کا انجام کیسا رہا؟

ابوسفیان: کبھی وہ غالب رہے، کبھی ہم غالب رہے۔[2] (یہ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد کی

---

[1] بعض روایات میں ہے کہ ہرقل نے پوچھا کہ بدعہدی کا کیوں خوف ہے؟ اس پر ابوسفیان نے کہا کہ میری قوم نے اپنے حلیفوں کی ان کے حلیفوں کے خلاف مدد کی ہے۔ اس پر ہرقل نے کہا کہ بدعہدی کی ابتداء تو تم کر چکے ہو پھر ان پر الزام دھر رہے ہو؟ (ذکرہ البیہقی فی دلائل النبوۃ)

[2] اس سے پہلے جنگِ بدر میں قریش شکست کھا چکے تھے اور احد میں قریش کو شکست دیئے بغیر مسلمانوں کو واپس ہونا پڑا تھا۔

طرف اشارہ ہے).

قیصر: وہ آپ لوگوں کو کیا حکم دیتے ہیں؟

ابوسفیان: وہ فرماتے ہیں کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور کسی بھی چیز کو اس کے ساتھ شریک مت بناؤ اور تمہارے باپ دادا جو (شرکیہ) باتیں کرتے تھے۔ ان کو چھوڑ دو، نیز وہ نماز کا اور سچائی کا اور پاک دامنی کا اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔

یہاں تک سوال و جواب ہونے کے بعد قیصر نے ترجمان سے کہا کہ اس شخص سے کہو کہ میں نے تم سے مدعیٔ نبوت کے بارے میں پوچھا کہ نسب کے اعتبار سے اس کی کیا حیثیت ہے تو تم نے جواب دیا کہ وہ بڑے نسب والے ہیں اور حقیقت حال یہی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جو مبعوث ہوتے رہے ہیں وہ اپنی قوم کے اشراف ہی میں سے ہوتے تھے۔

پھر میں نے سوال کیا کہ کیا یہ بات اس سے پہلے کسی نے کہی ہے جو یہ مدعیٔ نبوت کہتے ہیں۔ تم نے کہا کہ نہیں۔ اگر ان سے پہلے کسی نے یہ بات کہی ہوتی تو میں کہتا کہ یہ شخص ایسی بات کا اتباع کر رہا ہے جو اس سے پہلے کہی جا چکی ہے اور میں نے جو تم سے پوچھا کہ کیا اس کے باپ دادوں میں کوئی بادشاہ گزرا ہے تو تم نے بیان کیا کہ نہیں اگر اس کے دادوں میں کوئی شخص بادشاہ گزرا ہوتا تو میں یہ خیال کرتا کہ یہ شخص اپنے باپ دادا کے ملک کا طالب ہے۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے قیصر نے ابوسفیان سے کہا میں نے پوچھا کہ اس سے پہلے تم اس شخص پر کوئی جھوٹ کی تہمت رکھتے تھے تو تم نے جواب میں کہا کہ نہیں اسی سے میں نے سمجھ لیا کہ جو شخص لوگوں پر تہمت نہیں لگا سکتا وہ اللہ پر جھوٹ نہیں بول سکتا (یعنی یوں نہیں کہہ سکتا کہ میں اللہ کا نبی ہوں) پھر میں نے پوچھا کہ دنیاوی اعتبار سے بڑے لوگ اس کا اتباع کرتے ہیں یا کمزور لوگ؟ تم نے بیان کیا کہ ضعیف لوگ اس کا اتباع کرتے ہیں اور حقیقت میں بات یہی ہے کہ رسولوں کے ماننے والے (عموماً کمزور درجہ کے لوگ ہی ہوتے ہیں میں نے دریافت کیا کہ ان کے ماننے والے

بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں؟ تم نے جواب دیا کہ بڑھ رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ایمان اسی طرح بڑھتا ہے یہاں تک کہ پورا ہو جائے۔ (یعنی تھوڑے تھوڑے افراد یکے بعد دیگرے ایمان کی طرف بڑھتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایمان والوں کی بڑی بھاری تعداد ہو جاتی ہے)۔

قیصر نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے ابوسفیان سے کہا کہ میں نے تم سے دریافت کیا کہ یہ مدعیٔ نبوت تمہیں کن چیزوں کا حکم دیتے ہیں؟ اس پر تم نے بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور بتوں کی پوجا مت کرو۔ تم نے یہ بھی بتایا کہ وہ نماز کا اور سچائی اور پاک دامنی کا حکم دیتے ہیں۔ اگر یہ باتیں سچ ہیں جو تم نے بیان کی ہیں تو یہ شخص (مدعیٔ نبوت) میرے قدموں کی اس جگہ کا مالک ہو جائے گا۔

میں سمجھتا تھا کہ آخری نبی تشریف لانے والے ہیں لیکن میرا یہ خیال نہ تھا کہ وہ تم میں سے (یعنی اہلِ عرب میں سے) ہوں گے۔ اگر میں یہ جان لیتا کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہو سکتا ہوں تو ان کی ملاقات کے لئے تکلیف اٹھا کر پہنچ جاتا۔ (لیکن حکومت کے چلے جانے کے خوف سے یہاں سے نہیں مل سکتا) اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے قدم دھوتا۔

اس کے بعد قیصر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ طلب کیا جو مجلس میں پڑھا گیا۔ جب پڑھا جا چکا تو مجلس میں بہت شور و شغب ہوا اور آوازیں بلند ہو گئیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ ہمیں دربار سے باہر نکال دیا گیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ او ہو ابن ابی کبشہ[1] کا معاملہ بہت اہم ہو گیا اور آگے بڑھ گیا اس سے تو بنی الاصفر (یعنی رومیوں) کا بادشاہ بھی ڈرنے لگا۔ جب میں نے یہ ماجرہ دیکھا تو میں نے یقین کر لیا کہ آپ کا جلد ہی غلبہ ہو جائے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی نعمت سے نواز دیا۔

---

[1] ابوسفیان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی والد یعنی حضرت حلیمہ سعدیہ کے شوہر کی طرف نسبت کر کے ابن ابی کبشہ کہا کیونکہ ادب سے نام لینا نہیں چاہتا تھا اس لئے یہ لفظ استعمال کیا۔

گرامی نامہ کا متن

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"من محمد عبداللہ ورسولہ الی ھرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الھدی اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فان علیک اثم الیریسیین[1] ویا اھل الکتب تعالوا الی کلمۃ سوآء بیننا وبینکم ان لانعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون"

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے۔

یہ مکتوب محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے ہے جو اللہ کا بندہ ہے اور اللہ کا رسول ہے روم کا بڑا آدمی جو ہرقل ہے اس کی طرف لکھا گیا ہے جو ہدایت کی اتباع کرے اس پر سلام۔

اما بعد: میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں تو اسلام قبول کرلے با سلامت رہے گا اور اگر تو نے روگردانی کی تو تجھ پر کسانوں کا بھی گناہ ہوگا (یعنی تیرے زیر اقتدار علاقہ میں جو لوگ رہتے ہیں تو ان کے اسلام قبول نہ کرنے کا بھی ذریعہ بنے گا لہٰذا اس کا گناہ بھی تجھ پر پڑے گا)

---

[1] یہ لفظ اریس کی جمع ہے اس کا ہمزہ یا سے بدل دیا جاتا ہے۔ حدیث میں دونوں طرح مروی ہے یہ کاشت کار کے معنی میں ہے۔ زمانۂ قدیم میں ملکوں کے اطراف میں زیادہ تر کاشت کار ہی ہوتے تھے اس لئے یہ فرمایا کہ تجھ پر کاشت کاروں کا بھی گناہ ہوگا۔ صرف کاشت کار ہی مراد نہیں ہیں بلکہ ہرقل کی قلمرو میں جو بھی لوگ رہتے تھے، جو بھی مشغلہ رکھتے ہوں وہ سب لوگ مراد ہیں۔

علامہ خطابی نے فرمایا ہے کہ کاشت کاروں سے وہ ضعفاء اور اتباع کرنے والے مراد ہیں جو اپنے بادشاہ کے اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے اس کی تقلید میں کفر پر جمے رہے۔

(اس کے بعد اسی مکتوب گرامی میں سورۂ آل عمران کی آیت کریمہ تحریر فرمائی جس کا ترجمہ ذیل میں درج ہے)۔

"اے اہلِ کتاب! آجاؤ ایسی بات کی طرف جو تمہارے اور ہمارے درمیان مشترک ہے (یعنی تمہارے دین میں بھی یہ بات ہے) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائیں اور اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں (پھر مسلمانوں سے خطاب فرمایا) اگر وہ لوگ روگردانی کریں تو تم گواہی دیتے ہوئے کہہ دو کہ بے شک ہم تو فرمانبردار ہیں۔"[1] (۳: ۶۴)

جب والا نامہ قیصر کے سامنے پڑھا گیا تو وہاں شور و شغب ہونے لگا۔ وہاں اس وقت قیصر کا بھتیجا بھی موجود تھا۔ وہ نہایت غصّہ میں بھر گیا اور کہنے لگا کہ اس خط کو مجھے دو۔ قیصر نے کہا تو کیا کرے گا۔ اس نے کہا یہ خط پڑھنے کے قابل نہیں ہے۔ اس میں آپ کے نام سے ابتداء نہیں کی، اپنے نام سے کی ہے۔ پھر آپ کو بادشاہ کے بجائے روم کا بڑا آدمی لکھا ہے وغیرہ وغیرہ۔ قیصر نے کہا تو بے وقوف ہے یہ چاہتا ہے کہ میں ایسے شخص کے خط کو پھینک دوں جن کے پاس ناموسِ اکبر (یعنی حضرت جبرائیل) آتے ہوں۔ اگر وہ نبی ہیں تو ان کو ایسے ہی لکھنا چاہیئے۔ قیصر نے یہ بھی کہا میں نے اس شان کی تحریر اس سے پہلے کبھی نہیں سُنی۔

ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ جب قیصر کے بھائی نے خط کی عبارت سنی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے قیصر صاحبِ روم کے نام ہے۔ تو اس نے ترجمان کے سینے پر بہت زور سے ہاتھ مار کر اس سے خط چھین لیا۔ وہ خط کو پھاڑنا چاہتا تھا کہ قیصر نے اس سے پوچھا تمہیں کیا ہوا؟ وہ کہنے لگا:

"آپ نہیں دیکھتے کہ وہ آپ سے پہلے اپنے نام سے خط شروع کر رہے ہیں۔ آپ کو قیصر صاحبِ روم لکھ رہے ہیں۔ آپ کے لئے بادشاہ کا لفظ تک نہیں لکھا۔"

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵

اس پر قیصر نے کہا کہ:

"تم احمق ہو کر میرے پڑھنے سے بھی پہلے اس شخص کی تحریر پھاڑنا چاہتے ہو۔ خدا کی قسم جیسا کہ وہ کہہ رہے ہیں اگر وہ اللہ کے رسول ہیں تو وہ میرے مقابلے میں اس سے کہیں زیادہ حقدار ہیں کہ خط کو خود اپنے نام سے شروع کریں اور اگر انہوں نے مجھے صاحب رُوم لکھا ہے تو بالکل سچ لکھا ہے۔ میں رومیوں کے ایک محافظ سے زیادہ نہیں۔ میں ان کا مالک نہیں ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو میرے واسطے مسخر فرما دیا ہے۔ وہ اگر چاہے تو ان ہی رومیوں کو خود میرے اُوپر بھی مسلط فرما سکتا ہے۔[1]"

ضغاطر حاکم رُومیہ

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پڑھا جا چکا تو ہرقل نے حضرت دحیہؓ سے تنہائی میں کہا کہ مجھے یقین ہے کہ جن کی جانب سے تم خط لے کر آئے ہو وہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں لیکن جیسا کہ تم دیکھ چکے ہو میری قوم اس معاملہ میں سخت برہم ہے۔ وہ ہرگز میری پیروی نہ کرے گی۔ البتہ تم شہر رومیہ جاؤ۔ وہاں کا حاکم مذہبی حیثیت سے اسقف (پاپا) کا درجہ رکھتا ہے۔ قوم پر اس کا مذہبی اثر بہت زیادہ ہے وہ اگر اس پیغمبر کی رسالت کی تصدیق کر دے گا تو پھر مجھے بھی لوگوں کو سمجھانے کا موقعہ مل سکے گا۔ تم خود رومیہ جاؤ اور ضغاطر کے پاس میرا خط لے جاؤ اور فوراً اس کا جواب لے کر واپس آؤ۔

حضرت دحیہؓ رومیہ پہنچے اور ضغاطر کو قیصر کا خط دیا۔ ضغاطر نے قیصر کو جواب میں لکھا کہ بے شک نبی منتظر کی بعثت کا حال صحیح و درست ہے اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور حضرت دحیہؓ سے مخاطب ہو کر کہا:

---

[1] السیرۃ الحلبیہ

"صاحبك واللہ نبی مرسل نعرفه بصفته ونجده فی کتبنا باسمه۔"

ترجمہ: "دحیہؓ! تیرا صاحب محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک نبی مرسل ہے ہم اس کی صفات سے بخوبی واقف ہیں اور اس کے نام کا تذکرہ آسمانی کتابوں میں پاتے ہیں:

ضغاطر کے نام والا نامہ اور اس کی شہادت

ضغاطر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی اور پھر کلیسا میں جا کر عبادت کے وقت ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے یہ تقریر کی:

"یا معشر الروم! انہ قد جاءنا کتاب من احمد یدعونا فیه الی اللہ عزوجل وانی اشھد ان لا الٰه الا اللہ وان احمد عبده ورسوله" الخ

ترجمہ: "اے رومیوں کی جماعت! ہمارے پاس عرب کے پیغمبر احمد کا خط آیا ہے۔ اس نے ہم کو اللہ کے دین کی دعوت دی ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر ہیں۔"

ضغاطر کی اس تقریر کو سن کر تمام رومی سخت برہم ہو گئے اور اپنے اس ہر دلعزیز اسقف کو اتنا زدو کوب کیا کہ وہ بے چارہ جاں بحق ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

حضرت دحیہؓ نے جب یہ واقعہ دیکھا تو فوراً وہاں سے روانہ ہو کر حمص آ گئے اور قیصر کو ضغاطر کا خط سپرد کر کے تمام واقعہ سنایا۔ قیصر نے جب یہ واقعہ سنا تو بہت مایوس ہوا لیکن اس کے باوجود اس نے شاہی محل میں ارکانِ دربار کو جمع کر کے گفتگو کی۔ جس سے اسلام قبول کرنے کی طرف رجحان ہو رہا تھا مگر اسلام قبول نہ کیا۔

اس گفتگو کا تذکرہ ابھی آئے گا۔ انشاء اللہ۔

ابن سعد نے طبقات میں یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت دحیہؓ کو قیصر کے پاس روانہ فرمایا تھا تو ساتھ ہی رومیہ کے مشہور عیسائی عالم "ضغاطر" کے نام بھی اسلام کی دعوت کے لئے نامۂ مبارک لکھا تھا اور فرمایا تھا کہ وہ رومیہ جاکر ضغاطر کو پہنچا دیں۔

نامۂ مبارک کے الفاظ یہ ہیں:

"سلام علی من اٰمن اما علی اثر ذٰلك فان عیسٰی بن مریم روح اللہ و کلمتہ، القاھا الی مریم الزکیۃ و انی اومن باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم و اسمٰعیل و اسحاق و یعقوب و الاسباط وما اوتی موسٰی و عیسٰی وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم و نحن لہ مسلمون۔ والسلام علی من اتبع الھدی۔"

ترجمہ: "سلام اس پر جو اللہ پر ایمان لایا میں اسی عقیدہ پر ہوں کہ حضرت عیسٰی بن مریم علیہ السلام اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ اللہ نے ان کو پاک دامن مریم پر القا کیا اور میں اللہ پر اور ان کتابوں اور احکام پر ایمان رکھتا ہوں جو ہم پر نازل ہوئیں اور حضرت ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد پر نازل ہوئیں اور ان پر بھی میرا ایمان ہے جو حضرت موسٰی و حضرت عیسٰی و دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ان کے رب کی جانب سے کتابیں دی گئیں اور احکام عطا کئے گئے۔ ہم ایمان و اعتقاد میں کسی ایک نبی کے تسلیم کرنے میں باہمی فرق نہیں کرتے اور ہم تو مسلمان ہیں۔ سلام اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔"

معلوم یہ ہوتا ہے کہ جب قیصر کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت دحیہؓ رومیہ "ضغاطر" کے پاس بھی جانے والے ہیں اور اسلام کا پیغام سنائیں گے تو ان کو اپنا بھی ایک خط

دیا اور ان سے یہ کہہ دیا کہ وہ اِدھر ہی واپس آئیں تاکہ مجھ کو بھی معلوم ہو جائے کہ ضغاطر اس مدعئ نبوت کے متعلق کیا گمان رکھتا ہے۔ قیصر ابھی حمص ہی میں مقیم تھا کہ حضرت دحیہؓ اس کا جواب لے کر واپس آئے اور ضغاطر کا تصدیقِ نبوت کرنا اور اس کی وجہ سے شہید ہو جانا، تمام واقعہ قیصر سے بیان کیا۔

قیصر کا ارکانِ دولت سے خطاب اور ان کا غیظ و غضب

قیصر نے حضرت دحیہؓ کو بڑے اعزاز و اکرام سے ٹھہرایا اور سفر سے واپس ہو کر جب حمص پہنچا تو اس نے اعیان و ارکانِ دولت کو شاہی محل میں جمع کیا اور حکم دیا کہ محل کے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں۔ اس کے بعد اہلِ دربار کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

"اے اہلِ روم! اگر تم رشد و ہدایت اور فلاح و نجاحِ ابدی کے طالب ہو اور چاہتے ہو کہ تمہارا ملک اسی طرح محفوظ رہے تو عرب کے اس نبی کی پیروی کرو اور اس کے احکام کی تعمیل پر آمادہ ہو جاؤ"

قیصر نے گفتگو ختم ہی کی تھی کہ چہار جانب سے شور و شغب شروع ہو گیا اور حاضرین نے اس گفتگو کے خلاف اپنی نفرت و حقارت کا کافی مظاہرہ کیا اور دربار سے غیظ و غضب میں اٹھ کر دروازوں کی طرف بڑھے مگر دیکھا کہ دروازے بند تھے۔ قیصر نے جب یہ رنگ دیکھا تو ان کو واپس بلایا اور کہنے لگا کہ بے وقوفو! میں نے تم سے یہ باتیں محض آزمائش کے لئے کہی تھیں۔ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم اپنے مذہب میں کس قدر ثابت قدم ہو۔ اہلِ دربار نے قیصر کی جب یہ گفتگو سُنی تو بہت خوش ہوئے اور اظہارِ مسرت میں قیصر کی تخت بوسی کی اور اس کے سامنے سجدہ میں گر گئے۔[1]

قیصر کا کُفر پر جمُود

قیصر نے ظاہراً علی الاعلان اسلام قبول نہیں کیا۔ صحیح بخاری میں پورا واقعہ نقل

---

[1] صحیح بخاری، فتح الباری، السیرۃ الحلبیہ، طبقات ابن سعد۔

کرکے (جب اس نے اپنے لوگوں کی برہمی دیکھی تو یہ کہہ کر ان کی ناگواری کو دبادیا کہ میں تو تمہارا امتحان چاہتا تھا) لکھا ہے:

"فکان ذلك آخر شان هرقل" یعنی اوپر جو قصہ بیان ہوا ہے اس میں ہرقل کی آخری ظاہری حالت بتائی ہے۔ (دل سے ایمان لایا یا نہیں، صحیح البخاری کی مذکورہ روایت اس سے خاموش ہے)۔

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ ہرقل نے بادشاہت کو ترجیح دی اور برابر گمراہی پر جما رہا۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا کہ میں مسلمان ہوں۔ آپ نے فرمایا: وہ جھوٹا ہے وہ اپنے دین نصرانیت پر قائم ہے۔ فتح الباری میں یہ روایت مسند احمد اور کتاب الاموال لأبی عبید سے نقل کی ہے۔

والا نامہ کی حفاظت اور اس کی برکات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں کو جو خط لکھے تھے ان میں قیصر کے نام بھی والا نامہ تحریر فرمایا تھا جس کا ابھی اوپر تذکرہ ہوا ہے۔ قیصر نے اسلام تو قبول نہیں کیا لیکن والا نامہ کا ادب کیا اور اسے حفاظت سے رکھا۔ بعض روایات میں ہے کہ گرامی نامہ کا احترام کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا: ثبت ملکہ کہ اس کا ملک ابھی باقی رہے گا۔ چنانچہ اس کی نسل میں ایک عرصہ تک حکومت باقی رہی۔ برخلاف کسریٰ کے کہ اس نے والا نامہ پھاڑ دیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے بددعا فرمائی۔ لہٰذا اس کی حکومت جلد ہی ختم ہوگئی جس کی کچھ تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

قیصر نے والا نامہ محفوظ رکھا اور باوجودیکہ ایمان نہ لایا اور اس کی نسل کے بادشاہ بیٹے پوتے بھی ایمان نہ لائے لیکن یہ یقین رکھتے تھے کہ جب تک یہ مبارک والا نامہ ہمارے یہاں محفوظ رہے گا ہماری سلطنت باقی رہے گی۔

السیرة الحلبیہ میں لکھا ہے کہ:

بادشاہ منصور قلادون نے ایک مرتبہ اپنے ایک امیر کو شاہِ مغرب کے پاس کچھ ہدایا اور تحائف دے کر بھیجا. شاہِ مغرب نے اس امیر کو ایک سفارش کے سلسلے میں شاہِ فرنگ کے پاس بھیجا. شاہِ فرنگ نے وہ سفارش قبول کی اور اس امیر کا بہت اعزاز و اکرام کیا اور اس سے کہا:

"میں تمہیں ایک بہت قدیم اور متبرک تحفہ دکھاؤں گا."

پھر اس نے سونے کے کام کا ایک صندوق نکالا. اس کے اندر اس نے سونے کا ایک خول نکالا (جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ نامۂ مبارک رکھا ہوا تھا) علامہ سہیلیؒ سے بھی روایت ہے کہ میں نے سنا ہے کہ ہرقل نے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا والانامہ سونے کے ایک خول میں محفوظ کر لیا تھا.

غرض شاہ فرنگ نے اس خول میں سے ایک تحریر نکالی. جس کے اکثر حروف دھندلا چکے تھے. خط ایک ریشمی کپڑے میں لپٹا ہوا تھا. وہ خط دکھا کر شاہِ فرنگ نے امیر سے کہا:

"یہ تمہارے نبی کا خط ہے جو میرے دادا قیصر روم کے نام ہے. ہم اس کو نسل در نسل وراثت میں حاصل کرتے چلے آرہے ہیں. ہمارے باپ دادا نے اپنے باپ دادا کے حوالے سے ہمیں بتایا ہے کہ جب تک یہ والانامہ ہمارے پاس محفوظ ہے ہماری سلطنت و حکومت ہمارے ہاتھوں سے نہیں جا سکتی. اسی لئے ہم اس تبرک کی جان سے زیادہ حفاظت کرتے ہیں اور اس کا بے حد احترام کرتے ہیں. ساتھ ہی ہم نصرانیوں یعنی اپنی قوم سے اس کو چھپائے رکھتے ہیں تاکہ ہماری حکومت باقی رہے."

نامۂ مبارک بنامِ کسریٰ (پرویز شاہِ فارس)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

• من محمد رسول اللہ الیٰ کسریٰ عظیم فارس سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ وآمن باللہ ورسولہ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ وانی رسول اللہ الی الناس کافۃ ادعوک بدعایۃ لینذر من کان حیاً ویحق القول علی الکافرین اسلم تسلم فان ابیت فعلیک اثم المجوس.

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے

" یہ خط اللہ کے پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے کسریٰ کے نام جو فارس کا بڑا آدمی ہے جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اس پر سلام اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ وحدہ لاشریک ہے اور میں اللہ کا پیغمبر ہوں تمام لوگوں کی طرف تاکہ جو لوگ زندہ ہیں ان تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا جائے تو اسلام لے آ، سالم رہے گا۔ پس اگر تو انکار کرے تو تیری گردن پر تمام مجوس (پارسیوں) کا گناہ ہوگا[1]"

حضرت عبداللہ بن حذافہؓ یہ والا نامہ لے کر کسریٰ کے پاس پہنچے اور والا نامہ اس کے حوالے کر دیا۔ جب پرویز سخت غضب ناک ہوا اور کہنے لگا کہ میرے غلام کو یہ جرأت کہ میرے نام اس طرح خط لکھے[2] طیش میں آکر نامۂ مبارک کو پرزہ پرزہ کر دیا۔

---

[1] فارس میں اس وقت آتش پرستوں کا دین رائج تھا یعنی یہ لوگ آگ کی پوجا کرتے تھے۔ اہلِ عرب ان کو مجوس اور مجوسی کہتے تھے۔ قرآن شریف (سورۃ حج) میں بھی ان کا ذکر ہے۔

[2] کسریٰ غصہ میں بھرا ہوا تو تھا ہی، اس نے اپنے گورنر باذان کو خط لکھا کہ سرزمین عرب میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تم فوراً دو شخص عرب کے لئے روانہ کرو جو اس شخص کو گرفتار کر کے لائیں۔

حضرت عبداللہ بن حذافہؓ اسی وقت دربار سے رخصت ہو کر مدینہ روانہ ہو گئے اور دربارِ نبوی میں حاضر ہو کر تمام واقعہ عرض کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس طرح اس نے میرے خط کو چاک کیا حق تعالیٰ جلد ہی اس طرح اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ بخاری نے اس واقعہ کو اس طرح روایت کیا ہے:

"عن ابن عباسؓ انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعث بکتابہ الیٰ کسری فلما قرءہ کسریٰ مزّقہ فدعا علیھم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ان یمزقوا کل ممزّق:

ترجمہ: ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ کے پاس نامۂ مبارک بھیجا۔ کسریٰ نے جو اس کو پڑھا تو پُرزہ پُرزہ کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا کی کہ خدائے تعالیٰ ایرانیوں کے اقتدار کو بھی اسی طرح پراگندہ کردے۔"

سیرتِ حلبیہ میں ہے کہ ابھی کسریٰ نے نامہ کے مضمون کو پورا سنا بھی نہ تھا کہ غصہ میں نامۂ مبارک کے پُرزے پُرزے کر دیئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کو دربار سے نکلوا دیا۔ عبداللہ بن حذافہؓ نے جب یہ دیکھا تو ناقہ پر سوار ہو کر وہاں سے روانہ ہو گئے کسریٰ کو ہوش آیا تو دریافت کیا کہ سفیر کہاں گیا۔ تلاش کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ جا چکا۔ باذان نے اپنے میر منشی بابویہ اور خرخسرہ کو سفارت پر حجاز روانہ کیا۔ جب یہ دونوں سفر طے کرتے ہوئے طائف پہنچے تو قریش کے چند اشخاص سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ اس وقت مدینہ میں موجود ہیں۔ قریش نے ان سے دریافت کیا کہ وہ ان کو کس لئے دریافت کرتے ہیں۔ ان دونوں نے جواب دیا کہ ہم اس مدعیٔ نبوت سے اس کی جرأت کا سوال کریں گے۔ اس نے فارس کے شہنشاہ کے دربار میں گستاخانہ خط لکھا ہے۔ قریشیوں نے جب یہ سنا تو بے حد خوش ہوئے اور آپس میں کہنے لگے۔ یہ بہت اچھا ہوا کہ فارس کا شہنشاہ اس کے درپئے آزار ہے۔ اب ہم کو اس سے جنگ کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی جماعت میں رونق افروز تھے کہ بابویہ اور خرخسرہ مدینہ طیبہ پہنچے اور حاضر دربارِ نبوی ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سادہ مگر پُرعظمت دربار کا جو اثر ان دونوں پر پڑا خسرو پرویز کے پُرہیبت دربار نے بھی کبھی اس قدر ان کو متاثر نہیں کیا تھا۔ دونوں سفیروں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کا مقصد ظاہر کیا تو آپ نے فرمایا کہ ابھی تم قیام کرو، سوچ کر جواب دیا جائے گا۔

اصحابِ سِیَر نے لکھا ہے کہ آپ نے جب بابویہ اور خرخسرہ کے چہرہ کو دیکھا تو طبع مبارک مکدر ہوگئی۔ یہ دونوں ایرانی رسم ورواج کے مطابق داڑھی منڈائے مونچھوں کو متکبرانہ انداز سے بل دیئے ہوئے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: "یہ متکبرانہ انداز کی تعلیم کہاں سے حاصل کی"؟ بابویہ نے عرض کیا کہ ہمارے سلطان کا یہی طرز ہے اور ہم سب اس طرز کو محبوب رکھتے ہیں۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا: "ہمارے مالک نے تو ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ داڑھی بڑھائیں اور لبیں ترشوائیں"۔ مغرور آدمی اللہ کو پسند نہیں۔ دونوں سفیروں نے چند دن مدینہ منورہ میں قیام کیا پھر آپ نے ان کو مجلس میں بلایا اور ارشاد فرمایا کہ:

"تمہارے بادشاہ کو خود اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا۔ جاؤ تم کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا"۔

بابویہ نے جب یہ سنا تو کہنے لگا۔ آپ کہیں مجھ کو دھوکا تو نہیں دے رہے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو یاد رکھیے ہمارا بادشاہ بڑی شان وشوکت رکھتا ہے۔ آپ اس طرح اس کی قلمرو سے جان بچا کر نہیں نکل سکتے۔ آپ نے تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا:

"میں نے جو کچھ کہا ہے وہ سب صحیح ہے تم کو خود اس کا علم ہو جائے گا۔ جب تم یہ جانتے ہو کہ میں اس کی قلمرو سے بھاگ نہیں سکتا تو پھر تم کو کیا خوف ہے"۔

بہرحال نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب باذان کے سفیروں کو واپس ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی تو خرخسرہ کو ایک مطلّا پٹکہ مرحمت فرمایا۔ یہ پٹکہ سلطانِ مصر مقوقس نے آپ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا تھا اور بابویہ کو بھی اسی طرح کچھ عنایت فرما کر دونوں سفیروں کو واپس فرمایا۔

باذان کا اسلام قبول کرنا

عروجِ اسلام سے پہلے اہلِ حبشہ کو شکست دے کر اہلِ فارس نے یمن پر قبضہ کر لیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جب کسریٰ کو دعوتِ اسلام کا مکتوب گرامی بھیجا گیا اس وقت اہلِ فارس ہی یمن پر قابض تھے اور یہ فارس ہی کا مقبوضہ صوبہ تھا اس صوبہ کا گورنر باذان تھا۔

باذان کے پاس جب بابویہ اور خرخسرہ واپس پہنچے تو انہوں نے دربارِ نبوی کے تمام حالات بیان کئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب اور پیشگوئی باذان کو سنائی۔ باذان نے جب پیغامِ نبوی سُنا تو کہنے لگا کہ جو حالات تم نے سنائے ہیں اور جو پیغام تم نے لا کر دیا ہے اگر صحیح ہے تو وہ شخص یقیناً اللہ کا سچا پیغمبر ہے۔

ادھر تو بابویہ اور خرخسرہ "یمن" واپس آئے اور دوسری طرف شیرویہ (کسریٰ کے بیٹے) کا پیغام باذان کے پاس پہنچا کہ کسریٰ قتل کر دیا گیا ہے۔ رعایا کو اس کے ظلم سے نجات مل گئی ہے اور اب میں سریر آرائے سلطنت ہوں۔ تم کو اسی طرح حکومت کا وفادار رہنا چاہیئے جیسا کہ اب تک تمہارا طرزِ عمل رہا ہے اور عرب کے جس شخص کے متعلق کسریٰ نے باز پرس کا حکم دیا تھا تا اطلاعِ ثانی اس کے ساتھ کوئی تعرض نہ کرنا۔ باذان ان تمام حالات و واقعات کو دیکھنے اور سننے کے بعد صداقتِ اسلام کا قائل ہو گیا اور ایک بڑی جماعت کے ساتھ مشرف باسلام ہوا۔ باقی اہلِ یمن نے ۱۰ھ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

زوالِ فارس

مؤرخین لکھتے ہیں کہ شیرویہ اپنے باپ کسریٰ کی بی بی شیریں پر عاشق تھا لیکن شیریں کسی طرح شیرویہ کی طرف متوجہ نہ ہوتی تھی۔ شیرویہ نے یہ سمجھا کہ شاید کسریٰ کے قتل کر دینے کے بعد متوجہ ہو جائے اس لئے اس نے باپ کو قتل کر دیا شیریں کو جب کسریٰ کے قتل کا حال معلوم ہوا تو اس نے زہر کھا کر اپنا کام تمام کر لیا۔

تھوڑے ہی عرصے بعد شیرویہ ایک روز شاہی دواخانہ میں پہنچا اور کسی زہریلی دوا کو مردانہ طاقت کی دوا سمجھ کر کھا گیا۔ ہر چند علاج معالجہ ہوا لیکن جانبر نہ ہوسکا۔ اس کے بعد کسریٰ کی بیٹی بوران تخت نشین ہوئی مگر وہ بھی کچھ زیادہ مدت تک حکومت نہ کرسکی۔ کسریٰ پرویز کے بعد تختِ فارس پر کسی حکمران کو اطمینان سے حکومت کرنا نصیب نہ ہوا اور حکومت فارس کے اقتدار کا آفتاب جلد ہی غروب ہوگیا۔

سنہ۱۶ھ میں خلیفۂ دوم فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں لشکرِ اسلام فارس میں داخل ہوا اور فارس فتح ہوکر ممالک اسلامیہ میں شمار ہونے لگا۔ اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی:

" اذا هلك كسرىٰ فلا كسرىٰ بعده، و اذا هلك قيصر فلا قيصر بعده [1]

ترجمہ: "جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو پھر اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا"

یعنی فارس کی حکومت کا اقتدار ختم ہو جائے گا اور اس کی حکومت پرزہ پرزہ ہو جائے گی اور جب قیصر ہلاک ہوگا تو کوئی قیصر نہ ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا:

" والذی نفسی بیده لتنفقن کنوزهما فی سبیل الله "

ترجمہ: "قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اے مسلمانو! تم ان دونوں سلطنتوں کے خزانے فی سبیل اللہ خرچ کروگے"

صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی اور قیصر و کسریٰ کی حکومتیں ختم ہوئیں، ان کے مقبوضہ ممالک پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا اور ان کے خزانے صحابۂ کرامؓ نے فی سبیل اللہ خرچ کئے۔

سراقہ بن مالکؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر ہجرت میں پیچھا کیا اور قریش مکہ سے انعام لینے کے لئے آپ کو گرفتار کرنے کے لئے اپنے گھوڑے کو دوڑایا۔ جس کی

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفتن

ٹانگیں بار بار زمین میں دھنس گئی تھیں ان سے خطاب کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ سراقہ اس وقت تو مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ غزوۂ حنین کے وقت اسلام لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی حضرت ابوبکر صدیقؓ کا زمانہ بھی گزر گیا۔ پھر جب حضرت عمر بن الخطابؓ کا زمانہ آیا اور فارس فتح ہوا تو کسریٰ کے کنگن وغیرہ حاضر خدمت کئے گئے۔ سراقہ وہاں موجود تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یاد دلایا گیا کہ آپؐ نے سراقہ کو خوش خبری دی تھی کہ کسریٰ کے کنگن پہنو گے۔ کیسے پہنائے جائیں؟ حاضرین نے یہ اشکال کیا کہ مرد کو سونا چاندی پہننا حرام ہے۔ پھر کسی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان تو پورا ہو کر رہے گا۔ پھر حضرت سراقہ کو کسریٰ کے کنگن اور اس کا تاج اور اس کا پٹکا پہنایا گیا۔ جب حضرت عمر فاروقؓ یہ چیزیں پہنانے لگے تو بلند آواز سے یہ کلمات ادا کئے۔

"اللہ اکبر الحمد للہ الذی سلبھا کسری بن ھرمز الذی کان یقول انا رب الناس و البسھما سراقۃ بن مالک بن جعشم اعرابی رجل من بنی مدلج"

(نہ کسریٰ رہا نہ قیصر۔ سدا رہے نام اللہ کا)

والا نامہ بنام مقوقس شاہ مصر

مصر دنیا کے مشہور ممالک میں سے ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون یہاں کا مطلق العنان بادشاہ تھا۔ اس نے کہا تھا:

أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَى — میں تمہارا سب سے بلند رب ہوں

اس زمانہ میں مصر کے ہر بادشاہ کو فرعون کہا جاتا تھا۔ بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں یہاں آکر آباد ہوئے تھے۔ پھر ان کی وفات کے بعد وہیں رہ گئے۔ چونکہ وطن کے اعتبار سے اجنبی لوگ تھے اس لئے فرعون نے ان کے ساتھ بُری طرح

بدسلوکی کی۔ ان کے لڑکوں کو قتل کر دیتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ پھر یہ ہوا کہ اللہ جل شانہٗ نے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دے دی۔ جب یہ لوگ مصر چھوڑ کر اپنے وطن کے لئے روانہ ہوئے تو فرعون اپنے لشکروں کے ساتھ ان کے پیچھے لگ گیا۔ اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل پر فضل ہوا۔ ان کے بارہ قبیلے سمندر پار ہوگئے اور فرعون اپنے لشکر سمیت ڈوب گیا۔

حالات گزرتے رہے دنیا آگے بڑھتی رہی بادشاہتیں ختم ہوتی رہیں حتیٰ کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آگیا۔ آپؐ کے زمانہ میں جو شخص مصر کا بادشاہ تھا اسے مقوقس کہا جاتا تھا۔ تو یہ بادشاہ قیصرِ روم کے ماتحت تھا۔ یہ خود بھی نصرانی تھا اور عموماً مصر میں رہنے والے اس وقت عیسائی ہی تھے۔ اس زمانہ میں مصر کا پایۂ تخت شہرِ اسکندریہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقوقس کو بھی دعوتِ اسلام کا خط بھیجا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! تم میں سے وہ کون شخص ہے کہ میرا یہ مکتوب والیٔ مصر کے پاس لے جائے اور اللہ سے اس کا ثواب پائے"

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ فوراً آگے بڑھے اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں"

آپؐ نے مُہر سے مزین فرما کر والا نامہ حضرت حاطبؓ کے سپرد فرما دیا۔ حضرت حاطبؓ سفر کرتے ہوئے اسکندریہ پہنچے اور ایسا راستہ تلاش کیا جو مقوقس کے دربار تک پہنچا دے۔ "حسن المحاضرۃ" میں لکھا ہے کہ جب حضرت حاطبؓ اسکندریہ پہنچے تو مقوقس دریائی سفر کے لئے نکلا ہوا تھا اور کشتی میں سوار ہو کر دریائے نیل میں سیر کر رہا تھا۔ حضرت حاطبؓ نے تاخیر مناسب نہ سمجھ کر ایک کشتی کرایہ پر لی اور مقوقس کے پاس پہنچ کر نامہ مبارک اس کے سپرد کر دیا۔ مقوقس نے حضرت حاطبؓ سے پہلے ایک دلچسپ سوال کیا:

مقوقس: مدعیٔ نبوت اگر اپنے دعوئے نبوت و رسالت میں سچا ہے تو اپنے خدا سے یہ دُعا کیوں نہیں مانگتا کہ اس کے ان مخالفوں کو جنہوں نے اس کو مکہ سے نکال دیا تھا

تباہ و برباد کر دے ۔

حاطب : حضرت عیسیٰ تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ؟

مقوقس : بے شک ۔

حاطب : جب یہود نے ان کو سُولی پر چڑھایا اور تمہارے عقیدہ میں ان کو سُولی پر ہلاک کر دیا گیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگ کر دشمنوں کو کیوں ہلاک نہ کروایا ۔

مقوقس : سچ کہتا ہے تُو خود بھی دانا ہے اور جس کا تُو سفیر ہے وہ بھی دانا اور حکیم ہے ۔

مقوقس نے اس کے بعد حکم دیا کہ ترجمان حاضر ہو اور نامۂ مبارک پڑھا جائے ۔

ترجمان نے نامۂ مبارک پڑھنا شروع کیا ۔ جس کی عبارت یہ تھی :

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

من محمد رسول اللّٰه الی المقوقس عظیم القبط سلام علی من اتبع الهدیٰ ، اما بعد فانی ادعوك بدعایة الاسلام فاسلم تسلم یؤتك اللّٰه اجرك مرتین فان تولیت فعلیك اثم القبط یا اهل الکتاب تعالوا الیٰ کلمة سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللّٰه و لا نشرك به شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللّٰه فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون ۔

ترجمہ : شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے ۔

" یہ خط ہے اللہ کے پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے قبطیوں کے سردار مقوقس کے نام جو ہدایت کی پیروی کرے اس پر سلام ۔ بعد حمد و صلوٰۃ میں تجھ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں ۔ اسلام قبول کر لے تو سالم و محفوظ رہے گا اور اللہ تعالیٰ تجھ کو دہرا اجر عطا فرمائے گا اور اگر تُو نے اسلام قبول نہ کیا تو قبطیوں کی گمراہی کا وبال بھی تجھ ہی پر پڑے گا ۔ اے اہلِ کتاب ! آؤ اس کلمہ کی جانب جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے وہ یہ کہ ہم اللہ کے

سوا کسی کی پرستش نہ کریں اور نہ کسی کو اس کا شریک مقرر کریں اور نہ ہم اللہ کے سوا آپس میں ایک دوسرے کو رب تسلیم کریں۔ اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو ہم فرمانبردار ہیں ۔"

مقوقس نے جب یہ خط سنا تو حکم دیا کہ اس خط کو ہاتھی دانت کی دو تختیوں کے درمیان رکھ کر سرکاری خزانہ میں محفوظ رکھو اور حضرت حاطبؓ سے کہا کہ تم چند روز یہاں آرام سے رہو۔ بعد میں خط کا جواب دیا جائے گا۔ حضرت حاطبؓ چند روز نہایت اعزاز واحترام کے ساتھ مقیم رہے۔ چند روز کے بعد مقوقس نے ان کو دربار میں بلایا اور نامۂ مبارک کا جواب لکھوا کر ان کے سپرد کیا۔

جوابِ مقوقس شاہِ مصر

" لمحمد بن عبد اللہ من المقوقس عظیم القبط سلام علیک اما بعد فقد قرات کتابک و فہمت ما ذکرت فیہ و ما تدعوا الیہ وقد علمت ان نبیا قد بقی وکنت اظن انہ یخرج بالشام وقد اکرمت رسولک وبعثت الیک بجاریتین لہما مکان فی القبط عظیم وبکسوۃ واھدیت الیک بغلۃ لترکبہا والسلام علیک ۔

ترجمہ: " یہ خط محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قبطیوں کے سردار مقوقس کی جانب سے " بعد حمد " میں نے خط پڑھا اور جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے اور جس شے کی طرف آپ نے دعوت دی ہے اس کو میں نے سمجھ لیا بیشک میں یہ جانتا ہوں کہ ایک نبی ابھی آنے سے باقی ہیں لیکن میرا خیال یہ تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہوں گے۔ میں نے آپ کے قاصد کا اکرام کیا اور آپ کی خدمت میں دو لڑکیاں روانہ کرتا ہوں۔ قبطیوں میں ان کی بہت بڑی عزت ہے اور آپ کے لئے کپڑا اور سواری کے لئے خچر بھیجتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ

آپ پر سلامتی نازل فرمائے"۔

حضرت حاطبؓ دونوں کنیزوں "ماریہ" اور "سیرین" اور خچر "دلدل" اور پارچہ جات ہمراہ لے کر بصد اعزاز مصر سے روانہ ہو گئے اور عزیز مصر "مقوقس" باوجود اس اقرار کے کہ واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں اسلام سے محروم رہا۔

حضرت حاطبؓ یہ تمام تحائف اور جواب لے کر دربار نبوی میں پہنچے تو آپ نے ہدایا کو قبول فرمایا اور مقوقس کا خط سن کر ارشاد فرمایا کہ "بدنصیب کو ملکی ہوا و ہوس نے اسلام سے محروم رکھا اور یہ نہ سمجھا کہ سلطنت ناپائیدار شے ہے۔"

حضرت ماریہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ملکیت میں رکھا۔ حضرت ابراہیم صاحبزادۂ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بطن سے تولد ہوئے۔ آپؓ ام ابراہیم کہلائیں اور سیرین حضرت حسان کو عطا ہوئیں۔

"البدایہ والنہایہ" میں یہ بھی لکھا ہے کہ مقوقس نے جو ہدایا خدمتِ عالی میں پیش کئے تھے ان میں ایک کالے رنگ کا غلام بھی تھا جس کا نام عابور تھا۔ یہ غلام خصی تھا اور دو سیاہ رنگ کے موزے بھی ہدایا میں شامل تھے اور سواری کے لئے جو خچر بھیجا تھا اس کا رنگ سفید تھا جسے دلدل کہا جاتا تھا۔ بعض روایات میں گدھا عفیر نامی اور ہزار مثقال سونے کا ہدیہ پیش کرنے کا بھی ذکر ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تاریخ مصر میں نقل کیا ہے کہ جب عزیز مصر "مقوقس" کے پاس نامۂ مبارک پہنچا اور اس کو مضمونِ خط معلوم ہوا تو نامۂ مبارک سینہ سے لگایا اور کہنے لگا۔ بے شک یہی وقت ہے کہ نبیٔ منتظر ظاہر ہو۔ ہم کو توراۃ و انجیل سے اس کی صفات و حالات معلوم ہیں۔ وہ پیغمبر دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع نہ کرے گا۔ وہ صدقہ کا مال نہ کھائے گا اور ہدیہ قبول کرے گا۔ اس کے ہم جلیس مساکین و غرباء ہوں گے اور مہرِ نبوت اس کے شانوں کے درمیان ہوگی۔

علامہ موصوف نے اپنی کتاب خصائص میں مقوقس کے متعلق واقعہ ذیل بھی نقل کیا ہے۔ وہ یہ کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے بیان کیا کہ قبولِ اسلام سے پہلے میں ایک مرتبہ بنی مالک

کے ساتھ مصر گیا تھا۔ وہاں مقوقس کے دربار میں پہنچے تو مقوقس نے ہم سے دریافت کیا کہ تم یہاں بخیریت کیسے پہنچے۔ تمہارے اور ہمارے درمیان تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقاء حائل ہیں۔ کیا انہوں نے کوئی تعرض نہیں کیا؟ ہم نے جواب دیا کہ دریا کے راستہ سے چلے آئے ہیں۔ مقوقس نے اس کے بعد ہم سے آپ کے حالات دریافت کرنے شروع کئے اور سلسلۂ گفتگو اس طرح شروع ہوا۔

مقوقس : تم لوگوں نے کیا کیا جب انہوں نے تمہیں اپنے دین کی طرف بلایا؟

مغیرہ : ہم میں سے کسی نے ان کا اتباع نہیں کیا۔

مقوقس : ایسا کیوں؟

مغیرہ : وہ نیا دین لے کر آئے ہیں جسے ہمارے باپ دادا نہیں جانتے تھے اور نہیں مانتے تھے اور ہم ابھی تک اسی دین پر ہیں جو ہمارے باپ دادا کا دین تھا۔

مقوقس : ان کی قوم نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟

مغیرہ : نوعمر لڑکوں نے ان کا اتباع کیا اور بہت مرتبہ ان کی مخالفت ہوئی۔ لڑائی ہوئی کبھی ان کو غلبہ ہوا اور کبھی اُن کو!

مقوقس : اچھا یہ بتاؤ کہ وہ کن باتوں کی دعوت دیتے ہیں۔

مغیرہ : وہ اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ ہم صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریں اور ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے رہے ہیں اور وہ نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

مقوقس : کیا نماز اور زکوٰۃ کا کوئی وقت مقرر اور عدد ہے۔

مغیرہ : رات دن میں پانچ نمازیں پڑھتے ہیں جن کے اوقات مقرر ہیں اور سو مثقال سونے میں مقررہ حصہ لیتے ہیں اور پانچ بکریوں میں سے ایک بکری لیتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے اموال کے صدقات کا تذکرہ بھی کیا۔

مقوقس : یہ صدقات وصول کر کے کیا کرتے ہیں؟

مغیرہ : فقراء پر تقسیم کر دیتے ہیں۔ نیز صلہ رحمی کا عہد پورا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ زنا اور

سود اور شراب کو حرام قرار دیتے ہیں اور جو جانور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے اسے نہیں کھاتے۔

مقوقس: تمہاری باتوں سے معلوم ہوا کہ وہ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ سارے انسانوں کے لئے مبعوث کئے گئے ہیں۔ اگر قبطیوں اور رومیوں کو ان کا دین پہنچے گا تو ان کا دین قبول کرلیں گے۔ عیسیٰ بن مریمؑ نے ان کو آپ کی اتباع کا حکم دیا تھا اور یہ صفات جو تم بیان کر رہے ہو انبیاء سابقینؑ کی بھی یہی صفات ہیں اور انجام کار انہی کا ہوگا یہاں تک کہ کوئی ان کے مقابل کھڑا ہونے والا نہ ہوگا اور ان کا دین وہاں تک پہنچ جائے گا جہاں تک اونٹ اور گھوڑے پہنچتے ہیں وہاں سمندر ختم ہوتے ہیں۔

مغیرہ: اگر سارے لوگ ان کے دین کو قبول کرلیں تب بھی ہم ان کے ساتھی نہ بنیں گے۔ مقوقس نے یہ سن کر اپنا سر ہلایا اور کہنے لگا کہ تم ابھی تک کھیل ہی سمجھ رہے ہو؟

مقوقس: ان کا نسب کیسا ہے؟

مغیرہ: نسب کے اعتبار سے وہ افضل ہیں۔

مقوقس: انبیاء کرام علیہم السلام جو اپنی قوموں میں بھیجے جاتے رہے ہیں وہ عالی نسب ہی ہوتے تھے۔ پھر مقوقس نے دریافت کیا کہ ان کی سچائی کا کیا حال ہے؟

مغیرہ: ان کی سچائی کی وجہ سے ان کا لقب ہی امین ہے۔

مقوقس: تم غور کرلو کہ ایک شخص تمہارے درمیان رہتے ہوئے سچ بولتا ہے تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ بول دے گا؟ پھر مقوقس نے کہا ان کا اتباع کن لوگوں نے کیا ہے؟

مغیرہ: نئے نوجوان ان کا اتباع کر رہے ہیں۔

مقوقس: حضرات انبیاء کرامؑ کا یہی معاملہ رہا ہے۔ (پہلے نوجوان افراد ہی ان کا اتباع کرتے ہیں)۔

مقوقس: یہود نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ وہ لوگ تو اہلِ توراۃ ہیں۔

مغیرہ: یہود نے ان کی مخالفت کی لہٰذا انہوں نے یہودیوں کو قتل بھی کیا اور قیدی

بھی بنایا اور وہ لوگ متفرق اطراف میں چلے گئے۔

مقوقس: یہودی حاسد لوگ ہیں۔ وہ ان کی نبوت کے بارے میں خوب اچھی طرح جانتے ہیں جس طرح ہم جانتے ہیں۔

مغیرہ نے بیان کیا کہ اس کے بعد ہم مقوقس کے پاس سے اُٹھ گئے۔ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام کے بارے میں یہ باتیں سُنیں تو ہمارے قلوب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھک گئے اور ہم نے آپس میں کہا کہ عجم کے بادشاہ تو ان کی تصدیق کرتے ہیں اور ان سے ڈرتے ہیں۔ حالانکہ وہ ان کے رشتہ دار بھی نہیں ہیں اور ہم ان کے اقربا اور پڑوسی ہیں پھر بھی ان کی دعوت کو قبول نہیں کرتے۔

مغیرہ نے کہا کہ میں جتنے دن اسکندریہ میں رہا عیسائیوں کے ہر کنیسہ میں گیا اور اس کے پادریوں سے پوچھا جن میں قبطی بھی تھے اور رومی بھی کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا صفات جانتے ہو؟ ایک اسقف قبطی تھا۔ اس سے بڑھ کر عبادت میں محنت کرنے والا میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے بتاؤ کہ کیا کسی نبی کی بعثت باقی ہے؟ کہنے لگا:

"ہاں ایک نبی آنے والے ہیں وہ آخرالانبیاء ہوں گے۔ عیسٰیؑ کے اور ان کے درمیان کوئی بھی نہ ہوگا۔ عیسٰیؑ نے ان کے اتباع کا حکم دیا ہے۔ اور یہ نبی عربی اور امی ہوں گے جن کا نام احمد ہوگا۔ نہ تو ان کا قد (بہت زیادہ) طویل ہوگا نہ پست ہوگا۔ رنگ نہ بالکل سفید ہوگا (جیسا یورپ کے لوگوں کا ہوتا ہے) اور نہ پوری طرح گندم گوں ہوگا۔ وہ بالوں کو بڑھائیں گے اور موٹے کپڑے پہنیں گے اور جو کھانا میسر ہوگا اس پر اکتفا کریں گے۔ ان کی تلوار ان کے کاندھے پہ ہوگی جو ان کے مقابل آئے گا اس کی کچھ پرواہ نہ کریں گے۔ وہ بذاتِ خود قتال کریں گے۔ ان کے ساتھی ان پر اپنی جانوں سے فدا ہوں گے اور یہ لوگ اپنے آباء و اولاد سے بھی زیادہ ان سے محبت کریں گے۔"

پادری نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید کہا کہ ایک حرم سے وہ روانہ ہو کر دوسرے حرم کو ہجرت کریں گے جہاں کی زمین شور ہو گی۔ وہاں کچھ کھجوروں کے باغات ہوں گے ان کا دین دینِ ابراہیمی ہو گا۔

میں نے کہا ان کے اور کچھ اوصاف بتاؤ۔

پادری نے کہا وہ اپنی کمر پر لنگی باندھیں گے۔ اپنے اطراف بدن کو دھویا کریں گے۔ (یعنی وضو فرمائیں گے) اور ان کی چند ایسی خصوصیات ہوں گی جو پہلے کسی نبی کی نہیں تھیں۔ ان سے پہلے جو نبی مبعوث ہوتا تھا وہ صرف اپنی قوم کی طرف آتا تھا جب کہ یہ آخری نبیؐ تمام انسانوں کی طرف مبعوث ہوں گے اور ساری زمین ان کے لئے سجدہ گاہ ہو گی اور پاک کرنے والی ہو گی۔ جہاں نماز کا وقت ہو گا اور پانی نہ ملے گا تو تیمّم کر کے نماز پڑھ لیں گے۔ ان سے پہلے جو اُمتیں تھیں ان پر احکام کی سختی تھی۔ وہ صرف اپنی عبادت گاہوں میں ہی نماز پڑھ سکتے تھے۔ مغیرہ نے بیان کیا کہ میں نے یہ سب سُن کر یاد کر لیا اور واپس آکر مسلمان ہو گیا۔

مقوقس نے اگرچہ آپؐ کی نبوّت کی تصدیق کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارت کا انتہائی اعزاز و احترام کیا۔ خدمتِ اقدس میں ہدایا بھی بھیجے پاس ہمہ نورِ اسلام سے محروم رہا اور اسلام قبول نہ کیا اور جس ملک کے لالچ میں اس سعادت سے محروم رہا وہ بھی جلد ہی اسلامی حکومت کا ایک صوبہ بن گیا۔ حضرت عمر بن خطابؓ کے ہاتھوں مصر فتح ہوا اور پورے ملک میں اسلام پھیل گیا۔

منذر بن ساویٰ کے نام

منذر بن ساویٰ بحرین کا حاکم تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی دعوتِ اسلام دی اور اس کے نام مکتوب گرامی ارسال فرمایا جس کے پہنچانے کا شرف حضرت علاء بن الحضرمیؓ کو حاصل ہوا۔ مکتوب گرامی کے جواب میں منذر نے خدمتِ عالی میں عریضہ لکھا کہ:

"یارسول اللہ انی قرأت کتابک علی اھل البحرین فمنھم من احب الاسلام واعجبہ ودخل فیہ۔ ومنھم من کرھہ وبارضی مجوس ویھود فاحدث الی فی ذلک امرک"

ترجمہ: "یارسول اللہ میں نے آپ کا مکتوب گرامی پڑھا اور بحرین کے لوگوں کو سُنایا ان میں سے بعض نے اسلام کو پسند کیا اور اسلام میں داخل ہو گئے اور بعض نے بُرا مانا۔ میری سرزمین میں مجوسی بھی ہیں اور یہودی بھی ہیں ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟

اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"من محمّد رسول اللہ الی المنذر بن ساویٰ السلام علیک فانی احمد اللہ الیک الذی لا الٰہ الا ھو واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمّداً عبدہٗ ورسولہ اما بعد فانی اذکرک اللہ عزّوجل فانہ من ینصح انما ینصح لنفسہ وانہ من یطع رسلی ویتبع امرھم فقد اطاعنی ومن نصح لھم فقد نصح لی وان رسلی قد اثنوا علیک خیراً وانی قد شفعتک فی قومک فاترک للمسلمین اسلموا علیہ وعفوت عن اھل الذنوب فاقبل منھم وانک مھما تصلح فلم نعزلک عن عملک ومن اقام علی یھودیۃ او مجوسیۃ فعلیہ الجزیہ۔

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے

"یہ خط ہے محمّد کی جانب سے جو اللہ کا پیغمبر ہے۔ منذر بن ساوی کے نام۔ تجھ پر خدا کی سلامتی ہو میں اس خدا کی حمد کرتا ہوں جو یکتا ہے اور اس کا کوئی

شریک نہیں اور میں خدا کی یکتائی اور محمد کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔ بعد حمد وصلوٰۃ میں تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ جو شخص نصیحت قبول کرے گا وہ اپنے ہی حق میں خیر خواہی کرے گا اور جو شخص میرے قاصدوں کی فرمانبرداری کرے گا وہ میرا فرمانبردار ہوگا۔ میرے قاصدوں نے تمہاری تعریف کی ہے۔ میں تمہاری قوم کے بارے میں تمہاری سفارش کرتا ہوں مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو جب تک وہ اسلام کے فرمانبردار رہیں۔ میں نے خطاکاروں کو معاف کردیا تم بھی ان کی طرف سے معذرت قبول کرلو اور تم جب تک صالح عمل کرتے رہو گے ہم تمہیں معزول نہیں کریں گے اور جو شخص یہودیت اور مجوسیت پر قائم رہے اس پر جزیہ ہے۔"

حضرت علاء بن الحضرمی کا شاہ سے خطاب

"اے منذر! آپ دنیا میں بڑے عقلمند اور دانشمند آدمی شمار ہوتے ہیں لہٰذا آخرت کے متعلق نادان اور بے عقل نہ بن جانا۔ یہ مجوسیت یعنی آتش پرستی (جس پر تم چلتے ہو) سب سے زیادہ بدترین دین ہے اس دین میں ان عورتوں سے نکاح کرلیتے ہیں جن کے ساتھ نکاح کا خیال بھی قابلِ شرم ہے اور ایسی چیزیں کھالیتے ہیں جن کو کھانے کے تصور سے بھی کراہیت اور گھن آتی ہے۔ اس دین کے لحاظ سے تم دنیا میں اسی آگ کو پوجتے ہو جو قیامت میں تمہیں کھاجائے گی۔ تم نادان اور بے عقل نہیں ہو اس لئے خود غور کرو کہ جو شخص دنیا میں بھی جھوٹ نہیں بولتا (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اس کی تصدیق نہ کرنا ہمارے لئے مناسب ہے؟ اور جو شخص کبھی خیانت نہیں کرتا کیا اس پر اعتماد نہ کرنا ہمارے لئے مناسب ہے؟ اور جو شخص کبھی غلط بات نہیں کرتا کیا اس پر یقین نہ کرنا درست ہے؟ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت ایسی ہی ہے تو سمجھ لو کہ اللہ کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہی نبی اُمّی ہیں جن کے متعلق کوئی باشعور آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں

چیز سے روکا ہے کاش اس کی اجازت ہوتی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں کام کا حکم دیا ہے کاش اس سے روکا ہوتا۔"

یہ سن کر منذر نے کہا:

"میں جس دین پر اس وقت ہوں میں نے اس پر غور کیا تو اسے صرف دنیا کے لئے پایا آخرت کے لئے اس میں کچھ بھی نہیں پھر جب میں نے تمہارے دین پر غور کیا تو اسے میں نے دین اور دنیا دونوں کے لئے پایا لہٰذا اب کیا چیز مجھے ایسے دین کو قبول کرنے سے روک سکتی ہے جس میں زندگی کی تمنائیں بھی ہیں اور موت کے بعد کی راحتیں بھی ہیں۔ کل تک میں ان لوگوں پر حیران ہوا کرتا تھا جو اس دین کو قبول کر رہے ہیں اور آج مجھے ان پر تعجب ہو رہا ہے جو اس دین سے روگردانی کرتے ہیں۔"

یہ تفصیل السیرۃ الحلبیہ اور عیون الاثر میں لکھی ہے۔ عیون الاثر میں یہ بھی ہے کہ منذر مسلمان ہو گیا تھا اور احکام اسلامیہ پر خوبی کے ساتھ عمل کرتا تھا۔ وباللہ التوفیق

والا نامہ بنام جبلہ بن ایہم غسانی

جبلہ بن ایہم شام کے بادشاہوں میں سے تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نام بھی دعوتِ اسلام کا والا نامہ ارسال فرمایا تھا۔ یہ شخص شام کے ایک حصہ کا بادشاہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ اس کے پاس لے کر گئے تھے۔ حضرت شجاع رضی اللہ عنہ نے اس کو خطاب کر کے تقریر بھی فرمائی جو یہ ہے۔

"جس دین پر تم چل رہے ہو یہ تمہارے باپ دادا کا دین نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ تم علاقہ شام کے بادشاہ ہو رومیوں کے پڑوس میں رہتے ہو اس لئے عیسائی ہو گئے اور اگر تم کسریٰ فارس کے پڑوسی ملک میں ہوتے تو فارسی قوم کا دین یعنی مجوسیت اختیار کر لیتے لیکن اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو شامی علاقہ کے لوگ تمہارے اطاعت گزار ہوں گے اور رومی تمہاری

ہیبت سے ڈرنے لگیں لیکن اگر ان لوگوں پر کوئی اثر نہ بھی پڑے تو ان کے حصے میں دنیا آئے گی اور تمہارے حصہ میں آخرت آئے گی۔ تم نے مسجدوں کو گرجوں میں بدل رکھا ہے اور اذان کے بجائے ناقوس بجاتے ہو اور جمعہ کے بجائے ان لوگوں کے مذہبی اجتماع کرتے ہو۔ حالانکہ خیر اور باقی رہنے والی چیز وہی ہے جو اللہ کے پاس ہے"!

یہ تقریر سن کر جبلہ نے کہا:

"خدا کی قسم میری آرزو ہے کہ اس نبی کے نام پر تمام لوگ ایک ہو جائیں اور اس طرح سارے انسان آسمان وزمین کے خالق کے نام لیوا بن جائیں۔ قیصر نے جنگِ موتہ کے وقت مجھ سے کہا تھا کہ میں اس پیغمبر کے صحابہؓ سے جنگ کروں مگر میں نے اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا لیکن میں خود اب تک یہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ ہاں اب میں ضرور اس معاملے پر غور کروں گا"!

جبلہؓ کا اسلام

بعض علماء نے لکھا ہے کہ وہ اسی وقت مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کا جواب بھیجا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مسلمان ہو جانے کی اطلاع دی۔ ساتھ ہی اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کچھ ہدایا بھی بھیجے حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانے تک اسلام پر ثابت قدم رہا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں اس نے فاروق اعظمؓ کو ایک خط لکھا جس میں ان کو اپنے اسلام کی خبر دی اور ان کے پاس حاضری کی اجازت چاہی۔ حضرت عمرؓ اس بات سے بہت خوش ہوئے اور جبلہ کو حاضر ہونے کی اجازت دی۔

جبلہ کی مدینہ آمد

چنانچہ جبلہ اپنے خاندان کے دو سو پچاس افراد کو ساتھ لے کر روانہ ہوا۔ مدینہ کے

قریب پہنچ کر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا اور ان کو گھوڑوں پر سوار ہونے کا حکم دیا پھر اس نے گھوڑوں کی گردنوں میں سونے چاندی کے ہار پہنوائے اور ان پر ریشم دکخواب کے ساز ڈلوائے۔ خود جبلہ نے اپنا تاج سر پہ سجایا۔ اس سج دھج کی وجہ سے ہر جوان اور بوڑھے کی نگاہیں جبلہ اور اس کی شان و شوکت پر جم کر رہ گئیں۔

حضرت عمرؓ کے ساتھ حج

جب جبلہ حضرت عمر فاروقؓ کے پاس پہنچا تو انہوں نے اس کو خوش آمدید کہا اور اسے اپنے قریب بٹھایا۔ پھر فاروق اعظمؓ نے بڑی عزت کے ساتھ مدینہ میں اس کے قیام کا انتظام کیا۔ (چونکہ حضرت عمرؓ حج کو جانے والے تھے اس لئے جبلہ بھی ان کے ساتھ حج کے لئے جانے کی نیت سے آیا تھا)۔

جبلہ اور ایک فزاری شخص

حضرت فاروق اعظمؓ حج کے لئے روانہ ہوئے تو جبلہ بھی ان کے ساتھ گیا۔ حرم میں پہنچ کر بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا تو ہجوم میں سے اچانک اس کے لباس کا ایک کونہ بنی فزارہ کے ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آگیا۔ کپڑا دبنے کی وجہ سے کھنچ کر کھل گیا۔ جبلہ (چونکہ بادشاہ تھا اس لئے اپنی اس توہین پر اس کو غصہ آگیا اور اس) نے اس فزاری شخص کے اتنی زور سے طمانچہ مارا کہ اس کی ناک سے خون جاری ہوگیا اور سامنے کے دانت ٹوٹ گئے۔ ایک قول کے مطابق اس کی آنکھ پھوٹ گئی۔

فاروقی عدالت

اس فزاری شخص نے حضرت فاروق اعظمؓ سے اس ظلم کے خلاف فریاد کی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے بادشاہ کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جبلہ جب آیا تو حضرت فاروق اعظمؓ نے اس سے کہا:

"تم نے اس کی ناک کیوں توڑی؟ یا یوں کہا کہ "تم نے اس کی آنکھ کیوں پھوڑی"؟

جبلہ نے کہا:

" امیرالمومنین! اس نے تو مجھے برہنہ ہی کر دیا تھا۔ اگر بیت اللہ کا احترام میرے پیشِ نظر نہ ہوتا تو تلوار مار کر اس کی گردن ہی اڑا دیتا"

حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا:

"تم اپنے جرم کا اقرار کر چکے ہو اس لئے یا تو اس شخص کو راضی کر کے بات ختم کراؤ ورنہ میں اس شخص کو تم سے بدلہ دلاؤں گا"!

ایک روایت کے مطابق فاروقِ اعظمؓ نے فیصلہ کن انداز میں فرمایا کہ یا تو یہ شخص تمہیں معاف کر دے ورنہ تم سے بدلہ لیا جائے گا۔

جبلہ نے پوچھا قصاص کی صورت میں آپ میرے ساتھ کیا کریں گے؟

ایک روایت کے مطابق جبلہ نے کہا:

" کیا آپ مجھ سے برابر کا قصاص اور بدلہ لیں گے حالانکہ میں ایک بادشاہ ہوں اور یہ شخص ایک بازاری و معمولی آدمی ہے"

اسلام میں سب برابر ہیں

حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا:

" اسلام نے تم دونوں کو برابر کر دیا ہے اس لئے اب تمہیں اس پر کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں ہے۔ برتری صرف تقویٰ کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے"

جبلہ کی سرکشی

اس پر جبلہ نے کہا:

" اگر اس دین میں میں اور یہ برابر ہیں تو میں پھر نصرانیت اختیار کر لوں گا۔ میں تو یہ چاہتا تھا کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد جاہلیت سے بھی زیادہ معزز ہو جاؤں گا"

امیرالمومنین حضرت فاروقِ اعظمؓ نے فرمایا:

"اگر تم نصرانی اور مرتد ہوئے تو پھر میں تمہاری گردن مار دوں گا۔"

جبلہ نے کہا:

"آپ مجھے آج رات تک مہلت دیجئے تاکہ میں اپنے معاملے پر غور کر لوں۔"

جبلہ کا فرار اور ارتداد

فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ یہ بات تمہارے فریق یعنی فزاری شخص پر منحصر ہے۔ اس شخص نے بات سنتے ہی کہہ دیا کہ امیرالمومنین میں اس کو مہلت دیتا ہوں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے جبلہ کو اس کی قیام گاہ پر جانے کی اجازت دے دی۔ جبلہ اسی وقت اپنے پڑاؤ پر گیا۔ وہاں پہنچتے ہی وہ اپنے خاندان یعنی بنی اعمام کے ساتھ سوار ہو کر قسطنطنیہ کی طرف فرار ہو گیا۔

جبلہ کا جو جھگڑا اور اختلاف گزشتہ سطروں میں مذکور ہوا ہے اس کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ جھگڑا حضرت عمرؓ کے سامنے نہیں بلکہ ابو عبیدہ بن جراحؓ کے سامنے ہوا تھا (جو اسلامی فوجوں کے سپہ سالار تھے)۔ چنانچہ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ جبلہ اسلام لانے کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانہ تک ثابت قدم مسلمان رہا۔

اسی دوران ایک دن وہ دمشق کے بازار میں گزر رہا تھا کہ قبیلہ مزنیہ کے ایک شخص کا پاؤں اس کے پاؤں کے نیچے آ گیا۔ اس مزنی شخص نے ایک دم پلٹ کر جبلہ کے رخسار پہ طمانچہ مارا۔ جبلہ نے اس شخص کو فوراً پکڑوا کر اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ حضرت ابو عبیدہؓ بن جراحؓ کی خدمت میں بھجوایا۔

ان لوگوں نے اس مزنی شخص کو ابو عبیدہؓ کے سامنے پیش کر کے کہا کہ اس نے جبلہ کے منہ پر طمانچہ مارا ہے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا، جبلہ بھی اس کے طمانچہ مار دے۔ ان لوگوں نے کہا اتنی سی سزا کو تو جبلہ نہیں مانے گا۔ ابو عبیدہؓ نے فرمایا، ضرور ماننا پڑے گا۔

ان لوگوں نے کہا کہ اس کا ہاتھ کاٹا جانا چاہیئے۔ ابو عبیدہؓ نے فرمایا:
"نہیں! اللہ تعالیٰ نے برابری کے بدلے کا حکم دیا ہے۔"
جب جبلہ کو حضرت ابو عبیدہؓ کے اس فیصلے کی اطلاع ہوئی تو اس نے کہا:
"کیا تمہارا خیال ہے کہ میں اس شخص کی خاطر اپنے آپ کو ذلیل وخوار کر لوں۔ یہ تو بہت خراب دین ہے۔"
اس کے بعد وہ مرتد ہو کر نصرانی یعنی عیسائی ہو گیا اور اپنی قوم کے ساتھ فرار ہو کر رومی علاقے میں شہنشاہ ہرقل کے پاس چلا گیا[1]

والا نامہ بنام جیفر اور عبد شاہان عمّان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو والا نامے ارسال فرمائے تھے ان میں عمّان کے دو بادشاہ جیفر اور عبد کے نام بھی والا نامہ تحریر فرمایا تھا۔
یہ دونوں بھائی قبیلہ ازد سے تعلق رکھتے تھے اور دونوں جلندی کے بیٹے تھے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے والا نامہ لکھوایا جس کی کتابت کا شرف حضرت اُبی بن کعبؓ کو ملا۔ آپؐ نے مُہر لگا کر حضرت عمرو بن عاصؓ کے حوالے فرما دیا تاکہ وہ والا نامہ لے جا کر دونوں بھائیوں کو پیش کر دیں۔ والا نامہ کی عبارت یہ ہے:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"من محمّد بن عبد الله الی جیفر و عبد ابنی الجلندی سلام علی من اتبع الهدی. اما بعد"!
"فانی اُدعوکما بدعایة الاسلام. اسلما تسلما. فانی رسول الله الی الناس کافة. لانذر من کان حیًّا ویحق القول علی الکافرین. و انکما ان اقررتما بالاسلام ولّیتکما. وان ابیتما ان تقرا بالاسلام فان ملککما زائل عنکما وخیلی

---

[1] السیرۃ الحلبیہ

تحل بساحتکما وتظهر نبوتی علی ملککما"۔

وکتب ابی بن کعب وختم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الکتاب"۔

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے

"یہ کتاب ہے محمد بن عبداللہ کی طرف سے جیفر اور عبد کی طرف جو جلندی کے بیٹے ہیں۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے"۔

"امابعد! میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں تم دونوں اسلام قبول کرلو۔ باسلامت رہو گے۔ میں اللہ کا رسول ہوں سارے انسانوں کی طرف تاکہ اس کو ڈراؤں جو زندہ ہو اور تاکہ کافروں پر حجت پوری ہو جائے۔ اگر تم نے اسلام کا اقرار کر لیا تو میں تمہیں تمہارے منصب پر باقی رکھوں گا اور اگر تم نے اسلام کا اقرار کرنے سے انکار کر دیا تو تمہارے ہاتھ سے تمہارا ملک نکل جائے گا اور میرے گھوڑے تمہارے میدان میں اُتر جائیں گے اور تمہارے ملک کے رہنے والوں پر میری نبوت ظاہر ہو جائے گی"۔

حضرت عمرو بن عاصؓ نے بیان فرمایا کہ میں والا نامہ لے کر عمان پہنچا میں نے دونوں بھائیوں میں سے پہلے عبد کے پاس پہنچنے کا ارادہ کیا یہ دونوں میں زیادہ عقلمند تھا اور خصلت عادت کے اعتبار سے نرم تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ میں رسول اللہ کا قاصد ہوں انہوں نے مجھے تیری طرف اور تیرے بھائی کی طرف بھیجا ہے۔ کہنے لگا میرا بھائی عمر میں مجھ سے بھی بڑا ہے اور بادشاہت کے اعتبار سے بھی مجھ سے زیادہ با اختیار ہے۔ میں خط اس کے پاس پہنچا دیتا ہوں تاکہ وہ تمہارا لایا ہوا خط پڑھ لے پھر اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم کس بات کی دعوت دیتے ہو۔ میں نے کہا کہ اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ صرف اللہ کی عبادت کرو جو وحدہٗ لاشریک ہے اور اللہ کے سوا ہر معبود کو چھوڑ دو اور یہ گواہی دو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔

عبد نے دریافت کیا کہ اے عمرو! تم اپنی قوم کے سردار کے بیٹے ہو تمہارے باپ نے کیا طریقہ اختیار کیا میں نے کہا اس کی موت ہو گئی اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں

لایا۔ میں چاہتا ہوں کہ کاش وہ ایمان لے آتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتا میں بھی اسی کے طریقہ پر تھا حتیٰ کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے اسلام کی ہدایت دے دی۔ اس نے سوال کیا کہ تم نے کب اسلام قبول کیا؟ میں نے کہا کچھ ہی عرصہ گذرا۔ کہنے لگا تم نے کہاں اسلام قبول کیا؟ میں نے کہا کہ میں نے شاہِ حبشہ نجاشی کے پاس اسلام قبول کیا اور خود نجاشی نے بھی اسلام قبول کیا۔ کہنے لگا کہ نجاشی کی قوم نے اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کیا اسے بادشاہت پر باقی رکھا میں نے کہا ہاں اسے انہوں نے بادشاہت پر قائم رکھا اور اس کی اتباع بھی کی کہنے لگا اچھا جو پادری تھے اور راہب تھے انہوں نے کیا رویہ اختیار کیا؟ کیا انہوں نے بھی نجاشی کا اتباع کر لیا؟ میں نے کہا ہاں۔

کہنے لگا اے عمرو! تم کیا کہہ رہے ہو دیکھو جھوٹ سے بڑھ کر کوئی خصلت ایسی نہیں ہے جو انسان کو زیادہ رسوا کر دے۔ میں نے کہا میں نے جھوٹ نہیں بولا اور نہ ہم جھوٹ کو اپنے دین میں حلال سمجھتے ہیں۔ پھر اس نے کہا کہ میرے خیال میں ہرقل کو نجاشی کے اسلام قبول کرنے کا علم نہیں ہوا۔ میں نے کہا ضرور علم ہوا۔ کہنے لگا تمہیں کیسے علم ہوا۔ میں نے کہا نجاشی اسے خراج دیتا تھا۔ جب اس نے اسلام قبول کر لیا تو خراج دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اللہ کی قسم ایک درہم بھی مانگے گا تو نہیں دوں گا۔ ہرقل کو اس کی یہ بات پہنچی تو ہرقل کے بھائی نے اس سے کہا کیا تو اپنے غلام کو اسی حال میں چھوڑ دے گا کہ وہ تجھے ذرا بھی خراج نہ دے اور نیا دین اختیار کر کے بیٹھ جائے۔ ہرقل نے کہا کہ میں کیا کر سکتا ہوں ایک شخص نے ایک دین اپنے لئے اختیار کر لیا۔ اللہ کی قسم اگر مجھے ملک کے چلے جانے کا خیال نہ ہوتا تو میں بھی ایسا ہی کرتا جیسا نجاشی نے کیا۔

پھر عبد نے کہا اے عمرو! سچ بولو غور کر لو تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں نے کہا اللہ کی قسم میں سچ بیان کرتا ہوں۔ عبد نے کہا اچھا بتاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کن باتوں کا حکم دیتے ہیں اور کن باتوں سے روکتے ہیں میں نے کہا وہ اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری کا حکم دیتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کی نافرمانی سے منع فرماتے ہیں۔ نیکی کا، صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ ظلم اور زیادتی سے، زنا سے اور شراب پینے سے اور پتھروں اور بتوں اور صلیب کی عبادت سے منع کرتے ہیں۔ عبد نے یہ باتیں سن کر کہا کہ یہ باتیں تو بہت ہی اچھی ہیں جن کی وہ

تجھے تیری قوم پر حاکم بنا کر رکھیں گے اور تجھ پر گھوڑوں سے اور لشکر سے حملہ نہیں کریں گے۔ کہنے لگا آج تو مجھے چھوڑ دو کل میرے پاس آنا۔ پھر میں اس کے بھائی کے پاس گیا اس کے بھائی نے کہا کہ اے عمرو! میں امید کرتا ہوں کہ وہ اسلام قبول کرلے گا بشرطیکہ ملک ہاتھ سے جانے کا خیال نہ ہو۔ میں پھر کل کو اس کے پاس گیا تو اس نے ملاقات کی اجازت نہ دی۔ پھر میں اس کے بھائی کے پاس گیا اور اسے بتا دیا کہ میں اس تک نہیں پہنچ سکا اس نے کہا کہ میں نے تمہاری دعوت کے بارے میں غور کیا میں عربوں میں سب سے زیادہ ضعیف ہوں جو کچھ میرے قبضہ میں ہے اس کا مالک اگر کسی دوسرے شخص کو بنا دوں تو تمہارے نبی کے گھوڑے یہاں تک نہیں پہنچ سکتے اور اگر ان کے گھوڑے پہنچ بھی گئے تو ایسی جنگ کروں گا جس کا کوئی جواب نہیں۔

حضرت عمرو بن عاصؓ نے مزید فرمایا میں نے کہا کہ میں کل کو جانے والا ہوں۔ جب میرے جانے کا یقین ہو گیا تو اپنے بھائی کے ساتھ تنہائی میں بات کی کہ دیکھو ہمارے علاوہ جن لوگوں کو خطوط لکھے ہیں ان سب نے ان کی بات مان لی ہے لہٰذا دونوں بھائیوں نے مجھے بلایا اور دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور انہوں نے بتایا کہ جو صدقات لینے کا حکم ہے اس پر عمل کرو اور تحصیل صدقات کے سلسلہ میں وہ دونوں میری اعانت بھی کرتے تھے۔ (عیون الاثر ج ۲ ص ۳۵۳)

والا نامہ بنام حارث ابن ابی شمر غسّانی

حارث ابن ابی شمر غسّانی شام کے بعض علاقوں کا بادشاہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی دعوتِ اسلام کا والا نامہ تحریر فرمایا تھا جس کی عبارت یہ ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"من محمد رسول اللہ الی الحارث ابن ابی شمر سلام علی من اتبع الھدیٰ و آمن بہ وصدق، وانی ادعوک الی

دعوت دیتے ہیں اگر میرا بھائی میری بات مان لیتا تو ہم دونوں سفر کرکے جاتے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے اور ان کی تصدیق کرتے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ میرا بھائی اپنے ملک کو نہیں چھوڑ سکتا۔

میں نے کہا اگر وہ اسلام لے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے قوم کی بادشاہت پر برقرار رکھیں گے اور اس علاقہ کے اغنیاء سے صدقہ لے کر فقراء میں تقسیم فرمادیں گے۔ عبد نے کہا یہ تو اچھی بات ہے پھر اس نے سوال کیا۔ صدقہ کیا ہے؟ تو میں نے اموال اور مواشی کے مقررہ صدقات کی تفصیل بتادی۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا۔ اللہ کی قسم میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ میری قوم اگرچہ دور رہتی ہے اور ان کی تعداد بھی بہت ہے وہ سب ان باتوں کی فرماں برداری کرلیں گے۔

حضرت عمرو بن عاصؓ نے بیان کیا کہ میں چند دن وہاں مقیم رہا اور عبد اپنے بھائی جیفر کو میری باتیں پہنچاتا رہا۔ پھر ایک دن مجھے بلایا اور کہنے لگا تم کس ضرورت سے آئے ہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ اس کو دے دیا، اس نے مہر کو علیحدہ کیا اور پھر والا نامہ کو اخیر تک پڑھ لیا پھر اپنے بھائی کو دے دیا۔ اس نے بھی پڑھ لیا مجھے اندازہ ہوا کہ اس کا بھائی اس سے زیادہ رقیق القلب ہے۔ پھر اس نے سوال کیا کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریش کا کیا معاملہ ہوا۔ میں نے کہا انہوں نے ان کا اتباع کرلیا۔ کسی نے تو دینِ حق میں رغبت کرتے ہوئے قبول کیا اور کسی نے تلوار سے مجبور ہو کر۔ کہنے لگا تمہارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کون لوگ ہیں میں نے جواب میں کہا وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام میں رغبت کی اور اسلام کو دوسرے دینوں کے مقابلہ میں اختیار کیا اور اپنی عقلوں سے پہچان لیا کہ اب ہم ہدایت پر ہیں اس سے پہلے گمراہی میں تھے۔

حضرت عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں میں نے اس سے یہ بھی کہا کہ دیکھ تیرے اس علاقہ میں کوئی باقی نہیں رہا جس نے اس دین کو قبول نہ کیا ہو اور اگر تو نے آج اسلام قبول نہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے تجھے روند ڈالیں گے اور تیری زمین کی سرسبزی کو برباد کریں گے تو اسلام قبول کرلے۔ باسلامت رہے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ان تؤمن باللّٰه وحدہ لاشریک لہ و یبقی لک ملکک۔"

ترجمہ: یہ مکتوب ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حارث ابن ابی شمر کے نام، سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے اور اس پر ایمان لائے اور تصدیق کرے اور بے شک میں تجھے اسی بات کی دعوت دیتا ہوں کر تو اللہ تعالےٰ وحدہ لاشریک پر ایمان لائے تیرا ملک باقی رہے گا؛

آپ نے والا نامہ شجاع بن وہبؓ کے حوالے کیا وہ مدینہ منورہ سے والا نامہ لے کر روانہ ہوئے۔

انہوں نے بیان کیا کہ جب میں اس کے دربان کے پاس پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ آج کل قیصر کی مہمانداری کی تیاریوں میں لگا ہوا ہے۔ قیصر اس وقت اپنے پایۂ تخت حمص سے ایلیاء یعنی بیت المقدس آیا ہوا تھا۔ میں اس کے دروازہ پر دو تین دن رہا پھر میں نے دربان سے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفیر ہوں اس کے نام خط لے کر آیا ہوں۔ دربان نے کہا وہ فلاں دن باہر نکلے گا۔ اس دن ملاقات کر لینا۔ اس سے پہلے ملاقات نہیں ہوسکتی۔

حضرت شجاع ابن وہبؓ نے مزید بیان کیا کہ یہ دربان رومی تھا اس کا نام مری تھا وہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور آپؐ کی دعوتِ دینی کے بارے میں دریافت کرتا رہتا تھا۔ میں اس سے بیان کرتا تھا تو وہ رو پڑتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نے انجیل میں جس ایک نبی کے آنے کی خبر پڑھی ہے۔ وہ یہی نبی ہیں جن کا تم ذکر کرتے ہو میرا خیال تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہوں گے۔ اب دیکھ رہا ہوں کہ ببول والی زمین میں اس کا ظہور ہوا ہے (ببول والی زمین سے حجاز کی سرزمین مراد ہے) میں ان پر ایمان لاتا ہوں اور ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں اسلام ظاہر نہیں کرتا کیونکہ حارث ابن ابی شمر مجھے قتل کر دے گا۔

حضرت شجاع ابن وہبؓ نے بیان کیا کہ یہ دربان جس نے اسلام قبول کر لیا تھا برابر میرا اکرام کرتا رہا اور عمدہ طریقے پر ضیافت کرتا رہا اور اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ حارث کے اسلام قبول کرنے سے ناامید ہو جاؤ اور ساتھ ہی اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ حارث قیصر سے ڈرتا ہے۔

حضرت شجاعؓ نے بیان کیا کہ ایک دن حارث عام دربار میں آیا اور بیٹھ گیا۔ اپنے سر پر تاج رکھا اور مجھے بلایا۔ میں اندر گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ اسے دے دیا۔ اس نے پڑھ کر پھینک دیا اور کہنے لگا کہ وہ کون ہے جو مجھ سے میرا ملک چھیننا چاہتا ہے میں خود اس کی طرف روانہ ہوتا ہوں اگر وہ یمن میں ہوتا تو اس کے پاس پہنچ چکا ہوتا۔ ان لوگوں کو میرے پاس حاضر کرو۔ رات ہونے تک وہ بیٹھا رہا اور ایسی ہی باتیں کرتا رہا اور اس نے حکم دیا کہ گھوڑوں کے نالے لگائے جائیں اور مجھ سے کہا کہ جن صاحب نے تمہیں سفیر بنا کر بھیجا ہے ان کو یہ سب حال بتا دینا ساتھ ہی اس نے قیصر کو خط لکھا جس میں بتا دیا کہ میں اس کے پاس پہنچا ہوا ہوں پھر ایلیا میں قیصر کو اس کا خط مل گیا۔ اس وقت وہاں حضرت دحیہ کلبیؓ موجود تھے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کے پاس اپنا والا نامہ دے کر بھیجا تھا۔ قیصر نے جب حارث ابن ابی شمر کا خط پڑھا جس میں اس نے اپنا لشکر لے کر جنگ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو حارث کو لکھا کہ تُو ایسا نہ کر اور ان کی طرف سے بے توجہی اختیار کرلے اور مجھ سے ایلیا میں ملاقات کر۔

حضرت شجاعؓ نے فرمایا کہ پھر مجھے بُلا کر کہا کہ تم کب واپس ہونا چاہتے ہو۔ میں نے کہا کہ کل کو روانہ ہو جاؤں گا۔ اس نے میرے لئے سو مثقال سونا پیش کرنے کا حکم دیا اور مُرّی (رومی دربان) نے بھی مجھے خرچہ دیا اور کپڑے دیئے اور کہا کہ رسول اللہ علیہ وسلم کو میرا سلام کہہ دینا اور بتا دینا کہ میں نے آپ کے دین کا اتباع کر لیا۔ میں شام سے روانہ ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر صورت حال بیان کی۔ آپ نے فرمایا: باد ملکہ (اس کا ملک ہلاک ہو گیا) اور میں نے مُرّی دربان کا سلام آپ کو پہنچا دیا اور اس کی بات بتا دی۔ آپ نے فرمایا: اس نے سچ کہا [1]

والا نامہ بنام ہوذہ بن علی الحنفی

ہوذہ بن علی قبیلہ بنی حنیفہ سے تعلق رکھتا تھا اور علاقہ یمامہ کا صاحب اقتدار تھا۔

---

[1] عیون الاثر ج ۲ ص ۳۵۶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نام بھی والا نامہ تحریر فرمایا اور مہر لگا کر حضرت سلیط بن عمرو عامریؓ کے ذریعہ ارسال فرمایا۔ والا نامے کی عبارت یہ ہے :

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"من محمد رسول الله الى هوذة بن على سلام على من اتبع الهدى واعلم ان دينى سيظهر الى منتهى الخف والحافر فاسلم تسلم واجعل لك ما تحت يديك"

ترجمہ : شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے

"یہ مکتوب محمد رسول اللہ کی طرف سے ہوذہ بن علی کے نام ہے۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے۔ تُو جان لے کہ میرا دین وہاں تک پہنچے گا جہاں تک اونٹوں کے پاؤں اور گھوڑوں کے کھر پہنچتے ہیں۔ (یعنی ہر بر اعظم میں پہنچ جائے گا) تُو اسلام قبول کرلے۔ باسلامت رہے گا اور جو ملک تیرے قبضے میں ہیں ان پر تجھے برقرار رکھوں گا"

حضرت سلیطؓ نے ہوذہ کو والا نامہ بھی پہنچایا اور اس سے خطاب بھی فرمایا۔

"اے ہوذہ! تجھے پرانی ہڈیوں نے اور دوزخی روحوں یعنی کسریٰ نے سرداری دی ہے (کیونکہ کسریٰ نے اس کو مقرر کیا تھا) دراصل سردار وہ ہے جو ایمان سے بہرہ ور ہو اور پھر تقویٰ و پرہیزگاری سے آراستہ ہو۔ قوم تمہارے ذریعہ خوش بختی سے بہرہ ور ہوسکتی ہے لہٰذا تم اسے بدبختی میں نہ ڈالو۔ میں تجھے ایک بہترین چیز کا حکم دیتا ہوں اور ایک بدترین چیز سے روکتا ہوں یعنی اللہ تعالےٰ کی عبادت کا حکم دیتا ہوں اور شیطان کی عبادت سے روکتا ہوں کیونکہ اللہ تعالےٰ کی عبادت کا صلہ جنّت ہے اور شیطان کی عبادت کا صلہ جہنّم ہے۔ اگر تُو نے میری یہ بات قبول کرلی تو تیری آرزوئیں پوری ہوں گی اور تُو ہر خوف سے نجات پا جائے گا۔ لیکن اگر تُو نے انکار کردیا تو موت کا ہولناک و ہیبت ناک منظر ہمارے اور تیرے درمیان سے اس پردے کو اٹھا دے گا"

ہوذہ بادشاہ نے یہ تقریر سُن کر کہا:

"اے سلیط! مجھے اس نے سردار بنایا ہے جو اگر تجھے سردار بنا دیتا تو تُو بھی اسے باعزت سمجھتا۔ میں ایک ذی رائے آدمی ہوں اور معاملات کو سمجھنے کا شعور رکھتا ہوں مگر اس وقت میری کچھ بھی سمجھ میں نہیں آرہا ہے اس لئے مجھے کچھ مہلت دو تاکہ میں فکری توانائی کو آواز دے سکوں۔ اس کے بعد انشاء اللہ تمہیں جواب دوں گا۔"

حضرت سلیط کو ہوذہ نے عزت سے مہمان بنایا، پھر والا نامہ پڑھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لکھا:

"ما احسن ما تدعو الیہ واجملہ وانا شاعر قومی وخطیبھم والعرب تھاب مکانی فاجعل الی بعض الامر اتبعك۔"

ترجمہ: "جس بات کی طرف آپ دعوت دے رہے ہیں وہ بہت ہی اچھی اور بہت ہی عمدہ بات ہے۔ میں اپنی قوم کا شاعر اور خطیب ہوں عرب میرے مرتبہ اور مقام سے ہیبت کھاتے ہیں۔ آپ میرے لئے اپنے اقتدار میں کچھ حصہ کر دیں میں آپ کا اتباع کرلوں گا۔"

اس کے بعد حضرت سلیط بن عمروؓ کو رخصت کیا اور ہدایا پیش کئے اور ہجر کے کپڑے پہننے کے لئے دیئے۔ (اس زمانہ میں ہجر ایک مشہور بستی تھی جہاں کے بنے ہوئے کپڑے بہت اچھے سمجھے جاتے تھے)۔

حضرت سلیطؓ خدمتِ عالی میں واپس آگئے اور ہوذہ کا خط پیش کر دیا۔ آپؐ نے اس کا خط پڑھا اور فرمایا کہ اگر اس نے مجھ سے زمین کا ذرا سا حصہ طلب کیا ہے خواہ کھجور کے برابر ہو۔ پھر فرمایا:

"باد وباد ما فی یدیہ"

ترجمہ: "وہ ہلاک ہوا اور ہلاک ہوا جو کچھ اس کے قبضہ میں ہے۔"

اس کے بعد جب آپؐ فتح مکہ سے واپس ہوئے تو حضرت جبرائیلؑ تشریف لائے اور

آپ کو خبر دی کہ ہوذہ مرگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت پیشنگوئی فرمائی تھی کہ یمامہ کے علاقہ سے ایک جھوٹا ظاہر ہوگا جو نبوّت کا دعویٰ کرے گا اور مقتول ہوگا۔

واقدی نے لکھا ہے کہ حضرت سلیطؓ ہوذہ کے پاس پہنچے تو اس وقت ارکون نامی ایک شخص جو نصاریٰ کے بڑے پادریوں میں سے تھا ہوذہ کے پاس موجود تھا۔ ہوذہ نے ارکون سے کہا کہ میرے پاس یہ خط آیا ہے جس میں مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی ہے۔ میں نے قبول نہیں کی۔ ارکون نے کہا تم کیوں قبول نہیں کرتے؟ کہنے لگا میں اپنی قوم کا بادشاہ ہوں مجھے ڈر ہے کہ اگر صاحب مکتوب کا اتباع کرلوں تو میری حکومت جاتی رہے گی۔ ارکون نے کہا ایسا نہیں ہے۔ اللہ کی قسم اگر تو ان کا اتباع کرے گا تو تیری حکومت برقرار رکھیں گے اور تیری بھلائی اسی میں ہے کہ تو ان کا اتباع کرلے اور میں یقین سے کہتا ہوں کہ یہ وہی نبی عربی ہیں جن کی حضرت عیسیٰؑ بن مریم نے بشارت دی تھی اور جس کا نام نامی اسم گرامی محمّد رسول اللہ ابھی تک ہمارے پاس انجیل میں لکھا ہوا موجود ہے۔

ارکون کی اس تائید و تصدیق کے باوجود ہوذہ نے اسلام قبول نہ کیا[1]

البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ شجاع ابن وہبؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منذر ابن الحارث ابن ابی شمر غسانی کے پاس والا نامہ دے کر بھیجا تھا[2] جیسا کہ حارث کے تذکرہ میں گزر چکا ہے۔ ممکن ہے شخص واحد کو دو شخصیتوں کے پاس بیک وقت یا مختلف اوقات میں بھیجا ہو۔

والانامہ بنام اہلِ نجران

حافظ ابن القیم نے یونس نامی ایک شخص سے نقل کیا ہے۔ جس کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ نصرانی تھا۔ (بعد میں مسلمان ہوگیا) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ نجران کی طرف مندرجہ ذیل الفاظ میں گرامی نامہ ارسال فرمایا:

---

[1] عیون الاثر ج ۲ ص ۲۵۵ [2] البدایہ ج ۴ ص ۲۶۸

"باسم الٰه ابراھیم واسحاق ویعقوب أما بعد! فانی أدعوکم الی عبادة اللّٰه من عبادة العباد وأدعوکم الی ولایة اللّٰه من ولایة العباد فان ابیتم فالجزیہ فان ابیتم فقد اذنتکم بحرب. والسلام"

ترجمہ: یہ خط شروع ہے ابراہیم واسحاق اور یعقوب کے معبود کے نام سے۔ میں تم لوگوں کو بندوں کی عبادت سے نکال کر اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں، ـــــــــ بندوں کا تقرب حاصل کرنے کے بجائے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر تم انکار کرتے ہو تو جزیہ دو اور اگر اس سے بھی انکاری ہو تو جنگ کا اعلان کرتا ہوں" والسلام!

جب یہ والانامہ نصاریٰ کے ایک پادری کے پاس پہنچا تو اس نے اسے پڑھ لیا اور وہ سخت گھبراہٹ میں پڑ گیا۔ اس نے اہل نجران میں سے ایک شخص کو بلوایا جو ہمدانی تھا اور اس کا نام شرحبیل ابن دداعۃ تھا۔ پادری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا والانامہ اس کو دے دیا۔ جب اس نے پڑھ لیا تو پادری نے کہا: اے ابومریم! تمہاری کیا رائے ہے؟ شرحبیل نے کہا کہ یہ تو تجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی ذریت میں بھی ایک نبی ہوگا۔ میری سمجھ میں آتا ہے کہ یہ وہی شخص ہے۔ نبوت (کی علامات اور لوازم) کے بارے میں مجھے علم نہیں ہے۔ اگر کوئی دنیاوی بات ہوتی تو میں اس کے بارے میں کوئی مشورہ دے دیتا اور خوب غور و فکر کے بعد کوئی پختہ رائے ظاہر کرتا۔ پادری نے اس شخص کو ہٹا دیا۔

اس کے بعد علی الترتیب دو آدمی اور بلائے۔ انہوں نے بھی اُسی قسم کا جواب دیا جو شرحبیل نے دیا تھا۔ اس کے بعد اس پادری نے نصرانی مذہب کے ماننے والوں کو جمع کیا۔ جن کی آبادی تہتر بستیوں پر مشتمل تھی اور ان میں گیارہ سو بیس جنگیں لڑنے والے افراد تھے جب یہ لوگ جمع ہو گئے تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا والانامہ سُنایا۔

اُن لوگوں نے رائے دی کہ تین آدمیوں کو مدینہ منورہ بھیجا جائے۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر لے کر آئیں۔ تین شخصوں کے نام یہ ہیں۔

۱. شرجیل بن وداعہ الہمدانی ۲۔ عبداللہ بن شرجیل ۳۔ جبار بن قیس

یہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے اور سفر کے کپڑے اتار کر بڑے عمدہ عمدہ کپڑوں سے ملبوس ہو کر اور سونے کی انگوٹھیاں پہن کر خدمت عالی میں حاضر ہوئے۔ سلام کیا۔ آپؐ نے جواب نہیں دیا۔ بات کرنی چاہی تو آپؐ نے دن بھر ان سے کوئی بات نہیں کی۔ یہ لوگ حضرت عثمان بن عفانؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے پاس پہنچے۔ ان دونوں حضرات سے تجارتی معاملات کی وجہ سے جان پہچان تھی۔ ان دونوں سے عرض کیا کہ ہم خدمت عالی میں حاضر ہوئے تھے۔ آپؐ نے ہمارے سلام کا جواب نہیں دیا۔ ہم نے بات کرنی چاہی آپؐ نے دن بھر ہم سے بات کرنا گوارا نہیں کیا۔ اب آپ کی کیا رائے ہے۔ کیا ہم واپس چلے جائیں؟

حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت علیؓ سے مشورہ لیا کہ ابوالحسن! آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے فرمایا، میرے خیال میں یہ بات آئی ہے کہ یہ لوگ اپنے قیمتی جوڑے اتار دیں اور انگوٹھیاں بھی رکھ دیں اور سفر کے کپڑے پہن لیں پھر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوں۔

نجران کا جو وفد آیا تھا اس نے ایسا ہی کیا۔ پھر خدمت عالی میں حاضر ہوئے اور آپؐ کو سلام کیا تو آپؐ نے سلام کا جواب دیا۔

ان لوگوں نے عرض کیا کہ ہم نصاریٰ ہیں اپنی قوم کی طرف واپس ہوں گے۔ آپ عیسیٰؑ کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ اگر آپ نبی ہیں تو ہمیں بتا دیجئے۔

آپؐ نے فرمایا:

"اس بارے میں آج میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ تم میرے پاس قیام کرو۔ مجھے ان کے بارے میں علم دے دیا جائے گا تو میں بتا دوں گا۔"

ان لوگوں نے کل تک قیام کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیات نازل ہو گئیں۔

"إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۔ اَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن

مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۔ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ
مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا
وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ
لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۔" (۳: ۶۱)

ترجمہ: "بلاشبہ اللہ کے نزدیک عیسٰی کی مثال ایسی ہے جیسے آدم کی مثال۔ پیدا فرمایا ان کو مٹی سے۔ پھر اُن سے فرما دیا ہو جا۔ بس اُن کی پیدائش ہو گئی، حق ہے آپ کے رب کی طرف سے سو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں، سو جو شخص اُن کے بارے میں آپ سے جھگڑا کرے اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آگیا ہے تو آپ فرما دیجئے کہ آجاؤ ہم بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تم بلالو اپنے بیٹوں کو اور ہم بلالیں اپنی عورتوں کو اور تم بلالو اپنی عورتوں کو اور ہم حاضر کر دیں اپنی جانوں کو اور تم بھی حاضر ہو جاؤ اپنی جانوں کو لے کر پھر ہم سب مل کر خوب سچے دل سے اللہ سے دعا کریں اور لعنت بھیج دیں جھوٹوں پر۔"

سیدنا حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش جو بغیر باپ کے ہوئی اس پر یہودیوں نے شک کیا اور حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگائی اور آج بھی قرآن کے منکرین اسی لکیر کو پیٹ رہے ہیں ان کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ بلا باپ کے مریم بتول کے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہو گیا؟ اللہ جل شانہ نے ان سب کے استعجاب اور استبعاد کا جواب دے دیا اور فرمایا:

"اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ" (الآیۃ)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت عیسٰی کی پیدائش ایسی ہی ہے جیسے آدم کو پیدا فرما دیا۔"

آدم کا پتلا بنایا۔ پھر اس میں روح پھونک دی۔ بس باذن اللہ بغیر باپ کے ایک جیتی جاگتی مخلوق وجود میں آگئی۔ بغیر ماں باپ کے جو چیز پیدا ہو گئی اس پر تو کوئی تعجب نہیں اور جو صرف ماں سے بغیر باپ کے پیدا ہوا اس پر تعجب ہے اور انکار پر

انکار کر رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی قدرت کاملہ ہے اس نے ابوالبشر کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمایا اور پھر ابوالبشر کا جوڑا یعنی حضرت حوّا کو انہی کے جسم سے پیدا فرمادیا "خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا" اور حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا فرمادیا۔

اللہ جل شانہٗ نے انسانوں کی عام تخلیق کا سبب والدین کے ملاپ کو بنادیا ہے اور یہ سلسلہ سب کے سامنے ہے۔ عادۃ مستمرہ ہے اس لئے اس میں کسی کو تعجب نہیں اور ایک جان جو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمائی اور ایک جان کو بغیر ماں کے اور ایک جان کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا ان سب میں اس کی قدرت کے مظاہرے ہیں جو ذات پاک بغیر ماں باپ کے پیدا فرمائے اس کو اس پر بھی قدرت ہے کہ بغیر باپ کے پیدا فرما دے۔ قرآن و حدیث کی تصریحات ہوتے ہوتے حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش بلا باپ کا انکار کر کے کفر اختیار کرنے والوں کو تنبیہ فرمائی کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش حضرت آدم کی طرح سے ہے۔

اسباب النزول ص ۹۸ میں لکھا ہے کہ نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد آیا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ کیا بات ہے آپ ہمارے صاحب (یعنی جن کو ہم مانتے ہیں) بُرا کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا "میں کیا کہتا ہوں"؟ کہنے لگے آپ کہتے ہیں کہ وہ ایک بندہ ہے۔ آپ نے فرمایا: "ہاں وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور وہ اللہ کا کلمہ ہیں جسے کنواری عورت بتول کی طرف ڈالا"۔ یہ سُن کر وہ لوگ غصہ ہوگئے اور کہنے لگے، کیا کوئی انسان کبھی بغیر باپ کے پیدا ہوا ہے۔ ہمیں کوئی شخص ایسا دکھاؤ جو بغیر باپ کے پیدا ہوا ہو۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے آیت "اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ" نازل فرمائی۔

حضرت حسنؓ سے منقول ہے نجران کے دو راہب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان پر اسلام پیش فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو آپ سے پہلے مسلم ہیں۔ آپ نے فرمایا: "تم دونوں جھوٹے ہو۔ اسلام سے تم کو تین چیزیں روکتی ہیں۔ صلیب کی عبادت اور خنزیر کا کھانا اور اللہ کے لئے اولاد تجویز کرنا"۔ کہنے لگے عیسیٰ کا

باپ کون ہے؟۔ آپ جواب دینے میں جلدی نہیں فرماتے تھے جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نازل ہو جائے۔ اللہ جل شانہٗ نے آیت "اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ" نازل فرمادی جس میں اس کا جواب مذکور ہے۔

نصاریٰ کو دعوتِ مباہلہ

اللہ جل شانہٗ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: "فَمَنْ حَاجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ"۔ (الآیۃ) اس میں دعوتِ مباہلہ کا ذکر ہے۔

مفسر ابنِ کثیرؒ نے ج ا ص ۳۶۸ محمد بن اسحاق بن یسارؒ سے نقل کیا ہے کہ نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد جو ساٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان میں چودہ اشخاص ان کے اشراف میں سے تھے جن کی طرف ہر معاملہ میں رجوع کیا جاتا تھا۔ اُن میں سے ایک شخص کو سیّد کہتے تھے جس کا نام اَیہم تھا اور ایک شخص ابوحارثہ تھا اور بھی لوگ تھے اُن میں عاقب ان کا امیر تھا اور صاحب رائے سمجھا جاتا تھا۔ اسی سے مشورہ لیتے تھے اور اس کی ہر رائے پر عمل کرتے تھے اور سیّد اُن کا عالم تھا۔ اُن کی مجلسوں اور محفلوں کا وہی ذمہ دار تھا اور ابوحارثہ اُن کا پوپ تھا جو اُن کی دینی تعلیم و تدریس کا ذمہ دار تھا۔ بنی بکر بن وائل قبیلے سے تھا اور عرب تھا لیکن نصرانی ہو گیا تھا۔ رومیوں نے اس کی بڑی تعظیم کی۔ اس کے لئے گرجا گھر بنائے گئے اور اس کی طرح طرح سے خدمت کی۔ اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کا علم تھا۔ کتبِ سابقہ میں آپ کی صفات مذکور ہیں اُن سے واقف تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر بھی نصرانیت پر مُصر رہا۔ دنیاوی اکرام اور عزت و جاہ نے اس کو اسلام قبول کرنے سے باز رکھا۔

جب یہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نمازِ عصر سے فارغ ہوئے تھے اور مسجد ہی میں تشریف رکھتے تھے۔ ان لوگوں نے بہت ہی بڑھیا کپڑے پہن رکھے تھے اور خوبصورت چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔ ان کی اپنی نماز کا وقت آ گیا تو انہوں نے مسجد نبوی ہی میں مشرق کی طرف نماز پڑھ لی۔ ان میں سے ابوحارثہ

عاقب اور سید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور وہی اپنی شرکیہ باتیں پیش کرنے لگے. کسی نے کہا عیسیٰ اللہ ہے کسی نے کہا ولد اللہ ہے کسی نے کہا ثالث ثلاثہ (یعنی ایک معبود عیسیٰ ہے۔ ایک اس کی والدہ اور ایک اللہ تعالیٰ ہے)۔

ان لوگوں نے گفتگو میں یہ سوال کیا کہ اے محمد ! عیسیٰ کا باپ کون تھا؟ آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ آلِ عمران کے شروع سے لے کر اَسّی (۸۰) سے کچھ اوپر آیات نازل فرمائیں. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ کی طرف سے جب تفصیل کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وحی نازل ہوگئی اور اُن سے مباہلہ کرنے کی دعوت کا حکم نازل ہوگیا تو آپ نے اس کے مطابق ان کو مباہلہ کی دعوت دی ۔

مباہلہ کا طریقہ

دعوت یہ تھی کہ ہم اپنی اولاد اور عورتوں سمیت آجاتے ہیں تم بھی اپنی اولاد اور عورتوں اور اپنی جانوں کو لے کر حاضر ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دونوں فریق مل کر خوب سچے دل سے دُعا کریں گے کہ جو بھی کوئی جھوٹا ہے اس پر اللہ کی لعنت ہو جائے ۔

جب آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مباہلہ کی دعوت دی تو کہنے لگے کہ ابوالقاسم! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں مہلت دیجئے۔ ہم غور و فکر کر کے حاضر ہوں گے ۔

نصاریٰ کا مباہلہ سے فرار

جب آپ کے پاس سے چلے گئے اور آپس میں تنہائی میں بیٹھے تو عبدالمسیح پادری سے کہا کہ تیری کیا رائے ہے۔ اس نے کہا کہ یہ تو تم نے سمجھ لیا کہ محمد نبی مُرسل ہیں اور انہوں نے تمہارے صاحب (یعنی حضرت عیسیٰؑ) کے بارے میں صاف صاف صحیح باتیں بتائی ہیں اور تمہیں اس بات کا بھی علم ہے کہ جس کسی قوم نے کسی نبی سے کبھی مباہلہ کیا ہے تو کوئی چھوٹا بڑا اُن میں باقی نہ رہا۔ اگر تمہیں اپنا بیج ناس کھونا ہے تو مباہلہ کر لو۔ اگر تمہیں اپنا دین نہیں چھوڑنا تو ان سے صلح کر لو اور اپنے شہروں کو واپس ہو جاؤ۔

مشورے کے بعد وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔ اے ابو القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے آپس میں یہ طے پایا ہے کہ ہم آپ سے مباہلہ نہ کریں۔ آپ کو آپ کے دین پر چھوڑیں اور ہم اپنے دین پر رہتے ہوئے واپس لوٹ جائیں اور آپ اپنے آدمیوں میں سے ایک شخص کو بھیج دیں جو ہمارے درمیان ایسی چیزوں میں فیصلہ کر دے جن میں ہمارا مالیاتی سلسلے میں اختلاف ہے۔ آپ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔

معالم التنزیل ج ا ص ۳۱۰ میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت بالا "نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ" (۳:۶۱) آخر تک نجران کے نصاریٰ کے سامنے پڑھی اور ان کو مباہلہ کی دعوت دی تو انہوں نے کل تک کی مہلت مانگی۔ جب صبح ہوئی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ آپ پہلے سے حضرت حسینؓ کو گود میں لئے ہوئے اور حضرت حسنؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تشریف لا چکے تھے۔ حضرت سیدہ فاطمہؓ پیچھے پیچھے تشریف لا رہی تھیں اور حضرت علیؓ اُن کے پیچھے تھے۔ آپؐ نے اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ جب میں دُعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا یہ منظر دیکھ کر نصاریٰ نجران کا پوپ کہنے لگا کہ اے نصرانیو! میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر اللہ سے یہ سوال کریں کہ وہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے تو اللہ ضرور ہٹا دے گا۔ لہٰذا تم مباہلہ نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور قیامت تک روئے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا۔ یہ سُن کر سب کہنے لگے کہ اے ابو القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری رائے یہ ہے کہ ہم مباہلہ نہ کریں اور آپ کو آپ کے دین پر چھوڑ دیں اور ہم اپنے دین پر رہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تمہیں مباہلہ سے انکار ہے تو اسلام قبول کر لو۔ اسلام قبول کرنے پر تمہارے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں اور تمہاری وہی ذمہ داریاں ہوں گی جو مسلمانوں کی ہیں"۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: "پس ہمارے اور تمہارے درمیان جنگ ہوگی"۔ وہ کہنے لگے کہ ہم میں جنگ کی طاقت نہیں ہم آپ سے صلح کر لیتے ہیں۔

نصاریٰ نجران سے مال لینے پر صُلح

اور وہ یہ کہ ہر سال دو ہزار جوڑے کپڑوں کے پیش کیا کریں گے۔ ایک ہزار ماہِ صفر میں اور ایک ہزار ماہِ رجب میں۔ اہلِ نجران پر عذاب منڈلا رہا تھا۔ اگر وہ مباہلہ کرلیتے تو مسخ کر دیئے جاتے اور بندر اور خنزیر بنا دیئے جاتے اور ان کے سارے علاقے کو آگ جلا کر ختم کر دیتی اور نجران کے لوگ بالکل ختم ہو جاتے یہاں تک کہ پرندے بھی درختوں پر نہ رہتے اور ایک سال بھی پورا نہ ہوتا کہ تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔

تفسیر ابن کثیر میں ج ۱ ص ۳۶۹ بحوالہ مسند احمد حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مباہلہ کرنے کو تیار ہو رہے تھے اگر مباہلہ کے لئے نکل آتے تو (میدانِ مباہلہ سے) اس حال میں واپس ہوتے کہ نہ مال پاتے نہ اہل وعیال میں سے کسی کو پاتے (اور خود بھی مر جاتے)۔

نصاریٰ مباہلہ کے لئے راضی نہ ہوئے اور اپنے باطل دین پر قائم رہے اور یہ جانتے ہوئے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اللہ کے رسُول ہیں ایمان نہ لائے اور ایمان سے روگردانی کر بیٹھے اور آج تک ان کا یہی طریقہ ہے۔ حضرات علماء کرام نے بار ہا مناظروں میں ان کو شکست دی ہے۔ ان کی موجودہ انجیل میں تحریف ثابت کی ہے اُن کے دین کو مصنوعی خود ساختہ دین بار ہا ثابت کر چکے ہیں لیکن وہ اپنے دنیاوی اغراض سیاسیہ اور غیر سیاسیہ کی وجہ سے دینِ اسلام کو قبول نہیں کرتے اور دنیا بھر میں فساد کر رہے ہیں جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی تھی اس وقت سے لے کر آج تک ان کا یہی طریقہ رہا ہے۔

نتائج وعبر

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو امراء اور ملوک کو والانامے ارسال کئے ان میں آپؐ نے کسی بادشاہ کو کسی شاہی لقب سے یاد نہیں فرمایا۔ مثلاً عظیم الروم عظیم القبط وغیرہ سب

کو تحریر فرمایا جیسے روم کا بڑا آدمی قبطیوں کا بڑا آدمی۔ قیصر کے بھائی بھتیجے کو ناگوار بھی ہوا لیکن قیصر نے بات کو دبا دیا کہ اگر یہ نبی ہیں تو انہیں ایسا ہی لکھنا چاہیئے۔

(۱) آپ کے طرزِ تحریر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کو ایسے الفاظ سے یاد کرنا یا مکاتیب میں مخاطب کرنا جن میں جھوٹ ہو اور جس میں شرک کی طرف ذہن جاتا ہو یا ایسی تعریف کرنا اور لکھنا جائز نہیں ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی کو مسلمان کرنے یا دعوت کے کام کو آگے بڑھانے کے لئے جھوٹ بولنا یا خود کسی گناہ کا مرتکب ہونا جائز ہے یہ ایسا سمجھنے والوں کی غلطی ہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری دنیا کو بے نیازی کے ساتھ بے باکانہ طریقہ پر مکاتیب لکھے آپ کے جو سفراء مکاتیب لے گئے تھے انہوں نے بڑی ہمت اور جرأت کے ساتھ مکاتیب بھی پہنچائے اور بادشاہوں کے سامنے دربار میں بڑی بے باکی کے ساتھ حق بات کہی ہے۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے جو شاہِ مصر مقوقس کے سامنے بے دھڑک تقریر کی اس کی دوبارہ مراجعت کر لی جائے۔ اسی طرح شاہانِ عمان کے پاس عبد اور جیفر کے نام جو حضرت عمرو بن عاصؓ مکتوب گرامی لے کر گئے انہوں نے بھی بہت صاف صاف کھل کر باتیں کیں اور ہر سوال کا واضح جواب دیا۔

(۳) دنیا داروں کو دنیا ہی مطلوب ہوتی ہے وہ مخلص طالب رضاء اللہ کو بھی اپنے ہی جیسا سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مکاتیب تحریر فرمائے ان کے جواب میں بعض بادشاہوں نے یوں کہا کہ مجھے آپ اپنے اقتدار میں شریک کر لیں تو میں مسلمان ہو جاتا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کھجور کے ذرا سے چھلکے کے برابر بھی سوال کرے گا تو میں اسے نہیں دے سکتا اسلام تو اللہ کا دین ہے۔ کوئی دنیاوی دکانداری نہیں ہے جو شخص اسلام قبول کرے گا اس کی آخرت اچھی ہو گی، دوزخ سے بچ جائے گا اور جنت میں داخل ہو گا۔ اپنی بھلائی کے لئے اسلام قبول کرتا ہے تو کرے۔ اللہ کا نبی یا کوئی اُمتی دنیا کا لالچ اور دنیا کے مفاد کا وعدہ کر کے اسلام کی دعوت کیوں دے؟ اسلام قبول کرنے کے بعد دنیاوی منافع بھی مل جائیں جو مطلوب و مقصود نہیں تو یہ دوسری بات ہے لیکن

داعیٔ اسلام کا یہ کام نہیں کہ وہ دنیا کا لالچ دے کر اسلام کی دعوت دے جو شخص دنیاوی لالچ کے لئے اسلام قبول کرے گا اس کا کیا بھروسہ کوئی بھی دوسرے مذہب والا عہدہ یا عورت کا لالچ دے گا تو وہ ادھر ڈھل سکتا ہے۔

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کو جو والانامہ لکھا اس میں اور مقوقس شاہ مصر کے خط میں أَسْلِمْ تَسْلَمْ تحریر فرمایا تھا۔ ان الفاظ میں بہت عموم ہے۔ مطلب یہ کہ اگر تو نے اسلام قبول کر لیا تو پوری طرح سلامت رہے گا۔ اس میں دنیا کی سلامتی اور آخرت کی سلامتی اور ملک کی سلامتی سب داخل ہے۔ ان لوگوں کو ڈر تھا کہ اگر اپنے عوام کا دین چھوڑ کر دوسرا دین قبول کر لیا تو عوام ناراض ہو جائیں گے اور حکومت چھین لیں گے۔ آپؐ نے اشارہ فرما دیا کہ تمہاری حکومت باقی رہے گی لیکن انہوں نے اپنی بادشاہت کی بقاء اس میں سمجھی کہ دینِ کفر پر قائم رہیں اور اسلام قبول نہیں کیا۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

"لو تفطن هرقل لقوله صلى الله عليه وآله وسلم فى الكتاب الذى ارسل اليه أَسْلِمْ تَسْلَمْ وحمل الجزاء على عمومه فى الدنيا والآخره سلم لو اسلم من كل ما يخافه ولكن التوفيق بيد الله"۔

ترجمہ: اگر ہرقل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کے جملہ اسلم تسلم "اسلام لے آ محفوظ رہے گا" کی حقیقت سمجھ لیتا اور اس سلامتی کی بشارت کو دنیا و آخرت دونوں کے حق میں یقین کر لیتا تو ضرور مسلمان ہو جاتا اور دنیا کی ہر قسم کی ذلت "زوالِ حکومت" (جس کا اس کو خوف تھا) محفوظ ہو جاتا۔ مگر توفیق خدا کے ہاتھ میں ہے"

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو أَسْلِمْ تَسْلَمْ فرمایا تھا اس میں دونوں جہاں کی سلامتی مراد تھی۔ مقصد یہ تھا کہ تو دنیا میں بھی باسلامت رہے گا اور آخرت میں بھی۔ اس کے اسلام قبول کرنے پر رعایا بھی اسلام قبول کر لیتی تو اقتدار سے محروم ہونے کی ظاہری اور کوئی وجہ نہ تھی لیکن اس نے دنیا کے ظاہری اقتدار پر نظر رکھی اور حق سے منہ موڑ لیا۔

(۵) یہ بات بھی تو غور کرنے کی ہے کہ جب دینِ حق واضح ہو گیا اور اس کا فائدہ معلوم ہو گیا کہ اس کے قبول کرنے سے موت کے بعد والے عذاب سے بچ جائیں گے اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ ہو جائیں گے جو بہت سخت چیز ہے اور اہلِ کفر کے لئے دوامی بھی ہے تو اس سے ذرا سی چند روزہ حقیر دنیا کے لئے ایمان سے باز رہنا اور کفر پر جما رہنا کہاں کی سمجھداری ہے؟ پھر یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ حق حق ہے اور باطل باطل ہے حق کو دنیاوی معاد کے لئے چھوڑ دینا اور باطل پر جما رہنا یہ خود انسانی عقلمندی کے خلاف ہے۔ عذاب ثواب اپنی جگہ ہے حق کو حق جانتے ہوئے سمجھتے ہوئے چھوڑ دینا شرفِ انسانی کے بھی خلاف ہے۔

(۶) ہرقل کے نام جو دالانامہ ہے اس میں یہ بھی ہے: "يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ" کہ تو اسلام قبول کر لے۔ تجھے اللہ تعالیٰ دو بار اجر عطا فرمائے گا۔

سورۃ القصص میں بھی یہ مضمون ارشاد فرمایا:

"اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝" (۲۸:۵۴)

ترجمہ: "جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے کتاب دی وہ اس پر یعنی قرآن پر ایمان لاتے ہیں جب اُن پر قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ بے شک وہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے۔ بلاشبہ ہم پہلے ہی سے اسے مانتے تھے۔ (یعنی آخری نبی پر کتاب نازل ہو گی ہم اس کی تصدیق کرتے تھے) یہ وہ لوگ ہیں جن کو صبر کرنے کی وجہ سے دو مرتبہ ثواب دیا جائے گا اور وہ لوگ اچھائی کے ذریعہ بُرائی کو دفع کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

سورۃ القصص کی آیت شریفہ سے مؤمنین اہلِ کتاب کو دو مرتبہ اجر عطا فرمانے کی

خوشخبری دی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن کے لئے دو اجر ہیں۔ ایک وہ شخص جو اہلِ کتاب میں سے ہو۔ وہ اپنے نبی پر ایمان لایا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا۔ دوسرا وہ غلام جو کسی کا مملوک ہو۔ اس نے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کیا اور اپنے آقا کا بھی۔ تیسرا وہ شخص جس کے پاس باندی تھی (بحقِ ملکیت) اس سے صحبت کرتا تھا۔ اس نے اس کو ادب سکھایا اور اچھا ادب سکھایا اور اسے تعلیم دی اور اچھی تعلیم دی پھر آزاد کرکے اس سے نکاح کرلیا سو اس شخص کے لئے بھی دو اجر ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۲۰)

سورۃ الحدید میں فرمایا ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِن رَّحْمَتِهِ وَيَجْعَل لَّكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ" (۲۸:۵۷)

ترجمہ: "اے ایمان رکھنے والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی رحمت سے دو حصے دے گا اور تمہیں ایسا نور عطا فرمائے گا کہ تم اس کو لئے ہوئے چلو پھرو گے اور وہ تمہاری بخشش فرما دے گا۔"

مفسرین کرامؒ نے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت عیسیٰؑ پر ایمان رکھنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان سے خطاب کرکے فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرو۔ اس کے رسول یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ یہ تمہارا ایمان لانا تمہارے لئے بہت بڑی خیر کا ذریعہ ہوگا یعنی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت سے دو حصے عطا فرمائے گا۔ اہلِ کتاب کو جو زائد اجر دینے کا وعدہ فرمایا ہے اس کے بارے میں سورۂ قصص کی آیت میں مَرَّتَيْنِ فرمایا ہے اور ساتھ ہی بِمَا صَبَرُوا بھی فرمایا یعنی ان کو صبر کرنے کی وجہ سے دو مرتبہ ثواب دیا جائے گا اور حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت کردہ حدیث میں أَجْرَانِ فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو اہلِ کتاب اپنے نبی پر ایمان لائے پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائے ان کے لئے دو اجر ہیں۔

یہاں جو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ غیر اہلِ کتاب میں جو حضرات ایمان لائے وہ بھی تو

تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لائے لہٰذا ان کا اجر بھی دہرا ہونا چاہیئے۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ آیات و احادیث میں مقابلہ کا ذکر نہیں ہے اہل کتاب کو دو بار اجر ملے گا یا رحمت کے دو حصّے ملیں گے۔ اس میں امّتِ محمّدیہ کے اجر و ثواب کا مقابلہ نہیں ہے اہل کتاب کے اپنے ثواب کا تذکرہ ہے۔ کوئی ضروری نہیں کہ مرّتین اور اجران اور کفلین کا مصداق اس ثواب سے زیادہ ہو جو امّتِ محمّدیہ کو دیا جائے گا۔ بات اوّل تو مجمل ہے دوسرے سورۂ قصص میں جو بِمَا صَبَرُوْا فرمایا ہے اس میں ان کے اجر اضافی کا سبب بتا دیا کہ جو اہل کتاب اپنے نبی پر ایمان لائے پھر اس پر جمے رہے۔ بہت سی مشکلات کا سامنا رہا اور تکلیفیں اٹھائیں ان کی وجہ سے ان کا اجر بڑھ گیا اور قربانیوں اور مشقت کی وجہ سے فضیلت بڑھ ہی جاتی ہے۔ حضرت بلالؓ نے ایمان پر جمے ہوئے مار پیٹ برداشت کی۔ کیا ان کے ایمان کا ثواب ان لوگوں کے ایمان کے برابر ہو سکتا ہے جنہوں نے یہ تکلیفیں نہیں اٹھائیں؟ ہاں کسی کے ایمان کا ثواب دوسری وجہ سے بڑھ جائے تو وہ اور بات ہے۔

(۷) ہرقل کے نام جو والا نامہ تحریر فرمایا تھا۔ اس میں "فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيْسِيْنَ" بھی ہے۔ (اگر تو اسلام سے روگردانی کرے تو تجھ پر کسانوں کا بھی گناہ ہوگا) اور کسریٰ کو جو والا نامہ تحریر فرمایا اس میں تحریر فرمایا: "فَإِنْ أَبَيْتَ فَعَلَيْكَ إِثْمُ الْمَجُوْسِ" (اگر تو اسلام قبول کرنے سے انکاری ہو تو تجھ پر مجوسیوں کا بھی گناہ ہوگا) اور مقوقس کے نام جو خط تحریر فرمایا اس میں لکھا:

"فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْقِبْطِ"

ترجمہ: (اگر تو روگردانی کرے تو تجھ پر قبطیوں کا بھی گناہ ہوگا) اور عوام کو کفر پر جمے رہنے کی وجہ سے مستقل عذاب ہوگا۔

تینوں تحریروں کا مطلب یہ ہے کہ عام طور سے عوام الناس اپنے بڑوں کی طرف دیکھتے ہیں اور ان کے دین پر چلتے ہیں۔ خاص کر جو لوگ سردار یا بادشاہ ہوں ان کی طرف زیادہ ہی جھکتے ہیں کچھ تو اقتدار کا دباؤ ہوتا ہے اور کچھ یہ سوچتے ہیں کہ یہ اگر اللہ تعالیٰ

کا مقبول بندہ نہ ہوتا تو اسے اقتدار کیوں ملتا. اگر اصحابِ اقتدار اقوام کے سردار اور چوہدری اسلام قبول کرلیں تو زیرِ اقتدار جو عوام ہوتے ہیں وہ بھی اسلام قبول کرلیتے ہیں. جب کسی پر حق واضح ہوگیا اور وہ جانتا ہے کہ میں اسلام قبول کردوں گا تو میری عوام بھی اسلام قبول کرلیں گے. اس کے باوجود اسلام قبول نہیں کرتا تو وہ اپنی جان پر بھی ظلم کرنے والا ہے اور اپنی عوام کو بھی اتباعِ حق سے روکنے والا ہے لہٰذا ان کے کفر کا وبال بھی اس پر پڑے گا.

(۸) ہرقل اور مقوقس کو جو والا نامہ تحریر فرمایا اس میں آیت کریمہ:

"یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ." (۳:۶۴)

ترجمہ: "اے اہلِ کتاب! آؤ اس چیز کی طرف جو ہمارے تمہارے درمیان برابر ہے جسے ہم بھی تسلیم کرتے ہیں اور تم بھی مانتے ہو اور وہ یہ کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور یہ کہ کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں."

اس میں یہ بتادیا کہ ہم جو دین پیش کررہے ہیں یہ کوئی نیا دین نہیں ہے. اللہ تعالٰی نے جتنے نبی بھیجے وہ سب صرف اللہ تعالٰی کی عبادت کرنے کی تعلیم دیتے تھے، شرک سے روکتے تھے اور توحید کی تلقین فرماتے تھے. حضرت عیسٰیؑ کی بھی یہی دعوت تھی. تم میں سے جو اصحابِ حق ہیں اور حقیقت کو جانتے اور مانتے ہیں انہیں اس کا اقرار ہے کہ حضرت عیسٰیؑ نے توحید کی دعوت دی، شرک سے منع فرمایا. لہٰذا اس عقیدہ کو مانو جو انہوں نے پیش فرمایا. اللہ تعالٰی کو وحدہٗ لاشریک جانو اور صرف اس کی عبادت کرو. اگر عیسٰیؑ کے بعد آنے والا نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسی بات کی دعوت دیتا ہے جو انبیاء سابقین علیہم الصلٰوۃ والسلام کی دعوت کے خلاف ہوتی تو تمہیں تامل کرنے کا موقع بھی تھا. خوب سمجھو اور حق قبول کرو.

جب آپ کی دعوت بھی وہی ہے اور دلائل اور معجزات سے بھی آپ کا نبی ہونا ثابت ہوگیا اور قرآنِ کریم کے مقابلہ میں کوئی سورت بنانے سے بھی عاجز ہوگئے تو حق سے کیوں منہ موڑتے ہو اور اسلام کو قبول نہ کرکے گمراہی پر کیوں جمے ہوئے ہو۔

آیتِ کریمہ کے آخر میں مسلمانوں سے خطاب فرمایا:

"فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ" (۳:۶۴)

ترجمہ: "اگر اہل کتاب سے روگردانی کریں تو تم علی الاعلان کہہ دو کہ ہم بے شک اسلام والے ہیں (تم جو حق سے منحرف ہو اس سے ہم پر کوئی اثر پڑنے والا نہیں)"

(۹) بعض جاہلوں نے آیت کریمہ کا یہ مطلب لیا ہے کہ "اے یہود و نصاریٰ عقیدہ توحید ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے۔ ہم بھی اسی کی دعوت دیں اور تم بھی" اور کہتے ہیں کہ العیاذ باللہ نجات کے لئے توحید کا اقراری ہونا کافی ہے، اسلام قبول کرنا ضروری نہیں۔ یہ ان لوگوں کی گمراہی ہے۔ اگر آیت کا یہ مطلب ہوتا جو ان جاہلوں نے بتایا ہے تو آخر میں یہ ارشاد کیوں ہوتا:

"فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ" اور:

"وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ" (۳:۸۵)

میں یہ کیوں ارشاد ہوتا ہے کہ:

"دینِ اسلام کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی دین مقبول نہیں"

آج کل دشمنانِ اسلام نے یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں کو مرتد بنانا یعنی دینِ کفر میں شامل کرلینا تو مشکل کام ہے۔ لہٰذا کم از کم یہ کرو کہ مسلمانوں کو اسلام سے ہٹا دو اور یہ سمجھا دو کہ کوئی بھی دین قبول کرلوگے تو نجات ہوجائے گی۔ (العیاذ باللہ) اس نظریہ کی حمایت میں مضامین لکھے جارہے ہیں۔ وحدتِ ادیان کے عنوان سے جلسے ہورہے ہیں اس لئے ہم نے تنبیہ کردی۔

(۱۰) آیتِ کریمہ میں جو "وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ"

فرمایا۔ اس میں یہ بتا دیا کہ سارے انسان اللہ کے بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی سب کا رب ہے۔ بندے آپس میں ایک دوسرے کو رب بنالیں اس کی اجازت خالق و مالک جل شانہٗ کی طرف سے نہیں ہے۔ اس میں عیسائیوں کی بھی تردید ہے جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ کو معبود بنالیا تھا حالانکہ حضرت عیسیٰؑ نے ان سے فرمایا تھا:

"یَابَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ وَمَاْوٰہُ النَّارُ" (۲:۵)

ترجمہ: "اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا بھی۔ بیشک جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنائے گا سو یہ یقینی بات ہے کہ اللہ اس پر جنت کو حرام کردے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا!"

نئے مجتہدین سے درخواست ہے کہ اپنی جان پر رحم کریں۔ دشمنوں کو اور نفس و شیطان کو راضی رکھنے اور دنیا آرام سے گزارنے کے لئے دینِ اسلام میں تحریف نہ کریں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

غزوۂ خیبر

سنہ ۷ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

خیبر میں جو یہودی آباد تھے ان میں قبیلہ بنو نضیر بھی تھا جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے جلاوطن کیا تھا، ان لوگوں نے خیبر میں قیام کر کے اسلام کے خلاف برابر سازشیں جاری رکھیں، غزوۂ خندق کا باعث بھی یہی لوگ بنے، انہوں نے قریش مکہ وغیرہ کو جا کر ورغلایا کہ تم لوگ مدینہ پر چڑھائی کرو اور بنو قریظہ کو بھی نقضِ عہد اور غدر پر آمادہ کر کے جنگِ احزاب میں قریشِ مکہ کا ساتھی بنا دیا تھا اور ان لوگوں کو جنگ پر آمادہ کر کے اپنی طرف سے مدد کرنے کا بھرپور یقین دلایا تھا، اور عجیب بات یہ ہے کہ جب مکہ کے مشرکوں نے اُن سے کہا کہ ہم لوگ پڑھے لکھے نہیں ہیں، دین اور مذہب کو تم زیادہ جانتے ہو، یہ تو بتاؤ کہ ہم لوگ جس دین پر ہیں (یعنی بُت پرستی) یہ ہدایت والا دین ہے یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس دین کی دعوت دے رہے ہیں یہ دین حق ہے؟ اس کے جواب میں یہودنے برملا کہا کہ تم صحیح راستہ پر ہو، حالانکہ ان کو معلوم تھا کہ شرک بدترین چیز ہے اور دل سے یہ بھی جانتے تھے کہ حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اسی کو قرآن مجید میں فرمایا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۤءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ (سورۂ نساء، ۵۱)

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ ملا ہے، پھر (باوجود اس کے) وہ بُت اور شیطان کو مانتے ہیں اور وہ لوگ (یعنی اہل کتاب) کفار (یعنی مشرکین) کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ (یعنی مشرکین) بہ نسبت مسلمانوں کے زیادہ راہ راست پر ہیں۔

درحقیقت ہٹ دھرمی بہت بُری چیز ہے، یہودی جانتے تھے اور آپس میں

تذکرہ کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی آخر الزماں ہیں لیکن مانتے نہیں تھے، دین سماوی کا علم ہونے کی وجہ سے یہود کو سب سے پہلے اسلام لانا چاہیئے تھا، لیکن وہ اوّلین کافر ہوئے اور جانتے پہچانتے ہوئے حق کو چھپایا اور اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کی کوشش کرتے رہے جو آج تک جاری ہے۔ اخزاہم اللہ تعالیٰ۔

غزوۂ خیبر کا مفصّل واقعہ

سنہ ھ میں جب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غزوۂ خیبر کے لئے تشریف لے جارہے تھے حضرت عامرؓ بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، حضرت عامرؓ شاعر آدمی تھے، اسلامی لشکر میں جو حضرات تھے ان میں سے کسی نے حضرت عامرؓ سے کہا کچھ دل لگی کی چیزیں سناؤ، وہ اپنی سواری سے اُترے اور حُدی پڑھتے ہوئے چلنے لگے اور مندرجہ ذیل اشعار پڑھنے لگے۔

(یہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دینی مزاج کی بات ہے کہ وقت کاٹنے کے لئے اور سفر کی مسافت قطع کرنے کے لئے بھی ان کا شاعر ایسے اشعار پڑھ رہا تھا جو اللہ کے ذکر اور شکر پر مشتمل ہیں اور جن میں بار بار شجاعت اور بہادری پر ابھارا جا رہا تھا اور اللہ سے مدد کا سوال کیا جا رہا تھا)۔

(۱) اَللّٰھُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا — وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا

(۲) فَاغْفِرْ فِدَآءً لَّكَ مَا اَبْقَیْنَا — وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّاقَیْنَا

(۳) وَاَلْقِیَنْ سَکِیْنَةً عَلَیْنَا — اِنَّا اِذَا صِیْحَ بِنَا اَبَیْنَا

(۴) وَبِالصِّیَاحِ عَوَّلُوْا عَلَیْنَا ٥

ترجمہ: (۱) اے اللہ اگر آپ ہدایت نہ دیتے تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ دیتے نہ نماز پڑھتے۔

(۲) پس تو بخش دے جو کچھ گناہ ہم نے اب تک کئے ہیں ہم تیرے دین پر فدا ہیں اور ہمارے قدم جما دینا اگر دشمنوں سے ہماری مُڈبھیڑ ہو جائے۔

(۳) اور تو ہم پر سکون اور اطمینان ڈال دے بلاشبہ جب ہم کو (باطل کے

سے، جیخ کر بلایا جائے تو ہم انکار کرتے ہیں۔"

(۴) اور (آپس میں) بلند آواز سے (ایک دوسرے کو بلاکر) ہمارے خلاف انہوں نے مدد طلب کی ہے۔"

(صحیح بخاری باب غزوہ خیبر، ص ۶۰۳ ج ۲ و ص ۹۰۰۰ ج ۱)

یہ اشعار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سن لئے، آپ نے فرمایا یہ کون شخص ہے جو (قافلہ کا) سائق ہے (چونکہ یہ صاحب بطور حُدی اشعار پڑھ رہے تھے اور قافلہ کو اشعار سُناکر کے کرچل رہے تھے اس لئے ان کو سائق فرمایا)۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یہ سائق عامر بن الاکوع ہیں آپ نے فرمایا یَرْحَمُہُ اللّٰہُ (اللہ کی اس پر رحمت ہو) اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت عامرؓ نے خود جواب دیا کہ میں عامر ہوں، اس پر آپ نے فرمایا غَفَرَ لَکَ رَبُّکَ (اللہ تجھے بخش دے) جب آپؐ نے یہ فرمایا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ (ان کے لئے جنت واجب ہوگئی، (کیونکہ آپؐ کا یرحمہ اللہ فرمانا اور مغفرت کی دُعا دینا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ عامر عنقریب ہی شہید ہوں گے)۔

پھر عرض کیا کہ یا نبی اللہ! آپ نے ہم کو ان سے (مزید) فائدہ اٹھانے کا موقع کیوں نہ دیا؟ (یعنی آپ نے ایسی دُعا فرمائی جس سے مستقبل قریب میں شہید ہونے کا پتہ چلتا ہے، یہ دُعا ابھی نہ فرماتے، یا اس کے بجائے درازیٔ عمر کی دُعا فرمادیتے۔

اس کے بعد لشکر چلتا رہا، اور آنحضرت سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لشکر کے ساتھ رات کو خیبر پہنچے، آپؐ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کسی قوم کے علاقہ میں رات کو پہنچتے تھے تو صبح تک وہاں کے باشندوں کے قریب نہیں جاتے تھے صبح ہوجانے پر اذان کا انتظار فرماتے تھے، اگر اذان کی آواز آجاتی تو رُک جاتے ورنہ حملہ کردیتے تھے (لہٰذا آبادی سے دور قیام پذیر رہے) جب صبح ہوگئی تو یہودی آبادی سے اپنے (کسب کے آلات) پھاوڑے اور ٹوکریاں لے کر نکلے، جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا تو بول اٹھے وَاللّٰہِ مُحَمَّدٌ

قَالَخَمِیْسُ (کہ اللہ کی قسم! محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لشکر کے ساتھ پہنچ گئے) آپ نے اس پر فرمایا: اَللّٰہُ اَکْبَرُ خَرِبَتْ خَیْبَرُ اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَۃِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ ۔ (اللہ سب سے بڑا ہے، بلاشبہ جب ہم کسی قوم کی سرزمین میں اتر جائیں تو ان لوگوں کی صبح بہت بُری ہوگی، جن کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرایا گیا (مگر وہ نہ ڈرے، اور کفر پر جمے رہے)۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لشکر کے ساتھ دیکھ کر یہودی قلعوں میں پناہ گزین ہوگئے، ان لوگوں نے متعدد قلعے بنا رکھے تھے، انہی میں رہتے تھے۔ جب یہ لوگ قلعوں میں پناہ گزین ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کرلیا، محاصرہ کے دوران حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بہت تکلیف پہنچی اور سخت بھوک سے دوچار ہوئے [1]

ایک ایک کرکے قلعہ فتح ہوتا جاتا تھا۔ سب سے آخر میں یہودیوں نے اپنے قلعہ وطیح اور سلالم میں پناہ لی، یہ دونوں قلعے سب سے آخر میں فتح ہوئے قلعوں کا محاصرہ دس پندرہ دن رہا (بذل المجہود از تاریخ الخمیس) اور آخری فتح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہوئی جس رات کی صبح کو قلعہ فتح ہونے والا تھا اس رات میں آنحضرت سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں کل ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھوں اللہ فتح یابی نصیب فرمائے گا، یہ ایسا شخص ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے، اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔ رات بھر لوگ خیالات دوڑاتے رہے کہ دیکھو کس کو جھنڈا دیا جاتا ہے۔ صبح ہوئی تو بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور ہر ایک کو یہ امید تھی کہ مجھے جھنڈا عطا ہوگا، آنحضرت سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا کہ ان کی آنکھیں دکھ رہی ہیں، فرمایا ان کو بلاؤ، چنانچہ

---

[1] بخاری و مسلم، ۱۲۰

ان کو لایا گیا، جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا اور اسی وقت ان کی آنکھیں اچھی ہوگئیں گویا کہ کوئی تکلیف ہی نہ تھی، ان کو آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جھنڈا دیا اور فرمایا کہ جاؤ ان کو اسلام کی دعوت دو اور اللہ کے حقوق جو ان پر واجب ہیں بتادو اللہ کی قسم تیرے ذریعہ اللہ تعالیٰ کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تیرے لئے سُرخ اُونٹوں سے بہتر ہے [1]

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھنڈا لے کر آگے بڑھے، یہودیوں کا سردار اکڑتے ہوئے اور تلوار کو اوپر نیچے کرتے ہوئے نکلا اور اس نے دست بدست مقابلہ کے لئے چیلنج کیا اور یہ رجزیہ کلمات کہے ؎

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اَنِّیْ مَرْحَبُ ۔۔۔ شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُّجَرَّبُ
اِذَا الْحُرُوْبُ اَقْبَلَتْ تَلَهَّبُ

"تحقیق خیبر (والوں) کو معلوم ہے کہ میں مرحب ہوں، ہتھیاروں کے ساتھ مکمل طریقہ پر مضبوط ہوں، آزمایا ہوا پہلوان ہوں جس وقت کہ جنگیں شعلہ زن ہونے لگیں"

اُس کا چیلنج سن کر حضرت عامر بن الاکوع رضی اللہ عنہ نکلے اور یہ شعر پڑھا ؎

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اَنِّیْ عَامِرٌ ۔۔۔ شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُّغَامِرٌ

"تحقیق خیبر (والوں) کو معلوم ہے کہ میں عامر ہوں، ہتھیار لگائے ہوئے پوری طرح مضبوط ہوں، پہلوان ہوں سختیوں میں گھس جانے والا ہوں"

اس کے بعد دونوں جانب سے دو وار ہوئے، پھر حضرت عامرؓ کی تلوار مرحب کی ڈھال میں گڑ گئی، حضرت عامرؓ نے چاہا کہ نیچے جھک کر مرحب پر حملہ کریں لیکن خود ان کی اپنی تلوار اُن کو لگ گئی، جس سے گھٹنے میں سخت چوٹ آئی اور بعض روایات میں

---

[1] صحیح بخاری ۱۲۔ اہلِ عرب کو سُرخ اونٹ بہت پسند تھے، اگر مفت مل جائیں تو پھر کیا کہنا، اسی کے پیشِ نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات فرماتے ۱۲۔

ہے کہ ہاتھ کی رگ میں زخم آگیا، کسی روایت میں ہے کہ بہت زیادہ زخمی ہوگئے جس کی وجہ سے اُن کی وفات ہوگئی۔

پھر حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مرحب کا مقابلہ ہوا، مرحب نے وہی رجزیہ کلمات کہہ کر مقابلہ کی دعوت دی، اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے یہ پڑھا۔

أَنَا الَّذِي سَمَّتْنِي أُمِّي حَيْدَرَهْ ‌ ‌ ‌ ‌ كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيهِ الْمَنْظَرَهْ
أُوفِيهِمُ بِالصَّاعِ كَيْلَ السَّنْدَرَهْ

"میں وہی ہوں جس کی ماں نے حیدر[1] نام رکھا، جنگلوں کے شیر کی طرح ہوں جس کے دیکھنے سے ڈر لگتا ہو، میں دشمنوں کو ان کی خوراک (یعنی قتل) بھرپور پیمانے کے ذریعہ پیش کرتا ہوں"

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مرحب کے سر پر وار کیا اور اس کو قتل کر دیا، یہودیوں کا سردار قتل ہوگیا[2] یہودیوں کو شکست اور مسلمانوں کو فتح ہوئی خیبر فتح ہوا اور غنیمت میں بہت بڑی اراضی اور اموال کثیرہ ہاتھ آئے۔

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح خیبر کے بعد جب واپس ہو رہے تھے تو آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے غمگین حالت پر دیکھ کر فرمایا کہ تمہیں کیا ہوا (غم کی کیا بات ہے؟) میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ عامر[*] کے سب اعمال

---

[1] حیدر لغت میں شیر کو کہتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد نے ان کا نام علی اور والدہ نے حیدر رکھا تھا۔ اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنے اس نام کو ظاہر کرنا اس لئے مناسب تھا کہ مرحب نے خواب دیکھا کہ مجھے ایک شیر قتل کرے گا۔ مقصود یہ تھا کہ اس کو ڈرائیں اور یقین دلائیں کہ تو ابھی مرنے والا ہے ۱۲۔ [2] صحیح مسلم وفتح الباری ۱۲

[*] حضرت عامر بن الاکوع حضرت سلمہ بن الاکوع کے بھائی تھے اور بعض روایات میں ہے کہ چچا تھے، کما جاء مصرحاً فی صحیح مسلم، امام نوویؒ شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ نسبی رشتہ میں چچا ہوں اور رضاعی رشتہ سے بھائی ہوں ۱۲۔

ضبط یعنی ختم ہو گئے (اُن کو کوئی ثواب نہ ملے گا کیونکہ وہ اپنی تلوار سے مقتول ہو گئے) آپؐ نے فرمایا وہ جھوٹا ہے جس نے ایسا کہا ہے بلاشبہ اس کے دو اجر ہیں، اور آپؐ نے دو انگلیاں ملا کر فرمایا کہ بلاشبہ وہ جاہد اور مجاہد تھا (یعنی اللہ کی فرمانبرداری میں مشقت اٹھانے والا اور اس کے دشمنوں سے جنگ کرنے والا تھا اور اسی حال میں اس کی موت واقع ہوئی ہے) ایسے عربی کم ہیں جو اس جیسے ہوں[۱]۔

حضرت عامر بن الاکوعؓ کا تیسرا مصراع فَاغْفِرْ فِدَاءً لَّكَ مَا اَبْقَيْنَا ہے اس میں شرّاح نے فِدَاءً لَّكَ پر بہت اشکال کیا ہے کہ "تجھ پر فدا ہوں" یہ تو اس کے لئے بولا جاتا ہے جو فانی ہو جس کی جان جانے والی ہو، اللہ تعالےٰ حیّ و قیوم ہے، اس کے لئے یہ کیسے بولا گیا؟ پھر اس کے کئی جواب دیئے ہیں اور بعض جوابات پر اشکال بھی کیا ہے۔ ہم نے جو ترجمہ کیا ہے اس سے سب اشکالات دُور ہو جاتے ہیں، "یعنی اے اللہ ہم تیرے دین پر فدا ہیں، اس کو مٹنے نہ دیں گے اپنی جان پر کھیل جائیں گے، مگر تیرے دین کو باقی رکھیں گے"۔ اس میں صرف مضاف مقدر ماننا پڑتا ہے، تقدیر عبارت یوں ہوئی فِدَاءً لِّدِيْنِكَ مَا اَبْقَيْنَا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ امام احمدؒ کی روایت میں مذکورہ اشعار کے ساتھ کچھ زائد الفاظ بھی ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

اِنَّ الَّذِیْ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا　　اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا
وَنَحْنُ عَنْ فَضْلِكَ مَا اسْتَغْنَيْنَا

ترجمہ: بے شک اُن لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہے، یہ لوگ جب فتنہ کا ارادہ کریں گے تو ہم انکار کریں گے، اے اللہ ہم تیرے فضل سے مستغنی نہیں ہیں"۔

آخری مصراع صحیح مسلم میں بھی ہے۔

---

[۱] صحیح البخاری ۱۲۔

ع یہ ترجمہ قل عربی مشابہا مثلہ کا ہے، دوسری روایت یوں ہے "قل عربی مشی بہا مثلہ" اس کا ترجمہ یوں ہے کہ "ایسے عربی کم ہیں جو (اخلاق و اعمال میں) اس کی طرح چلے ہوں"۔ ۱۲

حضرت عامر بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیبر کو جاتے ہوئے راستہ میں جو اشعار پڑھتے تھے اُن کے بعض مصرعے نئے ہیں اور اکثر وہ ہیں جو غزوۂ خندق کے بیان میں گذر چکے ہیں، وہاں عرض کیا گیا تھا کہ یہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار ہیں اور یہاں حضرت عامرؓ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں، اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں (باب غزوۂ خیبر) میں تحریر فرماتے ہیں:

يُحْتَمَلُ اَنْ يَّكُوْنَ هُوَ وَعَامِر تَوَارَدَا عَلٰى مَا تَوَارَدَا مِنْهُ بِدَلِيْلِ مَا وَقَعَ لِكُلٍّ مِّنْهُمَا مِمَّا لَيْسَ عِنْدَ الْاٰخَر اَوْ اسْتَعَان عَامِر بِبَعْضِ مَا سَبَقَهُ اِلَيْهِ ابْن رَوَاحَة ۔

"یعنی ممکن ہے کہ دونوں کے ذہن میں بطور توارد مشترک اشعار آگئے ہوں، ایک نے دوسرے سے نہ لئے ہوں، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ہر ایک کے اشعار میں کچھ ایسی زیادتی ہے جو دوسرے کے اشعار میں نہیں ہے اور یہ ممکن ہے کہ حضرت عامر نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کے بعض مصرعے لے کر اپنے اشعار میں شامل کرلئے ہوں"

قتل و قتال اور محاصرہ کے بعد جب یہود کو شکست ہوگئی تو وہ جلاوطن ہونے پر راضی ہوگئے۔ اُن کی یہ بات اس شرط پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تسلیم فرمائی کہ سونا چاندی اور ہتھیاروں کے علاوہ جو کچھ سواریوں پر لے جاسکتے ہوں لے جائیں، اور آپؐ نے یہ شرط بھی لگائی کہ (سونے چاندی میں سے) کچھ چھپائیں گے نہیں، اگر ایسی حرکت کی تو ہم پر کسی قسم کی کوئی ذمہ داری یا عہد کی پابندی نہیں ہوگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بنی نضیر کو مدینہ منوّرہ سے (خیبر کی طرف) جلاوطن کیا تھا اس وقت حُیَیُّ بن اخطب چمڑے کے ایک تھیلہ میں یہودیوں کا سونا چاندی اور زیورات لے کر روانہ ہوگیا تھا، یہ مال یہودیوں کے پاس محفوظ تھا اور حُیَیّ غزوۂ خیبر سے پہلے مقتول ہوچکا تھا، آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

سعیہ نامی یہودی سے دریافت کیا کہ وہ حُیَی والا تھیلہ کہاں ہے ؟ اس نے کہا اس کو تو لڑائیوں نے اور طرح طرح کے اخراجات نے ختم کر دیا، اس کے بعد حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے یہ تھیلہ ایک جگہ پالیا اور اس سے یہود کی بدعہدی ثابت ہوگئی (کیونکہ یہ طے پایا تھا کہ کچھ پوشیدہ نہ کریں گے) لہٰذا آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابن ابی الحُقیق کو قتل کر دیا، اور اُن کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا، اور ان لوگوں کو وہاں سے جلاوطن کرنے کا فیصلہ فرمالیا۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہم کو یہیں رہنے دیں، ہم زمین میں محنت کریں گے اور پیداوار نصف آپ کی اور نصف ہماری ہوگی اور جب تک آپ کی رائے ہو ہم کو اس معاملہ پر برقرار رکھیں[1]۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بات منظور فرمائی اور فرمایا:

"نقرکم علی ذٰلک ما شئنا" یعنی ہم تم کو مذکورہ معاملہ پر یہاں ٹھہرنے کا موقع دیتے ہیں، جب تک ہماری مرضی ہو !!

چنانچہ یہ لوگ وہاں ٹھہر گئے، زمین پر اُن کا مالکانہ تصرف نہ تھا، اور وہاں کی آمدنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی صواب دید سے خرچ فرماتے تھے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ بھی اسی طرح انہی مصارف میں خرچ فرماتے رہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خرچ فرماتے، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی طرح خرچ فرماتے تھے۔ بالآخر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہودیوں کو خیبر سے نکال دیا۔ اور یہ لوگ تیماء اور ریحا چلے گئے[1] (یہ دونوں جگہیں بلادِ طے کے قریب شام کی جانب ہیں)۔

---

[1] سنن ابی داؤد باب ما جاء فی حکم خیبر ۱۲

غزوۂ ذات الرقاع ۵ھ ہجری

۵ھ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قبیلۂ بنی محارب اور بنی ثعلبہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے لشکر تیار کر رہے ہیں۔ یہ خبر سن کر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ چار سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا لشکر لے کر نجد کی طرف روانہ ہوگئے۔ وہاں پہنچ کر قبیلۂ غطفان کے کچھ لوگ ملے (بنی محارب اور بنی ثعلبہ دونوں قبیلۂ غطفان کی شاخیں ہیں) لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔

پہلی صلاۃ الخوف

اس موقع پر جب جنگ کے حالات تھے اگرچہ جنگ کی نوبت نہ آئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلاۃ الخوف پڑھائی جس کا طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے لشکر کا ایک گروہ دشمن کے مقابلے میں ڈٹا رہے اور دوسرا گروہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھے پھر محاذ پر چلا جائے اور دوسرا گروہ آکر ایک رکعت امام کی اقتداء میں پڑھے پھر یہ گروہ محاذ پر چلا جائے اور پہلا گروہ آکر اپنی نماز پوری کرے۔ پھر دوسرا گروہ آکر نماز پوری کرے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ پہلی صلاۃ الخوف تھی [1]

ذات الرقاع کے کیا معنیٰ ہیں

"رقاع" عربی زبان میں چیتھڑوں (یعنی کپڑے کے ٹکڑوں) کو کہتے ہیں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس غزوہ میں چلتے چلتے ہمارے پیر پھٹ گئے تھے پھر ہمیں اپنے پیروں پر کپڑے لپیٹنے پڑے۔ اسی وجہ سے اس غزوہ کو "ذات الرقاع" کہا جاتا ہے۔ [2]

---

[1] عیون الاثر ص۵۲ ج۲ [2] بخاری شریف۔

اس غزوہ کی تاریخ میں اختلاف ہے محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ جمادی الاولیٰ ۴ھ ہجری میں پیش آیا اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ غزوۂ خیبر کے بعد ۷ھ ہجری میں غزوۂ ذات الرقاع ہوا۔ کیونکہ حضرت ابو موسیٰ اشعری اس میں شریک تھے جو غزوۂ خیبر کے بعد مسلمان ہوئے ہیں نیز حضرت ابو ہریرہؓ کی شرکت بھی ثابت ہے اور وہ بھی غزوۂ خیبر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وجہ سے ۷ھ والا قول ہی راجح ہے۔

ایک صحابی کا حیرت انگیز واقعہ

یہاں سے چل کر آپؐ ایک گھاٹی پر ٹھہرے۔ عمار بن یاسر اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہما کو درہ کی حفاظت کے لئے مقرر فرمایا آپس میں ان دونوں نے یہ طے کیا کہ اوّل نصف شب میں عبّاد اور آخر نصف شب میں عمار جاگیں اس کے مطابق عمّار بن یاسرؓ تو سو گئے اور عبّاد بن بشیر رضی اللہ عنہ عبادت کے لئے کھڑے ہو گئے اور نماز کی نیّت باندھ لی۔

ایک کافر نے آپ کو دیکھ کر یہ پہچان لیا کہ یہ مسلمانوں کے پاسبان ہیں ایک تیر مارا جو ٹھیک نشانہ پر پہنچا مگر عبّاد بن بشر رضی اللہ تعالےٰ عنہ جن کے رگ و ریشہ میں معبودِ حقیقی کی عبودیت اور بندگی سرایت کر چکی تھی اور سرتاپا مولائے حقیقی کی محبت میں سرشار تھے اور ایمان و احسان کی حلاوت ان کے دل میں اُتر چکی تھی تیر و سنان کب ان کی عبادت میں مخل ہو سکتا تھا۔ برابر اسی طرح نماز میں مشغول رہے اور تیر نکال کر پھینک دیا۔ اس کافر نے ایک دوسرا تیر مارا انہوں نے اس کو بھی نکال کر پھینک دیا اور نماز جاری رکھی۔ اس نے تیسرا تیر مارا۔ اب یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں دشمن کمین گاہ سے حملہ نہ کر دے اور جس غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہاں متعین کیا ہے وہ غرض نہ فوت ہو جائے اس لئے نماز کو پورا کیا اور نماز پوری کرنے کے بعد ساتھی کو جگایا کہ اُٹھو زخمی ہو گیا ہوں، دشمن ان کو جگاتے دیکھ کر فرار ہو گیا۔ عمّار بن یاسرؓ

بیدار ہوئے اور دیکھ کر کہ جسم سے خون جاری ہے کہا سُبحان اللہ تم نے مجھ کو پہلے ہی تیر میں کیوں نہ جگایا؟ کہا میں ایک سُورت پڑھ رہا تھا اس کو درمیان میں چھوڑنا اچھا نہ معلوم ہوا، جب پے در پے تیر لگے تب میں نے نماز پوری کی اور تم کو جگایا۔ خُدا کی قسم اگر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کا خیال نہ ہوتا تو نماز ختم ہونے سے پہلے میری جان ختم ہو جاتی۔

عمرۃ القضاء ۷ھ ہجری

۶ھ ہجری میں صلح حدیبیہ کے مُعاہدہ کے مطابق آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم عمرہ کئے بغیر ہدی کا جانور قربان کرکے اور حلق کرا کر واپس مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تھے۔ ۷ھ ہجری میں ذی القعدہ کا چاند نظر آنے کے بعد آپؐ نے اس عمرہ کی قضا کے لئے روانگی کا حکم فرمایا اور اعلان فرما دیا کہ جو لوگ حدیبیہ کے مقام پر عمرہ سے روک دیئے گئے تھے ان میں سے کوئی پیچھے نہ رہے بلکہ سب اس عُمرہ کی قضا کا احرام باندھیں۔ چنانچہ اس عرصے میں شہید ہونے والے اور وفات پانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ سب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ روانہ ہوئے[1] ہدی کے ستّر اونٹ آپؐ نے ساتھ لئے اور دو ہزار جانثاروں کے ساتھ مکّہ معظّمہ کے لئے روانہ ہوئے جن میں عمرۃ القضا کرنے کے علاوہ دیگر لوگ بھی تھے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے رجزیہ اشعار

اور عبداللہ بن رواحہؓ آپ کی ناقہ قصواء کی مہار پکڑے ہوئے یہ رجز پڑھتے ہوئے آگے آگے تھے۔

خلّوا بنی الکفار عن سبیلہ	قد انزل الرّحمٰن فی تنزیلہ
ترجمہ: اے کافرو! آپؐ کا راستہ چھوڑ دو	اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ حکم نازل کیا ہے

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۸۷ ج ۲ ۔ زرقانی ص ۳۰۴ ج ۲

بان خیر القتل فی سبیله　　نحن قتلناکم علی تاویله

کما قتلناکم علی تنزیله　　(رواہ عبدالرزاق عن انسؓ)

ترجمہ: کہ بہترین قتل وہ ہے کہ خدا کی راہ میں ہو ہم نے تم سے جہاد و قتال کیا اس کا حکم نہ ماننے کی وجہ سے جیسے قرآن منزل من اللہ کے نہ ماننے کی وجہ سے تم سے قتال کیا۔ (یعنی تمہارا کفر اور اسلام دشمنی جنگ کا سبب بنی)۔

اور بیہقی کی روایت میں اس کے بعد یہ زیادہ ہے۔

الیوم نضربکم علی تنزیله　　ضربًا یزیل الهام عن مقیله

ترجمہ۔ آج اللہ کے حکم کے مطابق ایسا ماریں گے کہ تمہاری کھوپڑی سر سے الگ ہو جائے۔

ویذهل الخلیل عن خلیله　　یارب انی مؤمن بقیله

ترجمہ: اور دوست کو دوست سے بے خبر بنا دے اے اللہ میں اس کے قول پر ایمان رکھتا ہوں۔

حضرت عمرؓ نے کہا اے ابن رواحہ! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور اللہ کے حرم میں شعر پڑھتا ہے۔ آپ نے فرمایا اے عمرؓ رہنے دو۔ یہ شعر کافروں کے حق میں تیر برسانے سے زیادہ سخت ہیں۔ (رواہ الترمذی والنسائی وقال الترمذی۔ حسن غریب)، یہ تمام تفصیل فتح الباری ص ۳۸۳ ج ۷ میں مذکور ہے۔

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا اے عمرؓ! میں سُن رہا ہوں اور عبداللہ بن رواحہ کو یہ حکم دیا کہ اے ابن رواحہ یہ پڑھو۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ. نَصَرَ عَبْدَهٗ وَ اَعَزَّ جُنْدَهٗ. وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ.

ترجمہ: کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا وہ یکتا ہے، اسی نے اپنے بندہ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد فرمائی اور اپنے لشکر (یعنی مسلمان مجاہدین) کو عزت دی اور اسی نے تمام لشکروں (یعنی دشمنانِ اسلام کی فوجوں) کو شکست دی۔

عبداللہ بن رواحہؓ کے ساتھ اور صحابہ بھی ان کلمات کو پڑھتے جاتے تھے۔

آپؐ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ بیت اللہ کا طواف کیا اور سعی بین الصفا والمروہ کرکے ہدی کے جانور قربان کئے اور حلق کراکر احرام کھول دیا۔ پھر کعبۃ اللہ کے اندر تشریف لے گئے۔ ظہر تک اندر ہی رہے۔ آپؐ کے حکم سے خانہ کعبہ کی چھت پر حضرت بلالؓ نے ظہر کی اذان دی۔[1]

حضرت میمونہؓ سے نکاح

عمرہ ادا فرمانے کے بعد تین روز تک آپؐ نے مکہ معظمہ میں قیام فرمایا اور حضرت میمونہ بنت الحارث سے نکاح فرمایا۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق آپؐ نے یہ نکاح حالتِ احرام میں کیا تھا اور حافظ ابن حجرؒ نے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ البتہ رخصتی اور ولیمہ احرام کھولنے کے بعد ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے مہلت طلب فرمائی کہ اگر تم لوگ مہلت دو تو میمونہ بنت الحارث کی عروسی اور دعوتِ ولیمہ مکہ معظمہ میں کرلوں۔ ان لوگوں نے نہایت ترشروئی اور بداخلاقی سے جواب دیا کہ آپ چلے جائیے۔

مکہ معظمہ سے واپسی

قریش کا یہ جواب سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو کوچ کرنے کا حکم فرمایا اور مقام سرف میں پہنچ کر حضرت میمونہ کی عروسی ہوئی[2] ذی الحجہؓ کے مہینے میں آپؐ واپس مدینہ طیبہ پہنچے اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح کی یہ آیت نازل فرمائی۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا (۲۷)

---

[1] الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۸۸۔ [2] ابن ہشام ج ۲ ص ۲۰۲

عمرۃ القضاء سے فارغ ہو کر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے روانہ ہونے لگے تو حضرت حمزہؓ کی چھوٹی صاحبزادی آپ کو چچا جان چچا جان پکارتی ہوئی آپ کے پاس آئیں جو اس وقت چھوٹی سی بچی تھیں۔ حضرت علیؓ نے فوراً ان کو اٹھا لیا۔ اب حضرت علیؓ اور حضرت جعفرؓ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ میں اختلاف ہوا۔ ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ میری پرورش میں رہے اور یتیم بچی کی پرورش کا ثواب مجھے ملے۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور میں نے اس کو اٹھا لیا ہے۔ حضرت جعفرؓ نے کہا میرے چچا کی لڑکی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے۔ حضرت زیدؓ نے کہا کہ میرے اسلامی اور دینی بھائی کی لڑکی ہے اور میں اس کی کفالت کرنا چاہتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ لڑکی اپنی خالہ کے پاس رہے اور یہ ارشاد فرمایا کہ خالہ کا درجہ ماں کے برابر ہے[1]۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ کے بھتیجے ہونے کے ساتھ ان کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ اسی وجہ سے حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی آپ کو چچا جان کہہ کر پکار رہی تھیں۔

---

[1] رواہ البخاری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فتح مکہ ۸ ہجری

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں پر غلبہ عطا کرنے کا وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا جا چکا تھا۔ آپؐ کے جانثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عزم و استقلال کے پہاڑ تھے اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہر امتحان میں پورے اترتے تھے اور خود امام الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین حق کی دعوت و تبلیغ اور فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں جو تکلیفیں اٹھائی تھیں وہ کسی اور نے نہیں اٹھائیں۔ اب جبکہ آزمائش و امتحان ہو چکا تو فتح مبین کی خوشخبری سنائی گئی۔

سنہ ۶ ہجری میں حدیبیہ کے مقام پر جو معاہدہ ہوا تھا اس کی ایک شق یہ تھی کہ دس سال تک جنگ نہ ہوگی کوئی فریق دوسرے پر حملہ نہ کرے گا اور جو قبیلہ چاہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہو جائے اور جو چاہے قریش کی طرف مل جائے۔ اس کے موافق بنو خزاعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور بنو بکر قریش مکہ کے ساتھ معاہدہ میں داخل ہو گئے تھے۔

ابھی معاہدہ کو دو سال بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ قبیلہ بنو بکر نے (جو قریش کا حلیف تھا) بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا (جو معاہدہ میں مسلمانوں کے ساتھ شامل تھا)۔

اور بجائے اس کے کہ قریش مکہ ان کو عہد شکنی اور ظلم سے روکتے انہوں نے الٹا قبیلہ بنو بکر کی مدد کی اور اسلحہ بھی فراہم کیا۔ سردارانِ قریش خود بھی نقاب پوش ہو کر بنو خزاعہ پر حملے میں شریک ہوئے۔

بنو خزاعہ کے لوگوں نے امان بھی طلب کی اور کعبہ شریف کی طرف بھاگ کر

پناہ حاصل کرنا چاہی لیکن ظالموں نے ہر جگہ ان کا تعاقب کیا اور انہیں تہہ تیغ کیا۔
بنو خزاعہ کے چالیس آدمی جان بچا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور بنو بکر کے ظلم و ستم اور اپنی مظلومی کی داستان سنائی۔ عمرو بن سالم خزاعی نے ایک درد بھری نظم پیش کی جس کے چند اشعار مندرجہ ذیل ہیں۔

إِنَّ قُرَيْشًا أَخْلَفُوْكَ الْمَوْعِدَا ۔۔۔ وَنَقَضُوْا مِيْثَاقَكَ الْمُؤَكَّدَا
وَهُمْ أَذَلُّ وَأَقَلُّ عَدَدًا ۔۔۔ هُمْ بَيَّتُوْنَا بِالْوَتِيْرِ هُجَّدًا
فَقَتَلُوْنَا رُكَّعًا وَّسُجَّدًا

ترجمہ: "قریش نے آپؐ سے وعدہ خلافی کی، انہوں نے اس مضبوط معاہدہ کو توڑ ڈالا جو انہوں نے آپؐ سے کیا تھا، حالانکہ وہ گمراہ اور تعداد میں قلیل ہیں انہوں نے مقام وتیر میں رات کے وقت ہم پر حملہ کر دیا، اور ہمیں رکوع و سجود کی حالت میں بھی قتل کیا۔"

معجم البلدان میں ہے کہ "وتیر" ایک چشمہ کا نام ہے جس کے ارد گرد بنو خزاعہ آباد تھے۔

اب جبکہ قریش مکہ اور ان کے حلفاء معاہدہ کو خود توڑ چکے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر بھی اس معاہدہ کی پابندی لازم نہ رہی۔ نیز مظلوم کی مدد جو کہ فرض بھی تھی اور معاہدہ کے مطابق بھی تھی اس غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانثاروں کو لشکر کی تیاری کا حکم دیا کہ مکہ معظمہ کو کافروں اور ظالموں کے تسلط سے آزاد کرانے اور کعبہ شریف کو شرک سے پاک کرنے کے لئے یہ لازم تھا۔
اس دوران ابو سفیان معاہدۂ صلح کی تجدید کے لئے گفتگو کرنے آیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً بالکل خاموشی اختیار فرمائی اور وہ بغیر کوئی واضح جواب لئے واپس لوٹ گیا جس پر اس کی قوم نے اس کو بہت ملامت کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا لشکر لے کر مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے [1]

---

[1] بائبل کی پیشگوئی بھی یہی تھی کہ اللہ کا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار کا لشکر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ابھی دو منزل ہی چلے تھے کہ ابوسفیان بن الحارث اور عبداللہ بن امیہؓ سے ملاقات ہوئی۔ یہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ایذا پہنچا چکے تھے اور اسلام کو مٹانے کی بہت کوششیں کر چکے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں دیکھا تو رُخِ انور پھیر لیا۔ حضرت اُمِّ سلمہؓ نے ان کی سفارش کی کہ:

"یا رسول اللہ! ابوسفیان آپ کے حقیقی چچا کا بیٹا ہے اور عبداللہ حقیقی پھوپی کا بیٹا ہے آپ ان سے درگزر فرمائیں اور لطف وعنایت سے محروم نہ فرمائیں۔"

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ان دونوں سے فرمایا کہ دونوں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر ان الفاظ میں معافی طلب کرو جن الفاظ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے معافی کی درخواست کی تھی امید ہے تم معافی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ ان دونوں نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا۔

"تاللہ لقد آثرک اللہ علینا وإن کنا لخاطئین۔"

ترجمہ: "تحقیق اللہ تعالیٰ نے ہمارے مقابلے میں آپ کو عزت ونصرت کے ذریعے ترجیح دی اور ہم یقیناً خطا دار تھے۔"

رحمتِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

لا تثریب علیکم الیوم۔ یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین۔

ترجمہ: "آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ اللہ تعالیٰ تم کو معاف فرمائے اور وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ سے پیوستہ) لے کر فاران کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہوگا۔ فاران مکہ معظمہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ بائیبل کے جو نئے ایڈیشن شائع ہو رہے ہیں ان میں اس پیشگوئی کو بدل دیا گیا ہے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق نہ آئے لیکن ظالم یہ نہیں سمجھتے کہ حقائق کو مسخ کرنے سے حقائق بدلتے نہیں۔

ابو سفیان معافی حاصل کر کے اس درجہ خوش ہوا کہ اس نے خوشی میں چند اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ ہے۔

" قسم ہے جب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف علم اٹھاتا تھا تاکہ بتوں کے لشکر ان کے لشکر پر غالب آجائیں۔ اس وقت میں اندھیری رات میں ٹکریں کھانے والے کی طرح تھا۔ اب وقت آگیا کہ میں ہدایت کے راستہ پر آجاؤں اس شخص کے ذریعے مجھے ہدایت ملی جس کو میں نے چھوڑ دیا تھا"

یہ سن کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ہاں تم تو مجھے چھوڑتے ہی رہے تھے[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ مکہ معظمہ تک اسلامی فوج کے پہنچنے سے قبل مشرکین کو خبر نہ ہو، اور ایسا ہی ہوا۔ مکہ معظمہ کے قریب پہنچ کر آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو حکم دیا کہ اہل مکہ پر اپنی تعداد کی کثرت ظاہر کرنے کے لئے ہر دس آدمی الگ الگ آگ روشن کریں۔ یہ جنگی حکمت عملی تھی جو کامیاب رہی۔ مشرکین اس آگ کی روشنی کو دیکھ کر حیرت زدہ بھی ہوئے اور مرعوب بھی۔

مکہ معظمہ میں فاتحانہ داخلہ اور فاتح اعظم، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے رحم و کرم کا اعلان

فاتح اعظم رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں ۲۰ رمضان المبارک ۸ھ کو داخل ہوئے، دس ہزار جانثاروں کا لشکر آپ کے ہمراہ تھا۔ سبحان اللہ یہ وہی شہر ہے جہاں آپ کا جینا دوبھر کیا گیا تھا، جہاں آپ پر اور آپ کے اصحاب پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے تھے، جہاں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنا سب سے بڑا جرم

---

[1] زاد المعاد ج ۱ ص ۴۱۲

قرار دیا جاتا تھا، آج جب رسُولِ برحق محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم فاتح بن کر اس شہر میں داخل ہو رہے ہیں تو انکساری اور تواضع کی وجہ سے گردن جھکا رکھی ہے، نہ طاقت کا غرور ہے نہ سلطنت کا نشہ ہے اس وجہ سے کہ یہ بادشاہت نہیں نبوت ہے۔ آسمان نے آج تک ہزاروں فاتحین کا حال دیکھا ہوگا لیکن "فتح مکہ" جیسے احوال کبھی نہ دیکھے ہوں گے۔

اسلامی فوج کو ہدایات رحم وکرم

رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے لشکر کو مندرجہ ذیل ہدایات دیں۔

(۱) جو لوگ مقابلہ نہ کریں اور ہتھیار پھینک دیں انہیں قتل نہ کیا جائے۔
(۲) جو شخص اپنے گھر میں رہے اس کو بھی قتل نہ کیا جائے (یعنی گھر میں گھس کر کسی کو نہ مارا جائے)۔
(۳) جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے اس کو بھی امن حاصل ہوگا۔[۱]
(۴) جو شخص حکیم بن حزام کے گھر پناہ لے اسے بھی قتل نہ کیا جائے۔
(۵) جو بھاگ نکلے اس کا پیچھا نہ کیا جائے۔
(۶) جو زخمی ہو جائے اس کو قتل نہ کیا جائے۔
(۷) کسی قیدی کو بھی قتل نہ کیا جائے۔

اس قدر رعایت کا اعلان سننے کے بعد وہی مارا جا سکتا ہے جو مرنا ہی چاہتا ہو۔

رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم ۲۰ رمضان المبارک ۸ ہجری شہر مکہ میں داخل ہوئے آپؐ نے گردن مبارک جھکا رکھی تھی اور سورۃ الفتح کی تلاوت فرما رہے تھے اپنے ساتھ سواری پر اپنے آزاد کردہ غلام زید بن ثابت کے بیٹے اُسامہ بن زید کو بٹھا رکھا تھا۔

---

[۱] ابوسفیان نے کئی بار آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خلاف فوج کشی کی تھی اور ہمیشہ دشمنی میں پیش پیش رہا تھا لیکن آپؐ نے اس کے گھر کو امن کی جگہ قرار دیا۔

جیشِ نبوی کے چار دستے

اسلامی لشکر چار دستوں کی شکل میں مکہ معظمہ میں داخل ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دستے کے قائد کو مکہ معظمہ میں داخل ہونے کا مخصوص راستہ بتادیا تھا۔ چنانچہ حضرت بن الولید جنوب کی طرف سے مکہ میں داخل ہوئے (دورِ حاضر میں اس کو مِسفلہ کہتے ہیں)

چند جذباتی نوجوانوں نے حضرت خالد بن الولید کے دستے کا مقابلہ کیا اور اچانک ایک تنگ راستے سے گزرتے ہوئے پہاڑوں کی چوٹیوں سے ان پر تیروں کی بارش کردی۔ حضرت خالد بن الولیدؓ نے اپنے لشکر کو جوابی حملہ کرنے سے روکا اور ان حملہ آور لوگوں کو پکار کر کہا کہ میرے آقا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کسی کو قتل کرنے سے منع کیا ہے سوائے اس کے جو خود مقابلے میں آجائے اور جنگ شروع کردے۔ حضرت خالد بن الولید نے ان لوگوں کو ہتھیار ڈالنے اور سلامتی کے ساتھ گھروں کو لوٹ جانے کا پورا موقع دیا لیکن ان لوگوں نے کوئی مثبت جواب نہ دیا بلکہ تیر برساتے رہے، چنانچہ حضرت خالد بن الولید جوابی حملہ کرنے پر مجبور ہوئے اور اپنے دستے کو حملہ کرنے کا حکم دیا اور چند ہی لمحوں میں حملہ کرنے والوں کو کچل کر رکھ دیا۔ مشرکین بُری طرح مہزوم ہوئے اور اپنے ۲۸ آدمیوں کی لاشیں، میدان میں چھوڑ کر فرار ہوگئے۔ اس معرکہ میں کوئی مسلمان شہید نہ ہوا، دو آدمی راستہ بھُول جانے کی وجہ سے بنو بکر کے دیہاتیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے[۱]

حضرت زبیرؓ شمال کی جانب سے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ یہ بھی ایک دستے کی قیادت کر رہے تھے۔ حضرت ابو عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ اپنے دستے کے ساتھ شمال مغرب کی جانب سے داخل ہوئے۔ ان کا دستہ پیادہ تھا۔ حضرت قیس بن سعد بن عبادۃ جنوب مغرب کی طرف سے مکہ میں داخل ہوئے اور لشکر کے سالارِ اعظم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کبارِ مہاجرین و انصار کے ساتھ

---

[۱] البدایۃ والنہایۃ ج ۴ صفحہ ۲۹۶

مکہ معظّمہ کی شمال مغربی جانب سے مسلسل آگے بڑھتے رہے۔ ایک ہزار جانباز و جانثار آپؐ کا احاطہ کئے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ حجون کے مقام پر پہنچ کر ٹھہرے جہاں حضرت زبیر بن العوامؓ اپنے دستے کو لے کر پہنچ چکے تھے لے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کداء کی جانب سے مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے۔ یہ وہ گھاٹی ہے جو محلاۃ کے پاس ہے اور کدی کی جانب سے جو نشیبی علاقے میں ہے باہر نکلے تھے۔ کدا، بالائی علاقے میں ہے اور کدی نشیبی علاقے میں ہے۔ مکہ والوں نے اعلان سُن کر مسجد حرام اور اپنے گھروں میں پناہ لے لی اور اس طرح مکہ معظّمہ میں کرفیو آرڈر کا نفاذ ہو گیا۔ یہاں تک مکمل طور پر مسلمان فوج کو کنٹرول حاصل ہو گیا اور حالات پُرامن ہو گئے۔

مسجد حرام کی طرف پیش قدمی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی فوج کے چاروں دستوں کے ہمراہ مسجد حرام کی طرف پیش قدمی فرمائی۔ مسلمان فوج کے سپاہی جب نعرۂ تکبیر لگاتے تو ان کی ہیبت اور بڑھ جاتی مکہ معظّمہ کی پہاڑیاں اللہ اکبر کی صداؤں سے گونج اٹھتیں۔ مشرکین پر لرزہ طاری ہو جاتا جو اس وقت اپنے اقتدار اور سیاہ دور کا خاتمہ ہوتا دیکھ رہے تھے بس اس دن سے آج تک مکہ معظّمہ میں توحید کے خلاف کوئی آواز بلند نہ ہوئی۔ بہت سے مشرکین پہاڑوں کی چوٹیوں سے اسلامی لشکر کی شان و شوکت کا مشاہدہ کر رہے تھے۔

مسجد حرام میں داخلہ

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے جانثاروں کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوئے، کعبہ شریف پہ جب نظر پڑی تو آپؐ نے "اللہ اکبر" کا نعرہ لگایا اس کے ساتھ صحابہ کرامؓ نے بھی زوردار تکبیر کہی۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے جو "فتح مُبین" کا وعدہ ہوا تھا وہ آج پورا ہوا۔

لے مغازی الواقدی ج ۲ صفحہ ۸۲۸

طوافِ کعبہ اور زمزم نوش فرمانا مسجد حرام میں داخل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی قصویٰ پر طواف کیا. طواف کے بعد دو رکعتیں پڑھیں. پھر زمزم کی طرف تشریف لائے اور زمزم کا پانی نوش فرمایا اور پھر وضو کیا. صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس درجہ عقیدت و محبت تھی کہ وضو کے پانی کو زمین پر گرنے نہ دے رہے تھے ہر شخص کی کوشش تھی کہ آپؐ کے وضو کا پانی حاصل کرے. مشرکین اس کیفیت کو دیکھ کر متحیر تھے اور کہتے تھے کہ کسی کے پیروکار اپنے مقتدا اور پیشوا کا ایسا احترام نہیں کرتے نہ کسی بادشاہ کی رعایا اس کی ایسی تعظیم کرتی ہے[1]

بتوں کو توڑنا اور بت پرستی کو ختم کرنا طواف کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳۶۰ بتوں کو مسمار فرمادیا جو کعبہ شریف کے ارد گرد مشرکین نے نصب کر رکھے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳۶۰ بتوں کو توڑا. آپؐ اپنے عصا سے جس بت کی جانب اشارہ فرماتے وہ اوندھے منہ گر جاتا. آپؐ اس وقت یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمارہے تھے۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝

ترجمہ: حق آگیا اور باطل مٹ گیا بلاشبہ باطل تو مٹنے ہی کے لئے ہے. (سورۃ الاسراء)

کعبہ شریف کی چابی طلب فرمانا بتوں کو مسمار کرنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن ابی طلحہ کو طلب فرمایا. کعبہ شریف کی چابی انہی کے خاندان میں نسل در نسل چلی آرہی تھی. ہجرت مدینہ سے پہلے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کعبہ شریف کا دروازہ کھولنے کی فرمائش کی تھی تو انہوں نے انکار کر دیا تھا۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ جلد ۴ صفحہ ۳۰۰۔
[2] مغازی الواقدی جلد ۲ صفحہ ۸۳۲۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسی وقت فرمادیا تھا کہ ایک دن تم دیکھو گے کہ یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی جس کو چاہوں گا دُوں گا۔ آج عثمان بن ابی طلحہ چابی لے کر خود بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔

کعبہ شریف میں داخلہ اور نماز ادا فرمانا

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے کعبہ شریف میں داخل ہونے سے پہلے کعبہ کو بُتوں سے اور تصاویر سے پاک کرنے کا حکم دیا چنانچہ کعبہ شریف کے اندر جو بُت رکھے تھے انہیں نکالا گیا اور جو تصویریں بنی ہوئی تھیں انہیں مٹوایا۔ مشرکین نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور حضرت مریم علیہا السّلام کی تصاویر بھی بنا رکھی تھیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السّلام کی تصویر بھی بنا رکھی تھی۔ آپؐ نے کعبہ شریف کو ان چیزوں سے پاک فرمایا۔ یہ تصویریں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مٹائی تھیں[1]۔

بُت پرستی کے نشانات کو ختم فرمانے کے بعد آپؐ نے کعبہ شریف کے اندر نماز پڑھی۔ حضرت بلال حبشیؓ اور حضرت اسامہؓ آپؐ کے ہمراہ تھے[2]۔ آپؐ نے کعبہ شریف کے ہر گوشہ میں اللہ اکبر کی صدائیں بلند فرمائیں۔

کعبہ شریف کے باہر مکّہ والوں کا اجتماع

اس دوران مکّہ معظّمہ کے باشندے اور سرداران قریش کعبہ شریف کے باہر جمع ہوگئے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبادت سے فارغ ہو کر کعبہ شریف سے باہر آئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو آپؐ کے چچا تھے عرض کیا کہ کعبۃ اللہ کی چابی بنی ہاشم کو عطا فرمادیں۔ لیکن آپؐ نے عثمان بن ابی طلحہؓ کو بلا کر چابی دوبارہ عطا فرمادی اور فرمایا "الیوم یوم البرّ والوفا" "آج حسنِ سلوک اور عطیات دینے کا دن ہے"۔ اور حضرت عثمان بن ابی طلحہ سے فرمایا "خذوھا خالدۃ تالدۃ لاینزعھا منکم الّا ظالم (ترجمہ) ہمیشہ ہمیش کے لئے یہ اعزاز تمہیں دیا جا رہا ہے یہ تمہارے خاندان میں نسل در نسل باقی

---

[1] البدایہ والنہایۃ جلد ۴ صفحہ ۳۰۳ [2] زاد المعاد جلد ۲ صفحہ ۳۹۵

رہے گا جو تم سے یہ اعزاز چھینے گا وہ ظالم ہوگا۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ واقعہ یاد دلایا جب انہوں نے دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا تھا۔ عثمان بن ابی طلحہ نے عرض کیا" اشھد انك رسول اللہ۔"

تاریخ شاہد ہے کہ کسی بھی حکمران نے یہ اعزاز اس خاندان سے نہیں چھینا۔ آج بھی جب حاکم وقت کعبہ شریف کے اندر داخل ہونا چاہتا ہے تو اسی خاندان کے لوگوں سے چابی طلب کی جاتی ہے۔

دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک اور معافی کا اعلان

آج آپؐ کے سامنے وہ لوگ گردنیں جھکائے بیٹھے تھے جنہوں نے ۲۱ برس تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو سخت اذیتیں دی تھیں۔ اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے ہر طرح کی کوششیں کی تھیں۔ ہجرت کے بعد بھی آپؐ کو اور آپؐ کے اصحابؓ کو چین نہ لینے دیا تھا، مدینہ پر حملہ آور ہوتے رہے تھے۔ اکیس۲۱ سال سے یہ لوگ دشمنی پر کمر باندھے ہوئے تھے۔ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خطاب کر کے فرمایا:

ترجمہ: "اے قریش کے لوگو! بے شک اللہ تعالٰے نے تمہاری جاہلانہ نخوت اور آباؤ اجداد پر اترانے کا غرور آج ختم کر دیا ہے۔ درحقیقت تو یہ ہے کہ سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو مٹی سے بنایا گیا تھا۔"

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الحجرات کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

ترجمہ: "اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری قومیتیں اور قبیلے صرف پہچان کے لئے بنائے ہیں، اللہ تعالٰے کے ہاں اس کی عزت زیادہ ہے جس میں تقویٰ زیادہ ہو۔"

پھر ان سے فرمایا:

اِذهبوا فأنتم الطُّلقاء لَا تثريب عليكم اليوم.

ترجمہ: "جاؤ تم سب آزاد ہو تم سے کوئی مواخذہ نہیں۔"

اس کے بعد جوق در جوق لوگوں نے اسلام قبول کیا اور کوہِ صفا پر بیٹھ کر آپؐ نے لوگوں کو بیعت فرمایا۔ یہ وہی پہاڑی ہے جہاں سے آپؐ نے علی الاعلان دعوتِ اسلام کا آغاز فرمایا تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک ایک شخص کو آپؐ کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور آپؐ ان سے مندرجہ ذیل عہد لیتے تھے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں گا (نہ ذات میں نہ صفات میں نہ عبادت و استعانت میں)۔

(۲) چوری نہ کروں گا۔

(۳) بدکاری نہ کروں گا۔

(۴) کسی کا ناحق خون نہ کروں گا۔

(۵) لڑکیوں کو جان (بوجھ بوجھ کر یا عار سمجھ کر) قتل نہ کروں گا۔

(۶) کسی پر بہتان نہ لگاؤں گا۔

(۷) جہاں تک ممکن ہو گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کروں گا۔

عورتوں کو بیعت فرمانا

اس موقع پر بہت سی خواتین بھی مسلمان ہوئیں جس کا ذکر سورۃ الممتحنہ میں ہے ان کو بیعت کرتے وقت آپؐ صرف زبانی طور پر اقرار لیتے تھے جبکہ مردوں نے آپؐ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی نامحرم عورت سے مصافحہ نہ فرمایا۔

فضالہ بن عمیر کا بُرا ارادہ اور نبی اکرمؐ کو اس کی اطلاع

فتح مکہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طواف کر رہے تھے کہ فضالہ بن عمیر

نے موقع دیکھ کر آپؐ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا۔ جب وہ آپؐ کے قریب پہنچا تو آپؐ نے فرمایا "تم اپنے دل میں ابھی کیا ارادہ کر رہے تھے؟" فضالہ نے کہا کچھ نہیں میں تو اللہ کو یاد کر رہا تھا۔ یہ سُن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا: "تم اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے معافی طلب کرو۔ اور اس کے بعد اپنا ہاتھ فضالہ کے سینے پر رکھ دیا اور فضالہ مسلمان ہوگیا۔

فضالہ کہتے ہیں کہ آپؐ کے ہاتھ رکھنے سے مجھے بہت سکون حاصل ہوا اور اسی وقت میرے دل میں آپؐ کے لئے ایسی محبت پیدا ہوگئی کہ آپؐ سے بڑھ کر مجھے کوئی محبوب نہ رہا[1]

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو اس وقت فُضالہ کے ارادہ کی اطلاع ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے تو مطلع فرما دیتا ہے اور جب نہ چاہے تو خبر نہیں ہوتی کیونکہ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے۔

بعض مردوں اور عورتوں کو قتل کرنے کا حکم

مکہ معظمہ میں داخلہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر کو ہدایت فرمائی تھی کہ کسی پر حملہ کرنے میں پہل نہ کرنا لیکن بعض مردوں اور عورتوں کے بارے میں حکم دیا کہ ان کو قتل کر دیا جائے کیونکہ اپنے سابقہ جرائم کی وجہ سے وہ قتل کے حقدار بن چکے تھے۔ ان میں سے ایک ابن خطل تھا، یہ شخص پہلے مسلمان ہوچکا تھا پھر ایک روز اس نے اپنے غلام کو کھانا وقت پر تیار نہ کرنے کی وجہ سے قتل کر دیا تھا لہٰذا ناحق خون کرنے کی وجہ سے اس سے قصاص لینا واجب تھا۔ یہ شخص بھاگ کر مکہ معظمہ آگیا تھا اور مُرتد ہوگیا تھا۔ اس کو قصاصاً قتل کیا گیا۔

دوسرے نمبر پر عکرمہ بن ابی جہل تھا۔ یہ مسلمانوں کا سخت دشمن رہا تھا اور بنو خزاعہ جو مسلمانوں کے حلیف تھے ان کو تباہ کرنے کا باعث بنا تھا۔ عکرمہ نے

---

[1] زاد المعاد ج ۱ ص ۴۱۷۔

معافی طلب کی اور اسلام قبول کیا لہٰذا عکرمہ کو معاف کر دیا گیا۔

تیسرے نمبر پر ہبار تھا۔ اس نے حضرت زینب بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت نیزہ مارا تھا جب وہ ہجرت کر کے اپنے شفیق باپ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ طیبہ جا رہی تھیں۔ ان کو خوف زدہ کیا اور سواری سے گرا دیا تھا جس کی وجہ سے ان کا حمل ساقط ہو گیا تھا اور بالآخر اس صدمہ و تکلیف کی وجہ سے ان کا انتقال ہوا تھا۔ ہبار کو بھی رحمتِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرما دیا۔

چوتھے نمبر پر عبداللہ بن ابی سرح تھا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوا تھا اور کہتا تھا کہ وحی تو میرے پاس آتی ہے۔ ان سب کو آپؐ نے معاف فرما دیا۔ اللہ اکبر ایسے مجرموں کو معاف فرمانا رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تھا۔ عورتوں میں سے ایک کو قصاصاً قتل کیا گیا تھا کیونکہ وہ قتل عمد کا ارتکاب کر چکی تھی۔

نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندہ[1] زوجۂ ابوسفیان کو بھی معاف فرما دیا جس نے آپؐ کے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرایا تھا اور ان کا کلیجہ نکال کر دانتوں سے چبایا تھا۔ وحشی کو بھی معاف فرما دیا جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ہند زوجۂ ابوسفیان کے کہنے پر دھوکے سے شہید کیا تھا اور نعش کی بے حرمتی کی تھی۔ تاریخِ انسانیت ایسی رحمت و شفقت و عفو و درگزر کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

انصار کا اندیشہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُن کو تسلّی دینا

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا پر کھڑے ہوئے اور خوب دُعا

[1] اُردو بولنے والے ہند کو ہندہ کہتے اور لکھتے ہیں اصل نام ہند ہے اسی طرح حضرت ہاجرام اسماعیل علیہ السلام کو "ہاجرہ" لکھتے ہیں۔

فرمائی۔ انصار آپؐ کے ارد گرد جمع تھے ان میں سے بعض نے آپس میں کہا کہ اب جبکہ آپؐ کا آبائی شہر فتح ہوگیا ہے تو ہو سکتا ہے کہ آپؐ اب یہیں ٹھہر جائیں۔ حُبِّ نبی سے سرشار یہ لوگ ڈر رہے تھے کہ کہیں اس نعمت عظمیٰ سے محرومی نہ ہو جائے۔ جب آپؐ دُعا سے فارغ ہوئے تو ان سے دریافت فرمایا کہ تم لوگ کیا اندیشہ ظاہر کر رہے تھے؟ پھر ان کو تسلّی دیتے ہوئے فرمایا" المحیا محیاکم والممات مماتکم" یعنی اب تو جینا اور مرنا تمہارے ہی ساتھ ہو گا[1] اس حدیث سے مدینہ طیّبہ کی اور انصار کی فضیلت معلوم ہوئی۔

عُزّیٰ نامی بُت توڑنے کیلئے حضرت خالد بن الولید کو ایک دستہ کے ساتھ روانہ فرمانا

نخلہ مکّہ و طائف کے درمیان ایک مقام ہے وہاں بُت پرستوں کی ایک دیوی کا بُت تھا جس کو عُزّیٰ کہا جاتا تھا۔ حضرت خالد بن الولید آپؐ کے حکم کے مطابق ۲۰ رمضان المُبارک سنہ ۸ ہجری کو تیس گھڑ سواروں کے ساتھ اس کو توڑنے کے لئے روانہ ہوئے۔ بُت توڑ کر واپس ہوئے تو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے دریافت فرمایا کہ بُت توڑنے کے بعد تم نے کچھ دیکھا؟ انہوں نے عرض کیا نہیں، تو فرمایا کہ تم نے ابھی تک عُزّیٰ کو نہیں توڑا دوبارہ جاؤ اور اس کو توڑ کر آؤ۔ دوسری بار جب حضرت خالد الولیدؓ وہاں پہنچے اور تلوار نکالی تو ایک کالی عورت ننگی حالت میں ظاہر ہوئی جس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ حضرت خالد بن الولیدؓ نے اس پر زور دار وار کیا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ واپس آکر نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اس کی خبر دی تو آپؐ نے فرمایا ہاں یہی تو عُزّیٰ تھی اور اب وہ اس بات سے ناامید ہوگئی ہے کہ تمہاری سرزمین پر اُس کی پوجا ہو گی۔ عُزّیٰ قریش کے بڑے بُتوں میں سے یہ بُت تھا[2]

---

[1] عیون الاثر صفحہ ۲۴۲ جلد ۲۔ [2] الطبقات الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۴۵ و ۱۴۶۔

اس واقعہ سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ بُت پرستی درحقیقت شیاطین کی پُوجا کا نام ہے وہ جنات اور جناتنیاں ہوتی ہیں مشرکین ان سے ڈرتے ہیں اور ان کے نام کی مورتیاں بنا کر پُوجا کرتے ہیں۔

دیگر بُتوں کو توڑنے کے لئے دستوں کو روانہ فرمانا

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سُواع نام کا بُت توڑنے کے لئے حضرت عمرو بن العاصؓ کو ایک دستہ کے ساتھ روانہ فرمایا اور انہوں نے اس کا کام تمام کیا [۱] اسی طرح "مناۃ" نام کا بُت توڑنے کے لئے حضرت سعد بن زید اشہلیؓ کو روانہ فرمایا۔ یہ ساحل کی جانب مقام مشلّل میں قدید کے قریب واقع تھا وہاں بھی ایک کالی عورت برہنہ حالت میں ظاہر ہوئی اس کو قتل کر دیا گیا اور بُت کو مسمار کرنے کے بعد واپس ہوئے [۲]

اس طرح خاتم النّبیین، امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کو عملی طور پر نافذ فرمایا اور شرک و کفر کو مٹایا [۳]

فصلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلّم تسلیمًا کثیرًا۔

---

[۱] الطبقات الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۴۶ ۔ [۲] عیون الاثر جلد ۲ صفحہ ۲۵۰

[۳] ۔ آج بروز بدھ ۱۹ شعبان ۱۴۰۶ھ بوقت ساڑھے تین بجے شب غزوۂ فتح مکہ کے واقعات لکھ کر فارغ ہوا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

احقر عبداللہ البرنی المدنی غفرلہ

غزوۂ حُنین

کا

مُفصّل واقعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اس واقعہ کی تفصیل اس طرح سے ہے کہ جب قبیلہ ہوازن کو یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کرلیا ہے تو مالک بن عوف نصری نے جوان کا سردار تھا بنی ہوازن کو جمع کیا اس کے ساتھ بنو ثقیف، بنو نصر، بنو جشم بنو سعد بن بکر اور کچھ بنی ہلال میں سے جمع ہوگئے ان لوگوں کا ارادہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قتال کریں۔ ان کے ارادوں کی خبر ملنے پر جب آپؐ نے ان کی طرف تشریف لے جانے کا ارادہ کیا تو مالک بن عوف نے اپنی جمعیت اور اپنے اموال اور عورتوں اور بچوں کو مقام حنین میں جمع کردیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کو ان کی خبر لینے کے لئے بھیجا اور فرمایا کہ تم ان کے اندر جاکر رہو اور صحیح حال معلوم کرکے ان کی خبر لے آؤ۔ حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے اور ان میں داخل ہوکر ان کی خبریں لیں اور حالات معلوم کئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صورت حال سے باخبر کیا اور بتایا کہ ان لوگوں کی نیت جنگ کرنے کی ہے۔ آپؐ نے مکہ معظمہ سے جب ان کے مقابلہ کے لئے سفر شروع فرمایا تھا تو آپؐ کے ساتھ دس ہزار افراد تو وہ تھے جو فتح مکہ کے لئے مدینہ منورہ سے ہمراہ آئے تھے اور دو ہزار آدمی مزید اہل مکہ میں سے ساتھ ہوگئے تھے۔ حضرت سہل ابن حنظلیہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہے تھے۔ اسی اثنا میں نماز ظہر کا وقت آگیا اس وقت ایک گھڑ سوار آدمی آیا اس نے کہا کہ یارسول اللہ! میں آپ کے آگے چلا گیا تھا میں فلاں فلاں پہاڑ پر چڑھ گیا تو میں نے دیکھا کہ بنی ہوازن سب کے سب اپنی عورتوں اور اپنے اموال اور اپنی بکریوں کو لے کر حنین میں جمع ہوگئے ہیں آپؐ نے مسکرا کر فرمایا انشاء اللہ کل کو یہ سب مسلمانوں کے لئے مال غنیمت ہوں گے۔ آنے والی رات میں حضرت انس بن ابی مرثدؓ چوکیداری کرتے رہے اور اِدھر اُدھر مختلف

گھاٹیوں میں گھوڑے پر سوار ہو کر پھرتے رہے تاکہ دشمن کی خبر رکھیں۔

جب صبح ہوئی تو مسلمانوں کے لشکر اور بنی ہوازن کی جمعیت کا مقابلہ شروع ہوا۔ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ بعض مسلمانوں کی زبان سے یہ بات نکل گئی تھی کہ اس وقت ہماری تعداد بہت ہے افراد کی کمی کی وجہ سے آج شکست نہیں کھائیں گے۔ بنی ہوازن کے لوگ تیر اندازی میں بہت ماہر تھے۔ انہوں نے تیر اندازی شروع کی تو مسلمان پشت پھیر کر بھاگ لئے۔ دشمن کے مقابلہ میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ چند افراد رہ گئے تھے جن میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی تھے۔ آپ برابر پکارتے رہے۔

أَيُّهَا النَّاسُ هَلُمُّوا إِلَيَّ أَنَا رَسُولُ اللّٰهِ أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ۔

اے لوگو! میری طرف آجاؤ۔ میں رسول اللہ ہوں، میں محمد بن عبداللہ ہوں۔

اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفید خچر پر سوار تھے اور بطور رجز یہ پڑھ رہے تھے:

• أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ　　أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

اس موقعہ پر آپؐ نے اللہ تعالٰی سے دعا مانگی اور عرض کیا:

اَللّٰهُمَّ نَزِّلْ نَصْرَكَ۔ اے اللہ! اپنی مدد نازل فرما۔

آپؐ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لوگوں کو پکارو کہ اے انصار کی جماعت ادھر آؤ اے اصحابِ شجرہ (جنہوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت کی تھی) ادھر آؤ۔ یہ حضرات آواز سن کر لبیک لبیک کہتے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے یہاں تک کہ سو آدمی جمع ہو گئے اور دوبارہ جنگ شروع ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر مشرکین کی طرف پھینک دی اور فرمایا شاهت[1] الوجوه۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ یہ کنکریاں دشمنوں کی آنکھوں میں پڑ گئیں اور ان میں سے ایسا کوئی بھی

---

[1] ان کی صورتیں بگڑ جائیں ۱۲۔

باقی نہ رہا جس کی آنکھ میں مٹی نہ پڑی ہو۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بنی ہوازن اور ان کے ساتھ جمع ہونے والے قبائل کو شکست ہوگئی۔ ان میں بہت سے مقتول ہوئے اور بڑی تعداد میں قید کر کے خدمتِ عالی میں حاضر کئے گئے جن کی مشکیں بندھی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں کے اموال اور عورتیں اور آل اولاد سب مسلمانوں کو بطور غنیمت مل گئے۔ (جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ان کے اموال ان شاء اللہ کل کو مسلمانوں کے لئے مالِ غنیمت ہوں گے۔)

جن لوگوں نے فتحِ مکہ کے بعد اسلام قبول نہیں کیا تھا یونہی ساتھ چلے آئے تھے انہوں نے جب اللہ کی مدد دیکھی تو اس موقعہ پر اسلام قبول کرلیا۔

جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح یابی نصیب فرمائی تو آپؐ نے مالِ غنیمت کو (جس میں اونٹ، بکریاں اور غلام باندیاں سبھی تھے) مقام جعرانہ پر لے جانے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ وہاں لے جاکر سب جمع کردیئے جائیں اور حضرت مسعود بن عمرو انصاریؓ کو ان اموال کو لے جانے کا ذمہ دار بنا دیا۔

مقام اوطاس میں مشرکین سے مقابلہ اور ان کی شکست

اس کے بعد میدان سے بھاگنے والے دشمنوں کی ایک جماعت نے مقام اوطاس پر پڑاؤ ڈالا، اندازہ تھا کہ یہ لوگ جنگ کریں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے مقابلہ کے لئے حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کو بھیجا، ان سے جنگ ہوئی تو ان پر غلبہ پالیا۔ لیکن حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ وہیں شہید ہوگئے ان کے بعد ان کے چچازاد بھائی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا سنبھالا اور قتال کیا اللہ تعالیٰ نے فتحیابی نصیب فرمائی اور انہی کے ہاتھوں وہ شخص مقتول ہوا جس نے حضرت ابو عامرؓ کو شہید کیا تھا۔ جنگ اوطاس کے موقعہ پر بھی مالِ غنیمت ملا جن میں مشرکین کی بہت سی عورتیں بھی تھیں۔

طائف کا محاصرہ پھر وہاں سے واپسی

غزوۂ حنین سے فارغ ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی طرف روانہ ہوئے وہاں مالک بن عوف بنی ہوازن کا سردار

اور اس کے ساتھی اور دوسرے لوگ قلعہ بند ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوبیس دن اور ایک روایت کے مطابق سترہ دن ان کا محاصرہ کیا، قلعہ کے اندر رہتے ہوئے وہ لوگ تیر پھینکتے رہے اور باہر نہ آئے۔

مسلمانوں میں بہت سے لوگ زخمی ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منجنیق استعمال فرمائی اور اس کے ذریعہ قلعہ کے اندر پتھر پھینکے (یہ اس زمانہ میں پتھر پھینکنے کا ایک آلہ تھا، دور حاضر کی توپ اس کی ترقی یافتہ ایک شکل ہے) واقدی کا بیان ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے منجنیق بنائی تھی اور استعمال کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ جب فتح یابی کی کوئی صورت نہ بنی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم کل کو واپس ہو جائیں گے۔ چنانچہ آپؐ اگلے دن وہاں سے واپس ہو گئے اور چلتے وقت یوں دعا کی:۔

"اے اللہ! ان کو ہدایت دے اور ہمارے لئے تو کافی ہو جا تاکہ ہمیں ان سے نپٹنا نہ پڑے۔"

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی دعا قبول فرمائی اور بنی ثقیف کا وفد (جو طائف کے رہنے والے تھے) آئندہ سال رمضان المبارک میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا اور پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا، یاد رہے کہ طائف والے وہی تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زخمی کیا تھا۔ پھر بھی آپؐ انہیں ہدایت کی دعا دے کر تشریف لے آئے۔)

جعرانہ میں تقسیم غنائم

آپؐ طائف سے واپس ہوئے تو مقام جعرانہ میں پہنچے آپؐ کے ساتھ مسلمانوں کا لشکر عظیم تھا۔ وہاں پہلے سے غنیمت کے اموال بھیج دیئے تھے جن میں بنی ہوازن کے قیدی بھی تھے۔ اُن قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی جن میں بچے اور عورتیں بھی تھیں اور بہت بڑی تعداد میں اونٹ بھی تھے اور بکریاں بھی تھیں۔ آپؐ نے ان کو اپنے لشکر میں تقسیم فرما دیا۔ پھر ان کی

درخواست پر غانمین سے اجازت لے کر ان کے قیدی واپس کر دیئے کیونکہ بنی ہوازن نے اسلام قبول کر کے اس کی درخواست کی تھی۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا مالک بن عوف جو بنی ہوازن کا سردار تھا وہ طائف میں قلعہ بند ہو گیا تھا۔ آپؐ نے اس کو خبر بھیجی کہ اگر اسلام قبول کر کے میرے پاس آجائے تو اس کے کنبہ کے لوگ اور اس کا مال واپس کر دوں گا اور اس کو سو اونٹ بھی دے دوں گا۔ جب مالک بن عوف کو یہ بات پہنچی تو اس نے اسلام قبول کر لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وعدہ کے مطابق اس کے اہل و عیال واپس کر دیئے اور سو اونٹ بھی عنایت فرما دیئے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعرانہ سے عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ ادا کیا۔ پھر مدینہ منورہ عافیت اور سلامتی کے ساتھ تشریف لے آئے۔ (من البدایۃ والنہایۃ للحافظ ابن کثیر ص ۳۲۲ تا ص ۳۶۹ مختصراً وملتقطاً)

حُنین میں فرشتوں کا نزول

مسلمانوں کو اول شکست ہوئی اور ایسی شکست ہوئی کہ زمین ان کے لئے تنگ ہو گئی اور سبب اس کا وہی ہوا کہ بعض مسلمانوں نے یہ کہہ دیا کہ آج تو ہم تعداد میں بہت ہیں شکست کا احتمال ہی نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سکینہ نازل فرمائی جس کی وجہ سے آپؐ خوب اطمینان اور سکونِ قلب کے ساتھ بلا خوف و خطر اپنے خچر پر سوار رہے اور صحابہؓ کو اپنی طرف بلاتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے صحابہؓ پر بھی سکینت نازل فرمائی اور سکون و اطمینان کے ساتھ دوبارہ جنگ کرنے لگے جس سے دشمنوں نے شکست کھائی۔

قرآن مجید میں غزوۂ حنین کا ذکر کرتے ہوئے وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا بھی فرمایا (اور اللہ نے لشکر اتارے جنہیں تم نے نہیں دیکھا) صاحب معالم التنزیل ص ۲۸۱ ج ۲ میں فرماتے ہیں یعنی:

الملائکۃ قیل لا للقتال ولکن لتجبین الکفار وتشجیع المسلمین لأنہ یُروی أن الملائکۃ لم یقاتلوا الا یوم بدر

یعنی لشکروں سے فرشتے مراد ہیں۔ اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ فرشتے جنگ کرنے کے لئے نہیں بلکہ کافروں کو بزدل بنانے کے لئے اور مسلمانوں کو دلیر کرنے کے لئے نازل کئے گئے تھے کیونکہ یہ بات روایت کی جاتی ہے کہ فرشتوں نے بدر کے موقعہ کے علاوہ اور کسی موقعہ پر قتال میں حصہ نہیں لیا۔

صاحب روح المعانی نے بھی جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا کی تفسیر فرشتوں سے کی ہے اور لکھا ہے کہ جمہور نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ فرشتوں نے بدر کے علاوہ کسی اور موقعہ پر قتال نہیں کیا وہ مومنین کے قلوب کی تقویت کے لئے اور مشرکین کے قلوب میں رعب ڈالنے کے لئے آئے تھے۔ پھر ایک قول یہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے قتال بھی کیا تھا لیکن اخیر میں لکھا ہے ولیس له سند یعول علیه یعنی اس کی سند معتمد نہیں ہے۔

فرشتوں کے اتارنے کا ذکر فرمانے کے بعد فرمایا: وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کہ اللہ نے کافروں کو عذاب دیا (جو مقتول ہوئے اور قیدی بنے) وَذٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِيْنَ۔ اور یہ کافروں کی سزا ہے (جو دنیا میں ہے) اور آخرت میں جو سزا ہے وہ دنیاوی سزا کے علاوہ ہے جو کفر پر مرے گا وہاں دائمی عذاب میں مبتلا ہوگا آخر میں فرمایا:

ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَاۤءُ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

پھر اس کے بعد اللہ جس کی چاہے توبہ قبول فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

جو کافر مقتول ہو جائیں وہ تو دنیا کا عذاب یہیں چکھ لیتے ہیں اور آخرت کے دائمی عذاب کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں لیکن جو لوگ قتل سے بچ جائیں اللہ تعالے ان میں سے جس کو چاہے توبہ کی توفیق دے دیتا ہے جو کفر چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ انہیں میں سے مالک بن عوف بھی تھا جو بہت بڑی جمعیت کو لے کر مقابلہ کے لئے حنین میں آیا تھا جب شکست ہوئی تو طائف جا کر قلعہ بند ہو گیا لیکن آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچنے پر واپس آیا اور مسلمان ہو گیا۔ آپ نے

اس کو اس کی قوم پر عامل بھی بنا دیا۔ نیز اور بھی بہت سے بنی ہوازن کے لوگ مسلمان ہوئے جو جنگ میں قتل ہونے سے بچ گئے تھے۔ طائف میں جا کر آپؐ نے محاصرہ فرمایا پھر محاصرہ کے بعد واپس تشریف لے آئے بعد میں وہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ اسلام کے بڑے بڑے دشمنوں نے اسلام قبول کیا اور مستحقِ جنّت ہوئے۔ زمانۂ کفر میں جو کیا تھا اللہ تعالٰی نے سب معاف فرما دیا۔

مالک بن عوف نے اسلام قبول کر کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان کرتے ہوئے چند اشعار کہے اہلِ علم کی دلچسپی کے لئے نقل کئے جاتے ہیں۔

ما إن رأيت ولا سمعت بمثله   في الناس كلهم بمثل محمدٍ

أوفى وأعطى للجزيل إذا اجتدى   ومتى تشأ يخبرك عما في غد

وإذا الكتيبة عردت أنيابها   بالسمهري وضرب كل مهند

فكأنه ليث على أشباله   وسط الهباءة خادر في مرصد

جن کا ترجمہ یہ ہے:

۱. میں نے تمام لوگوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسا نہ دیکھا اور نہ سُنا۔

۲. خوب مالِ کثیر کا دینے والا جب کہ وہ سخاوت کرے اور جب تو چاہے تو تجھے اس بات کی خبر دے دے جو کل ہونے والی ہے (وہ جو آپ نے فرما دیا تھا کہ بنی ہوازن کے مال انشاء اللہ کل مسلمانوں کے لئے مالِ غنیمت ہوں گے اس کی طرف اشارہ ہے۔)

۳، ۴. اور جب لشکر اپنے دانتوں کو پیسنے لگے نیزوں کے ساتھ اور ہر تلوار استعمال کر لی جائے تو گویا وہ شیر ہے اپنے بچوں کی نگرانی پر غبار کے درمیان ہر گھات کی جگہ میں۔

(ذکرها الحافظ ابن كثير في البداية ص ۳۶۱ ج ۴

والخادر (بالخاء) الاسد الذي اختفى في اجمته كما في القاموس)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

اے ایمان والو! مشرکین پلید ہی ہیں سو وہ اس سال کے بعد مسجدِ حرام کے پاس نہ آئیں اور اگر تم فقر سے ڈرتے ہو تو عنقریب اللہ تمہیں اپنے فضل سے غنی کردے گا اگر چاہے، بے شک اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

مشرکین نجس ہیں لہٰذا مسجد حرام کے پاس نہ جائیں

تفسیر یہ آیت بھی سورۂ براءت کی شروع کی اُن چالیس آیات میں سے ہے جن کا اعلان ۹ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ حج کے موقعہ پر کرایا گیا تھا جس میں حضرت ابوبکرؓ امیرالحج تھے۔ جن چیزوں کا اعلان کیا تھا ان میں یہ بھی تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی شخص ننگا ہونے کی حالت میں طواف نہ کرے (جیسا کہ مشرکین کیا کرتے تھے) اس آیت میں جو یہ فرمایا ہے کہ مشرکین پلید ہی ہیں سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آئیں۔ اس میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ حکم دیا گیا ہے کہ آئندہ مشرکین کو حج نہ کرنے دیا جائے مسجد حرام میں نہ آنے دینے کا یہی مطلب ہے۔ اگر کسی کافر کو مسجد حرام میں یا کسی بھی مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے تو حضرت امام صاحب کے نزدیک یہ جائز ہے۔

اور پلید ہونے سے مراد اُن کی اندرونی ناپاکی یعنی عقائد شرکیہ اور کفریہ ہیں۔ ہاں اگر ان میں کوئی مرد و عورت جنابت والا ہو یا کوئی عورت حیض والی ہو یا جسم پر کوئی ظاہری نجاست لگی ہوئی ہو تو ان نجاستوں کی وجہ سے داخل نہ ہونے دیا جائے گا اور اس میں مومن اور کافر کا حکم ایک ہی ہے دیگر ائمہ کا مذہب اس سے مختلف ہے۔ صاحب روح المعانی نے حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ کسی کافر کو خواہ ذمی

ہو یا دیزہ دے کر آیا ہو، کسی بھی صورت میں مسجد حرام میں داخل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کافروں کی طرف سے کوئی قاصد آئے تو امام المسلمین مسجد سے باہر نکل کر اس سے گفتگو کرے۔

یہ تو ان حضرات کا مذہب مسجد حرام کے داخلہ کے بارے میں ہے۔ رہا دوسری مساجد کا مسئلہ تو حضرت امام شافعیؒ دوسری مسجدوں میں کافر کے داخلہ کی اجازت دیتے ہیں اور امام مالکؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ تمام مسجدوں کا حکم برابر ہے کسی بھی مسجد میں کافر کا داخلہ جائز نہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ کافروں کو حج اور عمرہ کرنے سے روکا جائے اور بعض حالات میں کافروں کے مسجد حرام میں داخل ہونے کی اجازت ہے اس کی دلیل میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد پیش کیا جاتا ہے جسے درمنثور صفحہ ۲۲۶ ج ۳ میں مصنف عبدالرزاق وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا الا أن يكون عبداً أو أحد من أهل الذمة (کہ مشرکین اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ جائیں مگر یہ کہ کوئی شخص غلام یا ذمی ہو) اور یہ معلوم ہے کہ کافر مشرک ہونے میں غلام باندی اور ذمی اور دوسرے مشرکین سب برابر ہیں۔ جب غلام اور ذمی کو اجازت دے دی گئی تو معلوم ہوا کہ ہر کافر کے داخلہ کی اجازت ہے۔ البتہ اس بات کی ممانعت ہے کہ ان کو حج یا عمرہ کرنے کی اجازت دی جائے۔

حدیث بالا درمنثور میں موقوفاً ہی نقل کی ہے لیکن علامہ ابوبکر جصاص نے احکام القرآن صفحہ ۸۹ ج ۳ میں مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح نقل کی ہے۔ پھر لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے دونوں طرح صحیح ہو۔ حضرت جابرؓ نے بعض اوقات ارشاد نبوی کے طور پر نقل کر دیا اور کبھی اپنی طرف سے فتویٰ دے دیا۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّ یَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ
كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ
ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ
وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَ عَذَّبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ
الْكٰفِرِیْنَ ۝ ثُمَّ یَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ ؕ
وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

ترجمہ: یہ واقعی بات ہے کہ اللہ نے بہت سے مواقع میں تمہاری مدد فرمائی اور حنین کے دن بھی، جب تمہیں اپنی کثرت پر گھمنڈ ہوگیا۔ پھر اس کثرت نے تمہیں کچھ بھی فائدہ نہ دیا اور زمین اپنی فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے، پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مؤمنین پر اطمینان قلبی نازل فرمایا اور ایسے لشکر اتار دیئے جنہیں تم نہیں دیکھ رہے تھے، اور اللہ تعالےٰ نے کافروں کو عذاب دیا اور یہ سزا ہے کافروں کی، پھر اس کے بعد اللہ جس کی چاہے توبہ قبول فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غزوۂ تبوک ۹ ہجری

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ ہرقل شاہِ روم نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا ہے اور فوج کو سال بھر کی تنخواہیں بھی تقسیم کر دی ہیں [۱]

تقریباً چالیس ہزار رومیوں کا لشکر جرار مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو گیا [۲] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ فوراً سفر کی تیاری کی جائے اور رومیوں کو ان کی سرحد پر ہی روک دیا جائے، تبوک پہنچ کر ان دشمنانِ اسلام سے جنگ کی جائے۔ اس وقت مدینہ طیبہ میں کھجوروں کے پکنے کا موسم تھا اور مدینہ طیبہ سے تبوک تک طویل مسافت سخت گرمی کے موسم اور بے سرو سامانی کے عالم میں طے کرنا بڑا مشکل کام تھا لیکن جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین آپؐ کا حکم سن کر جان و مال سے تیاری میں مصروف ہو گئے۔ اسی موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنا سارا مال لا کر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال پیش کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے چالیس اوقیہ چاندی لا کر پیش کی [۳] حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان اور ایک ہزار دینار لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کئے۔ آپؐ نے فرمایا "اے اللہ! میں عثمان سے راضی ہوا تو بھی اس سے راضی ہو جا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اہل و عیال کی دیکھ بھال کے لئے چھوڑا کیونکہ حضرت علیؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری اور دامادی کا شرف حاصل تھا اور وہی اہل و عیال کی صحیح خبر گیری اور سرپرستی فرما سکتے تھے۔

---

[۱] طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۱۹ ۔ [۲] مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۹۱ ۔
[۳] زرقانی ج ۳ ص ۶۴

اور حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا والی مقرر فرمایا۔

تبوک پہنچ کر بیس روز قیام فرمایا کوئی دشمن مقابلے کے لئے نہ آیا۔ رومیوں کے اور دیگر دشمنوں کے دل مرعوب ہو گئے اور آس پاس کے قبائل نے آکر سر تسلیم خم کیا۔ بیس روز قیام کرنے کے بعد مدینہ طیبہ واپس ہوئے۔

مُنافقین کی بد باطنی کا تذکرہ

یہ لوگ ایمان کے مدعی تھے کہنے کو آپ کے ساتھ ہونے کا دعویٰ کرتے تھے لیکن اندر سے اُن کا یہ حال تھا کہ اگر آپ کو کوئی اچھی حالت پہنچ جاتی مثلاً دشمن کے مقابلہ میں کامیابی ہو جائے، مال غنیمت مل جائے تو انہیں یہ بات بُری لگتی تھی۔ وہ اس سے ناخوش ہوتے کہ آپ کو دشمنوں پر غلبہ حاصل ہو یا کسی بھی طرح کی کوئی خیر مل جائے اور اگر آپ کو کبھی کوئی تکلیف پہنچ گئی تو اپنی سمجھداری کی تعریف کرتے اور کہتے کہ دیکھو ہم کیسے اچھے رہے، ہم نے پہلے ہی احتیاط کا پہلو اختیار کر لیا تھا ان کے ساتھ لگتے تو ہم بھی مصیبت میں پڑتے، یہ باتیں کرتے ہوتے اپنے گھروں کو واپس ہوتے تھے اور خوش ہوتے ہوئے پُشت پھیر کر چل دیتے تھے مومن کی شان تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر حال میں رہے۔ خوشحالی میں بھی آپ کا ساتھی ہو اور مصیبت میں بھی۔

روح المعانی ص۱۱۲ ج۱۰ میں بحوالہ ابن ابی حاتم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جو منافقین غزوۂ تبوک کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ گئے وہ لوگوں سے کہتے رہے کہ بس جی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی تو بڑی مصیبت میں پڑ گئے۔ بڑی مشقت کا سفر اختیار کیا۔ اب یہ ہلاک ہو کر رہیں گے۔ پھر جب انہیں یہ خبر ملی کہ دشمن مرعوب ہو گیا اور آپ صحیح سالم اپنے صحابہؓ کے ساتھ واپس آرہے ہیں تو انہیں یہ بُرا لگا۔

منافقین جھوٹے عذر پیش کر کے غزوۂ تبوک کی شرکت سے رہ گئے

منافقین نے تبوک نہ جانے کا فیصلہ تو کر ہی لیا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عذر پیش کر کے شریک نہ ہونے کی اجازت لیتے رہے آپؐ نے اجازت دے دی۔ اس اجازت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا۔ لیکن عتاب میں بھی ایک لطف ہے۔ اوّل یوں فرمایا عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ۔ (یعنی اللہ نے آپ کو معاف فرمایا) اس کے بعد عتاب فرمایا، اور یوں فرمایا کہ آپ نے لوگوں کو اجازت کیوں دی، یہ موقعہ سچوں اور جھوٹوں کے جاننے کا تھا آپ اجازت دینے میں جلدی نہ فرماتے تو معلوم ہو جاتا کہ سچا عذر پیش کرنے والے کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یہ عتاب ترکِ اولیٰ پر ہے۔ آپ اجازت دینے میں توقف فرماتے تو اچھا تھا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اوّلاً اہلِ ایمان کا حال بیان فرمایا ہے لَا یَسْتَاْذِنُکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یُّجَاھِدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ (جو لوگ اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ آپ سے اس بات کی اجازت نہیں لیتے کہ اپنے جانوں اور مالوں کو جہاد میں لگائیں) کیونکہ وہ تو حکم سنتے ہی تیار ہو جاتے ہیں وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِالْمُتَّقِیْنَ۔ (اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کو خوب جانتا ہے۔ پھر منافقین کا ذکر فرمایا اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُکَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُھُمْ (جہاد میں نہ جانے کی وہی لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور اُن کے دلوں میں شک ہے) فَھُمْ فِیْ رَیْبِھِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ (سو وہ اپنے شک میں حیران ہو رہے ہیں) کبھی یہ خیال آتا ہے کہ ساتھ چلے جائیں تو اچھا ہے تاکہ منافقت کا بھرم نہ کھلے اور کبھی سوچتے ہیں کہ سفر اور دھوپ کی مصیبت بہت بڑی ہے اس لئے نہ جائیں تو اچھا رہے گا۔

مومنین مخلصین کی توبہ کا تذکرہ جو غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے

جو منافقین غزوہ تبوک میں شرکت کے لئے جانے سے رہ گئے تھے پھر آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے واپس تشریف لانے پر جھوٹے عذر پیش کرتے رہے۔ (جن میں اہل مدینہ اور مدینہ منورہ کی آس پاس کی بستیوں کے رہنے والے دیہاتی بھی تھے) ان کا تذکرہ فرمانے کے بعد اُن چند مومنین مخلصین کا تذکرہ فرمایا جو اپنے ایمان میں سچے ہوتے ہوئے سستی اور کاہلی کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوسکے تھے۔ اس وقت تو رہ گئے اور ساتھ نہ گئے لیکن بعد میں پچھتائے اور نادم ہوئے کہ ہم عورتوں کے ساتھ سایوں میں زندگی گزار رہے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دُھوپ کی گرمی اور سفر کی مشقّت اور تکلیف میں ہیں ہمارے لئے پیچھے رہ جانا کسی طرح درست نہ تھا۔ جب ان حضرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واپس تشریف لانے کی خبر ملی تو انہوں نے اپنی جانوں کو ستونوں سے باندھ دیا اور کہنے لگے کہ ہم اپنی جانوں کو نہیں کھولیں گے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اپنے دستِ مبارک سے ہمیں نہ کھولیں، آپ کا جب ان کی طرف گذر ہوا تو دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کیا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو جہاد میں جانے سے رہ گئے تھے انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے اللہ تعالٰی سے عہد کیا ہے کہ جب تک آپ ان کو نہ کھولیں گے اور ان سے راضی نہ ہوں گے اس وقت تک وہ بندھے ہی رہیں گے۔ آپ نے فرمایا اللہ کی قسم میں بھی انہیں نہیں کھولوں گا جب تک کہ مجھے اللہ تعالٰی کی طرف سے ان کے کھولنے کا حکم نہ ہوگا۔ ان لوگوں نے میرا ساتھ چھوڑا اور مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں نہ نکلے۔ لہٰذا اب مجھے ان کے بارے میں اللہ تعالٰی کے حکم کا انتظار ہے جیسا حکم ہوگا اس پر عمل کروں گا۔ اس پر اللہ تعالٰی نے آیت کریمہ وَآخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا (الآیۃ) نازل فرمائی اور آپ نے ان کو کھول دیا۔ چونکہ یہ حضرات مخلص مومن تھے اور اپنے گناہ کا اقرار بھی کر لیا جو توبہ کا جزوِ اعظم

ہے اور جہاد سے پیچھے رہ جانے والے عمل سے انہوں نے توبہ بھی کرلی اور پہلے سے بھی نیک عمل کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بھی ادائے فرائض اور دیگر نیک کاموں میں لگے رہے اس لئے ان کے بارے میں یہ فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کرلیا اور نیک عمل کو بُرے عمل کے ساتھ ملا دیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمانے کی خوشخبری دی عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ کہ عنقریب اللہ ان کی توبہ قبول فرمائیں گے (چنانچہ ان کی توبہ قبول ہوگئی)۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ بلاشبہ اللہ مغفرت فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔)

جب ان لوگوں کی توبہ قبول ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہمارے پاس جو یہ اموال ہیں ان ہی نے ہم کو پیچھے ڈالا اور جہاد کی شرکت سے روکا۔ لہٰذا ہم ان کا صدقہ کردیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا مجھے اموال میں سے کچھ لینے کا حکم نہیں ہوا۔ اس پر آیت کریمہ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ بِهَا نازل ہوئی یعنی آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ آپ ان کو پاک اور صاف کردیں ۔ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۔ (اور آپ ان کے لئے دُعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دُعا ان کے لئے باعثِ سکون ہوگی۔

تین حضرات کا مفصل واقعہ جو غزوہ تبوک میں جانے سے رہ گئے تھے

اب ہم ان تین حضرات کی توبہ قبول ہونے کا واقعہ لکھتے ہیں جو مخلص بھی تھے اور غزوۂ تبوک میں ساتھ نہ گئے تھے انہوں نے بالکل سچ بولا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالی میں صاف صاف عرض کردیا کہ ہم بغیر عذر کے رہ گئے تھے۔ یہ حضرات کعبؓ بن مالک، ہلال بن اُمیہؓ اور مرارہ بن ربیعؓ تھے۔ آیت کریمہ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ میں اجمالی طور پر ان کا ذکر ہوچکا ہے۔ یہاں دوبارہ ان کا تذکرہ فرمایا ہے

کہ اللہ نے ان تین شخصوں پر بھی اپنی مہربانی سے توجّہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا۔ ان تینوں حضرات کو زمین تنگ معلوم ہونے لگی اور اپنے نفسوں میں بھی تنگی محسوس کرنے لگے یعنی ان کا جینا بہت زیادہ دشوار اور دوبھر ہو گیا۔ اوّل تو اللہ تعالٰی کی اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ناراضگی اور اُوپر سے مقاطعہ کا حکم کہ کوئی ان سے نہ بولے۔ یہ سب باتیں مل کر بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گئے تھے جس کا واقعہ تفصیل سے حضرت کعب بن مالکؓ کی زبانی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المغازی ص ۶۳۴ ج ۲ میں یوں بیان کیا ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم غزوہ سے فارغ ہو کر واپس تشریف لانے لگے تو مجھے بہت زیادہ فکر لاحق ہو گئی میں سوچتا رہا کہ میں آپؐ کی ناگواری سے کیسے نکلوں گا۔ اس بارے میں یہ بھی خیال آتا تھا کہ جھوٹے عذر پیش کر دوں گا اور اپنے گھر والوں سے بھی اس بارے میں مشورہ کرتا تھا۔ جب آپؐ بالکل ہی مدینہ منوّرہ کے قریب پہنچ گئے تو جھوٹ بولنے کا جو خیال آیا تھا وہ بالکل ختم ہو گیا اور میں نے یہ طے کر لیا کہ سچ ہی بولوں گا اور سچ ہی کے ذریعہ میں آپ کی ناراضگی سے نکل سکتا ہوں۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لے ہی آئے۔ آپؐ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب سفر سے تشریف لاتے تھے تو اوّل مسجد میں جاتے تھے وہاں دو رکعتیں پڑھ کر تشریف فرما ہو جاتے تھے۔ جب آپؐ اپنے اس عمل سے فارغ ہو گئے تو وہ لوگ آ گئے جو غزوۂ تبوک میں شریک ہونے سے پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ لوگ حاضرِ خدمت ہوئے اور اپنے اپنے عذر پیش کرتے رہے اور قسمیں کھاتے رہے۔ یہ لوگ تعداد میں اسّی ۸۰ سے کچھ اُوپر تھے۔ آپؐ ظاہری طور پر ان کے عذر قبول فرماتے رہے۔ ان کو بیعت بھی فرمایا اور اُن کے لئے استغفار بھی کیا اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد فرما دیا۔

حضرت کعبؓ نے بیان کیا کہ میں بھی حاضرِ خدمت ہوا۔ میں نے سلام عرض کیا۔ آپؐ مسکرائے جیسے کوئی غصّہ والا شخص مسکراتا ہو پھر فرمایا آجا۔ میں آپؐ کی خدمت

میں حاضر ہوگیا۔ آپ نے فرمایا تمہیں کس چیز نے پیچھے ڈالا (غزوۂ تبوک میں کیوں شریک نہیں ہوئے؟) کیا تم نے سواری نہیں خرید لی تھی؟ میں نے عرض کیا واقعی میں نے سواری خرید لی تھی۔ اللہ کی قسم اگر اصحابِ دُنیا میں سے کسی کے پاس بیٹھتا تو میں اس کی ناراضگی سے عذر پیش کرکے نکل سکتا تھا۔ میں بات چیت کرنے کا ڈھنگ جانتا ہوں لیکن میں یہ سمجھتا ہوں اور اس پر قسم کھاتا ہوں کہ اگر آج میں آپ کے سامنے جھوٹی بات پیش کرکے آپ کو راضی کرلوں گا تو عنقریب ہی اللہ تعالیٰ (صحیح بات بیان فرما کر) آپ کو مجھ سے ناراض کردے گا۔ اور اگر میں سچی بات بیان کردوں تو آپ غصہ تو ہوں گے لیکن میں اس میں اللہ سے معافی کی امید رکھتا ہوں۔ اللہ کی قسم مجھے کوئی عُذر نہ تھا اور جتنا قوی اور غنی میں اس موقعہ پر تھا جبکہ آپ سے پیچھے رہ گیا ایسی قوت والا اور مال والا میں کبھی بھی نہیں ہوا۔ میری بات سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس شخص نے سچ کہا۔ پھر فرمایا کھڑے ہو جاؤ یہاں تک کہ اللہ تمہارے بارے میں فیصلہ فرمائے۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں وہاں سے اٹھا اور قبیلہ بنی سلمہ کے لوگ میرے ساتھ ہولئے۔ انہوں نے کہا اللہ کی قسم جہاں تک ہمارا علم ہے اس سے پہلے تم نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ کیا تم یہ نہ کرسکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسی طرح عذر پیش کردیتے جیسے دوسرے لوگوں نے اپنے عذر پیش کئے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار فرمانا تمہارے لئے کافی ہوجاتا۔ اللہ کی قسم ان لوگوں نے مجھے اتنی ملامت کی کہ میں نے یہ ارادہ کرلیا کہ واپس جاکر اپنے بیان کو جھٹلادوں (اور کوئی عذر پیش کردوں) پھر میں نے ان لوگوں سے کہا یہ تو بتاؤ میرا شریکِ حال اور کوئی شخص بھی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں دو آدمی ہیں انہوں نے بھی اسی طرح اپنا بیان دیا ہے جیسا تم نے بیان دیا اور اُن کو وہی جواب دیا گیا جو تم کو دیا گیا۔ میں نے پوچھا وہ دونوں کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ مُرارہ بن ربیع اور ہلال بن اُمیہ ہیں۔ ان لوگوں نے میرے سامنے ایسے دو شخصوں کا ذکر کیا جو صالحین میں سے تھے۔ میں نے

کہا کہ میں ان دونوں کی اقتدا کرتا ہوں جو اُن کا حال ہوگا وہی میرا حال ہو جائے گا۔

حضرت کعبؓ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید بیان فرمایا کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مسلمانوں کو ہم تینوں سے بات چیت کرنے سے منع فرما دیا۔ لہٰذا لوگ ہم سے بچ کر رہنے لگے اور یکسر بدل گئے۔ میرا تو یہ حال ہوا کہ زمین بھی مجھے دوسری زمین معلوم ہونے لگی گویا کہ میں اس زمین میں رہتا ہوں جسے جانتا بھی نہیں۔ رات دن برابر گزر رہے تھے میں مسلمانوں کے ساتھ نمازوں میں حاضر ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا لیکن مجھ سے کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں میری حاضری ہوتی تھی۔ آپؐ نماز کے بعد تشریف فرماتے تو میں سلام عرض کرتا اور اپنے دل میں یہ خیال کرتا تھا کہ سلام کے جواب کے لئے آپؐ نے ہونٹ ہلائے ہیں یا نہیں؟ پھر میں آپؐ کے قریب نماز پڑھتا تھا اور نظر چُرا کر آپؐ کی طرف دیکھتا تھا۔ جب میں نماز پڑھتا تھا تو آپؐ میری طرف توجہ فرماتے تھے اور جب میں آپ کی طرف متوجّہ ہوتا تو آپؐ اعراض فرما لیتے تھے۔ یہ تو میرا حال تھا لیکن میرے جو دو ساتھی تھے وہ بالکل ہی عاجز ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھ رہے اور برابر روتے رہے۔

اس مقاطعہ کے زمانہ میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ میں اپنے چچا زاد بھائی ابُو قتادہ کے باغ کی دیوار پر چڑھا جن سے مجھے بنسبت اور لوگوں کے سب سے زیادہ محبّت تھی۔ میں نے سلام کیا تو انہوں نے جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا اے ابو قتادہؓ! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں اللہ اور اس کے رسُولؐ سے محبّت کرتا ہوں۔ یہ سُن کر وہ خاموش ہو گئے۔ میں نے پھر اپنی بات دُہرائی اور اُن کو قسم دلائی وہ پھر خاموش ہو گئے۔ میں نے پھر اپنی بات دہرائی اور اُن کو قسم دلائی تو انہوں نے اتنا کہہ دیا اَللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ (اللہ اور اس کا رسُول ہی زیادہ جاننے والے ہیں)، یہ بات سُن کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میں واپس ہو گیا اور دیوار پھاند کر چلا آیا۔

اور دُوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ میں مدینہ منوّرہ کے بازار میں جا رہا تھا کہ شام

کے کاشت کاروں میں سے ایک شخص جو غلّہ بیچنے کے لئے مدینہ منورہ آیا ہوا تھا لوگوں سے پوچھ رہا تھا کہ کعب بن مالک کون شخص ہے؟ لوگ میری طرف اشارہ کرنے لگے۔ وہ میرے پاس آیا اور غسان کے بادشاہ کا ایک خط مجھے دیا جس میں لکھا تھا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تمہارے آقا نے تمہارے ساتھ سختی کا معاملہ کیا ہے اور اللہ نے تمہیں گرا پڑا آدمی نہیں بنایا۔ لہٰذا تم ہمارے پاس آجاؤ ہم تمہاری دلداری کریں گے۔ یہ خط پڑھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ ایک اور آزمائش سامنے آگئی۔ میں نے اس خط کو لے کر تنور میں جھونک دیا۔

مقاطعہ کے سلسلہ میں ایک یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہم تینوں کو حکم بھیجا کہ اپنی بیویوں سے علیحدہ رہیں۔ بلال بن اُمیّہؓ کی بیوی تو حاضر خدمت ہو کر یہ عذر پیش کر کے اجازت لے آئی کہ وہ بہت زیادہ بوڑھے ہیں ان کا کوئی خادم نہیں ہے آپؐ نے خدمت کی اجازت دے دی اور ساتھ ہی یہ فرمادیا کہ وہ میاں بیوی والا جو خاص تعلق ہے اس کو کام میں نہ لایا جائے۔ میرے خاندان والوں نے مجھے بھی مشورہ دیا کہ تم بھی اجازت طلب کر لو کہ تمہاری بیوی تمہاری خدمت کر دیا کرے۔ میں نے کہا کہ میں جوان آدمی ہوں میں ایسا نہیں کر سکتا۔

جب اس مقاطعہ پر پچاس راتیں گزر گئیں تو نمازِ فجر کے بعد جبکہ میں اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا اور میرا حال وہ ہو چکا تھا جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے کہ اپنی جان سے بھی تنگ آگیا اور زمین بھی میرے لئے اپنی کشادگی کے باوجود تنگ ہو گئی تو میں نے ایک بُلند آواز سُنی جبل سلع پر چڑھ کر کوئی شخص بُلند آواز سے پکار رہا تھا کہ اے کعب بن مالک خوش ہو جاؤ۔ یہ آواز سُن کر میں سجدہ میں گر پڑا اور میں نے یہ سمجھ لیا کہ مصیبت دُور ہونے کی کوئی صُورت سامنے آئی ہے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس بات کا اعلان فرمادیا کہ اللہ تعالےٰ نے ہماری توبہ قبول فرما لی۔ یہ اعلان نمازِ فجر کے بعد فرمایا تھا۔ اعلان سُن کر لوگ ہمیں خوشخبری دینے کے لئے روانہ ہوئے۔ میرے ساتھیوں کی طرف بھی خوشخبری دینے والے چلے اور ایک

صاحب اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر میری طرف چلے۔ لیکن قبیلہ بنی اسلم کے ایک صاحب دوڑ کر پہاڑ پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے پکار کر توبہ کی خوشخبری سُنادی۔ اس شخص کی آواز گھوڑے سوار سے پہلے پہنچ گئی۔ جب وہ شخص میرے پاس پہنچا جس کی آواز میں نے سُنی تھی تو اُسے میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر دے دیئے۔ اس وقت میرے پاس یہی دو کپڑے تھے (اگرچہ مال بہت تھا) میں نے دونوں کپڑے دے دیئے اور خود دو کپڑے مانگ کر پہن لئے۔

میں رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف روانہ ہوا۔ صحابہؓ کرام مجھ سے فوج در فوج ملاقات کرتے تھے اور توبہ قبول ہونے پر مُبارکبادی دیتے تھے۔ میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم مسجد میں تشریف فرما ہیں آپؐ کے چاروں طرف حاضرین موجود ہیں۔ میری طرف طلحہ بن عبید اللہ دوڑتے ہوئے آئے یہاں تک کہ مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارکبادی۔ میں ان کے اس عمل کو کبھی نہیں بھُولوں گا۔ اس کے علاوہ مہاجرین میں سے کوئی بھی میری طرف اُٹھ کر نہیں آیا (وجہ اس کی یہ تھی کہ اگر سبھی اُٹھتے تو مجلس نبوی جو سکون و اطمینان کے ساتھ جمی ہوئی تھی وہ ٹوٹ جاتی، سب کی طرف سے ایک شخص کا کھڑا ہونا کافی ہوگیا)۔

میں نے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو سلام کیا۔ اس وقت آپؐ کا چہرۂ مُبارک خوشی سے چمک رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم خوشخبری قبول کرو۔ جب سے تمہاری پیدائش ہوئی ہے تم پر آج سے بہتر کوئی دن نہیں گزرا (اس سے اسلام لانے کا دن مستثنیٰ ہے۔

(کما فی حاشیہ البخاری عن القسطلانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو جب کوئی خوشی کا موقعہ آتا تھا تو آپؐ کا چہرۂ انور ایسا روشن ہوجاتا تھا جیسے چاند کا ٹکڑا ہے۔ ہم آپ کی خوشی کو اسی سے پہچان لیتے تھے۔ جب میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا تو میں نے عرض کیا یا رسُول اللہ! میں نے اپنی توبہ میں اس بات کو بھی شامل کرلیا کہ میں اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رضا کے لئے خرچ کردوں گا۔ آپؐ نے فرمایا کچھ مال رکھ لو تمہارے

لئے بہتر ہوگا۔ میں نے کہا اچھا تو میں اپنا وہ حصہ روک لیتا ہوں جو مجھے خیبر کے مالِ غنیمت سے ملا تھا۔

پھر میں نے عرض کیا یا رسُول اللہ! اللہ نے مجھے سچ ہی کے ذریعہ نجات دی ہے اور میں نے اپنی توبہ میں اس بات کو بھی شامل کرلیا ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا سچ ہی بولوں گا کہنے کو تو میں نے کہہ دیا لیکن میرے علم میں مسلمانوں میں کوئی ایسا نہیں جو سچ بولنے کے بارے میں مجھ سے زیادہ مُبتلا کیا گیا ہو۔ میں آج تک اس پر قائم ہوں، جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچ بولنے کا عہد کیا اس وقت سے لے کر آج تک کبھی میں نے جان کر جھوٹ نہیں بولا اور اللہ تعالیٰ سے اُمید کرتا ہوں کہ باقی زندگی میں بھی میری حفاظت فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے توبہ قبول فرمانے کی بشارت دیتے ہوئے آیت شریفہ لَقَدْ تَّابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ وَالْمُهَاجِرِیْنَ سے لے کر وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ تک آیات نازل فرمائیں) حضرت کعبؓ نے یہ بھی فرمایا کہ نعمتِ اسلام کے بعد اس سے بڑی کوئی نعمت مجھے حاصل نہیں ہوئی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سچ بات کہہ دی تھی۔ اگر میں جھوٹ کہہ دیتا تو میں بھی ہلاک ہوجاتا جیسے دوسرے لوگ جھُوٹے عذر پیش کر کے ہلاک ہوگئے۔

فوائدِ ضروریہ

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کے واقعہ سے بہت سے فوائد مستنبط ہوتے ہیں۔

(۱) مومن بندوں پر لازم ہے کہ ہمیشہ سچ بولیں، سچی بات کہیں، سچ ہی میں نجات ہے اور جھُوٹ میں ہلاکت ہے۔ منافقین نے غزوۂ تبوک کے موقعہ پر جھُوٹے عذر پیش کر کے دنیا میں اپنی جانیں چھڑا لیں لیکن آخرت کا عذاب اپنے سر لے لیا اور مخلصین مومنین نے سچ بولا اور سچی توبہ کی۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی توبہ قبول فرمانے کا

اعلان فرما دیا۔ اگر کوئی شخص اپنے اکابر سے اور متعلقین سے جھوٹ بولے تو چند دن ممکن ہے کہ اس کا جھوٹ چل جائے لیکن پھر اس کا پول کھل ہی جاتا ہے اور ذلت کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

(۲) امیر المومنین اگر مناسب جانے تو بعض افراد کے بارے میں مقاطعہ کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ عامۃ المسلمین کو حکم دے سکتا ہے کہ فلاں فلاں شخص سے سلام کلام بند رکھیں۔ جب وہ صحیح راہ پر آجائے تو مقاطعہ ختم کر دیا جائے۔

(۳) بعض مرتبہ ابتلاء پر ابتلاء ہو جاتا ہے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی میں اور مقاطعہ کی مصیبت میں مبتلا تو تھے ہی اوپر سے شاہ غسان کا یہ خط ملا کہ تم ہمارے پاس آجاؤ ہم تمہاری قدر دانی کریں گے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان پر استقامت بخشی اور انہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی ہی کو سامنے رکھا اور بادشاہ کے خط کو تنور میں جھونک دیا۔ اگر وہ اس وقت اپنے عزائم میں کچے پڑ جاتے اور شاہ غسان کی طرف چلے جاتے تو اس وقت کی ظاہری مصیبت بظاہر دور ہو جاتی لیکن ایمان کی دولت سے محروم ہو کر آخرت برباد ہو جاتی۔ اس قسم کے ابتلاءات اور امتحانات سامنے آتے رہتے ہیں۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا کرے اور استقامت پر رہے۔

(۴) حضرت کعب رضی اللہ عنہ مقاطعہ کے باوجود مسجد میں حاضر ہوتے رہے نمازیں پڑھتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام بھی پیش کرتے رہے۔ یہ نہیں سوچا کہ چلو آپ روٹھے ہم چھوٹے جیسا کہ ان لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے جن کا تعلق اصلی نہیں ہوتا۔

(۵) جب اللہ اور اس کے رسول کا حکم آجائے تو اس کے مقابلہ میں کسی عزیز قریب کی کوئی حیثیت نہیں رہتی حضرت قتادہؓ جو حضرت کعبؓ بن مالک کے چچازاد بھائی اور انہیں سب سے زیادہ محبوب تھے جب انہیں سلام کیا تو انہوں نے جواب نہیں دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سلام کلام

کی ممانعت تھی ۔

(۶) جب آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں تینوں حضرات کے توبہ فرمانے کا ذکر تھا تو حضراتِ صحابہؓ نے حضرت کعبؓ بن مالک اور ان کے دونوں ساتھیوں کو جلد سے جلد بشارت دینے کی کوشش کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دینی معاملات میں کسی کو کوئی کامیابی حاصل ہو جائے جس کا اُسے علم نہ ہو تو اُسے بشارت دینی چاہیئے اور اس میں جلدی کرنی چاہیئے ۔

(۷) پھر جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ توبہ کا اعلان سننے کے بعد اپنے گھر سے نکلے تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے جوق در جوق اُن سے ملاقاتیں کیں اور برابر انہیں مبارکبادیں دیتے رہے یہ مُبارک باد توبہ قبول ہونے پر تھی۔ معلوم ہوا کہ دینی امور میں اگر کسی کو کامیابی حاصل ہو جائے تو اُسے مُبارک باد دینی چاہیئے ۔

(۸) جب رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حضرت کعبؓ پہنچے تو حضرت طلحہ بن عبیداللہ کھڑے ہوئے اور دوڑ کر اُن سے مصافحہ کیا اور مُبارک باد دی ۔ اس سے معلوم ہوا کہ زبانی مُبارک باد کے ساتھ عملی طور پر مُبارک باد دینا بھی مستحب ہے ۔

(۹) آئندہ کے لئے گناہ نہ کرنے کا عہد کرنا اور جو کچھ گناہ کیا ہو اس پر سچے دل سے نادم ہونے سے توبہ قبول ہو جاتی ہے (اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تلافی کرنا بھی لازم ہوتا ہے) لیکن توبہ کو اقرب الی القبول بنانے کے لئے مزید کوئی عمل کرنا مستحب ہے اور توبہ قبول ہونے کے بعد بطورِ شکر کچھ مال خیرات کرنا بھی مستحب ہے۔ صلوٰۃ التوبہ جو مشروع ہے اس میں یہی بات ہے کہ توبہ کی قبولیت جلد ہو جائے اور قبول کرانے کے لئے ندامت کے ساتھ کوئی اور عمل بھی شامل ہو جائے۔ حضرت کعبؓ نے توبہ قبول ہو جانے کے بعد جو یہ عرض کیا کہ میں نے اللہ کی رضا کے لئے بطورِ صدقہ اپنا پورا مال خرچ کرنے کی نیت کی ہے۔ یہ نیت اگر پہلے سے تھی تو صلوٰۃ التوبہ کی طرح ایک عمل ہے اور اگر بعد میں نیت کی تھی تو بطورِ ادائے

شکر تھی۔

(۱۰) حضرت کعبؓ نے عرض کیا کہ میری توبہ کا یہ بھی جزو ہے کہ میں اپنا پورا مال بطور صدقہ خرچ کردوں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب خرچ نہ کرو کچھ مال روک لو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ تو میں اپنا خیبر والا حصہ روک لیتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ پورا مال صدقہ کرکے پریشانی میں نہ پڑنا چاہیئے۔ البتہ اگر کسی نے پورا مال صدقہ کرنے کی نذر مان لی (جو زبان سے ہوتی ہے) تو اس کو پورا مال صدقہ کرنا واجب ہے لیکن اس سے بھی یوں کہا جائے گا کہ اپنے بال بچوں کے لئے بقدرِ ضرورت کچھ روک لے اور آئندہ جب مال تیری ملکیت میں آجائے تو جو مال روک لیا تھا اسی جنس کا مال صدقہ کردینا تاکہ نذر پر پوری طرح عمل ہوجائے۔ حضرت کعبؓ کے واقعہ میں چونکہ نذر نہیں تھی محض نیت تھی، اس لئے جتنا مال روک لیا تھا اس کے برابر میں صدقہ کرنے کا ذکر حدیث میں نہیں ہے۔

(۱۱) جو شخص جس قدر کسی گناہ سے بچنے کا اہتمام کرنے کا عہد کرلیتا ہے اُسے عموماً ایسے مواقع پیش آتے رہتے ہیں جن میں اس گناہ کے کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور یہ ایک بڑا امتحان ہوتا ہے۔ حضرت کعبؓ نے چونکہ ہمیشہ سچ بولنے کا عہد کرلیا تھا اس لئے اس بارے میں ان کا بار بار امتحان ہوتا رہتا تھا۔ قول و عمل میں سچا ہونا اللہ والوں کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہوجاؤ۔

(التوبہ۔ آیت نمبر ۱۱۹)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا امیر حج مقرر ہونا ۹ ہجری

۹ ہجری میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر حج بنا کر روانہ فرمایا۔ ذی القعدہ کے مہینے میں حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ تین سو آدمی مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ صدیق اکبر کو امیر حج بنانے کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو شریعت کے مطابق حج کرائیں اور سورۃ توبہ کی جو آیات ان مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی تھیں جنہوں نے اپنے عہد و پیمان کو توڑا تھا ان کا اعلان کریں۔ صدیق اکبرؓ کی روانگی کے بعد آپ کو یہ خیال ہوا کہ عہد اور نقض عہد کے متعلق جو اعلان کیا جائے مناسب یہ ہے کہ اس کا اعلان و اظہار ایسے شخص کی زبانی ہونا چاہئے کہ جو عہد کرنے والے کے خاندان اور اہل بیت سے ہو اس لئے کہ عرب ایسے امور میں خاندان اور اقارب ہی کی بات کو قبول کرتے ہیں اس لئے آپ نے حضرت علیؓ کو بلایا اور اپنی ناقہ عضباء پر سوار کر کے ابوبکر صدیق کے پیچھے روانہ کیا کہ سورہ برأت کی آیات موسم حج میں تم سناؤ اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیات برأت صدیق اکبرؓ کے روانہ ہونے کے بعد نازل ہوئیں اس لئے بعد میں حضرت علیؓ کو آیات برأت کا پیغام سنانے کے لئے روانہ فرمایا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت علیؓ ذوالحلیفہ پہنچ کر ابوبکر صدیق سے ملے اور کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کے اعلان کے لئے بھیجا ہے تو ابوبکر صدیق کو یہ خیال ہوا کہ شاید میرے بارے میں کوئی حکم نازل ہو گیا ہے اس لئے فوراً ہی مدینہ واپس ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا میرے بارے میں کوئی حکم نازل ہوا ہے آپ نے فرمایا تم تو میرے یار غار ہو، غار ثور کے ساتھی ہو اور حوض کوثر پر بھی میرے ساتھ ہو گے لیکن برأت کا اعلان سوائے میرے یا میرے خاندان کے کسی شخص کے اور کوئی نہیں کر سکتا اس لئے آیات برأت سنانے کے لئے میں نے علیؓ کو بھیجا ہے[1]

[1] فتح الباری ج ۸، ص ۶۵

چنانچہ حج تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہی کرایا اور حج کے خطبے بھی انہوں نے ہی دیئے۔ اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ نے یوم النحر کو جمرۃ العقبہ کے پاس کھڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لوگوں کو سنایا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے چند آدمی مقرر کئے جنہوں نے حضرت علیؓ کے پیغام کو پورے مجمع تک پہنچایا۔ اس اعلان میں حضرت علیؓ نے فرمایا:

"جنت میں کوئی کافر داخل نہ ہوگا اور آئندہ سال سے کوئی مشرک حج نہ کر پائے گا اور کسی کو برہنہ حالت میں طواف کرنے کی اجازت نہ ہو گی۔"

اور جن لوگوں کا کوئی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس کی مدت پوری کی جائے گی اور جن لوگوں سے کوئی عہد نہیں ہے یا عہد کی کوئی میعاد مقرر نہیں ہے تو ان کو چار مہینے تک امن ہے اگر اس دوران انہوں نے اسلام قبول نہ کیا تو جہاں ملیں گے قتل کئے جائیں گے۔ (فتح الباری)

سنہ ۹ ہجری کے دیگر اہم واقعات

(۱) اسی سال شاہِ حبشہ نجاشی کا انتقال ہوا اور آپؐ کو وحی کے ذریعہ اس کی اطلاع ملی۔ آپؐ نے اپنے صحابہؓ کو جمع فرما کر حضرت نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی اللہ تعالیٰ کی کروڑوں رحمتیں ہوں نجاشی پر۔

(۲) اسی سال سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا اور پھر حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سودی معاملات کے حرام ہونے کا عام اعلان فرمایا۔

(۳) اسی سال لعان کا حکم نازل ہوا۔

(۴) جزیہ کے احکام بھی اسی سال نازل ہوئے۔

(۵) رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کی موت بھی اسی سال واقع ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے

ممانعت نازل ہوئی کہ آئندہ کسی منافق کا جنازہ نہ پڑھائیں۔ چنانچہ حق تعالٰی کا فرمان ہے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ (التوبہ آیت ۸۴ و ۸۵)

ترجمہ: اور ان میں سے جو کوئی شخص مرجائے آپ اُس پر کبھی نماز نہ پڑھیں اور اس کی قبر پر کھڑے نہ ہوں بے شک ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ کفر کیا اور وہ اس حال میں مرگئے کہ نافرمان تھے اور آپ کو ان کے اموال اور اولاد تعجب میں نہ ڈالیں اللہ یہی چاہتا ہے کہ ان کو ان چیزوں کے ذریعہ دنیا میں عذاب دے اور ان کی جانیں اس حالت میں نکل جائیں کہ وہ کافر ہوں۔

صحیح بخاری ص ۳، ۶، ۷، ۶ ج ۲ میں ہے کہ جب عبداللہ بن اُبی (رئیس المنافقین) مرگیا تو اس کا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ خدمت عالی میں حاضر ہوا (جو خالص مسلمان تھا) اور اس نے کہا کہ میرے باپ کی موت ہوگئی ہے آپ اپنا کرتہ عنایت فرمادیں جو اُسے بطور کفن پہنادیا جائے آپؐ نے اپنا کرتہ عنایت فرمادیا پھر عرض کیا کہ آپ نماز بھی پڑھائیں آپ نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا کپڑا پکڑ لیا اور عرض کیا کہ آپ اس کی نماز پڑھاتے ہیں حالانکہ وہ منافق ہے آپ نے پھر بھی اس کی نماز پڑھائی اس پر آیت بالا وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا ۝ (آخر تک) نازل ہوئی۔

فتح الباری ص ۳۳۶ ج ۸ میں ہے کہ آپؐ نے اس کے بعد کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی، باقی رہی یہ بات کہ عبداللہ بن اُبی کی نماز جنازہ پڑھانے میں کیا مصلحت تھی؟ اس کے بارے میں فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس کے بیٹے عبداللہ

کی خوشی کے لئے اور قبیلہ خزرج کی قوم کی تالیف قلب کے لئے ایسا فرمایا۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا کرتہ اسے کیا فائدہ دے گا۔ میں نے تو یہ عمل اس لئے کیا ہے کہ اس کی قوم کے ہزار آدمی مسلمان ہو جائیں اھ۔

روح المعانی ص ۱۵۴ ج ۱۰ میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں اُمید کرتا ہوں کہ میرے اس عمل سے قبیلہ بنی خزرج کے ایک ہزار سے زیادہ افراد مسلمان ہو جائیں گے۔ پھر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اُمید پوری کی اور ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ عبداللہ بن اُبی کو جو آپؐ نے اپنا کُرتہ عطا فرمایا تھا اس کی وجہ تفسیر و حدیث کی کتابوں میں یہ لکھی ہے کہ آپؐ کے چچا عباسؓ کو جب بدر کے قیدیوں میں لایا گیا تھا اس وقت اُن کے بدن پر کپڑا نہ تھا۔ قد آور اور بھاری ہونے کی وجہ سے کسی کا کپڑا اُن کے جسم پر نہیں آتا تھا۔ اس وقت عبداللہ بن اُبی نے اپنا کُرتہ پہنا دیا تھا۔ لہٰذا آپؐ نے اس کی مکافات کے لئے اپنا کُرتہ کفن میں شامل کرنے کے لئے عنایت فرما دیا۔

(روح المعانی ص ۱۵۴ ج ۱۰)

دربارِ رسالت میں وفود کی آمد ۱۰ھ ہجری

جب قریش مسلمان ہو گئے تو عرب کے دیگر قبائل بھی تیزی سے اسلام قبول کرنے لگے کیونکہ وہ اسی بات کے منتظر تھے کہ قریش کا معاملہ کیسے پلٹتا ہے۔ قریش کی فہم وفراست، سخاوت وشجاعت عرب میں مشہور تھی اور بیت اللہ کے نگران ہونے کی وجہ سے عرب کے دیگر قبائل ان کو قابلِ تقلید سمجھتے تھے جب مکہ معظمہ فتح ہو گیا اور قریش کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور کعبۃ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں آگیا تو دیگر عرب قبائل سمجھ گئے کہ یہ دینِ حق ہے اور اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ چنانچہ ہر طرف سے عرب قبائل کے سفیر اور وفود آپؐ کی خدمت میں آنے لگے۔ یہ لوگ خود اسلام قبول کرتے، اسلام کی حقیقت کو سمجھتے، پھر داعی بن کر اپنی قوم کی طرف لوٹتے اس طرح سارے عرب میں دینِ حق کا بول بالا ہوا۔ جو وفود آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے چند کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

1. وفد ہوازن۔ سب سے پہلے یہ وفد حاضر ہوا تھا۔
2. وفد ثقیف۔ یہ طائف کے باشندے تھے۔
3. وفد بنی عامر بن صعصعہ۔
4. وفد عبد القیس۔
5. وفد بنی حنیفہ۔
6. وفد طی
7. وفد کندہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

حجۃ الوداع سنہ ہجری

حج کی فرضیت کس سال ہوئی؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے سنہ ہجری میں حج کی فرضیت والے قول کو ترجیح دی ہے کہ اگر اس سے قبل فرض ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ادائیگی میں تاخیر نہ فرماتے۔ امام ابن القیم نے اسی قول کو ترجیح دی ہے [1]

حج پر روانگی کے لئے اعلانِ عام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سنہ ہجری میں سفرِ حج کا ارادہ فرمایا اور عام اعلان کرا دیا۔ مدینہ کے اطراف سے بھی جاں نثاروں کے قافلے آپؐ کی رفاقت میں حج کرنے کے لئے مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی سے قبل مدینہ طیبہ کے انتظامی امور سنبھالنے کے لئے حضرت ابودجانہ ساعدی رضی اللہ عنہ کو قائم مقام مقرر فرمایا۔ ایک روایت میں حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کا نام آیا ہے [2]

مدینہ طیبہؓ سے روانگی

پچیس ۲۵ ذوالقعدہ سنہ ۱۰ھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہؓ سے حج کے سفر پر روانہ ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آپؐ روانہ ہوئے تو ذوالقعدہ

---

[1] زاد المعاد ص ۹۵ ج ۳۔

[2] سیرت ابن ہشام ص ۲۳۰ ج ۴

کے پانچ دن باقی تھے۔ (بخاری شریف)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر کی چار رکعات مدینہ طیبہ میں ادا فرمائیں۔ پھر آپؐ نے بالوں کو سنوارا۔ تیل لگایا۔

ذوالحلیفہ میں قیام

ظہر و عصر کے درمیان آپؐ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ ذوالحلیفہ (جس کو ابیارِ علی کہا جاتا ہے) پہنچ کر نمازِ عصر قصراً یعنی دو رکعت ادا فرمائی۔ پھر وہیں قیام فرمایا اور رات کو بھی وہیں مقیم رہے[1] آپؐ نے مغرب و عشاء اور اگلے دن کی فجر و ظہر کی نمازیں بھی ذوالحلیفہ میں ہی ادا فرمائیں اس سفر میں تمام ازواج مطہراتؓ بھی آپؐ کے ساتھ تھیں۔

احرام کے لئے غسل

جامع ترمذی میں ہے کہ جب آپؐ نے احرام باندھنے کا ارادہ فرمایا تو غسل کیا[2] جب آپؐ نے غسل فرما لیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے جسم مبارک اور سر پر خوشبو لگائی جس کا اثر آپؐ کے سر کے بالوں اور داڑھی مبارک پر نظر آرہا تھا، یہ خوشبو مشک اور ذریرہ تھی۔ (مسلم والبیہقی)

قربانی کے جانوروں پر علامت لگانا

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدی کے جانوروں کے گلوں میں قلادے ڈالے، اونٹوں کی کوہانوں کو دائیں جانب سے ذرا سا شق کرکے جو خون نکلا وہیں مل دیا جس کو "اشعار" کہتے ہیں۔ یعنی اس بات کی علامت کہ یہ قربانی کے جانور ہیں[3]

احرام اور تلبیہ

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت احرام کے نفل ادا فرمائے[4] اس کے بعد آپ اپنی سواری

---

[1] بخاری شریف ج ۱ ص ۱۹۰ زاد المعاد ج ۲ ص ۱۰۶۔ [2] ترمذی باب ما جاء فی الاغتسال عند الاحرام
[3] صحیح مسلم باب تقلید الہدی و اشعارہ عند الاحرام
[4] زرقانی ج ۸ ص ۱۴۵ ۔

پر بیٹھے اور قبلہ کی طرف رخ کرکے تلبیہ پڑھا جس کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں۔

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ۔ لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ ۔ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ ۔[1]

ترجمہ: میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں بے شک تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں نعمت اور بادشاہت بھی تیری ہے تیرا کوئی شریک نہیں۔

ذرا تلبیہ کے الفاظ و معانی پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان توحید کے سمندر میں غوطہ لگا رہا ہے۔ آپؐ نے بلند آواز سے تلبیہ پڑھا اور اپنے صحابہؓ کو بھی یہی حکم فرمایا کہ تلبیہ اونچی آواز سے پڑھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کے نفل پڑھنے کے بعد تلبیہ پڑھا۔ پھر سواری پر بیٹھ کر بھی تلبیہ پڑھا۔ پھر جب آپؐ روانہ ہوئے اور مقام بیداء پر پہنچے تو پھر آپؐ نے تلبیہ پڑھا۔ روایت کرنے والے صحابہ میں سے جس نے جس وقت آپؐ کی زبان مبارک سے تلبیہ سُنا اس کو نقل کر دیا۔ اہلِ علم نے یہ تفصیل لکھی ہے۔

مکہ معظّمہ میں داخلہ

اہلِ ایمان کا یہ قافلہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی بندگی کا اعلان کرتا ہوا ذوالحجہ کی چار تاریخ کو وادیٔ ذی طویٰ میں پہنچا جو مکہ معظمہ سے بالکل قریب ہے۔ اس کے بعد سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ فجر ادا فرمائی اور اس کے بعد حرم مکہ میں داخلہ کے لئے غسل فرمایا اور ثنیۃ العلیا کی طرف سے مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے۔[2] (ثنیۃ العلیاء کو آج کل معابدہ کہا جاتا ہے)۔

---

[1] بخاری والنسائی باب کیفیۃ التلبیۃ ۔

[2] حجۃ الوداع و عمرات النبی ص ۹۶ ج ۲

مسجدِ حرام میں داخلہ چاشت کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں باب السلام سے داخل ہوئے (اس وقت اس کو باب عبد مناف کہا جاتا تھا)۔ جب آپؐ کی نظر مبارک بیت اللہ پر پڑی تو آپؐ نے اللہ اکبر کہا اور یوں دُعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ، فَحَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ، اَللّٰهُمَّ زِدْ هٰذَا الْبَيْتَ تَشْرِيْفًا وَتَعْظِيْمًا وَتَكْرِيْمًا وَمَهَابَةً، وَزِدْ مَنْ عَظَّمَهُ وَمَنْ حَجَّهُ أَوِ اعْتَمَرَهُ تَكْرِيْمًا وَتَشْرِيْفًا وَتَعْظِيْمًا وَبِرًّا[1]

ترجمہ: "اے اللہ تو ہی سلامتی کا مالک ہے اور تیری ہی جانب سے سلامتی عطا ہوتی ہے، بس اے ہمارے رب! تو ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ۔ اے اللہ! تو اس گھر (یعنی کعبہ شریف) کی تشریف و تعظیم و تکریم اور ہیبت میں اضافہ فرما اور جو شخص اس کی تعظیم کرتے ہوئے حج یا عمرہ کرے اس کو بھی عظمت و بزرگی اور شرافت و بھلائی عطا فرما۔"

طوافِ کعبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد حرام میں داخل ہونے کے بعد طواف کیا۔ تحیۃ المسجد کی دو رکعت نہیں پڑھیں کیونکہ مسجد حرام کا تحیہ طواف ہے۔ آپؐ نے حجرِ اسود کے مقابل کھڑے ہو کر اس کا استلام کیا۔ پھر طواف شروع فرما دیا، رکن یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان یہ دُعا پڑھی:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرة)

ترجمہ: "اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی خیر و بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی خیر و بھلائی عطا کر اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔"

طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل بھی فرمایا جس کے معنی ہیں چھوٹے

---

[1] البیہقی ج ۵، ص ۱۵۸

چھوٹے قدم اٹھانا اور کندھوں کو پہلوانوں کے انداز میں حرکت دینا۔ نیز آپؐ نے اضطباع بھی کیا جس کے معنیٰ ہیں کہ دائیں کندھے کو کھلا رکھنا اور احرام کی اوپر والی چادر کو دائیں بغل کے نیچے سے گزار کر بائیں کندھے پر ڈال دینا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکن یمانی کو بوسہ نہیں دیا (رکن یمانی کو ہاتھ لگانا مسنون ہے لیکن اس کا بوسہ لینا ثابت نہیں ہے)۔

جب آپؐ حجر اسود پر پہنچے تو ازدحام کی وجہ سے اس کی طرف ہاتھوں سے اشارہ کر کے ان کو چوم لیتے یا چھڑی سے اشارہ فرماتے۔ اسی طرح آپؐ نے سات چکر پورے فرمائے[1]

دوگانہ طواف کی ادائیگی

طواف سے فارغ ہو کر آپؐ مقام ابراہیم پر آئے اور اس کے سامنے قبلہ رُخ کھڑے ہو گئے یعنی مقام ابراہیم آپؐ کے اور کعبہ کے درمیان آگیا۔ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی؛

واتّخذوا من مقام ابراھیم مُصلّی[2]

ترجمہ: (اور ہم نے حکم دیا کہ) مقام ابراہیم کو مُصلّی بناؤ (یعنی وہاں نماز ادا کرو)۔

آپؐ نے دو رکعت تحیۃ الطواف ادا فرمائیں[3] (جو ہر طواف کے بعد ادا کرنا واجب ہے)۔

صفا و مروہ کی سعی

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا کا رُخ فرمایا اور صفا پہاڑی کے پاس پہنچ کر یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی:

"اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ" (البقرۃ: ۱۵۸)

ترجمہ: بے شک صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کے شعائر (یعنی نشانیوں) میں سے ہیں۔

---

[1] زاد المعاد ج ۲ ص ۲۲۵۔ [2] البقرۃ آیت نمبر ۱۲۵۔

[3] زاد المعاد ج ۲ ص ۲۲۵ تا ۲۲۷

اور فرمایا کہ ہم وہیں سے ابتدا کرتے ہیں جہاں سے اللہ تعالیٰ نے ابتدا فرمائی (یعنی آیت مبارکہ میں پہلے صفا کا ذکر ہے پھر مروہ کا اس لئے ہم صفا سے سعی کی ابتدا کرتے ہیں)۔

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صفا کی پہاڑی پر چڑھے یہاں تک کہ کعبہ شریف نظر آنے لگا۔ کعبہ شریف کی طرف رُخ کرکے اللہ رب العزت کی حمد و ثنا بیان فرمائی اور اللہ اکبر کہا۔ پھر مندرجہ ذیل کلمات پڑھے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔

ترجمہ: "کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ بادشاہت اسی کی ہے اور حمد کا مستحق بھی صرف وہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور (کفار کی) جماعتوں کو تنہا اسی نے شکست دی۔"

تین بار یہ کلمات پڑھے اور دیگر دعائیں بھی پڑھیں اس کے بعد سعی شروع فرمادی اور صفا سے مروہ کی جانب چلے۔ سبز ستونوں کے درمیان تیزی سے گزرے اور باقی حصے میں عام چال چلے۔ جب مروہ پہاڑی پر پہنچے تو کعبہ شریف کی طرف رُخ فرما کر تکبیر کہی اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور عظمت بیان فرمائی اور صفا کی طرح مروہ پر بھی دُعائیں پڑھیں۔ پھر صفا کی طرف روانہ ہوگئے اور اسی طرح سات چکر پورے فرمائے (یعنی صفا سے مروہ تک ایک اور مروہ سے صفا تک دوسرا) اس طرح مروہ پر ساتواں چکر ختم ہوا۔[1]

---

[1] سیرۃ حلبیہ ص ۱ ۳ ج ۳ - زاد المعاد ج ۲ ص ۲۲۷، ۲۲۸۔

مکہ معظّمہ میں قیام

سعی سے فارغ ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام نہیں کھولا کیونکہ آپؐ کا حج قران تھا البتہ صحابہ کرامؓ کو حلق یا قصر کراکر احرام کھولنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ اگر مجھے پہلے سے وہ بات معلوم ہوتی جو بعد میں معلوم ہوئی تو میں ہدی ساتھ نہ لاتا[1]

چار ذی الحجہ سے آٹھ ذی الحجہ تک آپؐ نے مکہ معظّمہ میں ہی قیام فرمایا، اور اسی قیام کے دوران کعبہ شریف کے دروازہ پر خطبہ بھی دیا۔

مکہ معظّمہ سے منیٰ کو روانگی

آٹھ ذی الحجہ کی صبح کو سورج بلند ہوجانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ساتھ منیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ منیٰ میں آپؐ نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں اور رات کو بھی وہیں قیام فرمایا[1]۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم الترویہ یعنی آٹھ ذی الحجہ کو ایک خطبہ بھی دیا جس میں لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم دی[2] (یعنی حج کے مسائل اور طریقہ بتایا)۔

۹ ذی الحجہ، وقوفِ عرفات

۹ ذی الحجہ کو نماز فجر ادا کرنے کے بعد جب آفتاب طلوع ہوگیا تو آپؐ عرفات کی طرف روانہ ہوگئے۔ حضراتِ صحابہ کرامؓ تلبیہ اور تکبیر پڑھتے ہوئے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میدانِ عرفات میں پہنچے۔ عرفات کے مشرقی جانب ایک مقام تھا جس کو نمرہ کہتے تھے، آپؐ نے حکم دیا کہ میرا خیمہ وہیں نصب کیا جائے (اب اس مقام پر بڑی وسیع و عریض مسجد "مسجدِ نمرہ" کے نام سے تعمیر کردی گئی ہے جہاں امام حج خطبہ دیتا ہے۔)

سورج ڈھلنے یعنی نمازِ ظہر کا وقت ہونے تک آپؐ نے یہاں قیام فرمایا اس کے بعد آپؐ اپنی اونٹنی پر سوار ہوکر بطن وادی میں تشریف لائے اور جبلِ رحمت کے پاس اونٹنی پر بیٹھے ہوئے وہ خطبہ ارشاد فرمایا جو تاریخِ اسلام

---

[1] زاد المعاد ج ۲ ص ۲۳۳ ۔ [2] عیون الأثر ج ۲ ص ۳۶۲

میں خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔

خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلّم کا خطبہ حجّۃ الوداع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اپنی نبوّت اور رسالت کی گواہی دینے کے بعد تقویٰ اختیار کرنے کی وصیّت فرمائی اور اپنی رحلت کے قرب کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

① یاایھاالناس انی لا ارانی وایاکم نجتمع فی ھذا المجلس ابدًا۔	لوگو! میں خیال کرتا ہوں کہ میں اور تم پھر کبھی اس مجلس میں اکٹھے نہیں ہوں گے۔

مسلمانوں میں باہمی محبّت و الفت اور ایک دوسرے کی عزت و آبرو اور جان و مال کی حفاظت کے بارے میں تاکید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

② ان دماءکم واموالکم واعراضکم حرامٌ علیکم کحرمۃ یومکم ھذا فی بلدکم ھذا فی شھرکم ھذا۔ وستلقون ربکم فیسئلکم عن اعمالکم الا فلا ترجعوا بعدی ضلالًا یضرب بعضکم رقاب بعضٍ ۔	لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزّتیں ایک دوسرے پر ایسے ہی حرام ہیں جیسا کہ تم آج کے دن کی، اس شہر کی، اس مہینہ کی حرمت کرتے ہو۔ لوگو! تمہیں عنقریب خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بابت سوال فرمائے گا۔ خبردار! میرے بعد گمراہ نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔

ل؎ رواہ ابن عساکر عن رضی اللہ تعالےٰ عنہ

ل؎ صحیح البخاری، باب حجۃ الوداع۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے تمام جاہلی قوانین اور جاہلیت کے اقتصادی نظام کو ختم کرنے کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا:

(۳) الا کل شیٔ من امر الجاهلیة تحت قدمی موضوع، ودماء الجاهلیة موضوعة وان اول دم اضع من دمائنا دم ابن ربیعة بن الحارث کان مسترضعا فی بنی سعد فقتله هذیل، وربا الجاهلیة موضوعة واول ربا اضع من ربانا ربا عباس بن عبد المطلب فانه موضوع کله۔

لوگو! جاہلیت کی ہر اک بات میں اپنے قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں۔ جاہلیت کے قتلوں کے تمام جھگڑے ملیامیٹ کرتا ہوں۔ پہلا خون جو میرے خاندان کا ہے یعنی ابن ربیعہ بن الحارث کا خون جو بنی سعد میں دودھ پیتا تھا اور ہذیل نے اُسے مارڈالا تھا میں چھوڑتا ہوں۔ جاہلیت کے زمانہ کا سُود ملیامیٹ کر دیا گیا۔ پہلا سُود اپنے خاندان کا جو میں مٹاتا ہوں وہ عباس بن عبد المطلب کا سود ہے وہ سارے کا سارا چھوڑ دیا گیا۔

عورتوں کے ساتھ بھلائی اور خوبی کا برتاؤ کرنے اور ظلم و زیادتی سے رکتے ہوئے ارشاد فرمایا:

(۴) فاتقوا اللہ فی النساء فانکم اخذتموهن بامان الله واستحللتم فروجهن بکلمة الله ولکم علیهن الا یوطئن فروشکم احدا تکرهونه فان

لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو۔ خدا کے نام کی ذمہ داری سے تم نے اُن کو بیوی بنایا اور خدا کے کلام سے تم نے اُن کا جسم اپنے لئے حلال بنایا ہے۔ تمہارا حق عورتوں پر اتنا ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی غیر کو (کہ اس کا آنا تم کو ناگوار ہے) نہ آنے

فعلن ذٰلك فاضربوهن	دیں۔ لیکن اگر وہ ایسا کریں تو ان کو
ضربًا غیر مبرّح	ایسی مار مارو جو نمودار نہ ہو ۔
ولهنّ علیکم رزقهنّ	عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کو
وکسوتهنّ بالمعروف ۔	اچھی طرح کھلاؤ اچھی طرح پہناؤ ۔

قرآن مجید کو سرچشمہ ہدایت قرار دیتے ہوئے اور اپنی امت کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت، نماز کی پابندی، زکوٰۃ اور فریضہ حج کی ادائیگی اور اولیائے امور و حکام کی اطاعت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

⑤ وقد ترکت فیکم مالن	لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ چلا ہوں
تضلوا بعدهٗ ان اعتصمتم	کہ اگر اسے مضبوط پکڑ لوگے تو کبھی گمراہ
به کتاب الله ۔	نہ ہوگے وہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔
⑥ ایها الناس انه لا	لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی پیغمبر ہے اور
نبی بعدی ولا امة	نہ کوئی جدید اُمت پیدا ہونے والی ہے
بعدکم الا فاعبدوا	سُن لو کہ اپنے پروردگار کی عبادت
ربّکم وصلوا خمسکم	کرو اور پنجگانہ نماز ادا کرو، سال بھر
وصوموا شهرکم	میں ایک مہینہ رمضان کے روزے
وادّوا زکاة اموالکم	رکھو۔ اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہایت دلی
طیّبة بها انفسکم	خوشی کے ساتھ دیا کرو۔ خانۂ خدا کا حج
وتحجون بیت	بجالاؤ اور اپنے اولیائے امور و حکام
ربّکم واطیعوا اولات	کی اطاعت کرو جس کی جزا یہ ہے کہ تم لوگ
امرکم تدخلوا جنّة	یہ بجالاکر پروردگار کے فردوسِ بریں
ربّکم له	میں داخل ہوگے ۔

له ابن جریر و ابن عساکر عن ابی امامة ۔

اور آخر میں اپنی امت کو گواہ بناتے ہوئے ارشاد فرمایا:

⑦ وانتم تسئلون عنی فما انتم قائلون۔	لوگو! قیامت کے دن تم سے میری بابت بھی دریافت کیا جائے گا۔ مجھے ذرا بتادو کہ تم کیا جواب دوگے۔
قالوا نشهد انك قد بلغت وادیت ونصحت	سب نے کہا۔ ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے اللہ کے احکام ہم کو پہنچا دیئے۔ آپؐ نے رسالت و نبوت کا حق ادا کر دیا۔ آپؐ نے ہم کو کھوٹے کھرے کی بابت اچھی طرح بتا
فقال باصبعه السبابة یرفعها الی السماء وینکتها الی الناس۔	دیا (اس وقت) نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت کو اٹھایا۔ آسمان کی طرف انگلی کو اٹھاتے تھے اور پھر لوگوں کی طرف جھکاتے تھے
اللّٰھم اشھد	(فرماتے تھے) اے اللہ سُن لے (تیرے بندے کیا کہہ رہے ہیں) اے اللہ گواہ
اللّٰھم اشھد	رہنا کہ (یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں) اے اللہ!
اللّٰھم اشھد	شاہد رہ (کہ یہ سب کیسا صاف اقرار
ثلاث مرّات لہ۔	کر رہے ہیں)۔
⑧ الا لیبلغ الشاهد الغائب فلعل بعض من یبلغه ان یکون اوعی له من بعض من سمعه ۲؎	دیکھو جو لوگ موجود ہیں وہ اُن لوگوں کو جو موجود نہیں ہیں ان کی تبلیغ کرتے رہیں ممکن ہے کہ بعض سامعین سے

وہ لوگ زیادہ تر اس کلام کو یاد رکھنے اور حفاظت کرنے والے ہوں جن پر تبلیغ کی جائے۔

لہ صحیح مسلم باب حجۃ النبیؐ۔

۲؎ صحیح البخاری باب حجۃ الوداع عن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ۔

اتمامِ نعمت کا اعلان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم خطبہ کو سننے والوں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔ آپؐ نے اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر مندرجہ بالا خطبہ دیا اور اس کے بعد اسی جگہ یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدۃ آیت نمبر ۳)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا[۱]

نماز ظہر و عصر کی جمع و قصر کے ساتھ ادائیگی

خطبے کے بعد آپؐ نے حضرت بلال حبشیؓ کو حکم دیا کہ اذان دیں انہوں نے اذان دی، پھر اقامت کہی اور آپؐ نے نماز ظہر کی دو رکعتیں قصراً ادا فرمائیں (کیونکہ آپؐ مسافر تھے) اس کے بعد دوسری اقامت ہوئی اور آپؐ نے عصر کے دو فرض پڑھائے۔ (واضح رہے کہ یہ جمعہ کا دن تھا لیکن آپؐ نے جمعہ نہیں پڑھایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو حجاج کرام میدانِ عرفات میں نماز جمعہ نہیں پڑھیں گے[۲]

مسئلہ: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت امام حج تھے۔ اس وجہ سے آپؐ نے اور آپؐ کے پیچھے نماز ادا کرنے والوں نے ظہر و عصر کو جمع کر کے پڑھا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ ظہر و عصر کو جمع کر کے ایک وقت میں پڑھنے کے لئے یہ شرط ہے کہ حاجی امام حج کی اقتدا میں نماز ادا کر رہا ہو۔ (امام حج حکومت وقت کی طرف سے متعین کیا جاتا ہے اور مسجد نمرہ میں خطبہ دیتا ہے اور ظہر و عصر پڑھاتا ہے)۔

---

[۱] صحیح البخاری، عن عمر بن الخطاب

[۲] عیون الاثر ص ۲۹۳ ج ۲۔ و زاد المعاد ج ۲ ص ۲۲۵۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری اور دُعا

نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جبلِ رحمت کے نیچے صخرات کے پاس تشریف لائے اور قبلہ کی جانب رُخ کیا۔ آپؐ اونٹنی پر سوار تھے اور نہایت گریہ وزاری اور تضرّع وابتہال کے ساتھ سورج غروب ہونے تک دُعا میں مشغول رہے۔[1]

غروبِ شمس کے بعد مزدلفہ کو روانگی

غروب آفتاب کے بعد جب شفق کی زردی ختم ہوگئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید کو اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھایا اور اپنے جانثار صحابہؓ کے ساتھ مزدلفہ کو روانہ ہوگئے۔ آپؐ ہلکی رفتار سے چلے اور صحابہ کرامؓ کو بھی تیز رفتاری سے منع فرمایا۔ درمیانہ چال چلتے ہوئے آپؐ مزدلفہ پہنچے۔ پورے راستہ میں آپؐ تلبیہ پڑھتے رہے۔[2]

مزدلفہ پہنچ کر نمازِ مغرب وعشاء کی ادائیگی

مزدلفہ پہنچ کر وضو فرمایا اور اذان کا حکم دیا۔ اذان کے بعد پہلی اقامت ہوئی اور آپؐ نے نمازِ مغرب ادا فرمائی۔ پھر دوسری اقامت ہوئی اور آپؐ نے نمازِ عشاء قصراً دو رکعت ادا فرمائی (مغرب وعشاء مزدلفہ پہنچ کر جمع کر کے پڑھنا تمام اہلِ علم کے نزدیک متفق علیہ ہے اور اس جمع کے لئے امامِ حج کی اقتداء میں ادا کرنا شرط نہیں ہے)

نمازِ عشاء سے فارغ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے اور عام عادت کے خلاف نمازِ تہجد کے لئے نہ اُٹھے بلکہ نمازِ فجر کے لئے ہی بیدار ہوئے۔[3] (اس سے معلوم ہوا کہ مزدلفہ والی رات کو آرام کرنا سنّت ہے اس رات تہجد

---

[1] عیون الاثر صفحہ ۳۶۳ ج ۲ - وزاد المعاد ج ۲ ص ۲۳۵ -

[2] صحیح البخاری ج ۳ ص ۳۰ - ومسند الطیالسی ج ۲ ص ۱۰۸ -

[3] زاد المعاد ج ۲، ص ۲۴۷ وعیون الأثر ج ۲ ص ۳۶۳ -

پڑھنا ثابت نہیں ہے)۔

مزدلفہ میں نمازِ فجر کی ادائیگی اور پھر دُعا و گریہ وزاری

صبح صادق ہو جانے کے بعد فجر کے اوّل وقت میں اذان دی گئی پھر اقامت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ فجر ادا فرمائی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ سوار ہو کر مشعرِ حرام کے پاس تشریف لائے اور دُعا و مناجات اور گریہ وزاری میں مشغول ہو گئے۔ اپنے پروردگار کے سامنے عاجزی کے ساتھ بندگی کا اظہار کرتے رہے اور دُعائیں مانگتے رہے۔ تکبیر و تہلیل بھی پڑھتے رہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ پورے مزدلفہ میں کہیں بھی وقوف کیا جا سکتا ہے[1]۔ واضح رہے کہ وقوفِ مزدلفہ کا وقت صبح صادق سے طلوعِ شمس تک ہے۔ جو شخص اس وقت میں مزدلفہ پہنچ گیا اس نے وقوفِ مزدلفہ کو پالیا۔ مزدلفہ میں رات کا قیام سُنّت ہے اور صبح صادق کے بعد وقوف واجب ہے۔

طلوعِ شمس سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ کو روانگی

جب اُجالا خوب ہو گیا لیکن سُورج ابھی طلوع نہ ہوا تھا تو سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ کے لئے روانہ ہو گئے۔ آپ کی سواری پر حضرت فضل بن عباس سوار تھے (جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے) اور اسامہ بن زید آپ کے ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ پورے راستے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تلبیہ پڑھتے رہے[2]۔

وادیٔ محسّر جہاں اصحابِ فیل ہلاک ہوئے تھے

جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وادیٔ محسّر پر پہنچے (جو مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان ہے) تو آپ نے اپنی سواری کو

[1] زاد المعاد ۲۵۲-۲۵۴ ج ۲۔ و عیون الاثر ص ۲۹۴ ج ۲۔

[2] زاد المعاد ج ۲ ص ۲۵۴، و عیون الاثر ج ۲ ص ۲۹۴۔

تیز کر دیا تاکہ اس مقام سے تیزی کے ساتھ گزر جائیں جہاں اصحاب فیل پر عذاب نازل ہوا تھا[1]

منیٰ پہنچ کر جمرۃ العقبہ کی رمی

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ راستہ اختیار فرمایا جو جمرۃ العقبہ کے پاس پہنچتا ہے۔ (جمرۃ العقبہ کو اردو بولنے والے "بڑا شیطان" کہتے ہیں) یہاں پہنچ کر آپؐ نے سواری پر بیٹھے ہوئے ہی جمرۃ العقبہ کو کنکریاں ماریں تلبیہ پڑھنا بند کر دیا۔ اس وقت حضرت اسامہ بن زیدؓ اور حضرت بلال حبشیؓ آپؐ کے ساتھ تھے۔ ایک نے آپؐ کی سواری کی مہار تھام رکھی تھی اور دوسرے نے دھوپ کی شدت سے بچانے کے لئے کپڑے سے آپؐ پر سایہ کر رکھا تھا[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسکِ حج زیادہ تر سواری پر ادا فرمائے اس میں یہ حکمت تھی کہ آپؐ کے اُمتی مناسکِ حج کی ادائیگی کا سُنّت طریقہ سیکھ لیں۔

رمی سے فارغ ہو کر آپؐ اپنی قیامگاہ پر تشریف لے گئے (یہ قیامگاہ (خیمہ) وہاں تھا جہاں مسجد خیف تعمیر کی گئی ہے)۔ وہاں پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا اور مہاجرین وانصار کو جمع فرما کر مناسکِ حج کی تعلیم دی۔ آپؐ کے خطبہ کا ایک اقتباس درج ذیل ہے۔ خطبہ دیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"بلاشبہ تمہارا خون، تمہارے اموال اور عزّت و آبرو کی حُرمت ایک دوسرے کے لئے ایسی ہی ہے جیسے کہ آج کے دن کی حُرمت ہے اس مہینے اور شہر میں اور عنقریب تم اپنے پروردگار سے ملاقات کرو گے وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔ خبردار! تم لوگ میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دُوسرے کی گردنیں

---

[1] زاد المعاد ج ۲ ص ۲۵۵۔

[2] مسند الامام احمد ج ۷ ص ۵۵۰۔

اڑانے لگو لیے کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟ غور سے سنو، جو لوگ حاضر ہیں وہ ان تک یہ بات پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں"۔[1]

قربانی

یہ دسّس ذی الحجہ کا دن تھا جو عید الاضحیٰ کا دن کہلاتا ہے۔ حجاج کے لئے اس کا نام "یوم النحر" ہے یعنی قربانی کا دن۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قربان گاہ تشریف لے گئے اور سَو اونٹوں کی قربانی فرمائی جن میں سے تریسٹھ اونٹ خود اپنے ہاتھ سے قربان کئے اور باقی ۳۷ اونٹوں کے بارے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حکم دیا کہ ان کو نحر کر دیں اور آپ نے فرمایا کہ پورے منیٰ میں کہیں بھی قربانی کی جا سکتی ہے۔[2]

حلق یعنی سر منڈوانا

قربانی کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق کرایا۔ معمر بن عبداللہؓ نے آپ کے سر مبارک کے بال مونڈے (جیسا کہ بخاری شریف کی روایت میں ہے) آپ کے حکم کے مطابق پہلے انہوں نے آپ کے سر مبارک کی داہنی طرف کے بال مونڈے جو آپ نے جاں نثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تقسیم فرما دیئے۔ اس کے بعد بائیں طرف کے بال مونڈے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو طلحہؓ کو عنایت فرما دیئے۔[3]

طوافِ زیارت

طوافِ زیارت کو طوافِ افاضہ اور طوافِ صدر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ حج کا اہم رکن ہے۔ قربانی اور حلق سے فارغ ہو کر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہو گئے اور نماز ظہر سے قبل ہی طوافِ زیارت کیا۔[4] یہ طواف بھی آپ نے سواری

---

[1] مسلمانوں کے باہمی اتحاد و الفت و محبت اور ایک دوسرے کے جان و مال کی حفاظت کی کس درجہ اہمیت ہے وہ اس خطبہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

[2] رواہ مسلم۔ باب تغلیظ تحریم الدماء۔

[3] زاد المعاد ۲۵۹، ۲۶۷ ج ۲ - وعیون الاثر ۳۶۵/۳

[4] صحیح مسلم، کتاب الحج باب بیان ان السنۃ یوم النحر یرمی ثم ینحر۔

[5] زاد المعاد ص ۲۷۰ ج ۲۔

پر کیا جس کا مقصد اُمّتِ مسلمہ کو طواف کا سُنّت طریقہ بتلانا تھا کہ کہاں کیا کرنا ہے۔ اور یہ آپ کی خصوصیت تھی۔ اسی وجہ سے اہلِ علم نے سواری پر طواف کرنے کو سُنّت نہیں کہا البتہ جو شخص بیمار ہو یا کوئی اور عذر ہو تو وہ سواری پر (یعنی وہیل چیئر) یا کھٹولے پر طواف کر سکتا ہے۔

طواف کے بعد زمزم پینا طواف زیارت سے فارغ ہو کر سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم زمزم کے کنویں کے پاس تشریف لائے حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد حجاج کو زمزم پلانے کے ذمّہ دار تھے۔ آپؐ کے حکم کے مطابق زمزم کا ایک ڈول نکالا گیا آپؐ نے بیٹھے بغیر اس میں سے زمزم پیا۔

طوافِ زیارت کے بعد سعی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا حج قِران تھا اور قارن کو دو مرتبہ سعی کرنی ہوتی ہے ایک بار عمرہ کی سعی جو وقوفِ عرفات سے قبل ہوتی ہے اور دوسری سعی حج کی۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ طوافِ افاضہ (یعنی طوافِ زیارت) سے فارغ ہو کر حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے زمزم نوش فرمایا پھر صفا کی طرف تشریف لے گئے اور سعی کی۔

مِنیٰ کو واپسی طواف وسعی سے فارغ ہو کر آپؐ واپس منیٰ تشریف لے گئے اور وہاں قیام فرمایا۔

۱۱ ذی الحجہ کی رمی پھر اگلے روز زوال کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے رمی کی۔ آپؐ پیدل چل کر جمرۂ اولیٰ کے پاس تشریف لے گئے اور ایک ایک کر کے اس کو سات کنکریاں ماریں۔ ہر کنکری مارتے ہوئے آپؐ نے اللہ اکبر پڑھا۔ سات کنکریاں مارنے کے بعد آپؐ نے اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر کافی دیر تک دُعا کی۔ پھر جمرہ وسطیٰ کے قریب پہنچ کر اسی طرح رمی کی اور اللہ تعالےٰ سے دُعا کی۔ پھر جمرۃ العقبہ کے پاس پہنچ کر

اسی طرح سات کنکریاں ماریں لیکن یہاں رُک کر دُعا نہیں کی بلکہ رمی کر کے واپس ہو گئے۔[1]

منیٰ میں آپؐ کا دُوسرا خُطبہ

گیارہ ذی الحج بروز اتوار آپؐ نے دُوسرا خطبہ دیا جس میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"بے شک تمہارا رب ایک ہے، اور تمہارا باپ ایک ہے (یعنی آدم علیہ السلام) خبردار! کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت حاصل ہے (یعنی تم سب اللہ کے بندے اور آدم کی اولاد ہو نسب اور قوم کی وجہ سے کسی کو برتری حاصل نہیں ہے) نہ سُرخ رنگت والے کو کالی رنگت والے پر اور کالی رنگت والے کو سُرخ رنگت والے پر کوئی فوقیت ہے سوائے تقویٰ کے (یعنی معیارِ فضیلت اللہ کے ہاں تقویٰ ہے)۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزّت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے (یعنی اللہ سے ڈرنے والا ہے اور گناہوں سے بچنے والا ہے)۔"

پھر آپؐ نے اپنے اُمّتیوں سے خطاب کر کے فرمایا:

"بتاؤ کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟"

حاضرین نے عرض کیا "جی ہاں، اے اللہ کے رسُولؐ آپ نے پیغام پہنچا دیا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو حاضر ہیں وہ ان لوگوں تک بات پہنچا دیں جو غائب ہیں۔"[2]

منیٰ کے قیام کے دَوران رات کو مکّہ معظّمہ آنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ منیٰ میں قیام کے دوران ہر

---

[1] زاد المعاد ج ۲ ص ۲۸۵۔ [2] الترغیب والترہیب کتاب الادب

رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ جایا کرتے تھے [1]

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کا اشارہ

سورۃ النصر کا نزول

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر وسط ایام تشریق میں ہی "اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ" نازل ہوئی۔ اسی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ یہ وداع یعنی دنیا سے جانے کا پیغام ہے۔ اس سورت کے نزول کے بعد آپ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا [2] (جو پہلے گزر چکا ہے)۔

۱۲ اور ۱۳ ذی الحجہ کی رمی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ ذی الحج کو بھی زوال کے بعد رمی کی اور پھر منیٰ میں ہی قیام فرمایا۔ تیرہ ذی الحج کو زوال کے بعد رمی کی اور پھر منیٰ سے روانہ ہو گئے اور مقام ابطح (جس کا دوسرا نام محصب بھی ہے) پہنچ کر اس قبہ میں قیام فرمایا جو آپ کے لئے ایک صحابی نے نصب کیا تھا اور وہیں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں اور تھوڑی دیر سوئے [3]

طوافِ الوداع

پھر رات کے کسی حصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور طواف وداع کیا [4] اس طواف میں آپ نے رمل نہیں کیا [5]

مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کیلئے روانگی

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ کے نشیبی علاقے سے

---

[1] رواہ البخاری تعلیقا ۔ [2] البیہقی جلد ۷ ص ۳۳۰ [3] زاد المعاد جلد ۲ ص ۲۹۰ ۔

[4] طوافِ وداع آفاقی پر واجب ہے (یعنی جو حاجی میقات کے باہر سے آیا ہو)۔

[5] زاد المعاد ج ۲ ص ۲۱۰ ۔

مدینہ طیبہ روانہ ہوگئے جس کو "کدی" کہا جاتا ہے[1]

نبی کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم نے اس حج میں تقریباً ایک لاکھ چوالیس ہزار برگزیدہ بندوں کے سامنے توحید کی تعلیم اور حق کا پیغام پہنچایا اور اس کے بعد مدینہ طیبہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حج میں امت کو آخری تبلیغ فرمائی تھی اس وجہ سے اس کا نام "حجۃ البلاغ" بھی ہے۔

اس حج میں آپ نے شعائر اللہ کی تعظیم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنن کا احیاء فرمایا، مشرکانہ رسموں کو ختم فرمایا اور توحید خالص کا اعلان فرمایا، رنگ و نسل کی تفریق کو باطل قرار دیا اور تقویٰ اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔ سودی لین دین کے نظام کو ختم فرمایا۔ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب امتیوں کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو افضل ترین جزا عطا فرمائے۔ آمین۔

غدیر خم کا خطبہ راستہ میں رابغ کے قریب "غدیر خم" نامی مقام پر حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی کچھ شکایت کی۔ اس شکایت کا تعلق حکومت یمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے مال غنیمت کی تقسیم سے تھا۔ درحقیقت اس شکایت کی بنیاد حضرت بریدہ کا قصور فہم تھا (یعنی معاملہ کو پوری طرح نہ سمجھنا) شکایات سن کر رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیر خم پر ایک خطبہ پڑھا اور اس خطبہ میں اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان و منزلت کو بیان فرمایا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا:

"من کنت مولاہ فعلیٌّ مولاہ"

ترجمہ: میں جس کا مولا ہوں علیؓ بھی اس کے مولا ہیں۔

---

[1] زرقانی ج ۸ ص ۲۱۲۔

"مولا" کا لفظ عربی زبان میں مختلف معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے جب "مولا" اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہو تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے "پروردگار و مددگار" لیکن جب کسی انسان کے لئے استعمال ہو تو اس کے معنیٰ ہوں گے "وہ شخص جس سے محبت و عقیدت ہو" اور یہ "موالات" سے مشتق ہے جو "عداوت" کی ضد ہے۔ جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو "مشکل کشا" کے معنیٰ میں "مولا" کہتے ہیں وہ شرک میں مبتلا ہیں اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر شرک سے بری ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جو مجھ سے محبت و عقیدت رکھتا ہے وہ ضرور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی محبت و عقیدت رکھے گا۔ جب کسی سے محبت و عقیدت ہو اس پر اعتراض نہیں کیا جاتا۔

حضرت عمر فاروقؓ کی طرف سے حضرت علیؓ کو مبارکباد

اس خطبہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس شرف کے حاصل ہونے پر مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا: أصبحت مولا کل مؤمن ومؤمنة۔ (ترجمہ) آپ ہر مومن مرد و عورت کے لئے مولا یعنی واجب الاحترام بن گئے ہیں۔

اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ ان حضرات میں بے حد محبت و عقیدت کا تعلق تھا اور کیسے نہ ہوتا جبکہ قرآن مجید گواہی دیتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (سورۃ فتح آیت ۲۹)

ترجمہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھی ہیں (یعنی صحابہ کرامؓ) وہ کافروں کے لئے بڑے سخت ہیں اور آپس میں بڑے رحم دل ہیں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایت کرنے والے صحابی حضرت بریدہؓ نے

جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سُنا تو اس کے بعد ہمیشہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت و متابعت کا فرض نبھایا۔ بالآخر یہ بزرگوار جنگِ جمل[1] میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ و اَرضاہ۔

ذوالحلیفہ میں رات کو قیام

سفر جاری رہا۔ یہاں تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ (ابیار علی) پہنچے تو وہاں رات کو قیام فرمایا۔ یہ مقام مدینہ طیبہ سے چند میل کے فاصلے پر ہے اور اہلِ مدینہ کی میقات ہے۔ یہیں سے آپؐ نے احرام باندھا تھا۔

مدینہ طیبہ کو دیکھ کر خوشی کا اظہار

پھر اگلے دن آپؐ مدینہ طیبہ کے لئے ذی الحلیفہ سے چلے تو جب مدینہ کی آبادی نظر آئی تو آپ بہت مسرور ہوئے۔ آپؐ کی عادت شریفہ تھی کہ مدینہ طیبہ کو دیکھ کر سواری کی رفتار بڑھا دیتے تھے جو مدینہ طیبہ سے آپؐ کی محبت کی دلیل تھی۔ جب مدینہ طیبہ پر نظر پڑی تو آپؐ نے تین بار اللہ اکبر کہا۔ پھر مندرجہ ذیل کلمات پڑھے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، آئبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون، صدق الله وعده ونصر عبده وهزم الأحزاب وحده۔

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں کائنات

---

[1] واضح رہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت معاویہؓ و حضرت علیؓ کے درمیان صلح کرانے کی نیت سے تشریف لے گئی تھیں لیکن منافقین نے جنگ کی صورت بنا دی۔ اس جنگ کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ ہمیشہ اپنے سفر پر نادم رہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے احترام و عقیدت میں کوئی کمی نہ کی کسی بھی صحابی یا صحابیہ سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے۔ اس جنگ کو جنگِ جمل کہتے ہیں۔

پر اسی کی بادشاہت ہے اور ساری حمد اسی کے لئے ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے ہیں اور اسی کی عبادت کرنے والے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں اور اپنے رب کی حمد بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندہ ؐ کی مدد فرمائی اور تمام (باطل کے) لشکروں کو تنہا اسی نے شکست دی[1]

اور اس طرح حجۃ الوداع کا سفر مکمل ہوا اور آپ ؐ واپس مدینہ طیبہ پہنچ گئے[2]

---

[1] زاد المعاد ج ۲ صفحہ ۳۰۰۔

[2] احقر مرتب عبداللہ البرنی المدنی عفا اللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ حجۃ الوداع کے بارے میں مزید تفصیل جاننے کے لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ کی کتاب "حجۃ الوداع و عمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کا مطالعہ فرمائیں۔ اللہ کا بے انتہا شکر ہے کہ اس نے بندہ کو یہ واقعات لکھنے کی توفیق بخشی جس میں کافی تفصیل آگئی ہے فلہ الحمد والشکر، وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و إلیہ أنیب۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی

شانِ رحمت پر ایک نظر

اس مضمون میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم
کی شانِ رحمت کو اجمالاً بیان کیا گیا ہے آپؐ
کی بعثت سے پورے عالم کو کیا فائدہ پہنچا منکرین
کے لیے آپؐ کا وجود کیونکر رحمت ہوا اور اہل ایمان
کو آپؐ کے واسطہ سے کیا کیا برکات نصیب ہوئیں
آپؐ کا رحمت اور شفقت کا جو برتاؤ تھا اس کا
تذکرہ کیا گیا ہے ۔

رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت پر ایک نظر

سورۂ توبہ میں ارشاد ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

"بلا شبہ تمہارے پاس رسول آیا ہے جو تم ہیں سے ہے تمہیں جو تکلیف پہنچے وہ اس کے لئے نہایت گراں ہے وہ تمہارے نفع کیلئے حریص ہے مومنین کے ساتھ بڑی شفقت اور مہربانی کا برتاؤ کرنے والا ہے۔"

اور سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر رحمت بنا کر:

پہلی آیت میں اللہ جل شانہٗ نے سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رؤف، رحیم کے بلند لقب کے ساتھ ذکر فرمایا اور دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کو جہانوں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"اِنَّمَا اَنَا رَحْمَةٌ مُّهْدَاةٌ"

"یعنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی طرف بطور ہدیہ بھیجا گیا ہوں اور سراپا رحمت ہوں۔"

ایک حدیث میں ارشاد ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى بَعَثَنِىْ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ وَهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ وَاَمَرَنِىْ رَبِّىْ بِمَحْقِ الْمَعَازِفِ وَالْمَزَامِيْرِ وَالْاَوْثَانِ وَالصُّلُبِ وَاَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ ۝

"بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے۔ سارے جہانوں کیلئے ہدایت بنا کر بھیجا اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ گانے بجانے کی چیزوں کو مٹادوں اور بتوں کو اور صلیب کو (جس کی نصرانی پرستش کرتے ہیں) اور جاہلیت کے کاموں کو مٹادوں۔"[1]

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱۸

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عام ہے آپ کی تشریف آوری سے پہلے سارا عالم کفر وشرک کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا آپ تشریف لائے سوتوں کو جگایا حق کی طرف بلایا۔ اس وقت سے لے کر آج تک کروڑوں انسان اور جنّات جنّت کے مستحق ہو چکے ہیں ساری دنیا کفر وشرک کی وجہ سے ہلاکت اور بربادی کے دہانہ پر کھڑی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے دنیا کی زندگی آگے بڑھی اور جب تک دنیا میں اہلِ ایمان رہیں گے قیامت نہیں آئے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ دنیا میں اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا[1] یہ اللہ کی یاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی محنتوں کا نتیجہ ہے۔ یہ جو ایک حدیث میں آیا ہے کہ طالب علم کے لئے آسمانوں کے زمین کے رہنے والے حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں پانی میں استغفار کرتی ہیں اس کی وجہ بھی وہی ہے[2] کہ جب تک علوم نبوت اور اس کے مطابق اعمال دنیا میں موجود ہیں اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی۔ لہٰذا آسمان زمین کے درمیان کی چیزیں سمجھتی ہیں کہ چونکہ ہماری بقا ان علوم واعمال کے وجود سے ہے اگر یہ نہ ہو تو قیامت آجائے اس لئے ہمیں دینی علوم کے طلباء کے لئے دعا کرنی چاہیئے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کا نام لے کر پوچھتا ہے کہ کیا آج تیرے اوپر کوئی ایسا شخص گذرا ہے جس نے اللہ کا نام لیا ہو، اگر وہ پہاڑ جواب میں کہتا ہے کہ ہاں ایک ایسا شخص گذرا تھا تو یہ جواب سن کر سوال کرنے والا پہاڑ خوش ہوتا ہے۔ (ذکرہ ابن الجزری فی الحصن الحصین)

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ایک شخص ایک پہاڑ پر گذرا اور دوسرے پہاڑ کو یہ بات معلوم کر کے خوشی ہوئی اس کی وجہ بھی وہی ہے کہ عموماً مومن بندے جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں اس سے عالم کی بقا ہے۔ مجموعہ عالم میں آسمان زمین چرند پرند چھوٹے بڑے حیوانات اور جمادات سب ہی ہیں قیامت آئے گی تو کچھ بھی نہ رہے گا۔ سب کی بقا اہلِ ایمان کی وجہ سے ہے اور ایمان کی دولت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی ہے اسی اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمۃ للعالمین ہونا ظاہر ہے۔

اور اس اعتبار سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہانوں کے لئے رحمت ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان اور ان اعمال کی دعوت دی جن کی وجہ سے دنیا میں اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے اور آخرت میں بھی ایمان اور اعمالِ صالحہ والوں کے لئے رحمت ہے جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر

---

[1] رواہ مسلم۔ [2] مشکوٰۃ المصابیح کتاب العلم۔

ایمان نہیں لائے انہوں نے رحمت سے فائدہ نہیں اٹھایا جیسا کہ نابینا آدمی آفتاب کے طلوع ہونے سے روشنی کا فائدہ نہیں ہوتا۔ روشنی سے نابینا کا محروم ہونا سورج کے تاریک ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہانوں کے لئے رحمت ہیں وہ اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیں جب اسلام قبول نہیں کرتی تھیں تو ان پر عذاب آجاتا تھا اور نبی کی موجودگی میں ہی ہلاک کردی جاتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کا اس بات میں بھی مظاہرہ ہے کہ عمومی طور پر سب ہی منکرین اور کافرین ہلاک ہو جائیں ایسا نہیں ہے۔ آخرت میں کافروں کو کفر کی وجہ سے جو عذاب ہوگا وہ آخرت سے متعلق ہے دنیا میں سارے ہی کفار ایمان نہ لانے کی وجہ سے ہلاک ہو جائیں ایسا نہیں ہوگا۔

دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسی کیسی تکلیفیں دی گئیں اور کس طرح ستایا گیا، آپؐ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ رحمت ہی کا برتاؤ کیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مشرکین کے لئے بددعا کیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَ اِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً ۔ "میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں"

آپ طائف تشریف لے گئے وہاں دین حق کی دعوت دی وہ لوگ ایمان نہ لائے اور آپؐ کے ساتھ بدخلقی کا بہت برا برتاؤ کیا۔ پہاڑوں پر مقرر فرشتے نے خدمت عالی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ فرمائیں تو ان لوگوں کو پہاڑوں کے بیچ میں کچل دوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا نہیں کرتا میں امید کرتا ہوں کہ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی وحدانیت کا اقرار کریں گے[1]

سورۃ توبہ کی آیت جو اوپر ذکر کی گئی ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ یعنی امت کو جس چیز سے تکلیف ہو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاق گزرتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے نفع کے لئے حریص ہیں، اہل ایمان کو اعمال صالحہ سے بھی متصف دیکھنا چاہتے ہیں

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۲۳

اور یہی حرص ہے کہ ان کے دنیاوی حالات درست ہوجائیں۔ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ رَّحِیْم
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امّت کے ساتھ رأفت اور رحمت کا تعلق ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق صرف اتنا نہیں تھا کہ بات کہہ کر بے تعلق ہوجاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امّت سے قلبی تعلق تھا ظاہراً بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہمدرد تھے اور باطناً بھی۔ امّت کو جو تکلیف ہوتی اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک ہوتے تھے اور جس کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی آپ کو اس سے کڑھن ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ رات کو مدینہ منورہ کے باہر سے کوئی آواز آئی اہلِ مدینہ کو اس سے خوف محسوس ہوا چند آدمی اس طرف روانہ ہوئے۔ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی سے ادھر روانہ ہوچکے تھے۔ یہ لوگ جارہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آرہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لم تراعو" ڈرو نہیں کوئی فکر کی بات نہیں[1]

حضراتِ صحابہ میں سے کسی کو تکلیف ہوجاتی تھی تو اس کے لئے فکرمند ہوتے تھے عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے، دوا بتلاتے تھے ہر بعض کو تسلی دینے کی تعلیم دیتے تھے۔ تکلیفوں سے بچانے کے لئے ان امور کی تعلیم دیتے تھے جن سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ تھا اور جن سے انسان کو خود ہی بچنا چاہیئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کا تقاضا یہ تھا کہ ایسے امور کو بھی واضح فرماتے تھے اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جس کی منڈیر بنی ہوئی نہ ہو (مشکوٰۃ المصابیح ص۴۰۴)
اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ:

• جو شخص (ہاتھ دھوئے بغیر) اس حالت میں سوگیا کہ اس کے ہاتھ میں چکنائی لگی ہوئی تھی پھر اسے کوئی تکلیف پہنچ گئی (مثلاً کسی جانور نے ڈس لیا) تو وہ اپنی ہی جان کو ملامت کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۳۶۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ:

• جب تم میں سے کوئی شخص رات کو سونے کے بعد بیدار ہو تو ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ نہ ڈالے کیونکہ اسے نہیں معلوم کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں جاتا رہا ہے ممکن ہے اسے کوئی ناپاک چیز لگ گئی ہو یا اس پر زہریلا جانور گذر گیا ہو)" (رواہ البخاری ومسلم)

---

[1] صحیح بخاری ص۳۱۷

جوتے پہننے کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"زیادہ تر جوتے پہنے رہا کرو کیونکہ آدمی جب تک جوتے پہنے رہتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص سوار ہو (جیسے جانور پر سوار ہونے والا زمین کے کیڑوں مکوڑوں اور گندی چیزوں اور کانٹوں اور اینٹ پتھر کے ٹکڑوں سے محفوظ رہتا ہے ایسے ہی ان چیزوں سے جوتے پہننے والے کی بھی حفاظت رہتی ہے۔" (رواہ مسلم)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ:

"جب چلتے چلتے کسی کے چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو ایک چپل میں نہ چلے یہاں تک کہ دوسرے چپل کو درست کرے (پھر دونوں کو پہن کر چلے)۔"

اور یہ بھی فرمایا کہ:

"ایک موزہ پہن کر نہ چلے لے (کیونکہ ان صورتوں میں ایک قدم اونچا اور ایک قدم نیچا ہو کر توازن صحیح نہیں رہتا)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو اسی طرح تعلیم دیتے تھے جیسے ماں باپ اپنے بچوں کو سکھاتے اور بتاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں تمہارے لئے باپ ہی کی طرح ہوں میں تمہیں سکھاتا ہوں (پھر فرمایا کہ) جب تم قضاء حاجت کی جگہ جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو، نہ پشت کرو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین پتھروں سے استنجاء کرنے کا حکم فرمایا، اور فرمایا کہ لید سے اور ہڈی سے استنجا نہ کرو اور داہنے ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔ (مشکوٰۃ ص ۴۲)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

"جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو جگہ کو دیکھ بھال لے (مثلاً پکی جگہ نہ ہو جہاں سے چھینٹیں اڑیں اور ہوا کا رخ نہ ہو وغیرہ" (مشکوٰۃ ص ۴۲)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا (کیونکہ ان میں جنات اور کیڑے مکوڑے رہتے ہیں)۔

لے رواہ مسلم۔

اگر کتب حدیث میں زیادہ وسیع نظر ڈالی جائے تو اس طرح کی بہت سی تعلیمات سامنے آ جائیں گی جو سراسر شفقت پر مبنی ہے۔ اسی شفقت کا تقاضا تھا کہ آپ کو یہ گوارا نہ تھا کہ کوئی بھی مومن عذاب میں مبتلا ہو جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی جب چاروں طرف روشنی ہو گئی تو پروانے اس آگ میں آکر گرنے لگے وہ شخص ان کو روکتا ہے کہ آگ میں نہ گریں لیکن وہ اس پر غالب آجاتے ہیں اور آگ میں گرتے ہیں اسی طرح میں بھی تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں اور تم زبردستی اس میں گرتے ہو (یعنی جو لوگ گناہ نہیں چھوڑتے وہ اپنے اعمال کو دوزخ میں ڈالنے کا سبب بناتے ہیں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو گناہوں پر وعیدیں بتائی ہیں اور عذاب کی جو خبریں دی ہیں ان پر دھیان نہیں دیتے۔ (رواہ البخاری ومسلم)

سورہ آل عمران میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ	سو اللہ کی رحمت کے سبب آپ ان کے لئے
لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ	نرم ہو گئے اور اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل
فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا	ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے
مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ	سو آپ ان کو معاف فرما دیجئے اور ان کے لئے
عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ	استغفار کیجئے اور کاموں میں ان سے مشورہ
وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا	لیجئے پھر جب آپ پختہ عزم کرلیں تو اللہ پر
عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ	توکل کیجئے بے شک توکل کرنے والے اللہ کو
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝	محبوب ہیں۔

اللہ جل شانہ ارحم الراحمین ہے اس نے اپنی رحمت سے ایسا نبی بھیجا جو رحم دل نرم مزاج اور اخلاق عالیہ سے متصف ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"جو شخص نرمی سے محروم ہو گیا وہ خیر سے محروم ہو گیا"۔ (رواہ مسلم)

آیاتِ بالا میں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش خلقی اور نرم مزاجی اور رحمت وشفقت کا ذکر ہے وہاں اس امر کی بھی تصریح ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو صحابۂ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کرتے ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے چلے جاتے اور منتشر ہو جاتے اور حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا اچھا فرمایا:

کس نہ بیند کہ تشنگان حجاز
برلب آب شور گرد آیند
ہر کجا چشمہ بود شیریں
مردم و مرغ و مور گرد آیند

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ میں شفقت اور رحمت کا ہمیشہ مظاہرہ ہوتا رہتا تھا جب کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ہاتھ میں سے اپنے ہاتھ نہیں نکالتے تھے یہاں تک کہ وہی اپنا ہاتھ نکالنے کی ابتدا کرتا تھا اور جس سے ملاقات ہوتی تھی اس کی طرف سے خود چہرہ نہیں پھیرتے تھے یہاں تک کہ وہی اپنا رُخ پھیر کر جانا چاہتا تو چلا جاتا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ:

"میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو اپنے اہل و عیال سے شفقت کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر ہو۔" (رواہ مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ:

"میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی مجھ سے کبھی نقصان ہو گیا تو مجھے کبھی ملامت نہیں فرمائی اگر آپ کے گھر والوں میں سے کسی نے ملامت کی تو فرمایا کہ رہنے دو اگر کوئی چیز اللہ کے قضا و قدر میں ہے تو وہ ہو کر ہی رہے گی۔" (مشکوٰۃ المصابیح)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین تھے دوسروں کو بھی رحم کرنے کا حکم فرمایا۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ اس پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔" (رواہ البخاری)

لے مشکوٰۃ المصابیح۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"مومنین کو ایک دوسرے پر رحم کرنے اور آپس میں محبت اور شفقت کرنے میں ایسا ہونا چاہئے جیسے ایک ہی جسم ہو، جسم کے کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا ہی جسم جاگتا رہتا ہے اور سارے ہی جسم کو بخار چڑھ جاتا ہے۔" (رواہ البخاری ومسلم)

صابرین کی فضیلت

پھر صبر کرنے والوں کی تعریف فرمائی اور فرمایا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ط اس میں سختی اور تکلیف کے زمانہ میں صبر کرنے والوں کو نیکی اور تقویٰ والا کام بتایا ہے اور جنگ کے وقت جب کافروں سے مقابلہ ہو اس وقت جم کر ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرنے کو نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں شمار فرمایا ہے۔ سورۃ انفال میں فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ	"اے ایمان والو! جب تم کو کسی جماعت سے مقابلہ
فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ	کا اتفاق ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا خوب
كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝	کثرت سے ذکر کرو۔ امید ہے کہ تم کامیاب ہوگے۔"

سورہ صف میں فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ	"بے شک اللہ تعالیٰ ان کو پسند فرماتا ہے جو
فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ	اس کی راہ میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں کہ
بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝	گویا وہ ایک عمارت ہے جس میں سیسہ پلایا گیا ہو۔

آخر میں فرمایا:

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ کہ یہ حضرات (جن کی صفات اوپر مذکور ہوئیں) وہ لوگ ہیں جو اپنے ایمان میں سچے ہیں (کیونکہ ایمان قلبی کے ساتھ ایمان کے تقاضوں کو بھی پورا کرتے ہیں) اور یہ لوگ تقویٰ والے بھی ہیں (کیونکہ حرام سے بچتے ہیں، اور گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں)۔

سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی

معاشرت اور سیرت کی ایک جھلک

اس مضمون میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
نشست و برخاست، زائرین اور حاضرین سے
ملاقات، گھریلو حالات اور دیگر اعمال و اشغال
لکھے گئے ہیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مُعاشرت اور سیرت کی ایک جھلک

حضرت حُسین رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں تشریف رکھنے کے حالات دریافت کئے تو فرمایا کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکان میں تشریف فرما ہونے کے وقت اپنے وقت کے تین حصے فرما لیتے تھے۔ ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے (کہ اس میں نماز وغیرہ پڑھتے) دوسرا حصہ گھر والوں کے لئے (کہ ان کے حقوق ادا فرماتے مثلاً ہنستے بولتے اور ضروریات معلوم کرتے)۔ تیسرا حصہ اپنے نفس کے لئے پھر اس اپنے والے حصہ کو بھی اپنے اور زائرین کے درمیان تقسیم فرما لیتے تھے کہ اس وقت خاص خاص اصحاب حاضر ہوتے تھے جن کے ذریعہ عام حضرات تک مجلس کے مضامین پہنچاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاضرین سے کوئی چیز (کھانے پینے یا دین کی بات) پوشیدہ نہ رکھتے تھے، وقت کے اس حصہ میں جو امت کے لئے تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل یہ تھا کہ ان آنے والوں میں اہل فضل کو ترجیح دیتے تھے اور اس وقت کو ان کے فضل دینی کے لحاظ سے ان پر تقسیم فرماتے تھے۔ بعض آنے والے ایک حاجت لے کر بعض دو حاجتیں اور بعض بہت سی حاجتیں لے کر آتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی حاجتیں پوری فرماتے اور ان کو ایسے امور میں مشغول رکھتے جو ان کے لئے اور تمام امت کے لئے مصلح ہوتے مثلاً وہ حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مناسب جوابات دیتے اور حاضرین سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیا کرتے تھے کہ جو لوگ موجود نہیں ہیں یہ باتیں ان کو پہنچا دینا اور یہ بھی فرمایا کرتے کہ اس کی حاجت مجھ تک پہنچا دیا کرو جو خود (شرم وغیرہ کی وجہ سے) مجھ تک نہ پہنچا سکتا ہو اس لئے کہ جو شخص کسی صاحب اقتدار تک اس کی حاجت پہنچائے جو خود نہیں پہنچا سکتا خدا اس کو قیامت کے روز ثابت قدم رکھے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اس قسم کا تذکرہ ہوتا تھا اور اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات گوارہ نہ فرماتے تھے۔

حاضرین آپ صلی اللہ تعالے علیہ وآلہ وسلم کے پاس طالب

بن کر آتے تھے اور کچھ پیچھے بغیر جدا نہ ہوتے تھے اور وہاں سے ہادیٔ خیر بن کر نکلتے تھے۔

یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں تشریف رکھتے وقت کے حالات تھے۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باہر تشریف رکھنے کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے الایہ کہ کوئی کام کی بات ہو آنے والوں کو مانوس فرمایا کرتے تھے اور ان کو متنفر نہ کرتے تھے اور قوم کے معزز شخص کا اکرام فرماتے تھے اور اس کو اس کی قوم کا سردار مقرر فرما دیتے تھے۔ لوگوں کو (اللہ سے) ڈراتے تھے اور خود مخلوق کی ایذارسانی سے اپنی حفاظت فرماتے تھے لیکن کسی کے سامنے خندہ پیشانی اور خوش خلقی میں فرق نہ آتا تھا۔ اپنے اصحاب کی خبر گیری فرماتے تھے (یعنی معلوم فرماتے تھے کہ آج فلاں صاحب کہاں ہیں کیوں نہیں آئے؟) لوگوں کے آپس کے معاملات دریافت فرماتے تھے اور اچھی چیز کو اچھی بتاتے تھے اور اس کی تقویت فرماتے تھے اور بری چیز کو بری بتاتے تھے اور اس کو ناقابل عمل بناتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر معاملہ میں میانہ روی سے کام لیتے تھے تلون نام کو نہ تھا۔ لوگوں کی اصلاح سے غفلت نہ فرماتے تھے کہ کہیں وہ غافل نہ ہو جائیں یا کسی امر میں حد سے بڑھ جانے کے سبب دین سے اکتا جائیں۔ ہر صورتِ حال کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پورا انتظام تھا۔ امرِ حق میں کوتاہی نہ فرماتے تھے اور نہ حق سے آگے بڑھتے تھے۔ بہترین حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بیٹھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک افضل وہی ہوتا تھا جس کی خیر خواہی عام ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بڑے رتبے والا وہی ہوتا تھا جو مخلوق کی غمگساری اور مدد میں زیادہ حصہ لے":

حضرت حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے اپنے والد صاحب رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے حالات دریافت کئے تو انہوں نے فرمایا کہ:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست و برخاست سب اللہ کے ذکر کے ساتھ ہوتی تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جگہ تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے تھے اور دوسروں

کو بھی اس کا حکم فرماتے تھے۔ اپنے ہر ہم نشین کو اس کا حق دیتے تھے (کہ سب کی طرف متوجہ ہوتے تھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھنے والوں میں سے کوئی بھی یہ نہ سمجھتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں شخص کو مجھ سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھتا یا کسی معاملہ میں گفتگو کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ بیٹھے رہتے اور گفتگو فرماتے رہتے (اور اس کو چھوڑ کر نہ جاتے تھے) جب تک کہ وہ خود ہی نہ چلا جائے۔ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتا تو عنایت فرما دیتے تھے یا نرمی کے ساتھ جواب دیتے تھے (جبکہ ہر چیز موجود نہ ہوتی تھی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اور خوش خلقی سب کے لئے عام تھی جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شفقت اور مہربانی میں گویا سب کے باپ تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں حق میں سب برابر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس علم اور حیاء، صبر اور امانت کی مجلس تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں نہ شور ہوتا تھا، نہ کسی کی بے عزتی ہوتی تھی اور اگر اس مجلس میں کسی سے لغزش ہو جاتی تو اس کو شہرت نہ دی جاتی تھی۔ حاضرین مجلس سب برابر سمجھے جاتے تھے مگر تقویٰ کی وجہ سے ایک کو دوسرے پر فضیلت ہوتی تھی سب آپس میں تواضع کرتے تھے۔ بڑوں کا ادب کرتے تھے اور چھوٹوں پر رحم کرتے تھے۔ صاحب حاجت کو اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے تھے اور مسافر کی خبر گیری کرتے تھے۔"

حضرت حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد صاحب رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا:

• آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش خلق اور ہشاش بشاش رہتے تھے۔ آپ نرم خو تھے، نرم طبیعت تھے (کہ بخوشی سب کی حاجت میں مشغول ہو جاتے تھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ بد خو تھے نہ سخت گو تھے، نہ چلا کر بولتے تھے نہ بدکلامی فرماتے تھے، نہ کسی کو عیب لگاتے تھے نہ بخل فرماتے تھے اپنی ناپسند چیز سے اعراض فرماتے تھے۔ دوسروں کی کوئی خواہش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہوتی تو اس کو مایوس بھی نہ فرماتے تھے اور صاف جواب بھی نہ دیتے تھے۔ اپنی جان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (خاص طور سے) تین چیزوں سے بچا رکھا تھا (۱) جھگڑنا (۲) تکبر اور (۳) لایعنی چیزیں اور

دوسروں کو تین باتوں سے (خصوصی طور سے) اپنی جانب سے بچا رکھا تھا (۱) کسی کی بُرائی نہ کرتے تھے (۲) کسی کو عیب نہ لگاتے تھے اور (۳) کسی کا عیب تلاش نہ فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف وہی کلام فرماتے جس میں ثواب کی امید ہوتی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرماتے تو حاضرین مجلس سر جھکائے بیٹھے رہتے تھے۔ گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوتے تو حاضرین بولتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کسی بات میں جھگڑا نہ کرتے تھے۔ مجلس میں جب کوئی بولتا تو اس کے خاموش ہونے تک سب خاموش رہتے تھے سب کی بات اسی توجہ سے سنی جاتی تھی جیسی افضل حضرات کی سنی جاتی تھی۔ سب ہنستے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہنستے اور سب تعجب کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تعجب کرتے (یہ نہیں کہ سب سے الگ چپ چاپ بیٹھے رہیں) مسافر آدمی کی سخت گفتگو اور اس کے بیجا سوالوں پر صبر فرماتے تھے لہٰذا حضراتِ صحابہ مسافروں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں خود لایا کرتے تھے کہ وہ کچھ معلوم کریں گے تو ہم کو بھی معلوم ہو جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی صاحبِ حاجت ملا کرے تو اس کی مدد کر دیا کرو۔ اور اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتا تو اس کو گوارہ نہ فرماتے تھے الا یہ کہ بطور شکریہ کے کوئی آپ کی تعریف کرتا تو خاموش رہتے کسی کی قطع کلامی نہ فرماتے (اور کسی بات کے درمیان نہ بولتے تھے) ہاں اگر وہ بے جا باتیں کرنے لگتا تو منع فرما دیتے تھے یا وہاں سے کھڑے ہو جاتے تھے۔" (رواہ الترمذی فی الشمائل)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ فحش گو تھے اور نہ فحش گوئی کرنا چاہتے تھے۔ نہ بازاروں میں شور مچاتے تھے (جو خلافِ وقار ہے) بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہ دیتے تھے بلکہ معاف فرما دیتے تھے اور در گذر فرماتے تھے۔" (ترمذی)

نیز فرماتی ہیں کہ:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد فی سبیل اللہ کے علاوہ کبھی کسی کو اپنے دستِ مبارک سے نہیں مارا نہ کسی خادم کو نہ کسی بیوی کو۔"

نیز فرماتی ہیں کہ:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے کسی سے بدلہ نہیں لیا ہاں اگر اللہ کے دین کی حرمتوں میں کسی کی بے حرمتی ہوتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ غصہ کرنے والے ہوتے تھے۔" (مشکوٰۃ)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بُرے سے بُرے انسان سے بھی تالیف قلب کے لئے اپنی توجہ فرماتے تھے اور اس سے گفتگو فرماتے تھے۔" (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طویل روایت میں ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پوری توجہ فرماتے تھے۔ (کیونکہ ادھوری توجہ متکبرین کا خاصہ ہے) نظر نیچے کو رکھتے تھے۔ اپنے اصحاب کے پیچھے چلتے تھے اور پہلے سلام کرتے تھے۔" (جمع الفوائد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سے مصافحہ فرماتے تو جب تک وہ اپنا ہاتھ نہ کھینچتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ہاتھ نہ کھینچتے تھے اور اس کی طرف سے منہ نہ پھیرتے تھے جب تک وہ خود منہ پھیر کر نہ جاتا۔ کبھی یہ نہیں دیکھا گیا کہ اہل مجلس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیر پھیلائے بیٹھے ہوں۔" (مشکوٰۃ المصابیح)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے میں غلاموں کی طرح کھاتا ہوں اور غلاموں کی طرح بیٹھتا ہوں۔ (ایضاً)

یہ ہیں صاحبِ خلقِ عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ جنہیں اختیار کرنے کی ضرورت ہے اور عموماً مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے ان سے غافل ہیں۔

رفیقِ اعلیٰ کی طرف رحلت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی [۱]

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اختیار دیا جاتا ہے کہ اگر چاہیں تو دنیا میں رہیں اور چاہیں تو اپنے پروردگار سبحانہ وتعالیٰ کی طرف رحلت فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اختیار دیا گیا اور آپؐ نے رفیقِ اعلیٰ کو اختیار فرمایا۔ ایک روز آپؐ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

"اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ چاہے تو وہ دنیا میں رہے اور چاہے تو اپنے رب کے پاس جو انعام واکرام ہے اس کی طرف کوچ کر جائے تو اللہ کے اس بندہ نے اپنے رب کے پاس جانے کو اختیار کر لیا ہے۔"

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور سمجھ گئے کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بارے میں خبر دے رہے ہیں اور آپؐ اس عالمِ فانی کو خیر باد کہنے والے ہیں [۱]

بیماری کی ابتداء ۱۱ھ ہجری ماہ صفر کے آخر میں یا ربیع الاوّل کی پہلی تاریخ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت بقیع تشریف لے گئے (بقیع مدینہ منورہ کا معروف قبرستان ہے جس کو عرفِ عام میں جنت البقیع کہا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ بقیع پر سلام پڑھنے اور ان کے لئے دعائیں کرنے تشریف لے جاتے تھے) جب آپ وہاں سے واپس ہوئے تو اگلی صبح مرض کی ابتدا ہوئی۔ پہلے سر میں درد کی

---

[۱] بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۹۶

شکایت ہوئی اور پھر آپؐ کو تیز بخار ہو گیا[1]

ابن سعد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ بیماری کا آغاز بدھ کے دن ہوا اور تیرہ دن بیمار رہنے کے بعد آپؐ کی رحلت ہوئی[2]

سات دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر مقیم رہے اور بیماری کے باوجود انصاف وکرم کے طور پر باری باری ازواجِ مطہرات کے یہاں تشریف لے جاتے رہے۔ جب تکلیف زیادہ بڑھ گئی تو ازواجِ مطہرات کی اجازت سے آپؐ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے گھر مقیم ہو گئے۔ حضرت فضل بن عباس اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کا سہارا لے کر آپؐ حضرت میمونہؓ کے گھر سے حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف لائے[3]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپؐ بیمار ہوتے تھے تو یہ دُعا پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کر کے جسم مُبارک پر پھیر لیتے تھے:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ النَّاسِ۔ اَذْھِبِ الْبَأْسَ۔ اَنْتَ الشَّافِیْ لَاشِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُکَ، اِشْفِ شِفَاءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا۔

ترجمہ: "اے مخلوق کے رب! اس تکلیف کو ہٹا دے۔ تو ہی شفا دینے والا ہے نہیں ہے کوئی شفا، مگر اے اللہ آپ کی شفا ہے، آپ شفا عنایت فرمائیں ایسی شفا جو بیماری و تکلیف کو نہ چھوڑے"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں مرض الوفات کے دنوں میں میں نے یہ دُعا پڑھ کر آپؐ کے ہاتھوں پر دم کر کے آپؐ کے جسم مُبارک پر پھیرنا چاہا تو آپؐ نے اپنے ہاتھ ہٹالئے اور یوں دُعا فرمائی:

"اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَاَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی"

ترجمہ: "اے اللہ تو میری مغفرت فرما اور مجھے رفیقِ اعلیٰ کی طرف بلا لے"[4]

---

[1] عیون الاثر جلد ۲ صفحہ ۴۴۵ [2] طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۳۵۳
[3] بخاری شریف ج ۳ صفحہ ۶ [4] بخاری، فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۱۷۷، ۱۸۱۔

حضرات صحابہ کرامؓ کو وصیّت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مرض الوفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں طلب فرمایا اور اپنی وفات کے قریب کی خبر دی اور فرمایا:

"اللہ تعالیٰ تمہیں خوش رکھے اور ہدایت پر قائم رکھے اور تمہاری نصرت فرمائے۔"

نیز فرمایا:

"میں تمہیں تقویٰ اختیار کرنے کی وصیّت کرتا ہوں اور تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔"

حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دریافت کیا:

"یا رسول اللہ آپؐ کو غسل کون دے گا؟"

آپؐ نے فرمایا:

"میرے اہلِ بیت میں سے جو رشتہ میں زیادہ قریب ہوں وہ بہت سے فرشتوں کے ساتھ مجھے غسل دیں گے۔ وہ فرشتے تمہیں دیکھ رہے ہوں گے مگر تم ان کو نہ دیکھ سکو گے۔"

نمازِ جنازہ کے بارے میں فرمایا:

"جب تم مجھے غسل اور کفن دے دو تو چارپائی پر لٹا کر قبر کے کنارے رکھ دینا اور کچھ دیر کے لئے وہاں سے ہٹ جانا، کیونکہ سب سے پہلے مجھ پر نماز میرے دوست حضرت جبریل علیہ السّلام پڑھیں گے۔ ان کے بعد حضرت میکائیل علیہ السّلام، پھر حضرت اسرافیل علیہ السّلام۔ پھر ان کے بعد ملک الموت نماز پڑھیں گے۔ ان کے ساتھ فرشتوں کا بڑا لشکر ہوگا۔ اس کے بعد میرے گھر کے مرد نماز پڑھیں، پھر گھر کی عورتیں اور اس کے بعد تم لوگ گروہ در گروہ تنہا تنہا داخل ہونا اور نماز پڑھنا، رونے دھونے اور چلّانے سے بچنا ورنہ مجھے

اذیت ہوگی۔ جو لوگ موجود نہیں ان کو میرا سلام پہنچا دینا اور گواہی دینا کہ جو لوگ آج سے لے کر قیامت تک دینِ اسلام میں داخل ہوں گے اُن پر میرا سلام ہے[1]

حقوق العباد کی اہمیت

اس بیماری کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر منبر پر تشریف لائے۔ آپؐ کے سرِ مبارک پر پٹی بندھی ہوئی تھی پھر آپؐ نے حکم فرمایا کہ لوگوں کو بلاؤ۔ حضرت فضلؓ نے آواز دے کر لوگوں کو جمع کیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! میں عنقریب تم لوگوں کے پاس سے جانے والا ہوں۔ لہٰذا اگر کسی کو میں نے مارا ہو تو میری کمر حاضر ہے وہ بدلہ لے لے۔ اور اگر کسی کو میں نے بُرا بھلا کہا ہو تو وہ بھی بدلہ لے لے، کوئی مالی مطالبہ ہو تو میرا مال حاضر ہے۔ کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ بدلہ لینے سے میرے دل میں اس کے لئے بغض پیدا ہو جائے گا، تم جانتے ہو کہ بغض رکھنا میری فطرت میں نہیں۔ وہ شخص مجھے محبوب ہے جو بدلہ لے لے یا معاف کر دے۔"

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف سے اُتر آئے اور پھر نماز ظہر کے بعد دوبارہ منبر پر تشریف لے گئے اور وہی اعلان دُہرایا۔ ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ایک روز آپؐ کے پاس ایک سائل آیا تھا اور آپؐ کے پاس اس کو دینے کے لئے کچھ مال نہ تھا آپؐ نے مجھے حکم دیا تھا کہ تین درہم اس کو دے دو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضلؓ سے فرمایا کہ اس کے تین درہم ادا کر دو[2]

---

[1] سیرت ابن کثیر ج ۴ صفحہ ۵۰۲، ۵۰۳ و طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۲۷۷

[2] مجمع الزوائد، مختصراً۔

صدیق اکبرؓ کی امامت

تکلیف و بیماری کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لاتے رہے اور امامت کراتے رہے۔ جب مرض میں شدت آگئی تو اپنے یارِ غار اور رفیقِ اسفار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیغام بھجوایا کہ نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا کہ ابوبکر صدیقؓ نہایت رقیق القلب ہیں آپؐ کے مصلّے پر کھڑے ہوں گے تو ان پر اس قدر گریہ طاری ہوگا کہ امامت نہ کرا سکیں گے لہٰذا آپ حضرت عمرؓ کو حکم دے دیں کہ وہ امامت کریں۔ آپؐ نے اس تجویز کو رد فرمادیا اور دوبارہ تاکیداً حکم دیا کہ ابوبکرؓ ہی امامت کریں۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی۔[۱]

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مرضِ وفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت کا حکم فرمایا حالانکہ نہ میں غیر حاضر تھا نہ ہی بیمار تھا بس جب اللہ کے پیارے رسولؐ نے ابوبکرؓ کو ہمارے دین کے لئے پسند کرلیا تو ہم نے انہیں اپنی دُنیا کے لئے بھی پسند کیا (یعنی ان کی خلافت کو حق مانا)۔[۲]

صحابۂ کرامؓ کو نماز میں مشغول دیکھ کر اظہارِ مسرت

پیر کے دن جب صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نماز فجر ادا کر رہے تھے اور صدیق اکبرؓ امامت کرا رہے تھے کہ سید المرسلین، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے سے پردہ ہٹا کر اپنے جانثاروں کو نماز میں صف بستہ کھڑے دیکھا تو فرطِ مسرت سے آپؐ نے تبسم فرمایا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کی خوشی میں قریب تھا کہ صحابۂ کرامؓ نماز کے بارے میں آزمائش میں پڑ جاتے آپؐ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ نماز پوری کرلو۔ پھر آپؐ نے پردہ ڈال لیا۔[۳]

۱۔ صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ۔ ۲۔ تاریخ الخلفاء، للسیوطی۔ ۳۔ صحیح البخاری ج ۲ ص ۶۴۱ ابن ماجہ باب ما جاء فی ذکر مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن انس رضی اللہ عنہ۔

لاڈلی بیٹیؓ کے کان میں سرگوشی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلوایا اور ان کے کان میں کچھ فرمایا جس سے وہ رونے لگیں، پھر دوبارہ ان کے کان میں سرگوشی کی جس سے وہ ہنسنے لگیں۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے بارے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ پہلی بار آپؐ نے فرمایا کہ میری وفات کا وقت قریب آچکا ہے۔ یہ سن کر میں رونے لگی۔ دوسری بار آپؐ نے فرمایا کہ تم میرے اہل بیت میں سے سب سے پہلے مجھ سے آملو گی۔ یہ سن کر خوشی سے میں ہنسنے لگی[1]

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل اور آخری کلام

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے کہ عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ حاضر ہوئے ان کے ہاتھ میں ایک تازہ مسواک تھی۔ آپؐ اس مسواک کو دیکھنے لگے میں سمجھ گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کرنا چاہتے ہیں، میں نے اپنے بھائی سے وہ مسواک لی اور اپنے دانتوں سے نرم کرکے آپؐ کو دے دی آپؐ نے اس سے خوب اچھی طرح مسواک کی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "فی الرفیق الأعلیٰ" یعنی میں اپنے پروردگار کے پاس جانا چاہتا ہوں اور اسی طرح رُوح پُرنور جسم اطہر سے پرواز کرگئی[2]

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اَللّٰهُمَّ اَحْيِنَا عَلٰى سُنَّةِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم وتوفّنا علیٰ ملته واحشرنا تحت لوائه واسقنا من حوضه بيده الشريفة واجمعنا به فی جَنَّةِ الخُلد یارب العالمین۔ آمین۔

جمہور مؤرخین متفق ہیں کہ آپؐ کی وفات ماہِ ربیع الاوّل میں بروز پیر ہوئی۔

---

[1] صحیح البخاری ج ۳ ص ۹۰۔ [2] صحیح البخاری جلد ۳ صفحہ ۶۶۔

مشہور قول کے مطابق ۱۲ ربیع الاوّل کو دوپہر کے وقت یہ واقعہ پیش آیا [۱]

وفات کی خبر سُن کر صحابہ کرامؓ کو ناقابل بیان صدمہ

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کی خبر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کے لئے ایسی تھی کہ غموں کے پہاڑ ان پر ٹوٹ پڑے۔ یہ صدمہ ناقابلِ تحمل تھا۔ انسانی تاریخ میں کسی مقتدا اور رہنما کے ماننے والوں نے اس سے وہ محبت نہیں کی جو اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آقا سے تھی۔ غم و حیرانگی کی وجہ سے زبانیں گُنگ ہوگئیں، آوازیں بند ہوگئیں۔ حضرت عثمان ذی النورینؓ پر ایسا سکتہ طاری ہوا کہ کوئی بات نہ کر سکتے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ غم سے نڈھال ہو کر بیٹھ گئے، حرکت کرنے کی ہمت نہ تھی۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حُبِ رسولؐ سے مغلوب ہو کر تلوار کھینچ لی اور فرمایا جو یہ کہے گا کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا اس کی گردن اڑا دوں گا [۲]

حضرت ابوبکر صدیق کی ہمّت و حوصلہ اور دانشمندی

یہ وقت تھا جب اُمّتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰة والسّلام کو ایسے رہنما و قائد کی ضرورت تھی جو امّت کو انتشار و خلفشار سے بچائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی تکمیل کرے، اللہ تعالےٰ نے اس عظیم کام کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو منتخب فرمایا جو ہر اعتبار سے اس کے اہل تھے۔ یارِ غار رفیقِ اسفار اور امینِ اسرار تھے۔ سفر و حضر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے والے اور سب سے بڑھ کر دین کا علم رکھنے والے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں داخل ہوئے جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما تھے آپؐ کے جسم اطہر پر ایک

---

[۱] سیرت ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۵۵۔ [۲] روض الانف جلد ۴ صفحہ ۲۷۲۔

یمنی چادر تھی۔ صدیق اکبرؓ نے اپنے حبیب و خلیل صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور سے چادر ہٹائی اور پیشانی مبارک کو فرطِ عقیدت کے ساتھ چوما اور بولے:

"میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کی وفات سے نبوّت اور وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ آپؐ کی تعریف کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اگر آپؐ نے رونے سے منع نہ کیا ہوتا تو ہم اپنی آنکھوں کے آنسو آپؐ پر ختم کر دیتے"[1]

صدیق اکبرؓ کا خطبہ

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ لوگوں کی طرف نکلے اور انہیں جمع فرما کر ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا:

"اے لوگو! جو شخص حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ آپؐ کی وفات ہو چکی ہے اور جو شخص اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتا تھا وہ یاد رکھے کہ اللہ تعالےٰ "حَیٌّ لَا یَمُوْتُ" ہے اسے کبھی موت نہ آئے گی۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ
اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ
وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ؕ
وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ (آل عمران۔ ۱۴۴)

ترجمہ: اور محمدؐ تو بس اللہ کے رسول ہیں، ان سے قبل بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں، تو کیا اگر ان کی رحلت ہو جائے یا وہ شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم (دین اسلام سے) پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی (دین سے) پھر جائے گا تو وہ اللہ تعالےٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہ پہنچائے گا اور اللہ تعالےٰ شکر گزار بندوں کو عنقریب جزا دے گا۔"

---

[1] صحیح البخاری ج ۳ ص ۶۸، مختصراً۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کے بعد تمہاری رہنمائی کے لئے اپنی کتاب اور اپنے نبیؐ کی سُنّت کو باقی رکھا ہے۔ شیطان کو اتنی مہلت نہ دو کہ تم سے آکر ملے اور تمہیں کسی فتنہ میں مبتلا کر دے"[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے ابوبکرؓ سے یہ آیت سُنی (جو اوپر لکھی گئی ہے) تو مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا اور ایسا نڈھال ہوا کہ یوں لگا کہ میرے قدم میرا بوجھ اب اٹھا نہ سکیں گے اور میں زمین پر گر جاؤں گا[2]

غُسل رحمتِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلّم کو حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے غسل دیا۔ غسل دینے کے لئے بئرِ غرس کا پانی لایا گیا (غرس نامی کنواں مدینہ طیبہ میں مسجد قبا کے قریب واقع ہے آج کل عوالی کے آخر میں شمار ہوتا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اس کنویں کا پانی پسند فرماتے تھے۔ تین بار بیری کے پتّے ملے ہوئے پانی سے غسل دیا گیا۔ آپؐ کے کپڑے نہیں اتارے گئے بلکہ ان کے اُوپر سے ہی پانی ڈال کر جسم اطہر کو مَلا گیا[3]

تکفین جس لباس میں غسل دیا گیا تھا اُس کو اتار کر تین کپڑوں میں کفن دیا گیا۔[4]

نمازِ جنازہ جسمِ اطہر و اعطر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حُجرہ میں ہی رکھا رہا اور پہلے قرابت داروں نے یعنی اہلِ بیت نے پھر مہاجرین نے پھر انصار نے پہلے مَردوں نے پھر عورتوں نے پھر بچّوں نے نمازِ جنازہ ادا کی۔ حجرہ مبارکہ میں دس دس افراد داخل ہوتے۔ نمازِ جنازہ ادا کرتے اور باہر آجاتے۔ پھر مزید دس افراد جاتے۔ یہ سلسلہ لگاتار شب و روز جاری رہا۔ تدفین مُبارک شبِ چہار شنبہ کو ہوئی۔

---

[1] بخاری شریف جلد ۳ صفحہ ۶۸، جمہرۃ خطب العرب مختصراً [2] بخاری، ایضاً
[3] بیہقی جلد ۵ ص ۴۱) [4] شرح مسلم للنووی

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

نمازِ جنازہ میں آپؐ پر کیا دعا پڑھی گئی؟

زرقانی کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ میں صحابہ کرام یہ پڑھتے رہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ صلوات اللہ البرّ الرّحیم والملائکۃ المقرّبین، والنّبیّین والصّدّیقین والصّالحین وما سبّح لک من شیٔ یاربّ العالمین علی محمد بن عبد اللہ، خاتم النّبیّین وسیّد المرسلین وامام المتقین ورسول ربّ العالمین، الشاھد البشیر الداعی إلیک بإذنک، السراج المنیر وبارک علیہ وسلم[1]

حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ سے بیعتِ خلافت

حضرات انصار رضی اللہ عنہم اجمعین سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور خلافت کے معاملے میں بحث و مشورہ شروع ہوا۔ حضرات شیخین یعنی حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو اطلاع ملی تو یہ حضرات بھی وہاں پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ نے مہاجرین و انصار کے فضائل بیان فرمائے اور فرمایا کہ عرب لوگ قریش کے سوا کسی کی امارت کو تسلیم نہ کریں گے لہٰذا امیر قریش میں سے ہونا چاہیئے اور انصار ان کے وزراء اور مشیر ہوں۔ یہ فرما کر حضرت

---

[1] زرقانی جلد ۸ صفحہ ۲۹۳۔ مطبوعہ مصر۔ کذا فی کتاب رحمۃ للعالمین۔

صدیق اکبرؓ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا کہ ان دونوں میں سے کسی کو منتخب کر لو۔

ان دونوں حضرات نے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ صدیق اکبر کے مقابلے میں کسی کو فوقیت و ترجیح دے کیونکہ آپؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یار غار ہیں اور ثانی اثنین ہیں اور علالت کے ایام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگہ امامت کے لئے آپؓ کو ہی منتخب کیا تھا لہٰذا خلافت کے بھی آپؓ ہی زیادہ حق دار ہیں [1]

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انصار کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک یاد دلایا کہ "قریش ہی خلافت سنبھالیں گے"۔ یہ سن کر انصار کے سردار حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "آپ سچ فرماتے ہیں۔ بس آپ لوگ اُمرا ہوں گے اور ہم وزراء [2]

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ ہاتھ بڑھائیے۔ انہوں نے ہاتھ بڑھایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے بیعت کر لی۔ بس اس کے بعد سب لوگ بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ پہلے مہاجرین نے بیعت کی پھر انصار نے بیعت کی۔ پھر اگلے روز مسجد نبوی میں عام بیعت ہوئی جو لوگ سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت نہ ہو سکے تھے انہوں نے مسجد نبوی میں بیعت کی [3]

بیعتِ خلافت کے بعد صدّیق اکبرؓ کا خطبہ

خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بیعت کے بعد ایک خطبہ دیا جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

---

[1] فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۳۶، ۳۸۔ [2] مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۱۱۔
[3] سیرت ابن کثیر ج ۴ صفحہ ۴۹۳۔

أيها الناس إني وليت عليكم ولست بخيركم فإن أحسنت فأعينوني وإن أسأت فقوموني أطيعوني ما أطعت الله فيكم فان عصيت فلا طاعة لي عليكم، القوي منكم ضعيف عندي حتى أخذ منه الحق والضعيف منكم قوي عندي حتى أخذ له الحق، أقول قولي هذا واستغفر الله لي ولكم۔

ترجمہ: "اے لوگو! میں تم پر والی مقرر کیا گیا ہوں اور میں تم میں بہترین شخص نہیں ہوں، پس اگر میں حق پر قائم رہوں تو میری مدد کرنا اور اگر دیکھو کہ میں غلطی پر ہوں تو میری اصلاح کرنا۔ جب تک میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا رہوں تم میری اطاعت کرنا اور اگر اللہ کی نافرمانی کروں تو تم میری فرمانبرداری ہرگز نہ کرنا۔ تم میں سے طاقت ور آدمی میرے نزدیک کمزور ہے۔ جب تک کہ میں اس سے کمزور کا حق وصول نہ کرلوں اور کمزور میرے نزدیک طاقت ور ہے تاکہ میں اس کا حق دلاسکوں۔ بس مجھے یہی کہنا ہے اور میں اپنے لئے اور تمہارے لئے مغفرت کا طلب گار ہوں۔"

ایک روایت کے مطابق اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تین دن تک شہر میں اعلان کرایا کہ مسلمان اگر چاہیں تو کسی اور موزوں شخص کا انتخاب کرسکتے ہیں[1] لیکن صدیق اکبرؓ کے مقابلے میں کسی مسلمان نے کسی اور شخصیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کے لئے موزوں نہ سمجھا۔

غلط فہمیوں کا ازالہ

بعض فرقے جو راہِ حق سے ہٹے ہوئے ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت پر قبضہ کرلیا حالانکہ اس کے صحیح حقدار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔ ان لوگوں کا یہ دعویٰ ہر اعتبار سے غلط ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کبھی ایسا نہیں فرمایا نہ انہوں نے خلافت طلب کی۔

---

[1] انساب الاشراف جلد ۱ ص ۵۸

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ شیرِ خدا تھے۔ وہ حق بات کہنے میں اور حق کی جنگ لڑنے میں کسی کی پرواہ کرنے والے نہ تھے۔ جرأت اور بہادری میں بے مثال تھے۔ اگر وہ صدیق اکبرؓ کو اس منصب کا حقدار نہ جانتے تو بزورِ بازو بھی ان کو ہٹا سکتے تھے اس کے برعکس انہوں نے صدیق اکبرؓ سے بیعت کی اور ڈھائی سال تک ان کی اقتدا میں نمازیں ادا فرماتے رہے۔ اس بات کا انکار یہ لوگ بھی نہیں کرتے۔

تیسری بات یہ کہ اگر حضرت ابوبکر صدیق نے اقتدار اور منصب کے لالچ میں خلافت کو قبول کیا ہوتا تو ان کی زندگی پُرتعیش ہوتی۔ وہ اپنے لئے عالی شان محل بناتے اور کھانے پینے میں خوب عمدہ غذائیں استعمال فرماتے اور عیش و آرام کو ترجیح دیتے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ انہوں نے ایسا نہیں بلکہ ان کی زندگی نہایت سادہ تھی اور امّتِ مسلمہ کے امور سنوارنے اور اپنے رب کی عبادت اور گریہ وزاری وفکرِ آخرت میں مشغول رہتے تھے۔ بیت المال سے صرف اتنا خرچہ ان کو ملتا تھا جس سے بھوک مٹا سکیں تو ظاہر ہے کہ ایسا آدمی اقتدار کی لالچ میں منصب قبول نہیں کر سکتا بلکہ انہوں نے یہ محسوس کیا کہ اگر اس وقت میں اس بارِ گراں کو نہ اٹھاؤں گا تو اُمّت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ نیز ان کی خلافت کے ڈھائی سال اس بات کے شاہدِ عدل ہیں کہ اس وقت ان سے بہتر اُمّت مسلمہ کو سنبھالنے والا کوئی نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو نورِ ہدایت عطا فرمائے۔

حُلیہ مُبارک

چہرۂ انور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے چہرۂ مبارک میں قدرے گولائی تھی، رنگت سُرخ وسفید تھی آنکھیں سیاہ تھیں اور پلکیں لمبی تھیں، کندھے چوڑے تھے۔ [1]

[1] جامع ترمذی رقم الحدیث ۳۶۵۸ - مختصراً

بال مُبارک آپؐ کے بال نہ بالکل سیدھے تھے نہ بہت پیچدار تھے بلکہ بالوں میں ہلکا سا خم تھا[1] یہ بالوں کی انتہائی خوبصورتی کی علامت ہے۔ آپؐ کے بال کانوں کی لو تک تھے[2]

ریش مُبارک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مُبارک خوب گھنی تھی۔ آخر عمر میں آپؐ کی ٹھوڑی مُبارک کے چند بال سفید ہو گئے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپؐ کی داڑھی مُبارک میں تقریباً بیس بال سفید تھے[3]

(اللہ تعالیٰ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے جنہوں نے قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو محفوظ کر دیا۔ یہاں تک کہ سفید بالوں کی تعداد تک گن کر اُمت کے لئے نقل فرمائی۔)

ہاتھ پاؤں اور سینہ مُبارک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ زیادہ لانبے تھے نہ پستہ قد (یعنی قد مُبارک درمیانہ تھا) آپؐ کی ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں گوشت سے پُر تھے (یہ صفات مردوں میں قوت و شجاعت کی علامت ہیں) آپؐ کا سر مُبارک بھی بڑا تھا اور جسم کے جوڑوں کی ہڈیاں بھی چوڑی تھیں (یہ بھی قوت کی علامت ہے) سینہ مُبارک سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک باریک دھاری تھی۔ آپؐ کی چال ایسی تھی کہ گویا اونچائی سے اُتر رہے ہیں (یعنی تیز چلتے تھے) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بیان فرمانے کے بعد فرمایا: "میں نے آپ جیسا حسین نہ آپؐ سے پہلے دیکھا نہ آپؐ کے بعد۔"[4]

---

[1] جامع ترمذی رقم الحدیث ۳۶۵۸۔ مختصراً۔
[2] شمائل۔ [3] ابن ماجہ، باب من ترك الخطاب۔
[4] جامع ترمذی، باب ماجاء فی صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ہاتھوں کی نرمی حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی اس قدر نرم تھی کہ اس سے زیادہ نرم کوئی ریشم و دیباج بھی میں نے کبھی نہ چھوا[1]

دندانِ مبارک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے دانت بالکل ملے ہوئے نہ تھے بلکہ ان میں کچھ فصل تھا۔ جب آپؐ گفتگو فرماتے تو ایک نور سا ظاہر ہوتا جو سامنے کے دانتوں کے درمیان سے نکلتا تھا[2]

مسکراہٹ حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے نہ تھے بلکہ صرف مسکراتے تھے جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ آپؐ نے آنکھوں میں سُرمہ لگایا ہوا ہے حالانکہ ایسا نہ ہوتا تھا (بلکہ یہ آنکھوں کا قدرتی حسن تھا)[3]

کاندھوں کے درمیان مہرِ نبوّت حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت دیکھی جو سُرخ تھی اور کبوتر کے انڈے کے برابر تھی[4]

مونچھیں تراشنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم داڑھی کو نہ تراشتے تھے۔ داڑھی مبارک گھنی تھی۔ مونچھوں کو ترشوا دیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کو داڑھی بڑھانے اور مونچھیں ترشوانے کا حکم دیا ہے اور اس کو تمام انبیاء کی سنّت فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مونچھیں کتروا دیا کرو اور داڑھی کو بڑھاؤ"[5]

---

[1] صحیح البخاری ج ۲ صفحہ ۱۸۵ [2] دارمی ج ۱ ص ۴۴۔

[3] جامع ترمذی، باب ما جاء فی صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

[4] جامع ترمذی ج ۵ ص ۲۶۸ [5] صحیح البخاری ج ۴ ص ۲۸۔

تنبیہ، دورِ حاضر کے مسلمانوں میں داڑھی مونڈانے کا رواج عام ہو گیا ہے یوں تو عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند بانگ دعوے کئے جاتے ہیں لیکن اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ پسند نہیں والعیاذ باللہ جبکہ معلوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی منڈوں کو دیکھ کر نفرت کا اظہار فرمایا تھا جس کا جی چاہے اس واقعہ کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں پڑھ سکتا ہے کہ کسریٰ کے حکم پر جو آدمی آپؐ کے پاس آئے تو ان کی داڑھیاں مونڈی ہوئی دیکھ کر آپؐ نے نفرت و غصہ کا اظہار فرمایا[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینے کی خوشبو

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رنگت کھلتی ہوئی صاف و شفاف تھی اور آپ کا پسینہ موتیوں کی مانند تھا۔ جب آپؐ چلتے تو آگلی جانب جھکاؤ ہوتا اور میں نے کوئی دیباج و ریشم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ نرم نہ چھوا اور کسی مُشک و عنبر کی خوشبو کو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مُبارک کی خوشبو سے بڑھ کر نہ پایا[2]

لباس مُبارک

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لباس میں کُرتہ زیادہ پسند تھا[3] آپ ٹوپی اور عمامہ پہنتے تھے اور تہبند استعمال فرماتے تھے، پاجامے کو بھی پسند فرمایا اور اس کے متعلق آپؐ نے فرمایا کہ اس میں ستر یعنی پردہ پوشی کا زیادہ اہتمام ہے۔ آپؐ کا لباس عام طور پر سادہ اور سُوتی ہوتا تھا کبھی کبھی دوسرے ملکوں کے بنے ہوئے قیمتی جُبّے بھی زیب تن فرما لیتے تھے۔

---

[1] مفصل واقعہ "وجوب اعفاء اللحیۃ" (مؤلفہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ) میں ملاحظہ فرمالیں۔ [2] بخاری و مسلم، مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۷۔
[3] ابوداؤد شریف، کتاب اللباس۔ باب ماجاء فی القمیص۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شامی جُبہ پہنا جس کی آستینیں تنگ تھیں[1]

فائدہ: رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علاقائی لباسوں میں سے کسی کے پہننے سے منع نہیں فرمایا ہاں البتہ جو لباس کافروں کا شعار ہو یا جس میں بے شرمی ہو مثلاً چُست پاجامہ یا چُست پتلون تو ایسا لباس ممنوع ہے اور ٹخنے سے نیچا پہننا مردوں کے لئے قطعاً جائز نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹخنے سے نیچا پہننے والے کے لئے سخت وعید ذکر فرمائی اور اُس کو دوزخ میں لے جانے کا ذریعہ بتایا ہے[2]

اللہ تعالےٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین

---

[1] صحیح البخاری ج ۴ ص ۱۹۔

[2] صحیح البخاری

قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ

مومنین سے نبی کا تعلق اس سے زیادہ ہے جو اُن کا اپنے نفسوں سے ہے اور آپ کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں۔ (احزاب: ۶)

اُمّتِ مسلمہ کی مائیں رضی

یعنی

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی لم یزل ولا یزال حیا سمیعا قادرا بصیرا اشھد انہ لا الٰہ الا ھو وحدہٗ لاشریک لہ واکبرہ تکبیرا واومن بان سیدنا وسندنا محمدا عبدہ ورسولہ الذی ارسل الی کافۃ الناس بشیرا ونذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی الہ وصحبہ وازواجہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا۔

اما بعد! اس مضمون میں احقر نے سید عالم ہادیٔ ثقلین محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک بیبیوں کے حالات لکھے ہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان عورتیں اور مسلم بچیاں اپنی زندگی گذارنے میں ان مطہر بیبیوں کی زندگی کو نمونہ بنائیں جن کو اللہ رب العزت نے اپنے مقدس پیغمبر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زوجیت کے لئے چنا تھا اور جنہوں نے نبوت کے گھرانے میں رہ کر اپنی زندگی دین سیکھنے سکھلانے اور مولائے حقیقی سے لو لگانے اور اپنے دلوں میں آخرت کی فکر بسانے کے لئے وقف کر دی تھی۔

اس مضمون میں خصوصیت کے ساتھ ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہن کے ایسے حالات لکھے گئے ہیں جن کا اتباع کرنا اور اتباع کے لئے تیار رہنا ہر مسلم عورت کے لئے ضروری ہے۔ مضمون پڑھتے پڑھتے کسی بیوی کی ہجرت کا دردناک واقعہ سامنے آئے گا اور کسی بیوی کے تذکرہ میں ملے گا کہ انہوں نے دین کے لئے دو مرتبہ ہجرت کی اور حرم نبوت میں رہنے والی برگزیدہ خواتین کے حالات میں کثرت نماز اور کثرت ذکر کا تذکرہ ملے گا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے تذکرہ میں دین کے لئے مال قربان کر دینا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور تسلی اور ڈھارس بندھانے کی خدمت

انجام دینا ملے گا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں علم وافر، تفقہ کامل اور اشاعتِ علوم دینیہ میں زندگی خرچ کر دینا نظر آئے گا۔ حضرت زینبؓ بنت خزیمہ اور حضرت زینبؓ بنت جحش اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے حالات میں عظیم الشان سخاوت ملے گی۔ حضرت زینبؓ محنت کرکے پیسہ حاصل کرتیں اور پھر صدقہ کر دیتی تھیں۔

ایک بہت بڑی بات ازواجِ مطہراتؓ کے حالات میں یہ ملے گی کہ انہوں نے آپس میں سوکن ہونے کے باوجود ایک دوسری کی علمی عظمت برقرار رکھی اور جب کسی نے ایک مسئلہ پوچھا تو خود کو معلوم نہ ہوا تو دوسری کے پاس سائل کو بھیج دیا۔ نیز ان مقدس بیویوں کی یہ بات بھی بہت زیادہ قابلِ تقلید ہے کہ سوکن ہوتے ہوئے بھی دوسری سوکن کے اخلاقِ حمیدہ اور اچھی خصلتوں کی تعریف کرتی تھیں۔ بعض بیویوں کے حالات میں آپ پڑھیں گے کہ وفات کے وقت اپنی سوکنوں سے کہے سُنے کی معافی مانگی اور حقوق العباد سے پاک ہو کر عالمِ بالا کا سفر اختیار کیا۔

آج کل بیاہ شادی کے لئے ایسے طریقے اور ایسی رسمیں ایجاد کر رکھی ہیں جو سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹی ہوئی ہونے کی وجہ سے مصیبت اور وبال بنی ہوئی ہیں۔ لوگ پریشان نظر آتے ہیں کہ جوان بیٹی بیٹھی ہے اس کی شادی کیسے کریں؟ روپیہ کہاں سے لائیں۔ بیٹا بیاہنے جانا ہے سینکڑوں رسمیں برتنا ہے۔ روپیہ نہیں زیور نہیں کسی کی بیٹی بیاہنے کیسے جا کھڑے ہوں؟۔

ان مصیبتوں سے چھٹکارہ کی صرف یہی ایک شکل ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر بیاہ شادی کرنے لگیں جو سادگی کی اصل تصویر ہے اور جس میں مصیبت و پریشانی کا نام نہیں ہے۔ اس مضمون کے پڑھنے سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ شادیوں کے حال معلوم ہوں گے۔ ان کی سادگی اُمّت کے لئے نمونہ ہے۔ اُمّت کو چاہئے کہ اس طرز پر اپنے بیٹوں، بیٹیوں کی شادی کریں۔ حضرت میمونہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حالات آپ پڑھیں گے تو معلوم ہوگا کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بیبیوں سے سفر ہی میں نکاح کیا اور سفر ہی میں پہلی ملاقات ہوگئی اور وہیں ولیمہ

ہوگیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بیاہ شادی مصیبت بنانے کی چیز نہیں ہے سادگی کے ساتھ ایک مرد و عورت کا رشتہ شرعی ایجاب و قبول کراکے جوڑ دینا ہی کافی ہے۔ اس کے لئے گھر پر مقیم ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ پھر بھلا رسموں اور ریا و نمود کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝

اس مضمون سے معلوم ہوگا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن بیبیوں سے شادی کی وہ (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ سب بیوہ تھیں اور بعض ایسی تھیں جو آپ سے پہلے دو شوہروں کی زوجیت میں رہ چکی تھیں۔ بعض قوموں میں جو یہ رواج ہے کہ عورت کی دوسری شادی کو عیب سمجھتے ہیں یہ گناہِ کبیرہ ہے اور عقیدہ کی خرابی ہے جس چیز کو خدائے وحدہٗ لاشریک کے مقدس رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے خود کیا اس کو بُرا سمجھنا ایمان والوں کا طریقہ نہیں ہو سکتا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی بیوی ہیں جو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی والدہ اور حضرت حسن وحسین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی نانی تھیں۔ ان کے والد کا نام خویلد دادا کا نام اسد اور والدہ کا نام فاطمہ اور نانی کا نام زائدہ تھا۔ نسباً قریشیہ تھیں۔ چالیس سال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کی۔ اس وقت جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی عمر شریف ۲۵ سال تھی[1]

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے یکے بعد دیگرے دو شوہروں سے نکاح کر چکی تھیں اور ہر ایک سے اولاد بھی ہوئی تھی۔ ایک شوہر ابو ہالہ اور دوسرے عتیق بن عائذ تھے۔ اس میں سیرت نگاروں کا اختلاف ہے کہ ان دونوں میں اوّل کون تھے اور دوئم کون؟ صاحب استیعاب اس اختلاف کو نقل کرنے کے بعد ابو ہالہ کو اوّل اور عتیق کو دوئم قرار دینے کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ والقول الاول اصح انشاء اللہ تعالیٰ۔

حرم نبوّت میں کیوں کر آئیں

جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دونوں شوہر یکے بعد دیگرے فوت ہو گئے تو ان کی شرافت اور مال داری کی وجہ سے مکّہ کا ہر شریف اس کا متمنی ہوا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے عقد کرے لیکن ہوتا وہی ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو اشرف الخلائق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نکاح پُر فلاح میں آنا نصیب ہوا اور ام المومنین کے مکرم لقب سے نوازی گئیں۔

---

[1] از استیعاب واصابہ ۱۲

سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف جب پچیسویں برس کو پہنچی تو آپ کے چچا ابو طالب نے کہا کہ میں مال والا آدمی نہیں ہوں جو میں تم کو مال دے کر تجارت کراؤں اور چونکہ یہ دن سختی سے گزر رہے ہیں اس لئے کسبِ معاش میں لگنے کی ضرورت ہے لہٰذا تم ایسا کرو کہ جس طرح تمہاری قوم کے دوسرے لوگ خدیجہؓ کا مال شام لے جا کر بیچتے ہیں اور اس میں سے نفع کماتے ہیں اسی طرح تم بھی ان کا مال شام لے جا کر فروخت کر کے نفع حاصل کرو۔

جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اس کی خبر ہوئی کہ محمد بن عبداللہ الامین کو ان کے چچا میرا مال شام لے جا کر فروخت کرنے کو فرما رہے ہیں تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دیانت و امانت داری اور معاملہ کی راست بازی کی وجہ سے خود ہی آپ کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ آپ میرا مال شام لے جائیں۔ دوسروں کو جو نفع دیتی ہوں آپ کو اس سے دوگنا نفع دوں گی۔ چنانچہ آپ نے منظور فرمایا اور اسبابِ تجارت لے کر شام کو روانہ ہوئے حضرت خدیجہؓ نے اپنا ایک غلام بھی آپ کے ساتھ کر دیا تھا جس کا نام میسرہ تھا۔ آپ نے نہایت دانشمندی سے حضرت خدیجہؓ کے مال کی تجارت کی جس کی وجہ سے ان کو گذشتہ پچھلے سالوں کی بنسبت اس سال بہت زیادہ نفع ہوا۔

راستہ میں میسرہ نے آپ کی بہت باتیں دیکھیں جو عام آدمیوں کی نہیں ہوتی ہیں جن کو عربی میں خوارق العادۃ کہتے ہیں اور یہ بات بھی پیش آئی کہ جب آپ نے شام کے سفر میں ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا تو وہاں ایک راہب بھی موجود تھا اس نے میسرہ سے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ میسرہ نے کہا یہ مکہ کے باشندہ ہیں اور قریشی نوجوان ہیں راہب نے کہا یہ نبی ہوں گے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ اس راہب نے آپ کے اندر نبی آخر الزماں کی وہ علامتیں دیکھ لی تھیں جو پہلی کتابوں میں لکھی تھیں۔

شام سے واپس ہو کر جب مکہ میں داخل ہو رہے تھے تو دوپہر کا وقت تھا۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ اپنے بالاخانے میں بیٹھی ہوئی تھیں ان کی نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو دیکھا کہ دو فرشتے آپ پر سایہ کئے ہوئے ہیں، اس کے علاوہ انہوں

نے اپنے غلام میسرہ سے بھی (اسی قسم کے) عجیب عجیب حالات سنے اور راہب کا یہ کہنا بھی میسرہ نے سنا دیا کہ یہ نبی آخرالزماں ہوں گے۔ لہٰذا حضرت خدیجہؓ نے خود ہی نکاح کا پیغام آپ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا۔

یعلیٰ بن امیہ کی بہن نفیسہ نامی پیغام لے کر گئیں چنانچہ آپؐ نے منظور فرمایا اور آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ اور ابو طالب نے بھی بخوشی اس کو پسند کیا۔

نکاح کے لئے حضرت حمزہؓ اور ابو طالب اور خاندان کے دیگر اکابر حضرت خدیجہؓ کے مکان پر آئے اور نکاح ہوا۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ کے والد زندہ نہ تھے وہ پہلے ہی مر چکے تھے ہاں اس نکاح میں ان کے چچا عمرو بن اسد شریک تھے اور ان کے علاوہ حضرت خدیجہؓ نے اپنے خاندان کے دیگر اکابر کو بھی بلایا تھا عمرو بن اسد کے مشورہ سے ۵۰۰ درہم مہر مقرر ہوا اور حضرت خدیجہؓ ام المومنین کے مشرف خطاب سے ممتاز ہوئیں[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں مکہ والوں کی عورتیں ایک خوشی کے موقع پر جمع ہوئیں ان میں حضرت خدیجہؓ بھی موجود تھیں۔ اچانک وہیں ایک شخص ظاہر ہو گیا جس نے بلند آواز سے کہا کہ اے مکہ کی عورتو! تمہارے شہر میں ایک نبی ہوگا جسے احمد کہیں گے تم میں جو عورت ان سے نکاح کر سکے ضرور کر لیوے۔ یہ بات سن کر دوسری عورتوں نے بھول بھلیوں میں ڈال دی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گرہ باندھ لی اور اس پر عمل کر کے کامیاب ہو کر رہیں[2]

حضرت خدیجہؓ سب سے پہلے اسلام لائیں اور اسلام کے فروغ میں پوری طرح حصہ لیا

حضرت خدیجہؓ کو یہ منقبت حاصل ہے کہ وہ سب سے پہلے مسلمان ہوئیں یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام تمام انسانوں سے پہلے انہوں نے قبول کی۔ ان سے پہلے نہ کوئی مرد اسلام لایا نہ عورت نہ بوڑھا نہ بچہ۔ صاحب مشکوٰۃ الاکمال فی اسماء الرجال میں لکھتے ہیں:

---

[1] الاصابہ اسد الغابہ وغیرہ۔ [2] الاصابہ ۱۲

وھی اوّل من اٰمن من کافة الناس ذکرھم و اناثھم۔	تمام انسانوں سے پہلے حضرت خدیجہؓ اسلام لائیں تمام مردوں سے بھی اور تمام عورتوں سے بھی پہلے،

ومثله فی الاستیعاب حیث قال ناقلا عن عروة اوّل من اٰمن من الرجال والنساء خدیجة بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالےٰ البدایہ میں محمد بن کعب سے نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اوّل من اسلم من ھذہ الامة خدیجة و اوّل رجلین اسلما ابوبکر و علی۔	یعنی امت میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ نے اسلام قبول کیا اور مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنیوالے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ ہیں

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

وقد اٰمنت بی اذ کفر بی الناس و صدقتنی اذ کذبونی و اٰستنی بمالھا اذ حرمنی الناس ورزقنی اللہ ولدھا اذ حرمنی اولاد النساء[1]	وہ مجھ پر ایمان لائیں جب لوگ میری رسالت کے منکر تھے اور انہوں نے میری تصدیق کی جبکہ لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور انہوں نے اپنے مال سے میری ہمدردی کی جب کہ لوگوں نے

مجھے اپنے مالوں سے محروم کیا اور ان سے مجھے اللہ نے اولاد نصیب فرمائی جبکہ دوسری عورتیں مجھ سے نکاح کر کے اپنی اولاد کا باپ بنانا گوارا نہیں کرتی تھیں۔

اسلام کے فروغ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بہت بڑا حصہ ہے۔ نبوت سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تنہائی میں عبادت کرنے کے لئے غارِ حرا میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور حضرت خدیجہؓ آپ کے لئے کھانے پینے کا سامان تیار کر کے دے دیا کرتی تھیں۔ آپ حرا میں کئی کئی راتیں رہتے تھے۔ جب خورد و نوش کا سامان ختم ہو جاتا تو آپ تشریف لاتے اور سامان لے کر واپس چلے جاتے تھے ایک دن حسبِ معمول آپ حراء میں مشغولِ عبادت تھے کہ فرشتہ آیا اور اس نے کہا کہ اِقْرَأْ یعنی پڑھیئے۔ آپ نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتہ نے آپ کو پکڑ کر اپنے سے چپٹا کر خوب زور سے بھینچ کر چھوڑ

---

[1] البدایہ والنہایہ ابن کثیر ۱۲

دیا اور پھر کہا اِقْرَأْ (پڑھئے) آپ نے پھر جواب دیا۔ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں. فرشتہ نے دوبارہ آپ کو اپنے سے چمٹا کر خوب زور سے دبا کر چھوڑ دیا اور پھر پڑھنے کو کہا. آپ نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں. فرشتے نے پھر تیسری مرتبہ آپ کو پکڑ کر اپنے سے چمٹایا اور خوب زور سے دبا کر آپ کو چھوڑ دیا اور خود پڑھنے لگا. اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ. خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ. یہ آیات سن کر آپ نے یاد فرمائیں اور ڈرتے ہوئے گھر تشریف لائے. حضرت خدیجہؓ سے فرمایا زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ (مجھے کپڑا اڑھا دو مجھے کپڑا اڑھا دو.) انہوں نے آپ کو کپڑا اڑھا دیا اور کچھ دیر بعد وہ خوف کی طبعی کیفیت جاتی رہی. اس کے بعد آپ نے حضرت خدیجہؓ کو اپنا سارا واقعہ سنا کر فرمایا. لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ (مجھے اپنی جان کا خوف ہے)

عورتیں کچی طبیعت کی ہوتی ہیں اور مرد کو گھبرایا ہوا دیکھ کر اس سے زیادہ گھبرا جاتی ہیں لیکن حضرت خدیجہؓ ذرا نہ گھبرائیں اور تسلی دیتے ہوئے خوب جم کر فرمایا:

كَلَّا وَاللّٰهِ لَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ	خدا کی قسم ہرگز نہیں ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ
أَبَدًا إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ	تمہاری جان کو مصیبت میں ڈال کر تم کو رسوا
وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ	کرے (آپ کی صفات بڑی اچھی ہیں. ایسی
وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى	صفات والا رسوا نہیں کیا جاتا ہے) آپ صلہ رحمی
نَوَائِبِ الْحَقِّ۔	کرتے ہیں اور مہمان نوازی آپ کی خاص صفت

ہے. آپ بے بس و بے کس آدمی کا خرچ برداشت کرتے ہیں اور عاجز و محتاج کی مدد کرتے ہیں اور مصائب کے وقت حق کی مدد کرتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں اور ان سے کہا کہ اے بھائی! سنو یہ کیا کہتے ہیں. ورقہ بن نوفل بوڑھے آدمی تھے بینائی جاتی رہی تھی عیسائیت اختیار کئے ہوئے تھے. انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ نے کیا دیکھا ہے؟ آپ نے ان کو پوری کیفیت سے آگاہ فرمایا تو

انہوں نے کہا:

هٰذَا النَّامُوْسُ الَّذِيْ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى مُوْسٰى يَا لَيْتَنِيْ فِيْهَا اَكُوْنُ حَيًّا اِذَا يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ [1]	یہ تو وہی رازدار فرشتہ جبرئیل ہے جسے اللہ نے موسیٰ (علیہ السلام) پر نازل کیا تھا، کاش! میں اس وقت نوجوان ہوتا جب آپ کی دعوتِ دین کا ظہور ہوگا) کاش میں اس وقت

تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔

حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ میں بحوالہ بیہقی یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نبوت کے بالکل ابتدائی دور میں یہ بھی عرض کیا کہ آپ ایسا کرسکتے ہیں کہ جب فرشتہ آپ کے پاس آئے تو آپ مجھے اطلاع فرمادیں؟ آپ نے فرمایا ہاں ایسا ہوسکتا ہے! عرض کیا اب آئے تو بتلائیے گا۔ چنانچہ جب حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے تو آپ نے فرمایا اے خدیجہؓ! یہ ہیں جبرئیلؑ! انہوں نے عرض کیا اس وقت آپ کو نظر آرہے ہیں؟ فرمایا ہاں! عرض کیا آپ اٹھ کر میری داہنی طرف بیٹھ جائیں۔ چنانچہ آپ نے منظور فرمایا اور اپنی جگہ سے ہٹ کر ان کی داہنی طرف بیٹھ گئے۔

حضرت خدیجہؓ نے پوچھا اس وقت بھی آپ کو جبرئیلؑ نظر آرہے ہیں؟ فرمایا ہاں نظر آرہے ہیں! عرض کیا آپ میری گود میں بیٹھ جائیں۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا جب آپ ان کی گود میں بیٹھ گئے تو دریافت کیا کیا اب بھی آپ کو جبرئیلؑ نظر آرہے ہیں؟ فرمایا ہاں نظر آرہے ہیں۔ اس کے بعد حضرت خدیجہؓ نے اپنا دوپٹہ ہٹا کر سر کھولا اور دریافت کیا کیا آپ کو اب بھی حضرت جبرئیلؑ نظر آرہے ہیں؟ فرمایا اب تو نظر نہیں آتے۔ یہ سن کر حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا۔ یقین جانیئے یہ فرشتہ ہی ہے آپ ثابت قدم رہیں اور نبوت کی خوشخبری قبول فرمائیں (اگر یہ شیطان ہوتا تو میرا سر دیکھ کر غائب نہ ہوجاتا چونکہ فرشتہ ہی ہے اس لئے شرما گیا) اس واقعہ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دانشمندی کا پتہ چلتا ہے۔

نبوت مل جانے کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دینی شروع

---

[1] بخاری شریف ۱۲

کی تو مشرکینِ مکہ آپ کے دشمن ہوگئے اور طرح طرح سے آپ کو ستانا شروع کردیا۔ ساری قوم آپ کی دشمن اور عزیز و اقربا بھی مخالف۔ ایسے مصیبت کے زمانہ میں آپ کے غمخوار صرف آپ کے چچا ابو طالب اور اہلیہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ میں لکھتے ہیں:۔

وَكَانَتْ اَوَّلَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ	حضرت خدیجہؓ اللہ و رسولؐ پر سب سے پہلے
وَرَسُوْلِهٖ وَصَدَّقَتْ بِمَا جَاءَ	ایمان لانے والی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
بِهٖ فَخَفَّفَ اللّٰهُ بِذٰلِكَ عَنْ	کے دین کی تصدیق کرنے والی تھیں ان کے اسلام
رَسُوْلِهٖ لَا يَسْمَعُ شَيْئًا يَكْرَهُهٗ	قبول کرنے سے اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ
مِنْ رَدٍّ عَلَيْهِ وَتَكْذِيْبٍ لَهٗ	وسلم کی مصیبت ہلکی کردی (اس کی تفصیل یہ ہے
فَيُحْزِنُهٗ ذٰلِكَ اِلَّا فَرَّجَ اللّٰهُ	کہ) کہ جب دعوتِ اسلام دینے پر آپ کو الٹا
عَنْهُ اِذَا رَجَعَ اِلَيْهَا تُثَبِّتُهٗ	جواب دیا جاتا اور آپ کو جھٹلایا جاتا تو اس
وَتُخَفِّفُ عَنْهُ وَتُصَدِّقُهٗ	سے آپ کو رنج پہنچتا۔ حضرت خدیجہؓ کے ذریعہ
وَتُهَوِّنُ عَلَيْهِ اَمْرَ النَّاسِ ۔	اللہ تعالیٰ اس رنج کو دور فرما دیتے تھے جب

آپ گھر میں تشریف لاتے تو وہ آپ کی ہمت مضبوط کر دیتی تھیں اور رنج ہلکا کر دیتی تھیں آپ کی تصدیق بھی کرتیں اور لوگوں کی مخالفت کو آپ کے سامنے بے جان بنا کر بیان کرتی تھیں۔

سیرت ابن ہشام میں حضرت خدیجہؓ کے متعلق لکھا ہے۔

وكانت له وزير صدق على الاسلام۔	حضرت خدیجہؓ اسلام کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخلص وزیر کی حیثیت رکھتی تھیں۔

ہر وہ مصیبت جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت اسلام میں پیش آتی حضرت خدیجہؓ پوری طرح اس میں آپ کی شریکِ غم ہوتیں اور آپ کے ساتھ خود بھی تکلیفیں سہتی تھیں آپ کی ہمت بندھانے اور بلند ہمتی کے ساتھ ہر آڑے وقت میں آپ کا ساتھ دینے میں ان کو خاص فضیلت حاصل ہے۔

شعب ابی طالب میں رہنا ایک مرتبہ مشرکینِ مکہ نے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ

سارے بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کا بائیکاٹ کیا جائے نہ ان کو کوئی شخص اپنے پاس بیٹھنے دے نہ ان سے بات کرے نہ خرید و فروخت کرے، نہ ان کو اپنے گھر آنے دے اور اس وقت تک صلح نہ کی جائے جب تک یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے ہمارے حوالے نہ کریں، یہ معاہدہ زبانی باتوں ہی پر ختم نہیں ہوا بلکہ تحریری معاہدہ لکھ کر کعبہ محترمہ پر لٹکا دیا گیا تاکہ ہر شخص اس کا احترام کرے۔ اس معاہدہ کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے بنو ہاشم[1] اور بنو عبدالمطلب تین سال تک دو پہاڑیوں کے درمیان ایک گھاٹی میں رہے اس تین برس میں ان کو فاقوں پر فاقے گذرے، مرد عورت سب ہی بھوک سے بے تاب ہو کر روتے اور چیختے چلاتے تھے جس کی وجہ سے ان کے والدین کو اور بھی زیادہ دکھ ہوتا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی حضرت خدیجہؓ اور آپ کی اولاد سب ہی اس گھاٹی میں رہے اور دعوت دین کے لئے فاقے جھیلے اور مصیبت کے دن کاٹے۔ آخر تین سال کے بعد معاہدہ والی تحریر کو دیمک کھا گئی تب ان حضرات کو اس گھاٹی سے نکلنا نصیب ہوا[2]

اسلام کے فروغ میں حضرت خدیجہؓ کا مال بھی لگا

حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری اور دلداری میں بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا اور اپنے مال کو بھی اسلام اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروریات کے لئے اس طرح پیش کر دیا تھا جیسے اس مال میں خود کو مالکیت کا حق ہی نہیں رہا۔ قرآن مجید میں اللہ جل شانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خطاب فرمایا ہے:۔

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ (۹۳-۸) اور تم کو اللہ نے بے مال والا پایا پس غنی کر دیا۔

اس کی تفسیر میں مفسرین لکھتے ہیں أَيْ بِمَالِ خَدِيجَةَ یعنی اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حضرت خدیجہؓ کے مال کے ذریعہ غنی کر دیا۔ حضرت خدیجہؓ کے پاس جو مال تھا

---

[1] بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب میں جو لوگ کافر تھے وہ بھی حمیت قومی کی وجہ سے اس مصیبت میں شریک ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لئے حوالے کر دینے پر آمادہ نہ ہوئے۔ [2] البدایہ وغیرہ ۱۲

وہ آپ ہی کا سمجھتی تھیں ان کے مال خرچ کرنے کے احسان کا آپ کے دل پر بہت اثر تھا۔ ایک مرتبہ ان کے اس احسان کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا وَاَعْطَتْنِیْ مَالَهَا فَاَنْفَقْتُهٗ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یعنی انہوں نے اپنا مال مجھے دیا جسے میں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔

حضرت زید بن حارثہؓ مکہ میں فروخت کئے جا رہے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے ان کو اپنے مال سے خرید کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے ان کو آزاد کر کے اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔ حضرت زیدؓ بھی سابقین اوّلین میں سے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے۔ ان کو غلامی سے چھڑا کر اسلام کے کاموں میں لگا دینے کا ذریعہ حضرت خدیجہؓ ہی بنیں۔

نماز پڑھنا حضرت خدیجہؓ کی زندگی میں پنج وقتہ نمازیں فرض نہ ہوئی تھیں۔ ان کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تب یہ نمازیں فرض ہوئیں، البتہ مطلق نماز پڑھنا ضروری تھا جسے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھا کرتی تھیں۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ جب مطلق نماز فرض ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور ایک جگہ اپنی ایڑی ماری جس سے چشمہ اُبل نکلا پھر دونوں نے اس میں وضو کیا اور حضرت جبریل علیہ السلام نے دو رکعتیں پڑھیں۔ حضرت جبریلؑ سے وضو اور نماز سیکھ کر آپؐ دولت کدہ پر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ کا ہاتھ پکڑ کر اس چشمہ پر لے گئے اور حضرت جبریلؑ کی طرح ان کے سامنے وضو کیا اور دو رکعت پڑھیں۔ اس کے بعد آپؐ اور حضرت خدیجہؓ پوشیدہ نماز پڑھا کرتے تھے[1]

عفیف کندی کا بیان ہے کہ میں حج کے موقع پر عباس بن عبد المطلب کے پاس آیا وہ تاجر آدمی تھے مجھے ان سے خرید و فروخت کا معاملہ کرنا تھا اچانک نظر پڑی کہ ایک شخص خیمہ سے نکل کر کعبہ کے سامنے نماز پڑھنے لگا۔ پھر ایک عورت نکلی اور ان کے

---

[1] البدایہ ۱۲۔ عه صرح به فی البدایة ۱۲

پاس آئی وہ بھی (ان کے پاس) نماز پڑھنے لگی اور ایک لڑکا بھی نکل آیا وہ بھی (ان کے پاس) نماز پڑھنے لگا۔ یہ ماجرا دیکھ کر میں نے کہا اے عباس! یہ کون سا دین ہے ہم تو آج تک اس سے واقف نہیں ہیں۔ حضرت عباسؓ نے جواب دیا (جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) یہ نوجوان محمد بن عبداللہ ہے جو دعویٰ کرتا ہے کہ خدا نے اسے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور یہ کہتا ہے کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے اس کے ہاتھوں فتح ہوں گے اور یہ عورت اس کی بیوی خدیجہ بنت خویلد ہے جو اس پر ایمان لا چکی ہے اور یہ لڑکا اس نوجوان کا چچیرا بھائی علی بن ابی طالب ہے جو اس پر ایمان لا چکا ہے۔ عفیف کہتے ہیں کاش میں اسی روز مسلمان ہو جاتا تو (بالغ مسلمانوں میں) دوسرا مسلمان شمار ہوتا۔[1]

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہؓ سے اولاد

حضرت خدیجہؓ کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد صرف ان ہی سے پیدا ہوئی۔ اور کسی بیوی سے اولاد ہوئی ہی نہیں صرف ایک صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ آپ کی باندی حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ مؤرخین اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار لڑکیاں ہوئیں اور اکثر کی تحقیق یہ ہے کہ ان میں سب سے بڑی حضرت زینب پھر حضرت رقیہ پھر حضرت ام کلثوم پھر سیدہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہن تھیں۔

آپ کے لڑکے کتنے تھے اس میں اختلاف ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سب بچپن ہی میں وفات پا گئے اور عرب میں اس زمانہ میں تاریخ کا خاص اہتمام نہ تھا اس لئے یہ امر پوری طرح ایسا محفوظ نہ رہ سکا جس میں اختلاف نہ ہوتا۔

اکثر علماء کی تحقیق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین صاحبزادے پیدا ہوئے دو حضرت خدیجہؓ سے اور ایک حضرت ماریہ قبطیہؓ سے۔ اس اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چھ اولاد حضرت خدیجہؓ سے پیدا ہوئیں۔ دو لڑکے اور ۴ لڑکیاں حضرت خدیجہؓ

[1] البدایہ ۱۲

سے جو دو لڑکے پیدا ہوئے ان میں سب سے پہلے حضرت قاسمؓ تھے۔ ان ہی کے نام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم مشہور ہوئی۔ نبوّت سے پہلے مکہ ہی میں پیدا ہوئے اور وہیں انتقال ہوا۔ اس وقت پاؤں چلنے لگے تھے ڈیڑھ دو سال زندہ رہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے صاحبزادے جو حضرت خدیجہؓ سے پیدا ہوئے ان کا نام عبداللہ تھا انہوں نے بھی بہت کم عمر پائی اور بچپن ہی میں وفات پاگئے۔ ان کی پیدائش نبوّت کے بعد ہوئی تھی اس لئے ان کا لقب طیّب بھی پڑا اور طاہر بھی۔ (دونوں کے معنی پاکیزہ کے ہیں)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوںؓ کی سوانح حیات میں ہم نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اس میں حضرت ابراہیمؓ کے حالات بھی تفصیل سے آگئے ہیں۔

فضائل حضرت خدیجہؓ پاکیزگیٔ اخلاق کی وجہ سے اسلام سے پہلے ہی طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آکر انہوں نے جو اپنی دانش و عقلمندی اور خدمت گذاری سے فضائل حاصل کئے ہیں ان کا تو کہنا ہی کیا ہے۔

حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے کسی بیوی پر بھی مجھے اتنا رشک نہیں جتنا حضرت خدیجہؓ پر آتا تھا۔ حالانکہ میں نے ان کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ اس رشک کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اکثر یاد فرمایا کرتے تھے اور اکثر یہ بھی ہوتا کہ آپؐ بکری ذبح فرماتے تو اس میں سے حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کو تلاش کر کے گوشت بھجواتے تھے۔ ایسے موقع پر بعض مرتبہ میں نے کہا کہ آپ کو ان کا ایسا خیال ہے جیسے دنیا و آخرت میں ان کے علاوہ آپ کی اور کوئی بیوی ہی نہیں۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ ایسی اچھی تھیں ایسی اچھی تھیں اور ان سے میری اولاد ہوئی [1]۔ سبحان اللہ وفاداری اور یادگاری کی یہ مثال کہاں ملے گی کہ صاحبِ محبت کے وفات پا جانے پر اس کے دوستوں سے وہ برتاؤ رکھا جائے جیسا

---

[1] بخاری و مسلم ۱۲

وہ خود زندگی میں اپنے دوستوں سے رکھتا اور اس پر خوش ہوتا۔

ایک مرتبہ حضرت خدیجہؓ آپؐ کی خدمت میں کھانا اور سالن لے کر جا رہی تھیں۔ ابھی پہنچنے بھی نہ پائی تھیں کہ حضرت جبریلؑ آپؐ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ خدیجہؓ آ رہی ہیں[1] وہ آپ کے پاس پہنچ جائیں تو ان کو اللہ کا اور میرا سلام پہنچا دیجئے اور ان کو جنت میں[2] ایک ایسا مکان مل جانے کی خوشخبری سنا دیجئے جو موتیوں کا ہوگا جس میں نہ ذرا شور شغب ہوگا اور نہ ذرا تکلیف ہوگی۔

جنت میں خلاف طبع اور مکروہ آواز تو کسی کے کان میں بھی نہ آئے گی مگر خصوصیت کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کو جو ایسے مکان کی بشارت دی گئی یہ غالباً اس لئے کہ دشمنانِ اسلام اسلام اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو طرح طرح کی باتیں کہتے تھے وہ آپ کے کانوں میں پڑتی تھیں ان کی وجہ سے جو سخت کوفت ہوتی تھی اس کی وجہ سے تسلی دینے کے لئے یہ خصوصی بشارت دی گئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت کی عورتوں میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] الاستیعاب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ خدیجہؓ کو اس کے رب کا سلام پہنچا دیجئے۔ چنانچہ آپؐ نے پہنچا دیا۔ اس کے جواب میں حضرت خدیجہؓ نے کہا اَللّٰهُ السَّلَامُ وَمِنْهُ السَّلَامُ وَعَلٰى جِبْرِيْلَ السَّلَامُ یعنی اللہ کے سلام کا جواب کیا دوں وہ تو خود سلام ہے اور اسی سے سلامتی ملتی ہے سلام لانے والے جبریل پر سلام ہو۔

[1] لمعات میں لکھا ہے کہ یہ کھانا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا غار حرا میں لے جا رہی تھیں اور یہ نبوت مل جانے کے بعد کی بات ہے کیونکہ نبوت کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غار حرا میں آنا جانا رہا ہے ۱۲ منہ [2] بخاری و مسلم

علیہ وسلم گھر میں تشریف لا کر گھر سے باہر نہیں جایا کرتے تھے جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ نہ فرما لیتے تھے۔ ایک مرتبہ جو آپ نے ان کا ذکر فرمایا تو مجھے عورتوں والی غیرت سوار ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ ایک بڑھیا کو آپ یاد کرتے ہیں تو آپ بہت ناراض ہوئے۔ اس کے بعد میں نے یہ طے کر لیا کہ کبھی خدیجہؓ کو بُرائی سے یاد نہ کروں گی[1]

جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

وفاتؓ

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سنہ۱۰ نبوی میں بماہ رمضان المبارک مکہ میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۶۵ سال کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں کچھ کم وبیش ۲۵ سال رہیں۔ ۱۵ سال آپ کو نبوت سے پہلے اور ۱۰ برس نبوت مل جانے کے بعد جس وقت ان کی وفات ہوئی نماز جنازہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا کفن دے کر حجون میں دفن کر دی گئیں جسے اب جنت المعلیٰ کہتے ہیں[2]۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

[1، 2] الاصابہ وغیرہ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ والدہ کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض نے زینب بتایا ہے لیکن وہ اپنی کنیت "ام رومان" سے مشہور ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف یہی ایک بیوی ہیں جن سے کنوارے پن میں آپؐ نے نکاح کیا۔ ان کے علاوہ آپ کی تمام بیویاں بیوہ تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے کے چار پانچ سال بعد ان کی ولادت ہوئی اور چھ سال کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا اور نو سال کی عمر میں رخصتی ہوئی۔ نکاح مکہ معظمہ میں ہوا اور رخصتی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں نو ۹ سال رہیں جس وقت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاء اعلیٰ کا سفر اختیار فرمایا اس وقت ان کی عمر ۱۸ سال کی تھی[۱]

نکاح جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی تو حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ نکاح نہیں کر لیتے؟ آپؐ نے فرمایا کس سے؟ عرض کیا آپ چاہیں تو کنواری سے کر لیں اور چاہیں تو بیوہ سے! آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سوال فرمایا کنواری کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مخلوق میں جو آپ کو سب سے محبوب ہیں ان کی بیٹی، یعنی عائشہ بنت ابی بکر (صدیق رضی اللہ عنہ) آپ نے دوبارہ سوال فرمایا بیوہ کون ہے؟ جواب دیا سودۃ بنت زمعہؓ جو آپ پر ایمان لا چکی ہے اور آپ کا اتباع کرتی ہے۔

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہتر ہے جاؤ دونوں جگہ میرا پیغام لے جاؤ۔ چنانچہ خولہ رضی اللہ عنہا پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر پہنچیں اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف نہ رکھتے تھے ان کی بیوی سے

---

[۱] اصابہ مجمع الفوائد و بخاری شریف

کہا کہ اے اُم رومان! کچھ خبر بھی ہے اللہ نے کس خیر و برکت سے تم کو نوازنے کا ارادہ فرمایا ہے؟ انہوں نے سوال کیا وہ کیا؟ جواب دیا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ سے نکاح کرنے کا پیغام دے کر بھیجا ہے!

حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا نے جواب دیا۔ ذرا ابو بکرؓ کے آنے کا انتظار کرو۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں وہ بھی تشریف لے آئے ان سے بھی حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے یہی کہا کہ اے ابو بکر! کچھ خبر بھی ہے اللہ تعالےٰ نے تم کو کس خیر و برکت سے نوازنے کا ارادہ فرمایا ہے؟ بولے وہ کیا؟ جواب دیا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقصد کے لئے بھیجا ہے کہ عائشہ سے نکاح کرنے کے بارے میں آپؐ کا پیغام پہنچا دوں!

یہ سن کر حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ وہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہے (کیونکہ میں آپ کا بھائی ہوں) کیا اس سے آپ کا نکاح ہو سکتا ہے؟ اس سوال کا جواب لینے کے لئے حضرت خولہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بارگاہِ رسالت میں واپس پہنچیں اور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا اشکال سامنے رکھ دیا۔ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو بکر سے کہہ دو کہ تم اور میں دونوں دینی بھائی ہیں۔ تمہاری لڑکی سے میرا نکاح ہو سکتا ہے (رشتہ کے حقیقی یا باپ شریک یا ماں شریک بھائی کی لڑکی سے نکاح درست نہیں ہے۔ دینی بھائی کی لڑکی سے نکاح جائز ہے) چنانچہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا واپس حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے گھر آئیں اور شرعی فتویٰ جو بارگاہِ رسالت سے صادر ہوا تھا اس کا اظہار کر دیا۔ جس پر حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضرت عائشہؓ سے آپ کا نکاح کر دینے پر راضی ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر اپنی بیٹی عائشہ کا نکاح کر دیا۔ اس کے بعد حضرت خولہ رضی اللہ عنہا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور ان کے اشارہ سے ان کے والد زمعہ سے گفتگو کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کر دینے پر راضی کر لیا اور نکاح کرا دیا[1] (جس کی تفصیل حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں آئے گی)۔

---

[1] البدایہ عن الامام احمد ۱۲۔

ہجرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کے مشورہ اور کوشش سے حضرت عائشہ اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا لیکن چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر بہت کم (صرف ۶ سال) تھی اس لئے رخصتی ابھی ملتوی رہی۔ البتہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی بھی ہوگئی اور آپ کے دولت کدہ پر تشریف لے آئیں اور گھر کی دیکھ بھال ان کے سپرد ہوئی۔ اس کے بعد ہجرت کا سلسلہ شروع ہوگیا اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ پہنچنے لگے بلکہ اکثر پہنچ گئے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی بار ہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت چاہی لیکن آپؐ فرماتے رہے کہ جلدی نہ کرو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو تمہارا رفیقِ سفر بنا دیں۔ یہ جواب سُن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ کو امید بندھ گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میرا سفر ہوگا۔ چنانچہ جب اللہ جل شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کی اجازت دے دی تو آپ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ دونوں حضرات اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ پہنچ کر اپنے اہل وعیال کو مکہ معظمہ سے بلانے کا انتظام فرمایا جس کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہما کو دو اونٹ اور ۵۰۰ درہم دے کر مکہ بھیجا تاکہ دونوں کے گھرانوں کو لے آویں چنانچہ وہ دونوں مکہ معظمہ پہنچے اور راستے سے ان حضرات نے تین اونٹ خرید لئے مکہ میں داخل ہوئے تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی وہ اس وقت ہجرت کا ارادہ کر چکے تھے۔ چنانچہ یہ مُبارک قافلہ مدینہ منورہ کو روانہ ہوا جس میں حضرت زید بن حارثہؓ اور ان کا بچہ اسامہ اور ان کی بیوی ام ایمن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں حضرت فاطمہ اور حضرت ام کلثوم اور آپؐ کی بیویاں حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ کی والدہ حضرت ام رومانؓ اور حضرت عائشہؓ کی بہن اسماء بنت ابی بکر اور ان کے بھائی عبد اللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہم اجمعین تھے اس سفر میں حضرت عائشہ اور ان کی والدہ رضی اللہ عنہا دونوں ایک کجاوہ میں اونٹ پر سوار تھیں۔ راستہ میں ایک موقعہ پر وہ اونٹ بدک گیا جس کی وجہ سے حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا

کو بہت پریشانی ہوئی اور گھبراہٹ میں اپنی بچی عائشہ کے متعلق پکار اٹھیں ہائے میری بیٹی۔ ہائے میری دلہن، لیکن اللہ تعالےٰ کی غیبی مدد یہ ہوئی کہ غیب سے آواز آئی کہ اونٹ کی نکیل چھوڑ دو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے اس کی نکیل چھوڑ دی تو وہ آرام کے ساتھ ٹھہر گیا اور اللہ نے سب کو سلامت رکھا۔

جب یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے آس پاس اپنے اہل وعیال کے لئے حجرے بنوا رہے تھے۔ حضرت سودہ اور حضرت فاطمہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہن کو ان ہی حجروں میں ٹھہرا دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ماں باپ کے پاس ٹھہر گئیں[1]۔ اس کے چند ماہ بعد شوال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن) کا زمانۂ ولادت قریب تھا وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ ہجرت کرکے آئی تھیں۔ انہوں نے قبا میں قیام فرمایا اور وہیں بچہ پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ حضرت اسماء کے شوہر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تھے اس لئے یہ بچہ عبداللہ بن زبیر کے نام سے مشہور ہوا۔ ہجرت کے بعد مہاجرین میں یہ سب سے پہلا بچہ تولد ہوا۔ ان کے تولد سے مسلمانوں کو بہت ہی زیادہ خوشی ہوئی جس کی وجہ یہ تھی کہ یہودیوں نے مشہور کر دیا تھا کہ ہم نے جادو کر دیا ہے اب مسلمانوں کے اولاد نہ ہوگی۔ جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے تو یہودیوں کا دعویٰ جھوٹا ثابت ہوا۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب عبداللہ کی پیدائش ہوگئی تو میں اس کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ نے اس کو اپنی گود میں لے لیا اور ایک کھجور منگا کر اپنے مبارک منہ میں چبائی پھر بچہ کے منہ میں اپنے مبارک منہ میں سے ڈال دی۔ حاصل یہ ہے کہ سب سے پہلے بچہ کے پیٹ میں آپ کا لعاب مبارک گیا اور آپ نے دعا بھی دی اور بَارَکَ اللہُ بھی فرمایا[2]۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے بھانجے تھے ان کے نام

---

[1] الاستیعاب والبدایہ۔ [2] من البدایہ

سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام عبداللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھی[۱]

رخصتی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی شوال میں ہوئی. عرب کے لوگ شوال میں شادی کرنے کو برا سمجھتے تھے. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس جہالت کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے شوال میں نکاح کیا اور شوال ہی میں میری رخصتی ہوئی تو اب بتاؤ مجھ سے زیادہ کون سی بیوی آپ کی چہیتی تھی جب آپ نے مجھ سے نکاح بھی شوال میں کیا اور رخصتی بھی شوال میں کی تو اب اس کے خلاف چلنے کا کسی مسلمان کو کیا حق ہے۔ اسی جہالت کو توڑنے کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چاہا کرتی تھیں کہ شوال کے مہینہ میں عورتوں کی رخصتی کی جائے[۲]۔

بخاری شریف میں ہے کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم مجھ کو خواب میں دو مرتبہ دکھائی گئی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص تم کو ریشم کے بہترین کپڑے میں اٹھائے ہوئے ہے۔ میں نے کھول کر دیکھا تو تم نکلیں میں نے (دل میں) کہا کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے دکھایا گیا ہے تو اللہ ضرور اس کی تعبیر پوری فرمائیں گے۔ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ بصورت انسان ریشم کے کپڑے میں ان کو لے کر آیا تھا[۳]۔

رخصتی کی پوری کیفیت اس طرح ہے کہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ اپنی بیوی کو گھر کیوں نہیں بلا لیتے. آپ نے فرمایا اس وقت میرے پاس مہر ادا کرنے کے لئے رقم نہیں ہے. حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عرض کیا کہ میں (بطور قرض) پیش کر دیتا ہوں. چنانچہ آپ نے ان کی پیش کش قبول فرمائی اور بیوی کے باپ ہی سے قرض لے کر مہر ادا کر دیا۔

مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کا مہر (عموماً) ساڑھے بارہ اوقیہ یعنی ۵۰۰ درہم[۴] تھا. آج کل مہر میں ہزاروں

---

[۱] البدایہ والاصابہ۔ [۲] البدایہ عن الامام احمد ۱۲۔ [۳] بخاری شریف ص ۶۸۰، ج ۲۔
[۴] ابن سعد ۱۲ عت ایک درہم تین ماشہ ایک رتی اور ۱/۵ رتی چاندی کا ہوتا تھا ۱۲۔

روپے مقرر کئے جاتے ہیں اور مہر کی کمی کو باعث ننگ و عار سمجھتے ہیں حالانکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر امت میں کوئی بھی معزز نہیں ہے۔ ان کی بیٹی کا مہر ۵۰۰ سو درہم تھا جس سے ان کی عزت کو کچھ بھی بٹہ نہ لگا اور دینے والے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ نے مہر بوجہ عسرت کی وجہ سے کم مقرر کرنے کو ذرا بھی عار نہ سمجھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعۂ رخصتی سے ادائیگی مہر کی اہمیت بھی معلوم ہوگئی۔ کیونکہ مہر کے ادا کرنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر ضروری سمجھا کہ مہر کی ادائیگی کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے رخصت کرلینے میں تامل فرمایا۔ امت کے لئے ان باتوں میں نصیحت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واقعۂ رخصت کو اس طرح ذکر فرماتی تھیں کہ میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی کہ میری والدہ نے آکر مجھے آواز دی، مجھے خبر بھی نہ تھی کہ کیوں بلا رہی ہیں۔ میں ان کے پاس پہنچی تو میرا ہاتھ پکڑ کر لے چلیں اور مجھے گھر کے دروازہ کے اندر کھڑا کر دیا اس وقت (ان کے اچانک بلانے سے) میرا سانس پھول گیا تھا ذرا دیر بعد سانس ٹھکانے سے آیا۔ گھر کے اندر دروازہ کے پاس والدہ صاحبہ نے پانی لے کر میرا سر اور منہ دھویا۔ اس کے بعد مجھے گھر میں داخل کر دیا۔ وہاں انصار کی عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے دیکھتے ہی کہا عَلَى الْخَيْرِ وَالْبَرَكَةِ وَعَلٰى خَيْرِ طَائِرٍ (تمہارا آنا خیر و برکت پر ہے اور نیک فال ہے) میری والدہ نے مجھے ان عورتوں کے سپرد کر دیا (اور انہوں نے میرا بناؤ سنگار کر دیا اس کے بعد وہ عورتیں علیحدہ ہوگئیں) اور اچانک رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لے آئے۔ یہ چاشت کا وقت تھا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نئی بیوی سے ملاقات فرمائی لہ

غور کیجئے کس سادگی سے شادی ہوئی نہ دولہا گھوڑے پر چڑھ کر آیا نہ آتش بازی چھوڑی گئی، نہ اور کسی طرح کی دھوم دھام ہوئی، نہ تکلف ہوا نہ آرائشِ مکان ہوئی اور نہ فضول خرچی اور یہ بھی قابلِ ذکر بات ہے کہ دلہن کے گھر ہی میں دولہا دلہن مل لئے۔

لہ بخاری شریف و جمع الفوائد ۱۲

آج اگر ایسی شادی کردی جائے تو دنیا نکو بنادے اور سو نام دھرے، خدا بچائے جہالت سے اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا پورا اتباع نصیب فرمائے۔

مصاحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خوب فائدہ اٹھایا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت میں ۹ سال گذارے اور ان ۹ سال میں خوب علم حاصل کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے سوالات کر کے علم بڑھاتی رہیں اور آپ خود بھی ان کو علوم سے بہرہ ور فرمانے کا خیال فرماتے رہے۔

حضرت امام زہری رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویوں اور ان کے علاوہ باقی تمام عورتوں کا علم جمع کیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم سب کے علم سے بڑھا ہوا رہے گا۔ حضرت مسروق تابعی رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے تھے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خاص شاگرد تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہؓ کو دیکھا جو عمر میں بوڑھے تھے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے فرائض کے بارے میں معلومات حاصل کیا کرتے تھے[۱]

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم اصحاب رسول اللہ تعالےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی علمی الجھن پیش آئی اور اس کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا تو ان کے پاس اس کے متعلق ضروری معلومات ملیں[۲] (جس سے مشکل حل ہوئی) روایتِ حدیث میں تابعین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے علاوہ بہت سے صحابہؓ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے شاگرد ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوالات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا برابر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرتی رہتی تھیں، ایک مرتبہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ! میرے دو پڑوسی ہیں فرمائیے

---

[۱] و [۲] جمع الفوائد والاصابہ والبدایہ ۱۲

میں ہدیہ دینے میں دونوں میں سے کس کو ترجیح دوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا اِلٰی اَقْرَبِھِمَا مِنْکِ بَابًا (کہ دونوں میں سے جس کے گھر کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو اس کو ترجیح دو[1])

ایک مرتبہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا (کہ اے اللہ مجھ سے آسان حساب لیجو) یہ دُعا سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سوال کیا کہ یا نبی اللہ! آسان حساب کی کیا صورت ہوگی؟ آپ نے فرمایا اعمال نامہ دیکھ کر درگزر کر دیا جائے گا (یہ آسان حساب ہے!) پھر فرمایا کہ (یقین جانو) جس کے حساب میں چھان بین کی گئی اے عائشہ! وہ ہلاک ہوگیا[2] کیونکہ جس کے حساب میں چھان بین ہوگی وہ حساب دے کر کامیاب نہیں ہوسکتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ ایک روز میں نے اور حفصہؓ نے (نفلی) روزہ رکھ لیا پھر کھانا مل گیا جو کہیں سے ہدیہ آیا تھا۔ ہم نے اس میں سے کھالیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے میرا ارادہ تھا کہ آپؐ سے سوال کروں مگر مجھ سے پہلے (جرآت کرکے) حفصہؓ نے پوچھ لیا اور جرأت میں وہ اپنے باپ کی بیٹی تھی۔ یہ پوچھا کہ یا رسول اللہ! میں نے اور عائشہ نے نفلی روزہ کی نیّت کی تھی۔ پھر ہمارے پاس ہدیۃً کھانا آگیا جس سے ہم نے روزہ توڑ دیا۔ فرمائیے اس کا کیا حکم ہے؟ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دونوں اس کی جگہ کسی دوسرے دن روزہ رکھ لینا[3]

ایک مرتبہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز لوگ ننگے پاؤں ننگے بدن بغیر ختنہ اٹھائے جائیں گے (جیسے ماں کے پیٹ سے دنیا میں آئے تھے) یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ تو بڑے شرم کا مقام ہوگا کیا مرد عورت سب ننگے ہوں گے؟ ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے؟ اس کے جواب میں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عائشہ! (قیامت کی سختی اس قدر ہوگی

---

[1] بخاری شریف ۱۲ [2] رواہ احمد ۱۲۔ [3] جمع الفوائد ۱۲

اور لوگ گھبراہٹ اور پریشانی سے ایسے بدحال ہوں گے کہ کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا ہوش ہی نہ ہوگا (مصیبت اتنی زیادہ ہوگی کہ کسی کو اس کا خیال بھی نہ آئے گا [۱]

ایک مرتبہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی کہ:

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَّ اَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَّاحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ.

ترجمہ: اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھ اور حالت مسکینی میں مجھے دنیا سے اٹھا اور قیامت میں مسکینوں میں حشر کیجیو۔

یہ دُعا سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ آپ نے ایسی دعا کیوں کی؟ آپ نے فرمایا (اس لئے کہ) بلاشبہ مسکین لوگ مالداروں سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے اس کے بعد فرمایا کہ اے عائشہ! اگر مسکین سائل ہو کر آئے تو) مسکین کو کچھ دیئے بغیر واپس نہ کر۔ اور کچھ نہیں تو کھجور کا ایک ٹکڑا ہی دے دیا کر۔ اے عائشہ! مسکینوں سے محبت کر اور ان کو اپنے سے قریب کر جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے روز اپنے سے قریب فرمائیں گے [۲]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یہ جو اللہ جل شانہٗ نے (قرآن مجید) میں فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا	اور وہ لوگ جو (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں
وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ	اور ان کے دل اس سے خوف زدہ ہوتے ہیں
اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ (۲۳: ۶۰)	کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں۔

تو ان خوف زدہ لوگوں سے (کون مراد ہیں) کیا وہ لوگ مراد ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے صدیق کی بیٹی! نہیں (ایسے لوگ مراد نہیں ہیں بلکہ اس آیت میں خدا نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی ہے) جو روزہ رکھتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور صدقہ دیتے ہیں اور (اس کے باوجود

---

[۱] الترغیب والترہیب ۱۲۔ [۲] ترمذی۔

اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ یہ اعمال قبول نہ کیے جائیں ان ہی لوگوں کے بارے میں اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے کہ اُولٰئِکَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرَاتِ لہ (کہ یہ لوگ نیک کاموں میں تیزی سے بڑھتے ہیں)۔ (۲۳:۶۱)

ایک مرتبہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو محبوب رکھتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو ناپسند فرماتے ہیں. یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ (یہ تو آپ نے بڑی گھبرا دینے والی بات سنائی. کیوں کہ) موت ہم سب کو (طبعاً) بری لگتی ہے (لہٰذا اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم میں سے کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا لہٰذا اللہ تعالیٰ بھی ہم میں سے کسی کی ملاقات کو پسند نہیں فرماتے) اس کے جواب میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا. اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جیسے طبعی طور پر موت بری لگے اللہ کو اس سے ملاقات ناپسند ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب مومن کی موت کا وقت آپہنچتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعزاز و اکرام کی خوش خبری سنائی جاتی ہے لہٰذا اس کے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ محبوب نہیں جو مرنے کے بعد اُسے پیش آنے والی ہے اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو چاہنے لگتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو چاہتے ہیں اور بلاشبہ کافر کی موت کا جب وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا ملنے کی اس کو خبر دی جاتی ہے لہٰذا اس کے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ ناپسند نہیں ہوتی جو مرنے کے بعد اس کے سامنے آنے والی ہے اسی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے. چنانچہ اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند فرماتے ہیں لہ

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دریافت کیا یا رسول اللہ! کیا عورتوں پر جہاد ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں عورتوں پر ایسا جہاد ہے جس میں جنگ نہیں ہے یعنی حج اور عمرہ لہ

لہ مشکوٰۃ عن البخاری والمسلم ۱۲ مشکوٰۃ شریف ۱۲

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ (یہ تو واقعہ ہے کہ) کوئی شخص بغیر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے جنت میں داخل نہ ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (ہاں) اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر کوئی بھی جنت میں نہ جائے گا۔ تین مرتبہ یوں ہی فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دوبارہ سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہ ہوں گے؟ آپ نے ماتھے پر مبارک ہاتھ رکھ کر فرمایا وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰہُ مِنْہُ بِرَحْمَتِہٖ (میں بھی جنت میں داخل نہ ہوں گا مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لیوے) تین مرتبہ یہی فرمایا[۱]

ایک مرتبہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ تو فرمائیے اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ لیلۃ القدر کون سی ہے (یعنی یہ علم ہو جائے کہ آج لیلۃ القدر ہے) تو دعا میں کیا کہوں!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوں کہنا:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ[۲] (اے اللہ! بلا شبہ تو معاف کرنے والا ہے. معاف کرنے کو پسند کرتا ہے لہٰذا تو مجھے معاف فرما۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ سے محبت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگر تمام بیویوں کی بنسبت زیادہ محبت تھی۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کو سب سے زیادہ کون محبوب ہے؟ آپؐ نے فرمایا عائشہؓ انہوں نے مکرر سوال کیا یا رسول اللہ! مردوں میں سب سے زیادہ آپ کو کون محبوب ہے؟ فرمایا عائشہ کے والد۔ سائل نے سہ بارہ سوال کیا کہ ان کے بعد؟ فرمایا عمرؓ[۳] لیکن اس قدر محبت کے باوجود کسی دوسری بیوی کی ذرا حق تلفی نہیں فرماتے تھے۔ سب کے حقوق اور دل داری اور شب باشی میں برابری

---

[۱] مشکوٰۃ ۱۲۔ [۲] مشکوٰۃ ۱۲۔ [۳] جمع الفوائد ۱۲۔

رکھتے تھے، چونکہ طبعی محبت اختیاری نہیں ہے اس لئے بارگاہِ خداوندی میں آپؐ نے یہ دعا کی تھی اَللّٰھُمَّ ھٰذَا قَسْمِیْ فِیْمَا اَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِیْ فِیْمَا تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ (اے اللہ یہ میری تقسیم ہے میرے اختیار کی چیزوں میں لہٰذا مجھے ملامت نہ کیجئے اس چیز میں جس کے آپ مالک ہیں اور میرے قبضہ کی نہیں ہے[1] یعنی طبعی محبت غیر اختیاری ہے اس میں برابری کرنا میرے اختیار سے باہر ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل شانہٗ نے معلم بنا کر بھیجا تھا اس لئے آپ کو اللہ کی طرف سے ایسے حالات میں مبتلا کیا گیا جن سے امت کو راہ مل سکے۔ چونکہ امت کو چار بیویوں تک رکھنے کی اجازت ہے اس لئے جو امتی اس پر عمل کرے اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے سبق مل گیا کہ ایک بیوی سے طبعی محبت زیادہ ہو تو اس پر مواخذہ نہیں لیکن حق کی ادائیگی میں سب کو برابر رکھنا فرض ہے اس میں کوتاہی کی تو پکڑ ہوگی۔ ترمذی شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ایک مرد کے پاس دو بیویاں ہوں اور وہ ان کے درمیان برابری کا خیال نہ رکھے تو قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہوگا۔

تربیت کا خاص خیال

سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے بہت محبت تھی اور ان کی تربیت کا بھی خاص خیال فرماتے تھے اور اللہ تعالےٰ سے ڈراتے رہتے تھے جہاں لغزش نظر آتی فوراً آگاہ فرماتے اور سرزنش فرماتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ میں تشریف لے گئے میں نے آپؐ کے پیچھے ایک اچھا سا پردہ لٹکا دیا۔ جب آپ تشریف لائے تو اس پردہ کو اس زور سے پکڑ کر کھینچا کہ اس کو پھاڑ دیا۔ پھر فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالےٰ نے ہم کو یہ حکم نہیں دیا کہ پتھروں

---

[1] جمع الفوائد ۱۲

کو اور مٹی کو لباس پہنا دیں۔[1]

ایک مرتبہ چند یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے دبی زبان سے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کے بجائے اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ کہا۔ سام موت کو کہتے ہیں۔ ان کا مطلب بددُعا دینا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں وَعَلَیْکُمْ فرما دیا۔ (یعنی تم پر موت ہو) (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اسی قدر فرمایا لیکن) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سخت برہم ہوئیں اور غصہ سے انہوں نے فرمایا "اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ وَلَعَنَکُمُ وَغَضِبَ عَلَیْکُمْ (تم پر موت ہو اور خدا کی لعنت ہو اور خدا کا غضب ٹوٹے) یہ سن کر سیّد عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا "اے عائشہ! ٹھہر، نرمی اختیار کر اور بدکلامی سے بچ"۔ عرض کیا آپ نے سنا نہیں انہوں نے کیا کہا ہے؟ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور تم نے نہیں سُنا میں نے کیا جواب دیا؟ ان کی بات میں نے ان پر لوٹا دی اب اللہ تعالےٰ میری بددعا ان کے حق میں قبول فرمائیں گے اور ان کی بددُعا میرے حق میں قبول نہ ہوگی۔[2]

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بُرائی کرتے ہوئے کہہ دیا کہ صفیہ اتنی سی ہے یعنی پستہ قد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ٹوکا اور فرمایا کہ یقین جان! تُو نے ایسا کلمہ کہہ دیا کہ اسے اگر سمندر میں ملا دیا جائے تو اسے بھی بگاڑ دے۔[3]

ایک روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آٹا پیس کر چھوٹی چھوٹی روٹیاں پکائیں اس کے بعد ان کی آنکھ لگ گئی۔ اسی اثنا میں پڑوسن کی بکری آئی اور وہ روٹیاں کھا گئی آنکھ کھلنے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کے پیچھے دوڑیں یہ دیکھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ! ہمسایہ کو اس کی بکری کے بارے میں نہ ستاؤ۔[4]

---

[1] مشکوٰۃ شریف ۱۲۔ [2] مشکوٰۃ عن البخاری والمسلم ۱۲۔ [3] مشکوٰۃ شریف ۱۲۔
[4] الادب المفرد باب لایؤذی جارہ ۱۲۔

مختلف نصائح حضور اقدس صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم اکثر زہد فی الدنیا اور فکر آخرت اور خدا ترسی کی نصیحتیں فرماتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰے عنہا کو نصیحت فرمائی کہ اے عائشہؓ! چھوٹے گناہوں سے بھی) بچ کیونکہ اللہ کی طرف سے ان کے بارے میں مواخذہ کرنے والا موجود ہے[۱]

ایک مرتبہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اے عائشہ! اگر تو (آخرت میں) مجھ سے ملنا چاہتی ہے تو تجھے دنیا میں سے اتنا سامان کافی ہونا چاہیئے جتنا مسافر اپنے ساتھ لے کر چلتا ہے اور مال داروں کے پاس بیٹھنے سے پرہیز کر اور کسی کپڑے کو پرانا سمجھ کر پہننا مت چھوڑ جب تک تو اس کو پیوند لگا کر نہ پہن لیوے[۲]

حضرت عروۃ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے تھے کہ خالہ جان اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے نیا کپڑا اس وقت تک نہیں بناتی تھیں جب تک کہ پہلے بنائے ہوئے کپڑے کو پیوند لگا کر نہیں پہن لیتی تھیں اور جب تک کہ وہ خوب بوسیدہ نہ ہو جاتا تھا[۳]

کثیر بن عبید کا بیان ہے کہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا وہ اس وقت اپنے کپڑے میں پیوند لگا رہی تھیں۔ مجھ سے فرمایا ذرا ٹھہرو (ابھی بات کروں گی) اس کام سے فارغ ہو جاؤں۔ چنانچہ میں نے توقف کیا پھر جب گفتگو شروع ہوئی تو میں نے عرض کیا اے اُم المؤمنین! اگر میں باہر جا کر لوگوں سے کہوں کہ ام المؤمنین پیوند لگا رہی تھیں تو آپ کو لوگ بخیل سمجھیں گے۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ سمجھ کر بات کر و حقیقت یہ ہے کہ جس نے پرانا کپڑا نہ پہنا اسے نیا کپڑا پہننے میں کیا لطف آئے گا۔

کلماتِ حکمت و موعظت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰے عنہا بڑی صاحبِ حکمت و موعظت تھیں۔ بڑی پتہ کی بات فرما دیا کرتی تھیں۔ بعض صحابہ بھی ان سے نصیحت کرنے کی فرمائش کیا کرتے تھے۔

زیادہ کھانے کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

---

[۱] مشکوٰۃ شریف ۱۲۔ [۲] ایضاً۔ [۳] الترغیب والترہیب ۱۲۔

وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد سب سے پہلی مصیبت یہ امت میں پیدا ہوئی کہ پیٹ بھر کر کھانے لگے۔ جب پیٹ بھرتے ہیں تو بدن موٹے ہو جاتے ہیں اور دل کمزور ہو جاتے ہیں اور نفسانی خواہشیں زور پکڑ لیتی ہیں [1]۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ گناہوں کی کمی سے بہتر کوئی پونجی ایسی نہیں ہے جسے لے کر تم اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرو جسے یہ خوشی ہو کہ عبادت میں محنت سے انہماک رکھنے والے سے بازی لے جائے اسے چاہیئے کہ اپنے کو گناہوں سے بچائے [2]۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک خط حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نام ارسال کیا جس میں اپنے لئے مختصر نصیحت کرنے کی فرمائش کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے جواب میں فرمایا؛

سَلَامٌ عَلَيْكَ

اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ تَعَالٰی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنِ الْتَمَسَ رِضَی اللّٰہِ بِسَخَطِ النَّاسِ کَفَاہُ اللّٰہُ مُؤْنَۃَ النَّاسِ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَی النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰہِ وَکَلَہُ اللّٰہُ اِلَی النَّاسِ۔

والسلام علیک [3]

(ترجمہ) تم پر سلام ہو۔

بعد سلام کے واضح ہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص لوگوں کی ناراضگی کا خیال نہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو اللہ تعالیٰ لوگوں کی شرارتوں سے (بھی) اسے محفوظ فرماتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی رکھنا چاہتا ہو اللہ تعالیٰ (اس کی مدد نہیں فرماتے بلکہ) اسے لوگوں کے حوالے کر دیتے ہیں وہ اس کو جیسے چاہیں استعمال کریں اور جس طرح چاہیں اس کا دلیہ بنائیں۔) والسلام علیک

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو (غالباً ان کی درخواست پر) یہ بھی لکھ کر بھیجا کہ:

---

[1] الترغیب والترہیب ۱۲۔ [2] صفۃ الصفوۃ ۱۲۔ [3] مشکوٰۃ شریف

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ الْعَبْدَ إِذَا عَمِلَ بِمَعْصِيَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَادَ حَامِدُهُ مِنَ النَّاسِ ذَامًّا۔

یعنی جب بندہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کام کرتا ہے تو اس کو اچھا کہنے والے بھی برا کہنے لگتے ہیں[1]

نشر العلوم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بڑی مستعدی سے علم دین کی اشاعت کی۔ ان کے شاگردوں کی بڑی بھاری تعداد (جو ۲۰۰ کے لگ بھگ ہے) کتابوں میں لکھی ہے جن میں صحابہ کرام بھی ہیں اور تابعین حضرات بھی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) ان کی وفات ۵۸ھ میں ہوئی اس حساب سے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے ۴۸ سال مسلسل علم دین پھیلایا۔ محدثین کرام نے ان کی روایات کی تعداد ۲۲۱۰ بتلائی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بڑی فیاضی کے ساتھ علم دین کی اشاعت کی۔ لڑکے اور عورتیں اور جن مردوں سے ان کا پردہ نہ تھا پردہ کے اندر مجلس تعلیم میں بیٹھتے تھے اور باقی حضرات متعلمین پردہ کے پیچھے بیٹھ کر ان سے دینی فیض حاصل کرتے تھے۔ مختلف قسم کے سوالات کئے جاتے تھے اور وہ سب کا جواب دیتی تھیں اور بعض مرتبہ کسی دوسرے صحابی یا امہات المومنینؓ میں سے کسی کے پاس سائل کو بھیج دیتی تھیں۔ دینی مسائل معلوم کرنے میں کوئی شرماتا تو فرماتی تھیں کہ شرماؤ مت کھل کر پوچھ لو۔

ہر سال حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے جاتی تھیں اور ہر طرف سے مختلف شہروں سے برابر لوگ آتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خیمہ کے باہر ٹھہر کر دینی سوالات کرتے تھے اور وہ جواب دیتی تھیں۔ مکہ معظمہ میں زمزم کے قریب پردہ ڈال کر تشریف فرما ہو جاتی تھیں اور فتویٰ طلب کرنے والوں کی بھیڑ لگ جاتی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا شمار ان جلیل القدر صحابہؓ میں کیا گیا ہے جو مستقل مفتی تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے والد ماجدؓ ہی کے زمانہ خلافت سے مفتی ہو گئی تھیں اور

---

[1] صفۃ الصفوۃ ۱۲۔

حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو خود آدمی بھیج کر ان سے مسائل معلوم کراتے تھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانۂ امارت میں دمشق میں مقیم تھے اور بوقت ضرورت قاصد کو بھیج کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسئلہ معلوم کر کے عمل کرتے تھے۔ قاصد شام سے چل کر مدینہ منورہ آتا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مسکن کے دروازہ کے سامنے کھڑے ہو کر سوال کا جواب لے کر واپس چلا جاتا تھا[1]

بہت سے لوگ خطوط لکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دینی معلومات حاصل کرتے تھے اور وہ ان کو جواب لکھا دیتی تھیں۔ عائشہ بنت طلحہؓ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خاص شاگرد ہیں فرماتی ہیں۔

ویکتبون الیّ من الامصار فاقول لعائشه یاخالة هذا کتاب فلان وهدیته فتقول لی عائشه ای بُنیّة أجیبیهِ و اثیبیه۔	لوگ مجھے دور دور کے شہروں سے خطوط لکھتے تھے (اور ہدایا بھیجتے تھے) میں عرض کرتی تھی کہ اے خالہ جان! یہ فلاں شخص کا خط اور اس کا ہدیہ ہے (فرمائیے اس کا کیا جواب لکھوں) وہ فرما دیتی تھیں کہ لے بیٹا! (اسے ربی) جواب لکھ دو اور ہدیہ کا بدلہ دے دو۔

حدیث شریف کی کتابوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فتاویٰ بکثرت آتے ہیں لوگ ان سے خصوصیت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اندرون خانہ زندگی کے متعلق معلومات کیا کرتے تھے اور وہ بہت بے تکلفی کے ساتھ جواب دیا کرتی تھیں، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب کچھ سکھانے اور عمل کر کے دکھانے کے لئے اللہ رب العزت کی طرف سے بھیجے گئے تھے اس لئے آپ کی زندگی کے کسی پہلو کو آپ کی ازواج مطہرات ہرگز نہیں چھپاتی تھیں۔

حضرت اسودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا اپنے گھر کے

---

[1] ماخوذ من ابن سعد ۱۲

کام کاج میں مشغول رہتے تھے اور جب نماز کا وقت ہو جاتا تو نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے [1]۔ ایک مرتبہ انہوں نے اس کو ذرا تفصیل سے یوں بیان فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جوتی کی مرمت خود کر لیا کرتے تھے اور اپنا کپڑا خود سی لیتے تھے اور اپنے گھر میں اس طرح خانگی کام کاج میں مشغول رہتے تھے جیسے تم لوگ اپنے گھروں میں کام کاج کرتے ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ اپنے کپڑوں میں جوئیں خود دیکھ لیتے تھے اور اپنی بکری کا دودھ خود دوہ لیتے تھے اور اپنی خدمت خود کر لیتے تھے [2]۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں کی طرح بات میں بات نہیں پروتے چلے جاتے تھے بلکہ آپ کا کلام ایسا سلجھا ہوا ہوتا تھا کہ ایک ایک کلمہ علیحدہ علیحدہ ہوتا تھا جسے پاس بیٹھنے والا آسانی یاد کر لیتا تھا [3]۔ ایک مرتبہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہنسنے کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے آپ کو کبھی پورے دانتوں اور ڈاڑھوں کے ساتھ ہنستے ہوئے نہیں دیکھا جس سے آپ کے مبارک حلق کا کوّا دکھا جائے آپ تو بس مسکراتے تھے [4]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی فرمایا کہ آپؐ نے کبھی کسی کو اپنے دست مبارک سے نہیں مارا نہ کسی بیوی کو نہ کسی خادم کو۔ ہاں اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے (اللہ کے دشمن کو) مارا تو وہ دوسری بات ہے اور آپ کو کسی سے کچھ کسی قسم کی اذیت پہنچی تو اس کا بدلہ کبھی نہیں لیا۔ ہاں اگر اللہ تعالےٰ کے حکم کے خلاف کسی سے کوئی کام ہو جاتا تو آپؐ اللہ کے لئے اس کو سزا دیتے تھے [5]۔

حضرت سعد بن ہشامؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اُم المومنین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کے متعلق ارشاد فرمایئے کیسے تھے؟ اس پر انہوں نے فرمایا:

---

[1] بخاری شریف ۱۲۔ [2] ترمذی شریف ۱۲۔ [3] ترمذی شریف ۱۲۔
[4] بخاری شریف ۱۲۔ [5] مشکوٰۃ شریف۔

کیا تم قرآن نہیں پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں۔

فرمایا! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن ہی تھی [1] (یعنی اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں جن احکام کا حکم فرمایا ہے اور جن اخلاق کو اختیار کرنے کو فرمایا وہ سب پوری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں موجود تھے۔)

حضرت عبدالعزیز بن جریج روایت فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کن سورتوں سے نماز وتر ادا فرماتے تھے اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ اور دوسری رکعت میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور تیسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ پڑھا کرتے تھے [2]

حضرت عفیف بن الحارث رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے میں نے عرض کیا یہ تو فرمایئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غسل واجب ہوتا تھا تو اوّل رات ہی میں غسل فرمالیتے تھے یا آخر رات میں؟ انہوں نے فرمایا کبھی آپؐ نے اوّل وقت ہی غسل فرمالیا اور کبھی آخر رات میں غسل فرمالیا۔ یہ سنتے ہی میں نے کہا کہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ فِی الْاَمْرِ سَعَۃً (اللہ اکبر سب تعریف اللہ کے لئے جس نے اس بارے میں گنجائش رکھی ہے) اس کے بعد میں نے عرض کیا یہ تو فرمایئے کہ آپ رات کے اوّل وقت میں وتر ادا فرمالیتے تھے یا رات کے پچھلے حصّہ میں؟ اس کے جواب میں انہوں نے ارشاد فرمایا کہ کبھی آپؐ نے اوّل رات میں وتر ادا فرمائے اور کبھی آخر رات میں، یہ سنتے ہی میرے منہ سے پھر وہی الفاظ نکلے کہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ فِی الْاَمْرِ سَعَۃً، اس کے بعد میں نے سہ بارہ سوال کیا کہ (رات کو جب نفل ادا فرماتے تھے تو) آپؐ قرأت زور سے پڑھتے یا آہستہ؟ اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ کبھی آپؐ نے زور سے قرأت پڑھی اور کبھی آہستہ پڑھی۔ یہ سن کر میرے منہ سے پھر (بے ساختہ) وہی کلمات

---

[1] مشکوٰۃ شریف ۱۲۔ [2] مشکوٰۃ عن الترمذی وابی داؤد والنسائی ۱۲

تکے اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ فِی الْاَمْرِ سَعَۃً۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جانتی تھیں کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ساری امت کے لئے نمونہ ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات اور ہر حرکت و سکون کو انہوں نے اچھی طرح محفوظ رکھا تھا۔ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اندرونی احوال اور رات کے اعمال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت مروی ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم (نمازِ تہجد سے فارغ ہوکر) جب فجر کی دو سنتیں پڑھ لیتے تھے تو میں جاگتی ہوتی تو (نماز کے لئے مسجد کو جانے تک) مجھ سے باتیں فرماتے رہتے تھے ورنہ (ذرا دیر داہنی کروٹ پر) لیٹ جاتے تھے۔[۱]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی بیان فرمایا کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو نماز (نفل) پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو پہلے مختصر سی دو رکعتیں پڑھ لیتے تھے[۲] (اس کے بعد لمبی سورتوں سے نماز ادا فرماتے تھے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی بیان فرمایا کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم غیر فرض نمازوں میں جس قدر فجر کی دو رکعتوں کا خاص اہتمام فرماتے تھے اور کسی غیر فرض نماز کا اس قدر اہتمام نہیں فرماتے تھے[۳] یہ بھی روایت فرماتی تھیں کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رکعتا الفجر خیر من الدنیا و ما فیھا یعنی فجر کی دو سنتیں ساری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب سے بہتر ہیں[۴]۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں سر رکھ کر لیٹ کر قرآن شریف کی تلاوت کر لیتے تھے حالانکہ وہ میرا زمانہ ماہواری کا ہوتا تھا[۵]۔ یہ بھی روایت فرماتی ہیں کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب معتکف ہوتے تو مسجد کے اندر بیٹھے ہوئے میری طرف کو سر جھکا دیتے تھے اور میں آپ کا سر مبارک (اپنے حجرہ میں سے) دھو دیتی تھی حالانکہ یہ میرا زمانہ ماہواری کا ہوتا تھا[۶]

---

[۱] ابوداؤد ۱۲۔ [۲] مسلم ۱۲۔ [۳] ایضاً ۱۲۔ [۴] مسلم شریف ۱۲۔ [۵] بخاری و مسلم ۱۲
[۶] بخاری و مسلم ۱۲۔ [۷] ایضاً ۱۲

زہد و فقر اور گھر کے احوال

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سید الزاہدین تھے۔ پیٹ بھرنے اور مزیدار چیزیں حاصل کرنے اور سامان جمع کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے عائشہ اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں (مگر قصہ یہ ہے کہ) میرے پاس ایک فرشتہ آیا جس کی قامت کا یہ عالم تھا کہ اس کی کمر کعبہ تک پہنچ رہی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ آپ کے رب نے آپ کو سلام فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اگر تم چاہو تو عام بندوں کی طرح بندہ اور نبی بن کر رہو اور اگر چاہو تو نبی اور بادشاہ بن کر رہو۔ میں نے اس بارے میں جبرئیل علیہ السلام کی طرف مشورہ لینے کے طور پر دیکھا تو انہوں نے اشارہ کیا کہ تواضع اختیار کرو لہٰذا میں نے جواب دے دیا کہ میں نبی ہوتے ہوئے عام بندوں کی طرح ہو کر رہنا چاہتا ہوں (اس کو روایت کرنے کے بعد) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس کے بعد سے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگا کر کھانا تناول نہیں فرماتے تھے (اور یہ) فرمایا کرتے تھے کہ میں اس طرح کھاتا ہوں جیسے غلام کھاتا ہے اور اس طرح بیٹھتا ہوں جیسے غلام بیٹھتا ہے۔[1]

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر اختیاری تھا اور گو آپ نے اپنی حیاتِ طیّبہ کے آخری تین چار سال یہ بھی کیا کہ ازواجِ مطہرات کے لئے ایک سال کے خرچ کا انتظام فرما دیا کرتے تھے لیکن آپؐ کی صحبت کے اثر سے آپؐ کی ازواجِ مطہرات بھی اس کو خیرات کر دیتی تھیں اور خود تکلیف برداشت کر لیتی تھیں۔

حضرت مسروق (تابعی) فرماتے تھے کہ میں ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے میرے لئے کھانا منگایا پھر کھانا منگا کر فرمایا کہ اگر میں پیٹ بھر کر کھا لوں اور اس کے بعد رونا چاہوں تو رو سکتی ہوں۔ میں نے سوال کیا کیوں؟ فرمایا کہ میں اس حال کو یاد کرتی ہوں جس حال میں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو چھوڑ کر تشریف لے گئے ہیں، اللہ کی قسم کسی روز (بھی) دو مرتبہ آپؐ نے

---

[1] مشکوٰۃ شریف ۱۲

گوشت اور روٹی سے پیٹ نہیں بھرا۔ یہ ترمذی شریف کی روایت ہے۔ بیہقی کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ہم اگر چاہتے تو پیٹ بھر کر کھا لیتے لیکن واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اور آپ نے اور آپ کے گھر والوں نے جَو کی روٹی سے بھی پیٹ نہیں بھرا۔[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ اپنے بھانجے حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا کہ اے میری بہن کے بیٹے! سچ جانو ہم تین چاند دیکھ لیتے تھے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں آگ نہیں جلتی تھی۔ انہوں نے سوال کیا کہ خالہ جان پھر آپ حضرات کیسے زندہ رہتے تھے؟ فرمایا کھجوروں اور پانی پر گذارا کر لیتے تھے اور اس کے سوا یہ بھی ہوتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہنے والے انصار اپنے دودھ کے جانوروں کا دودھ ہدیۃً بھیج دیا کرتے تھے آپ اس دودھ کو ہمیں پلا دیا کرتے تھے۔[2]

خوراک کی کمی کے ساتھ دوسرا خانگی سامان بھی بہت ہی کم تھا۔ گھر میں چراغ تک نہیں جلتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں پر بغیر چراغ روشن کئے اور بغیر چولہے میں آگ جلائے کئی کئی ماہ گذر جاتے تھے اگر زیتون کا تیل مل جاتا (جس سے چراغ روشن کئے جاتے تھے) تو (تھوڑا سا ہونے کی وجہ سے) اس کو روشن کرنے کے بجائے بدن پر اور سر پر مَل لیتے تھے اور چربی مل جاتی تھی تو اس کو کھانے میں لے آتے تھے۔[3]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (تہجد کی نماز کے وقت) سو جاتی تھی اور میرے پاؤں آپ کے سامنے

---

[1] الترغیب والترہیب ۱۲ - [2] بخاری و مسلم ۱۲ - [3] الترغیب ۱۲ -

(سجدہ کی جگہ) پھیل جاتے تھے۔ لہٰذا جب آپ سجدہ میں جاتے تو میرے پاؤں کو ہاتھ لگا دیتے تھے (تاکہ پاؤں ہٹالوں تو سجدہ کی جگہ ہو جائے) لہٰذا میں پاؤں سکیڑ لیتی تھی اور جب آپ سجدہ سے فارغ ہو کر کھڑے ہو جاتے تھے تو میں پھر پاؤں پھیلا دیتی تھی۔ اس کو بیان کر کے فرمایا کہ اس زمانے میں گھروں میں چراغ نہ تھے[1]

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بستر بھی عمدہ اور نرم نہیں رکھتے تھے۔ آپ کی مصاحبت کی وجہ سے ازواجِ مطہرات بھی اسی طرح گذارہ کرتی تھیں۔ بھلا ان کو یہ کیسے گوارا ہوتا کہ خود آرام اٹھالیں اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف میں دیکھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم جس بستر پر سوتے تھے وہ چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور جس تکیہ پر سہارا لگا کر بیٹھتے تھے وہ بھی اسی طرح کا تھا[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک گھرانے میں کپڑے بھی زیادہ نہ تھے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ کا کپڑا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پاک کیا تو آپ اسی کو پہنے ہوئے مسجد میں نماز کے لئے تشریف لے گئے اور دھونے کی تری اس میں موجود رہی[3]

ایک صاحب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اس وقت حضرت عائشہؓ کی باندی بھی وہیں موجود تھی جو ۵ درہم کا کرتہ پہنے ہوئے تھی۔ اس کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ذرا میری اس باندی کو دیکھو وہ اپنے کو اس سے بالاتر سمجھتی ہے کہ گھر کے اندر اس کرتہ کو پہنے اور ہمارا پچھلا زمانہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں یہ تھا کہ اس قسم کے کرتوں میں سے ایک کرتہ میرے پاس تھا جو مدینہ میں ہر شادی کے وقت دلہن کو سجانے کے لئے مجھ سے مانگا جاتا تھا پھر رخصتی کے بعد واپس کر دیا جاتا تھا[4]

مشورہ لینا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی صاحبِ فہم و فراست تھیں۔ اچھے اچھے سمجھدار ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ حضرت نافعؒ کا بیان ہے کہ میں شام اور مصر

---

[1] بخاری و مسلم ۱۲۔ [2] مشکوٰۃ شریف ۱۲۔ [3] طحاوی شریف ۱۲۔ [4] مشکوٰۃ ۱۲۔

کو مال لے جاکر تجارت کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں تجارت کے ارادہ سے عراق کو اپنا مال لے گیا (واپس آکر) میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے پاس پہنچا اور سارا واقعہ سنایا کہ میں پہلے تجارت کے لئے اپنا مال شام لے جایا کرتا تھا اس مرتبہ عراق کو لے گیا تھا (اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟) اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا کیوں (بلاوجہ) اپنی (سابقہ) تجارت گاہ کو چھوڑتے ہو ایسا مت کرو کیونکہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ جب اللہ جل شانہٗ تمہارے لئے کسی ذریعہ سے رزق کے اسباب پیدا فرما دے تو جب تک (خود ہی) وہ سبب (کسی وجہ سے) نہ بدل جائے یا (نفع کے علاوہ) دوسرا رُخ اختیار نہ کرلے تو اس کو نہ چھوڑ[1]

فضائل ومناقب

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے بہت سے فضائل حدیث شریف اور اسماء الرجال کی کتابوں میں لکھے ہیں۔

پہلے گذر چکا ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب بیویوں سے زیادہ ان سے محبت تھی۔ ان کے شاگرد حضرت مسروقؒ (تابعی) جب ان کے واسطہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی حدیث سناتے تھے تو یوں فرمایا کرتے تھے حدثتنی الصادقۃ ابنۃ الصدیق حبیبۃ حبیب اللّٰہ (یعنی مجھے روایت کی سچ بولنے والی اور سچ بولنے والے (صدیق) کی بیٹی نے جو اللہ کے حبیب کی پیاری تھیں)[2]

خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا کہ مجھے دس چیزوں کے ذریعہ فضیلت ہے وہ دس چیزیں یہ ہیں:۔

(۱) جبرئیل علیہ السلام میری تصویر لے کر (نکاح سے پہلے) آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے پاس آئے۔

(۲) اور میرے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔

(۳) اور نہ کوئی ایسی عورت میرے علاوہ آپ کے نکاح میں آئی جس کے ماں باپ دونوں نے ہجرت کی ہو۔

---

[1] جمع الفوائد عن ابن ماجہ ۱۲۔ [2] الاصابہ ۱۲۔

(۴) اور اللہ تعالیٰ نے آسمان پر سے میری براءت[ع] نازل فرمائی۔

(۵) اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اس حال میں وحی آجاتی تھی کہ میں آپؐ کے ساتھ لحاف میں لیٹی ہوتی تھی۔

(۶) میں اور آپ ایک ہی برتن سے (ساتھ بیٹھ کر کپڑا باندھ کر) غسل کرتے تھے۔

(۷) آپ نماز (تہجد) پڑھتے رہتے تھے اور میں آپؐ کے سامنے لمبی لمبی لیٹی رہتی تھی۔

(۸) آپؐ کی وفات اس حال میں ہوئی کہ آپ میری گردن اور گود کے درمیان تھے۔ اور میرا باری کا دن تھا۔

(۹) اور میرے ہی گھر میں آپؐ مدفون ہوئے۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی خصوصیات میں یہ بھی ذکر کیا کہ میں نے حضرت جبریل علیہ السّلام کو دیکھا اور میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ محبوب بیوی تھی اور جس وقت آپؐ کی وفات ہوئی اس وقت آپؐ کے پاس میرے اور فرشتوں کے علاوہ اور کوئی موجود نہ تھا[۱]

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد بہت کامل ہوئے اور عورتوں میں بس مریم بنت عمران (والدہ سیدنا عیسیٰ صلوۃ اللہ وسلامہ علیہما) اور آسیہ فرعون کی بیوی کامل ہوئیں اور عائشہؓ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید[ع] کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے[۲]

ایک مرتبہ سیدنا جبریل علیہ الصلوٰۃ والسّلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ کے ذریعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سلام کہلایا۔ انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا وعلیہ السّلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسّلام سبز ریشم کے کپڑے میں

ع براءت کا ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ ۱۲۔ [۱] الاصابہ ۱۲۔

[۲] مشکوٰۃ عن البخاری والمسلم ع اہل عرب روٹی کے ٹکڑوں کو شوربہ دار گوشت میں بھگو یا کرتے تھے اور اس کو ثرید کہتے تھے اور تمام کھانوں سے افضل سمجھتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی صورت لے کر آئے اور عرض کیا یہ آپ کی بیوی ہیں دنیا اور آخرت میں[1]

کثرتِ عبادت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اکثر روزے رکھا کرتی تھیں اور نفل نماز بھی بہت پڑھتی تھیں۔ چاشت کی نماز کا خاص اہتمام رکھتی تھیں۔ اس وقت آٹھ رکعت پڑھا کرتی تھیں اور یہ فرماتی تھیں کہ میرے ماں باپ بھی اگر (قبر) سے اٹھ کر آجائیں تب بھی اس نماز کو نہ چھوڑوں گی[2] (بلکہ ان کی خدمت کرتے ہوئے بھی اس کو ضرور پڑھوں گی) حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ فرماتے تھے کہ میرا ہمیشہ یہ معمول رہا ہے کہ جب صبح کو گھر سے نکلتا تو سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر جاتا اور سلام کرتا (یہ ان کے بھائی کے بیٹے تھے) ایک مرتبہ جو میں ان کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ کھڑی ہوئی نفل نماز پڑھ رہی ہیں اور بار بار اس آیت کو پڑھ رہی ہیں اور رو رہی ہیں فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ط میں سلام پھیرنے کے انتظار میں کھڑا رہا حتیٰ کہ طبیعت اکتا گئی اور میں ان کو اسی حال میں چھوڑ کر اپنی ضرورت کے لئے بازار چلا گیا۔ پھر جب واپس آیا تو دیکھا وہ اب بھی اسی طرح نماز میں کھڑی ہیں اور رو رہی ہیں[3]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی تہجد پڑھا کرتی تھیں[4] آپؐ کے بعد بھی اس کا اہتمام کرتی تھیں۔ روزوں کی کثرت ان کا خاص شغل تھا۔ ایک مرتبہ سخت گرمی کے موسم میں عرفہ کے دن یعنی نویں ذی الحجہ کو روزہ سے تھیں۔ سخت گرمی کی وجہ سے سر پر پانی کے چھینٹے دیئے جا رہے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے (جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے) فرمایا اس گرمی میں (نفل) روزہ کوئی ضروری نہیں ہے افطار کر لیجئے۔ (بعد میں قضا رکھ لینا کافی ہوگا) یہ سُن کر فرمایا کہ بھلا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سننے کے بعد کہ عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے

---

[1] اسد الغابہ ۱۲۔ [2] مشکوٰۃ شریف ۱۲۔ [3] صفۃ الصفوۃ ۱۲۔ [4] مسند احمد ۱۲۔

سال بھر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں. میں اپنا روزہ توڑ دوں گی[1]. شریعت مقدسہ کی منع کی ہوئی چیزوں میں چھوٹی چھوٹی چیزوں سے بھی بچتی تھیں. راستہ میں کبھی ہوتیں اور گھنٹی کی آواز آجاتی تو ٹھہر جاتی تھیں تاکہ اس کی آواز کان میں نہ آئے[2] نیکیوں کو پھیلانے کے ساتھ ساتھ برائیوں سے روکنا بھی ان کا خاص مشغلہ تھا اور اس مقصد کے لئے ہر ممکن طاقت خرچ کر دینا ضروری سمجھتی تھیں. ایک گھر کرایہ پر دے دیا تھا. کرایہ دار اس میں شطرنج کھیلنے لگے تو ان کو کہلا بھیجا کہ اس حرکت سے باز نہ آؤ گے تو مکان سے نکلوا دوں گی[3]

احکام اسلامیہ کو بلا چوں و چرا ماننا

دیگر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰے عنہا بھی اسلام کے احکام کے بارے میں چوں و چرا کو بالکل روا نہیں رکھتی تھیں. ان کی مشہور شاگرد حضرت معاذہؓ مدویہ نے ایک مرتبہ سوال کیا. کیا بات ہے حیض کے زمانے کی نماز نہیں پڑھی جاتی لیکن رمضان شریف کے روزے بعد میں رکھے جاتے ہیں.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے جواب میں فرمایا أَحَرُورِيَّةٌ[5] أَنْتِ. (کیا تو نیچری ہو گئی جو اسلام کو اپنی سمجھ کا تابع کرنا چاہتی ہے اور اسلام کے حکم کو بغیر سمجھے ماننے کو پسند نہیں کرتی) حضرت معاذہؓ نے عرض کیا میں نیچری تو نہیں ہوں. یوں ہی سوال کر رہی ہوں. حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰے عنہا نے فرمایا (میں تو اس کے جواب میں یہی جانتی ہوں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں) ہم کو حیض آتا تھا تو روزہ کی قضا رکھنے کا حکم ہوتا تھا اور نماز کی قضا پڑھنے کا حکم نہیں دیا جاتا تھا[6]

---

[1] مسند احمد [2] الادب المفرد للبخاری [3] الادب المفرد للبخاری. [4] ایک حدیث میں ہے کہ عرفہ کا روزہ رکھنے سے ایک سال کے پچھلے اور ایک سال کے اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں. اس کے راوی حضرت ابو قتادہؓ ہیں (مشکوٰۃ ص۱۷۹ عن مسلم) [5] حرورا ایک بستی تھی وہاں کے رہنے والوں میں یہ وبا چل پڑی تھی جو اس دور میں نیچریوں میں اور پچھلے دور میں معتزلہ میں پھیلی ہوئی تھی کہ جب تک عقل تسلیم نہ کرے اسلام کی بات کو ماننے سے انکار کرتے تھے اس لئے ہم نے حروریہ کا ترجمہ نیچری کیا ہے ۱۲ [6] جمع الفوائد ۱۲ .

نزولِ آیت تیمّم

شریعت میں وضو کی جگہ بعض مجبوری کے مواقع میں جو تیمّم رکھا گیا ہے امت کے لئے اس میں بڑی آسانی ہے۔ یہ سن کر آپ کے علم میں اضافہ ہوگا کہ تیمّم کے جاری ہونے کا سبب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہی ذات گرامی ہے۔ جس کا مفصل واقعہ وہ خود اپنے الفاظ میں اس طرح نقل فرماتی تھیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں گئے۔ بہت سے مسلمان ساتھ تھے ہم نے مقام بیداء یا ذات الجیش میں قیام کیا وہاں میرے ہار کی لڑی ٹوٹ گئی لہٰذا اس کے ڈھونڈنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مزید) قیام فرمایا اور آپ کے ساتھ آپ کے ساتھی بھی ٹھہرے رہے۔ رات کا وقت تھا اور پانی کہیں قریب موجود نہیں تھا چونکہ لوگوں کو فجر کی نماز پڑھنے کا خیال تھا اس لئے بہت فکرمند ہوئے کہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے بلا وضو نماز کیسے پڑھ سکیں گے۔ یہ سوچ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اُن سے کہا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ عائشہ نے کیا کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے تمام ہمراہیوں کو روک لیا ہے اور حال یہ ہے کہ نہ پانی قریب ہے نہ اپنے پاس ہے۔

یہ سُن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور مجھے ڈانٹنا شروع کیا اور نہ جانے کیا کیا کہا اور ڈانٹنے کے ساتھ ساتھ میری کوکھ میں کچوکے دیتے رہے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری ران پر سر رکھے ہوئے سو رہے تھے۔ آپ کے بے آرام ہونے کی وجہ سے میں نے حضرت ابوبکرؓ کے کچوکے دینے پر ذرا حرکت نہ کی۔ الحاصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری ران پر سر رکھے ہوئے سوتے رہے حتیٰ کہ صبح ہوگئی اور پانی موجود نہ تھا۔ لہٰذا اللہ جل شانہٗ نے تیمّم کی آیت نازل فرما دی اور سب نے تیمّم کیا اور نماز پڑھی۔ یہ ماجرا دیکھ کر حضرت اسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ (خوشی میں پھڑک اُٹھے اور) کہا کہ اے ابوبکر کے گھر والو! تم ہمیشہ سے برکت والے ہو یہ تمہاری پہلی ہی برکت نہیں ہے، اس کے بعد جب ہم نے اونٹ کو اٹھایا جس پر میں (سوار ہوئی) تھی تو وہ گم شدہ ہار اس کے نیچے سے مل گیا[1]

---

[1] جمع الفوائد ۱۲

شعر اور طب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مریضوں کے معالجات میں اور اشعارِ عرب یاد رکھنے میں بھی خاص ملکہ رکھتی تھیں۔ ان کے بھانجے حضرت عروۃ بن الزبیرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب کوئی حادثہ پیش آجاتا تو اس کے متعلق ضرور شعر پڑھ دیتی تھیں لہ۔

یہ بھی حضرت عروۃ بن الزبیرؓ کا ارشاد ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کوئی قرآن کا عالم اور فرائضِ اسلام اور حلال وحرام کا جاننے والا اور عرب کے واقعات اور اہلِ عرب کے نسب سے واقفیت رکھنے والا نہیں دیکھا لہ

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت عروۃ بن الزبیرؓ نے عرض کیا کہ اے اماں جان! مجھے آپ کے فقیہ ہونے پر تعجب نہیں ہے کیونکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں اور نہ مجھے آپ کی شعر دانی اور واقعاتِ عرب کی واقفیت پر تعجب ہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی ہو۔ ان کی صحبت سے یہ چیزیں حاصل ہوگئیں۔ لیکن مجھے تعجب ہے کہ آپ کو طب سے کیوں کر واقفیت ہوئی؟ اس کے جواب میں حضرت عروۃؓ کے کاندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ عروہ بیٹا! طب میں نے اس طرح سیکھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری عمر میں بیمار ہوجایا کرتے تھے اور لوگ دُور دُور سے آیا کرتے تھے۔ وہ آپ کو علاج کے طریقے اور دوائیں بتلاتے تھے اور میں ان کے ذریعہ آپ کا علاج کرتی تھی لہ۔

سخاوت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی سخی تھیں اور ان کی بہن اسماء بنت ابی بکرؓ بھی سخاوت میں بڑا مرتبہ رکھتی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے (جو حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیٹے تھے) کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت اسماء سے بڑھ کر کوئی عورت سخی نہیں دیکھی لیکن دونوں کی سخاوت میں ایک فرق تھا اور وہ یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھوڑا تھوڑا جمع کرتی رہتی تھیں یہاں تک کہ جب خاصی مقدار میں جمع ہوجاتا تو

لہ الاصابہ ۱۲۔ لہ صفۃ الصفوہ ۱۲۔ لہ ایضاً ۱۲۔

(ضرورت مندوں) میں تقسیم فرمادیتی تھیں اور حضرت اسماءؓ کا یہ حال تھا کہ وہ کل کے لئے کچھ رکھتی ہی نہ تھیں[1]

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ اپنا چشم دید واقعہ بیان فرماتے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک روز ستر ہزار کی مالیت (ضرورت مندوں پر) تقسیم فرمادی اور اپنا یہ حال تھا کہ تقسیم کرتے وقت اپنے کرتہ میں پیوند لگا رہی تھیں[2]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک طبق میں سچے موتی بھر کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ہدیۃً بھیجے جن کی قیمت ایک لاکھ تھی۔ انہوں نے ہدیہ قبول کر کے اپنے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویوں میں تقسیم فرمادیا[3]

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا روزہ تھا اور اسی روز ان کے پاس ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے دو بورے بھر کر ہدیہ بھیجا جو ایک لاکھ اسی ہزار کی مالیت تھی۔ وہ اسی وقت تقسیم کرنے بیٹھ گئیں اور تھوڑی دیر میں تمام کردیا۔ جب شام ہوئی تو ایک درہم (چونی بھر کر چاندی) بھی پاس نہ تھا۔ افطار کے وقت اپنی باندی سے فرمایا کہ افطاری لاؤ چنانچہ وہ زیتون کا تیل اور روٹی لے کر آئی وہیں ایک عورت ام ذرہ موجود تھی (اس کا بھی روزہ تھا) اس نے کہا کہ آج جو آپ نے مال تقسیم کیا ہے اس میں سے اتنا بھی آپ نہ کرسکیں کہ ایک درہم کا گوشت ہی منگا لیتیں جسے افطاری میں ہم کھا لیتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا کہ اب کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ اس وقت تم یاد دلاتیں تو میں اس کا خیال کر لیتی[4]۔

ایک روز کا واقعہ ہے جسے وہ خود بیان فرماتی تھیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی جس کے ساتھ دو لڑکیاں تھیں اس نے سوال کیا۔ اس وقت میرے پاس ایک کھجور کے سوا کچھ نہ تھا میں نے وہی دے دی۔ اس نے اس کھجور کو لے کر دو ٹکڑے کر کے دونوں بچیوں کو ایک ایک ٹکڑا دے دیا اور خود نہ کھایا۔ اس کے بعد وہ چلی گئی اور اس کے

---

[1] الادب المفرد ۱۲۔ [2] صفۃ الصفوہ ۱۲۔ [3] ایضاً۔ [4] صفوۃ الصفوہ ۱۲۔

بعد ہی سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم زنان خانے میں تشریف لے آئے۔ میں نے آپ کے سامنے واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ جو شخص ان لڑکیوں کی پرورش میں ذرا بہت بھی مبتلا کیا گیا اور اس نے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا تو یہ لڑکیاں اس کے لئے دوزخ کی آڑ بن جائیں گی[1]

ایک مرتبہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زنان خانے میں ایک بکری ذبح کی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے۔ کچھ دیر کے بعد تشریف لائے تو دریافت فرمایا کہ بکری کا کیا ہوا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ (سب صدقہ کردی گئی) صرف اس کا ہاتھ باقی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (واقعہ یہ ہے کہ) اس کے علاوہ سب باقی ہے[2] (مطلب یہ تھا کہ جو اللہ کی راہ میں دے دیا گیا باقی وہی ہے اور جو ابھی ہمارے پاس ہے اس کو باقی کہنا درست نہیں۔ کما قال اللہ عزوجل:

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ط۔)

خوفِ خدا اور فکرِ آخرت

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عابدہ زاہدہ ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے والی اور آخرت کی بہت فکر رکھنے والی تھیں۔

ایک مرتبہ دوزخ یاد آ گئی تو رونا شروع کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کا سبب پوچھا تو عرض کیا مجھے دوزخ کا خیال آ گیا اس لئے رو رہی ہوں[3]

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دربارِ رسالت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! جب سے آپ نے منکر نکیر کی (ہیبت ناک آواز) کا اور قبر کے بھینچنے کا ذکر فرمایا ہے اس وقت سے مجھے کسی چیز سے تسلی نہیں ہوتی (اور دل کی پریشانی دور نہیں ہوتی) آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ! منکر نکیر کی آواز مومن کے کانوں میں ایسی معلوم ہوتی ہے (جیسے آنکھوں میں سرمہ) اور قبر کا مومن کو دبانا ایسا ہوتا ہے جیسے کسی کے سر میں درد ہو اور اس کی شفقت والی ماں آہستہ آہستہ دبائے اور وہ اس سے آرام

---

[1] مشکوٰۃ شریف۔ [2] ایضاً۔ [3] مشکوٰۃ ۱۲۔

وراحت پائے (پھر فرمایا کہ):

اے عائشہ! اللہ کے بارے میں شک کرنے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے اور وہ قبر میں اس طرح بھینچے جائیں گے جیسے انڈے پر پتھر رکھ کر دبا دیا جائے [۱]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز میرے پاس ایک یہودی عورت اندر گھر میں آئی اور اس نے قبر کے عذاب کا ذکر کیا۔ ذکر کرتے کرتے اس نے مجھ سے کہا کہ اَعَاذَكِ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ (اللہ تعالیٰ تجھے قبر کے عذاب سے پناہ میں رکھے۔)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے عذابِ قبر کے متعلق سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ عذابِ قبر حق ہے۔ اس کے بعد میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ہر نماز کے بعد عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے [۲]

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالہ جان کی بے پناہ فیاضی دیکھ کر ایک دفعہ (کسی کے سامنے یوں) کہہ دیا کہ یا تو وہ اتنے خرچ سے خود ہی رُک جائیں ورنہ ان کا ہاتھ خرچ سے روک دوں گا۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ بات پہنچی تو فرمایا اچھا عبداللہ نے ایسا کہا ہے؟ حاضرین نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا میں نے نذر مان لی کہ زبیرؓ کے بیٹے سے کبھی نہ بولوں گی۔ اس کے بعد عرصہ تک بول چال بند رکھی۔ پھر مشکل سے مسورؓ بن مخرمہ اور عبدالرحمٰنؓ بن الاسودؓ کے کہنے سننے کے بعد ان سے بولنا شروع کیا اور نذر کے کفارہ میں چالیس غلام آزاد کئے اور جب بھی نذر کے توڑ دینے کا خیال آجاتا تو روتے روتے اپنا دوپٹہ تر کر لیتی تھیں [۳] اور نذر کے ٹوٹ جانے پر مواخذہ سے ڈرتی تھیں اور گو نذر کے کفارہ میں ایک غلام آزاد کرنا کافی ہے لیکن ان کو خوفِ خدا اس قدر لگا ہوا تھا کہ بار بار غلام آزاد کرتی تھیں کہ شاید اب خطا معاف ہو جائے شاید اب خطا معاف ہو جائے۔

---

[۱] شرح الصدور ۱۲۔ [۲] بخاری و مسلم ۱۲۔ [۳] صفۃ الصفوۃ ۱۲۔

ایک بہت بڑا بہتان
اور
اللہ جل شانہ کی طرف سے برأت کا اعلان

حدیث شریف کی کتابوں میں اور خصوصاً بخاری شریف میں یہ واقعہ غیر معمولی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کہ جب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بنی المصطلق کے لئے تشریف لے گئے تو بیویوں میں قرعہ ڈالا کہ کس کو ساتھ لے جائیں۔ نتیجۃً امہات المومنین میں سے حضرت عائشہؓ کا نام نکل آیا اور وہ آپ کے ساتھ روانہ ہو گئیں اور معمول یہ تھا کہ حضرت عائشہؓ اپنے ہودج (پردہ دار شغدف) میں سوار ہو جاتی تھیں اور اس ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا جاتا تھا۔ غزوہ سے فراغت کے بعد مدینہ طیبہ کو واپس ہوتے ہوئے ایک رات یہ واقعہ پیش آیا کہ قافلہ ایک منزل میں ٹھہرا اور آخر شب میں روانہ ہونے سے کچھ پہلے اعلان کیا گیا کہ قافلہ روانہ ہونے والا ہے (تاکہ لوگ اپنی اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو کر روانگی کے لئے تیار ہو جائیں) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قضائے حاجت کی ضرورت تھی اس سے فراغت کے لئے جنگل کی طرف ذرا فاصلہ پر چلی گئیں وہاں اتفاقاً ان کا ہار ٹوٹ کر گر گیا جس کے گرنے کا وہاں پتہ نہ چلا، اپنی جگہ پر واپس آئیں تو گلے میں ہار نہ پا کر اس جگہ واپس گئیں جہاں ہار گرا تھا اس کی تلاش میں ان کو دیر لگ گئی جب واپس اپنی جگہ پہنچیں تو دیکھا کہ قافلہ روانہ ہو چکا ہے جس اونٹ پر سوار ہوا کرتی تھیں اس کا قصہ یہ ہوا کہ جب قافلہ روانہ ہونے لگا تو معمول کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ہودج یہ سمجھ کر کہ وہ اس میں موجود ہیں اونٹ پر سوار کر دیا گیا۔ اٹھاتے وقت ذرا بھی اس امر کا شبہ نہ ہوا کہ اس میں حضرت صدیقہ نہیں ہیں کیوں کہ وہ جسم کے اعتبار سے بھاری نہ تھیں معمولی خوراک کھاتی تھیں، بدن میں معمولی سا بوجھ تھا اس کی وجہ

سے ہودج اٹھانے والوں کو یہ اندازہ ہی نہ ہوا کہ ہودج خالی ہے. چنانچہ اونٹ کو ہانک دیا گیا. حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنی جگہ واپس آکر قافلہ کو نہ پایا. میں قافلہ کے پیچھے دوڑنے یا ادھر اُدھر تلاش کرنے کے بجائے اپنی جگہ چادر اوڑھ کر بیٹھ گئی اور خیال کیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوگا کہ میں ہودج میں نہیں ہوں تو مجھے اسی جگہ تلاش فرمائیں گے اگر ادھر ادھر کہیں اور جگہ جاتی ہوں تو تلاش میں مشکل ہوگی. اس لئے اپنی جگہ چادر میں لپٹ کر بیٹھ گئی. آخر رات کا وقت تھا نیند کا غلبہ ہوا اور میں لیٹ کر آنکھ لگ گئی.

صفوان بن معطل رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خدمت کے لئے پہلے سے مقرر فرما رکھا تھا کہ وہ قافلہ کے پیچھے رہیں اور قافلہ روانہ ہونے کے بعد گری پڑی جو کوئی چیز رہ گئی ہو اس کو اٹھا کر محفوظ کر لیا کریں. اس منزل سے پہلے جس جگہ منزل کی تھی وہ وہاں سے آرہے تھے. سفر کرتے ہوئے صبح کے وقت اس جگہ پہنچے جہاں میں موجود تھی ابھی روشنی پوری نہ ہوئی تھی انہوں نے دور سے اتنا دیکھا کہ کوئی آدمی پڑا سو رہا ہے قریب آئے تو مجھے پہچان لیا کیونکہ انہوں نے پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے مجھے دیکھا تھا مجھے پہچان کر (اور جنگل بیابان میں تنہا دیکھ کر) انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا. اس کے پڑھنے کی آواز کان میں پہنچی تو میری آنکھ کھل گئی. میں نے فوراً اپنی بڑی چادر سے اپنا چہرہ ڈھاک لیا. خدا کی قسم انہوں نے مجھ سے ایک بات بھی نہیں کی اور نہ میں نے ان سے کوئی کلمہ سوائے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کے سنا.

اس کے بعد حضرت صفوانؓ اپنی اونٹنی میرے قریب لائے اور اونٹنی بٹھا دی اور پشت پھیر کر کھڑے ہو گئے. میں اونٹنی پر سوار ہو گئی، اس کے بعد اونٹنی کی نکیل پکڑے ہوئے آگے چلتے رہے. حتیٰ کہ دوپہر کے وقت وہاں پہنچ گئے جہاں لشکر ہم سے پہلے پڑاؤ ڈال چکا تھا، بس کچھ لوگوں نے بُری بات کی تہمت لگا دی اور اسے اچھالنا شروع کر دیا تہمت کے لگانے اور اُچھالنے میں سب سے بڑا حصہ عبداللہ بن ابی ابن سلول کا تھا (جو منافقوں کا سردار تھا).

لشکر وہاں سے روانہ ہوا اور سفر سے واپس لشکر مدینہ منورہ پہنچا۔ مدینہ پہنچ کر میں ایک ماہ تک بیمار رہی۔ اس عرصے میں تہمت لگانے والوں کی باتوں کا لوگوں میں چرچا ہوتا رہا اور مجھے کچھ خبر نہ ہوئی۔ البتہ اس عرصہ میں یہ بات کھٹکتی تھی کہ حضورِ انور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اس سے قبل میری بیماری میں جس لطف و مہربانی کا برتاؤ فرماتے تھے آج کل اس لطف و مہربانی کا انداز نہیں ہے بس یہ ہوتا تھا کہ آپ گھر میں تشریف لاتے اور سلام فرماتے پھر (مجھے خطاب کئے بغیر) دوسروں سے دریافت فرماتے تھے کہ اس کا کیا حال ہے؟

مجھے یہ چیز کھٹکتی تھی اور تہمت والی بات کا مجھے پتہ نہ تھا۔ اوّل تو مرض، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے التفاتی، اس کی وجہ سے میں بہت کمزور ہو گئی۔ اسی دوران ایک رات کو مسطح صحابی کی والدہ اُمِ مسطح کو ساتھ لے کر میں نے قضاءِ حاجت کے لئے باہر جانے کا ارادہ کیا کیوں کہ اس وقت گھروں میں بیت الخلاء بنانے کا رواج نہ تھا اور عورتیں صرف رات کو قضائے حاجت کے لئے باہر جاتی تھیں۔ جب میں قضاءِ حاجت سے فارغ ہو کر مسطح کی والدہ کے ساتھ گھر کی طرف آنے لگی تو ان کا پاؤں چادر میں اُلجھ گیا جس کی وجہ سے وہ گر پڑیں، اس وقت اُن کی زبان سے یہ کلمہ نکلا تَعِسَ مِسْطَحٌ یعنی مسطح ہلاک ہو۔

ان کی زبان سے اپنے بیٹے کے لئے بددُعا کا کلمہ سُن کر مجھے بڑا تعجب ہوا۔ میں نے کہا کہ یہ بہت بُری بات ہے کہ تم ایک نیک آدمی کو بُرا کہتی ہو جو غزوۂ بدر میں شریک تھا یعنی ان کا بیٹا مسطح۔

اس پر انہوں نے تعجب سے کہا کہ بیٹی! کیا تجھے خبر نہیں کہ (میرا بیٹا) مسطح کیا کہتا پھرتا ہے۔ میں نے پوچھا کیا کہتا ہے؟ اس پر انہوں نے تہمت والی بات سنائی۔ یہ سن کر میرا مرض اور بڑھ گیا۔ جب میں گھر واپس آئی اور حسبِ معمول رسول اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم تشریف لائے تو سلام کیا اور اسی طریقہ پر مزاج پُرسی فرمائی کہ اس کا کیا حال ہے۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ اپنے والدین کے

گھر چلی جاؤں۔ آپؐ نے اجازت دے دی۔ وہاں جانے سے میرا مقصد یہ تھا کہ والدین سے اس معاملہ کی تحقیق کروں۔ میں نے جاکر والدہ سے پوچھا انہوں نے تسلی دی کہ بیٹا! تجھ جیسی عورتوں کے دشمن ہوا کرتے ہیں اور ایسی چیزیں اس عورت کے لئے پیش آیا کرتی ہیں جو اپنے شوہر کے نزدیک حسن وجمال میں حیثیت رکھتی ہو اگر اس کی نظر میں پڑھی ہوئی ہو تو سوکنوں کی طرف سے کثرت سے ایسی چیزیں پیش آتی ہیں۔ لہٰذا زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں معاملہ یوں ہی رفع دفع ہو جائے گا۔ میں نے کہا سبحان اللہ! لوگوں میں اس کا چرچا ہو چکا ہے میں اس پر کیسے صبر کروں؟ میں ساری رات روتی رہی، نہ میرے آنسو تھمے نہ آنکھ لگی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی چوں کہ اس خبر کے پھیلنے سے بہت غمگین تھے اور اس بارے میں اب تک کوئی وحی نازل نہ ہوئی تھی۔ اس لئے آپؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ سے جو دونوں گھر ہی کے آدمی تھے مشورہ لیا کہ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیئے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے تو کھل کر عرض کیا جہاں تک ہمارا علم ہے ہمیں عائشہؓ کے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں ان کی کوئی بات ایسی نہیں جس سے بدگمانی کی راہ پیدا ہو۔ آپ ان افواہوں کی کچھ پرواہ نہ فرمائیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے (آپؐ کو غم واضطراب سے بچانے کے لئے) یہ مشورہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر کچھ تنگی نہیں فرمائی۔ عورتیں اور بہت ہیں اور گھر کی باندی سے تحقیق فرمالیں۔

چنانچہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہؓ سے پوچھ گچھ فرمائی (جو حضرت عائشہؓ کی باندی تھیں) انہوں نے عرض کیا کہ اور تو کوئی بات عیب کی مجھے ان میں نظر نہیں آئی سوائے اس کے کہ وہ نوعمر لڑکی ہے۔ بعض اوقات آٹا گوندھ کر سو جاتی ہے بکری آکر آٹا کھا جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحشؓ سے بھی دریافت فرمایا انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اپنے کانوں اور آنکھوں پر تہمت نہیں دھرتی ہوں (کہ خواہ مخواہ تہمت لگانے والوں کے ساتھ شریک ہو جاؤں)

اللہ کی قسم میں تو عائشہؓ کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہیں جانتی ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی بیویوں میں ایک زینب ہی ایسی تھیں جو میرے مقابلہ میں فخریہ بات کرلیتی تھیں، اللہ جل شانہٗ نے ان کو تقوے کی وجہ سے تہمت میں شریک ہونے سے بچالیا اور ان کی بہن حمنہ ان کی وجہ سے مدِ مقابل بن کر کھڑی ہوگئی اور تہمت میں حصّہ لے لیا۔

(اس کے بعد حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد میں خطبہ دینا اور تہمت گھڑنے والوں اور افواہ پھیلانے والوں کی شکایت فرمانا اور حاضرین کا سوال وجواب مذکور ہے۔) آگے کا قصہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے یوں بیان فرمایا کہ مجھے یہ سارا دن پھر دوسری رات بھی روتے ہوئے گذری۔ صبح کو سویرے سے میرے والدین بھی میرے پاس آگئے اور میں اس قدر رو چکی تھی کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ میرے والدین میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرے پاس بیٹھ گئے اور جب سے یہ قصّہ پھیلا تھا اس وقت سے آپ میرے پاس آکر نہ بیٹھے تھے اور ایک ماہ کا عرصہ گذر چکا تھا جس میں میرے اس موجودہ معاملہ میں آپ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔ اس موقعہ پر آپ نے خطبہ شہادت پڑھا اور فرمایا کہ اے عائشہؓ! مجھے تمہارے بارے میں یہ باتیں پہنچی ہیں۔ اگر تم بَری ہو تو ضرور اللہ تعالےٰ تمہیں بَری کردیں گے (یعنی برأت کا اظہار بذریعۂ وحی نازل فرمادیں گے) اور اگر تم سے کوئی لغزش ہوگئی ہے تو اللہ سے توبہ واستغفار کرو۔ کیوں کہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کرکے توبہ کرلیتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کلام پورا فرمالیا تو میرے آنسو بالکل خشک ہوگئے، حتیٰ کہ میں نے محسوس کیا کہ آنکھوں میں ایک قطرہ بھی نہیں ہے۔ میں نے اپنے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دیجئے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے عذر کیا کہ میں کیا کہہ سکتا ہوں، پھر میں نے اپنی والدہ سے عرض کیا کہ آپ جواب دیجئے۔ انہوں نے بھی عذر کردیا کہ میں کیا کہہ سکتی ہوں۔

اب مجبور ہو کر مجھے ہی بولنا پڑا۔ میں ایک کم عمر لڑکی تھی اب تک قرآن بھی زیادہ نہیں پڑھ سکی تھی۔ اس وقت اس رنج وغم اور انتہائی صدمہ میں جبکہ اچھے اچھے عقلاء کے لئے بھی معقول بات کرنا آسان نہیں ہوتا حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے جو کچھ فرمایا وہ ان کی ہوشمندی اور عقلمندی اور ہمت و متانت کا ایک نمونہ ہے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور اپنے والدین سے مخاطب ہوتے ہوئے عرض کیا کہ بخدا مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ آپ حضرات نے اس بات کو سُنا اور سُنتے رہے ہیں یہاں تک کہ آپ کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی اور آپ نے اس کی (عملاً) تصدیق کر دی۔ اب اگر میں کہتی ہوں کہ میں اس سے بری ہوں تو آپ حضرات میری تصدیق نہ کریں گے اور اگر میں ایسے کام کا اعتراف کر لوں جس سے میرا بری ہونا اللہ جل شانہٗ کو معلوم ہے تو آپ حضرات مان لیں گے۔ واللہ اب میں اپنے اور آپ حضرات کے بارے میں کوئی مثال بجز اس کے نہیں پاتی جو یوسف علیہ السّلام کے والد نے اپنے بیٹوں کی غلط بات سُن کر فرمائی تھی کہ میں صبرِ جمیل اختیار کرتا ہوں اور اللہ سے اس معاملے میں مدد طلب کرتا ہوں جو تم بیان کر رہے ہو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اتنی بات کہہ کر میں وہاں سے ہٹ کر اپنے بستر پر جا لیٹی، واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتی تھیں کہ مجھے یقین تھا کہ جیسا کہ میں فی الواقع بری ہوں اللہ تعالےٰ ضرور میری برأت کا اظہار فرما دیں گے لیکن یہ ذرا بھی خیال نہ تھا کہ میرے اس معاملہ میں کلام اللہ کی آیات نازل ہوں گی جو ہمیشہ تلاوت کی جائیں گی، کیونکہ میں اپنی حیثیت اس سے بہت کم سمجھتی تھی۔ مجھے یہ امید تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسا خواب دیکھ لیں گے جس میں اللہ جل شانہٗ کی جانب سے میری برأت ظاہر کر دی جائے گی۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اس مجلس سے اُٹھے بھی نہ تھے اور گھر والوں میں سے کوئی گھر سے باہر نہیں نکلا تھا کہ آپ پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو نزولِ وحی کے وقت ہوا کرتی تھی جس سے سردی کے زمانے میں آپ کی پیشانی مُبارک سے

پسینہ پھوٹنے لگتا تھا جب یہ کیفیت رفع ہوئی اور اس وقت جو وحی اللہ جل شانہٗ نے بھیجی وہ پوری ہوئی تو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہنستے ہوئے سب سے پہلا کلمہ جو فرمایا وہ یہ تھا یٰعائشۃ احمدی اللہ اما اللہ فقد برّاکِ یعنی اے عائشہؓ اللہ کی تعریف کرو۔ اللہ تعالٰی نے تمہیں بری کر دیا۔ میرے والدین نے کہا کھڑی ہو جاؤ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو اور آپؐ کا شکریہ ادا کرو۔ اس وقت میں بہت زیادہ غصہ میں تھی۔ میں نے کہا کہ میں اس معاملہ میں نہ آپؐ کے پاس حاضر ہوتی ہوں نہ اللہ کے سوا کسی کا احسان مانتی ہوں۔ میں صرف اپنے رب کا شکر ادا کرتی ہوں اسی نے میری برأت نازل فرمائی ہے، نہ میں آپؐ کی تعریف کرتی ہوں نہ آپ لوگوں کی تعریف کرتی ہوں۔ آپ لوگوں نے تو بات سن کر اس کی مخالفت کی ہی نہ تھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی برأت کے سلسلہ میں سورۃ نور کی دس آیات نازل ہوئیں[1] جو اس سورت کے دوسرے رکوع سے شروع ہیں جن میں پہلی آیت یہ ہے۔

انّ الّذین جاءو بالافک عصبۃ منکم لا تحسبوہ شرا لکم بل ھو خیر لکم لکل امری منھم ما اکتسب من الاثم والذی تولی کبرہ منھم لہٗ عذاب عظیم ۰ (۱۱:۲۴)	جن لوگوں نے یہ تہمت لگائی وہ تمہارے اندر ایک چھوٹا سا گروہ ہے تم اس بہتان کو اپنے حق میں بُرا نہ سمجھو بلکہ یہ (انجام کے اعتبار سے) تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے۔ ان میں سے ہر شخص کو جتنا اس نے کچھ کیا اس کا گناہ ہوا اور ان میں سے جس نے اس بہتان میں سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اس کے لئے بہت بڑی سزا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو تہمت لگانے کے سلسلے میں عبداللہ ابن ابی ابن سلول اور حضرت حسانؓ اور حضرت مسطحؓ اور حضرت حمنہ بنت جحشؓ کا نام حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔ ان میں عبداللہ بن اُبی ابن سلول تو منافقوں کا سردار تھا اور اس

[1] جمع الفوائد ۱۲۔

نے اس قصہ کو آگے بڑھایا اور خوب اچھالا تھا اور حضرت مسطحؓ اور حضرت حسانؓ اور حضرت حمنہؓ (عورت) یہ تینوں مسلمان تھے لیکن منافقوں کی باتوں میں آکر یہ بھی ان کے ساتھ لگ گئے تھے۔

قرآنی ضابطہ کے مطابق تہمت لگانے والوں کے ذمہ گواہ پیش کرنا تھا لیکن وہ ایک بالکل ہی بے بنیاد خبر کو لئے پھرتے تھے گواہ کہاں سے لاتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تہمت لگانے والوں پر شرعی ضابطہ کے مطابق حدِ قذف یعنی تہمت لگانے کی سزا جاری فرمائی اور اسّی اسّی کوڑے لگائے۔ تہمت لگانے کی یہ سزا بھی سورۂ نور کے پہلے رکوع میں مذکور ہے۔

آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے جن میں منافقین بھی تھے جو مارِ آستین بنے ہوئے تھے آپ کے خلاف اپنی ساری تدبیریں صرف کر ڈالیں اور آپ کو ایذا پہنچانے کی جو جو صورتیں کسی کے ذہن میں آسکتی تھیں وہ سب ہی اختیار کرلیں ان کی طرف سے جو ایذائیں آپ کو پہنچی ہیں ان میں شاید یہ آخری سخت اور روحانی ایذا تھی کہ ازواجِ مطہرات میں جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں اور جو مقدس ترین خاتون تھیں ان پر اور ان کے ساتھ حضرت صفوان بن معطلؓ جیسے مقدس صحابی پر عبداللہ ابن ابی منافق نے تہمت گھڑی پھر اس کو رنگ دیا اور پھیلایا۔ اس بے اصل اور بے دلیل ہوائی تہمت کی وجہ سے حضرت ام المؤمنینؓ اور خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو روحانی ایذا پہنچی تھی حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کے ازالہ اور صدیقہؓ کی برأت کے لئے وحی الٰہی کے کسی اشارہ پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ قرآن کے تقریباً دو رکوع نازل فرمائے اور جو کوئی ایسی تہمت گھڑے یا جو شخص اس کے تذکرے میں حصہ لے ان سب کے لئے عذابِ دنیا اور عذابِ آخرت کی وعیدیں نازل فرمائیں۔

درحقیقت اس واقعۂ افک نے حضرت صدیقہؓ کی عفت و تقدس کے ساتھ ان کی اعلیٰ عقل و فہم کے کمالات کو بھی روشن کردیا۔ اسی لئے اس واقعہ میں جو آیات مذکور ہیں ان میں سب سے پہلی آیت میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اس حادثہ کو اپنے لئے شر نہ

سمجھو بلکہ یہ تمہارے لئے خیر ہے، اس سے بڑی خیر کیا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے آیت قرآنیہ نازل فرما کر ان کی پاکی اور نزاہت کی شہادت دی جو قیامت تک تلاوت کی جائیں گی۔

ضابطہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ جیسے ہی کچھ لوگوں نے تہمت لگائی تھی اسی وقت ان سے گواہ طلب کئے جاتے اور گواہ پیش نہ کر سکنے پر فوراً سزا جاری کر دی جاتی لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا بلکہ وحی کا انتظار فرمایا، اگر گواہوں کا مطالبہ فرما کر جھٹ پٹ سزا جاری فرما دیتے تو ممکن تھا کہ لوگوں کے دلوں میں یہ بدگمانی پیدا ہو جاتی کہ دیکھو اپنے گھر کا معاملہ ہے۔ اس کو سزا دے کر دبا رہے ہیں، ایسا یقین کرنے والے کافر ہو جاتے۔ آپ نے ان کا ایمان بچانے کے لئے خود صدمہ اٹھایا اور رنج و کرب کے پہاڑ برداشت کئے اور جب بذریعہ وحی برأت نازل ہوئی تو سزا جاری فرمائی۔ فصلی اللہ علیہ واصحابہ وازواجہ وآلہ۔

آخر میں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ اگر کسی کی بیوی پر کوئی آدمی تہمت لگا دے اور وہ جھوٹی بھی ثابت ہو جائے تب بھی وہ شخص اس کا چرچا پسند نہ کرے گا اور نہ اُسے اپنی کتاب میں جگہ دے گا۔ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے۔ اس بات کے سمجھ لینے سے ہر صاحب ہوش وگوش یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی کتاب نہیں ہے۔ اگر یہ کتاب ان کی اپنی بنائی ہوئی ہوتی تو اوّل برأت کا اعلان فرمانے کے لئے انتظار .... مہینہ سوا مہینہ کا انتظار کیوں فرماتے اور مصیبت و پریشانی میں کیوں مبتلا ہوتے پھر ان آیات کو کتاب میں کیوں شامل فرماتے جن میں آپ کی چہیتی بیوی پر تہمت کا تذکرہ ہے؟

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ جل شانہ کی طرف سے جو وحی آتی تھی آپ اس کے چھپانے کا اختیار نہیں رکھتے تھے جو کچھ اللہ جل شانہ کی طرف سے نازل ہوتا تھا اس کی تعلیم دیئے بغیر چارہ نہ تھا۔ آپ اللہ کی جانب سے مامور تھے اگر آپ کو کوئی آیت قرآن سے کم کرنے کا اختیار ہوتا تو ان آیات کو کتاب اللہ میں شامل ہی نہ رہنے دیتے۔ تہمت کا جو واقعہ پیش آیا۔ اس کے بارے میں آیات نازل ہوئیں۔ ان سے احکام معلوم

ہوئے۔ اہلِ ایمان کو طرح طرح کی ہدایات اور نصیحتیں حاصل ہوئیں۔ یہ سب خیر ہی خیر ہے۔ والحمد للہ علیٰ ما انعم۔

وفات[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی وفات منگل کی شب، ۱۷ رمضان المبارک ۵۸ھ میں ہوئی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کا سن وفات ۵۷ھ ہے۔ مرض الوفات میں جو لوگ مزاج پرسی کو آتے اور بشارت دیتے تو (آخرت کے حساب کے ڈر سے) فرماتیں، کاش میں پتھر ہوتی، کاش کسی جنگل کی گھاس ہوتی۔ اسی زمانے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے خصائل ومناقب ذکر کئے تو فرمایا اے ابنِ عباسؓ! رہنے دو۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں تو یہ پسند کرتی ہوں کہ کاش میں پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی۔

وفات ہوجانے پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا کہ عائشہؓ کے لئے جنّت واجب ہے اور یہ بھی فرمایا کہ خدا اُن پر رحمت کرے وہ اپنے باپ کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ پیاری تھیں۔ وفات کے قریب وصیت فرمائی کہ میں رات ہی دفن کردی جاؤں۔ چنانچہ وتر نماز کے بعد جنت البقیع کے سپرد کردی گئیں۔ حضرت ابوہریرہؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور دفن کے لئے ان کے حقیقی بھانجے حضرت عبداللہؓ اور عروہؓ اور ان کے بھائی کے بیٹے قاسم رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن محمد بن ابی بکر اور دوسرے بھائی کے بیٹے عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہم قبر میں اترے اور ان کو دفنایا[1]۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

---

[1] الاصابہ والاستیعاب ۱۲

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ سے نکاح فرمایا ان دونوں میں پہلے کس سے نکاح ہوا؟ اس میں سیرت لکھنے والوں کا اختلاف ہے۔ لیکن حافظ ابن کثیرؒ البدایہ میں مسند امام احمدؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے متعلق فرمایا کہ:۔

وکانت اول امرأة تزوجها بعدی۔ — میرے بعد سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سے نکاح فرمایا وہ سودہ تھیں۔

پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت سودہ رضی اللہ تعالٰے عنہما سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح کرانے میں حضرت خولہ بنت حکیم کی کوشش کو بڑا دخل ہے۔ وہ پہلے تو حضرت عائشہؓ کے والدین کے پاس گئیں اور آخر ان کی کوشش کامیاب ہوئی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہؓ کا نکاح ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت سودہ کے پاس پہنچیں اور ان سے کہا کہ تمہیں خبر بھی ہے اللہ نے کس خیر و برکت کا تمہارے ساتھ ارادہ فرمایا ہے؟ انہوں نے سوال کیا وہ کیا؟ حضرت خولہؓ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ تمہیں آپ کی طرف سے نکاح کا پیغام دوں۔ حضرت سودہؓ نے کہا کہ میرے والد سے اس کا تذکرہ کرو۔ یہ سن کر حضرت خولہؓ ان کے والد کے پاس پہنچیں اور ان کو سلام کیا۔ انہوں نے پوچھا یہ سلام کرنے والی کون ہیں؟ جواب دیا حکیم کی بیٹی خولہ ہوں۔ پوچھا کیسے آنا ہوا؟ جواب دیا محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیغام لے کر آئی ہوں کہ سودہ کا نکاح ان سے ہو جائے۔ انہوں نے جواب دیا موقع اچھا ہے آدمی بہت مناسب ہیں مگر یہ بتاؤ کہ سودہ کی کیا رائے ہے؟ حضرت خولہؓ نے جواب دیا کہ سودہ راضی ہیں۔ انہوں نے کہا اچھا ذرا اس کو بلاؤ۔ میں اس سے پوچھ لوں چنانچہ

وہ حضرت سودہؓ کو بلا لائیں۔ حضرت سودہؓ کے والد نے بیٹی سے دریافت کیا کہ اے بیٹا یہ کہتی ہے کہ محمدؐ بن عبداللہ نے تجھ سے نکاح کرنے کے لئے اپنا پیغام بھیجا ہے میرے نزدیک جگہ بہت مناسب ہے کیا تیری خوشی ہے کہ میں تیرا نکاح ان سے کر دوں؟ حضرت سودہؓ نے جواب دیا جی ہاں میری تو رائے ہے۔ یہ سُن کر حضرت سودہؓ کے والد نے حضرت خولہؓ سے کہا اچھا ان کو بلا لاؤ۔ چنانچہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا لائیں اور حضرت سودہؓ کے والد نے اپنی بیٹی کا نکاح آپؐ سے کر دیا۔ حضرت سودہؓ کے بھائی عبد بن زمعہ اس وقت موجود نہ تھے جب وہ گھر آئے اور اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اسے بہت بڑا واقعہ سمجھ کر سر پر خاک ڈال لی کہ یہ کیا غضب ہو گیا؟ اس وقت وہ کافر تھے بعد میں جب اسلام قبول کیا تو اپنی اس نادانی پر بہت افسوس کیا کرتے تھے کہ میری بہن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں اور میں نے اسے ایسا واقعہ سمجھا کہ اظہارِ رنج کے لئے سر پر خاک ڈال لی۔[1]

نکاح کے بعد حضرت سودہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدہ پر تشریف لے آئیں اور حضرت خدیجہؓ کے بعد نبوت کے گھرانہ کی دیکھ بھال ان کے سپرد ہوئی۔

حضرت سودہؓ کے والد کا نام زمعہ اور والدہ کا نام شموس تھا۔ پہلے ان کا نکاح ان کے چچیرے بھائی حضرت سکران بن عمروؓ سے ہوا تھا۔ دونوں میاں بیوی سابقین اوّلین میں سے تھے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان ہو گئے تھے اور مشرکین مکہ کی اذیتوں سے تنگ آکر جو مسلمان حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے ان میں یہ دونوں میاں بیوی بھی تھے حبشہ سے واپس ہو کر مکہ مکرمہ[ع] میں حضرت سکرانؓ کی وفات ہو گئی اور حضرت سودہؓ بیوہ ہو گئیں۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا۔[2] پہلے شوہر نے ایک لڑکا چھوڑا تھا جن کا نام عبدالرحمان تھا انہوں نے جوانی کی عمر پائی اور جنگ جلولاء (فارس) میں اللہ کی راہ میں لڑتے لڑتے شہادت کا جام پیا۔[3]

ہجرت حضرت سودہؓ سے نکاح کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین سال تک مکہ معظمہ میں رہے پھر جب اللہ جل شانہ کی طرف سے ہجرت کی اجازت مل گئی تو

---

[1] البدایہ ۱۲ [ع] ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت سکران نے حبشہ ہی میں وفات پائی۔ کما فی التہذیب ۱۲

[2] البدایہ والاستیعاب ۱۲ [3] زرقانی ۱۲

حضرت صدیق اکبرؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور دونوں حضرات اپنے اہل وعیال کو مکہ ہی میں چھوڑ گئے جن میں حضرت سودہؓ بھی تھیں۔ مدینہ پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ اور ابو رافعؓ کو دو اونٹ دے کر بھیجا تاکہ حضرت فاطمہ زہراؓ اور ام کلثومؓ اور حضرت سودہؓ کو لے آئیں۔ چنانچہ وہ ان کو لے آئے اور حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے حضرت عبداللہؓ اپنے کنبہ کو ان کے ساتھ لے گئے جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں[1]

قدوقامت حضرت سودہؓ کا قد مبارک لانبا تھا۔ جسم بھاری تھا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ جسم بھاری ہونے کی وجہ سے ان کو اجازت دے دی تھی کہ مزدلفہ سے اور لوگوں سے قبل روانہ ہوجائیں تاکہ اژدحام سے تکلیف نہ ہو[2]

عبادت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری

حضرت سودہؓ کے متعلق البدایہ میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

وکانت ذات عبادۃ وورع وزہادۃ   عبادت اور تقویٰ اور زہد والی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا تھا کہ میرے بعد گھر میں بیٹھنا۔ اس پر حضرت سودہؓ نے اس پر سختی سے عمل کیا کہ پھر کبھی حج کو بھی نہ گئیں۔ فرماتی تھیں کہ میں حج وعمرہ دونوں کر چکی ہوں اب خدا کے حکم کے مطابق گھر میں بیٹھوں گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:۔

ما من امرأۃ احد احب الی ان اکون فی مسلاخہا من سودۃ الا ان فیہا حدۃ تسرع منہا الفیئۃ	حضرت سودہؓ کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ میں اس کے قالب میں ہوتی ان میں صرف اتنی بات تھی کہ مزاج میں تیزی تھی جو ظاہر ہوجاتی تھی اور جلدی چلی جاتی تھی[3]

---
[1] الاستیعاب وغیرہ ۱۲ ۔ [2] الاصابہ وغیرہ ۔ [3] مسلم وغیرہ ۱۲

ظرافت حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے مزاج میں ظرافت بھی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کبھی ہنسادیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ عرض کیا کہ کل رات میں نے آپ کے پیچھے نفل نماز پڑھی۔ باوجودیکہ میں ساتھ تھی آپ نے (اتنا لمبا) رکوع کیا جس سے مجھے نکسیر چھوٹ جانے کا خوف ہوگیا اور میں نے اس کے ڈر سے ناک پکڑلی۔ یہ سُن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آگئی۔[1]

سخاوت اللہ جل شانہٗ نے حضرت سودہؓ کو صفت سخاوت سے بھی نوازا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ان کی خدمت میں ایک تھیلی بھیجی جس میں کافی رقم تھی۔ لانے والے سے پوچھا اس میں کیا ہے؟ عرض کیا درہم ہیں۔ فرمایا (دراہم) جو کھجوروں کی طرح تھیلی میں بھرے ہوئے ہیں؟ یہ فرما کر ان سب کو تقسیم فرمادیا۔[2]

ازواج مطہرات میں حشر ہونے کی تمنا حضرت سودہؓ بوڑھی ہوگئی تھیں۔ ان کو خیال ہوا کہ کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے طلاق[ع] نہ دے دیں لہٰذا عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے شوہر والی خواہش تو ہے نہیں آپ مجھے اپنے نکاح میں رکھیں اور میری باری کا دن عائشہؓ کو دے دیا کریں۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ کی بیویوں میں قیامت کے روز میرا حشر ہو۔ چنانچہ آپ نے منظور فرمالیا۔ لہٰذا یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ[3] (۴: ۱۲۸)	اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال نامناسب رویہ یا بے پروائی کا ہو سو دونوں کو اس امر میں کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طور پر صلح کرلیں اور صلح بہتر ہے۔

---

[1] اصابہ عن ابن سعد ۱۲۔ [2] ایضاً ۱۲۔ [ع] یہ روایت ترمذی شریف کی ہے (کما فی الاصابہ) کہ حضرت سودہؓ کو طلاق کا خطرہ ہوگیا تھا اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے ان کو طلاق دی تھی اس پر انہوں نے یہ عرض کیا کہ میں آپ کی ازواج میں شمار ہو کر قیامت میں اٹھنا چاہتی ہوں لہٰذا آپؐ نے رجوع فرمالیا ۱۲۔ [3] الاصابہ وغیرہ ۱۲۔

مجمع الزوائد میں یہ بھی ہے کہ حضرت سودہؓ نے عرض کیا کہ میں آپ کی بیویوں کے ساتھ اپنا حشر چاہتی ہوں تاکہ جو ثواب ان کو ملے مجھے بھی ملے۔

حضرت سودہؓ نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہؓ کو دے دیا تھا جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں (جبکہ نو بیویاں بیک وقت آپ کے نکاح میں تھیں) آٹھ بیویوں کے پاس باری باری سے رات گذارا کرتے تھے [1] یعنی حضرت عائشہؓ کو دو رات باقی ازواج کو ایک ایک رات دیا کرتے تھے۔

نزولِ حجاب حضرت فاروق اعظمؓ اس بات کو بہت چاہتے تھے کہ عورتوں کے لئے پردہ کا حکم نازل ہو جائے خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہراتؓ کے پردہ کے بہت ہی خواہاں تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (وحی کے بغیر) اس حکم کو جاری نہ فرما رہے تھے اور آپ کی بیویاں (دیگر صحابیات کی طرح) رات کے وقت قضائے حاجت کے لئے جنگل جایا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ رات کو حضرت سودہؓ اسی مقصد کے لئے نکلیں راستہ میں حضرت عمرؓ مل گئے چونکہ حضرت سودہؓ کا قد لانبا تھا لہٰذا حضرت عمرؓ نے ان کو پہچان لیا۔ اگرچہ وہ کپڑوں میں اچھی طرح لپٹی تھیں۔ پھر بھی قد کی وجہ سے پہچان ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے آواز دے دی اے سودہؓ ہم تمہیں پہچان گئے اور مقصد اس کہنے کا یہ تھا کہ کسی طرح پردہ کا حکم نازل ہو جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پردہ کی آیت نازل فرما دی۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے جو انہوں نے کتاب الوضوء میں ذکر کی ہے۔ پھر کتاب التفسیر میں اس طرح نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد حضرت سودہؓ قضائے حاجت کے لئے نکلیں ان کا جسم بھاری اور قد خوب لانبا تھا جس کی وجہ سے ضرور پہچان لی جاتی تھیں۔ جاتے ہوئے ان کو عمر بن الخطابؓ نے دیکھ لیا اور کہا اے سودہؓ! اللہ کی قسم (باوجود کپڑوں میں خوب لپٹ جانے کے) تمہارا پردہ ہم سے اس طرح نہیں ہوتا ہے کہ ہم یہ بھی نہ پہچان سکیں کہ یہ کون ہیں اب تم غور کرلو کہ کیسے باہر نکلتی ہو۔ یہ سن کر حضرت سودہؓ واپس لوٹ آئیں اور آنحضرت صلی اللہ

---

[1] مشکوۃ شریف ۱۲

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں قضائے حاجت کے لئے نکلی تھی کہ راستہ میں عمرؓ مل گئے اور انہوں نے ایسا ایسا کہا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں موجود تھے۔ رات کا کھانا تناول فرما رہے تھے اور ہاتھ مبارک میں ہڈی تھی جس میں سے گوشت چھڑا کر کھانے میں مشغول تھے۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی اور آپؐ نے فرمایا کہ تم کو قضائے حاجت کے لئے نکلنے کی اجازت (اللہ کی طرف سے) دے دی گئی ہے۔ نزولِ وحی کے وقت وہ ہڈی آپؐ کے مبارک ہاتھ میں رہی۔

دونوں روایتوں کو ملا کر معلوم ہوتا ہے تو حضرت عمرؓ نے حضرت سودہؓ کو ٹوک کر پردہ کا حکم نازل کرایا اور اس کے بعد پھر زیادہ اہتمام کے لئے یہ بھی چاہتے تھے کہ قضائے حاجت کے لئے ازواجِ مطہرات جنگل کو نہ جائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ضرورت کی وجہ سے قضائے حاجت کے واسطے جنگل جانے کی اجازت دے دی۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب گھروں میں پاخانے نہیں بنے تھے۔ اس کے بعد جب پاخانے گھروں میں بن گئے تو جنگل جانا موقوف ہو گیا اور پردہ کا حکم بھی سب عورتوں کے لئے نافذ کر دیا گیا۔

وفات صاحب الاستیعاب لکھتے ہیں کہ حضرت سودہؓ کی وفات حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانۂ خلافت میں ہوئی اور یہی الاصابہ میں ابن ابی خیثمہ سے نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ:۔

ویقال ماتت سنۃ اربع وخمسین	یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ۵۴ھ میں وفات
ورجحہ الواقدی (الاصابہ)	پائی اور واقدی نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔

حافظ ابنِ کثیرؒ نے بھی ابن جوزی کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی وفات ۵۴ھ ہی ذکر کی ہے اور آخر میں ابن خیثمہ کا قول بھی نقل کر دیا ہے کہ:۔

توفیت فی اٰخر خلافۃ عمر بن الخطابؓ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

یہ حضرت عمر بن الخطابؓ کی صاحبزادی تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفۂ دوم تھے ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہوئیں۔ مدینہ منورہ میں ۳ھ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی۔ اس وقت ان کی عمر ۵ سال کی تھی[1] ان کے پہلے شوہر حضرت خنیس بن حذافہؓ تھے جو غزوۂ بدر اور غزوۂ احد دونوں میں شریک ہوئے اور اُحد میں شہادت[2] پائی۔ اپنے سابق شوہر حضرت خنیسؓ کے ساتھ ہی مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی تھی۔ ان کی شہادت ہو جانے کے بعد جب عدت ختم ہو گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے نکاح کیا جو حضرت عائشہؓ کی رخصتی کے بعد ہوا[3]۔ حضرت حفصہؓ کو رشتہ داری کے اعتبار سے یہ شرف حاصل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی اور حضرت عمر فاروقؓ کی بیٹی ہیں۔ حضرت عبداللہؓ بن عمر کی حقیقی بہن ہیں جن کی روایات حدیث کی کتابوں میں کثرت سے آتی ہیں۔ ان کی والدہ حضرت زینب بنت مظعونؓ اور ماموں حضرت عثمان بن مظعونؓ تھے۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین۔

حرمِ نبوت میں آنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے کا واقعہ حضرت حفصہؓ کے حقیقی بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ یوں بیان فرماتے تھے کہ خنیس بن حذافہؓ کی وفات کے بعد جو مدینہ میں وفات[4] پا گئے تھے، حفصہ بیوہ ہو گئیں تو والد صاحب ان کے نکاح کے لئے فکرمند ہوئے جیسے وہ خود بیان فرماتے تھے کہ اس سلسلہ میں

---

[1] کذا فی الاصابہ ۱۲ [2] حضرت خنیسؓ کی شہادت میں اختلاف ہے حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں شہادت پائی اور حافظ ابن حجرؒ اصابہ میں لکھتے ہیں کہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے چونکہ ان کی شہادت کی تعیین میں اختلاف ہے اس لئے اس میں بھی اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس سن میں ان سے نکاح کیا چونکہ حافظ ابن حجرؒ ان کی شہادت احد میں بتاتے ہیں اسی لئے اس قول کو ترجیح دیتے ہیں کہ ۳ھ میں حرمِ نبوت میں آئیں ۱۲۔ [3] الاصابہ ۱۲

[4] زخم میدانِ جہاد میں آیا اور اسی کے اثر سے مدینہ منورہ میں وفات پائی ۱۲

میں حضرت عثمان بن عفانؓ سے ملا اور ان سے کہا تم چاہو تو اپنی لڑکی حفصہؓ کا تم سے نکاح کر دوں (یہ وہ دن تھے کہ حضرت عثمانؓ کو شادی کی ضرورت تھی ان کی اہلیہ کی وفات ہوگئی تھی) انہوں نے جواب دیا کہ اس بارے میں غور کرکے بتاؤں گا. چنانچہ دو چار روز کے بعد جواب دے دیا کہ میری رائے یہ ہے کہ ابھی نکاح نہ کروں. اس کے بعد میں ابوبکرؓ سے ملا اور ان سے کہا اگر تم چاہو تو اپنی لڑکی حفصہؓ سے تمہارا نکاح کر دوں؛ انہوں نے کچھ جواب نہ دیا اور بالکل خاموش ہوگئے مجھے دونوں حضرات کے رویہ سے رنج ہوا اور جتنا رنج ابوبکرؓ کی خاموشی سے ہوا اس قدر عثمانؓ بن عفان کے جواب سے نہ ہوا تھا.

اس کے چند دن گزر جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نکاح کا پیام بھیجا. لہٰذا میں نے حفصہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں دے دیا۔ جب یہ واقعہ ہو چکا تو حضرت ابوبکرؓ مجھ سے ملے اور کہا شاید تم کو رنج ہوا ہو گا جبکہ تم نے حفصہؓ کے نکاح کے متعلق مجھ سے کہا اور میں نے کوئی جواب نہ دیا. میں نے کہا جی ہاں رنج تو ضرور ہوا. حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ تمہاری پیش کش کے بارے میں جواب دینے سے مجھے صرف اس چیز نے روکا کہ مجھے تحقیقی طور پر معلوم ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہؓ سے اپنا نکاح کرنے کے بارے میں تذکرہ فرمایا تھا. لہٰذا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھید ظاہر کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ہاں اگر آپؐ حفصہؓ سے نکاح کرنے کا ارادہ ملتوی فرما دیتے تو میں اُن سے نکاح کر لیتا۔[1]

مصاحبتِ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سات برس کے لگ بھگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں رہیں. مزاج میں جسارت تھی اس لئے سوال کرنے سے اور بات کا جواب دینے سے نہیں ہچکچاتی تھیں. حضرت ام مبشر انصاریہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ میں حضرت حفصہؓ کے پاس بیٹھی تھی اسی اثنا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انشاء اللہ تعالےٰ ان لوگوں میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہ جائے گا جنہوں نے مجھ سے (حدیبیہ کے موقع پر) درخت کے نیچے بیعت کی. یہ سُن کر حضرت حفصہؓ نے تعجب سے کہا اچھا! (یہ آپ نے کیسے فرمایا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس کہنے پر ان کو جھڑک دیا. انہوں نے قرآن مجید کی

[1] بخاری شریف ۱۲

آیت پڑھ کر سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا یعنی تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کا اس پر سے گذر نہ ہو، جب اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں تو آپ نے یہ کیسے فرمایا کہ درخت کے نیچے حدیبیہ کے موقع پر بیعت کرنے والے دوزخ میں نہ جائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے آگے یہ بھی تو فرمایا ہے ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں اس حال میں پڑا رہنے دیں گے کہ غم کی وجہ سے گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے[1]

اس آیت میں پل صراط کا ذکر ہے جو دوزخ کی پشت پر قائم ہے۔ سب کو اس پر سے گذرنا ہوگا۔ پرہیزگار اور نیک بندے اپنے اپنے اعمال کے اعتبار سے جلدی یا آہستہ پل صراط سے گزر کر جنت میں پہنچ جائیں گے اور کافر کٹ کٹ کر اس میں ہمیشہ کے لئے گر جائیں گے اور پار نہ ہو سکیں گے نیز وہ گنہگار مسلمان بھی اس میں گریں گے جن کو اللہ تعالیٰ بعد میں بخش کر جنت میں بھیج دیں گے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذہن میں پوری بات نہ تھی اس لئے سوال کر بیٹھیں۔

ایک واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ زینب بنت جحش رضؓ کے پاس کہیں سے شہد آ گیا تھا۔ (وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھیں) آپؐ اُن کے پاس ذرا دیر تک ٹھہرا کرتے تھے اور شہد پیتے تھے۔ میں نے اور حفصہؓ نے آپس میں مشورہ سے یہ طے کر لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے میاں بیوی والی دل لگی کریں گے۔ ہم میں سے جس کے پاس تشریف لائیں گے ہر ایک یوں کہے کہ آپ نے مغافیر[2] کھائے ہیں۔ آپ کے مبارک منہ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے۔ چنانچہ آپ ہم میں سے ایک کے پاس تشریف لائے تو مشورہ کے موافق وہی الفاظ کہہ دیئے۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا مغافیر تو میں نے نہیں کھائے۔ ہاں زینبؓ کے پاس شہد پیا ہے۔ آئندہ ہرگز نہ پیوں گا یہ آپ نے ان کو خوش کرنے کے لئے فرما دیا۔ لہٰذا اللہ جل شانہٗ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

---

[1] الترغیب والترہیب للمنذری ۱۲۔ [2] مغافیر ایک قسم کا گوند ہوتا ہے اور بعض نے درخت کا پھل بتایا ۱۲۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ وَاللّٰهُ مَوْلٰكُمْ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ [1] (۶۶ : ۱،۲)

اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے آپ اسے (قسم کھا کر) کیوں حرام کرتے ہیں۔ آپ اپنی بیویوں کی رضا چاہتے ہیں اور اللہ غفور رحیم ہے اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو تمہاری قسموں کا کھولنا (یعنی کفارہ دینا) مقرر فرمایا ہے اور اللہ تمہارا کارساز ہے اور وہ علیم و حکیم ہے۔

واقعہ طلاق اور رجوع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کو طلاق دے دی تھی۔ پھر دوسرے روز حضرت جبریلؑ تشریف لائے اور بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ حکم فرماتے ہیں کہ عمرؓ پر شفقت فرماتے ہوئے حفصہؓ کو اپنے نکاح ہی میں رکھئے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت جبریلؑ نے تشریف لا کر عرض کیا کہ آپ حفصہؓ کو اپنے نکاح میں ہی رکھ لیں کیونکہ وہ بہت زیادہ روزہ رکھنے والی اور راتوں کو بہت زیادہ نماز پڑھنے والی ہیں اور جنت میں آپ کی بیوی ہوں گی۔ چنانچہ آپ نے رجعت فرمائی یعنی ان کو اپنے نکاح میں رکھ لیا [2]

ایک دل لگی کا واقعہ

حضرت حفصہؓ نے ایک مرتبہ عجیب ہوشیاری کی جسے حضرت عائشہؓ یوں بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کو جاتے تو دلداری کے لئے قرعہ ڈالا کرتے تھے کہ کس بیوی کو ساتھ لے جائیں۔ ایک مرتبہ دو عورتوں کو لے جانا چاہا اور قرعہ ڈالا تو میرا اور حفصہؓ کا نام نکل آیا۔ لہٰذا ہم دونوں آپ کے ساتھ روانہ ہو گئیں۔ راستہ میں رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے اونٹ پر سوار ہو جاتے اور باتیں کرتے رہتے۔ ایک دن حفصہؓ نے مجھ سے کہا کہ آج تم میرے اونٹ پر سوار ہو جاؤ اور میں تمہارے اونٹ کی رفتار دیکھوں۔ میں نے منظور کر لیا اور

---

[1] از بخاری شریف ۱۲۔ [2] کذا فی الاصابہ عن ابن سعد ۱۲۔ طلاق کی تین قسمیں ہیں جس میں ایک قسم وہ ہے جسے رجعی طلاق کہتے ہیں اس کے بعد بغیر نکاح ہی واپس کر لینا درست ہے اسی کو رجعت کہتے ہیں تفصیل کے لئے فقہ کی کتابیں دیکھو ۱۲۔

دونوں ایک دوسرے کے اونٹ پر سوار ہوگئیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار ہونے کا ارادہ کیا تو اسی اونٹ پر سوار ہو گئے جس پر روزانہ میں سوار ہوتی تھی اس وقت اس پر حفصہؓ موجود تھیں۔ آپ نے السلام علیکم فرمایا اور اسی اونٹ پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے حتیٰ کہ ایک منزل پر جاکر اترے (دھوکہ کھانے کی وجہ سے مجھے اپنے اونٹ پر تنہا چلنا پڑا) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت سے محروم رہی۔ میں منزل پر پہنچ کر اونٹ سے اتری اور ایڑیاں گھاس میں رگڑنے لگی اور اپنے آپ کو کوسنے لگی کہ اے رب مجھ پر کوئی بچھو یا سانپ مسلط کر جو مجھے ڈس لے۔ میری نادانی کہ ایسی بات مانی جس میں اپنا نقصان ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کچھ نہیں کہہ سکتی ہوں[1]۔

عبادت حضرت حفصہؓ نماز اور روزہ سے بہت شغف رکھتی تھیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو (رجعی) طلاق دے دی تھی (جس کا ذکر گذشتہ صفحہ پر ہوا) تو جبریلؑ نے آکر عرض کیا کہ حفصہؓ کو اپنے نکاح میں پھر رکھ لیجئے کیونکہ وہ بہت زیادہ روزہ رکھنے والی اور راتوں کو نماز پڑھنے والی ہیں۔ حضرت نافع کا بیان ہے:

ماتت حفصة حتى ما تفطر[2]	حضرت حفصہؓ نے اس حال میں وفات پائی کہ روزہ پر روزہ رکھتی جاتی تھیں۔

وفات حضرت حفصہؓ نے ۴۵ھ میں وفات پائی۔ حافظ ابن کثیرؒ ۴۵ھ کے وقائع کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وقد اجمع الجمهور انها توفيت في شعبان من هذه السنة عن ستين سنة وقيل انها توفيت ايام عثمان والاول اصح	اکثر مورخین و محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت حفصہؓ نے ۶۰ سال کی عمر میں ۴۵ھ میں وفات پائی اور بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں ان کی رحلت ہوئی لیکن اوّل قول زیادہ صحیح ہے۔

حضرت حفصہؓ کے جنازہ میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی شریک تھے۔

---

[1] بخاری شریف۔ [2] الاصابہ ۱۲۔

حضرت زینبؓ بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خزیمہ کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ یہ بڑی صدقات و خیرات والی تھیں۔ اسلام سے پہلے ہی ان کو ام المساکین (مسکینوں کی ماں) کہا جاتا تھا کیونکہ مسکینوں کی خیر خبر بہت رکھتی تھیں۔ ان کا پہلا نکاح حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا تھا جب وہ اُحد میں شہید ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا۔ ان کے پہلے شوہر کے بارے میں بعض علمار کے اور قول بھی ہیں۔

چنانچہ ابن الکلبی فرماتے تھے کہ ان کے پہلے شوہر طفیل بن حارثؓ تھے جب انہوں نے طلاق دے دی تو ان کے بھائی عبیدۃ بن الحارثؓ نے نکاح کر لیا وہ بدر میں شہید ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا جو رمضان ۳ھ میں ہوا۔ نکاح کے بعد آٹھ ماہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں رہ کر ربیع الثانی ۴ھ میں وفات پائی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ آپؐ کے نکاح میں صرف تین ماہ رہیں اس کے بعد وفات پائی۔

سیرت اور تاریخ لکھنے والوں میں سب ہی کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت زینب بنت خزیمہؓ کی وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں ہوئی اور مدینہ منورہ میں سب سے پہلے آپ کی بیویوں میں سے ان ہی کی وفات ہوئی [1]

---

[1] استیعاب و اصابہ وغیرہ ۱۲

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا

حضرت زینب بنت خزیمہؓ کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور اسی گھر میں ان کو ٹھہرایا جس میں حضرت زینب بنت خزیمہؓ رہا کرتی تھیں۔ اُم سلمہ ان کی کنیت ہے۔ نام ہند تھا۔ ان کے باپ ابو امیہ تھے۔ جن کی سخاوت کا عام شہرہ تھا۔ سفر میں اپنے ساتھیوں پر بہت خرچ کرتے تھے۔ اسی لئے ان کا لقب زاد الراکب (مسافروں کے سفر کا سامان) پڑ گیا تھا۔ والدہ کا نام عاتکہ تھا جو قبیلہ بنی فراس سے تھیں لے

قبولِ اسلام اور نکاحِ اوّل

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی ان مُبارک ہستیوں میں ہیں جنہوں نے اسلام کے ابتدائی دور میں ہی اسلام قبول کیا۔ ان کا پہلا نکاح چچا زاد بھائی عبد اللہ بن عبد الاسد سے ہوا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے اور پھوپی زادے بھی۔ وہ اسلام قبول کرنے میں سابقین اوّلین میں سے تھے۔ ان کے متعلق لکھا ہے کہ دس شخصوں کے بعد مسلمان ہوئے یعنی وہ گیارھویں مسلمان تھے۔ پہلے انہوں نے اپنی بیوی (حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا) کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی وہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام سلمہؓ رکھا۔ اسی کے نام سے باپ کی کنیت ابو سلمہ اور ماں کی کنیت ام سلمہ مشہور ہو گئی۔ پھر حبشہ سے واپس آئے اور اس کے بعد دونوں نے مدینہ منورہ کو ہجرت کی۔ لیکن یہ ہجرت ایک ساتھ نہیں ہوئی۔ دونوں آگے پیچھے مدینہ منورہ پہنچے جس کا واقعہ بڑا دردناک ہے۔

ہجرت

حضرت ام سلمہؓ کی ہجرت کے واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتوں نے کیسی کیسی مصیبتیں دین کے لئے برداشت کی ہیں اور کیسی تکلیفیں سہی ہیں۔ اس واقعہ کو وہ خود اس طرح ذکر فرماتی

لے الاصابہ ۱۲

تھیں کہ جب ابو سلمہؓ نے مدینہ منورہ کو ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو اونٹ پر کجاوہ کس کر مجھے اور سلمہؓ کو اونٹ پر بٹھا دیا اور اس کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چلتے رہے جب قبیلہ بنو مغیرہ کو ہمارے روانہ ہو جانے کی خبر ہوگئی جو میرے میکے والے تھے تو انہوں نے ابو سلمہؓ سے کہا کہ تم اپنی ذات کے بارے میں خود مختار ہو مگر ہم اپنی لڑکی کو تمہارے ساتھ نہیں جانے دیں گے جسے تم شہر در شہر لئے پھرو۔ یہ کہہ کر اونٹ کی نکیل ان کے ہاتھ سے چھین لی اور مجھے زبردستی اپنے ساتھ لے آئے۔ جب اس واقعہ کی خبر ابو سلمہؓ کے خاندان بنو عبدالاسد کو لگی جو میرے سسرال والے تھے تو میرے میکے والوں سے جھگڑنے لگے اور کہا تم اپنی لڑکی کے مختار ہو ہمارے بچہ سلمہ رضی اللہ عنہ کو ہمارے حوالہ کرو جب تم نے اپنی لڑکی کو اس کے خاوند کے ساتھ نہ جانے دیا تو ہم اپنے بچہ کو تمہارے پاس کیوں چھوڑیں یہ کہہ کر وہ سلمہؓ کو چھین کر لے گئے۔ اب میں اور میرا شوہر اور بچہ تینوں علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ تو مدینہ پہنچ گئے اور قبا میں جا کر قیام کر لیا۔ اور میں اپنے میکہ میں رہ گئی اور بچہ دادھیال میں پہنچ گیا۔ مجھے اس کا اس قدر صدمہ ہوا کہ روزانہ آبادی سے باہر جاتی اور شام تک رویا کرتی اسی طرح ایک سال گذر گیا۔ نہ خاوند کے پاس جا سکی نہ بچہ مل سکا۔ ایک روز میرے ایک چچا زاد بھائی نے مجھ پر ترس کھا کر خاندان والوں سے کہا کہ تم اس بے کس پر کیوں رحم نہیں کرتے۔ اسے کیوں نہیں چھوڑ دیتے اور اس کو بچہ اور خاوند سے کیوں جدا کر رکھا ہے؟ غرض کہ اس نے کہہ سن کر مجھے خاندان والوں سے اجازت دلا دی کہ تو اپنے خاوند کے پاس جا سکتی ہے۔ جب اس کی خبر بچہ کی دادھیال والوں کو لگی تو انہوں نے بچہ بھی مجھے دے دیا۔

اب میں نے تنہا ہی سفر کا ارادہ کیا اور ایک اونٹ تیار کر کے بچہ ساتھ لیا اور تنہا سوار ہو کر مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئی۔ تین چار میل چلی تھی کہ مقام تنعیم میں عثمان بن طلحہ سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے پوچھا تنہا کہاں جاتی ہو؟ میں نے کہا اپنے شوہر کے پاس مدینہ جا رہی ہوں۔ دوبارہ سوال کیا۔ کوئی ساتھ بھی ہے؟ میں نے کہا

اللہ تعالیٰ ہے اور یہ بچہ ہے۔ یہ کہہ کر عثمانؓ بن طلحہ نے میرے اونٹ کی نکیل پکڑلی۔ اور آگے آگے چل دیئے۔ خدا کی قسم میں نے عثمان سے زیادہ شریف آدمی عرب والوں میں سے کوئی نہیں دیکھا۔ جب منزل پر اترنا ہوتا تو وہ اونٹ بٹھا کر کسی درخت کی آڑ میں کھڑے ہو جاتے اور پھر اونٹ کو باندھ کر مجھ سے دُور کسی درخت کے نیچے لیٹ جاتے اور جب کوچ کرنے کا وقت آتا تو اونٹ پر کجاوہ کس کر میرے پاس لاکر بٹھا دیتے اور خود وہاں سے ہٹ جاتے۔ جب میں سوار ہو جاتی تو اس کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چل دیتے۔ اسی طرح وہ مجھے مدینہ منورہ تک لے گئے۔ جب ان کی نظر بنی عمرو بن عوف کی آبادی پر پڑی جو قبا میں تھی تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ تمہارا شوہر یہیں ہے[1] اس کے بعد وہ سلام کرکے واپس ہوگئے[ع]

مدینہ منورہ میں سکونت

مدینہ پہنچ کر اپنے شوہر کے پاس رہنے لگیں اور وہاں ایک لڑکا اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ لڑکے کا نام عمر اور ایک لڑکی کا نام درہ اور دوسری کا نام زینب رکھا[2]

حضرت ابوسلمہؓ کی وفات

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ احد اور غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ غزوۂ احد میں ان کے ایک زخم آیا جو کچھ اچھا ہو گیا تھا۔ ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستہ کا امیر بنا کر بھیج دیا تھا۔ واپس آئے تو وہ زخم ہرا ہو گیا اور اسی کے اثر سے جمادی الثانی سنہ ۴ھ میں وفات پائی[3]

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے ایک لڑکی تولد ہوئی جس کا نام زینب رکھا گیا اور اس کی ولادت پر مدت بھی ختم ہو گئی[4]

ع عثمان بن طلحہ جنہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ تک پہنچایا تھا اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے بعد میں اسلام لے آئے۔ کذا فی الاصابہ۔ [1] البدایہ الاصابہ اسد الغابہ ۱۲

[2] الاصابہ ۱۲۔ [3] الاصابہ ۱۲۔ [4] الاصابہ ۱۲۔

عدت گذر جانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے نکاح کرنے کا پیغام بھیجا تو انہوں نے عذر کر دیا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا[1]

حرمِ نبوت میں آنا حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو اپنے پہلے شوہر سے بہت محبت تھی۔ ایک مرتبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ اگر مرد اور عورت دونوں جنتی ہوں اور عورت مرد کے بعد کسی سے نکاح نہ کرے تو وہ عورت جنّت میں اسی مرد کو ملے گی۔ اسی طرح مرد اگر دوسری عورت سے نکاح نہ کرے تو وہی عورت اسے ملے گی۔ اس لئے آؤ ہم تم دونوں عہد کر لیں کہ ہم میں سے جو پہلے اس دنیا سے چلا جائے دوسرا نکاح نہ کرے۔

یہ سن کر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ تم میرا کہا مان لوگی؟

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا کہ ماننے کے لئے ہی مشورہ کر رہی ہوں۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ تم میرے بعد نکاح کر لینا اس کے بعد اللہ تعالےٰ سے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ! میرے بعد ام سلمہؓ کو مجھ سے بہتر خاوند عطا فرما جو نہ اسے رنج پہنچائے نہ تکلیف دے[2] خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی نصیحت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حق میں بہت ہی زیادہ مفید ہوئی اور ان کی دعا اللہ جل شانہ نے قبول فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت حضرت ام سلمہؓ کو نصیب فرمائی۔

حضرت ام سلمہؓ خود روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ اللہ کے فرمان کے مطابق یہ پڑھے:

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ	ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور ہمیں اللہ ہی کی
اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ	طرف لوٹ کر جانا ہے اے اللہ! میری مصیبت
وَاَخْلِفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا ۔	میں مجھے ثواب دے اور اس سے بہتر اس کا بدل عنایت فرما

[1] ذکرہ الحافظ فی الاصابہ ۱۲۔ [2] الاصابہ فی ذکر ہند بنت امیۃ وھی ام سلمۃ رضی ولم یذکر ھذہ الھدایۃ فی الکنی ۱۲ منہ۔

تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو اس کی (گئی ہوئی چیز) سے بہتر عنایت فرمائیں گے جب ابوسلمہؓ کی وفات ہوگئی تو (مجھے یہ حدیث یاد آئی اور) دل میں کہا کہ اس دُعا کو کیا پڑھوں) ابوسلمہؓ سے بہتر کون ہوگا. وہ سب سے پہلا شخص تھا جس نے اپنے گھر سے ہجرت کی۔ پھر بالآخر میں نے یہ دُعا پڑھ لی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ جل شانہٗ نے ابوسلمہؓ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے کا شرف عنایت فرمادیا [1]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ بھی روایت فرماتی تھیں کہ جب (پہلے شوہر) حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوگئی تو مجھے بہت ہی زیادہ رنج ہوا. میں نے اپنے جی میں کہا کہ ابوسلمہؓ پردیس میں تھے جہاں ان کے خاندان کے لوگ نہیں ہیں ان کی موت پر ایسا رونا روؤں گی جس کی شہرت ہوجائے گی. میں رونے کے لئے تیار ہو گئی تھی کہ اچانک ایک عورت اور آگئی جو رونے میں میرا ساتھ دینا چاہتی تھی. راستہ میں اس عورت کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مل گئے اور آپؐ کو اس کے ارادہ کی خبر ہوگئی. آپؐ نے اس سے فرمایا کہ تیرا یہ ارادہ ہے کہ اس گھر میں دوبارہ شیطان کو داخل کردے جس سے اللہ نے اسے نکالا ہے. جب یہ بات مجھے معلوم ہوئی تو میں نے رونے کا ارادہ موقوف کردیا اور نہ روئی [2]۔

جب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ کو نکاح کا پیغام بھیجا تو انہوں نے عذر کردیا اور عرض کیا میرے بچے بھی ہیں جن کی پرورش کا خیال کرنا ہے) اور مجھ سے نکاح کرنے سے کچھ فائدہ بھی نہیں ہے کیونکہ عمر زیادہ ہوگئی ہے. مجھ سے اب اولاد بھی پیدا نہ ہوگی اور مزاج میں غیرت بھی بہت ہے (جس کی وجہ سے دوسری سوکنوں کے ساتھ رہنا مشکل ہے) اور میرا یہاں کوئی ولی بھی نہیں ہے اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمر کی بات تو یہ ہے کہ میری عمر تم سے زیادہ ہے اور بچوں کا اللہ حافظ ہے ان کی پرورش میں تمہیں کوئی دشواری نہ ہوگی. میں بھی ان کا خیال کروں گا اور اللہ سے دعا کروں گا. تمہاری غیرت والی بات بھی جاتی رہے گی اور تمہارا کوئی

---

[1] مسلم شریف ۱۲. [2] جمع الفوائد از مسلم شریف ۱۲.

ولی میرے ساتھ رشتہ ہوجانے کو ناپسند نہیں کرے گا۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راضی ہوگئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوگیا۔ یہ نکاح شوال میں ہوا[1]

نکاح ہوجانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اسی حجرہ میں لے آئے جس میں حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رہا کرتی تھیں۔ انہوں نے وہاں دیکھا کہ ایک مٹکے میں جو رکھے ہیں اور ایک چکی اور ہانڈی بھی موجود ہے۔ لہٰذا خود جو پیسے اور چکنائی ڈال کر مالیدہ بنایا اور پہلے ہی دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مالیدہ کھلایا جسے خود ہی بنایا تھا[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ام سلمہؓ سے نکاح کیا تو مجھے بہت رنج ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی توجہ ان کی طرف مجھ سے زیادہ ہوجائے) جس کی وجہ یہ تھی کہ خوبصورتی میں ان کی شہرت تھی۔ میں نے ترکیب سے ان کو دیکھا تو واقعۃً جتنی شہرت تھی اس سے بھی بہت زیادہ حسین معلوم ہوئیں میں نے اس کا حفصہؓ سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا نہیں اتنی حسین نہیں ہیں جتنی شہرت ہے۔ ان کے کہنے سے میری آنکھوں سے بھی ان کا حسن گر گیا اور پھر جو دیکھا تو حفصہؓ کی بات ہی ٹھیک معلوم ہوئی[3] (یعنی حسین تو بہرحال تھیں ہمارے نہ ماننے سے تو ان کے حسن میں کمی نہ آئی البتہ سوکنوں والی پرخاش نے ان کے حسن کو حفصہؓ کے کہنے سے آنکھوں سے گرا دیا)۔ ایسی باتیں بشریت کے تقاضوں سے دل میں آجایا کرتی ہیں۔

دانشمندی حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی دانشمند اور سمجھدار تھیں۔ الاصابہ میں لکھا ہے،

وکانت ام سلمة موصوفة بالجمال البارع والعقل البالغ والرای الصائب۔	حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بہت زیادہ حسین تھیں۔ عقلمندی اور صحیح رائے رکھنے والوں میں ان کا شمار تھا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بڑی الجھن پیش آئی تھی جسے

---

[1] اسد الغابہ، الاصابہ وغیرہ ۱۲۔ [2] حکایات صحابہ ۱۲۔ [3] الاصابہ ۱۲۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے سلجھایا۔ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (۶ھ میں) اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوئے۔ مشرکین مکہ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے مزاحمت کی اور آپ کو مقام حدیبیہ میں رُکنا پڑا۔ جاں نثار صحابہؓ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جان قربان کرنے کو تیار رہتے تھے اس لئے اس موقع پر بھی جنگ کے لئے آمادہ ہوگئے مگر آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے لڑائی کی بجائے صلح کرنا پسند کیا اور باوجودیکہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم لڑائی کے لئے مستعد تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر رعایت کے ساتھ صلح کرنا منظور فرمالیا کہ مشرکین مکہ کی ہر شرط قبول فرمائی (جس میں بظاہر مشرکین کا نفع اور مسلمانوں کا صریح نقصان معلوم ہوتا تھا) جب صلح نامہ مرتب ہوگیا تو سیدِ عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ (اب عمرہ کے لئے مکہ معظمہ تو جانا نہیں ہے۔ اب تو واپسی ہی ہے کیونکہ صلح کی شرائط میں یہ بھی منظور کرلیا تھا کہ آپ عمرہ اس سال نہیں کریں گے آئندہ سال عمرہ کے لئے تشریف لائیں گے لہٰذا) اٹھو (اپنا اپنا احرام کھول دو) قربانی کے جانور ذبح کردو۔ پھر سر منڈوالو چونکہ احرام کھولنے کو طبیعتیں گوارا نہیں کررہی تھیں اور مدینہ سے عمرہ کے لئے آئے تھے اس لئے عمرہ ہی کو جی چاہ رہا تھا اور احرام کھولنے سے اپنے سفر کا ضائع ہونا نظر آتا تھا لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر کوئی بھی نہ اٹھا حتیٰ کہ آپ نے تین مرتبہ حکم دیا جب کسی نے بھی آپؐ کے ارشاد پر عمل نہ کیا تو آپؐ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا کہ لوگ کہا نہیں مان رہے ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا کہ اے اللہ کے نبیؐ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ سب احرام کھول دیں؟ (اگر واقعۃً آپ کی ایسی خواہش ہے تو) اس کی ترکیب یہ ہے کہ آپ باہر نکل کر ذرا کسی سے نہ بولیں اور اپنے جانور کو ذبح فرما دیں اور بال مونڈنے والے کو بلا کر اپنے بال منڈالیں۔ چنانچہ آپؐ نے ایسا ہی کیا اور باہر نکل کر اپنا جانور ذبح کردیا اور بال منڈالئے۔ جب صحابہؓ نے یہ ماجرا دیکھا تو سب احرام کھولنے پر راضی ہوگئے اور اپنے اپنے جانور ذبح کر ڈالے اور آپس میں دوسرے

کا سر مونڈنے لگے[1] (اور سب نے احرام[2] کھول دیا)۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس رائے کے متعلق جس سے مشکل حل ہوئی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ الاصابہ میں لکھتے ہیں،

واشارتها على النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم الحديبية تدل على وفور عقلها وصواب رأيها۔	حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے رائے دینے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بڑی عقلمند اور ٹھیک رائے رکھنے والی تھیں۔

درحقیقت یہ بڑی سمجھ کی بات ہے کہ انسان موقع کو پہچانے اور یہ سمجھ لے کہ اس وقت لوگ اپنے مقتدی کے قول پر توجہ نہیں دے رہے ہیں لیکن اس کا عمل سامنے آئے گا تو اس کی اقتدا کرلیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مصاحبت سے خوب فائدہ اٹھایا اور علوم حاصل کئے

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آگئیں تو آپ کی مصاحبت کو بہت غنیمت جانا اور برابر آپ کے ارشادات محفوظ کرتی رہیں اور آپ سے سوال کرکے اپنا علم بڑھاتی رہیں۔ پھر اس علم کو انہوں نے پھیلایا۔ حدیث میں ان کے شاگرد صحابہؓ بھی تھے اور تابعین بھی۔ حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی ان کے شاگردوں میں شمار کیا جاتا ہے[3]۔ حدیث شریف کی کتابوں میں جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایات ملتی ہیں ان کی تعداد ۳۷۸ ہے۔ محمود بن لبید

---

[1] از بخاری وغیرہ۔ [2] جب حج یا عمرہ کو جاتے ہیں تو ایک مقرر جگہ پر غسل کرکے ایک چادر تہبند کی طرح باندھ لیتے ہیں اور ایک اوڑھ لیتے ہیں اور تلبیہ پڑھ لیتے ہیں حج ختم کرنے تک اسی طرح رہتے ہیں اس کو احرام کہا جاتا ہے۔ یہ مردوں کے احرام کا طریقہ ہے اور جب حج یا عمرہ سے فارغ ہو جاتے ہیں تو احرام کھولتے ہیں جس کی صورت یہ ہے کہ سر منڈاتے یا بال کٹواتے ہیں۔ اس روایت میں اس کو ذکر کیا گیا ہے ۱۲۔ [3] الاصابہ ۱۲۔

فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی سب ہی ازواجِ مطہرات آپؐ کے ارشادات کو یاد کرتی تھیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہؓ کی ہم پلہ اس میں اور کوئی بیوی نہ تھی [1]

مروان بن الحکم حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے مسائل دریافت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اور کسی سے کیوں پوچھیں جبکہ ہمارے اندر آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی بیویاں موجود ہیں [2] اگر حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے فتاویٰ جمع کئے جائیں تو خاصی تعداد میں جمع ہو سکتے ہیں اور ان کے مجموعہ کا ایک رسالہ بن سکتا ہے [3]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ارشادات سننے کا بہت شوق تھا۔ ایک مرتبہ بال گوندھ رہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لئے (مسجد نبوی میں) کھڑے ہوئے زبان مبارک سے نکلا تھا کہ اَیُّهَا النَّاسُ (اے لوگو!) تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے سُن لیا (کیونکہ ازواج مطہرات کے حجرے مسجد نبوی سے ملے ہوئے تھے) آواز سنتے ہی بال باندھ کر کھڑی ہو گئیں اور پورا خطبہ سنا [4]۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! میں اپنے سر کی مینڈھیاں بہت سختی سے باندھتی ہوں تو کیا غسلِ جنابت کے لئے ان کو کھولا کروں؟ فرمایا نہیں! بس اتنا کافی ہے کہ تم اپنے سر پر تین بار لپ بھر کر پانی ڈال لیا کرو (جس سے بالوں کی جڑیں تر ہو جائیں) اس کے بعد سارے بدن پر پانی بہا لیا کرو۔ ایسا کرنے سے پاک ہو جاؤگی [5]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکھلایا کہ مغرب کی اذان کے وقت یہ پڑھا کرو۔

---

[1] ابن سعد ۱۲ [2] مسند امام احمد ابن حنبل ۱۲ [3] اعلام الموقعین ۱۲ [4] مسند امام احمد۔

[5] مسئلہ: عورت کے لئے غسل میں سر کے بالوں کی جڑوں کو تر کرنا فرض ہے۔ سر کے سارے بالوں کا بھگونا فرض نہیں بشرطیکہ مینڈھیاں بندھی ہوں ۱۲۔ [5] مسلم شریف۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّ ھٰذَا اِقْبَالُ لَیْلِکَ وَاِدْبَارُ نَھَارِکَ وَاَصْوَاتُ دُعَائِکَ فَاغْفِرْ لِیْ ۔ [1]

اے اللہ یہ تیری رات کے آنے اور دن کے جانے اور تیرے بلانے کی آوازوں کا وقت ہے سو مجھے بخش دے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دولت کدہ میں تشریف رکھتے تھے اور آپؐ کے پاس حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بھی تھیں کہ اچانک حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالےٰ عنہ آگئے وہ چونکہ نابینا تھے اس لئے یہ سمجھ کر کہ ان سے کیا پردہ کرنا ہے دونوں بیبیاں بیٹھی رہیں اور پردہ نہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سے پردہ کرو۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! کیا وہ نابینا نہیں ہیں؟ ہم کو تو نہیں دیکھ سکتے! پھر پردہ کی کیا ضرورت ہے؟ آپؐ نے جواب میں فرمایا کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟ کیا تم ان کو نہیں دیکھ رہی ہو [2]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک پناہ لینے والا بیت اللہ میں آکر پناہ لے گا۔ اس سے لڑنے کے لئے ایک لشکر چلے گا اور وہ لشکر ایک میدان میں پہنچ کر زمین میں دھنس جائے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! جو لوگ اس لشکر میں شریک نہ ہوں گے اور اس لشکر کی چڑھائی کو برا سمجھ رہے ہوں گے کیا وہ بھی (اس میدان میں ہونے کی وجہ سے) ان کے ساتھ دھنسا دیئے جائیں گے؟ آپؐ نے فرمایا اس لشکر کے ساتھ وہ بھی دھنسا دئیے جائیں گے لیکن قیامت کے روز ہر ایک کا اپنی اپنی نیت پر حشر ہو گا۔ [3]

ایک مرتبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے سوال کیا کہ یا رسول اللہؐ کیا مجھے (اپنے شوہر) ابو سلمہ کی اولاد پر خرچ کرنے سے اجر ملے گا حالانکہ وہ میری ہی اولاد ہیں۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ ان پر خرچ کرو تم کو اس خرچ کرنے کا اجر ملے گا [4]

ایک مرتبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہؐ مرد جہاد کرتے

---

[1] مشکوٰۃ شریف ۱۲۔ [2] مشکوٰۃ عن احمد والترمذی ۱۲۔

[3] مشکوٰۃ شریف عن الصحیحین ۱۲۔ [4] بخاری شریف ۱۲۔

ہیں اور عورتیں جہاد نہیں کرتی ہیں اور عورتوں کو مرد کے مقابلہ میں آدھی میراث ملتی ہے (اس کا سبب کیا ہے) اس کے جواب میں اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ

ترجمہ: اور ہوس مت کرو جس چیز میں بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر۔ [1]

ایک مرتبہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! قرآن میں عورتوں کا ذکر کیوں نہیں ہے اس پر اللہ جل شانہٗ نے آیت اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (آخر تک) نازل فرمائی [2]

حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن روایت فرماتے تھے کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبانی ایک وعظ کے موقع پر سنا کہ جس پر جنابت کا غسل فرض ہوا اور صبح ہوجانے تک غسل نہ کیا تو اب روزہ نہ رکھے (کیونکہ اس کا روزہ نہ ہوگا) میں نے اپنے والد صاحب سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا، تو عجیب مسئلہ بتایا۔ اس کے بعد میں اور والد صاحب حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے پاس پہنچے اور ان سے تحقیق کی تو دونوں نے جواب دیا (یہ مسئلہ غلط ہے کیوں کہ) رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو جنابت کی حالت میں صبح ہوجاتی تھی اور آپؐ روزہ رکھ لیتے تھے اور یہ جنابت احتلام کی وجہ سے نہیں بلکہ مباشرت کی وجہ سے ہوتی تھی۔

یہ جواب سن کر ہم دونوں باپ بیٹے مروان بن الحکم کے پاس پہنچے اس وقت وہ مدینہ منورہ کے گورنر تھے۔ ان سے والد صاحب نے اس کا تذکرہ کردیا تو انہوں نے فرمایا میں تم کو قسم دلاتا ہوں کہ ضرور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان کے قول کی تردید کرو۔ لہٰذا ہم حضرت ابوہریرہؓ کے پاس آئے اور ان سے والد صاحب نے حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ کا جواب نقل کردیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ ان دونوں نے یہ مسئلہ اس طرح بتایا ہے؟ والد صاحب نے فرمایا جی ہاں انہوں نے یہی جواب دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہی زیادہ جانتی ہیں مجھ

---

[1] جمع الفوائد ۱۲۔ [2] جمع الفوائد وغیرہ ۱۲۔

تو فضل بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے یہ بتایا تھا اور میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا ہے۔ یہ فرما کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے فتوے سے رجوع فرمالیا[1]

ایک مرتبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز پر قرأت کرکے بتائی کہ آپ ایک ایک آیت پر ٹھہرتے تھے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر ٹھہرتے پھر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پڑھ کر ٹھہرتے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر ٹھہرتے۔ پھر مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ پڑھ کر توقف فرماتے (غرضیکہ آپ اسی طرح علیحدہ علیحدہ آیات کرکے پڑھتے تھے[2]

حضرت ام سلمہؓ فرماتی تھیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم فرماتے تھے کہ ہر مہینے میں تین روزے رکھ لیا کرو جن میں پہلا پیر یا جمعرات ہو۔ (ابوداؤد و نسائی)

ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لنگی اور تہبند کا لٹکانا جس میں تفاخر اور تکبر ہو منع ہے۔ آدھی پنڈلی تک ہونا چاہیے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا یا رسول اللہ! عورت کا کیا حکم ہے فرمایا وہ آدھی پنڈلی سے ایک بالشت نیچا کرلیوے۔ عرض کیا کہ اس سے تو کام نہیں چلے گا کیونکہ کپڑا اوپر ہی رہ جائے گا اور جگہ دکھائی دیتی رہے گی۔ فرمایا اچھا آدھی پنڈلی سے ایک ہاتھ نیچا کرلیں۔ اس سے زیادہ نہیں[3]

ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالےٰ عنہ تشریف لائے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حدیث سنائی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض لوگ جو مسلمان سمجھے جاتے ہیں (اور دل سے مسلمان نہیں ہیں) ایسے لوگوں کو اپنی وفات کے بعد میں نہ دیکھوں گا نہ وہ مجھے دیکھ سکیں گے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے یہ حدیث نقل کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ خود حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا کہ خدا کی قسم سچ سچ کہنا میں اُن میں تو نہیں ہوں جن کا ذکر اس حدیث میں ہے؟

---

[1] جمع الفوائد ۱۲۔ [2] جمع الفوائد ۱۲۔ [3] مشکوٰۃ شریف ۱۲۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا نہیں. (تم ان میں سے نہیں ہو، لیکن تمہارے علاوہ اور کسی کو واضح کرکے یہ بات نہ بتاؤں گی[۱] (کیونکہ ایسی باتیں ظاہر کرنا مصلحت کے خلاف ہے).

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے بچّوں کی پرورش

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بچوں کی بہ نفسِ نفیس پرورش فرمائی اور ان کی تعلیم و تربیت کا خاص لحاظ رکھا. حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں بچہ تھا، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پرورش پاتا تھا. ایک مرتبہ آپؐ کے ساتھ کھانے کو جو بیٹھا تو پیالہ میں ہر طرف ہاتھ ڈالنے لگا آپؐ نے مجھ سے فرمایا کہ بِسْمِ اللّٰہ پڑھ کر کھا اور داہنے ہاتھ سے کھا اور اپنی طرف سے کھا[۲]

صَدقہ کرنے کی ہدایت

ایک مرتبہ چند مساکین آگئے اور بہت ضد کرکے سوال کرنے لگے. ان میں چند عورتیں بھی تھیں اس وقت حضرت ام سلمہؓ کے پاس گھر میں ایک اور خاتون موجود تھیں جن کو ام الحسین کہا جاتا تھا، انہوں نے ان مسکینوں سے کہا کہ چلو نکلو. یہ سُن کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا کہ ہمیں اس کا حکم نہیں دیا گیا (کہ سوال کرنے والوں کو جھڑکیں اور بغیر کچھ دیئے واپس کر دیں) پھر ایک لڑکی سے فرمایا ان سب کو کچھ نہ کچھ دے دے اگرچہ ایک ایک کھجور ہی ہو (الاستیعاب)

امر بالمعروف

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بھی پابند تھیں. ایک روز ان کے بھتیجے نے دو رکعت نماز پڑھی. چونکہ سجدہ کی جگہ غبار تھا اس لئے وہ صاحبزادے سجدہ کرتے وقت مٹی جھاڑ دیتے تھے. یہ دیکھ کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو روکا اور فرمایا کہ یہ فعل آنحضرت

---

[۱] مسند امام احمد بن حنبل ۱۲ . [۲] بخاری ۱۲

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقہ کے خلاف ہے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ایک غلام (افلح) نے ایسا کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ اے افلح! اپنا چہرہ مٹی میں ملا۔[1]

نماز کے اوقات بعض امراء نے تبدیل کر دیئے تھے یعنی مستحب اوقات چھوڑ دیئے تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان سے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر جلدی پڑھا کرتے تھے اور تم عصر جلدی پڑھتے ہو۔[2]

وفات

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ۵۹ھ میں وفات پائی۔ اور حضرت ابوہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس وقت ان کی عمر شریف ۸۴ سال کی تھی۔ یہ واقدی کا قول ہے لیکن دیگر حضرات نے ان کی وفات ۶۱ھ یا ۶۲ھ میں بتائی ہے۔ ازواج میں سب سے آخر میں ان ہی کی وفات ہوئی رضی اللہ عنہا وارضاہا۔[3]

---

[1] مسند امام احمد ۱۲۔ [2] مسند امام احمد بن حنبل۔ [3] الاصابہ ۱۲۔

حضرت زینبؓ بنتِ جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا۔ ان کی والدہ کا نام امیمہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپی تھیں۔ حضرت زینبؓ کا پہلا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا تھا جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ جب انہوں نے طلاق دے دی تو اللہ رب العزت نے حضرت زینبؓ کا نکاح سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کر دیا۔

پہلا نکاح جیسا کہ ابھی ذکر ہوا سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ کا پہلا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا تھا۔ حضرت زید کے والد کا نام حارثہ اور والدہ کا نام سعدیٰ تھا۔ ان کی والدہ اپنے بچہ (زید بن حارثہ) کو لے کر میکہ جا رہی تھیں کہ لٹیروں نے حضرت زید کو چھین کر مکہ کے بازار میں لا کر بیچ دیا۔ خریدنے والے حکیم بن حزام حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے۔ انہوں نے چار سو درہم میں خرید کر اپنی پھوپی (حضرت خدیجہؓ) کو دے دیا اور جب حضرت خدیجہؓ کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تو انہوں نے حضرت زید کو ہبۃً سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپؐ نے ان کو آزاد فرما کر اپنا بیٹا بنا لیا اور وہ زید بن محمدؐ کے نام سے مشہور ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت ان کو ایسی بھلی لگی کہ ان کے والد اور چچا خبر پا کر مکہ معظمہ ان کو لینے آئے تو باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو اختیار دے دیا تھا کہ تم چاہو تو چلے جاؤ لیکن وہ نہ گئے اور والد اور چچا اور سارے کنبے کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دی۔ جب حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالغ ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا نکاح اپنی باندی برکہ نامی سے کر دیا جن کی کنیت ام ایمن تھی۔ انہوں نے بچپن میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی پرورش کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد یا والدہ کی ملکیت تھیں۔ ان کی وفات کے بعد ورثہ میں آپؐ کی ملک میں آئیں۔ انہوں نے بھی اسلام کے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا تھا۔ مدینہ کو ہجرت بھی کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بڑی قدر کیا کرتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ میری والدہ کے بعد ام ایمن میری والدہ ہیں کبھی فرماتے تھے کہ ام ایمن میرے خاندان کا بقیہ ہیں۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے اسامہ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ام ایمن ہی تھیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا [1]

حضرت ام ایمن حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں تھیں اور آپؐ نے ان کا دوسرا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کرنا چاہا اور پیغام بھیج دیا جب پیغام پہنچا تو حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن جحشؓ نے اس کو مکروہ سمجھا کہ ایک قریشیہ کا نکاح آزاد کردہ غلام سے ہو (گو اسلام میں نکاح کے لئے نسب کی برابری دیکھنے کی بھی رعایت کی گئی ہے مگر اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ غیر کفو میں نکاح جائز ہی نہ ہو) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا پیغام جو زید کے لئے تھا چونکہ حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی نے مکروہ جانا اس لئے اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ (۳۳: ۳۶)	اور کسی ایماندار مرد یا عورت کو گنجائش نہیں ہے جبکہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی کام کا حکم دیں کہ (پھر) ان کو اس کام میں کوئی اختیار (کرنے نہ کرنے کا) باقی رہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے وہ کھلی گمراہی میں پڑا۔

جب حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی کو یہ خبر لگی کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے تو دونوں اس پر راضی ہو گئے کہ حضرت زیدؓ سے نکاح ہو جائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ سے حضرت زینبؓ کا نکاح کر دیا اور مہر میں ۱۰ دینار ۶۰ درہم، چار

---

[1] البدایہ ۱۲

کپڑے، ۵۰ مُد غلہ، ۳۰ صاع کھجوریں مقرر ہوئیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت زیدؓ کے پاس رہنے لگیں اور دونوں میاں بیوی کی طرح رہتے سہتے رہے۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قولی طور پر بھی تعلیم دیتے تھے اور عمل کرکے دکھا کر بھی احکام و آداب سکھاتے تھے۔ اس نکاح کے کر دینے سے آپ نے عملاً یہ ثابت کر دیا کہ غیر کفو میں شرعاً نکاح کر لینا درست ہے اور اس سے اسلام کی اس اہم تعلیم کا بھی پتہ چل گیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دینداری کی بلندی تمام بلندیوں سے بڑھی ہوئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو اس قدر واضح کیا کہ اپنی حقیقی پھوپی کی بیٹی کا نکاح ایک ایسے آزاد کردہ غلام سے کرکے دکھایا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری میں سراپا محو تھا اور اس نکاح کے متعلق اللہ نے کلام پاک میں آیات نازل فرمائیں جو ہمیشہ پڑھی جاتی رہیں گی اور نسب پر فخر کرنے والوں کو دین داری کی تاکید کرتی رہیں گی۔

حرمِ نبوت میں آنا حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں ایک سال یا اس سے کچھ زیادہ رہیں[3] لیکن دونوں میں نباہ نہیں ہوا حتیٰ کہ ایک روز حضرت زید رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! زینب کی بدکلامی نے مجھے ستا دیا لہٰذا میں طلاق دینا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے ان سے فرمایا اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰہَ (اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رکھو اور اللہ سے ڈرو) لیکن پھر بھی آپس میں دونوں کا میل نہ ہو سکا۔ اور آخر آپؐ کی اجازت سے انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی اور جب عدت گذر گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ ہی کو اپنے نکاح کا پیغام دے کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا وہ اس وقت آٹا گوندھ رہی تھیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف کو پشت کرکے فرمایا کہ اے

---

[1] معالم التنزیل ۱۲۔ [2] اس زمانے میں ایک پیمانے کا نام تھا جو تقریباً ایک سیر کا ہوتا ہے اور صاع بھی پیمانے کا نام تھا ۱۲۔ [3] البدایہ ۱۲۔

زینب خوشخبری قبول کرو۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے تاکہ تم کو آپؐ کی طرف سے نکاح کا پیغام دوں۔ یہ سن کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اللہ سے مشورہ لئے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتی ہوں۔ یہ کہہ کر استخارہ کرنے کے لئے نماز پڑھنے کھڑی ہو گئیں[1]

یہاں انہوں نے نماز شروع کی اور وہاں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا ‏ پھر جب زید کا ان (زینب) سے جی بھر گیا

زَوَّجْنٰكَهَا الآيۃ۔ (۳۳: ۳۷) ‏ ہم نے آپ سے ان کا نکاح کر دیا۔

لہٰذا حضرت زینب رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہو گئیں وہ اس پر دوسری بیویوں کے مقابلے میں فخر کیا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے عزیزوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے کر دیا[2]۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیویوں سے بطور فخر فرمایا کرتی تھیں کہ تمہارے نکاح تمہارے والدین نے دیا دوسرے اولیائے نے کئے اور میرا نکاح عرش والے نے کیا۔ چونکہ اللہ جل شانہٗ نے ان کا نکاح خود کر دیا اس لئے دنیا میں دوسرے نکاحوں کی طرح آپ کا نکاح حضرت زینبؓ سے نہیں ہوا بلکہ آیت کا نازل ہونا ہی نکاح تھا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپؐ حضرت زینبؓ کے پاس بغیر اجازت ہی مکان میں چلے گئے[3]

اس واقعۂ نکاح سے کئی چیزیں معلوم ہوئیں۔

(۱) جسے کوئی شخص اپنا بیٹا بنالے تو وہ اس کا حقیقی بیٹا نہیں بن جاتا ہے بنائے ہوئے بیٹے کی بیوی سے نکاح درست ہے جب کہ وہ طلاق دے دے اور عدت گذر جائے۔ اہل عرب اس بات کو بہت بُری سمجھتے تھے اور بناتے ہوئے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنے کو ایسا سمجھتے تھے جیسے حقیقی بیٹے کی بیوی سے کوئی شخص نکاح کرلے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی کہ زینب سے آپ کا نکاح ہوگا لیکن

---

[1] فتح الباری وغیرہ ۱۲۔ [2] البدایہ ۱۲۔ [3] الاستیعاب، الاصابہ ۱۲۔

آپ اس خبر کو ظاہر کرنے سے جھجکپاتے رہے اور لوگوں کی بدزبانی کے خوف سے اس بات کو پوشیدہ رکھا تاکہ یوں نہ سمجھیں کہ دیکھو بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ عرب کی یہ جہالت ٹوٹے اور بنائے ہوئے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلینا اسلام میں جائز سمجھ لیا جائے اس لئے اللہ جل شانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زینبؓ کا نکاح کردیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ فرماتے ہوئے قرآن پاک کی آیت نازل فرمائی۔

وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ	اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے
وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ	جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو
اَنْ تَخْشٰهُ ۝ (۳۳: ۳۷)	حالانکہ اللہ اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کہ ان سے ڈرو۔

اس آیت میں اللہ جل شانہٗ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ کی گئی ہے جس کا عنوان گرفت اور مواخذہ کا ہے۔ حضرت حسن (بصری) رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت سے زیادہ سخت کوئی آیت نہیں اتری (جس میں گرفت اور عتاب کا انداز ہو) اور اگر آپ (اپنے اختیار سے) کسی آیت کو چھپانے کے حقدار ہوتے تو اس آیت کو توضرور چھپالیتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اس آیت کے متعلق ایسا ہی فرمایا ہے[1]۔

(۲) عورت کے پاس جب کسی کے نکاح کا پیغام پہنچے تو اسے اس بارے میں استخارہ کرنا چاہیئے جیسے مرد استخارہ کرتے ہیں (جن میں دین داری ہوتی ہے) اسی طرح عورت کو استخارہ کرنا چاہیئے کہ مرد کی دینداری یا مالداری یا اور کسی صفت کو دیکھ کر جھٹ اسے منظور کرلینا مناسب نہیں ہے اس بارے میں اللہ سے مشورہ لینا چاہیئے جسے استخارہ کہتے ہیں۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوگا کہ اس شخص سے نکاح کرنا خیر ہی خیر ہے لیکن اللہ سے مشورہ لینے میں نفع ہے کہ اللہ پوشیدہ اور آئندہ سب حالات کو جانتے ہیں ممکن ہے کہ عورت اس مرد کی نیکی اور دینداری کی قدر نہ کرسکے بلکہ اس کو ستانے کا باعث بن کر

---

[1] فتح الباری وجمع الفوائد ۱۲۔

خدائے قدوس کو اپنے سے ناراض کر لیوے۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی نہ ہوا اور نہ ہوگا لیکن پھر بھی حضرت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے پیغام پہنچنے پر استخارہ کیا۔

(۳) سب مومن آپس میں ایمانی بھائی ہیں۔ عداوت اور بغض ایمان والوں کا کام نہیں، مرد عورت کا جب نکاح ہو جاتا ہے تو ان دونوں میاں بیوی میں اور ان کے خاندانوں میں ایمانی برادری کے ساتھ ساتھ ایک تعلق اور بڑھ جاتا ہے لیکن اگر وہ تعلق ٹوٹ جائے (مثلاً یہ کہ شوہر بیوی کو طلاق دے دے) تو آپس میں دشمنی کی کوئی وجہ نہیں بلکہ ایمانی بھائی بہن اب بھی ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کا احترام کریں۔ ایک دوسرے کا بُرا نہ چاہیں غالباً یہی تعلیم دینے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ ہی کو حضرت زینبؓ کے پاس اپنے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا ہمارے ملک میں یہ رواج ہے کہ مرد عورت کو طلاق دے دے تو دونوں آپس میں دشمن بن جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کی کٹ میں لگ جاتے ہیں بلکہ دونوں خاندانوں میں دشمنی پیدا ہو جاتی ہے یہ سراسر غلط اور اسلام کے خلاف ہے۔

(۴) حضرت زیدؓ کا نام قرآن مجید میں آیا ہے اور کسی صحابی کا نام قرآن میں مذکور نہیں ہے اللہ اللہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کا یہ مقام ہے کہ قرآن میں ان کا نام آیا اور آپؐ نے اپنی پھوپی زاد بہن سے ان کا نکاح کیا اور ان سے پہلے حضرت ام ایمنؓ سے نکاح کیا تھا جن کو آپؐ اپنی ماں کی برابر جانتے تھے۔

ولیمہ | حضرت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ذیقعدہ ۵ھ میں ہوا بعض نے ۳ھ بھی لکھا ہے مگر صحیح ۵ھ ہے۔ نکاح کے بعد جب رات گزر گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نئی بیوی سے ملاقات فرمائی تو صبح کو جب دن چڑھ گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ کی دعوت کی۔ ایک بکری ذبح فرما کر ولیمہ کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ایسا ولیمہ آپؐ نے اور کسی بیوی کا نہیں کیا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

ما اولم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی امراۃ من نسائہ اکثر او افضل ما اولم علی زینب [1]	حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کرکے جو آپؐ نے ولیمہ کیا اس سے بہتر ولیمہ آپؐ نے کسی بیوی سے شادی کرنے پر نہیں کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بکری ذبح فرمائی اور حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے بھی اس موقع پر آپؐ کی خدمت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ حریرہ بناکر ایک برتن میں بھیج دیا اور تقریباً ۳۰۰ افراد نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جاؤ فلاں فلاں کو اور ان کے علاوہ جو تم کو ملے بلالاؤ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں بہت سوں کو بلالایا جس کے نتیجے میں آپؐ کے چبوترہ اور حجرہ میں آدمی ہی آدمی بھر گئے آپؐ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ دس دس کا حلقہ بنالو اور ہر شخص اپنی طرف سے کھائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس کھانے میں رکھا اور کچھ پڑھا۔ اس کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ سب نے کھا لیا تب بھی ختم نہ ہوا۔ سب فارغ ہوگئے تو سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے انس! اس کھانے کو اٹھالو میں نے اسے اٹھایا تو یہ فیصلہ نہ کرسکا کہ جب یہ کھانا میں نے لوگوں کے کھانے کے لئے رکھا تھا اس وقت زیادہ تھا یا اب زیادہ ہے۔[3] (غرضیکہ اس میں اتنی برکت ہوئی کہ سینکڑوں آدمیوں کے کھالینے پر بھی سارا بچ گیا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پہلے سے زیادہ ہے)۔

نزولِ حجاب اب تک پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت زینبؓ سے شادی کرنے کے موقعہ پر ولیمہ کیا تو اس موقع پر جب لوگ دعوتِ ولیمہ کھانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] مسلم شریف ۱۲۔ [2] جمع الفوائد ۱۲۔ [3] مسلم شریف ۱۲

دولت کدہ پر حاضر ہوئے تو آپؐ کی نئی دلہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا دیوار کی طرف منہ کرکے (علیحدہ پردہ ڈالے بغیر) بیٹھی رہیں حتیٰ کہ پردہ کا حکم نازل ہوگیا۔ جس کی تفصیل حضرت انس رضی اللہ عنہ اس طرح روایت فرماتے ہیں کہ پردہ کا حکم کب اترا اور کیونکر اترا اس کو میں سب لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ سب سے پہلے پردہ کا حکم اس وقت نازل ہوا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش ؓ سے نکاح کرنے کے بعد رات گذارنے پر صبح کو ولیمہ کیا۔ چنانچہ آپؐ نے لوگوں کو بلایا۔ لوگ آئے اور کھانا کھا کر چلے گئے لیکن چند آدمی وہیں باتیں کرتے ہوتے رہ گئے اور بہت دیر لگا دی۔ آپؐ کو اس سے بہت تکلیف ہوئی۔ آپ چاہتے تھے کہ یہ لوگ چلے جائیں لیکن لحاظ کی وجہ سے ان سے جانے کو فرما نہ سکے بلکہ ان کے اٹھانے کے لئے یہ عمل کیا کہ خود آپ وہاں سے چل دیئے اور میں بھی آپؐ کے ساتھ چل کھڑا ہوا تاکہ وہ لوگ مکان سے نکل جائیں۔ حتیٰ کہ آپؐ حضرت عائشہؓ کے حجرہ کی چوکھٹ تک آئے پھر یہ سمجھ کر واپس ہوگئے کہ اب وہ لوگ چلے گئے ہوں گے۔ میں بھی آپؐ کے ساتھ واپس ہوگیا۔ آکر دیکھا کہ وہ لوگ ابھی بیٹھے ہی ہیں۔ لہٰذا آپؐ پھر واپس ہوئے اور میں آپؐ کے ساتھ تھا حتیٰ کہ آپ پھر حضرت عائشہؓ کے حجرہ کی چوکھٹ تک آئے اور یہ سمجھ کر واپس ہوگئے کہ اب چلے گئے ہوں گے۔ میں بھی آپؐ کے ساتھ واپس ہوگیا اس مرتبہ آکر دیکھا کہ لوگ چلے گئے ہیں۔ اس کے بعد آپؐ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا اور پردہ کی آیت نازل ہوگئی۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ جب لوگ نکل گئے تو میں بھی آپؐ کے ساتھ اندر جانے لگا لہٰذا آپؐ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال لیا اور پردہ کا حکم نازل ہوا اور لوگوں کو نصیحت ہوئی پردہ کی جو آیت اس وقت نازل ہوئی یہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا	اے ایمان والو نبی کے گھروں میں (بلائے بغیر)
بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ	مت جایا کرو مگر جس وقت تم کو کھانے کے لئے
إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ	اجازت دی جائے ایسے طور پر کہ اس کی تیاری

إِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَأْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ إِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِيْ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ٥ (۵۳:۲۲)

کے منتظر رہو، لیکن جب تم کو بلایا جائے تب جایا کرو پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو۔ اس بات سے نبیؐ کو ناگواری ہوتی ہے سو وہ لحاظ کی وجہ سے تم سے شرماتے ہیں اور اللہ صاف بات فرمانے سے لحاظ نہیں فرماتا اور جب تم نبیؐ کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو۔ یہ بات تمہارے اور ان کے دلوں کو پاک رکھنے کا عمدہ ذریعہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت سب سے پہلے میں نے سنی یہ بھی فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر نکل کر لوگوں کو یہ آیات سنادیں۔[1]

فائدہ: حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے احوال میں بخاری شریف کی ایک روایت ہم نقل کر آئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پردہ کا حکم ان کی وجہ سے اترا اور ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بعد نازل ہوا لیکن اس میں کچھ خاص اشکال کی بات نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان ہی دنوں میں جب کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بھی حسبِ معمول قضائے حاجت کے لئے جنگل جا رہی ہوں اور حضرت عمرؓ نے ان سے وہ بات کہہ دی ہو جو حضرت سودہؓ کے تذکرہ میں گزر چکی ہے اور نزولِ حجاب کے دونوں سبب بیک وقت جمع ہوگئے ہوں۔

عبادت اور تقویٰ

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بڑی عبادت گزار تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے متعلق فرمایا کہ میں نے کبھی کوئی عورت زینب سے بہتر نہیں دیکھی۔ ان سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والی اور سچ بولنے والی اور صلہ رحمی کرنے والی اور صدقہ کرنے والی میں نے کوئی عورت نہیں

---

[1] مسلم شریف ۱۲

دیکھی۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو منافقین نے تہمت لگائی جس کا واقعہ گذر چکا ہے تو حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے صاف کھلے الفاظ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کا اظہار کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کرنے پر عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَحْمِیْ سَمْعِیْ وَبَصَرِیْ مَا عَلِمْتُ اِلَّا خَیْرًا میں اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں پر تہمت نہیں دھرتی ہوں۔ میں تو عائشہؓ کو خیر کے علاوہ اور کسی کام میں نہیں جانتی ہوں[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں زینب ہی کو یہ مقام حاصل تھا کہ (مرتبہ میں) میرا مقابلہ کرتی تھیں۔ ان کی پرہیزگاری کی وجہ سے اللہ نے ان کو جھوٹ کہنے سے روک لیا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے متعلق فرمایا:

وکانت صالحة صوامة	وہ بڑی ہی نیک تھیں، روزے بہت رکھتی
قوامة صناعا تصدق	تھیں، راتوں کو نماز پڑھتی تھیں، ہاتھ کی محنت
بذلك كله على المساكين.	سے کما کر سارا مسکینوں پر خیرات کر دیتی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ زینب بنت جحش اَوَّاہَۃ ہیں۔ ایک صاحب اور موجود تھے انہوں نے سوال کیا اَوَّاہ کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس میں خشوع ہو اور اللہ کے سامنے روئے[2]

صَدَقہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بڑی سخی تھیں۔ محنت مزدوری کرتی تھیں اور سارا مسکینوں پر صدقہ کر دیتی تھیں۔ محنت کی وجہ سے بہت سے مسکینوں کا کام چلتا تھا جس کی وجہ سے ان کا لقب مَاْوَی الْمَسَاکِیْن پڑ گیا تھا۔ جس کا ترجمہ ہے "مسکینوں کا ٹھکانا"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ بھی فرماتی تھیں کہ زینبؓ سے بڑھ کر کوئی عورت میں نے نہیں دیکھی جو اپنی جان کو محنت میں کھپا کر مال حاصل کر کے صدقہ کرتی ہو اور اس

---

[1] اگر ان کے دل میں اللہ کا خوف نہ ہوتا تو سوکن کی عزت گھٹانے کے لئے جھوٹ موٹ باتیں بنا کر تہمت کو قوی کر سکتی تھیں۔ [2] اصابہ وغیرہ ۱۲

کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرتی ہو لہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہا نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا وظیفہ بارہ ہزار (درہم) مقرر فرمایا تھا جسے انہوں نے صرف ایک سال قبول فرمایا اور قبول فرما کر بارگاہِ خداوندی میں یہ عرض کیا اَللّٰھُمَّ لَا یُدْرِکُنِیْ ھٰذَا الْمَالُ مِنْ قَابِلٍ فَاِنَّہٗ فِتْنَۃٌ (اے اللہ آئندہ سال یہ مال میرے پاس نہ آئے کیونکہ یہ فتنہ ہے) اس کے بعد پوری بارہ ہزار کی مالیت اسی وقت اپنے عزیزوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم فرمادی، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو ان کے گھر تشریف لائے اور (باہر سے) سلام کہلا بھیجا اور فرمایا مجھے تمہارا رقم تقسیم کر دینے کا واقعہ معلوم ہو گیا ہے۔ اس کے بعد مزید ایک ہزار کی رقم بھیجی تاکہ اسے اپنے خرچ میں لائیں لیکن انہوں نے اس رقم کو بھی تقسیم فرمادیا لہ حضرت زینبؓ کھالیں رنگنے کی مزدوری کر کے صدقہ کرتی تھیں تلہ اور منتخب کنز العمال میں اس کے علاوہ ان کی اور دستکاری بھی لکھی ہے۔

جب حضرت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی وفات ہو گئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

لَقَدْ ذَھَبَتْ حَمِیْدَۃً مُتَعَبِّدَۃً مُفْزِعُ الْیَتَامٰی وَالْاَرَامِلِ لہ

(تعریف کے لائق اور عبادت گذار ہو کر دنیا سے اس حال میں چلی گئیں کہ یتیموں اور بیواؤں کو گھبراہٹ میں ڈال گئیں (کیونکہ وہ اب سوچیں گے کہ ہم پر کون خرچ کرے گا۔)

حج بیت اللہ

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا تھا اس کے بعد کبھی حج کو نہ گئیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں سے فرمایا تھا کہ اس حج کو کر لو پھر گھر میں بیٹھنا حضرت سودہؓ اور حضرت زینبؓ دونوں نے اس کے بعد حج نہ کیا اور یہ فرمایا وَاللّٰہِ لَا تُحَرِّکُنَا بَعْدَہٗ دَابَّۃٌ

لہ مسلم شریف ۱۲۔ لہ الاصابہ ۱۲ تلہ ایضاً لہ ایضاً ۱۲

(اللہ کی قسم اب تو آپ کے بعد ہم کسی جانور پر سوار تک نہ ہوں گے) ہاں دیگر امہات المؤمنین حج کو جاتی تھیں[1]۔ غالباً انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا یہ مطلب سمجھا کہ خواہ مخواہ بلا وجہ گھر سے نکلنے کو منع فرمایا ہے اس میں حج کو جانے کی ممانعت داخل نہیں اور اگر حج سے روکا بھی ہے تو شرعی طور پر نہیں بلکہ شفقت کی وجہ سے روکا ہے لہٰذا طاقت ہوتے ہوئے حج کرنا مناسب جانا۔

وفات حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ۲۰ھ میں وفات پائی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت جو نو بیویاں چھوڑی تھیں ان میں سب سے پہلے ان ہی کی وفات ہوئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق اپنی زندگی میں خبر بھی دے دی تھی جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یوں روایت فرماتی ہیں کہ بعض بیویوں نے آپؐ سے سوال کیا کہ آپؐ کی وفات کے بعد ہم میں سے سب سے پہلے کون سی بیوی (اس دنیا سے رخصت ہو کر) آپ سے ملے گی؟ آپؐ نے جواب میں فرمایا جس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہوں۔ یہ سن کر آپؐ کی بیویوں نے ایک بانس لے کر اپنے ہاتھ ناپنے شروع کر دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ سب بیویوں کے ہاتھوں سے لمبے نکلے اور آپس میں یہ سمجھ لیا کہ وہی سب سے پہلے وفات پائیں گی۔ پھر بعد میں ہم کو پتہ چلا جب حضرت زینبؓ کی وفات ہو گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب ناپ کی لمبائی بتانا نہ تھا بلکہ اس کا یہ مطلب تھا کہ جو عورت سب سے زیادہ صدقہ کرتی ہو گی وہ سب سے پہلے مجھ سے ملے گی کیونکہ زینبؓ ہم میں سے سب سے پہلے آپؐ سے جا کر ملیں جو صدقہ کرنے کو (بہ نسبت دوسری بیویوں کے بہت زیادہ) پسند کرتی تھیں (بخاری شریف) مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ آخر میں ہمیں یہ معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ لمبے ہاتھ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک) زینب کے تھے کیونکہ وہ اپنے ہاتھ سے کما کر صدقہ کرتی تھیں۔

---

[1] البدایہ ۱۲۔

وصیت حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات کے وقت فرمایا کہ میں نے اپنے لئے کفن تیار کیا ہے اور عمرؓ بھی میرے لئے کفن بھیجیں گے لہٰذا تم ایسا کرنا کہ دونوں میں سے ایک صدقہ کر دینا۔ چنانچہ ان کی بہن حضرت حمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کفن کو صدقہ کر دیا جسے وہ خود تیار کر کے چھوڑ گئی تھیں۔[1] سبحان اللہ دنیا سے چلتے چلتے صدقہ کرنے کا خیال رہا اور اس کی وصیت کی۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دوسری امہات المومنینؓ نے غسل اور کفن دیا۔ ان کے لئے مسہری بنائی گئی جس میں جنازہ رکھ کر قبرستان لے جایا گیا۔ وہ مسہری بنت عمیسؓ نے بنائی تھی جسے وہ حبشہ میں دیکھ کر آئی تھیں۔ مسہری میں جنازہ رکھ کر اوپر سے کپڑا ڈھک دیا گیا تو بالکل پردہ ہو گیا۔ اسے حضرت عمر رضی اللہ نے بہت پسند کیا۔ حضرت عمرؓ نے پہلے منادی کرا دی تھی کہ حضرت زینبؓ کے جنازہ میں صرف وہی لوگ آئیں جو ان کے محرم ہیں لیکن جب مسہری بن گئی اور پردہ کا انتظام ہو گیا تو دوبارہ منادی کرائی کہ سب مومنین اپنی ماں کے جنازہ میں شریک ہوں۔

جب جنازہ قبرستان میں لایا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبر میں اترنے کا ارادہ فرمایا لیکن پہلے امہات المومنینؓ سے دریافت کرایا کہ میں ان کی نعش کو قبر میں اتار سکتا ہوں یا نہیں؟ اس پر جواب آیا کہ نہیں قبر میں وہی داخل ہو گا جو زندگی میں ان کے پاس آتا جاتا تھا جس سے شرعاً پردہ نہ تھا۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارادہ بدل دیا اور کپڑا تان کر پردہ کرا کر ان کے محرموں سے قبر میں داخل کرا کر مٹی دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفن کے وقت قبر کے کنارے بیٹھے رہے اور دیگر اکابر صحابہؓ کھڑے رہے۔ یہ سب تفصیل کنز العمال میں لکھی ہے۔ البدایہ میں لکھا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بقیع میں دفن کی گئیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاہا

ذھبت حمیدۃ مفزع الیتامیٰ والارامل ۰

---

[1] الاصابہ

حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ ان کے والد کا نام حارث تھا۔ غزوۂ بنی المصطلق کے موقع پر قید ہو کر آئی تھیں جس کی پوری تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ قبیلہ بنی المصطلق کے لوگ مجھ سے جنگ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں جن کا قائد حارث بن ابی ضرار ہے (یہ حضرت جویریہؓ کے والد تھے بعد میں مسلمان ہوئے) لہٰذا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سات سو صحابہؓ کو لے کر اپنے پیچھے مدینہ منورہ کا انتظام حضرت ابوذر غفاریؓ یا نمیلہ بن عبداللہ اللیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کر کے بنو المصطلق سے جہاد کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ یہ شعبان ۵ھ یا ۶ھ کا واقعہ ہے چلتے چلتے بنو المصطلق سے ایک تالاب کے کنارے مڈبھیڑ ہو گئی جسے مریسیع کہتے تھے۔ اسی وجہ سے اس غزوہ کو غَزْوَۃُ الْمُرَیْسِیْع بھی کہتے ہیں۔ حملہ کرنے سے پہلے آپؐ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ دشمنوں سے پکار کر کہہ دو:

قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تَمْنَعُوْا بِھَا اَنْفُسَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کرلو! ایسا کرنے سے تمہارے جان ومال محفوظ ہو جائیں گے۔

لیکن دشمنوں نے مبارک کلمہ کے پڑھنے اور ماننے سے انکار کر دیا اور تیر پھینکنے شروع کر دیئے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ سب صحابہؓ نے بیک وقت ان پر حملہ کر دیا جس کے نتیجہ میں بنو المصطلق نے شکست کھائی اور بنو المصطلق کے دس آدمی مارے گئے جن میں سے دو آدمیوں کو سیدنا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے قتل کیا اور ایک صحابی حضرت ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جام شہادت نوش کیا۔[1]

---

[1] البدایہ ۱۲

حرم نبوت میں آنا اس غزوہ میں بڑی بھاری تعداد میں قیدی ہاتھ آئے اور مال بھی بہت ملا حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی قیدیوں میں تھیں. سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قیدیوں کو اپنے صحابہؓ میں تقسیم فرما دیا حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس تقسیم میں حضرت ثابت بن قیسؓ بن شماس یا ان کے چچازاد بھائی کے حصے میں آگئیں لیکن انہوں نے باندی بن کر رہنا پسند نہ کیا اور حضرت ثابتؓ یا ان کے چچیرے بھائی سے کتابت کا معاملہ کر لیا [1] یعنی یہ بات طے کرلی کہ اس قدر مال دے دوں گی تو تم مجھے آزاد کر دو گے. معاملہ طے کرکے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں حارث بن ابی ضرار کی لڑکی ہوں جو سردارِ قوم ہے اور مجھے جس مصیبت نے گھیر لیا ہے وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے یعنی کہ ثابت بن قیس (یا ان کے چچیرے بھائی) کے حصّہ میں آگئی ہوں اور ان سے کتابت کا معاملہ کر لیا ہے جس کے لئے مال کی ضرورت ہے آپ سے اس بارے میں مدد چاہتی ہوں آپؐ نے فرمایا اس سے بہتر بات تمہیں نہ بتادوں؟ عرض کیا کیا؟ فرمایا کہ میں تمہاری طرف سے مال ادا کردوں اور تم سے نکاح کرلوں. حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے منظور ہے. چنانچہ آپ نے ان کی طرف سے مال ادا فرما دیا اور ان کو آزاد کراکر خود ان سے نکاح کرلیا [2].

حضرت جویرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلے شوہر کا نام مُسَافِع بن صَفْوَان تھا جو اسی جنگ میں مارا گیا جس میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا قید ہوکر آئی تھیں. حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب بنو المصطلق سے جہاد کرنے کے لئے پہنچے تھے تو اس سے تین روز پہلے میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ مدینہ سے چاند چل کر میری گود میں آکر گرا. میں نے کسی کو اپنا خواب ظاہر کرنا مناسب

---

[1] حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نو اوقیہ سونے پر کتابت کا معاملہ کیا تھا ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم ۳ ماشہ ایک رتی اور ۱/۵ رتی کا ہوتا ہے ۱۲ منہ [2] البدایہ ۱۲

نہ سمجھا تھی کہ آپؐ جہاد کے لئے تشریف لے گئے اور جب ہم قید کر لئے گئے تو مجھے اپنے خواب کے پورا ہونے کی امید بندھ گئی جو الحمد للہ پوری ہوئی اور مجھے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد فرما کر اپنے نکاح میں لے لیا۔[1]

حرم نبوت میں آنے سے پوری قوم کا بھلا ہوا

جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمالیا تو یہ خبر سارے مدینہ میں گونج گئی، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی قوم و خاندان کے سینکڑوں قیدی صحابہؓ کے گھروں میں موجود تھے جو غلام بنا کر تقسیم کر دیئے گئے تھے۔ نکاح کی خبر پھیلتے ہی حضرات صحابہؓ نے سب کو اس احترام کے پیش نظر آزاد کر دیا کہ اب تو یہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال والے ہو گئے۔ ان کو غلام بنا کر کیسے رکھیں؟ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں گفتگو بھی نہ کی تھی مسلمانوں نے خود ہی میری قوم اور خاندان والوں کو آزاد کر دیا جس کی خبر میری ایک چچا کی لڑکی نے مجھے دی۔ خبر سن کر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس واقعہ کے متعلق فرمایا:

فلقد اعتق بتزویجہ ایاھا	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جویریہؓ سے نکاح
مائۃ اھل بیت من بنی المصطلق	کر لینے سے بنو المصطلق کے سو گھرانے آزاد ہوئے
فما اعلم امرأۃ اعظم برکۃ	میں نے کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی جو جویریہؓ سے
علی قومھا منھا[3]	بڑھ کر اپنی قوم کے لئے برکت والی ثابت ہوئی ہو۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر باپ کے ساتھ جانے سے انکار

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کرا کے ان سے اپنا نکاح فرمالیا تو حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا میری بیٹی

---

[1] البدایہ ۱۲۔ [2] ایضاً [3] ایضاً و مثلہ فی الاصابہ ۱۲۔

بڑی معزز ہے جیسے قیدی بنا کر رکھنا گوارا نہیں ہے۔ لہٰذا آپ اسے چھوڑ دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا اگر میں اختیار دے دوں کہ جی چاہے تو چلی جائے اور جی چاہے تو میرے پاس رہے تو اس کو تم اچھا سمجھتے ہو؟ حارث نے جواب دیا جی ہاں بہت مناسب ہے۔ اس کے بعد حارث اپنی بیٹی کے پاس آئے اور پورا واقعہ نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے اختیار دے دیا ہے کہ چاہے تو چلی جائے لہٰذا میرے ساتھ چل۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں فرمایا۔ اِخْتَرْتُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کرتی ہوں تمہارے ساتھ نہ جاؤں گی) [۱]

والد کا مسلمان ہونا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ دیکھ کر حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد بھی مسلمان ہو گئے تھے جس کی تفصیل یہ ہے کہ جنگ کے موقع پر جب بنو المصطلق کو شکست ہو گئی اور مسلمانوں نے ان کو قید کر لیا جن میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں تو اس موقع پر ان کے والد کسی طرح فرار ہو گئے اور قید ہونے سے بچ گئے۔ بعد میں اپنی بیٹی کو چھڑانے کے لئے مدینہ منورہ کا رُخ کیا اور مال دے کر چھڑانے کی نیّت سے بہت سے اونٹ ساتھ لے کر چلے۔ چلتے چلتے ان اونٹوں میں سے دو اونٹ بہت ہی زیادہ دل کو بھا گئے جنہیں عقیق کی گھاٹیوں میں چھپا کر باقی اونٹ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہماری بیٹی آپ کے قبضے میں آ گئی ہے لہٰذا اس کے بدلہ میں یہ اونٹ لے کر اسے چھوڑ دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا وہ اونٹ کہاں ہیں جن کو تم عقیق کی گھاٹیوں میں چھپا آئے ہو؟ یہ سنتے ہی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد نے کلمہ شہادت پڑھ لیا اور یہ کہا کہ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں۔ ان کے اونٹوں کے چھپانے کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں تھا جب آپ نے ان کے متعلق خبر دی تو ضرور اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی ہے۔ ان کے ساتھ ان کے دو بیٹوں اور قوم کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا [۲] پہلے واقعہ کو اس واقعہ

---

[۱] الاصابہ ۱۲۔ [۲] الاستیعاب ۱۲۔

کے ساتھ ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حارث بن ابی ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد بھی اپنی بیٹی کو ہمراہ لے جانے کو کہا ہوگا لیکن وہ خود ان کے ساتھ نہ گئیں۔

تبدیلیٔ نام حضرت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نامناسب ناموں کو بدل دیا کرتے تھے۔ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام برّہ تھا آپؐ نے بدل کر جویریہ رکھا[۱]

ایک اور لڑکی کا نام برّہ تھا۔ اس کا نام بدل کر آپؐ نے زینب رکھ دیا تھا۔ ایک لڑکی کا نام عاصیہ تھا (بمعنی گناہگار) اس کا نام بدل کر آپؐ نے جمیلہ رکھا۔ ایک شخص کا نام حزن (بمعنی سخت) تھا۔ آپؐ نے اس کا نام بدل کر سہل تجویز فرمایا[۲] اور قاعدۂ کلیہ کے طور پر فرمایا کہ تم قیامت کے روز اپنے ناموں اور اپنے باپوں کے ناموں سے پکارے جاؤ گے لہٰذا نام اچھے رکھا کرو[۳] اس بارے میں ہم نے ایک رسالہ "اسلامی نام" کے عنوان سے لکھا ہے اسے ملاحظہ فرمائیں۔

برّہ کا معنی ہے نیک عورت۔ جب اس نام کی عورت سے اس کا نام دریافت کیا جائے تو بتائے گی کہ میں برّہ یعنی نیک ہوں اس سے اپنی تعریف ہوتی ہے اس لئے یہ نام ناپسند فرمایا۔

ذکرِ الٰہی حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے بعد ان کے پاس تشریف لائے پھر فوراً ہی باہر تشریف لے گئے اور ان کو مُصلّے پر ذکر کرتی ہوئی چھوڑ گئے۔ پھر بہت دیر کے بعد تشریف لائے جبکہ چاشت کا وقت ہو چکا تھا۔ آکر دیکھا کہ وہ اب بھی مُصلّے پر بیٹھی ہوئی ہیں آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کیا تم اس وقت سے اسی طرح یہیں بیٹھی ہو جب سے میں باہر گیا ہوں؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا میں نے تمہارے پاس سے جانے کے بعد چار کلمے تین مرتبہ کہے

---

[۱] مسلم شریف ۱۲ [۲] مشکوٰۃ شریف۔ [۳] ابوداؤد شریف ۱۲

ہیں جن کا ثواب اتنا زیادہ ہے کہ تم نے آج جس قدر ذکر کیا ہے اگر ان کے ساتھ رکھ کر تولا جائے تو وہ چاروں کلمات ہی بڑھ جائیں گے وہ چاروں کلمات یہ ہیں:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضَا نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ۔ (مشکوٰۃ شریف)	اللہ تعالیٰ پاک ہے اور میں اس کی تعریف کرتا ہوں جس قدر اس کی مخلوق ہے اور جس سے وہ راضی ہو جائے اور جتنا اس کے عرش کا وزن ہو اور جس قدر اس کی تعریف کہنے کے لئے بے انتہا کلمات کی روشنائی ہو ۱۲

وفات حضرت جویریہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے ۵۰ھ ہجری میں وفات پائی۔ واقدی نے ۵۶ھ ہجری میں ان کی وفات بتائی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ مروان بن الحکم نے نماز جنازہ پڑھائی[1]

---

[1] البدایہ والاصابہ ۱۲

حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے نکاح کیا۔ان کی والدہ صفیہ بنت ابی العاص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پھوپی تھیں۔ ان کے والد ابوسفیان وہی ابوسفیان ہیں جو برسوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں لڑتے رہے۔ بعد میں مسلمان ہوئے ان کا نام صخر تھا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ جو امیر معاویہ کے لقب سے مشہور ہیں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے۔

ہجرتِ حبشہ حضرت ام حبیبہؓ کا نام رملہ تھا۔ بعض نے ہند بھی بتایا ہے۔ان کا پہلا نکاح عبیداللہ بن جحش سے ہوا تھا دونوں میاں بیوی نے ابتدائے اسلام میں اسلام قبول کیا اور مشرکین مکہ سے تنگ آکر دیگر مسلمانوں کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کر گئے۔ وہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام حبیبہؓ رکھا۔اس لڑکی کے نام سے ان کی کنیت اُمِّ حبیبہ مشہور ہوگئی۔ ان کے شوہر عبیداللہ بن جحش نے نصرانی مذہب قبول کرلیا اور اسلام چھوڑدیا۔ حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے بھی اس نے اسلام چھوڑنے کو کہا لیکن اللہ جل شانہٗ نے ان کو اسلام پر جمائے رکھا اور انہوں نے نصرانیت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی تھیں کہ میں نے اپنے شوہر کو خواب میں بُری شکل میں دیکھا جس سے میں گھبرا گئی۔ جب صبح ہوئی تو پتہ چلا کہ وہ نصرانی ہوگیا ہے اور اب سمجھ میں آیا کہ خواب میں اس کی بُری شکل اسی وجہ سے دکھائی گئی ہے لہٰذا میں نے اپنا خواب اس سے بیان کیا اور اسلام قبول کرنے کو کہا۔ اس نے کچھ خیال نہ کیا اور خوب شراب پینے لگا حتیٰ کہ کافر ہی مرا۔

حرمِ نبوّت میں آنا حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھ کو کوئی شخص یَا اُمَّ الْمُؤْمِنِیْن کہہ رہا ہے۔ یہ خواب دیکھ کر میں چونک گئی پھر بعد میں اس کی تعبیر ظاہر ہوئی اور وہ یہ کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشیؒ کی خاص خدمتگذار باندی ابرہ نامی میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ بادشاہ نے یہ کہلوایا ہے کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس پیغام بھیجا ہے کہ تمہارا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کردوں یہ سنتے ہی میں نے اس باندی کو دُعا دی بَشَّرَکِ اللّٰہُ بِالْخَیْرِ (اللہ تجھے (بھی) خیر کی خوشخبری سنائے) اس کے بعد اس باندی نے کہا کہ تم اپنا وکیل مقرر کردو جو تمہارا نکاح کرسکے۔ لہٰذا میں نے خالد بن سعید بن العاصؓ کو اپنا وکیل بنا دیا (جو ددھیال کی طرف سے رشتہ دار تھے اور ہجرت کرکے حبشہ پہنچے ہوئے تھے) اور خوشی میں پیغام لانے والی باندی کو اپنے دونوں کنگن اور انگوٹھیاں وغیرہ دے دیں یہ سب چیزیں چاندی کی تھیں[1]

جب رات کا وقت ہوا تو نجاشیؓ نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور ان تمام مسلمانوں کو بلایا جو حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے اور اس وقت وہاں مقیم تھے جب سب آنے والے آگئے تو نجاشیؓ نے خطبہ پڑھا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ الْمُؤْمِنِ الْعَزِیْزِ الْجَبَّارِ
وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ
وَاَنَّہُ الَّذِیْ بَشَّرَ بِہٖ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ

اس کے بعد یوں کہا اما بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ فرمائش کی ہے کہ اُم حبیبہ بنت ابی سفیان کا نکاح ان سے کردوں لہٰذا میں نے ان کی فرمائش قبول کی"۔ یہ کہہ کر نجاشیؓ نے چار سو دینار مہر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مقرر کئے اور اسی وقت حاضرین کے سامنے ڈال دیئے اور اس کے بعد خالد بن سعید بن العاصؓ نے خطبہ پڑھا اور یوں بولے:

---

[1] ہذا کلہ من الاصابۃ والاستیعاب ۱۲

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَحْمَدُهٗ وَاَسْتَعِيْنُهٗ وَاَسْتَغْفِرُهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔

اس کے بعد یوں کہا "امّا بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فرمائش قبول کی اور ام حبیبہؓ بنت ابوسفیان کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا" تبارك الله لرسول الله صلى الله عليه وسلم۔

اس کے بعد خالد بن سعیدؓ نے مہر والے دینار لے لئے اور حاضرین اٹھ کر چلنے لگے۔ نجاشیؓ نے کہا ابھی ٹھہرو کیونکہ نبیوں کا طریقہ یہ رہا ہے کہ نکاح کے بعد کچھ کھایا جائے۔ یہ کہہ کر نجاشیؓ نے کھانا منگایا اور حاضرینِ مجلس نے کھایا۔ اس کے بعد چلے گئے۔ یہ سکرھ کا واقعہ ہے اور بعض نے سنہ کا بتایا ہے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ جب مہر کی رقم میرے پاس آگئی تو میں نے اس میں سے ۵۰ دینار ابرہہ باندی کو اور دے دیئے۔ اس نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ بادشاہ نے قبول کرنے سے منع کر دیا ہے اور اس سے پہلے جو چیزیں میں نے اسے دی تھیں وہ بھی واپس کر دیں[1]

جب اس نکاح کی خبر حضرت ابوسفیانؓ کو پہنچی جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے تو اپنی ہار مان گئے چونکہ اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے تھے اور مشرکین مکہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑانے میں بہت پیش پیش رہتے اور اسلام اور داعیٔ اسلام کا نام تک مٹا دینا چاہتے تھے اس لئے ان کو یہ کہاں منظور ہوتا کہ ان کی بیٹی آپ کے نکاح میں جائے؟ نکاح کی خبر سن کر یوں بول اٹھے هُوَ الْفَحْلُ لَا يُجْدَعُ اَنْفُهٗ (محمد) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ جوانمرد ہیں۔ ان کی ناک نہیں کاٹی جا سکتی (یعنی وہ بلند ناک والے عزت دار ہیں) ہم

---

[1] من البدایہ والاصابہ ۱۲

ان کو ذلیل نہیں کر سکتے۔ اِدھر تو ہم ان سے لڑ رہے ہیں اُدھر ہماری لڑکی ان کے نکاح میں چلی گئی۔ اس کہنے کا مقصد اپنی ہار مان لینا تھا۔

حبشہ سے مدینہ منورہ پہنچنا

نکاح کے دوسرے روز نجاشیؓ نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے پاس خوشبو اور جہیز کا سامان بھیجا اور حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ پہنچوا دیا[1] وہاں پہنچ کر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگیں اور ان کا مبارک خواب جس میں کسی نے یا ام المؤمنین کہہ کر پکارا تھا صحیح ثابت ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت اعزاز و احترام کرتی تھیں۔ جب مدینہ منورہ پہنچ گئیں تو ان کے والد مکہ سے مدینہ پہنچے اس وقت وہ کافر تھے اور مشرکین مکہ کی طرف سے صلح حدیبیہ کے بارے میں کچھ گفتگو کرنے کے لئے آئے تھے (صلح تو پہلے ہو چکی تھی مگر اس کی میعاد میں یا معاملہ میں تجدید کرنا چاہتے تھے) اس ذیل میں وہ اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی ملنے کے لئے گئے۔ جب گھر میں پہنچے اور بستر پر بیٹھنے لگے تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بستر کو طے کر دیا اور باپ کو اس پر نہ بیٹھنے دیا۔ وہ بولے یہ کیا کیا تُو نے؟ میں اس بستر کے لائق نہیں ہوں؟ اس لئے تو نے اس کو طے کر دیا یا یہ بستر میرے لائق نہیں ہے؟ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ یہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور تم مشرک ہو۔ اس پر تمہیں کیسے بیٹھنے دوں؟ یہ سن کر باپ نے کہا کہ تُو تو میرے بعد خراب ہو گئی ہے[2]

حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالےٰ عنہ فتح مکہ کے روز مسلمان ہوئے۔ برسوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے رہے تھے۔ اس لئے مسلمان ان کو نہ اچھی نظر سے دیکھتے تھے، نہ ان کو پاس بٹھانا گوارہ کرتے تھے لہٰذا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا نبی اللہ میری تین درخواستیں ہیں آپ انہیں قبول فرمائیں۔ آپ نے فرمایا بہتر ہے

---

[1] الاستیعاب والاصابہ۔ [2] الاصابہ ۱۲۔ [3] الاصابہ ۱۲۔

بیان کرو۔ اس پر ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ایک تو یہ ہے کہ میرے پاس بڑی خوبصورت لڑکی ام حبیبہ موجود ہے۔ اس کا آپ سے نکاح کر دیتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا مناسب ہے۔ دوسری بات یہ عرض کی کہ آپ میرے بیٹے معاویہؓ کو اپنا کاتب بنالیں۔ آپؐ نے اس کو بھی منظور فرمایا۔ تیسری درخواست یہ ہے کہ مجھے آپ اسلامی لشکر کا امیر بنا دیں تاکہ میں کافروں سے اسی طرح جنگ کروں جیسے مسلمانوں سے کرتا تھا۔ آپؐ نے یہ درخواست بھی منظور فرمائی۔ یہ مسلم شریف کی روایت ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح مدینہ منورہ میں ان کے باپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ صحیح یہی ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا تو ابوسفیانؓ کافر ہی تھے۔ مسلم کی اس جزو کو محدثین صحیح نہیں مانتے ہیں۔

اتباع حدیث حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر بڑی پابندی سے عمل کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جو شخص رات دن میں بارہ رکعتیں پڑھ لیوے اللہ تعالےٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنادے گا۔ چار ظہر سے پہلے۔ دو اس کے بعد۔ دو مغرب کے بعد، دو عشا کے بعد، دو فجر سے پہلے۔ یہ ترمذی شریف کی روایت ہے۔ اس میں سنن موکدہ کا ذکر ہے۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اس کی روایت فرماتی تھیں اور پابندی سے ان سنتوں کو پڑھتی تھیں۔

مسند امام احمد میں ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا فَمَا بَرِحْتُ اُصَلِّیْهِنَّ بَعْدُ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو سننے کے بعد میں نے ہمیشہ یہ رکعات پڑھی ہیں۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی ایسی عورت کے لئے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو، یہ حلال نہیں ہے کہ تین رات سے زیادہ کسی میّت پر سوگ کرے سوائے شوہر کی وفات کے کہ اس کی وفات پر چار ماہ دس روز سوگ کرے۔

اسی حدیث کے پیش نظر جب حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو ان کی وفات کے تیسرے روز خوشبو منگا کر استعمال کی اور فرمایا کہ مجھے خوشبو کی رغبت نہیں ہے لیکن استعمال اس لئے کر رہی ہوں کہ سوگ نہ سمجھا جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب (وفات سے قبل) مریض ہوئے تو آپؐ کی ایک بیوی نے اہل کتاب کے ایک کتب خانہ کا ذکر کیا جسے ماریہ کہتے تھے چونکہ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ام حبیبہؓ حبشہ گئی تھیں اور اسے دیکھ کر آئی تھیں اس لئے انہوں نے اس کی خوبصورت بناوٹ اور اس کی تصویروں کا ذکر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھا کر فرمایا کہ یہ لوگ یہ حرکت کرتے تھے کہ جب ان میں سے کوئی نیک انسان مرجاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے پھر اس میں وہ تصویریں بنا لیتے تھے (جن کا تم ذکر کر رہی ہو) یہ لوگ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ بُرے ہیں [1]

فکرِ آخرت

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی عبادت گزار اور پرہیزگار تھیں۔ فکرِ آخرت کا اس سے اندازہ ہوگا کہ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلا کر کہا کہ زندگی میں ہم میں آپس میں سوکنوں والی رنجش رہی ہے لہٰذا تم میرا کہا سنا سب کچھ معاف کر دو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے معاف کر دیا اور ان کی مغفرت کی دعا کی۔ اس کے بعد ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ خدا تمہیں خوش کرے جیسے تم نے مجھے ابھی خوش کیا ہے۔

اس کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلا کر یہی گفتگو کی جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کی تھی [2]

---

[1] مشکوٰۃ ۱۲۔ [2] الاصابہ ۱۲۔

وفات

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۴۴ھ میں ہوئی۔ ابن سعد اور ابو عبید نے ان کی وفات کا یہی سن بتایا ہے۔ ابن حبان اور ابن قانع کا قول ہے کہ انہوں نے ۴۲ھ میں وفات پائی ابن ابی خیثمہ نے ان کی وفات کا سال ۵۹ھ بتایا ہے لیکن الاصابہ میں اس کو صحیح نہیں مانا۔

حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ میں اپنے گھر گیا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حویلی میں تھا۔ کسی ضرورت سے ایک کونہ میں زمین کھودی تو اس میں ایک پتھر نکلا جس میں لکھا تھا کہ هٰذَا قَبْرُ رَمْلَةَ بِنْتِ صَخْرٍ (یہ رملہ بنت صخر کی قبر ہے) لہٰذا اس پتھر کو ہم نے وہیں رکھ دیا اور مٹی دے دی۔ ذکرہ فی الاستیعاب رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے نکاح فرمانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ یہ حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی نسل سے تھیں والد کا نام حُیَیّ بن اخطب اور والدہ کا نام برّہ بنت سموال تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یکے بعد دیگرے دو شوہروں کے نکاح میں رہ چکی تھیں۔ پہلا شوہر سلام بن مشکم تھا اور دوسرا کنانہ بن ابی الحقیق [1]

حرم نبوت میں آنا حضرت صفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے کئی خواب ایسے دیکھے تھے جن کی تعبیر یہ ظاہر ہوتی تھی کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نکاح ہوگا۔ ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ میری گود میں چاند آکر گرا۔ اس خواب کا اپنی والدہ سے تذکرہ کیا تو اس نے ان کے چہرے پر ایک طمانچہ مار کر کہا تو یہ چاہتی ہے کہ شاہِ عرب (محمد رسول اللہ تعالےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کے نکاح میں چلی جائے راوی کہتے ہیں کہ ان کی والدہ کا طمانچہ چہرہ پر اُبھر آیا تھا جس کا اثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنے تک باقی رہا۔ آپ نے اسے دیکھ کر سبب دریافت کیا تو حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پورا واقعہ سنایا ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ آفتاب میرے سینہ پر آکر گرا۔ اس خواب کا اپنے شوہر سے ذکر کیا تو اس نے بھی یہی کہا کہ تو اسی شاہِ عرب کو چاہتی ہے جو ہمارے ہاں آکر مقیم ہوا ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جہاد کے لئے ان کے علاقہ (خیبر) میں پہنچ چکے تھے [2]

---

[1] الاصابہ والاستیعاب ۱۲۔ [2] الاصابہ ۱۲

۷ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خیبر کے لئے روانہ ہوئے وہاں یہودی رہتے تھے۔ ان کی رہائش اس طرح کی تھی کہ بہت سے قلعے بنا رکھے تھے ہر ایک قلعہ کی آبادی علیحدہ علیحدہ تھی ۴ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود بنی نضیر کو مدینہ سے جلا وطن کیا تو ان میں سے اکثر لوگ شام جا کر اور کچھ خیبر پہنچ کر رہنے لگے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا باپ حُیّی بن اخطب (جو بنی نضیر کا سردار تھا) خیبر میں ہی مقیم ہوا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خیبر والوں سے جہاد کرنے کے لئے خیبر کی آبادی میں پہنچے تو اس وقت وہ لوگ اپنے کام کاج کے لئے قلعوں سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لشکر کو دیکھ کر سہم گئے اور کہنے لگے کہ مُحَمَّد والخمیس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا لشکر آپہنچا) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کر کے یکے بعد دیگرے سب کو فتح کیا آخری قلعہ جو فتح ہوا وہ وطیح کا قلعہ تھا دس روز سے کچھ زیادہ اس کا محاصرہ رہا۔ مرحب نامی شخص (جو اس قلعہ کا بڑا تھا) قتل ہوا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا شوہر جنگِ خیبر میں مارا گیا [1]

جب جنگ کے ختم پر قیدی جمع کئے گئے تو ان میں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ حضرت دحیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ان قیدیوں میں سے مجھے ایک باندی عنایت فرما دیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ ان میں سے ایک باندی لے لو۔ انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا انتخاب کر لیا اسی اثنا میں ایک دوسرے صحابی حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا یا نبی اللہ! آپ نے یہ عورت دحیہ کو دے دی وہ بنی قریظہ اور بنی نضیر کی سردار [2] ہے۔ اس لئے وہ صرف آپ ہی کے لئے مناسب ہے آپ نے فرمایا کہ اچھا دحیہ کو بلاؤ وہ اس کو لے کر آئیں۔ چنانچہ وہ حسب فرمان والا شان حاضرِ خدمت

---

[1] البدایہ والاصابہ ۱۲۔ [2] حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا باپ قبیلہ بنی نضیر کا سردار تھا اور ان کی والدہ قبیلہ بنو قریظہ کے سردار کی بیٹی تھی۔ اس لئے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو بنو نضیر اور قریظہ کی سردار کہا گیا۔

ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم اس کے علاوہ قیدیوں میں سے دوسری باندی لے لو۔ چنانچہ وہ اس پر راضی ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو اپنے لئے منتخب کر لیا اور ان کو آزاد کر کے نکاح کر لیا[1]

کہا جاتا ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا نام زینب تھا چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے لئے منتخب فرمالیا تھا اس لئے ان کو صفیہ کہا جانے لگا صفیہ کے معنی ہیں انتخاب کردہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نکاح سفر میں ہوا اور مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے نکاح کے بعد والے مرحلے گذر گئے) اور سفر ہی میں ولیمہ کیا جس کی صورت یہ ہوئی کہ جب خیبر سے واپس ہونے لگے تو راستہ میں مقام صہبا پر قیام کیا۔ وہیں حضرت ام سلیم اور ام سنان رضی اللہ تعالٰی عنہما نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے سر میں کنگھی کی اور عطر لگایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (خیمہ میں) بھیج دیں۔ آپ اس رات سوئے نہیں اور صبح تک ان سے باتیں کرتے رہے۔ اس وقت ان کی عمر پورے سترہ سال کی بھی نہ ہوئی تھی[2]

ولیمہ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳ روز خیبر اور مدینہ کے درمیان قیام فرمایا۔ تینوں دن حضرت صفیہ نے آپ کے پاس شب باشی کی اور وہیں جنگل میں ولیمہ ہوا۔ ولیمہ میں کوئی گوشت روٹی تو نہیں تھی۔ (بلکہ متفرق قسم کی دوسری چیزیں تھیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کے دسترخوان بچھانے کا حکم فرمایا جن پر کھجوریں اور پنیر اور گھی لاکر رکھ دیا گیا مجھے حکم فرمایا کہ لوگوں کو بلاؤ۔ میں بلا لایا اور لوگوں نے ولیمہ کی دعوت کھائی) پورے لشکر میں سے جن کو نکاح کا علم نہ ہوا تھا وہ لوگ اس تردد میں رہے کہ صفیہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا ہے یا باندی بنالی ہے۔ پھر خود ہی اس کا فیصلہ کیا کہ اگر آپ نے ان کو پردہ

---

[1] جمع الفوائد من الصحیحین ۱۲۔ عہ استیعاب میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ سے سات باندی غلام دے کر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو لیا ۱۲ [2] اصابہ وبعضہ فی البخاری ۱۲

میں رکھا تو ہم سمجھیں گے کہ آپ کی بیوی اور اُمہات المومنین میں سے ہیں ورنہ یہ سمجھیں گے کہ آپؐ نے ان کو لونڈی بنالیا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے کوچ فرمایا تو اپنی سواری پر ان کے لئے پیچھے بیٹھنے کی جگہ بنائی اور ان کو سوار کرکے ان کے اور لوگوں کے درمیان پردہ تان دیا۔ اس سے سب سمجھ گئے کہ وہ ام المومنین ہیں۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے جو کتاب النکاح میں ذکر کی ہے۔

دوسری روایت میں ہے جو حضرت امام بخاریؒ نے کتاب المغازی میں درج کی ہے کہ دسترخوان بچھانے کا حکم حضرت بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو ہوا تھا اس واقعہ کو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالےٰ نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ کھلانے کا ارادہ فرمایا تو اعلان فرمایا کہ جس کے پاس جو کچھ کھانے کی چیز ہو لے آئے، چنانچہ کوئی کھجور لایا، کوئی گھی لایا، کوئی ستو لایا اور سب چیزیں مالیدہ کی طرح ایک جگہ ملا کر کھالی گئیں۔

مدینہ منورہ پہنچنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بڑے کریم اور شفیق تھے اپنی بیویوں کو بڑی اچھی طرح رکھتے تھے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا آپ کے ساتھ خیبر سے مدینہ کو روانہ ہوئیں اور راستہ میں کئی دن لگے جب اونٹ پر سوار ہونے کا موقع آتا تھا تو آپؐ اونٹ کو بٹھا کر خود اونٹ کے پاس بیٹھ جاتے تھے اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپؐ کے مبارک گھٹنے پر قدم رکھ کر اونٹ پر سوار ہوجاتی تھیں[1] خود حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اچھے اخلاق والا کوئی نہیں دیکھا۔ جب خیبر سے مجھے لے کر روانہ ہوئے تو اونٹنی پر مجھے نیند آجاتی تھی اور میرا سر کجاوہ میں لگنے لگتا تھا۔ آپؐ اپنے ہاتھ سے میرا سر تھامتے اور فرماتے کہ اے حُیَی کی بیٹی! دھیان سے سوار رہ[2]

مدینہ منورہ پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حضرت حارثہ بن النعمان رضی اللہ عنہ کے مکان میں قیام کرادیا۔ مدینہ کی عورتوں میں ان کے حسن کی

---

[1] بخاری شریف ۱۲۔ [2] مجمع

شہرت ہوگئی تو دیکھنے آئیں. حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بھی دیکھنے کو پہنچیں. ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہو صفیہ کیسی ہے؟ بولیں ہاں میں یہودیہ کو دیکھ آئی. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا. ایسا نہ کہو. وہ یہودیہ نہیں ہے. اسلام لاچکی ہے وہ بہترین مسلمان ہے[1]

سخاوت حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ منورہ پہنچ کر اپنے کانوں کے زیور (بالیاں وغیرہ) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور دوسری عورتوں کو دے دیئے. یہ زیور سونے کا تھا[2]

اخلاق وعادات حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بڑی عاقلہ فاضلہ اور بردبار تھیں. حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی ایک باندی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی جبکہ وہ خلیفہ تھے کہ صفیہ ہفتہ کے دن کو (یہودیوں کی طرح) دوسرے دنوں سے اچھا سمجھتی ہیں اور یہود کے ساتھ روپیہ پیسہ سے اچھا سلوک کرتی ہیں. حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں آدمی بھیج کر دریافت کرایا تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ ہفتہ کے دن والی بات تو غلط ہے، جب سے اللہ نے (مجھے مسلمان بناکر) جمعہ کا دن عنایت فرمایا، میں نے ہفتہ کے دن کو محبوب نہیں سمجھا اور یہود کو روپیہ پیسہ اس لئے دیتی ہوں کہ ان سے میرا رشتہ داری کا تعلق ہے (گو وہ کافر ہیں مگر رشتہ دار ہیں اور اسلام میں کافر رشتہ دار کے ساتھ سلوک کرنا بھی باعث ثواب ہے. اس کے بعد اس باندی سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ تجھے چغلی کھانے پر کس نے آمادہ کیا اس نے جواب دیا کہ شیطان نے مجھے پھسلایا. فرمایا جا تو آزاد ہے[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا محبت حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا محبت تھی، جس بیماری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

---

[1] الاصابہ ۱۲ [2] ایضاً ۱۲ [3] الاصابہ ۱۲

ہوئی اس بیماری میں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے کہا یا نبی اللہ! خدا کی قسم میرا دل چاہتا ہے کہ جو تکلیف آپ کو ہے آپ کے بجائے مجھے ہوجاتی اُس وقت وہاں دیگر اُمہات المومنین بیٹھی تھیں۔ انہوں نے اس بات کو مصنوعی بتانے کے لئے کنکھیوں سے ایک دوسری کی طرف اشارہ کیا (اور بعض نے زبان سے بھی ایسی بات کہہ دی جس سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی بات کو بناوٹی ظاہر کیا) حضور اقدسؐ کو بھی یہ محسوس ہوگیا اور آپؐ نے امہات المومنین سے فرمایا کہ تم کلی کرو۔ دریافت کیا کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ تم نے (اس کی غیبت کی) کنکھیوں سے اس کی طرف اشارہ کیا اللہ کی قسم یہ اپنی بات میں سچی ہے لے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی خوشنودی کا خیال فرماتے تھے۔ دیگر امہات المومنین جب ان کو کچھ کہہ سن کر ستاتی تھیں تو آپؐ ان کا پارٹ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے تو وہ رو رہی تھیں۔ آپؐ نے رونے کا سبب دریافت فرمایا تو بولیں کہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ عائشہؓ اور حفصہؓ مجھے بُرا کہتی ہیں اور یہ کہتی ہیں ہم صفیہ سے بہتر ہیں کیونکہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ دار بھی ہیں اس وجہ سے کہ ہم قریش سے ہیں اور آپؐ بھی قریشی ہیں اور ہم آپ کی ازواج بھی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے ان کو یہ جواب کیوں نہ دیا کہ میرے مورث اعلیٰ ہارون علیہ السلام اور چچا موسےٰ علیہ السلام اور شوہر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پھر تم مجھ سے (نسب میں) کیونکر بہتر ہو سکتی ہو؟ لے

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں حضرت صفیہؓ اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا دونوں تھیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کو تکلیف ہوگئی۔ چونکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس سواری ان کی اپنی ضرورت سے زیادہ تھی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ صفیہ کے اونٹ

لے الاصابہ ۱۲۔ لے الاستیعاب ۱۲۔

کو تکلیف ہوگئی تم ان کو ایک سواری دے دو۔ انہوں نے جواب دیا کہ کیا میں اس یہودیہ کو دوں گی؟ یہ جواب سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت ناراض ہوئے اور دو تین ماہ حضرت زینبؓ کے پاس تشریف نہ لے گئے حتیٰ کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا اس سے ناامید ہوگئیں کہ آپؐ ان کے پاس تشریف لائیں گے[1] لیکن جب جدائی کی سزا دے دی تو دو تین ماہ بعد تشریف لے گئے)۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا قد پستہ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ صفیہ کا قد چھوٹا بیان کرتے ہوئے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ صفیہ اتنی سی ہے۔ یہ سن کر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تُو نے ایسا کلمہ کہا کہ اگر سمندر میں ملا دیا جائے تو اسے بھی خراب کر ڈالے[2]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جس فتنہ میں شہید کئے گئے

اس فتنہ کے دوران جب کہ فسادیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسبابِ زندگی (غلہ و پانی) بند کر رکھے تھے تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے پاس سے کھانا پینا بھجوانے کا خاص اہتمام فرمایا۔ ایک مرتبہ اپنے غلام کنانہ کو ساتھ لے کر اور خچر پر سوار ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچیں اور ان کی مصیبت دور کرنے کی نیت سے چلیں۔ راستہ میں اشتر نامی ایک شخص مل گیا (وہ غالباً حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دشمنوں میں سے تھا) اس نے خچر کو مارنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت صفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے غلام سے فرمایا مجھے واپس لے چل، ذلیل نہ ہونے دے۔ اس کے بعد حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ذریعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے لئے کھانے پینے کا سامان بھیجتی رہیں[3]

---

[1] الاصابہ وبعضہ فی المشکوٰۃ ۱۲۔ [2] مشکوٰۃ شریف ۱۲۔ [3] الاصابہ ۱۲۔

زہد و عبادت البدایہ میں لکھا ہے وکانت من سیدات النساء عبادۃ وورعا وزهادۃ وبرا وصدقۃ (کروہ عبادت وزہد اور تقوٰی اور نیکی اور صدقہ کرنے میں عورتوں میں سرداری کا مقام رکھتی تھیں۔)

وفات حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ۵۰ھ میں بماہ رمضان المبارک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ امارت میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ۵۲ھ ہجری میں سفرِ آخرت کیا۔[1]

رضی اللہ عنہا وارضاہا

---

[1] الاصابہ، الاستیعاب، الاکمال اصحاب المشکوٰۃ ۱۲

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالٰی عنہا

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے نکاح فرمانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ ان کا نام بھی بَرّہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر میمونہ رکھا۔ یہ حضرت ام الفضل (زوجہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ) کی بہن ہیں۔ والد کا نام حارث والدہ کا نام خولہ بنت عوف تھا۔ ان کا پہلا شوہر کون تھا؟ اس میں بہت اختلاف ہے۔ کسی نے ابورہم بن عبدالعزی اور کسی نے سنجرہ بن ابی رہم اور کسی نے حویطب بن عبدالعزی اور کسی نے فروہ بن عبدالعزی بتایا ہے[1]

حرمِ نبوت میں آنا جب ان کا پہلا شوہر جہانِ فانی سے رخصت ہوا تو ان کے بہنوئی حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تذکرہ کیا کہ آپ میمونہ سے نکاح فرمالیں۔ چنانچہ آپ نے منظور فرمایا اور نکاح فرمالیا۔ یہ بھی لکھا ہے کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس نکاح کا پیغام دے کر بھیجا تھا۔ انہوں نے حضرت عباس کو اپنا وکیل بنادیا اور عباس رضی اللہ عنہ نے ان کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کردیا[2]

یہ نکاح ۷ھ میں بحالت مسافرت ہوا جب کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضا کے سفر میں تھے مکہ سے واپس ہوتے ہوئے مقام سرف آیا وہیں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے خیمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ملاقات فرمائی۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے واقعاتِ زندگی میں یہ بات تعجب کے ساتھ ذکر کی جاتی ہے کہ مقام سرف میں جس جگہ ان کا خیمہ اس وقت لگا ہوا تھا جب کہ نکاح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] من الاصابہ ۱۲ [2] ایضاً ۱۲

سے ان سے ملاقات فرمائی خاص اسی جگہ انہوں نے وفات پائی اور اسی جگہ دفن ہوئیں[1]
چونکہ یہ نکاح سفر میں ہوا تھا جو عمرۃ القضاء کے لئے کیا تھا اس لئے کتب حدیث میں اس نکاح کا ذکر دو طرح آتا ہے۔ یزید ابن الاصم کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جس وقت نکاح کیا اس وقت تک احرام نہیں باندھا تھا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے آپ نے بحالت احرام نکاح کیا۔ ان دونوں کی روایتوں کی وجہ سے اماموں میں اختلاف ہو گیا کہ حالتِ احرام میں نکاح درست ہے یا نہیں؟ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور بہت سے اکابر علماء فرماتے ہیں کہ حالت احرام میں نکاح درست اور جائز ہے اور حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی وغیرہما رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے نزدیک بحالت احرام نکاح درست نہیں ہے اس کی تفصیل اور دلیلیں حدیث کی شرحوں میں لکھی ہیں اور یہ اختلاف صرف نکاح تک ہے۔ نکاح کے بعد والی باتیں احرام میں کسی کے نزدیک بھی درست نہیں ہیں۔
حضرت شیخ محی السنۃ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یزید بن الاصم اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی دونوں روایتوں کو اس طرح جوڑتے تھے کہ آپ نے نکاح اس وقت کر لیا جبکہ احرام نہیں باندھا تھا اور اس کی شہرت جب ہوئی جب کہ آپ احرام باندھ چکے تھے (اس وجہ سے راویوں میں اختلاف ہو گیا)۔

مصاحبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے ۷ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا اور ۱۱ھ میں آپ نے دنیائے فانی کو چھوڑ کر سلامِ علیٰ کا سفر فرمایا۔ اس حساب سے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں ۳ سال رہیں۔ آپ کی خدمت میں رہ کر دوسری بیویوں کی طرح دین کی معلومات حاصل کیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو ان کے بھانجے ہیں ان کے شاگردوں میں ہیں۔ ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ ابن عباس ماہواری کے دنوں میں اپنی بیوی سے بستر علیحدہ کر لیتے ہیں اور اتنا پرہیز

---

[1] الاصابہ ۱۲

کرتے ہیں کہ اس کے پاس لیٹتے تک نہیں ہیں. حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باندی بھیجی اور فرمایا کہ ان سے جاکر کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے تمہیں کیوں اعراض ہے آپؐ اس زمانہ میں بھی ہمارے بستروں پر لیٹتے تھے[1] (ایام ماہواری میں میاں بیوی کا آپس میں ایک ساتھ لیٹنا بیٹھنا منع نہیں البتہ اس سے آگے نہ بڑھیں)۔

حضرت عائشہؓ کا تعریف کرنا حضرت عائشہ رضی اللہ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی تعریف میں فرمایا اَمَا اِنَّھَا کَانَتْ اَتْقَانَا لِلّٰہِ وَاَوْصَلَنَا لِلرَّحِمِ (خبردار وہ ہم میں سب سے زیادہ متقی اور صلہ رحمی کرنے والی تھیں) [2]

ایک واقعہ سفر حج میں حضرت میمونہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں. لوگوں کو نویں ذی الحجہ کے دن شک ہوا کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ ہے یا نہیں؟ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک پیالہ دودھ آپؐ کی خدمت میں بھیج دیا جسے آپؐ نے پی لیا اور سب دیکھتے رہے اس ترکیب سے پتہ چلا لیا کہ آپؐ کا روزہ نہیں ہے بعض روایات میں ہے کہ دودھ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے بھیجا تھا[3] (جو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں) ممکن ہے کہ دونوں نے مشورہ کرکے بھیجا ہو لہٰذا راویوں نے علیحدہ علیحدہ دونوں نام ذکر کر دیئے (نویں ذی الحجہ کو حاجی حضرات عرفات میں ہوتے ہیں دُعا کی مشغولیت کی وجہ سے ان لوگوں کو اس دن روزہ نہ رکھنا بہتر ہے گو اس روزہ کا ثواب بہت زیادہ ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ کے تذکرہ میں گزر چکا ہے۔

کثرت نماز حضرت یزید بن الاصمؒ بیان فرماتے تھے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ہر وقت نماز پڑھتی تھیں یا گھر کا کام انجام دینے میں ان کا وقت گذرتا تھا۔ ان دونوں مشغلوں سے فرصت ملتی تو مسواک کرنے لگتی تھیں۔

---

[1] مسند امام احمد بن حنبلؒ۔ [2] الاصابہ ۱۲۔ [3] مسلم شریف ۱۲

وفات حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے ۵۱ھ میں وفات پائی ان کے سنہ وفات کے بارے میں اور بھی اقوال ہیں (مگر) راجح ۵۱ھ ہی ہے۔ استیعاب میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور قبر میں بھی انہوں نے یزید بن الاصم اور عبید اللہ بن شداد کی معیت میں اتارا۔ یہ تینوں ان کی بہنوں کی اولاد تھے رضی اللہ تعالٰے عنہم اجمعین۔ ان کی وفات اور کفن ودفن مقام سرف میں ہوا جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

مجمع الزوائد میں ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا مکہ میں مقیم تھیں۔ وہاں کچھ طبیعت بھاری ہوئی اور علالت محسوس ہوئی فرمایا مجھے مکہ سے لے چلو کیونکہ مجھے مکہ میں موت نہ آئے گی۔ مجھے اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ چنانچہ ان کو مقام سرف میں لایا گیا اور وہیں وفات پائی۔

کفنا کر اور نماز پڑھ کر جب قبر میں رکھنے کے لئے جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا کہ (ان کا ادب کرو) جنازہ کو جھٹکا دے کر نہ اٹھاؤ اور ہلاتے جلاتے نہ لے چلو۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

آخری کلام

یہاں تک ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ بیویوں کے حالات لکھے ہیں نکاحوں کی ترتیب حضرت اقدس سیدی، سندی و مرشدی مولانا محمد زکریا صاحب لازالت فیوضہ باقیۃ کی کتاب حکایاتِ صحابہ سے لی ہے اور حالات کتبِ حدیث و اسماء الرجال سے نقل کئے ہیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جو عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں قابلِ ذکر مدت تک رہیں (جن میں سب سے کم مدت حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی ہے) ان میں سب سے پہلا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور سب سے آخری نکاح حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے ہوا البتہ ہماری ذکر کردہ نکاحوں کی ترتیب میں اختلاف ہے یعنی محدثین و مؤرخین نے اس ترتیب کے علاوہ دوسری ترتیب بھی بتائی ہے جس کی تفصیل البدایہ والنہایہ میں مذکور ہے۔ ان گیارہ بیویوں میں سے دو بیویوں (یعنی حضرت خدیجہ اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا) نے آپؐ کی موجودگی میں وفات پائی اور باقی بیویوں نے آپؐ کے بعد دار فانی کو چھوڑا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاءِ اعلیٰ کا سفر اختیار فرماتے وقت جن نو بیویوں کو چھوڑا تھا ان کے اسماءِ گرامی یہ ہیں۔

(۱) حضرت عائشہؓ (۲) حضرت سودہؓ (۳) حضرت حفصہؓ (۴) حضرت ام سلمہؓ۔
(۵) حضرت زینبؓ (۶) حضرت جویریہؓ (۷) حضرت ام حبیبہؓ (۸) حضرت صفیہؓ۔
(۹) حضرت میمونہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔ ان پاک بیویوں کے نام ان تین شعروں میں جمع کر دیئے ہیں۔

توفی رسول اللہ عن تسع نسوۃ ــــ الیهن تعزی المکرمات وتنسب
فعائشۃ میمونۃ وصفیۃ ــــ وحفصۃ تتلوهن هند وزینب
جویریۃ مع رملۃ ثم سودۃ ــــ ثلاث وست ذکرهن مهذب

یہ مسلمہ حقائق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا نکاح حضرت خدیجہ

رضی اللہ عنہا سے کیا اور جب تک وہ زندہ رہیں کوئی نکاح آپ نے نہیں کیا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی بیوی سے آپ کی اولاد نہیں ہوئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کوئی بیوی کنواری آپ کے نکاح میں نہیں آئی اور آپ کے بعد سب سے پہلے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے وفات پائی اور امہات المؤمنین میں سب سے آخری وفات حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہوئی اور ان گیارہ بیویوں میں سب سے آخری نکاح حضرت میمونہؓ سے ہوا۔

یہ حالات جو ہم نے جمع کئے ہیں ان کا مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ حالات معلوم کر کے کتاب بند کر کے رکھ دیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کو پڑھ کر سبق لیں اور اپنی عورتوں کو سنائیں اور بچیوں کو تعلیم دیں اور زہد عبادت، سخاوت، کثرت نماز، کثرت ذکر، دینی خدمت، تعلیم دین اور دین پر جے رہنے میں اپنی عورتوں اور بچیوں کو امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی زندگی پر ڈھالنے کی کوشش کریں۔ جن گیارہ بیویوں کے حالات اس کتاب میں لکھے ہیں ان کے علاوہ مؤرخین اور اصحاب سیر نے دیگر بیویوں سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے فرمانے کا ذکر کیا ہے لیکن وہ کچھ خاص قابل ذکر مدت تک آپؐ کی مصاحبت میں نہ رہیں لہٰذا گیارہ ہی بیویوں کے حالات جمع کرنے پر اکتفا کیا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَسَنَدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ اَجْمَعِيْنَ ط

تمت بالخیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تعددِ ازواج کی حکمت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات سراپا رحمت و برکت ہے، تبلیغِ احکام اور تزکیۂ نفوس اور ابلاغ قرآن آپ کا سب سے بڑا مقصد بعثت تھا، آپ نے اسلام کی تعلیمات کو قولاً و عملاً دنیا میں پھیلایا یعنی آپ بتاتے بھی تھے اور کرکے بھی دکھاتے تھے۔ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہبری کی ضرورت نہ ہو، نماز باجماعت سے لے کر بیویوں کے تعلقات آل و اولاد کی پرورش اور پاخانہ پیشاب اور طہارت تک کے بارے میں آپ کی قولی اور فعلی ہدایات سے کتب حدیث بھرپور ہیں، اندرونِ خانہ کیا کیا کام کیا، بیویوں سے کیسے میل جول رکھا اور گھر میں آکر مسائل پوچھنے والی خواتین کو کیا جواب دیا اس طرح کے سینکڑوں مسائل ہیں جن سے ازواجِ مطہرات ؓ کے ذریعہ ہی اُمت کو رہنمائی ملی ہے، تعلیم و تبلیغ کی دینی ضرورت کے پیشِ نظر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کثرتِ ازواج ایک ضروری امر تھا۔ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے احکام و مسائل، اخلاق و آداب اور سیرتِ نبوی ؐ سے متعلق دو ہزار دو سو دس روایات مروی ہیں جو کتبِ حدیث میں پائی جاتی ہیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مرویات کی تعداد تین سو اٹھہتر تک پہنچی ہوئی ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین ص۹ ج ا میں لکھا ہے کہ اگر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے فتاویٰ جمع کئے جائیں جو انہوں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دیئے ہیں تو ایک رسالہ مرتب ہو سکتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا روایت و درایت اور فقہ و فتاویٰ میں جو مرتبہ ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ ان کے شاگردوں کی تعداد دو سو کے لگ بھگ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلسل اڑتالیس ۴۸ سال تک علم دین پھیلایا۔ بطورِ مثال دو مقدس بیویوں کا مجمل حال لکھ دیا ہے، دیگر ازواج مطہرات کی روایات بھی مجموعی حیثیت سے کافی تعداد میں موجود ہیں ظاہر ہے کہ اس تعلیم و تبلیغ کا نفع صرف ازواجِ مطہراتؓ سے پہنچا۔

اسلام کے بلند مقاصد اور پورے عالم کی انفرادی و اجتماعی، خانگی اور ملکی اصلاحات کی فکر کو دنیا کے شہوت پرست انسان کیا جانیں، وہ تو سب کو اپنے اوپر قیاس کر سکتے ہیں اسی کے نتیجے میں کئی صدی سے یورپ کے ملحدین اور مستشرقین نے اپنی ہٹ دھرمی سے فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعددِ ازواج کو ایک خالص جنسی اور نفسانی خواہش کی پیداوار قرار دے رکھا ہے۔ اگر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر ایک سرسری نظر بھی ڈال جائے تو ایک ہوشمند منصف مزاج کبھی بھی آپ کی کثرتِ ازواج کو اس پر محمول نہیں کر سکتا۔

آپ کی معصوم زندگی قریشِ مکہ کے سامنے اس طرح گذری کہ سب سے پہلے پچیس ۲۵ سال کی عمر میں ایک سن رسیدہ صاحبِ اولاد بیوہ (جس کے دو شوہر فوت ہو چکے تھے) سے عقد کیا اور پچیس سال تک ان ہی کے ساتھ گذارہ کیا، وہ بھی اس طرح کہ مہینہ مہینہ گھر چھوڑ کر غارِ حرا میں مشغولِ عبادت رہتے تھے اس کے بعد جو دوسرے نکاح ہوئے پچاس ۵۰ سالہ عمر شریف گزر جانے کے بعد ہوئے یہ پچاس ۵۰ سالہ زندگی اور عنفوانِ شباب کا سارا وقت اہلِ مکہ کی نظروں کے سامنے تھا، کبھی کسی دشمن کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی ایسی چیز منسوب کرنے کا موقع نہیں ملا جو تقویٰ و طہارت کو مشکوک کر سکے۔ آپ کے دشمنوں نے آپ پر ساحر، شاعر، مجنون، کذاب، مفتری جیسے الزامات تراشنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، لیکن آپ کی معصوم زندگی پر کوئی ایسا حرف کہنے کی جرأت نہیں ہوئی جس کا تعلق جنسی اور نفسانی جذبات کی

بے راہ روی سے ہو۔

ان حالات میں یہ بات غور طلب نہیں ہے کہ چڑھتی جوانی سے لے کر پچاس سال کی عمر ہو جانے تک اس زہد وتقویٰ اور لذائذِ دنیا سے یک سوئی میں گذارنے کے بعد وہ کیا داعیہ تھا جس نے آخر عمر میں آپؐ کو متعدد نکاحوں پر مجبور کیا۔ اگر دل میں ذرا سا بھی انصاف ہو تو ان متعدد نکاحوں کی وجہ اس کے سوا نہیں بتلائی جا سکتی جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

اور اس کثرتِ ازدواج کی حقیقت بھی سن لیجئے کہ کس طرح وجود میں آئی۔

پچیس سال کی عمر سے لے کر پچاس سال کی عمر شریف ہونے تک تنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپؐ کی زوجہ رہیں ان کی وفات کے بعد حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا لیکن صغر سنی کی وجہ سے حضرت عائشہؓ اپنے والد کے گھر ہی رہیں، پھر چند سال کے بعد ۲ھ میں مدینہ منورہ میں حضرت عائشہؓ کی رخصتی عمل میں آئی، اس وقت آپؐ کی عمر چوّن سال ہو چکی ہے، اور دو بیویاں اس عمر میں آکر جمع ہوئی ہیں یہاں سے تعدد ازدواج کا معاملہ شروع ہوا۔ اس کے ایک سال بعد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا، پھر کچھ ماہ بعد حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا، انہوں نے صرف اٹھارہ ماہ آپؐ کے نکاح میں رہ کر وفات پائی۔ ایک قول کے مطابق تین ماہ آپؐ کے نکاح میں زندہ رہیں، پھر ۴ھ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا، پھر ۵ھ میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا، اس وقت آپؐ کی عمر شریف اٹھاون سال ہو چکی تھی، اور اتنی بڑی عمر میں آکر چار بیویاں جمع ہوئیں۔ ان کے بعد ۶ھ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے، اور ۷ھ میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا۔

خلاصہ: یہ کہ چوّن برس کی عمر تک آپؐ نے صرف ایک بیوی کے ساتھ گذارہ کیا، یعنی پچیس سال حضرت خدیجہؓ کے ساتھ اور چار پانچ سال حضرت سودہؓ کے

ساتھ گذارے پھر اٹھاون سال کی عمر میں چار بیویاں جمع ہوئیں اور باقی ازواج مطہراتؓ دو تین سال کے اندر حرمِ نبوت میں آئیں اور ۱۱ھ میں آپ نے وفات پائی۔

اور یہ بات خاص طور سے قابلِ ذکر ہے کہ ان سب بیویوں میں صرف ایک ہی عورت ایسی تھیں جن سے کنوارے پن میں نکاح ہوا، یعنی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، ان کے علاوہ باقی سب ازواج مطہراتؓ بیوہ تھیں، جن میں بعض کے دو شوہر پہلے گذر چکے تھے، اور یہ تعداد بھی آخر عمر میں آکر جمع ہوئی۔

حضرات صحابہ مرد اور عورت سب آپ پر جاں نثار تھے، اگر آپؐ چاہتے تو سب بیویاں کنواری جمع کر لیتے، بلکہ ایک ایک دو دو مہینہ کے بعد بدلنے کا بھی موقع تھا لیکن آپؐ نے ایسا نہیں کیا۔

نیز یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برحق نبی تھے، نبی صاحب ہوا و ہوس نہیں ہوتا، جو کچھ کرتا ہے اذنِ الٰہی سے کرتا ہے، نبی ماننے کے بعد ہر اعتراض ختم ہو جاتا ہے، اور اگر کوئی شخص آپؐ کو نبی ہی نہ مانے اور یہ الزام لگائے کہ آپؐ نے محض شہوت نفسانی کے لئے کثرتِ ازواج کو جائز رکھا تھا تو اس شخص سے کہا جائے گا کہ اگر ایسا ہوتا تو آپؐ اپنے حق میں کثرتِ ازواج کے معاملہ میں اس پابندی کا اعلان کیوں فرماتے جس کا ذکر قرآن کریم کی آیت لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ میں موجود ہے، اپنے حق میں اس پابندی کا اعلان اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ آپؐ نے جو کچھ کیا اپنے رب کے اذن سے کیا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ فلاں لڑکی بہت خوبصورت ہے آپ کے چچا حمزہ کی لڑکی ہے اس سے نکاح فرمالیں، آپؐ نے فرمایا حمزہؓ میرے رضاعی بھائی ہیں ان کی لڑکی سے میرا نکاح حلال نہیں، اسی طرح بعض ازواج نے اپنی بہن سے نکاح کرنے کی گذارش کی، آپؐ نے نامنظور فرمادی۔

ظاہر ہے کہ جس کو شہوت رانی سے مطلب ہوگا وہ قاعدہ و قانون اور حرام و حلال کی پرواہ نہیں کرتا خصوصاً جبکہ جو کچھ اس کی زبان سے نکل جاتا ہو اس کے معتقدین کے نزدیک وہی قانون بن جاتا ہو۔

تعدّد ازدواج کی وجہ سے تعلیمی اور تبلیغی فوائد جو اُمت کو حاصل ہوئے اور جو احکام اُمت تک پہنچے اس کی جزئیات اس قدر کثیر ہیں کہ ان کا احصار دشوار ہے، کتبِ احادیث اس پر شاہد ہیں، البتہ بعض دیگر فوائد کی طرف یہاں ہم اشارہ کرتے ہیں۔

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے شوہر حضرت ابو سلمہؓ کی وفات کے بعد آپؐ نے ان سے نکاح کر لیا تھا، وہ اپنے سابق شوہر کے بچوّں کے ساتھ آپؐ کے گھر تشریف لائیں، ان کے بچوّں کی آپؐ نے پرورش کی اور اپنے عمل سے بتا دیا کہ کس پیار و محبت سے سوتیلی اولاد کی پرورش کرنی چاہیئے۔ آپؐ کی بیویوں میں صرف یہی ایک بیوی ہیں جو بچوّں کے ساتھ آئیں، اگر کوئی بھی بیوی اس طرح کی نہ ہوتی تو عملی طور پر سوتیلی اولاد کی پرورش کا خانہ خالی رہ جاتا اور اُمت کو اس سلسلے میں کوئی ہدایت نہ ملتی، ان کے بیٹے حضرت عمر بن ابی سلمہؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پرورش پاتا تھا، ایک بار آپؐ کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے پیالہ میں ہر جگہ ہاتھ ڈالتا تھا، آپؐ نے فرمایا بِسْمِ اللّٰہِ وکل بیمینك وکل مِمَّا یَلِیْكَ،
(اللہ کا نام لے کر کھا، داہنے ہاتھ سے کھا اور سامنے سے کھا) (بخاری ومسلم)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ایک جہاد میں قید ہو کر آئی تھیں، دوسرے قیدیوں کی طرح یہ بھی تقسیم میں آگئیں اور ثابت بن قیس یا ان کے چچازاد بھائی کے حصّہ میں ان کو لگا دیا گیا، لیکن انہوں نے اپنے آقا سے اس طرح معاملہ کر لیا کہ اتنا اتنا مال تم کو دے دوں گی مجھے آزاد کر دو، یہ معاملہ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور مالی امداد چاہی، آپؐ نے فرمایا اس سے بہتر بات نہ بتادوں؟ وہ یہ کہ میں تمہاری طرف سے مال ادا کر دوں اور تم سے نکاح کر لوں، انہوں نے بخوشی منظور کر لیا۔ تب آپؐ نے ان کی طرف سے مال ادا کر کے نکاح فرمالیا ان کی قوم کے سینکڑوں افراد حضرات صحابہؓ کی ملکیت میں آچکے تھے کیونکہ وہ سب لوگ قیدی ہو کر آئے تھے۔

جب صحابہؓ کو پتہ چلا کہ جویریہؓ آپؐ کے نکاح میں آگئی ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے احترام کے پیشِ نظر سب نے اپنے اپنے غلام باندی آزاد کر دیئے سبحان اللہ حضرات صحابہ کرامؓ کے ادب کی کیا شان تھی۔ اس جذبہ کے پیشِ نظر کہ یہ لوگ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال والے ہو گئے ان کو غلام بنا کر کیسے رکھیں، سب کو آزاد کر دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس واقعہ کے متعلق فرماتی ہیں:۔

فَلَقَدْ اُعْتِقَ بِتَزْوِيْجِهٖ اِيَّاهَا مِائَةُ اَهْلِ بَيْتٍ مِّنْ بَنِي الْمُصْطَلِقِ فَمَا اَعْلَمُ امْرَاَةً اَعْظَمَ بَرَكَةً عَلٰى قَوْمِهَا مِنْهَا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جویریہؓ سے نکاح کر لینے سے بنو المصطلق کے سو گھرانے آزاد ہو گئے۔ میں نے کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی جو جویریہؓ سے بڑھ کر اپنی قوم کے لئے بڑی برکت والی ثابت ہوئی ہو۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کے ساتھ ابتداءِ اسلام ہی میں مکہ میں اسلام قبول کیا تھا اور پھر دونوں میاں بیوی، ہجرت کر کے قافلے کے دوسرے افراد کے ساتھ حبشہ چلے گئے وہاں ان کا شوہر نصرانی ہو گیا، اور چند دن کے بعد مر گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہِ حبشہ نجاشی کے واسطہ سے ان کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا، جسے انہوں نے قبول کر لیا، اور وہیں حبشہ میں نجاشی ہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں اور حضرت ابوسفیان اس وقت اس گروہ کے سرخیل تھے جس نے اسلام دشمنی کو اپنا سب سے بڑا مقصد قرار دیا تھا، اور وہ مسلمانوں کو اور پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے اور انہیں فنا کے گھاٹ اتار دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے جب ان کو اس نکاح کی اطلاع ہوئی تو بلا اختیار ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے:

هُوَ الْفَحْلُ لَا يُجْدَعُ اَنْفُهٗ۔

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جوانمرد ہیں ان کی ناک نہیں کاٹی جا سکتی۔

مطلب یہ کہ وہ بلند ناک والے معزز ہیں ان کو ذلیل کرنا آسان نہیں، ادھر تو ہم

ان کو ذلیل کرنے کی تیاریوں میں لگے ہوئے ہیں اور ادھر ہماری لڑکی ان کے نکاح میں چلی گئی۔

غرض اس نکاح سے کفر کے ایک قائد کے حوصلے پست ہوگئے اور اس نکاح کی وجہ سے جو سیاسی فائدہ اسلام اور مسلمانوں کو پہنچا اس کی اہمیت اور ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اور یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ خدا کے مدبر اور حکیم رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس فائدہ کو ضرور پیش نظر رکھا ہوگا۔

یہ چند باتیں لکھی گئی ہیں ان کے علاوہ سیرت پر عبور رکھنے والے حضرات کو بہت کچھ حکمتیں آپؐ کے تعددِ ازواج میں مل سکتی ہیں۔ اس سلسلے میں سیدی حکیم الامت قدس سرہ کے رسالہ "کثرت الازواج لصاحب المعراج" کا دیکھنا بھی مفید ہوگا۔

یہ تفصیل ہم نے ملحدین و مستشرقین کے پھیلائے ہوئے پُر فریب جال کو کاٹنے کے لئے لکھی ہے کیونکہ ان کے اس دامِ تزویر میں بہت سے ناواقف مسلمان بھی پھنس جاتے ہیں جو سیرت نبویؐ اور تاریخ اسلام سے بے خبر ہیں یا وہ اسلامیات کا علم مستشرقین ہی کی کتابوں سے حاصل کرتے ہیں۔

تفسیر معارف القرآن ص ۲۸۸ سے تا ۲۹۲ ج ۲
از مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَٰبِيبِهِنَّ

اے نبی اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دیجئے کہ اپنی چادریں نیچی کر لیا کریں۔

(الاحزاب: ۵۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی

صاحبزادیاں رضی اللہ عنہن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

امّا بعد۔ اللہ رب العزّت نے محض اپنے فضل وکرم سے انسانوں کی ہدایت کے لئے ان ہی میں سے پیغمبر بھیجے تاکہ انسان ان سے اپنی زندگی گزارنے کا وہ طریقہ سیکھیں جو اللہ رب العزّت کو پسند ہے اور زندگی کے ہر شعبہ میں وہی طرز اختیار کریں جو اللہ رب العزّت نے ان کے پیغمبروں کے واسطے سے ان تک بھیجا۔ پیغمبر صرف قول ہی سے بتانے والے نہیں ہوتے تھے بلکہ عمل کر کے بھی دکھاتے تھے۔ اسی لئے جنّات یا ملائکہ رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے کیونکہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو کر کے دکھانا انسان ہی کا کام ہے۔ چونکہ کر کے دکھانا اور عمل پر ڈالنا بھی مقصود تھا اس لئے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام نے عملی طور پر بھی انسانی زندگی میں پیش آنے والے کاموں کی رہبری کی تاکہ اُمّت ان کی پیروی کر سکے اور ان کے عمل کا اقتدار کر کے اللہ کو راضی کرنے میں کامیاب ہو۔

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے بعض حضرات نے صنعت وحرفت ودستکاری بھی کی ہے اور بعض حضرات نے نظام سلطنت بھی سنبھالا ہے۔ اکثر پیغمبروں کی زندگی سے تو معلوم

کے عروج وزوال اور فتح وشکست کے رموز آشکارا ہوتے ہیں۔ غرض کہ تمام وہ امور جو انسانوں کی زندگی میں پیش آیا کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں اُمتوں کو اُن سے عمل کی راہ ملتی رہی ہے۔ بالخصوص سیدالانبیاء والاصفیاء سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تو کتاب مبین کی طرح اس طریقہ پر محفوظ ہے کہ زندگی کا کوئی شعبہ پوشیدہ نہیں ہے۔ سب کچھ عیاں اور ظاہر ہے۔ ہر شخص کو آپؐ کی زندگی سے سبق مل سکتا ہے۔

آپؐ سے قبل جتنے پیغمبر علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے چونکہ ان کے بعد بھی پیغمبر آنے والے تھے اس لئے ان کے بعد ان کی تعلیمات کی حفاظت نہ کی گئی اور آپؐ چونکہ خاتم النبیین بناکر بھیجے گئے اس لئے تا قیامت آپؐ کی تعلیمات دنیائے انسانیت کے لئے ضروری الاتباع اور واجب الامتثال ہیں اور آپؐ کی قولی اور عملی تعلیمات کلیۃً وجزئیۃً محفوظ ہیں۔

سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بازاروں میں تبلیغ بھی کی اور چیزوں کا بھاؤ بھی کیا، بعض مرتبہ کسی کے پاس اپنی کوئی چیز رہن بھی رکھی۔ بیوہ عورتوں سے بھی نکاح کیا اور کنواری عورت سے بھی، بیویوں کی پہلے شوہر سے جو اولاد تھی ان کی پرورش بھی کی، اپنے بچوں کو بھی پالا، بیٹیوں کی شادی بھی کی۔ ان سب امور میں امت کے لئے اسوہ ملتا ہے۔ آپؐ کا اٹھنا بیٹھنا، رفتار وگفتار سونا جاگنا کھانا پینا وغیرہ وغیرہ سب کچھ معلوم ومنقول ہے۔

سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں اور بیٹیوں رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا دین کے لئے تکلیفیں سہنا، آخرت کا فکر مند ہونا، بھوک و پیاس پر صبر کرنا، ذکر الٰہی میں مشغول رہنا، گھر کے کام کاج سے عار نہ کرنا اور دین سیکھنا اور اس کو پھیلانا، صدقہ وخیرات میں بے مثل ہونا، ہاتھ کی کمائی سے صدقہ کرنا جہاد وغزوات میں شریک ہونا وغیرہ وغیرہ ملے گا۔ مسلمان عورتوں کو ان امور میں ان مقدس خواتین کا اتباع کرنا لازم ہے، جنہوں نے نبوت

کے گھرانوں میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق زندگی گزار کر کامیابی حاصل کی. رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

آج کی مسلمان کہلانے والی عورتیں دین سے جاہل اور آخرت سے غافل ہو گئی ہیں اور اپنی زندگی ان طریقوں پر گذارنے کو جن پر چل کر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اور بیٹیاں بارگاہ خداوندی میں مقرب ہوئیں عار سمجھ کر کافر لیڈیوں اور مشرک عورتوں اور فیشن ایبل ماڈرن نصرانی، یہودی عورتوں کے طور وطریق کو پسند کرنے لگی ہیں۔

اس پر سب محدثین اور مؤرخین متفق ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ نکاح کئے جن میں سب سے پہلی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ ان کے علاوہ اور کسی بیوی سے آپ کی اولاد نہیں ہوئی۔ ان ہی کے بطن سے آپ کے صاحب زادے اور صاحب زادیاں تولد ہوئیں اور ان کے علاوہ آپ کی باندی ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے ایک صاحب زادے تولد ہوئے جن کا اسم گرامی ابراہیم تھا۔ اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادوں میں سے کوئی بھی سن بلوغ کو نہیں پہنچا۔ سب نے بچپن ہی میں وفات پائی۔ البتہ آپ کی صاحب زادیاں بڑی ہوئیں اور ان کی شادیاں بھی ہوئیں اور سب نے اسلام قبول کیا اور مدینہ منورہ کو ہجرت کی۔

الاستیعاب میں لکھا ہے کہ:۔

واجمعوا انها ولدت له	سب متفق ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے
اربع بنات کلهن	بطن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں
ادرکن الاسلام	تولد ہوئیں. سب نے اسلام کا زمانہ پایا اور اسلام قبول
وهاجرن وهن زينب و	کیا اور ہجرت کی۔ ان کے اسمار گرامی یہ ہیں حضرت زینب
فاطمة ورقية وام کلثوم۔	حضرت فاطمہ، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہن۔

اس میں سیرت نگاروں کا بہت اختلاف ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے کتنے تھے؟ اور اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ ان سب نے بچپن ہی میں وفات پائی اور اس وقت عرب میں تاریخ کا خاص اہتمام نہ تھا اور اس وقت

صحابہؓ جیسے جاں نثار بھی کثیر تعداد میں موجود نہ تھے جن کے ذریعہ اس وقت کی پوری تاریخ محفوظ ہو جاتی۔ قتادہؒ کا قول ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ ایک صاحبزادے کا نام قاسم تھا جو پاؤں چلنے لگے تھے۔ ان ہی کے نام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابو القاسم مشہور ہوئی۔ دوسرے صاحبزادے کا نام عبداللہ تھا۔ وہ بہت ہی چھٹپن میں وفات پا گئے۔ سیر و سوانح کے بڑے عالم زبیرؒ بن بکار کا قول ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی تعداد اور ترتیب یوں ہے۔ پہلے حضرت قاسم پیدا ہوئے۔ وہ آپؐ کی اولاد میں سب سے بڑے تھے۔ ان کے بعد حضرت زینبؓ اور ان کے بعد حضرت عبداللہ کی ولادت ہوئی۔ ان ہی کا لقب طیبؓ اور طاہرؓ مشہور ہوا۔ ان کی پیدائش نبوت کے بعد ہوئی تھی۔ ان کے بعد حضرت ام کلثومؓ اور ان کے بعد حضرت فاطمہؓ اور ان کے بعد حضرت رقیہؓ کی ولادت ہوئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ پھر مکہ ہی میں دونوں صاحبزادوں کی وفات ہوگئی۔ پہلے حضرت قاسمؓ کی اور ان کے بعد حضرت عبداللہ کی۔ (الاستیعابؔ)

ان دونوں بزرگوں کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف دو صاحبزادے (حضرت قاسمؓ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تولد ہوئے۔ ان کے علاوہ تیسرے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ میں آپؐ کی لونڈی حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے۔ اس حساب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین صاحبزادے ہوتے اور یہی اکثر علماء کی تحقیق ہے۔ بعض علماء نے طیب اور طاہر علیحدہ دو لڑکوں کے نام بتائے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ حضرت عبداللہ کے یہ دونوں لقب نہ تھے بلکہ یہ دو

عہ الاستیعاب میں زبیر بن بکار کی یہ تصریح حضرت خدیجہؓ کے تذکرہ میں لکھی ہے۔ لیکن حضرت فاطمہؓ کے تذکرہ میں فرمایا ہے کہ بنات طاہرات کی پیدائش کی ترتیب صحیح اخبار متواترہ کے اعتبار سے یوں ہے کہ اوّل حضرت زینبؓ، دوم حضرت رقیہ، سوم حضرت ام کلثوم اور چہارم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن ۱۲۔

صاحبزادے ان کے علاوہ تھے۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ صاحبزادے ہو جاتے ہیں اور بعض علماء کا یہ قول بھی ہے کہ طیب اور طاہر دونوں ایک ہی صاحبزادے کے نام تھے اور حضرت عبداللہ ان کے علاوہ تھے۔ اس حساب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار صاحبزادے ہوتے ہیں اور بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سات صاحبزادے تھے۔ (۱) حضرت قاسم (۲) حضرت عبداللہ (۳) حضرت طیب (۴) حضرت مطیب (۵) حضرت طاہر (۶) حضرت مطہر (۷) حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ لیکن اکثر علماء کی تحقیق یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین ہی صاحبزادے تھے۔ رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صاحبزادے بچپن ہی میں وفات پا گئے ان کے حالات منقول نہیں ہیں۔ اس لئے ہم نے اس رسالے میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے حالات جمع کرنے کا ارادہ کیا ہے البتہ خاتمۃ الکتاب میں حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے کچھ حالات جمع کر دیئے ہیں جو کتب احادیث و سیر میں ملتے ہیں اور جن کا معلوم ہونا مسلمانوں کے لئے باعثِ نصیحت و ہدایت ہوگا۔

حضرت زینبؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں بلکہ بعض علماء نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی اولاد بتایا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت قاسم کی ولادت ان کے بعد ہوئی۔ ابن الکلبی کا یہی قول ہے اور علی بن عبدالعزیز الجرجانیؒ نے حضرت قاسم کو بڑا اور حضرت زینب کو چھوٹا بتایا ہے۔ ہاں اس پر سب متفق ہیں کہ صاحبزادیوں میں سب سے بڑی حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔

ان کی پیدائش ۳۰ھ میلاد نبوی میں ہوئی یعنی جس وقت وہ پیدا ہوئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف ۳۰ سال تھی۔ (ذکرہ فی الاستیعاب)

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ۴۰ سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ اس حساب سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی زندگی کے اوّلین دس برس بعثت سے پہلے گزرے اور تیرہ سال اس کے بعد مشرکین کی طرف سے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپؐ کے اہل و عیال کو جو تکلیفیں پہنچیں ان سب میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ان کی بہنیں شریک رہیں۔ ۷ھ نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کو شعبِ ابی طالب میں مقید کر دیا گیا۔ وہاں تین برس تک قید رہے اور فاقوں پر فاقے گذرے۔ ان سب مصائب میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سب ہی شریک رہے۔

نکاح سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت ابوالعاصؓ بن الربیع سے کر دیا تھا۔ ابوالعاص ان کی کنیت ہے۔ ان کا نام کسی نے لقیط اور کسی نے زبیر اور کسی نے ہشیم بتایا ہے (وقیل غیر ذالک) حضرت ابوالعاص حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہالہ بنت خویلد کے بیٹے تھے اس طرح وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے خالہ زاد بھائی ہوئے۔ مکہ میں ان کی پوزیشن مالداری اور تجارت و

امانت میں بڑی اونچی تھی. بعثت سے پہلے بھی سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے گہرا تعلق تھا. بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ انہوں نے سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مواخات کر لی تھی یعنی آپ کو اپنا بھائی بنا لیا تھا۔ (الاصابہ)

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان کا نکاح مکہ میں ہو گیا تھا. اس وقت تک حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی زندہ تھیں[عہ]. حضرت ابو العاص مکّہ میں مسلمان نہیں ہوئے بلکہ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا مگر مشرکینِ مکّہ کے کہنے پر بھی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق بھی نہیں دی. حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس بات پر تعریف فرمائی اور فرمایا کہ ابو العاص نے بہترین دامادی کا ثبوت[عہ] دیا. یہ واقعات ابتدائے اسلام کے ہیں. اس وقت احکام نازل نہیں ہوئے تھے. اس لئے یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ مسلمان عورت کافر کے نکاح میں کیوں کر رہتی رہی. پھر جب حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی تو اپنی اہلیہ حضرت سودہ اور اپنی صاحبزادیوں حضرت فاطمہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہن کو بلا لیا لیکن حضرت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا اپنے شوہر کے پاس ہی رہیں۔

ہجرت حضرت زینب رضی اللہ عنہا مکہ ہی میں اپنے شوہر کے پاس رہیں. حتیٰ کہ ان کو حالتِ شرک ہی میں چھوڑ کر ۲ھ میں غزوۂ بدر کے بعد مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی. حضرت ابو العاص زمانۂ کفر میں مشرکینِ مکّہ کے ساتھ بدر کے موقع پر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آئے. جنگ میں شریک ہوئے مسلمانوں کو فتح ہوئی اور حضرت ابو العاص بن الربیع دیگر مشرکین کے ساتھ قید کر کے مدینہ لائے گئے. ان کو حضرت عبد اللہ بن جبیر بن النعمان الانصاری رضی اللہ عنہ نے قید کیا تھا. بدر سے

عہ صرح بذالك في الاستيعاب حيث قال في ذكر القلادة كانت خديجة قد ادخلتها بها على ابي العاص حين بنى عليها ۱۲۔

عہ قال في الاستيعاب واثنى عليه بذالك خيرا ۱۲۔

ہار کر جب مشرکین مکہ اپنے وطن پہنچے تو قیدیوں کو چھڑانے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قیدیوں کا فدیہ (جان کا بدلہ) بھیجا. ہر ایک قیدی کے عزیزوں نے کچھ نہ کچھ بھیجا تھا. حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کو چھڑانے کے لئے عمرو بن الربیع کو مال دے کر روانہ کیا (یہ حضرت ابو العاص کے بھائی تھے) اس مال میں ایک ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے شادی کے وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو دیا تھا. اس ہار کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ یاد آگئیں اور آپ پر بہت رقت طاری ہوگئی اور جاں نثار صحابہؓ سے فرمایا کہ تم مناسب سمجھو تو زینب (رضی اللہ عنہا) کے قیدی کو یوں ہی چھوڑ دو اور اس کا مال واپس کر دو. اشاروں پر جان دینے والے صحابہؓ نے بخوشی قبول کیا اور سب نے کہا جی ہم کو اسی طرح منظور ہے. چنانچہ حضرت ابو العاصؓ چھوڑ دیئے گئے لیکن سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ شرط کر لی کہ زینب (رضی اللہ عنہا) کو مکہ جا کر مدینہ کے لئے روانہ کر دینا. چنانچہ انہوں نے یہ شرط منظور کی اور پھر اس کو پورا کیا جس کی وجہ سے سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف کی اور یہ فرمایا حدثنی فصدقنی ووعدنی فوفی لی. (یعنی ابو العاص نے مجھ سے بات کی اور سچ کہا اور مجھ سے وعدہ کیا جسے پورا کیا) چنانچہ حضرت ابو العاصؓ کے مکہ معظمہ پہنچ جانے پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہجرت کر کے شفیق دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ آگئیں[1]. لیکن ہجرت کے وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو یہ دردناک واقعہ پیش آیا کہ جب وہ ہجرت کے ارادہ سے نکلیں تو ہبار بن الاسود اور اس کے ایک اور ساتھی نے ان کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کیا. چنانچہ ایک نے ان کو دھکا دے دیا جس کی وجہ سے وہ ایک پتھر پر گر پڑیں اور ایسی تکلیف پہنچی کہ حمل ساقط ہوگیا. یہ تکلیف تا دم آخر چلتی رہی اور یہی ان کی وفات کا سبب بنی[2]. اور بعض کتب میں یوں لکھا ہے کہ حضرت ابو العاص نے ان کو مدینہ منورہ جانے کی اجازت دے دی اور ان کے روانہ ہونے سے قبل ہی شام کو روانہ ہوگئے.

---

[1] الاصابہ، اسد الغابہ ۱۲. [2] الاستیعاب ۱۲.

جب وہ ہجرت کے لئے گھر سے نکلیں تو ہبار بن الاسود اور اس کے ایک ساتھی نے ان کو جانے سے روکا اور گھر میں واپس کر دیا۔ اس کے بعد سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہمراہ لانے کے لئے مدینہ منورہ سے آدمی بھیجا جس کے ساتھ وہ مدینہ منورہ تشریف لے آئیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو جو تکلیف پہنچی اس کے بارے میں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ میری سب سے اچھی بیٹی تھی جو میری محبت میں ستائی گئی۔

حضرت ابوالعاصؓ کا مسلمان ہونا

ہدایت اللہ کے قبضہ میں ہے۔ حضرت ابوالعاصؓ کا واقعہ کتنا عبرت خیز ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست خاص بھی ہیں اور داماد بھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی گھر میں ہے مگر مسلمان نہیں ہوتے۔ بیوی سے اس قدر محبت ہے کہ مشرکین مکہ کے زور دینے پر بھی طلاق نہیں دیتے۔ بدر میں قید ہوئے اور قید سے آزاد ہو کر بیوی کو مدینہ منورہ بھیج دیا مگر ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا۔ پھر جب اللہ رب العزت نے ہدایت دی تو بڑی خوشی سے اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے جس کا واقعہ یہ ہے کہ فتح مکہ سے کچھ پہلے انہوں نے ایک قافلہ کے ساتھ شام کا تجارتی سفر کیا۔ قریش کے بہت سے مال آدھے ساجھے پر تجارت کے لئے ساتھ لے گئے۔ جب واپس ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دستہ جس کے امیر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے آڑے آیا اور اس دستہ نے اس قافلہ کا مال چھین لیا اور کچھ لوگوں کو قید کر لیا۔ حضرت ابوالعاص قید میں نہ آئے بلکہ بھاگ کر مدینہ منورہ چلے گئے اور رات کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ کر پناہ مانگی۔ انہوں نے پناہ دے دی۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز سے فارغ ہو گئے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے زور سے پکار کر کہا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي أَجَرْتُ أَبَا الْعَاصِ بْنَ الرَّبِيعِ (کہ اے لوگو! میں نے ابوالعاص کو پناہ دے دی ہے) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہو کر سوال فرمایا کیا آپ حضرات نے سنا۔ زینبؓ نے کیا کہا؟ حاضرین نے کہا جی ہاں ہم نے سنا۔ اس

منصف عادل صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر دو عالم قربان جس نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا جواب سن کر فرمایا اَمَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ مَا عَلِمْتُ بِذَالِكَ حَتّٰی سَمِعْتُهٗ كَمَا سَمِعْتُمْ (یعنی قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس وقت سے پہلے مجھے بھی پتہ نہیں تھا کہ ابوالعاص مدینہ میں ہیں اور ان کو زینب نے پناہ دی ہے مجھے اس کا علم اسی وقت ہوا ہے جب کہ تمہارے کان میں زینبؓ کے اعلان کی آواز پہنچی) اس کے بعد فرمایا کہ ادنیٰ مسلمان بھی کسی کو پناہ دے دے تو سب مسلمانوں کو اس کا پورا کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

پھر یہ فرما کر آپؐ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے اور ان سے فرمایا کہ ابوالعاص کو اچھی طرح رکھنا اور میاں بیوی والے تعلق کو نہ ہونے دینا کیونکہ تم ان کے لئے حلال نہیں ہو۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یہ اپنا مال لینے کے لئے آئے ہیں۔ یہ سن کر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دستہ کو جمع کیا جنہوں نے ان کا مال چھینا تھا اور فرمایا کہ اس شخص (ابوالعاص) کا جو تعلق ہم سے ہے اس سے تو آپ لوگ واقف ہیں اور اس کا مال تم لوگوں کے ہاتھ لگ گیا ہے جو تمہارے لئے اللہ کی طرف سے عنایت ہے کیوں کہ دارالحرب کے غیر مسلم کا مال ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ اس کے ساتھ احسان کریں اور جو مال اس کا لے لیا ہے واپس کر دیں۔ لیکن اگر تم ایسا نہ کرو تو میں مجبور نہیں کر سکتا۔ اس مال کے تم ہی حق دار ہو۔

یہ سن کر سب نے عرض کیا کہ ہم ان کا مال واپس کر دیتے ہیں اور پھر اس پر عمل کیا اور جو مال لیا تھا وہ سارا ان کو واپس دے دیا۔ اس مال کو لے کر وہ مکہ معظمہ پہنچے۔ اور جس جس کا جو حق ان پر بنتا تھا سب ادا کر دیا اور اس کے بعد کلمۂ شہادت اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ سچے دل سے پڑھا اور مکہ والوں سے کہا (میں نے یہاں پہنچنے کی کوشش اس لئے کی اور) مدینہ میں کلمہ پڑھنے کے بجائے یہاں کلمۂ اسلام پڑھا کہ اگر وہیں اسلام قبول کر لیتا تو تم لوگ یہ سمجھتے کہ ہمارے مال مارنے کے لئے مسلمان ہو گیا ہے اب میں نے

تمہارے تمام حقوق ادا کر دیئے ہیں اور اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ چلے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے دوبارہ[عہ] ان کا نکاح فرما دیا[1]۔

چھ سال کے بعد حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دوبارہ آئیں اور ان ہی کے نکاح میں وفات[2] پائی۔ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے ذی الحجہ سلسہ میں وفات پائی۔ رضی اللہ وارضاہ[3]۔

اولاد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے ایک صاحبزادہ اور ایک صاحبزادی تولد ہوئے۔ صاحبزادی کا نام اُمامہ تھا اور صاحبزادہ کا نام علی تھا۔ فتح مکہ کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر جو علی سوار تھے وہ یہی علی بن ابی العاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے سن بلوغ کے قریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی ہی میں وفات پائی۔ ان کی بہن حضرت امامہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبت تھی۔ ایک مرتبہ آپؐ کے پاس کہیں سے ایک ہار آگیا تھا۔ اس کے متعلق آپؐ نے فرمایا کہ اسے اپنے گھر والوں میں سے اس کو دوں گا جو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ یہ ارشاد سن کر عورتوں نے سمجھ لیا کہ بس ابوبکرؓ کی بیٹی عائشہؓ ہی کو ملے گا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کے گلے میں ڈال دیا[4]۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بھانجی حضرت امامہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمالیا تھا۔ ان کو اس کی وصیت حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کی تھی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت نوفل بن مغیرہ رضی اللہ عنہ سے حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا۔ ان سے ایک صاحبزادہ یحییٰ نامی کی ولادت ہوئی۔ لیکن بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ نہ حضرت علی

---

[1] اسد الغابہ۔ [2] اسد الغابہ ۱۲۔ [3] الاصابہ ۱۲۔ [4] الاصابہ ۱۲۔

[عہ] وقیل ردّها الیہ بالنکاح الاوّل واختلف الروایات فی ذالک ۱۲ منہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں ان کے بطن مبارک سے کوئی اولاد ہوئی نہ حضرت نوفل رضی اللہ عنہ کے نکاح میں[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل شریف صرف حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے چلی اور کسی صاحبزادی سے آپ کی نسل نہیں بڑھی۔ (قال فی الاصابہ وانقطع نسل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الا من فاطمۃ[2])

وفات حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ۸ھ میں وفات پائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کی قبر میں اُترے۔ اس وقت آپ کے چہرے پر رنج وغم کے آثار موجود تھے۔ جب آپ قبر کے اوپر تشریف لائے تو فرمایا کہ مجھے زینب کے ضعف کا خیال آگیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ قبر کی تنگی اور اس کی گھٹن سے زینب کو محفوظ فرمادے۔ اللہ تعالیٰ نے دُعا قبول فرما کر آسانی فرمادی[3]

رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاہا

---

[1] اسد الغابہ ۱۲ ۔ [2] الاصابہ ۱۲ ۔ [3] اسد الغابہ ۱۲

حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی ہیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سب صاحبزادیوں میں بڑی تھیں۔ ان کے بعد حضرت اُمِ کلثوم اور حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیدا ہوئیں ان دونوں میں آپس میں کون سی بڑی تھیں۔ اس میں سیرت لکھنے والوں کا اختلاف ہے۔ بہرحال یہ دونوں بہنیں اپنی بہن حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے چھوٹی تھیں۔

ان دونوں بہنوں کا نکاح ابولہب کے بیٹوں عُتبہ اور عُتیبہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کر دیا تھا۔ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح عتبہ سے اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح عتیبہ سے ہوا تھا۔ ابھی صرف نکاح ہی ہوا تھا رخصت نہ ہونے پائی تھیں کہ قرآن مجید کی سورت تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَھَبٍ نازل ہوئی۔ جس میں ابولہب اور اس کی بیوی (ام جمیل) کی مذمت (برائی) کی گئی ہے اور ان کے دوزخ میں جانے سے مطلع کیا گیا ہے۔ جب یہ سورت نازل ہوئی تو ابولہب نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹیوں کو طلاق دے دو۔ ورنہ تم سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔ ابولہب کی بیوی ام جمیل نے بھی بیٹوں سے کہا کہ یہ دونوں لڑکیاں (یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں العیاذ باللہ) بددین ہو گئی ہیں لہٰذا ان کو طلاق دے دو۔ چنانچہ دونوں لڑکوں نے ماں باپ کے کہنے پر عمل کیا اور طلاق دے دی[1]۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح | جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ رضؓ کا نکاح عتبہ سے کر دیا تو اس کی خبر حضرت عثمان رضؓ کو ملی وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس خبر سے ان کو بڑا ملال ہوا۔ اور یہ حسرت ہوئی کہ کاش میرا نکاح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صاحبزادی رقیہ رضؓ سے ہو جاتا۔ یہ

---

[1] اسد الغابہ ۱۲

سوچتے ہوئے اپنی خالہ حضرت سعدیٰ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے اور ان سے تذکرہ کیا۔ خالہ صاحبہ نے ان کو اسلام کی ترغیب دی۔ وہاں سے چل کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان کو اپنی خالہ کی باتیں بتائیں جو انہوں نے اسلام کی ترغیب دیتے ہوئے کہی تھیں۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کی باتوں کو سراہتے ہوئے خود بھی دعوتِ اسلام پیش کی اور فرمایا:

ویحك یا عثمان انك لرجل حازم ایخفی علیك الحق من الباطل ھذہ الاوثان التی یعبدھا قومك الیست حجارۃ صما لا تسمع ولا تبصر ولا تضر ولا تنفع۔

افسوس اے عثمان! (اب تک دعوتِ حق تم نے قبول نہیں کی) تم تو ہوشیار اور سمجھدار آدمی ہو حق اور باطل کو پہچان سکتے ہو۔ یہ بُت جن کو تمہاری قوم پوجتی ہے کیا گونگے پتھر نہیں ہیں جو نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ نفع ضرر پہنچا سکتے ہیں۔

یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بے شک آپ نے سچ کہا۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو ساتھ لئے تشریف لے آئے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے آپ کے سامنے اسلام قبول کر لیا۔[1]

ان ہی دنوں میں ابو لہب کے بیٹوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کو طلاق دے دی تھی۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رقیہؓ حضرت ام کلثوم سے بڑی تھیں۔ دونوں کو ایک ساتھ طلاق ہوئی تو بظاہر عقل کا مقتضا یہ ہے کہ پہلے بڑی دختر کی شادی کی ہوگی۔[2] (واللہ تعالےٰ اعلم)

ہجرتِ حبشہ جوں جوں مسلمان بڑھتے جا رہے تھے اور اسلام کے حلقہ بگوشوں کے جتھے میں اضافہ ہوتا جاتا تھا مشرکینِ مکہ اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کی تدبیریں

---

[1] الاصابہ ۱۲ [2] الاستیعاب، اسد الغابہ ۱۲۔

کرتے جارہے تھے۔ ان ظالموں نے خدائے وحدہ لاشریک کے پرستاروں کو اس قدر ستایا کہ اپنے دین کی سلامتی اور جان کی حفاظت کے لئے ان حضرات کو اپنے مالوف وطن چھوڑنے پڑے۔ مسلمانوں کی ایک جماعت ترک وطن کرکے حبشہ کو چلی گئی ان میں حضرت عثمانؓ بھی تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ بنت سید البشر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر حبشہ کو ہجرت کی تھی۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ حبشہ کو روانہ ہوئے تو (کئی روز تک) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی خیر خبر نہ ملی۔ آپؐ اس فکر میں مکہ معظمہ سے باہر جاکر مسافروں سے معلوم فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز ایک عورت نے کہا کہ میں نے ان کو دیکھا ہے۔ اس کا جواب سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ ان کا ساتھی ہے۔ بے شک لوط علیہ السلام کے بعد عثمانؓ سب سے پہلا مہاجر ہے جس نے اپنی اہلیہ کے ساتھ ہجرت کی ہے۔[1]

حبشہ کو دوبارہ ہجرت

ان دونوں حضرات کے ساتھ چند مسلمان مرد عورتیں اور بھی تھے۔ جب یہ حضرات حبشہ پہنچ گئے تو وہاں یہ خبر ملی کہ مکہ والے مسلمان ہوگئے ہیں اور اسلام کو غلبہ ہوگیا ہے۔ اس خبر سے یہ حضرات بہت خوش ہوئے اور اپنے وطن کو واپس لوٹے لیکن مکہ معظمہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے اور پہلے سے بھی زیادہ تکلیفیں مسلمانوں کو دی جارہی ہیں۔ یہ سن کر بہت قلق ہوا۔ پھر ان میں سے بعض حضرات وہیں سے حبشہ کو واپس ہوگئے۔ پہلی ہجرت کے بعد ایک بڑی جماعت نے (جس میں ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں بتلائی جاتی ہیں) متفرق طور پر ہجرت کی۔ اور پہلی ہجرت حبشہ کی ہجرتِ اولیٰ اور یہ دوسری ہجرت حبشہ کی ہجرتِ ثانیہ کہلاتی ہے۔ بعض صحابہؓ نے حبشہ کو دونوں ہجرتیں کیں اور بعض نے صرف ایک ہجرت کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہؓ کے ساتھ دونوں مرتبہ حبشہ کو ہجرت کی تھی قال فی اسد الغابۃ وھاجرا کلاھما الی ارض

---

[1] اسد الغابہ ۱۲

الحبشة الهجرتین ثم الی مکۃ و ھاجر الی المدینۃ ۔

مدینہ منوّرہ کو ہجرت دوسری مرتبہ دونوں حضرات (حضرت عثمان اور حضرت رقیہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ہجرت کرکے حبشہ تشریف لے گئے۔ پھر وہاں سے مکہ معظمہ تشریف لے آئے اور اس کے بعد مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی قال الحافظ فی الاصابۃ والذی علیہ اہل السیر ان عثمان رجع الی مکۃ من الحبشۃ مع من رجع ثم ھاجر باھلہ الی المدینۃ ۔

اولاد حضرت رقیہؓ رضی اللہ عنہا کے بطن سے صرف ایک صاحبزادہ تولد ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ اس صاحبزادہ کی ولادت حبشہ میں ہوئی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک صاحبزادہ کا نام، اسلام سے پہلے عبداللہ تھا۔ اس کی وجہ سے ابوعبداللہ کنیت تھی۔ پھر جب حضرت رقیہؓ رضی اللہ عنہا سے صاحبزادہ تولد ہوا تو اس کا نام بھی عبداللہ تجویز کیا اور اپنی کنیت ابوعبداللہ باقی رکھی[1]۔

اس صاحبزادہ نے چھ برس کی عمر پائی اور جمادی الاولیٰ ۴؁ھ میں وفات پائی۔ حضرت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قبر میں اتارا۔ وفات کا سبب یہ ہوا کہ ایک مرغ نے ان کی آنکھ میں ٹھونگ ماردی جس کی وجہ سے چہرہ پر ورم آگیا۔ مرض نے ترقی کی حتیٰ کہ راہیٔ ملکِ بقا ہوگئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ[2]۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت رقیہؓ رضی اللہ عنہا کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی[3]۔

وفات حضرت رقیہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ۲؁ھ میں وفات پائی۔ یہ غزوۂ بدر کا زمانہ تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ بدر کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت رقیہؓ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں ان کی تیمارداری کے لئے آپؐ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] الاستیعاب ۱۲۔ [2] اسد الغابہ [3] الاصابہ ۱۲

کو چھوڑکر روانہ ہوئے اور چونکہ آپؐ کے ارشاد سے انہوں نے غزوۂ بدر کی شرکت سے محرومی منظور کی تھی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس مبارک غزوہ میں شریک ہی مانا اور مالِ غنیمت میں ان کا حصہ بھی لگایا۔

جس روز حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ منورہ پہنچے اسی روز حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ ابھی ان کو دفن کر ہی رہے تھے کہ اللہ اکبر کی آواز آئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضرین سے پوچھا کہ یہ تکبیر کیسی ہے؟ لوگوں نے توجہ سے دیکھا تو نظر آیا کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر سوار ہیں اور معرکۂ بدر سے مشرکین کی شکست اور مسلمانوں کی فتح کی خوش خبری لے کر آئے ہیں۔ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جسم مبارک پر سوزش والے آبلے اور زخم پڑ گئے تھے۔ اسی مرض میں وفات پائی [1]

سید کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غزوہ بدر کی شرکت اور مشغولیت کی وجہ سے ان کے دفن میں شریک نہ ہو سکے تھے۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وعترتہ وصحبہ وبارك وسلم۔

---

[1] اسد الغابہ ۱۲

حضرت امّ کلثوم رضی اللہ عنہا

حضرت سیدِ عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کا عُتیبہ بن ابی لہب سے نکاح ہوا تھا۔ ابھی رخصتی نہ ہونے پائی تھی کہ ماں باپ کے کہنے سے اس نے حضرت امّ کلثوم رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو طلاق دے دی۔ (جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے)۔

حضرت رقیہ اور حضرت امّ کلثوم رضی اللہ عنہا کو ایک ساتھ طلاق ہوئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا نکاح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کردیا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح اس کے بعد کسی سے نہیں کیا۔ حتیٰ کہ جب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کا بھی نکاح فرمادیا۔ یہ نکاح مدینہ منورہ میں ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو یہ شرفِ امتیازی حاصل ہے کہ ان کے نکاح میں یکے بعد دیگرے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں رہیں۔ اسی لئے ان کو ذوالنورین (دو نور والے) کہتے ہیں۔

ہجرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ منوّرہ کو ہجرت فرمائی تھی تو اپنے گھر والوں کو مکّہ معظمہ ہی میں چھوڑ گئے تھے اور آپ کے رفیقِ خاص حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ پھر مدینہ منورہ پہنچ کر دونوں حضرات نے آدمی بھیج کر اپنے اپنے کنبہ کو بلوالیا۔ قافلہ میں حضرت امّ کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھیں [1]

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عقد حضرت رقیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ہی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بیوہ ہوگئی تھیں جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] الاستیعاب ۱۲

کی صاحبزادی تھیں۔ ان کے شوہر حضرت خُنَیس بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے میدان جہاد میں ان کے زخم آگیا۔ اسی کے اثر سے وفات پائی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فکرمند تھے۔ انہوں نے اس بارے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تذکرہ کیا اور ان سے کہا کہ میری لڑکی سے تم نکاح کر لو۔ انہوں نے جواب دیا کہ سردست میرا ارادہ نہیں ہے۔ نیز حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے وہی بات کہی جو حضرت عثمان سے کہی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ خاموش ہو گئے اور کچھ جواب نہ دیا جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ آپؐ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا کہ عمرؓ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح عثمانؓ سے کرنا چاہا اور وہ خاموش ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا کیا عثمان کے لئے ایسی عورت نہ بتا دوں جو ان کے لئے حفصہ سے بہتر ہے اور کیا حفصہؓ کے لئے ایسا شوہر نہ بتا دوں جو ان کے لئے عثمانؓ سے بہتر ہے۔ یہ فرما کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے نکاح میں لے لیا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔[1]

حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہو گئی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ غمگین اور رنجیدہ ہیں۔ آپؐ نے سوال فرمایا کہ میں تم کو رنجیدہ کیوں دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا مجھ سے زیادہ کسی کو مصیبت پہنچی ہو گی؟ اللہ کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی صاحبزادی جو میرے نکاح میں تھی اس کی وفات ہو گئی جس سے میری کمر ٹوٹ گئی، اور میرا جو آپ سے رشتۂ دامادی تھا وہ نہیں رہا۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عثمان! لو یہ جبرئیل آئے ہیں اور اللہ کی طرف سے مجھ کو حکم دے رہے ہیں کہ تم سے تمہاری متوفی بیوی کی بہن اُم کلثوم کا اسی مہر پر نکاح

---

[1] الاستیعاب فی ذکر حفصہؓ ۱۲

کردوں جو تمہاری بیوی کا تھا اور تم اس کو اس طرح رکھو جس طرح خوشگواری کے ساتھ اس کی بہن کو رکھتے تھے۔ یہ فرما کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا۔ یہ نکاح ربیع الاول ۳ھ میں ہوا۔ اور رخصتی جمادی الثانیہ ۳ھ میں ہوئی۔ حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا نے چھ برس حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں رہ کر ملکِ بقا کا سفر اختیار کیا اور ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی [1]

وفات حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ۹ھ ماہ شعبان میں وفات پائی۔ حضرت اُمِ عطیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اور بعض دوسری صحابیات نے ان کو غسل دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی [2]

حضرت لیلیٰ بنت قانف رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ان عورتوں میں سے تھی جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل دیا۔ غسل کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کفن لے کر ان کو ہم نے کفن دیا۔ کفن کے کپڑے آپؐ کے پاس تھے آپؐ دروازہ کے پاس سے ہم کو دیتے رہے [3]

دفن کے لئے جب جنازہ قبر کے قریب لایا گیا تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے رات (کسی عورت سے) مباشرت نہ کی ہو؟۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں ایسا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ تم قبر میں اتر جاؤ۔ چنانچہ وہ قبر میں اُترے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھوں سے اس وقت آنسو جاری تھے [4]

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ قبر میں اتارنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور

---

[1] اسد الغابہ ۱۲۔ [2] اسد الغابہ والاصابہ ۱۲۔ [3] الاستیعاب فی ذکر لیلیٰ رضی اللہ عنہا ۱۲۔

[4] مشکوٰۃ عن البخاری ۱۲۔

حضرت فضل اور حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی شریک تھے[1]

حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری تیسری لڑکی (بے بیاہی) ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی حضرت عثمانؓ سے کر دیتا[2]

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ (اس موقعہ پر) سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری ۴۰ لڑکیاں (بھی) ہوتیں تو یکے بعد دیگرے عثمانؓ سے نکاح کرتا جاتا۔ حتیٰ کہ ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہتی[3]

رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاھا

---

[1] الاستیعاب ۱۲۔ [2] اسد الغابہ ۱۲۔ [3] اسد الغابہ فی ذکر عثمانؓ ۱۲۔

عُتبہ اور عُتیبہ کا انجام

ابولہب بدبخت کے ایک لڑکے کا نام عتبہ اور دوسرے کا نام عتیبہ اور تیسرے کا معتب تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عُتبہ سے حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اور عتیبہ سے حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح کر دیا تھا۔ پھر جب ان کے والدین نے ان سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی لڑکیوں کو طلاق دے دو تو دونوں نے طلاق دے دی۔ لیکن فرق یہ ہوا کہ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر نے تو صرف طلاق ہی دی اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر نے طلاق بھی دی اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر آپؐ کی گستاخی اور بے ادبی بھی کی اور نامناسب الفاظ زبان سے نکالے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بد دُعا دی اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ اے اللہ! اپنے پھاڑنے والے جانوروں میں سے ایک جانور کو اس پر مسلط فرما۔ اس وقت ابوطالب بھی وہاں موجود تھے۔ وہ باوجود مسلمان نہ ہونے کے یہ بددُعا سن کر سہم گئے اور اس لڑکے سے کہا کہ اس بددعا سے تجھے خلاصی نہیں۔

اس کے بعد ایک موقعہ پر ابولہب ایک قافلہ کے ساتھ شام کے سفر میں روانہ ہوا۔ اس کے ساتھ یہ لڑکا بھی تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا لے چکا تھا۔ ابولہب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی دشمنی اور عداوت تھی مگر یہ ضرور سمجھتا تھا کہ ان کی بددعا ضرور رنگ کر رہے گی۔ اس لئے اس نے قافلہ والوں سے کہا کہ مجھے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی بددُعا کی فکر ہے۔ سب لوگ ہماری خبر رکھیں۔ چلتے چلتے ایک منزل پر پہنچے۔ وہاں درندے بہت تھے۔ لہٰذا حفاظتی تدبیر کے طور پر یہ انتظام کیا کہ تمام قافلہ کا سامان ایک جگہ جمع کر کے ایک ٹیلہ سا بنا دیا اور پھر اس کے اوپر عتیبہ کو سلا دیا اور باقی تمام آدمی اس کے چاروں طرف سو گئے۔

اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کو کون بدل سکتا ہے؟ تدبیر ناکام ہوئی اور رات کو ایک شیر آیا اور سب کے منہ سونگھے اور سب کو چھوڑتا چلا گیا۔ پھر اس زور سے زقند لگائی کہ سامان کے ٹیلہ پر جہاں عتیبہ سو رہا تھا وہیں پہنچ گیا اور پہنچتے ہی اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اس نے ایک آواز بھی دی مگر ساتھ ہی ختم ہو چکا تھا۔ نہ کوئی مدد کر سکا نہ مدد کا فائدہ ہو سکتا تھا۔ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا۔ (الکہف)

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا شوہر مسلمان ہو گیا تھا۔ اور یہ واقعہ دوسرے بھائی کے ساتھ پیش آیا (جس سے حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ہوا تھا) بہرحال حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلے شوہروں میں سے ایک مسلمان ہوئے اور دوسرے کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔

جمع الفوائد میں اس (شیر والے) واقعہ کو عتیبہ کے متعلق لکھا ہے اور اسی کو حضرت ام کلثومؓ کا شوہر بتایا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ شام کو جاتے ہوئے جب اس قافلہ نے مقام زرقاء میں منزل کی تو ایک شیر آ کر ان کے گرد پھرنے لگا۔ اس کو دیکھ کر عتیبہ نے کہا کہ ہائے ہائے یہ تو مجھ کو کھا کے چھوڑے گا جیسا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بددُعا دی تھی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھے بیٹھے مجھے یہاں قتل کر دیا۔ اس کے بعد وہ شیر چلا گیا اور جب سو گئے تو دوبارہ آ کر اس کو قتل کر دیا۔

دلائل النبوت میں بھی اس واقعہ کو درج کیا ہے مگر مقتول کا نام عتبہ بتایا ہے سلسلۂ بیان میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب وہ قافلہ شام میں داخل ہو گیا تو ایک شیر زور سے بولا۔ اس کی آواز سن کر اس لڑکے کا جسم تھرتھرانے لگا۔ لوگوں نے کہا تو کیوں کانپتا ہے جو ہمارا حال وہی تیرا حال۔ اس قدر ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے بددعا دی تھی، خدا کی قسم! آسمان کے نیچے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سچا کوئی نہیں۔ اس کے بعد رات کا کھانا کھانے کے لئے بیٹھے تو ڈر کی وجہ سے اس لڑکے کا ہاتھ کھانے تک نہ گیا۔ پھر سونے کا وقت آیا تو

سب قافلہ والے اس کو گھیر کر اپنے درمیان میں کر کے سو گئے اور شیر بہت معمولی آواز سے بھنبھناتا ہوا آیا اور ایک ایک کو سونگھتا رہا۔ حتیٰ کہ اس لڑکے تک پہنچ گیا اور اس پر حملہ کر دیا۔ آخری سانس لیتے ہوئے اس نے کہا کہ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے زیادہ سچے ہیں۔ یہ کہہ کر مر گیا۔ ابولہب نے بھی کہا کہ میں پہلے سمجھ چکا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بددعا سے اس لڑکے کو چھٹکارا نہیں لے

لیکن صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ عتیبہ کے ساتھ پیش آیا کیونکہ عتبہ کے متعلق الاصابہ اور الاستیعاب اور اسدالغابہ میں لکھا ہے کہ وہ مسلمان ہو گئے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اصابہ میں لکھتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح کے موقعہ پر مکہ معظمہ تشریف لائے تو آپؐ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تمہارے بھائی (ابولہب) کے بیٹے عتبہ اور معتب کہاں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ دونوں مکہ چھوڑ کر چلے گئے ہیں آپؐ نے فرمایا ان کو لے آؤ۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان کو عرفات سے جا کر لے آئے۔ وہ دونوں عجلت کے ساتھ آگئے اور اسلام قبول کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے چچا کے ان دونوں لڑکوں کو اپنے رب سے مانگ لیا ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ عتبہؓ مکہ ہی میں رہے اور وہیں وفات پائی۔ غزوۂ حنین کے موقعہ پر یہ دونوں بھائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

کتنی بڑی شقاوت اور بدبختی ہے کہ ابولہب اور خود اس کا لڑکا جان رہے ہیں اور دل سے مان رہے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بڑھ کر کوئی سچا نہیں اور ان کی بددعا ضرور لگے گی اور خداوند عالم کی طرف سے ضرور عذاب دیا جائے گا مگر پھر بھی دین حق قبول کرنے اور کلمۂ اسلام پڑھنے کو تیار نہ ہوئے۔ جب دل میں ہٹ دھرمی اور ضد بیٹھ جاتی ہے تو اچھا خاصا سمجھدار انسان باطل پر جم جاتا ہے اور عقل کی رہنمائی کو قبول کرنے کے بجائے نفس کا شکار بن کر اللہ رب العزت کی ناراضگی کی طرف چلا جاتا ہے اعاذنا اللہ تعالیٰ من شر الانفس وتسویل الشیطٰن آمین یارب العالمین۔

لے دلائل النبوت ص۱۹۳ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد ۱۲

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر والوں میں سب سے زیادہ پیاری تھیں۔ علماء نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں عمر میں سب سے چھوٹی بتایا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے ایک صاحب نے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب کون تھا؟ جواب میں فرمایا فاطمہ! سائل نے دوبارہ دریافت کیا کہ مردوں میں کون زیادہ محبوب تھا؟ جواب میں فرمایا کہ فاطمہ کا شوہر[1]۔

الاصابہ میں لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے اکتالیسویں سال ہوئی۔ مدائنی فرماتے ہیں کہ ان کی ولادت اس وقت ہوئی جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف ۳۵ سال تھی اور اس وقت قریش کعبۃ اللہ کی تعمیر میں لگے ہوئے تھے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ مشغول تھے۔

جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو رب العزت کی جانب سے تبلیغ کا حکم ہوا اور آپ نے بامر الٰہی توحید کی دعوت دینا شروع کر دی تو قریش مکہ آپ کے دشمن ہو گئے اور طرح طرح سے آپ کو ستانے لگے۔ آپ کی تکلیف سے آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا اور آپ کی اولاد سب ہی کو تکلیف پہنچتی اور دکھ ہوتا تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنی کم عمری میں ان تکلیفوں کو سہتی تھیں۔ ایک مرتبہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ شریف کے قریب نماز کی نیت باندھ لی۔ وہیں قریش اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ان میں سے ایک بدبخت[ع] نے حاضرین مجلس سے کہا کہ بولو تم میں سے کون اس کام کو کر سکتا ہے کہ فلاں خاندان نے جو اونٹ ذبح کیا ہے اس کی اوجھڑی

[1] الاستیعاب ۱۲۔ [ع] ھو ابو جھل کما فی جمع الفوائد۔

اور خون اور لید لے آئے اور پھر جب یہ سجدہ میں جائیں تو ان کے کاندھوں کے درمیان رکھ دے۔ یہ سن کر ایک شقی اٹھا جو اس وقت کے حاضرین میں سب سے زیادہ بدبخت تھا۔ اس نے یہ سب گندی چیزیں لاکر سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کاندھوں کے درمیان رکھ دیں اور آپ سجدہ ہی میں رہ گئے۔ آپ کا یہ حال دیکھ کر ان لوگوں نے (بے خود ہو کر) ہنسنا شروع کیا اور اس قدر ہنسے کہ ہنسی کی وجہ سے ایک دوسرے پر گرنے لگے۔

کسی نے یہ ماجرا دیکھ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جاکر خبر دی (اس وقت وہ نوعمر تھیں) خبر پاکر دوڑی چلی آئیں اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کاندھوں سے اٹھا کر وہ گندگی پھینک دی اور ان لوگوں کو بُرا کہنے لگیں۔ پھر جب سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ نے تین مرتبہ بددُعا فرمائی۔ آپ کی عادت تھی کہ جب دُعا فرماتے تو تین مرتبہ فرماتے تھے اور جب اللہ سے سوال کرتے تھے تو تین مرتبہ سوال کرتے تھے۔ آپ نے اوّل تو قریش کے لئے عام بددعا کی اَللّٰھُمَّ عَلَیْكَ بِقُرَیْشٍ (اے اللہ تو قریش کو سزا دے) اور اس کے بعد قریش کے سرغنوں کے نام لے کر ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ بددُعا فرمائی[1]

الغرض حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بچپن دین کے لئے تکلیفیں سہنے میں گزرا حتیٰ کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی ایذاؤں سے بچنے کے لئے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی۔

ہجرت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رفیقِ سفر بنا کر ہجرت کی تھی اور آپ اپنے تمام کنبہ کو مکہ معظمہ ہی میں چھوڑ گئے تھے۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کا پورا اتباع کیا اور اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر آپ کے ساتھ چلے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو ہم دونوں بیویوں حضرت سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اور

عـــہ فی جمع الفوائد لجارت وھی جویریۃ

[1] مشکوٰۃ عن البخاری و مسلم ۱۲

اپنی صاحبزادیوں کو مکہ ہی میں چھوڑ کر تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ پہنچ کر جب آپؐ مقیم ہوگئے تو زید بن حارثہؓ اور ابو رافعؓ کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دے کر مکہ بھیجا تاکہ ہم سب کو مدینہ منورہ لے جائیں اور حضرت ابوبکرؓ نے بھی اس مقصد سے دو یا تین اونٹ دے کر آدمی بھیجا اور اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو لکھ دیا کہ سارے کنبہ کو لے آؤ، چنانچہ حضرت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سب گھر والوں نے ایک ساتھ مدینہ منورہ کو ہجرت کی۔ اس قافلہ میں حضرت فاطمہؓ اور ان کی بہن حضرت ام کلثومؓ اور ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما اور ان کے علاوہ دیگر حضرات تھے۔

جس وقت یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا، سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے آس پاس اپنے اہل وعیال کے لئے حجرے بنوا رہے تھے۔ ان ہی میں آپ نے اپنی صاحبزادیوں اور ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو ٹھیرا دیا۔

شادی ہجرت کے بعد ۲ھ میں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کر دیا۔ اس وقت سیّدہ فاطمہ زہراؓ کی عمر ۱۵ سال ۵½ ماہ تھی اور حضرت علی مرتضیٰ کی عمر ۲۱ سال ۵ ماہ تھی (الاستیعاب)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام دیا کہ حضرت سیّدہ فاطمہ زہراؓ سے میرا نکاح فرما دیں لیکن آپؐ نے اعراض فرمایا۔ پھر ان کے بعد حضرت عمرؓ نے بھی یہی پیغام دیا لیکن آپؐ نے ان کے پیغام سے بھی اعراض فرمایا، جب کہ ان دونوں اکابر کو معلوم ہوگیا کہ آپ ہمارے نکاح میں نہ دیں گے تو دونوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رائے دی کہ تم اپنے لئے پیغام دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے انہیں حضرات نے اس چیز کی طرف متوجہ کیا جس سے میں غافل تھا۔ ان کے توجہ دلانے سے میں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور پیغام نکاح دے دیا[1]۔

---

[1] زرقانی علی المواہب ۱۲

مسند امام احمدؒ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ خود ان کی زبانی نقل کیا ہے کہ جب میں نے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے بارے میں اپنے نکاح کا پیغام دینے کا ارادہ کیا تو میں نے (دل) میں کہا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر یہ کام کیونکر انجام پائے گا؟ لیکن اس کے بعد ہی میرے دل میں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اور نوازش کا خیال آگیا (اور سوچ لیا کہ آپؐ خود ہی کچھ انتظام فرما دیں گے) لہٰذا میں نے حاضرِ خدمت ہو کر پیغام نکاح دے دیا۔ آپؐ نے سوال فرمایا کہ تمہارے پاس کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں! فرمایا وہ زرہ کہاں گئی جو میں نے تم کو فلاں روز دی تھی؟ میں نے عرض کیا جی ہاں وہ تو ہے؟ فرمایا اس کو (مہر میں) دے دو۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب میں نے اپنا پیغام دیا تو سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال فرمایا کہ کچھ تمہارے پاس ہے؟ میں نے عرض کیا میرا گھوڑا اور زرہ ہے۔ فرمایا تمہارے پاس گھوڑے کا ہونا (جہاد) کے لئے ضروری ہے۔ لیکن ایسا کرو کہ زرہ کو فروخت کر دو۔ چنانچہ میں نے وہ زرہ چار سو اسی درہم میں فروخت[لہ] کر کے رقم آپؐ کی خدمت حاضر کر دی اور آپؐ کی مبارک گود میں ڈال دی۔ آپؐ نے اس میں سے ایک مٹھی بھر کر حضرت بلالؓ کو دی اور فرمایا کہ اے بلال! جاؤ اس کی خوشبو ہمارے لئے خرید کر لاؤ۔ اور ساتھ ہی ساتھ جہیز تیار کرنے کا حکم دیا چنانچہ ایک چار پائی اور چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی تیار کیا گیا (رخصتی کے روز) عشاء کی نماز سے قبل سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت امّ ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ سید السادات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

لہ خریدنے والے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے خرید کر واپس کر دی اور رقم اور زرہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس رہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زرہ اور رقم دونوں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کر دیں تو آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو بڑی دعائیں دیں ۱۲ زرقانی۔ عہ ایک اور روایت میں ہے کہ اس رقم میں سے دو تہائی خوشبو میں اور ایک تہائی کپڑوں میں خرچ کرنے کے متعلق سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ زرقانی ۱۲۔

کے گھر بھیج دیں۔ پھر نماز کے بعد خود ان کے یہاں تشریف لے گئے اور حضرت سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ پانی لاؤ۔ چنانچہ وہ ایک پیالہ میں پانی لے کر آئیں۔ آپؐ نے اس پانی سے منہ مبارک میں پانی لیا اور پھر اس پانی سے ان کے سینہ پر اور سر پر چھینٹے دیئے اور بارگاہ خداوندی میں دُعا کی۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُعِیْذُھَابِکَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ۔ اے اللہ میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود کی شرارت سے محفوظ رکھنے کے لئے آپ کی پناہ میں دیتا ہوں۔

اس کے بعد ان کے دونوں کاندھوں کے درمیان اس پانی کے چھینٹے دیئے پھر علی رضی اللہ عنہ سے بھی پانی منگایا اور اس میں کلی کر کے ان کے سر اور سینہ اور دونوں کاندھوں کے درمیان چھینٹے دیئے اور وہی دُعا دی جو لختِ جگر حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو دی تھی۔ اس کے بعد یہ فرما کر واپس تشریف لے آئے کہ بِسْمِ اللّٰہِ وَالْبَرَکَۃِ اپنی اہلیہ کے ساتھ رہو سہو[1]۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت سیّدنا علی اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے نکاح کی تفصیل نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ جاؤ ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ اور عبدالرحمٰنؓ اور چند انصار کو بلا لاؤ۔ چنانچہ میں بلا لایا۔

جب یہ حضرات حاضر ہو گئے اور اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا خطبہ پڑھا اور اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ علیؓ سے فاطمہؓ کا نکاح کر دوں۔ تم لوگ گواہ ہو جاؤ کہ میں نے چار سَو مثقال چاندی مہر

---

[1] مواہب زرقانی ۱۲۔ عہ پہلے گذر چکا ہے کہ چار سَو ۴۸۰ اسی درہم میں زرہ فروخت کر کے مہر میں اس کی قیمت حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے پیش کر دی اور یہاں ۴۰۰ مثقال چاندی کا ذکر ہے۔ دونوں روایات اس طرح جمع ہو سکتی ہیں کہ ۴۰۰ مثقال چاندی کے وزن کے چار سَو اسی درہم بنائے ہوئے ہوں جو چودہ سکہ کے اعتبار سے کسی نے حضرت فاطمہؓ کا مہر ایک سَو سینتیس ۱۳۷ روپے اور کسی نے ایک سو پچاس ۱۵۰ روپے سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ مہر فاطمی کا تعلق دراہم سے ہے روپے سے نہیں ہے۔

میں مقرر کر کے علیؓ سے فاطمہؓ کا نکاح کر دیا اگر علیؓ اس پر راضی ہوں۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طبق میں خشک کھجوریں (یعنی چھوارے) منگائے اور حاضرین سے فرمایا کہ جس کے ہاتھ چھوارے پڑیں لے لیوے۔ چنانچہ حاضرین نے ایسا ہی کیا۔ پھر اسی وقت حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ پہنچ گئے۔ ان کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا کہ بے شک اللہ تعالٰی نے مجھے حکم دیا کہ تم سے فاطمہ کا نکاح چار سو مثقال چاندی مہر مقرر کر کے کر دوں، کیا تم اس پر راضی ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی میں راضی ہوں یا رسول اللہ!

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رضامندی ظاہر کر دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا دیتے ہوئے فرمایا:

جَمَعَ اللّٰہُ بَیْنَکُمَا وَ اَعَزَّجَدَّ کُمَا	اللہ تم میں جوڑ رکھے اور تمہارا نصیب اچھا کرے
وَبَارَکَ عَلَیْکُمَا وَ اَخْرَجَ	اور تم پر برکت دے اور تم سے بہت اور پاکیزہ
مِنْکُمَا کَثِیْرًا طَیِّبًا[۱]	اولاد ظاہر فرمائے۔

الاصابہ میں لکھا ہے تزوج علی فاطمۃ فی رجب سنۃ مقدمھم المدینۃ وبنی بھا مرجعھم من بدر ولھا یومئذ ثمان عشرۃ سنۃ۔ (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ماہِ رجب میں نکاح کیا جب کہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تھے اور رخصتی غزوۂ بدر سے واپس ہونے پر ہوئی۔ اس وقت حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر[۲] ۱۸ سال تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح اور رخصتی ایک ہی ساتھ نہ ہوئی تھی۔

جہیز الاصابہ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہیز میں حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک بچھونا اور ایک چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور دو چکیاں اور دو مشکیزے عنایت فرمائے۔ ایک روایت میں چار تکیے آئے ہیں

---

[۱] مواہب لدنیہ ۱۲۔ [۲] استیعاب میں ہے کہ ان کی عمر شریف اس وقت ۱۵ سال ۵ ماہ تھی جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ اس اختلاف روایت سے مقصد میں کوئی فرق نہیں پڑتا ۱۲۔

اور ایک روایت میں چارپائی کا بھی ذکر[1] ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کی رخصتی جس رات کو ہوئی ان کا بستر مینڈھے کی کھال کا[2] تھا۔ ممکن ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر کا بستر ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بھی جہیز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت فرمایا ہو۔

ولیمہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرے روز اپنا ولیمہ کیا جس میں سادگی کے ساتھ جو میسر آیا کھلا دیا۔ ولیمہ میں جَو (کی روٹی) کھجوریں، حریرہ، پنیر، مینڈھے کا گوشت تھا[3]۔

کام کی تقسیم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی خادم نہیں تھا۔ گھر کا کام دونوں میاں بیوی مل کر کر لیتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا کام اس طرح تقسیم فرما دیا تھا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کے اندر کے کام کیا کریں (مثلاً آٹا گوندھنا پکانا، بستر بچھانا، جھاڑو دینا وغیرہ) اور علیؓ گھر سے باہر کے کام انجام دیا کریں[4]۔

اولاد جب تک حضرت فاطمہؓ زندہ رہیں حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہی چلی۔ آپ کی اولاد میں جو صاحبزادے تھے وہ قبل از بلوغ ہی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے تھے اور آپ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے تو کوئی اولاد ہی نہیں ہوئی اور حضرت رقیہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہما سے جو اولاد ہوئی تھی ان سے بھی نسل نہیں چلی[5]۔ جس قدر بھی سادات ہیں (جن کے فیوض سے شرق و غرب مستفید ہے) سب حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کی صاحبزادی سے جو نسل چلی وہ آپ کی نسل سمجھی گئی ورنہ عام قاعدہ یہ ہے کہ انسان کی نسل اس کے بیٹوں سے چلتی ہے اور بیٹی سے جو نسل چلتی ہے وہ اس کے شوہر کے باپ کی نسل مانی جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] مواہب لدنیہ مع شرح زرقانی ۱۲۔ [2] الترغیب ۱۲۔

[3] من المواہب وشرحہ ۱۲۔ [4] زاد المعاد ۱۲۔ [5] اسد الغابہ ۱۲۔

فرمایا کہ بے شک اللہ نے میرے علاوہ جو بھی نبی بھیجا اس کی ذریت اس کی پشت سے فرمائی اور میری ذریت اللہ تعالیٰ نے علیؓ کی پشت سے جاری فرمائی[1]۔ سب سے پہلے حضرت حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام حسنؓ تجویز فرمایا۔ خود ہی ان کے کان میں اذان دی اور عقیقہ کے روز حضرت سیدنا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اس کے بالوں کے وزن کی برابر چاندی صدقہ کرو۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وزن کیا تو ایک درہم (چونی بھر) یا اس سے کچھ کم وزن اترا۔

ابوداؤد اور نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کا عقیقہ فرمایا[2]۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت رمضان المبارک ۳ھ کو ہوئی۔ بعض نے شعبان ۳ھ میں ان کی ولادت بتائی ہے اور بعض علماء نے ۴ھ اور بعض نے ۵ھ بھی ان کی ولادت بتائی ہے مگر اول قول ہی ٹھیک ہے[3]۔

پھر اگلے سال حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں سے بہت محبت فرماتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ دونوں دنیا میں میرے پھول ہیں[4] اور یہ بھی فرمایا کہ یہ دونوں جنت میں جوانوں کے سردار ہیں[5]۔

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سینہ سے سر تک حضرت حسنؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے اور حضرت حسینؓ سینہ سے نیچے نیچے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے[6]۔

ان دونوں بھائیوں کے بعد تیسرے بھائی حضرت محسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی یہ نام تجویز فرمایا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں اپنی کنیت ابوحرب رکھنا چاہتا تھا۔ جب حسن کی ولادت ہوئی تو میں نے اس کا نام حرب[7] رکھ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا دکھاؤ میرا بیٹا کہاں ہے؟

---

[1] شرح المواہب للزرقانی ۱۲ [2] مشکوٰۃ شریف باب العقیقہ صفحہ ۳۶۲ ۱۲۔ [3] الاصابہ ۱۲ [4] مشکوٰۃ عن البخاری [5] مشکوٰۃ شریف ۱۲ [6] مشکوٰۃ شریف ۱۲۔ [7] حرب کا معنیٰ "جنگ" ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہادر مرد اور نبرد آزما انسان تھے۔ انہوں نے چاہا کہ کسی طرح مجھے ابوحرب کہا جانے لگے۔ اس لئے ہر مرتبہ آپؓ نے بچوں کا نام حرب رکھا۔ ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ

تم نے اس کا نام کیا رکھا؟ میں نے عرض کیا حرب رکھ دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں اس کا نام حسن ہے۔ پھر جب حسین کی ولادت ہوئی تو میں نے اس کا نام بھی حرب تجویز کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ دکھاؤ میرا بیٹا کہاں ہے؟ اس کا تم نے کیا نام رکھا؟ میں نے عرض کیا حرب نام رکھ دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں وہ حسین ہے۔ پھر جب تیسرا بچہ پیدا ہوا تو اس کا نام بھی میں نے حرب تجویز کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا دکھاؤ میرا بیٹا کہاں ہے؟ اس کا تم نے کیا نام رکھا؟ میں نے عرض کیا کہ حرب نام رکھ دیا ہے! فرمایا نہیں! وہ محسّن ہے۔ پھر فرمایا کہ میں نے جوان کے نام تجویز کئے ہیں یہ تینوں نام ہارون پیغمبر صلوات اللہ وسلامہ علیہ کے (تینوں) بچوں کے نام ہیں۔ ان کے ایک بچے کا نام شبر، دوسرے کا شبیر، تیسرے کا مشبر تھا[1] (حسن، حسین محسن ان کا ترجمہ ہے)۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے تیسرے صاحبزادہ حضرت محسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بچپن ہی میں وفات پائی[2]

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔

اوّل۔ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا جنہوں نے بچپن میں انتقال فرمایا۔ اسی وجہ سے بعض مؤرخین نے ان کو لکھا بھی نہیں ہے۔

دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ ان کا پہلا نکاح حضرت امیرالمؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا جن سے ایک صاحبزادے حضرت زیدؓ اور ایک صاحبزادی حضرت رقیہؓ پیدا ہوئیں۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عون بن جعفرؓ سے نکاح ہوا اور ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ پھر جب ان کی وفات ہوگئی تو ان کے بھائی حضرت محمد بن جعفر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے نکاح ہوا۔ ان سے ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں جو

---

[1] جمع الفوائد ومسند امام احمد ۱۲ [2] المواہب وشرحہ ۱۲

بچپن ہی میں وفات پاگئیں۔ پھر حضرت محمدؒ بن جعفرؓ کے انتقال کے بعد ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے نکاح ہوا۔ ان سے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی اور ان ہی کے نکاح میں حضرت ام کلثومؓ کی وفات ہوئی اور اسی روز ان کے صاحبزادے حضرت زیدؓ کی وفات ہوئی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پیدا ہوئے تھے۔ حضرت سیدہ فاطمہؓ کی تیسری صاحبزادی حضرت زینبؓ تھیں۔ ان کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے ہوا تھا جن سے دو صاحبزادے عبداللہؓ اور عونؓ پیدا ہوئے۔ پھر جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی تو حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے ان کی بہن حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمالیا جس کا ذکر ابھی گزرا۔ یہ اولاد (تین لڑکے تین لڑکیاں) حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔ ان کے علاوہ ان کی دوسری بیویوں سے جو بعد میں ان کے نکاح میں آئیں اور بھی اولاد ہوئی۔

مؤرخین نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام اولاد کی تعداد ۳۲ لکھی ہے جن میں ۱۴ لڑکے اور ۱۶ لڑکیاں تھیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ۱۵ لڑکے اور ۵ لڑکیاں پیدا ہوئیں اور حضرت حسینؓ کے ۶ لڑکے ۳ لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاہم

اجمعین وجعلنا بهديهم متبعين

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ

اتم واحکم

فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِی الْاَبْصَارْ

حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ پیاری اور چہیتی صاحبزادی تھیں۔ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنّت کی عورتوں کی سردار بتایا ہے۔ ان کی شادی کس سادگی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔ یہ بہت غور کرنے اور غور کرنے کے بعد اپنی اولاد کی شادیاں اس کے مطابق کرنے کی چیز ہے۔ آج لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہلِ بیت (علیہم الرحمۃ والرضوان) کی محبت کے بڑے دعوے کرتے ہیں لیکن ان کے اتباع اور اقتداء کو اپنی اور خاندان کی ذلّت اور عار سمجھتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا۔ منگنی کے تمام طریقے جن کا آج کل رواج ہے ان میں سے کوئی بکھیڑا بھی نہ کیا گیا۔ یہ طریقے لغو اور سنّت کے خلاف ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی نکاح پڑھایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ باپ کا لڑکی کے نکاح کے وقت چھپے چھپے پھرنا جس کا آج کل دستور ہے یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے خلاف ہے۔ بہتر یہ ہے کہ باپ خود اپنی لڑکی کا نکاح پڑھ دیوے۔ مہر بھی تھوڑا سا مقرر کیا گیا۔ ہزاروں روپے مہر میں مقرر کرنا اور وہ بھی فخر اور بڑائی جتانے کے لئے اور پھر ادا نہ کرنا اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کہاں ہے؟ جو لوگ مہر زیادہ باندھ دیتے ہیں اور پھر ادا نہیں کرتے وہ قیامت کے روز بیوی کے قرضداروں میں ہوں گے۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی صرف اس طرح ہوئی کہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دولہا کے پاس بھیج دیا۔ یہ دونوں جہان کے بادشاہ کی صاحبزادی کی رخصتی تھی جس میں نہ دھوم دھام نہ میانہ نہ پالکی اور نہ رو بیوں کی بکھیر، نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ گھوڑے پر چڑھ کر آئے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کمینوں کا خرچ دلوایا، نہ کنبہ برادری کا کھانا کیا نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ

نے بارات چڑھائی نہ آتش بازی کے ذریعہ اپنا مال پھونکا۔ دونوں طرف سے سادگی برتی گئی۔ قرض ادھار کر کے کوئی کام نہیں کیا۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ سردارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو نہ صرف اعتقاد سے بلکہ عمل سے ضروری سمجھیں۔

جہیز کتنا مختصر تھا؟ اس کی تفصیل ہم لکھ چکے ہیں۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے قرض ادھار کر کے جہیز تیار کیا نہ اس کی فہرست لوگوں کو دکھائی۔ نہ جہیز کی چیزوں کی تشہیر کی گئی۔ ہم کو اس کی پیروی لازم ہے اگر بیٹی کو کچھ دیں تو گنجائش سے زیادہ کی فکر میں نہ پڑیں اور ضرورت کی چیزیں دیں اور دکھاوا کر کے نہ دیں۔ کیوں کہ یہ اپنی اولاد کے ساتھ احسان ہے۔ دوسروں کو دکھلا کر دینا یا فہرست دکھانا سراسر خلافِ شرع اور خلافِ عقل ہے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے داماد اور بیٹی پر کام کی تقسیم کر دی۔ ابوداؤد شریف میں ہے کہ سردارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی چکی خود پیستی تھیں اور ہانڈی خود پکاتی تھیں اور جھاڑو خود دیتی تھیں۔ آج کل کی عورتیں اس کو عیب سمجھتی ہیں۔ بھلا جنت کی عورتوں کی سردار سے بڑھ کر کون عزت والی ہو سکتی ہے؟

آج کل کے مسلمان کہلانے والے منگنی سے لے کر شادی تک اور پھر اس کے بچوں کے پیدا ہونے اور ختنہ اور عقیقہ تک فضول رسمیں کرتے ہیں جن میں بہت سی شرکیہ رسمیں ہیں اور کافروں سے لی ہیں اور بہت سی رسمیں سودی روپیہ لے کر انجام دیتے ہیں اور ان رسموں کو کرنے میں نمازیں تک برباد کرتے ہیں اور بے شمار بڑے بڑے گناہوں میں ملوّث ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی توفیق بخشیں۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں سیدِ عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا آنا جانا

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم باخدا بھی تھے اور باخلق بھی۔ یعنی اللہ جل شانہٗ سے تعلق و محبت اور اللہ تعالےٰ کے ذکر میں بھی پوری طرح مشغول رہتے تھے اور

مخلوق کے حقوق کی ادائیگی اور میل جول میں بھی کوتاہی نہ فرماتے تھے۔ آپؐ چونکہ معلم انسانیت تھے اس لئے آپؐ کی زندگی ساری امت کے لئے نمونہ ہے۔ آپؐ کی زندگی سے سبق ملتا ہے کہ نہ تو انسان کو سراسر کنبہ و خاندان کی محبت میں پھنس کر خداوند عالم سے غافل ہو جانا چاہیئے اور نہ بزرگی کے دھوکہ میں کنبہ و خاندان سے کٹ کر اذکار و اوراد کو مشغلۂ زندگی بنا لینا چاہیئے۔ اعلیٰ اور اکمل مقام یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا پورا اتباع کرے اور ہر شعبۂ زندگی میں آپؐ کے اقتدا کو ملحوظ رکھے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے نکاح بھی کئے اور آپؐ کے اولاد بھی ہوئی پھر صاحبزادیوں کی شادیاں بھی کیں اور ان کی شادیاں کر دینے کے بعد بھی ان کی خیر خبر رکھی۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالٰے عنہا کا نکاح جب آپؐ نے حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالٰے عنہ سے کر دیا تو آپؐ اس روز رات کو ان کے پاس تشریف لے گئے اور اکثر جاتے رہتے تھے اور ان کے حالات کی خیر خبر رکھتے تھے اور ان کے بچّوں کو پیار کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت سیدنا علی اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما کے درمیان آپس میں کچھ رنجش ہوگئی تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر تشریف لے جاکر صلح کرادی۔ اس کے بعد باہر تشریف لائے اور حاضرین میں سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ جب ان کے گھر داخل ہوئے تو چہرے پر کوئی خاص خوشی کا اثر نہ تھا اور اب جب کہ باہر تشریف لائے ہیں تو چہرہ پر خوشی کے آثار ہیں؟ آپؐ نے فرمایا میں کیوں خوش نہ ہوں جب کہ میں نے اپنے دو پیاروں کے درمیان صلح کرادی[1]

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو موجود نہ پایا۔ صاحبزادی سے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں عرض کیا کہ ہمارے آپس میں کچھ رنجش ہوگئی تھی لہٰذا وہ غصّہ ہو کر چلے گئے اور میرے پاس قیلولہ[2] نہ کیا۔ ایک صاحب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھنا وہ کہاں ہیں؟

---

[1] اصابہ ۱۲ [2] دوپہر کو کھانا کھا کر سونے یا لیٹ جانے کو قیلولہ کہتے ہیں ۱۲

انہوں نے جاکر تلاش کیا اور واپس آکر عرض کیا کہ وہ مسجد میں سو رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے، دیکھا کہ وہ لیٹے ہوئے (سو رہے) ہیں اور ان کے پہلو سے چادر گر گئی ہے جس کی وجہ سے ان کے جسم کو مٹی لگ گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مٹی پونچھنے لگے اور فرمایا قُمْ اَبَا تُرَابٍ قُمْ اَبَا تُرَابٍ (او مٹی والے اٹھ! او مٹی والے اٹھ!)[1]

صاحب فتح الباری نے اس حدیث سے کئی مسئلے ثابت کئے ہیں۔ مثلاً (۱) جو غصہ میں ہو اس سے ایسی مذاق کرنا جس سے ان کو مانوس کیا جاسکے درست ہے (۲) اپنے داماد کی دلداری اور ناراضگی دور کرنا بہتر عمل ہے۔ (۳) باپ اپنی بیٹی کے گھر میں بغیر داماد کی اجازت کے داخل ہو سکتا ہے۔ جب کہ یہ معلوم ہو کہ اس کو گرانی نہ ہوگی[2]

ایک مرتبہ حضرت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ وہاں پہنچ کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوال فرمانے لگے کہ کیا یہاں چھوٹو ہے کیا یہاں چھوٹو ہے؟ اتنے میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپہنچے۔ حتیٰ کہ دونوں ایک دوسرے سے گلے لپٹ گئے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما اور جو اس سے محبت کرے۔ اس سے بھی محبت فرما[3]۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ چھوٹے سے تھے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ ہمارے بچپن کے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو اپنی ران پر بٹھاتے تھے اور دوسری ران پر حسن بن علیؓ کو بٹھا لیتے تھے اور دونوں کو چپٹا لیتے تھے اور یوں دعا فرماتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُمَا فَاِنِّیْ اَرْحَمُهُمَا۔ بعض مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے کہ میرے بیٹوں (یعنی حضرت حسنینؓ) کو لاؤ۔

---

[1] بخاری شریف [2] فتح الباری باب نوم الرجال فی المسجد [3] مشکوٰۃ عن البخاری و المسلم ۱۲۔

[4] بخاری شریف ۱۲ (ترجمہ دعا) اے اللہ ان پر رحم فرما کیونکہ میں ان پر رحم کرتا ہوں ۱۲۔

پھر آپؐ ان کو سونگھتے اور (سینہ سے) چمٹاتے تھے[1]۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ رات کو میں ایک ضرورت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا (باہر سے اپنے آنے کی اطلاع دی) آپؐ چادر لپیٹے ہوئے باہر نکلے۔ چادر میں کچھ محسوس ہوتا تھا۔ میں نے جب اپنی ضرورت پوری کر لی تو عرض کیا یا رسول اللہؐ! یہ کیا ہے جسے آپ لپیٹے ہوئے ہیں؟ آپؐ نے چادر کھول دی۔ تو میں نے دیکھا کہ آپؐ کے ایک کولہ پر حسنؓ اور دوسرے کولے پر حسینؓ ہیں۔ آپؐ نے اس وقت فرمایا کہ یہ میری اولاد ہیں اور میری صاحبزادی کی اولاد ہیں اور یہ بھی دعا دی اللّٰھم انی احبھما فاحبھما واحب من یحبھما[2]۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں باہر تشریف لائے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپؐ کے مبارک دوش پر بیٹھے ہوئے تھے[3]۔

خانگی احوال حضرت علی رضی اللہ عنہ کوئی سرمایہ دار آدمی نہ تھے۔ ان کے یہاں نہ اسباب عیش فراہم تھے نہ خورد ونوش کی فراوانی تھی۔ گھر میں نہ سامان بہت تھا نہ گھر عمدہ تھا، نہ کوئی خدمت گار تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حال (فقر وفاقہ کا) اپنے لئے پسند کیا وہی داماد اور بیٹی کے لئے پسند فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حاضر خدمت ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہؐ میرے اور علیؓ کے پاس صرف ایک مینڈھے کی کھال ہے جس پر ہم رات کو سوتے ہیں اور دن کو اس پر اونٹ کو چارہ کھلاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے میری بیٹی! صبر کر کیونکہ موسیٰ (علیہ السلام) نے دس برس تک اپنی بیوی کے ساتھ قیام کیا اور دونوں کے پاس صرف ایک عبا تھی[4] (اسی کو اوڑھتے اور اسی کو بچھاتے تھے)۔

---

[1] ترمذی ۱۲ [2] مشکوٰۃ شریف (ترجمہ دعا) اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں پس تو بھی ان سے محبت فرما اور جو ان سے محبت کرے ان سے بھی محبت فرما ۱۲۔ [3] مشکوٰۃ شریف ۱۲۔

[4] شرح مواہب لدنیہ ۱۲۔

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما موجود نہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ میرے بیٹے کہاں ہیں؟ عرض کیا آج اس حال میں صبح ہوئی کہ ہمارے گھر (کھانے کو تو کیا) چکھنے کو (بھی) کچھ نہ تھا لہٰذا ان کے والد جناب (علی رضی اللہ عنہ ان کو یہ کہہ کر (باہر) لے گئے ہیں کہ گھر میں تم کو روکر پریشان کریں گے، فلاں یہودی کے پاس گئے ہیں (تاکہ کچھ محنت مزدوری کر کے لاویں) یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس طرف توجہ فرمائی اور ان کو تلاش فرمالیا۔ وہاں دیکھا کہ دونوں بچے ایک کیاری میں کھیل رہے ہیں اور ان کے سامنے کچھ کھجوریں پڑی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کیا میرے ان بچوں کو گھر نہیں لے چلتے ہو؟ گرمی تیز ہونے سے پہلے پہلے لے چلو۔ انہوں نے عرض کیا اس حال میں آج صبح ہوئی ہے کہ ہمارے گھر میں کچھ بھی (کھانے بلکہ چکھنے کو) نہ تھا (اس لئے ان کو لے کر آیا ہوں۔ اب میرے اور بچوں کے پیٹ میں تو کچھ پہنچ گیا مگر فاطمہؓ کے لئے کچھ کھجوریں اور جمع کرنا ہے) تھوڑی سی دیر جناب اور تشریف رکھیں تو میں فاطمہؓ کے لئے (بھی) چند کھجوریں جمع کر لوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ٹھہر گئے۔ حتیٰ کہ کچھ کھجوریں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے جمع ہو گئیں۔ ان کھجوروں کو ایک چھوٹے سے کپڑے میں باندھ کر واپس ہوئے۔ ایک بچہ کو حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور دوسرے بچہ کو حضرت علی مرتضیٰ سید السادات رضی اللہ عنہ نے گود میں لیا اور اسی طرح گھر پہنچے۔[1] واقعہ کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہودی کے باغ میں مزدوری کر کے اپنے لئے اور بچوں کے لئے اور اپنی اہلیہ محترمہ کے لئے کھجوریں حاصل کی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بھی فقر و فاقہ رہتا تھا اور آپؐ کی صاحبزادی کے گھر میں بھی یہی حال تھا۔ جب کچھ میسر آجاتا تو ایک گھر دوسرے گھر کی خبر لیتا تھا۔ حضرت

---

[1] الترغیب والترہیب (جلد ۵)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میرے گھر میں کچھ نہ تھا جسے میں کھالیتا اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کچھ ہوتا تو مجھے پہنچ جاتا لہٰذا میں مدینہ سے باہر ایک جانب کو نکل گیا اور ایک یہودی کے باغ کی دیوار کے باہر سے جو شق ہوگئی تھی اندر کو جھانکا۔ باغ والے یہودی نے کہا کہ اے اعرابی کیا چاہتا ہے؟ میرے باغ کو پانی دے دے اگر ہر ڈول پر ایک کھجور لینا منظور ہو؟ میں نے کہا اچھی بات ہے، دروازہ کھول۔ چنانچہ اس نے دروازہ کھول دیا اور میں نے پانی کھینچنا شروع کر دیا۔ ہر ڈول پر وہ مجھے ایک ایک کھجور دیتا جاتا تھا۔ جب اتنی کھجوریں ہوگئیں کہ میری ہتھیلی بھر گئی تو میں نے کہا بس مجھے یہ کافی ہیں۔ ان کو کھا کر اور پانی پی کر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ آپؐ اس وقت مسجد میں صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف رکھتے تھے[۱]۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جَو کی روٹی کا ایک ٹکڑا دیا۔ آپؐ نے فرمایا اے فاطمہؓ تین روز سے میں نے کچھ کھایا نہیں۔ اتنا عرصہ گذر جانے پر یہ مجھے ملا ہے[۲]۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیقِ اکبر اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے۔ انہوں نے آپؐ کی دعوت کی اور ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے سالن پکایا اور روٹی تیار کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روٹی میں تھوڑا سا گوشت رکھ کر حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کو دیا کہ یہ فاطمہ کو پہنچا دو اس کو بھی کئی روز سے کچھ نہیں مل سکا۔ چنانچہ وہ اسی وقت پہنچا آئے۔

فضائل ومناقب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دلداری کا بہت زیادہ خیال فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

فاطمۃؓ بضعۃ منی فمن اغضبہا اغضبنی وفی روایۃ	فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔ دوسری روایت میں ہے

---

[۱] الترغیب والترہیب ۱۲ [۲] ایضاً ۱۲

یریبنی ما ارابھا ویوذینی ما اٰذاھا۔[1] کہ آپؐ نے فرمایا اس کے رنج سے مجھے رنج ہوتا ہے اور اس کی ایذا سے مجھے ایذا ہوتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت اور سیرت وصورت اور گفتگو سے اس قدر مشابہت کسی کی عادت اور سیرت اور صورت اور گفتگو کی نہیں دیکھی جتنی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تھی۔ جب وہ آپؐ کے پاس آتی تھیں تو آپؐ کھڑے ہو جاتے تھے اور ان کا ہاتھ چومتے تھے اور اپنے پاس بٹھاتے تھے اور جب آپؐ ان کے پاس جاتے تھے تو وہ بھی کھڑی ہو جاتی تھیں اور آپؐ کا ہاتھ چومتی تھیں اور آپؐ کو احترام سے بٹھاتی تھیں[2]۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مل کر روانہ ہوتے تھے اور جب واپس تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے تھے[3]۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ (جس پر تم کو غصہ آئے) اللہ کو (بھی اس پر) تمہارے غصہ کی وجہ سے غصہ آتا ہے اور (تم جس سے راضی ہو) اللہ تعالیٰ (اس سے تمہاری رضا کی وجہ سے راضی ہوتے ہیں[4]۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ قیامت کے روز پردے کے پیچھے سے ایک منادی اعلان کرے گا کہ اے لوگو! اپنی آنکھوں کو بند کر لو۔ فاطمہ بنت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم گزر رہی ہیں[5]۔

ایک مرتبہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن حسین اور ان کے والدین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے بارے میں فرمایا کہ جن سے ان کی لڑائی ہے میری بھی لڑائی ہے اور جن سے ان کی صلح ہے میری بھی صلح ہے[6]۔

---

[1] مشکوٰۃ شریف ۱۲۔ [2] ایضاً ۱۲۔ [3] ایضاً ۱۲۔ [4] اسد الغابہ ۱۲۔ [5] ایضاً۔
[6] مشکوٰۃ شریف ۱۲۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے اس وقت فرمایا کہ بے شک یہ فرشتہ ہے جو زمین پر آج کی اس رات سے پہلے کبھی نہیں نازل ہوا۔ اپنے رب سے اجازت لے کر مجھے سلام کرنے اور یہ بشارت دینے کے لئے آیا ہے کہ یقیناً فاطمہؓ جنت کی عورتوں کی سردار ہے۔ اور یقیناً حسنؓ حسینؓ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں لے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم سب بیویاں آپؐ کے پاس تھیں کہ اس اثناء میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آگئیں۔ ان کی رفتار بس ہو بہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار تھی۔ جب ان پر آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی تو آپؐ نے فرمایا آؤ بیٹی مرحبا! پھر ان کو آپؐ نے بٹھالیا۔ اس کے بعد چپکے سے ان کے کان میں کچھ فرمایا جس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ روئیں۔ جب آپؐ نے ان کو بہت رنجیدہ دیکھا تو دوبارہ آہستہ سے (ان کے کان میں) کچھ فرمایا وہ اچانک ہنسنے لگیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو میں نے دریافت کیا کہ بتاؤ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے آہستہ سے کیا فرمایا تھا؟ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو میں کیوں کھولوں؟ (سب سے فرمانے کی بات ہوتی تو آپؐ آہستہ سے کیوں فرماتے؟)۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو میں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میرا جو تم پر حق ہے اس کے زور پر میں پوچھتی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے کیا فرمایا تھا؟ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ ہاں اب بتا سکتی ہوں۔ پہلی مرتبہ جو آپ نے آہستہ سے فرمایا تو خبر دی تھی کہ جبریلؑ ہر سال مجھ سے ایک مرتبہ قرآن مجید کا دور کرتے تھے اور اس مرتبہ انہوں نے دو مرتبہ دور کیا ہے اور میں (اس لئے) سمجھتا ہوں کہ دنیا سے میرے کوچ کا وقت قریب آگیا ہے۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرنا اور صبر کرنا کیوں کہ میں تمہارے لئے پہلے سے جانے والوں میں بہت بہتر

لے مشکوٰۃ شریف ۱۲

ہوں۔ یہ سن کر میں رونے لگی. جب آپؐ نے میرا رنج دیکھا تو دوبارہ آہستہ سے کچھ فرمایا۔ اور اس وقت کا فرمانا یہ تھا کہ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ جنّت کی عورتوں کی سردار ہوگی یا یہ فرمایا کہ مومن عورتوں میں سب کی سردار ہو. دوسری روایت میں ہے کہ پہلی مرتبہ آپؐ نے آہستہ سے فرمایا کہ میں اسی مرض میں وفات پا جاؤں گا لہٰذا میں رونے لگی. پھر دوبارہ آہستہ سے فرمایا کہ آپؐ کے گھر والوں میں سب سے پہلے میں ہی آپ سے جا کر ملوں گی. یہ سن کر مجھے ہنسی آگئی۔ [1]

دینی تربیت

حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل شانہ کی طرف سے امّت کی تربیت اور تزکیہ نفس کے لئے تشریف لائے تھے۔

تربیت اور تزکیہ میں آپ کسی کا لحاظ نہیں فرماتے تھے اپنی ازواج و اولاد اور عزیز و قریب سب ہی کو اللہ تعالیٰ سے ڈراتے اور آخرت کا فکرمند بناتے تھے. جب آیت کریمہ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ [2] نازل ہوئی تو سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رشتہ داروں اور خاندان والوں کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا. اور قبیلوں اور بعض رشتہ داروں کا نام لے کر فرمایا کہ اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ میں تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا. صحیح بخاری میں ہے کہ آپؐ نے اس موقع پر فرمایا کہ اے قریش! اپنے نفسوں کو دوزخ سے بچالو. میں اللہ کے معاملہ میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا اور بنی عبد مناف سے بھی یہی فرمایا. پھر فرمایا کہ اے عباسؓ! میں اللہ کے معاملہ میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا (اپنے کو دوزخ سے بچاؤ) اے صفیہؓ (جو اللہ کے رسولؐ کی پھوپھی ہیں) میں اللہ کے معاملہ میں تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا. (اپنے کو دوزخ سے بچاؤ) اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ! میرے مال میں سے تم جو چاہو سوال کرلو. میں اللہ کے معاملہ میں کچھ کام نہیں آؤں گا (اپنے کو دوزخ سے بچالو۔) [3]

---

[1] مشکوٰۃ شریف ۱۲ [2] (ترجمہ آیت) آپ اپنے نزدیک کے کنبہ کو ڈرائیے۔ [3] یعنی خود نیک کام کرو اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف مت چلو. اللہ تعالیٰ نے عذاب دینا چاہا تو میں نہیں چھڑا سکوں گا. اس کا مطلب سفارش کی نفی نہیں ہے بلکہ عمل پر ابھارنا مقصود ہے اور جس کی شفاعت کی جائے اس کو بھی تو لائقِ سفارش ہونا ضروری ہے جو مومن نہ ہوگا اس کی تو سفارش ہی نہ ہوگی۔ ۱۲ منہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کر دینے کے بعد بھی دینی تربیت کا خاص خیال رکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور فاطمہ کے پاس تشریف لائے اور ہم دونوں کو نمازِ (تہجد) کے لئے جگایا۔ پھر اپنے گھر میں تشریف لے گئے اور دیر تک نماز پڑھی۔ ہمارے اُٹھنے (اور وضو وغیرہ کرنے) کی کوئی آہٹ نہ سنی تو دوبارہ تشریف لائے اور مجھ کو جگایا اور فرمایا اٹھو نماز پڑھو۔ میں آنکھیں ملتا ہوا بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ خدا کی قسم جتنی نماز ہمارے مقدر میں ہے وہی تو ہم پڑھیں گے۔ ہماری جانیں اللہ کے قبضہ میں ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ ہم کو بیدار فرمانا چاہتے ہیں بیدار فرما دیتے ہیں (اور تھوڑا بہت وقت جو ملتا ہے پڑھ لیتے ہیں) یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے اور میرے لفظوں کو (تعجب سے) دہراتے ہوئے واپس ہو گئے اور قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا (یعنی آدمی جھگڑے میں سب سے بڑھ کر ہے[1])

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو معلوم ہوا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ غلام اور باندیاں آئی ہیں چونکہ ان کو خود چکی پیسنا پڑتا تھا اس لئے ان کے ہاتھوں میں اس کے نشان پڑ گئے تھے ان نشانوں کو دکھانے اور خدمت کے لئے باندی یا غلام طلب کرنے کے لئے وہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم سرائے میں پہنچیں۔ آپؐ تشریف نہیں رکھتے تھے لہٰذا وہ اپنی معروض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہہ آئیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زنانخانہ میں تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ماجرا عرض کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر آپؐ رات کو ہمارے پاس تشریف لائے۔ اس وقت ہم دونوں لیٹ چکے تھے۔ آپؐ کی آمد پر ہم نے کھڑے ہونے کا ارادہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا اپنی جگہ (لیٹے) رہو۔ پھر آپؐ میرے اور فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے درمیان

---

[1] مسند احمد ۱/۱۲

بیٹھ گئے اور فرمایا کیا تم کو میں اس سے بہتر نہ بتا دوں جو تم نے مجھ سے سوال کیا ہے؟ جب تم رات کو سونے کے لئے لیٹ جاؤ تو ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ اور ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کرو۔ یہ تمہارے لئے خادم سے بہتر ہوگا[1]

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ان تینوں چیزوں کو (فرض) نماز کے بعد پڑھنے کو بھی فرمایا[2]۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب سے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عمل سنا کبھی نہیں چھوڑا۔ ایک شخص نے حضرت علیؓ سے سوال کیا (جس کو ابن الکواء کہتے تھے) جنگِ صفین کی رات میں بھی آپ نے اس کو پڑھا؟ فرمایا اس رات میں بھی میں نے نہیں چھوڑا (اوّل رات میں بھول گیا تھا پھر) آخرِ سحر میں یاد آیا تو پڑھ لیا[3]۔

اسی سلسلہ میں یہ مضمون بھی روایت کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خادم عطا فرمانے سے بڑی سختی سے انکار فرمایا اور یوں فرمایا کہ خدا کی قسم تم کو (خادم) نہیں دوں گا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم کو دے دوں اور صفہؔ میں رہنے والوں کے پیٹ بھوک سے پیچ کھاتے رہیں اور ان پر خرچ کرنے کو میرے پاس کچھ بھی نہ ہو؟ یہ غلام جو آتے ہیں ان کو فروخت کرکے صفہ والوں پر خرچ کروں گا[4]

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اگر چاہتے تو اپنی صاحبزادیؓ کو ایک غلام یا باندی عنایت فرما دیتے مگر آپؐ نے ضرورت کو پرکھا اور آپؐ کی خداداد بصیرت نے آپؐ کو اسی پر آمادہ کیا کہ صفہ میں رہنے والے میری بیٹی سے زیادہ ضرورت مند ہیں۔ کسی نہ کسی

---

[1] مشکوٰۃ عن البخاری ۱۲ [2] مشکوٰۃ شریف ۱۲ [3] عمل الیوم واللیلۃ ۱۲ [4] اصابہ عن ابن سعد ۱۲ ۔

عہ اصحابِ صفہ وہ حضرات تھے جو دین سیکھنے کے لئے ہجرت کرکے مدینہ منورہ آکر پڑ گئے تھے نہ کاروبار کرتے تھے نہ ان کا گھر بار تھا۔ بھوک و پیاس کو غذا بنا کر درس گاہِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طالب علم بن کر رہتے تھے اور ذکر و تعلیم ان کا مشغلہ تھا مسجد نبوی سے باہر ایک صفہ (یعنی چبوترہ) سائبان ڈال کر ان حضرات کی اقامت کے لئے بنا دیا گیا تھا اس لئے ان کو اصحابِ صفہ کہا جاتا ہے۔ مؤلف رسالہ ہذا نے ان حضرات کے احوال ایک رسالہ میں لکھے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں ۱۲

طرح دُکھ تکلیف سے محنت ومشقت کرتے ہوئے صاحبزادی کی زندگی گزر تو رہی ہے مگر صفہ والے تو بہت ہی بدحال ہیں جن کو فاقے پر فاقے گزر جاتے ہیں ان کی رعایت مقدم ہے اور صاحبزادی کو ایسا عمل بتایا جو آخرت میں بے انتہا اجر وثواب کا ذریعہ بنے۔ دنیا کی فنا ہونے والی تکلیف آخرت کے بے انتہا انعامات سے بے انتہا کم ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کا پڑھ لینا تمہارے لئے خادم سے بہتر ہے۔

ابوداؤد شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا اے فاطمہ! اللہ سے ڈر اور اپنے رب کا فریضہ ادا کر اور اپنے شوہر کا کام انجام دے اور سوتے وقت ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ اور ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کر۔ یہ گنتی میں سو ہو گئے جو تیرے لئے خادم سے بہتر ہیں۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس کے جواب میں عرض کیا کہ میں اللہ (کی تقدیر) اور اس کے رسولؐ (کی تجویز) سے راضی ہوں۔ شاید اس موقع پر اللہ سے ڈرنے کو اس لئے فرمایا کہ خدمت گزار طلب کرنے کو ان کے بلند مرتبہ کے خلاف سمجھا واللہ تعالیٰ اعلم۔

بعض بزرگوں سے سنا ہے کہ سوتے وقت ان چیزوں کا پڑھ لینا آخرت کے اجور و درجات دلانے کے ساتھ ساتھ دن بھر کی محنت ومشقت کی تھکن کو دور کرنے کے لئے بھی مجرب ہے[1]۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کو تشریف لے جاتے تھے تو اپنے گھر والوں میں سب سے آخری ملاقات حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے تھے اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک غزوہ

---

[1] احقر راقم الحروف سے ایک بزرگ نے بیان فرمایا جنہوں نے احیاء دین کے لئے ہزار میل کا ایک پیدل سفر کیا تھا کہ اس سفر میں مجھے ان تسبیحات کی قدر معلوم ہوئی اور بڑھاپے میں اتنا لمبا سفر آسانی سے طے ہو گیا۔ رات کو جب ان تسبیحات کو پڑھ لیا تو دن بھر کی تھکن کافور ہو گئی ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ۔

سے تشریف لائے اور حسب عادت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جانے کے لئے ان کے گھر پہنچے۔ انہوں نے دروازہ پر (زینت کے لئے عمدہ قسم کا) پردہ لٹکا رکھا تھا اور دونوں بچوں حضرت حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) کو چاندی کے کنگن پہنا رکھے تھے۔ آپؐ اندر داخل ہوئے پھر واپس ہو گئے۔ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سمجھ لیا کہ آپؐ اس وجہ سے اندر تشریف نہیں لائے لہٰذا (اسی وقت) پردہ ہٹا دیا اور کنگن اتار لئے۔ دونوں بچے (ان کنگنوں کو لئے ہوئے) آنحضرت سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں روتے ہوئے پہنچے۔ آپؐ نے ان کے ہاتھوں سے وہ کنگن لے لئے اور مجھ سے فرمایا کہ اے ثوبانؓ (راوی حدیث) جاؤ فاطمہؓ کے لئے ایک ہار عصبؔ کا اور دو کنگن ہاتھی دانت کے خرید کر لے آؤ۔ یہ میرے گھر والے ہیں۔ میں یہ پسند نہیں کرتا ہوں کہ اپنے حصّہ کی عمدہ چیزیں اس زندگی میں کھا لیں[1] (یا پہن لیں)۔

ایک مرتبہ ایک واقعہ ایسا ہی پیش آیا اور وہ یہ کہ حضرت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے یہاں ایک شخص مہمان ہوا۔ اس کے لئے کھانا پکایا۔ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بلا لیتے تو اچھا تھا۔ چنانچہ آپؐ کو کھانے کی دعوت دی اور آپؐ تشریف لے آئے۔ دروازہ پر پہنچ کر چوکھٹ کو ہاتھوں سے پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور دیکھا کہ گھر میں ایک طرف ایک نقشین پردہ لٹکا ہوا ہے۔ اس کو دیکھ کر آپؐ واپس ہو گئے۔ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آپؐ کے پیچھے پیچھے چلی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کی واپسی کا کیا باعث ہوا؟ آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ نبی کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ سجاوٹ اور ٹیپ ٹاپ والے گھر میں داخل ہو[2]۔

ایک مرتبہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے (کمسنی میں) صدقہ کے مال کی

عہ عصب پٹھے کو کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس زمانہ میں حلال جانوروں کے پٹھوں سے کسی قسم کا ہار بنا لیتے ہوں۔ بعض عالموں نے کہا ہے کہ ایک جانور کے دانت کو (بھی) عصب کہتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲

[1] مشکوٰۃ عن احمد و ابی داؤد ۱۲۔ [2] مشکوٰۃ عن احمد و ابن ماجہ ۱۲۔

کھجوروں میں سے ایک کھجور لے کر منہ میں رکھ لی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً منہ سے نکال کر باہر ڈالنے کو فرمایا اور یہ بھی فرمایا کیا تم کو خبر نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے ہیں[1]۔

تربیت کے سلسلہ کا ایک واقعہ یہ بھی اسد الغابہ میں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ سو رہے تھے۔ حضرت حسینؓ نے کچھ پینے کو مانگا۔ وہیں ان حضرات کی ایک بکری تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا دودھ نکالا۔ ابھی آپؐ نے کسی کو دیا نہ تھا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپؐ کے پاس پہنچ گئے۔ آپؐ نے ان کو ہٹا دیا۔ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ان دونوں میں آپؐ کو وہ دوسرا (یعنی حضرت حسین رضی اللہ عنہ) زیادہ پیارا ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ یہ بات نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اس دوسرے نے اس سے پہلے طلب کیا تھا پھر فرمایا کہ میں اور تم اور یہ دونوں لڑکے اور یہ سونے والا قیامت کے روز ایک ساتھ ایک جگہ ہوں گے[2]۔

وفات

حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ ماہ بعد وفات پائی۔ اس بارے میں اور بھی اقوال ہیں مگر سب سے زیادہ صحیح یہی ہے۔

بعض علماء نے کہا کہ آپؐ کے بعد ستر روز عالمِ دنیا میں رہ کر اللہ کو پیاری ہوئیں[3]۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ان کو بہت رنج ہوا اور آپؐ کے بعد جب تک زندہ رہیں کبھی ہنستی نہ دیکھی گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خبر دی تھی کہ میرے اہل میں سے سب سے پہلے تم ہی مجھ سے آکر ملوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ان کی وفات کے وقت حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا وہیں موجود تھیں۔ ان سے حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ عورت کے جنازہ کو صرف اوپر سے ایک کپڑا ڈال کر (مردوں کے جنازہ کی طرح) لے جاتے ہیں جس سے ہاتھ پاؤں کا پتہ چل جاتا ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ شریف ۱۲ [2] اسد الغابہ ۱۲

[3] ذکرہ فی اسد الغابہ وفی ذالک اقوال اخر ذکرہا الحافظ فی الاصابہ ۱۲

حضرت اسمار رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں تم کو ایسی چیز بتائے دیتی ہوں جو حبشہ میں دیکھ کر آئی ہوں۔ یہ کہہ کر درخت کی ٹہنیاں منگا کر ایک مسہری سی بنا دی اور اس پر کپڑا ڈال دیا۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس کو بہت پسند کیا اور حضرت اسماء سے فرمایا کہ جب میں وفات پا جاؤں تو تم اور علی (رضی اللہ عنہ) مل کر مجھ کو غسل دینا اور کسی کو میرے غسل میں شرکت کرنے کے لئے مت آنے دینا۔ جب وفات ہو گئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا غسل دینے کے لئے آئیں۔ حضرت اسمار رضی اللہ عنہا نے ان کو روک دیا۔ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور حضرت اسمار رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے اسماء! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو آپ کی صاحبزادی کے پاس جانے سے کیوں روکتی ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ انہوں نے مجھ کو اس کی وصیت کی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا ان کی وصیت پر عمل کرو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معیت میں ان کو غسل دیا[ع] اور کفنا کر مسہری میں رکھ دیا حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی تھی کہ میں رات ہی کو دفن کر دی جاؤں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور قبر میں حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے فضل رضی اللہ عنہ اترے۔

ع حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ الاصابہ میں لکھتے ہیں کہ ابن فتحون نے اس کو بعید سمجھ کر اعتراض کیا ہے کہ حضرت اسماء اس وقت حضرت ابوبکرؓ کے نکاح میں تھیں۔ ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر غسل دینا کیونکر درست ہوا؟ اور دوسرا اشکال حنفی مذہب کی بنا پر پیش آتا ہے کہ وفات کے بعد شوہر بیوی کو غسل نہیں دے سکتا (کما قال فی الفتاوی العالمگیریہ ویجوز للمرءۃ ان تغسل زوجھا واما ھو فلا یغسلھا عندنا) دونوں اشکالوں کا جواب اس طرح ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ پردہ ڈال کر حضرت اسمار رضی اللہ عنہا کو پانی دیتے جاتے ہوں اور وہ غسل دیتی جاتی ہوں اور انہوں نے کوئی اور عورت اپنے ساتھ مدد کے لئے بلا لی ہو۔ واللہ اعلم ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ۔

کہتے ہیں کہ ان کی وفات ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ کو ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر ۲۹ سال تھی اور بعض حضرات نے ۳۰ سال اور بعض نے ۳۵ سال بتائی ہے۔ یہ تمام تفصیل اسدالغابہ میں لکھی ہے۔

اگر یہ صحیح مانا جائے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے ۳۵ ویں برس ان کی ولادت ہوئی تھی تو ۲۸، ۲۹ سال کے درمیان ان کی عمر ہوتی ہے جب کہ ان کا سن وفات ۱۱ھ مانا جائے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے جنہوں نے ۳۵ برس کی عمر بتائی ان کے قول کی بنا پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے ۲۹ ویں برس ہونا لازم آتا ہے۔ لیکن یہ کسی کا قول معلوم نہیں ہوا۔ الاستیعاب میں بھی ایک ایسا واقعہ لکھا ہے کہ جس سے ۳۵ برس والے قول کی تردید ہوتی ہے۔

مسند امام احمد بن حنبلؒ میں حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جس مرض میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی میں ان کی تیمارداری کرتی تھی۔ ایک روز صبح ہوئی تو مجھ سے فرمایا کہ اے ماں! میرے لئے غسل کا پانی رکھ دو۔ چنانچہ میں نے اس کی تعمیل کی۔ پھر انہوں نے بہت اچھی طرح غسل کیا۔ اس کے بعد مجھ سے کپڑے طلب کئے کہ میرے نئے کپڑے دے دو۔ میں نے اس کی بھی تعمیل کی اور انہوں نے مجھ سے کپڑے لے کر زیب تن فرمالئے۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ میرا بستر بیچ گھر میں بچھا دو۔ چنانچہ میں نے اس کی بھی تعمیل کی۔ اس کے بعد وہ قبلہ رخ ہو کر اور اپنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ کر لیٹ گئیں اور مجھ سے فرمایا کہ اے ماں! اب میری جان جاتی ہے۔ میں نے غسل کر لیا ہے، مجھے کوئی نہ کھولے۔ چنانچہ اسی وقت جان بحق ہو گئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت موجود نہ تھے۔ باہر سے تشریف لائے تو میں نے ان کو خبر کر دی۔ اسدالغابہ میں بھی اس واقعہ کو (تذکرہ اُم سلمیٰ میں) ذکر کیا ہے۔ لیکن علماء اس کو صحیح نہیں مانتے کہ وفات سے پہلے جو غسل کیا تھا اسی کو کافی سمجھا گیا بلکہ صحیح یہی ہے کہ حضرت علیؓ اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے بعد وفات غسل دیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی الاصابہ میں اس کو بعید تسلیم کیا ہے کہ وفات سے پہلے جو غسل فرمالیا تھا اس پر اکتفا کیا گیا ہو۔

جب تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں۔ حضرت علی رضی اللہ نے دُوسرا نکاح نہیں کیا۔ جب ان کی وفات ہوگئی تو ان ہی کی وصیت کے مطابق ان کی بھانجی حضرت امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد آپؐ کی موجودگی ہی میں فوت ہوگئی تھی۔ پھر آپؐ کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی جلد ہی آپؐ سے جا ملیں۔ رضی اللہ عنہا وارضاھا۔

واقدی فرماتے تھے کہ میں نے عبدالرحمٰن بن ابی الموالی سے کہا کہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جنت البقیع میں دفن کی گئیں اس بارے میں تم کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ وہ حضرت عقیلؓ (بن ابی طالب) کے مکان کے ایک گوشہ میں دفن کی گئیں۔ ان کی قبر اور راستہ کے درمیان سات ہاتھ کا فاصلہ[1] ہے۔ رضی اللہ عنہا وارضاھا۔

[1] الاصابہ ۱۲

خاتمہ

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ

ابن سید البشر سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی تھیں۔ ۶ھ میں جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملکوں اور علاقوں کے حکمرانوں کو اسلام کی دعوت کے خطوط لکھے۔ تو اسی سلسلہ میں ایک خط مقوقس کو بھی لکھا۔ یہ عیسائی مذہب رکھتا تھا اور مصر اور اسکندریہ کا بادشاہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والانامے کی عبارت یہ ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد عبد اللہ ورسولہ الی المقوقس عظیم القبط سلام علی من اتبع الھدی اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فان علیک اثم القبط یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون۔

(ترجمہ) بسم اللہ الرحمن الرحیم

منجانب محمد عبد اللہ ورسولہ۔

بنام مقوقس جو قبطیوں کا سردار ہے۔ سلام اس پر جو ہدایت کو مان لے۔ اس کے بعد مدعا یہ ہے کہ میں تجھ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ تو اسلام قبول کر لے اس کی وجہ سے تو سلامت

رہے گا اور تجھے دوہرا اجر اللہ تعالےٰ دیں گے اور اگر تو نے اسلام سے منہ موڑا تو تجھ پر نہ صرف اپنے گناہ کا وبال ہوگا بلکہ تمام قبطی قوم کی گمراہی تیرے ہی سر پڑے گی۔ (اس کے بعد قرآن مجید کی ایک آیت لکھی جس کا ترجمہ یہ ہے۔)

"اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مسلم ہونے میں برابر ہے۔ یہ کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور خدا کو چھوڑ کر ہم میں سے کوئی کسی کو رب قرار نہ دے۔ پھر اگر وہ لوگ اعراض کریں تو تم کہہ دو کہ تم ہمارے اس اقرار کے گواہ رہو کہ ہم تو ماننے والے ہیں۔" (۳:۶۴)

اس والا نامہ کو لے کر حضرت حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد بن کر روانہ ہوئے اور مقوقس کو اسکندریہ پہنچ کر وہ والا نامہ دے دیا مقوقس نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا بہت اعزاز و اکرام کیا اور والا نامہ کھول کر پڑھا۔ اور پڑھنے کے بعد حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر وہ نبی ہیں تو کیوں میرے حق میں بددعا انہیں کر دی جس کے اثر سے مجھ پر غلبہ پا لیتے؟ حضرت حاطب نے الزامیؔ جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ تم (حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو مانتے ہی ہو) بتاؤ انہوں نے اپنے مخالفین کے لئے بد دعا کر کے کیوں غلبہ نہ پا لیا؟ مقوقس نے پھر دوبارہ یہی سوال کیا۔ انہوں نے پھر وہی جواب دیا جس کی وجہ سے مقوقس خاموش ہو گیا۔ اس کی خاموشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے سلسلۂ تبلیغ جاری کر دیا۔ اور خود بخود یوں گویا ہوئے:۔

ؔ اس وقت الزامی جواب دینے کی ضرورت تھی ورنہ تحقیقی جواب یہ ہے کہ یہ دنیا دار الاسباب ہے۔ اس میں اللہ کی تشریع اور تکوین دونوں جاری ہیں۔ پیغمبروں کی محنت اور کوشش کے ذریعہ جس سے ان کا اجر بے انتہا ہو جائے اللہ تعالےٰ ہدایت پھیلانا چاہتے ہیں اور اسلام قبول کرنے والے کی بھی یہ خوبی ہے کہ بجائے اس کے کہ بد دعا سے مجبور ہو کر راہ پر آئے خود دعوتِ حق پہنچنے پر اپنے اختیار سے اسلام قبول کرلے ۱۲ منہ :۔

انه قد کان قبلك رجل یزعم انه الرب الاعلیٰ فاخذه الله نکال الاٰخرۃ والاولیٰ فانتقم منه فاعتبر بغیرك ولا یعتبر غیرك بك۔

(ترجمہ) تجھ سے پہلے ایک شخص تھا (یعنی فرعون) جو اپنے آپ کو سب سے بڑا پروردگار کہتا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑا اور اس سے انتقام لیا گیا لہٰذا تو دوسروں سے عبرت حاصل کر۔ ایسا نہ ہو کہ (خدا کی طرف سے تیری گرفت ہو) اور دوسرے تجھ سے عبرت حاصل کریں۔

یہ سُن کر مقوقس نے کہا کہ ہم ایک دین پر قائم ہیں۔ اس کو ایسے ہی دین کے لئے چھوڑ سکتے ہیں جو ہمارے موجودہ دین سے بہتر ہو۔ اس کے جواب میں حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور زیادہ جم کر اسلام کی دعوت دی اور فرمایا کہ ہم تجھ کو تیرے دین سے بہتر دین کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ ہماری دعوت اللہ کے دین کی طرف ہے جس کے سامنے دوسرے دین کی ضرورت نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (جن کا قاصد بن کر میں آیا ہوں) انہوں نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو سب سے زیادہ تکلیف پہنچانے پر قریش کمر تل گئے اور یہود نے سب سے زیادہ دشمنی پر کمر باندھی اور نصاریٰ سب سے زیادہ انس و محبت عـه سے پیش آنے والے ثابت ہوئے (جو جلد مسلمان ہو گئے)۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جیسے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کی بشارت دی ایسی ہی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی دی تھی۔ ہم تجھ کو دعوت اس طرح دیتے ہیں جیسے تو اہل توریت کو انجیل کی دعوت دیتا ہے۔ پس جس طرح حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی لائی ہوئی توریت شریف کو حق مانتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی لائی ہوئی انجیل کی دعوت دیتے ہو اسی طرح ہم بھی تم کو یہی دعوت دیتے ہیں کہ سابقہ نبیوں اور اللہ کی کتابوں کو حق مانتے ہوئے اب اس موجودہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی لائی ہوئی کتاب کا

عـه سورہ مائدہ کی آیت لتجدن اشد الناس .... الاٰیۃ کی طرف اشارہ ہے ۱۲

اتباع کرو یہ قاعدہ رہا ہے کہ جو نبی کسی قوم میں آیا وہ قوم اس کی امتِ دعوت ہو گئی اور اس کے ذمہ اس نبی کا ماننا اور اتباع کرنا ضروری ہو گیا لہٰذا اب جب کہ تو نے اس آخری پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کا زمانہ پا لیا تو ان کا اتباع کر اور یہ بات بھی صاف کر دینا ضروری ہے کہ ہم تجھ کو عیسائی مذہب کے خلاف دوسرے دین پر آمادہ نہیں کر رہے ہیں بلکہ عیسائی مذہب کی ایک بات پر عمل کرنے کو کہہ رہے ہیں (اور وہ بات یہ ہے کہ) حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بعد پیغمبر آخر الزماں کے آنے کی خبر دی تھی اور ان کا نام احمد بتایا تھا۔ چنانچہ وہ تشریف لے آئے۔ اب حسبِ فرمان حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتباع کرو۔

یہ باتیں سن کر مقوقس نے کہا کہ میں نے اس پیغمبر (آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں غور کیا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ جس چیز کے کرنے کا حکم فرماتے ہیں وہ عقل اور طبیعت کے خلاف نہیں ہے اور جس چیز سے منع فرماتے ہیں عقل و دانش کے اعتبار سے کرنے کی نہیں ہے میں نے جہاں تک غور کیا اس سے یہ سمجھا وہ نہ جادوگر ہیں نہ گم کردہ راہ ہیں، نہ کاہن ہیں نہ کاذب ان کے متعلق جو معلومات حاصل ہوئیں ان سے پتہ چلا کہ وہ غیب کی باتوں کی خبر دیتے ہیں۔ یہ ان کے نبی ہونے کی نشانی ہے اور ان کا اتباع کرنے کے سلسلہ میں غور کروں گا۔ اس کے بعد سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والا نامہ کو حفاظت سے رکھنے کے لئے خادم کو دے دیا۔ کاتب کو بلایا جو عربی جانتا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عبارتِ ذیل بھیجنے کے لئے لکھوائی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لمحمد بن عبد اللہ
من المقوقس عظیم القبط سلام علیک اما بعد فقد
قرأت کتابک و فہمت ما ذکرت فیہ وما تدعو الیہ

؎ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے پہنچنے سے پہلے مقوقس کو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ معلومات حاصل تھیں ان کی بنا پر یہ باتیں کیں ۱۲ منہ

وقد علمت ان نبیا قد بقی وکنت اظن ان یخرج
من الشام وقد اکرمت رسولك وبعثته الیك
بجاریتین لهما مکان من القبط عظیم وکسوة واهدیت
الیك بغلة لترکبها والسلام۔

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ یہ خط ہے محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام مقوقس کی جانب سے جو قبطیوں کا سردار ہے تم پر سلام ہو۔ سلام کے بعد عرض ہے کہ میں نے آپ کا والانامہ پڑھا اور جو کچھ آپ نے ذکر فرمایا ہے اور جس چیز کی آپ نے دعوت دی ہے اس کو سمجھا۔ مجھے پہلے سے معلوم تھا کہ ایک نبی کی آمد باقی ہے۔ لیکن میرا خیال تھا کہ وہ ملک شام میں تشریف لائیں گے (حجاز میں تشریف لانے کا گمان نہ تھا) میں نے آپ کے قاصد کا اعزاز و اکرام کیا اور اس کے ساتھ آپ کی خدمت میں دو باندیاں ہدیۃً (ماریہ اور سیرین) بھیج رہا ہوں جو قوم قبط میں اپنا ایک مقام رکھتی ہیں۔ نیز کپڑے بھی بھیج رہا ہوں اور ایک خچر بھی آپ کی سواری کے لئے ارسالِ خدمت ہے۔

والسلام

یہ تمام تفصیل مواہب لدنیہ میں لکھی ہے اور اس کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ مقوقس نے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا والانامہ پہنچنے پر بس یہی کیا کہ آپؐ کی تعریف کی اور اپنے ایک مکتوب کے ساتھ مندرجہ بالا چیزیں ہدیۃً بھیج دیں۔ البتہ اسلام قبول نہیں کیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے الاصابہ میں حضرت ماریہؓ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ مقوقس نے ۷ھ میں ماریہ اور ان کی بہن سیرین اور ہزار مثقال سونا اور بیس تھان کپڑا اور ایک خچر (جسے دلدل کہتے تھے) اور ایک گدھا جسے عفیر یا یعفور کہا جاتا تھا اور ایک مرد بوڑھا جو خصی تھا اور ماریہ کا بھائی تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت حاطبؓ کے ساتھ ہدیۃً بھیجا (راستہ میں) حضرت حاطبؓ نے حضرت ماریہ اور ان کی بہن سیرین رضی اللہ عنہما کو اسلام کی ترغیب دی۔ چنانچہ وہ مسلمان ہوگئیں۔

لیکن وہ بڑے میاں مسلمان نہ ہوئے بلکہ بعد میں انہوں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں مدینہ منورہ میں اسلام قبول کیا۔[1]

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ چیزیں پہنچ گئیں تو آپ نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پاس رکھ لیا اور ان کی بہن سیرین رضی اللہ عنہا ہدیۃً حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو دے دی۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے تھے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے ان کی ولادت بماہ ذی الحجہ ۸ھ میں مدینہ منورہ سے کچھ دور ایک بستی میں ہوئی (جسے عالیہ کہتے تھے) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ولادت سے بہت مسرور ہوئے اور ساتویں روز عقیقہ فرمایا اور ان کے بالوں کے برابر چاندی صدقہ کی اور دودھ پلانے کے لئے حضرت ام سیف رضی اللہ عنہا کے سپرد کیا۔ ان کے شوہر انصاری تھے جو لوہار کا کام کرتے تھے۔[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے کسی کو اہل وعیال کے ساتھ رحمت وشفقت کا برتاؤ کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔ آپ کا صاحبزادہ شیرخوار ابراہیم رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے دور ایک بستی میں دودھ پیتا تھا۔ آپ وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے اور ہم آپ کے ساتھ ہوتے تھے۔ جن صاحب کی بیوی دودھ پلاتی تھی وہ لوہار کا کام کرتے تھے۔ بھٹی گرم کرنے کی وجہ سے گھر دھوئیں سے بھر جاتا تھا اور آپ اسی دھوئیں میں جا کر بیٹھ جاتے تھے اور بچہ کو لے کر چومتے تھے۔[3]

حضرت انس رضی اللہ عنہ اسی سلسلہ کا ایک واقعہ یہ بھی بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بچہ ابراہیم (رضی اللہ عنہ) کو دیکھنے کے لئے تشریف لے چلے میں بھی ساتھ ہو گیا۔ جب ان صاحب کے قریب پہنچے جن کی بیوی صاحبزادہ کو دودھ پلاتی تھی تو (میں نے دیکھا) وہ بھٹی گرم کر رہے ہیں اور سارا گھر دھوئیں سے بھرا ہوا ہے۔ میں جلدی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھا اور ان صاحب

---

[1] الاصابہ ۱۲۔ [2] اسد الغابہ والاصابہ ۱۲۔ [3] مسلم شریف ۱۲۔

سے کہا کہ اے ابو سیف ذرا ٹھہرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں میری توجہ دلانے سے انہوں نے بھٹی دھونکنا چھوڑ دیا۔ وہاں پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ کو منگا کر چپٹا لیا اور (اس وقت کے مناسب پیار و محبت میں) مشیتِ خداوندی کے موافق (بہت کچھ) فرمایا[1]۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نے ۱۶ یا ۱۷ ماہ کی عمر پاکر وفات پائی[2] واقدیؒ نے ان کی عمر ۱۸ ماہ اور بعض علماء نے ۱۶ مہینے اور ۸ روز بتائی ہے[3]۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم وہیں موجود تھے۔ ان کے آخری سانس جاری تھے کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی حاضر تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے آنسو جاری ہونے کو تعجب سے دیکھا اور ان کے دل میں خیال آیا کہ اوّل تو آپ رونے سے منع فرماتے ہیں اور یوں بھی آپ مقربِ الٰہی ہیں آپ کو دنیا کی نعمت چلے جانے پر رونا کیوں آیا (یہ سوچ کر) سوال کیا کہ یا رسول اللہ آپ بھی روتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عوف کے بیٹے! (یہ آنکھوں سے آنسو آجانا نہ بے صبری ہے نہ منع ہے نہ تعجب کرنے کی چیز ہے بلکہ فطری طور پر جو انسان کے دل میں رحمت اور شفقت اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے) یہ (اس) رحمت (کا اثر) ہے اس کے بعد پھر اندر سے آپ کا دل بھر آیا اور دوبارہ رونے لگے اور یوں فرمایا:۔

ان العین تدمع والقلب یحزن ولا	بے شک آنکھوں میں آنسو ہیں اور دل میں
نقول الا ما یرضی ربنا وانا	رنج ہے اور زبان سے ہم کوئی ایسی بات
بفراقک یا ابراھیم لمحزونون۔	نہیں کہتے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف ہو۔ ہم

وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہو۔ اور تیری جدائی سے اے ابراہیم ہم کو رنج ہے۔

---

[1] مسلم شریف ۱۲۔ [2] شرح مسلم للنووی ۱۲۔ [3] اسد الغابہ ۱۲

پھر اسی وقت حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوگئی۔ ان کی وفات پر سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا بچّہ دودھ پینے کے زمانہ میں دنیا سے رخصت ہوگیا ہے اور یقین جانو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دودو دودھ پلانے والیاں مقرر کی گئیں جو جنّت میں دودھ پلا کر اس مدّت کو پورا کریں گی جو دودھ پلانے کی ہوتی ہے[1]

مدت رضاعت کی تکمیل کرانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بچّہ اور اس کے والدِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت افزائی کے لئے خصوصی طور پر دودو دودھ پلانے والیاں مقرر کی گئیں اور اس بچّہ کو دنیا سے رخصت ہوتے ہی جنّت میں بھیج دیا گیا[2] قال فی شرح المواھب وقد ورالخبر (فی قولہ ان لہ ظئرین) اشارۃ الی اختصاص ھذا الحکم الخ۔

وفات کے بعد سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بچّہ کی نمازِ جنازہ خود پڑھائی اور جنت البقیع میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس دفن فرمایا۔ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو غسل دیا تھا اور قبر میں رکھنے کے لئے حضرت فضل اور اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم اترے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے کنارے تشریف فرما رہے۔ دفن کے بعد قبر پر پانی چھڑک دیا گیا اور پہچان کے لئے چند سنگریزے قبر پر رکھ دیئے گئے سب سے پہلے ان ہی کی قبر پر پانی چھڑکا گیا[3]

جاہلیت کے زمانہ میں لوگوں کا خیال تھا کہ کسی بڑے آدمی کے پیدا ہونے یا وفات پانے کی وجہ سے چاند سورج گرہن ہوتے ہیں جس دن حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوئی تو سورج گرہن ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دو رکعت نماز بڑی لمبی پڑھائی۔ پھر جب گرہن ختم

---

[1] مسلم شریف ۱۲۔ [2] شرح نووی علی المسلم ۱۲۔ [3] اسد الغابہ مشکوٰۃ شریف ۱۲۔

ہو گیا تو حاضرین سے فرمایا کہ چاند سورج اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ ان کے (گرہن کے) ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتے ہیں اور یقین جانو کہ ان کا گرہن کسی کے مرنے اور پیدا ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتا جب ایسا موقع آئے تو نماز میں مشغول ہو جاؤ اور اس حالت کے دور ہونے تک نماز میں مشغول رہو۔[1]

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا اپنے بچہ کی وفات کے بعد برسوں زندہ رہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بیت المال سے) ان کا خرچ اٹھاتے تھے۔ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے زمانۂ خلافت میں یہ سلسلہ جاری رکھا۔ حتیٰ کہ محرم ۱۶ھ میں حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات پائی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے جنازہ کی شرکت کا اہتمام کیا کہ لوگوں کو باقاعدہ خود اکٹھا کیا اور نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن[2] کی گئیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وعن ولدہا۔

فائدہ

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس لئے بھیجے گئے کہ امت کو عمل سے اور قول سے ہر طرح کی تعلیم دیں۔ چنانچہ آپ کی زندگی میں ہر طرح کے حالات پیش آئے جو امت کے لئے نمونہ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور ارشادات سے امت کو ہر شعبۂ زندگی میں عمل کرنے کے لئے سبق ملتا ہے۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ ہی کو لے لیجئے۔ اس میں بہت سے احکام و آداب ملتے ہیں۔

(۱) بچوں کو چومنا، چپٹانا، پیار کرنا، دین داری کے خلاف نہیں ہے بلکہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اپنی اولاد کی خیر خبر اور دیکھ بھال کے لئے ان کے پاس آنا جانا بھی عین دینداری ہے۔

---

[1] نسائی شریف واسد الغابہ ۱۲ [2] الاصابہ ۱۲

(۲) بچوں کو اُن کی ماں کے علاوہ غیر عورت سے دودھ پلوانا درست ہے۔

(۳) یہ بھی معلوم ہوا کہ اکابر کے ساتھ خدام کا جانا بلکہ موقع کے مناسب ان سے آگے پہنچ کر ان کے بیٹھنے اٹھنے اور آرام کا انتظام کردینا مستحب ہے۔

(۴) اپنی آل اولاد یا عزیز قریب کی وفات پر دل کا رنجیدہ ہونا اور آنسوؤں کا آجانا خلافِ شریعت نہیں ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی سُنّت ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حالت اہلِ کمال حضرات کے نزدیک ان مشائخ کے حالات سے بہتر اور اکمل ہے جن کے حالات کے بارے میں منقول ہے کہ اپنی اولاد کی وفات پر ہنسے۔

البتہ یہ نادرست اور خلاف شریعت ہے کہ کسی کے وفات پانے پر زبان سے ایسے کلمات نکالے جو کفریہ کلمات ہوں اور جن سے اللہ تعالےٰ پر اعتراض ہوتا ہو۔ رنج اور تکلیف کے موقعہ پر بھی انسان اللہ تعالےٰ کا بندہ ہے اور اس وقت بھی اس کو احکامِ شریعت پر عمل کرنا ضروری ہے۔ آج کل کے بہت سے مرد اور عورتیں مصیبت کے وقت اپنے آپ کو بے خود سمجھ کر کفریہ کلمات زبان سے نکالتے ہیں اور کپڑے پھاڑتے ہیں اور زور زور سے روتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ آں حضرت سیدِ عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب ودعٰی بدعوی الجاھلیہ۔ رواہ الشیخان وفی روایۃ لمسلم مرفوعاً انا بریٔ ممن حلق وصلق وخرق۔	وہ ہم میں سے نہیں جو (رنج وغم کے موقعہ پر) منہ پیٹے اور گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی دہائی دے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا میں اس سے بری ہوں جو (رنج وغم میں) بال منڈائے یا چلّا کر روئے اور کپڑے پھاڑے۔ (مشکوٰۃ شریف)

الحمدللہ بنات طاہرات بلکہ تمام اولاد امجاد کے ضروری احوال مکمل ہو گئے۔ اب اس رسالہ کو ختم کرتا ہوں۔ ناظرین سے درخواست ہے کہ فقیر حقیر کو اور اس کے اساتذہ اور والدین کو اپنی دُعاؤں میں ضرور یاد فرمائیں۔

اللّٰھم اجعلنا متبعین لسنۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم ومھتدین بھدیہ واجعلنا شاکرین لنعمتک مثنین بھا قابلیھا واتمھا علینا واجعلنا مفلحین برحمتک یا ارحم الراحمین۔ وصلی اللہ تعالٰے علٰی خیر خلقہ سیّدنا وسندنا محمّد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین ہ

ضمیمہ

چالیس حدیثیں

جن کا زیادہ تر تعلق عورتوں سے ہے

مُعلّمِ انسانیّت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

① فرمایا کہ جب بندہ نے نکاح کرلیا تو نصف دین کامل کرلیا۔ اب اس کو چاہئے کہ باقی نصف میں خدا سے ڈرے۔ (بیہقی)

② فرمایا کہ جب کوئی دیندار اور خوش خلق تمہارے یہاں نکاح کا پیام بھیجے تو اس سے نکاح کردو ورنہ زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہوگا۔ (ترمذی)

③ فرمایا کہ تین شخصوں کی مدد خدا کے ذمہ ہے (۱) وہ غلام مکاتب[۱] جس کی نیّت ادائیگی کی ہو (۲) وہ نکاح کرنے والا جس کی نیّت پاک دامن رہنے کی ہو۔ (۳) اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔ (ایضاً)۔

④ فرمایا کہ چار چیزیں دیکھ کر عورت سے نکاح کیا جاتا ہے۔ (۱) مال (۲) خاندانی بڑائی (۳) خوبصورتی (۴) دینداری۔ پس تم دیندار عورت حاصل کرکے کامیاب بنو۔ (بخاری و مسلم)

---

[۱] مکاتب وہ غلام جس کا آقا مخصوص رقم لے کر آزاد کرنے کا وعدہ کرلے ۱۲

(۵) فرمایا کہ جب کبھی کوئی غیر مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو وہاں ضرور تیسرا شیطان (بھی) ہوتا ہے۔

(۶) فرمایا کہ میری جانب سے عورتوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آنے کی وصیت قبول کرلو۔ (مشکوٰۃ)

(۷) فرمایا کہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہے۔ کسی طرح سیدھی نہیں ہوسکتی۔ اس کی کجی کے ہوتے ہوئے ہی اس سے نفع حاصل کرسکتے ہو۔ اگر اس کو سیدھی کرنے لگوگے تو توڑ دوگے اور عورت کا توڑنا طلاق دے دینا ہے۔ (مسلم)

(۸) فرمایا کہ اپنی عورت کو غلام کی طرح نہ مارو (کیونکہ) آخر شام کو اس کے ساتھ لیٹوگے۔ (مشکوٰۃ)

(۹) فرمایا کہ بلاشبہ کامل ایمان والے مومن وہ بھی ہیں جو خوش خلق ہیں اور اپنی بیویوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ رکھتے ہیں۔ (ترمذی)

(۱۰) فرمایا کہ جس کو یہ چار چیزیں مل گئیں اس کو دنیا و آخرت کی بھلائی مل گئی۔ (۱) شکر گزار دل (۲) اللہ کی یاد میں مشغول رہنے والی زبان (۳) مصیبت پر صبر کرنے والا بدن (۴) امانت دار بیوی جو اپنے نفس اور شوہر کے مال میں خیانت نہ کرے۔ (مشکوٰۃ)

(۱۱) فرمایا کہ طلاق سے زیادہ بغض والی کوئی چیز خدا نے زمین پر پیدا نہیں فرمائی۔ (مشکوٰۃ)

(۱۲) فرمایا کہ کوئی شخص اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے۔ یہاں تک کہ وہ نکاح کر لے یا چھوڑ دے۔ (ایضاً)

(۱۳) فرمایا کہ وہ شخص ملعون ہے جو اپنی عورت سے اغلام کرے۔ (احمد ابوداؤد)

(۱۴) فرمایا کہ جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان دونوں میں برابری نہ کرتا ہو تو قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہوگا۔ (ترمذی)

(۱۵) فرمایا کہ جب مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ نہ آئے جس کی وجہ سے

مرد ناراضگی میں رات گذارے تو صبح تک عورت پر فرشتے لعنت کرتے رہیں گے۔
(مشکوٰۃ)

(۱۶) فرمایا کہ جو عورت اپنے شوہر کو راضی چھوڑ کر مرے وہ جنت میں داخل ہوگی۔
(مشکوٰۃ)

(۱۷) فرمایا کہ جب عورت پانچ وقت کی نماز پڑھے اور روزے رمضان کے رکھے اور اپنی عصمت محفوظ رکھے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو جنت کے جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہوجائے۔ (ایضاً)

(۱۸) فرمایا کہ جب مرد اپنی حاجت کے لئے بیوی کو بلائے تو آجائے اگرچہ تنور پر کام کر رہی ہو۔ (ترمذی)

(۱۹) فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو کسی عورت کو اس کے شوہر کے خلاف یا غلام کو اس کے آقا کے خلاف بھڑکائے۔ (مشکوٰۃ)

(۲۰) فرمایا کہ کوئی عورت شوہر کی اجازت کے بغیر (نفل) روزے نہ رکھے جب کہ شوہر گھر پر ہو۔ (ابوداؤد)

(۲۱) فرمایا کہ تین شخصوں کی نہ نماز قبول ہوتی ہے، نہ ان کی کوئی نیکی اوپر جاتی ہے (۱) بھاگا ہوا غلام جب تک واپس آکر اپنے آقا کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دے دے۔ (۲) وہ عورت جس سے اس کا شوہر ناراض ہو (۳) نشہ پی کر بے ہوش ہوجانے والا جب تک ہوش میں نہ آئے۔ (مشکوٰۃ)

(۲۲) فرمایا کہ جو عورت بغیر مجبوری کے اپنے شوہر سے طلاق کا سوال کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ (ترمذی)

(۲۳) فرمایا (ایک سوال کے جواب میں) کہ بہتر عورت وہ ہے جو اپنے مرد کو خوش کرے۔ جب مرد اس کی طرف دیکھے اور جب مرد حکم کرے تو کہا مانے اور اپنی جان کے بارے میں شوہر کی مخالفت نہ کرے (یعنی غیر سے آنکھ نہ ملائے اور دل نہ لگائے) اور شوہر کے مال میں اس کی مرضی کے خلاف تصرف نہ کرے۔ (مشکوٰۃ)

(۲۴) فرمایا کہ جو شخص قادر ہوتے ہوئے عمدہ کپڑے تواضعاً نہ پہنے خدا اس کو کرامت کا جوڑا پہنائے گا اور جو شخص اللہ کے لئے نکاح کرے خدا اس کو شاہی تاج پہنائے گا۔ (مشکوٰۃ)

(۲۵) فرمایا کہ خدا کی لعنت ہے ان مردوں پر جو عورتوں کے مشابہ بنیں اور خدا کی لعنت ہے ان عورتوں پر جو مردوں کے مشابہ بنیں۔ (مشکوٰۃ)

(۲۶) فرمایا کہ مردوں کی خوشبو ایسی ہو جس کا رنگ نظر نہ آئے اور خوشبو آئے اور عورتوں کی خوشبو ایسی ہو جس کا رنگ نظر آئے اور خوشبو کم آئے۔ (ترمذی)

(۲۷) فرمایا کہ شراب میں سارے گناہ موجود ہیں اور عورتیں شیطان کے جال ہیں اور دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔ (مشکوٰۃ)

(۲۸) فرمایا کہ میں نے جنت میں نظر ڈالی تو دیکھا کہ اکثر غریب ہیں اور دوزخ میں نظر ڈالی تو دیکھا کہ اس میں اکثر عورتیں ہیں۔ (مشکوٰۃ)

(۲۹) فرمایا کہ اے عورتو! صدقہ کیا کرو اگرچہ زیور ہی سے دو کیونکہ قیامت کے دن دوزخ میں اکثر تم ہی ہوگی۔ (مشکوٰۃ)

(۳۰) فرمایا کہ عورت چھپی ہوئی چیز ہے جب باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو تکنے لگتا ہے۔ (ترمذی)

(۳۱) فرمایا کہ عورتوں کی مکاریوں سے بچو۔ کیونکہ بلاشبہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں میں کھڑا ہوا۔ (مشکوٰۃ)

(۳۲) فرمایا کہ کوئی مومن اپنی مومن بیوی سے بغض نہ رکھے۔ کیونکہ اگر اس کی ایک خصلت ناپسند ہوگی تو دوسری پسند آجائے گی۔ (ایضاً)

(۳۳) فرمایا کہ جس نے اس عورت کو تسلی دی جس کا بچہ جاتا رہا ہو تو اس کو جنت میں چادریں پہنائی جائیں گی۔ (ایضاً)

(۳۴) فرمایا کہ اس عورت پر خدا لعنت کرے جو (کسی کے مرنے پر) زور سے اور بیان کرکے روئے اور اس عورت پر جو اس کا رونا سنے۔ (ایضاً)

(۳۵) فرمایا کہ اے عورتو! سُبْحَانَ اللّٰهِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ کا ورد رکھو اور انگلیوں پر پڑھا کرو۔ کیونکہ انگلیوں سے معلوم کیا جائے گا اور ان کو زبان دی جائے گی اور خدا کی یاد سے غافل نہ ہو جاؤ ورنہ رحمت خداوندی سے بھلادی جاؤ گی۔ (ترمذی)

(۳۶) فرمایا کہ خبردار! تم سب کے سب نگہبان ہو۔ اور سب سے اپنی اپنی رعیت[1] کا سوال ہوگا۔ صاحب اقتدار عوام کا نگہبان ہے اس سے اس کی رعیت کا سوال ہوگا اور مرد اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اس سے اس کی رعیت کا سوال ہوگا اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی نگہبان ہے اس سے شوہر کے مال و اولاد کا سوال ہوگا اور غلام اپنے آقا کے مال کا نگہبان ہے اس سے اس کے مال کا سوال ہوگا۔ خبردار تم سب نگہبان ہو اور سب سے اپنی اپنی رعیت کا سوال ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

(۳۷) فرمایا کہ جو عورت خوشبو لگا کر مردوں پر گزرے تاکہ اس کی خوشبو سونگھیں تو ایسی عورت زناکار ہے پھر فرمایا کہ ہر آنکھ زناکار ہے (یعنی نامحرم مرد یا عورت کو دیکھنا بھی زنا ہے) (ترغیب)

(۳۸) فرمایا کہ دو گروہ دوزخی ہوں گے جن کو میں نے نہیں دیکھا ہے یعنی ابھی وہ موجود نہیں ہوئے۔ اوّل وہ لوگ جو بیلوں کی دُموں کی طرح کوڑے لئے پھریں گے اور ان سے لوگوں کو ماریں گے۔ دوسرے وہ عورتیں جو کپڑے پہنے ہوں گی مگر ننگی ہوں[2] گی۔ مردوں کو اپنی طرف مائل کریں گی اور خود ان کی طرف مائل ہوں گی۔

---

[1] جو چیز کسی کی نگرانی میں دی جائے عربی میں اسے اس شخص کی رعیت کہتے ہیں۔

[2] کپڑے پہنے ہوئے ننگی ہونے کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ کپڑے باریک ہوں جن سے بدن نظر آئے۔ دوسرے یہ کہ چست لباس ہو جو بدن کی ساخت کو ظاہر کرتا ہو۔ تیسرے یہ کہ لباس اس قدر کم ہو جو پورے بدن کو نہ ڈھکتا ہو جیسے آج کل کی عورتیں صرف فراک پہن کر رہتی ہیں اور لڑکیوں کو اکثر پہنایا جاتا ہے جس کے نیچے پاجامہ بھی نہیں ہوتا لہٰذا پنڈلیاں اور ساری بانہیں سب دیکھتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

ان کے سر اونٹوں کے جھکے ہوئے کوہانوں کی طرح ہوں گے۔ یہ عورتیں جنّت میں داخل نہ ہوں گی اور اس کی خوشبو تک نہ سونگھیں گی۔ (مسلم)

(۳۹) فرمایا کہ جو کچھ تو اپنے آپ کو کھلائے وہ صدقہ ہے اور جو اپنی اولاد کو کھلائے وہ صدقہ ہے اور جو اپنی بیوی کو کھلائے وہ صدقہ ہے اور جو اپنے خادم کو کھلائے وہ صدقہ ہے۔ (احمد)

(۴۰) فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالےٰ اس عورت کی طرف (نظرِ رحمت سے) نہ دیکھے گا جو اپنے شوہر کی شکر گزار نہیں حالانکہ اس کی محتاج رہتی ہے۔ (نسائی)

ضروری مسئلے متعلقہ

لباس اور زیور

لباس تن ڈھکنے کی چیز ہے اور اس فائدہ کے علاوہ سردی گرمی کا بچاؤ بھی لباس سے ہوتا ہے۔ دین اسلام نے خوبصورت لباس پہننے کی اجازت دی ہے۔ مگر اسی حد تک اجازت ہے جبکہ فضول خرچی نہ ہو اور اتراو اور دکھاوا مقصود نہ ہو اور غیر قوموں کا لباس نہ ہو۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھاؤ پیو اور صدقہ کرو اور پہنو جب تک کہ فضول خرچی اور خود پسندی (یعنی مزاج میں بڑائی) نہ آئے۔[1] آج کل مسلمان عورتوں نے لباس پہننے کے بارے میں کئی خرابیاں پیدا کرلی ہیں۔ ہم ان پر تنبیہ کرتے ہیں۔

ایک خرابی یہ ہے کہ باریک کپڑے پہنتی ہیں۔ باریک کپڑا جس سے بدن نظر آئے اس کا پہننا نہ پہننا دونوں برابر ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھتیجی ایک مرتبہ ان کے پاس آئیں۔ ان کی اوڑھنی باریک تھی۔ حضرت عائشہؓ نے وہ اوڑھنی پھاڑ ڈالی اور اپنے پاس سے موٹے کپڑے کی اوڑھنی اُڑھا دی۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخیوں کے دو گروہ پیدا ہونے والے ہیں جن کو میں نے نہیں دیکھا ہے (کیوں کہ ابھی وہ پیدا نہیں ہوئے ہیں) ایک گروہ ایسا پیدا ہوگا جو بیلوں کی دموں کی طرح (لمبے لمبے) کوڑے لئے پھریں گے اور ان سے لوگوں کو مارا کریں گے۔ دوسرا گروہ ایسی عورتوں کا پیدا ہوگا جو کپڑے پہنے ہوئے بھی ننگی ہوں گی (غیر مردوں کو) اپنی طرف مائل کریں گی اور خود بھی (ان کی طرف

---

[1] مشکوٰۃ ۱۲

مائل ہوں گی۔ ان کے سر اونٹوں کی جھکی ہوئی کمروں کی طرح ہوں گے۔ یہ عورتیں نہ جنّت میں داخل ہوں گی نہ جنّت کی خوشبو سونگھیں گی[1] دیکھو کیسی سخت وعید ہے کہ ایسی عورتیں جنّت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکیں گی۔ جنّت میں جانے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ کپڑا پہنے ہوئے ننگا ہونے کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ کپڑے باریک ہوں اور دوسری صورت یہ ہے کہ تھوڑا سا کپڑا پہن لیں اور جسم کا بہت سا حصّہ کھلا رہے جیسے فراک پہن کر بازاروں میں چلی جاتی ہیں اور سر اور باہنیں اور منہ اور پنڈلی سب کھلی رہتی ہیں۔ اللہ بچائے ایسے لباس سے۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ کافر عورتوں کی نقل اتارتی ہیں جو لباس عیسائی لیڈیاں یا سینما میں کام کرنے والی ایکٹرز پہنتی ہیں وہی خود پہننے لگ جاتی ہیں۔ یاد رکھو دوسری قوموں کا لباس پہننا سخت گناہ ہے۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے کسی قوم کی طرح اپنا حال بنایا وہ اُن ہی میں سے ہے[2]

تیسری خرابی یہ ہے کہ نام اور نمود اور بڑائی جتانے اور اپنی مال داری ظاہر کرنے کے لئے اچھا اچھا لباس پہنتی ہیں۔ نام و نمود بُری چیز ہے۔ ارشاد فرمایا حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے کہ جس نے دنیا میں نام ہونے کے لئے کپڑا پہنا قیامت کے روز اللہ تعالےٰ اس کو ذلّت کا لباس پہنائیں گے[3]۔

چوتھی خرابی یہ ہے کہ بلاضرورت کپڑے بناتی رہتی ہیں۔ فیشن والے نئے نئے ڈیزائن نکالتے رہتے ہیں جہاں کسی عورت کو دیکھا کہ نئی وضع کا کپڑا پہنے ہوئے ہے بس اب شوہر کے سر ہو جائیں گی۔ ادھار قرض کر کے جیسے بھی ہو اس قسم کا لباس بنادے۔ یہ فضول خرچی اور شوہر کے ستانے کی باتیں ہیں جسم چھپانے کے لئے اور سردی گرمی سے بچنے کے لئے شرع کے مطابق لباس پہنو۔ دو تین جوڑے ہوں اسی پر بس کرو۔ بلاضرورت شوہر کو لوٹنے کے جتنے بنوانا بری بات اور سخت عیب ہے۔ پھر یہ مصیبت بھی ہے کہ اگرچہ کئی جوڑے رکھے ہیں مگر ملنے جلنے کے لئے ہر موقعہ پر

---

[1] مشکوٰۃ شریف ۱۲۔ [2] ایضاً ۱۲۔ [3] ایضاً ۱۲

نیا جوڑا پہننا ضروری سمجھتی ہیں۔ یہ خیال ہوتا ہے کہ دیکھنے والی عورتیں کہیں گی کہ اس کے پاس بس یہی تین چار جوڑے ہیں۔ ان ہی کو بار بار پہن کر آجاتی ہے۔ صرف ناک اونچی کرنے اور بڑائی جتانے کے لئے شوہر کو ستاتی ہیں اور تقاضہ ہے کہ اور کپڑے بنا دے۔ اگر اس نے خیال نہ کیا تو جو روپیہ اس نے کسی سخت ضرورت کے لئے یا کسی کا قرض دینے کے لئے رکھا تھا چپکے سے نکال کر کپڑا خرید لیا۔ اب شوہر پریشان ہوتا ہے۔ جس کا قرض تھا اس کے سامنے ذلیل ہوتا ہے یا اور کسی بڑی پریشانی میں پڑ جاتا ہے۔ خبردار ایسا مت کیا کرو۔

برقعہ سر سے پاؤں تک جسم چھپانے کے لئے بہترین چیز ہے مگر اب ایسا برقعہ بننے لگا ہے کہ اس پر بیل بوٹے بنائے ہوتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ جو نہ دیکھے وہ بھی دیکھے۔ کچھ تو کسی کا خیال ہماری طرف آوے۔ توبہ! توبہ! پردہ کیا ہوا نظر کھینچنے والا کپڑا بن گیا اور بہت سی عورتیں ایسا اونچا برقعہ پہنتی ہیں کہ شلوار یا ساڑھی جو پنڈلیوں پر ہوتی ہے سب کو نظر آتی ہے اور پاؤں بھی دیکھتے ہیں۔ ایسا برقعہ مت پہنو خوب نیچا برقعہ پہنو۔ اور بہت سی عورتیں برقعہ کے اندر سے دوپٹہ کا کچھ حصہ باہر کو لٹکا دیتی ہیں یہ بھی بُری حرکت ہے وہ کیا پردہ ہوا جس سے غیر کی نظر اپنی طرف متوجہ ہوئی۔ ساڑھی اگر پہنو تو اتنی نیچی پہنو کہ پنڈلیاں اور ٹخنے چھپے رہیں اور پوری آستین کا کرتا یا قمیص پہن کر جو اتنا لمبا ہو کہ پیٹ اور کمر نہ کھلے، اوپر سے ساڑھی پہن لو۔ پیٹ اور کمر کا سخت پردہ ہے۔ اپنے سگے بھائی اور باپ سے بھی ان دونوں کو چھپاؤ۔

زیور عورتوں کو زیور پہننا جائز ہے لیکن زیادہ نہ پہننا بہتر ہے جس نے دنیا میں نہ پہنا اس کو آخرت میں بہت ملے گا۔

مسئلہ: بجنے والا زیور پہننا درست نہیں اور چھوٹی لڑکی کو پہنانا بھی درست نہیں۔ جیسے جھانجن وغیرہ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالے عنہا جو حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کی بیوی تھیں ان کے پاس ایک عورت آئی ایک بچی کو لے کر اس بچی نے بجنے والا زیور پہن رکھا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا

اس بچی کو میرے پاس ہرگز نہ لانا۔ جب تک کہ اس کا یہ زیور کاٹ کر علیحدہ نہ کردو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس گھر میں بجنے والے گھونگھرو ہوں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے[لہ]۔

مسئلہ:۔ چاندی سونے کے علاوہ کسی دوسری چیز کا زیور پہننا بھی درست ہے۔ جیسے پیتل، گلٹ، رولڈ گولڈ کا زیور مگر انگوٹھی سونے چاندی کے علاوہ کسی دوسری چیز کی درست نہیں۔ اور مردوں کو صرف چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے[عه]۔ کسی اور چیز کی جائز نہیں چاہے سونا ہو یا اور کوئی دھات ہو۔

مسئلہ:۔ جو چیزیں مردوں کو پہننا جائز نہیں نابالغ لڑکوں کو پہنانا بھی جائز نہیں لڑکوں کو ریشمی کپڑا یا کان میں بالی بُندا یا گلے میں ہنسلی ڈالنا یا چاندی کا تعویذ بنانا یہ سب ناجائز ہے۔

مسئلہ:۔ چاندی سونے کے برتن میں کھانا پینا یا چاندی سونے کے چمچے سے کھانا یا ان سے بنے ہوئے خلال سے دانت صاف کرنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ سونے چاندی کی سرمہ دانی یا سلائی سے سرمہ لگانا یا ان کی پیالی سے تیل لگانا یا ایسے آئینہ میں منہ دیکھنا جس کا فریم سونے یا چاندی کا ہو یہ سب ناجائز ہے۔ مردوں اور عورتوں سب کا ایک حکم ہے۔

تنبیہ:۔ زیور پہن کر دکھاوا کرنا اور بڑائی جتانا سخت گناہ ہے۔ بہت سی عورتیں زیور پہن کر ترکیبوں سے اپنا زیور ظاہر کرتی ہیں۔ گرمی لگنے کے بہانے سے گلے کا ہار اور کانوں کے بندے دکھاتی ہیں۔ کوئی نہ پوچھے تو طرح طرح کی باتیں چھیڑ کر اپنے بُندوں کی قیمت اور ڈیزائن کا انوکھا ہونا ظاہر کرتی ہیں اور مال داری کی بڑائی جتاتی ہیں یہ سخت گناہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے فرمایا کیا تم چاندی کے زیور سے گزارہ نہیں کر سکتی ہو؟ (پھر فرمایا کہ) جو عورت تم میں سے سونے کا زیور پہن کر بڑائی جتانے کے لئے دکھائے گی تو اس کی وجہ سے اس کو عذاب دیا جائے گا۔

(مشکوٰۃ شریف)　　　اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا

آمین یا رب العٰلمین برحمتک یا ارحم الراحمین

لہ مشکوٰۃ شریف ۲ عه بشرطیکہ ۴ ½ ماشہ سے کم ہو ۱۲۔

"صلاۃِ قصر"

نماز اسلام کا رکنِ ثانی ہے اور تمام عبادات میں اس کی اہمیت سب سے زیادہ ہے فرض نمازوں کے علاوہ بھی نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے بہت سی نمازیں امّت کو سکھائی ہیں۔ سیرتِ طیبہ کا یہ بھی ایک اہم پہلو ہے لہٰذا اس کو بھی سیرتِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل کیا جا رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نماز شروع میں دو دو رکعتیں فرض کی گئیں تھیں (یعنی نماز مغرب کے علاوہ ہر فرض نماز دو دو رکعت ہی پڑھی جاتی تھی) پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو (ظہر عصر اور عشار کی نماز میں) اضافہ کر دیا گیا اور ان تین اوقات کی نماز میں چار رکعت پڑھنا فرض قرار دے دیا گیا اور قصر نماز حسب سابق دو رکعت ہی اپنے حال پر چھوڑ دی گئی۔ (رواہ البخاری ومسلم)

سورۃ النسار میں فرمایا:

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ	اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی
فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ	گناہ نہیں کہ نماز میں قصر کرلو، اگر تم کو
تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ	اس بات کا خوف ہے کہ کافر لوگ تمہیں
خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ	فتنہ میں ڈال دیں گے، بے شک کافر
كَفَرُوْا اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا	تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں۔
لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۔	(آیت: ۱۰۱)

اس آیت میں سفر میں نماز قصر کی اجازت دی ہے، ظہر عصر اور عشار کی چار رکعتیں پڑھی جائیں، نماز فجر اور نماز مغرب میں قصر نہیں ہے۔ ان کو سفر میں بھی پورا ہی پڑھنا فرض ہے۔

قرآن مجید کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کافروں کے فتنے میں ڈالنے یعنی تکلیف پہنچانے کا اندیشہ ہو تو نماز قصر کرنے کی اجازت ہے۔ اسی لئے حضرت یعلی بن امیہ نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو یوں ارشاد فرمایا ہے:

اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

(جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ امن و امان ہو تو قصر نہ ہو) اب تو امن و امان ہو گیا

(لہٰذا پوری پڑھنی چاہیئے) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے بھی اس بات سے تعجب ہوا تھا، جس سے تمہیں تعجب ہو رہا ہے (کہ اب تو امن و امان ہے۔ لہٰذا پوری نماز پڑھا کریں) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا تھا، آپؐ نے فرمایا کہ یہ اللہ کی طرف سے تم پر صدقہ ہے لہٰذا اللہ کا صدقہ قبول کرو۔ (رواہ مسلم ص ۲۴۱ ج ۱)

اس سے معلوم ہوا کہ کافروں کی طرف سے فتنے میں ڈالنے کی شرط جو الفاظ قرآن سے مفہوم ہو رہی ہے یہ شرط ابتداءً تھی، بعد میں یہ شرط نہیں رہی اور نماز قصر مستقل ایک حکم بن گئی اور مسافت قصر کے سفر پر ہی قصر کا مدار رہ گیا۔ کسی قسم کا کوئی خوف اور کافروں کی فتنہ گری نہ ہو تب بھی چار رکعت والی نماز قصر ہی پڑھی جائے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کا سفر فرمایا اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ تھا آپ دو دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے۔ (مجمع الزوائد ص ۱۵۶ ج ۲)

حضرت حارثہ بن وہبؓ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں اور یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ لوگ خوب امن و امان میں تھے۔ (رواہ مسلم ص ۲۴۳ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں رہا ہوں آپؐ نے دو رکعتوں سے زیادہ (چار رکعت والی فرض) نماز نہیں پڑھی، یہاں تک کہ آپؐ کی وفات ہوگئی اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ رہا ہوں انہوں نے سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ (فرض) نماز نہیں پڑھی اور حضرت عمرؓ کے ساتھ رہا ہوں انہوں نے بھی سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ (فرض) نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو اٹھا لیا اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ رہا ہوں انہوں نے بھی سفر میں دو رکعت سے زیادہ (فرض) نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو اٹھا لیا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (البتہ تمہارے لئے اللہ کے رسول کی ذات شریفہ میں اسوہ حسنہ یعنی اچھی اقتداء ہے) (صحیح مسلم ص ۲۴۲ ج ۱)

حضرت عثمانؓ اپنے آخری زمانہ خلافت میں چار رکعتیں پڑھنے لگے تھے (صحیح مسلم ص ۲۴۲ ج ۱)

اس پر لوگوں کو اشکال ہوا تو جواب میں کہا گیا کہ انہوں نے تاویل کرلی ہے۔ یہ تاویل خود حضرت عثمانؓ سے مروی ہے۔ مجمع الزوائد ص ۱۵۶ ج ۲ میں مسند احمد سے نقل کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی ذباب نے بتایا کہ حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں چار رکعت نماز پڑھائی تو لوگوں نے اس کو اچھا نہیں جانا حضرت عثمانؓ نے جب لوگوں کی طرف سے انکار دیکھا تو فرمایا کہ میں نے مکہ میں وطن بنالیا ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص کسی شہر میں وطن بنالے تو وہاں مقیم والی نماز پڑھے۔ حاضرین کا استنکار (جن میں حضرات صحابہ کرامؓ بھی تھے) اور حضرت عثمانؓ کا تاویل کرنا اور وطن بنانے کی نیت کرکے چار رکعت پڑھنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حضرات قصر کو اس مسافر کے لئے واجب سمجھتے تھے جس کے لئے قصر مشروع ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے، اگر کوئی شرعی مسافر جس کے لئے قصر کرنا مشروع ہے تنہا نماز پڑھے یا مسافر کے پیچھے نماز پڑھے اور دو رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھ لے تو اگر بیچ میں پہلا قعدہ کیا تھا تو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں اور اگر درمیان کا قعدہ چھوڑ دیا تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سجدہ سہو سے تلافی نہ ہوگی کیونکہ پہلا قعدہ ہی اس کے لئے آخری قعدہ تھا اور آخری قعدہ امام صاحب موصوف کے نزدیک فرض ہے فرض چھوٹ جانے کی سجدہ سہو سے تلافی نہیں ہوتی۔

حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں اور نماز ظہر پڑھ کر سفر کے لئے روانہ ہوگئے تو ذی الحلیفہ میں عصر کی دو رکعتیں پڑھیں۔ (البخاری ومسلم)

ذوالحلیفہ اہل مدینہ کی میقات ہے جو مدینہ منورہ سے تقریباً نو دس کلو میٹر ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نماز عصر پڑھی تو دو رکعت پڑھی اس سے معلوم ہوا کہ جب سفر میں جانے لگے جس میں قصر جائز ہو اور اپنے شہر یا بستی سے باہر نکل جائے تو اسی وقت سے نمازِ قصر کرنا جائز ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ مسافت قصر پر پہنچ کر ہی قصر نماز پڑھی جائے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوئے اور آپؐ چار رکعت والی نماز دو رکعات پڑھاتے تھے یہاں تک کہ ہم واپس مدینہ منورہ پہنچ گئے، کسی نے معلوم کیا کہ مکہ معظمہ میں کتنے دن قیام کیا جواب دیا کہ دس دن قیام کیا۔ (رواہ البخاری ومسلم)

مسئلہ: مسافر جب مقیم کے پیچھے نماز پڑھے تو پوری نماز پڑھے اس میں قصر نہیں اور تنہا نماز پڑھے (یا مسافر کے پیچھے) تو دو رکعت پڑھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما امام کے پیچھے چار رکعت ہی پڑھتے تھے۔ سفر میں مقیم کا یہی عمل تھا۔

(رواہ البخاری)

مسئلہ: اگر مسافر نماز پڑھائے تو جو لوگ مقیم ہوں امام کے دو رکعت پر سلام پھیرنے کے بعد اپنی نماز پوری کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر جب نماز پڑھاتے تھے تو سلام پھیر کر اعلان فرما دیتے تھے اَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ فَاِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ "اپنی نمازیں پوری کرلو۔

مسئلہ: سفر میں سنتیں اگر نہ پڑھیں جبکہ سواری نکل جانے کا یا کسی مشقت میں پڑ جانے کا قوی احتمال ہو تو سنتیں چھوڑ دینا جائز ہے۔ امن و امان اور سہولت کے ہوتے ہوئے پڑھ لیا کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفل نماز بھی سفر میں پڑھ لیتے تھے بلکہ سواری کو قبلہ رُخ کر کے نماز غیر فرض شروع فرما دیتے تھے، تکبیر تحریمہ فرما کر نماز شروع فرما دیتے اور سواری کا رُخ جس جانب ہوتا وہ چلتی رہتی۔ (رواہ ابوداؤد)

فائدہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ظہر عصر اکٹھی پڑھنا اور مغرب اور عشاء اکٹھی پڑھنا بھی روایات احادیث میں وارد ہوا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے آیت شریفہ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا کے پیش نظر جمع حقیقی کی اجازت نہیں دی جمع صوری کی اجازت دی ہے دیگر ائمہ کے نزدیک جمع حقیقی بھی جائز ہے، لما کانت روایات الجمع الحقیقی

كانت أخبار احاد لم يعمل بها أبو حنيفة لأنها تعارض الأية الكريمة التي ذكرناها.

مسافت قصر کتنی ہے؟ یہ بھی ایک اختلافی مسئلہ ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر متوسط رفتار سے تین دن کا سفر ہو جو زمانہ قدیم میں تیز سواریوں سے پہلے پیدل یا اونٹوں پر طے کیا جاتا تھا ایسے سفر میں جائے تو قصر کرنا درست ہے اس سے کم میں جائز نہیں اس مسافت کا حساب حضرات اکابر نے ۴۸ میل لگایا تھا جس کے ۸۵ کیلومیٹر ہوتے ہیں اتنی مسافتِ سفر کے لئے نکلے تو قصر کرے اگرچہ ہوائی جہاز یا موٹر کار سے جائے۔

صلوٰۃ الضحیٰ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عبادت کا بہت ذوق تھا، نماز فجر پڑھ کر اسی جگہ بیٹھے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہیں پھر سورج چڑھنے پر دو رکعت پڑھ لیں اس کا بہت بڑا ثواب بتایا ہے جو ان ہی اوراق میں گزر چکا ہے۔ اس نماز کو ہمارے عرف میں صلوٰۃ الاشراق کہتے ہیں اس نماز کے تقریباً گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد چاشت کا وقت شروع ہو جاتا ہے کتبِ حدیث میں اسے صلوٰۃ الضحیٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا صَلٰوۃُ الْاَوَّابِیْنَ حِیْنَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ (یعنی اوابین کی نماز اس وقت ہے جب اونٹ کے بچوں کے پاؤں جلنے لگیں یعنی گرمی کے زمانہ میں دھوپ میں تیزی آجائے) اوابین جمع اواب کی ہے جس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف خوب رجوع کرنے والا) چونکہ یہ وقت کام کاج کا ہوتا ہے دنیاوی مشغولیت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے اس وقت کی نماز کو صَلٰوۃُ الْاَوَّابِیْنَ فرمایا یا یہ ان لوگوں کی نماز ہے جو اپنے رب کی طرف خوب زیادہ رجوع کرنے والے ہیں۔ عامۃ المسلمین کی زبانوں پر مغرب کے بعد والے نوافل کا نام صلاۃ الاوابین معروف ومشہور ہے ہے تو وہ

بھی اللہ تعالٰی کی طرف رجوع کرنے والوں کی نماز، اس لئے اس کو بھی صلوٰۃ الاوّابین کہنا درست ہے مگر مسلم شریف کی حدیث میں چاشت کی نماز کو صلاۃ الاوّابین سے تعبیر فرمایا ہے۔

چاشت کے نوافل پڑھنے کے لئے احادیث شریفہ میں بہت فضیلت وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے چاشت کے وقت دو رکعت نماز کی پابندی کر لی اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں [1]

حضرت بُریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ انسان کے جسم میں ۳۶۰ جوڑ ہیں اس پر لازم ہے کہ ہر جوڑ کی طرف سے بطور شکر صدقہ ادا کرے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ یہ کس کے بس کا ہے کہ روزانہ اتنا زیادہ صدقہ کرے؟ آپؐ نے فرمایا کہ مسجد میں بلغم پڑا ہو تو اُسے اُٹھا کے دفن کر دے یا راستے سے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دے (اور اس کی تعداد ۳۶۰ ہو جائے[2]) تو اس سے جوڑوں کا شکر ادا ہو جائے گا سو اگر ان کاموں میں سے کوئی کام نہ کر سکے تو چاشت کی دو رکعتیں تیرے لئے کافی ہوں گی [3]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چاشت کی نماز پڑھتے تھے پھر چھوڑ بھی دیتے تھے یعنی نہیں بھی پڑھتے تھے [4]

اس نماز کی رکعات کی تعداد کے بارے میں متعدد روایات ہیں حضرت معاذۃ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شاگرد تھیں انہوں نے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کے وقت کتنی رکعات پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ آپؐ چاشت کے وقت چار رکعت نماز پڑھتے تھے اور جیسے اللہ تعالٰی کی مشیئت ہوتی ان میں اضافہ بھی فرما دیتے تھے [5]

---

[1] رواہ احمد والترمذی۔ [2] کذا وقع فی روایۃ مسلم عن عائشۃؓ ولفظہ عدد الستین والثلاثمائۃ ولیس فیہا ذکر صلوٰۃ الضحیٰ راجع مشکوٰۃ المصابیح ۱۶۸
[3] رواہ ابوداؤد۔ [4] رواہ الترمذی۔ [5] رواہ مسلم۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اور آپ نے آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ میں نے اس سے زیادہ مختصر کوئی نماز نہیں دیکھی اختصار کے باوجود آپ نے رکوع اور سجدہ پورا ادا فرمایا۔ یہ چاشت کا وقت تھا۔[1]

خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چاشت کے وقت آٹھ رکعت نماز پڑھتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ اگر میرے ماں باپ بھی قبروں سے اٹھ کر آجائیں تو ان کو نہ چھوڑوں گی۔[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے چاشت کے وقت بارہ رکعات پڑھ لیں اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں سونے کا ایک گھر بنا دے گا۔[3]

حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچایا کہ اے ابن آدم تو دن کے شروع حصہ میں میرے لئے چار رکعات نماز پڑھ لے میں اس دن کے آخری حصہ تک تیرے لئے کفایت کروں گا یعنی تیری ضروریات پوری کروں گا۔[4]

بظاہر اس سے اشراق کی رکعتیں مراد ہیں کیونکہ دن کے شروع حصہ کا ذکر ہے لیکن صاحب مشکوٰۃ نے اس حدیث کو صلوٰۃ الضحیٰ میں نقل فرمایا ہے۔

صلوٰۃ الاستسقاء

بارش اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اس سے انسانوں کو بھی رزق ملتا ہے اور جانوروں کو بھی کھیتیاں ہری بھری ہوتی ہیں باغات سرسبز ہوتے ہیں ان میں پھل آتے ہیں کنوؤں میں پانی بڑھ جاتا ہے نہریں جاری ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ

---

[1] رواہ البخاری و مسلم۔ [2] رواہ امام مالک فی المؤطا۔
[3] رواہ الترمذی و ابن ماجہ۔ [4] رواہ الترمذی۔

شانہٗ نے ارشاد فرمایا،

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ	کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان
مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ	سے پانی نازل فرمایا پھر اس کو زمین کی
يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ	سوتوں میں داخل کردیا پھر اس کے ذریعہ
بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ	کھیتیاں نکالتا ہے جن کی قسمیں مختلف ہیں
يَهِيْجُ فَتَرٰهُ مُصْفَرًّا	پھر وہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے سو تو اسے
ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا	دیکھتا ہے پیلے رنگ کی حالت میں، پھر
اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى	وہ اسے چورا چورا بنا دیتا ہے، بلاشبہ اس
لِاُولِى الْاَلْبَابِ ○ (الزمر: ۲۱)	میں عقل والوں کے لئے نصیحت ہے۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ بارش ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بدن کے اوپر سے کپڑا ہٹا دیا تاکہ بارش کی کچھ بوندیں آپؐ کے جسمِ اطہر پر پڑجائیں۔ راویٔ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا اس لئے کہ یہ ابھی ابھی اپنے رب کے پاس سے (یعنی عالم قدس سے) آئی ہے (اس عالم کے اجزاء کی ابھی اس میں ملاوٹ نہیں ہوئی)[1]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دوسری دُعاؤں کی طرح بغیر نماز پڑھے بارش کے لئے دُعا کرنا بھی ثابت ہے اور بارش برسنے کے لئے خاص طور پر نماز پڑھنے کا اہتمام بھی مروی ہے جسے صلاۃ الاستسقاء کہا جاتا ہے۔ آپؐ جب بادل دیکھتے تو دوسرے کام چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے اور یوں دُعا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيْهِ (میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس چیز کے شر سے جو اس بادل میں ہے)۔ پھر اگر بادل چلا جاتا تو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے اور اگر بارش ہونے لگتی تو یوں دعا کرتے:

---

[1] رواہ مسلم۔

اَللّٰھُمَّ سَقْیًا نَافِعًا (اے اللہ اس بارش کو سیراب کرنے والی نفع دینے والی بنادے) [1]

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب آسمان پر بادل کا اثر محسوس ہوتا تھا تو آپ کا رنگ بدل جاتا تھا آپ کبھی باہر نکلتے کبھی اندر جاتے کبھی آگے بڑھتے کبھی پیچھے ہٹتے پھر جب بارش ہوجاتی تھی تو آپ کی یہ کیفیت دور ہوجاتی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کا سبب معلوم کیا تو آپ نے فرمایا اے عائشہ! میں ڈرتا ہوں کہ خدانخواستہ ایسا نہ ہو جیسا قوم عاد کے ساتھ ہوا جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی وادیوں کی طرف بادل متوجہ ہورہا ہے تو کہنے لگے: ھٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا (یہ بادل ہم پر بارش برسانے والا ہے) حالانکہ وہ بارش برسانے والا بادل نہ تھا سخت ہوا تھی جس میں دردناک عذاب تھا۔ (رواہ البخاری ومسلم)

دیکھا یہ سید المقربین صلی اللہ علیہ وسلم کا حال تھا جو سید المعصومین بھی تھے آج تو لوگ نڈر بنے ہوئے ہیں گناہوں پر گناہ کرتے چلے جاتے ہیں اور آیات اور علامات دیکھ کر ذرا بھی فکرمند نہیں ہوتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص جمعہ کے دن مسجد نبوی کے دروازہ سے داخل ہوا جو منبر کے جانب تھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہوئے خطبہ دے رہے تھے یہ باہر سے آنے والا آدمی آپ کے سامنے کھڑا ہوگیا اور عرض کیا [2] یارسول اللہ ھلکت الاموال وانقطعت السبل (اے اللہ کے رسول بارش نہ ہونے سے لوگوں کے اموال ہلاک ہوگئے اور مسافروں کے اسفار اور چلت پھرت ختم ہوگئی لہٰذا آپ اللہ سے دعا کر دیجئے کہ وہ بارش بھیج دے)۔ آپ نے خطبہ کے درمیان ہی ہاتھ اٹھائے اور یوں دعا کی:

اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا۔

(اے اللہ ہمیں سیراب کردے، اے اللہ ہمیں سیراب کردے اے اللہ ہمیں سیراب کردے)۔

---

[1] رواہ ابوداؤد والنسائی۔ [2] یہ شخص اعرابی تھا بظاہر آداب خطبہ سے واقف نہیں تھا اس لئے خطبہ کے درمیان بات کرنے لگا۔

راوی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اللہ کی قسم آسمان میں نہ تو کوئی بادل نظر آرہا تھا نہ کوئی بادل کا ٹکڑا آپؐ نے دعا کی اور ایک بادل ظاہر ہو گیا جو ڈھال کے برابر تھا۔ بادل کا یہ ٹکڑا آسمان کے بیچ میں آکر پھیل گیا۔ پھر بارش برسانا شروع کیا۔ اللہ کی قسم ایک ہفتہ تک ہم نے سورج بھی نہیں دیکھا پھر آئندہ والے جمعہ کے دن ایک آدمی اسی دروازہ سے داخل ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے وہ شخص سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (کثرت بارش کی وجہ سے) اموال ہلاک ہو گئے اور راہ گیروں کے راستے کٹ گئے اور لوگوں کے رہنے کے گھر گر گئے اور جانور ہلاک ہو گئے اور درخت پیلے پڑ گئے لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ بارش کو روک دے آپؐ نے اپنے دونوں مبارک ہاتھ اٹھائے اور یوں دعا کی۔

اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا اَللّٰھُمَّ	اے اللہ ہمارے چاروں طرف برسا اور
عَلَی الْاٰکَامِ وَالْجِبَالِ	ہم پر مت برسا اے اللہ ٹیلوں پر اور
وَالظِّرَابِ وَالْاَوْدِیَۃِ	پہاڑوں پر اور اونچی جگہوں پر اور نالوں
وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ ۔	پر اور درختوں کے اُگنے کی جگہوں پر برسا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آپؐ نے یہ دُعا کی اور بارش ختم ہو گئی جس کی وجہ سے ہم دھوپ میں چلنے لگے اور بارش کا یہ حال ہو گیا کہ بادل دائیں بائیں کی جانب چھٹ گیا ادھر ادھر بارش ہوتی تھی اور مدینہ منورہ پر بارش نہیں ہوتی تھی[1]

اس حدیث مبارک میں صلوٰۃ استسقاء کا ذکر نہیں ہے۔ آپؐ نے خطبہ پڑھتے پڑھتے منبر پر ہی بارش کی دُعا فرمائی، دیگر روایات میں نماز پڑھنے کا بھی ذکر ہے۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بارش طلب کرنے کے لئے شہر مدینہ سے باہر تشریف لے گئے آپؐ نے قبلہ کی طرف رخ فرما لیا اور دعا کرتے رہے اور اپنی چادر کو پلٹ دیا پھر دو رکعتیں پڑھائیں جن میں قرارت جہر سے پڑھی[2]

---

[1] من صحیح البخاری (ابواب الاستسقاء) [2] رواہ البخاری۔

چادر پلٹنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اوپر کا حصّہ نیچے اور نیچے کا حصّہ اوپر اور دائیں جانب کا حصّہ بائیں جانب اور بائیں جانب کا حصّہ دائیں جانب کر دیا، یہ بطور تفاؤل تھا، مطلب یہ تھا کہ جس طرح یہ چادر پلٹ گئی، اللہ تعالیٰ اسی طرح ہمارے حال کو پلٹ دے قحط کو دور فرما دے اور خوشحالی کی صورتحال پیدا فرما دے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ لوگوں نے آپؐ کی خدمت عالی میں بارش نہ ہونے کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا کہ جہاں عید کی نماز پڑھتے ہیں وہاں منبر رکھ دیا جائے اور ایک دن مقرر فرما کر لوگوں کو بتا دیا جائے کہ اس دن نماز پڑھی جائے گی۔ جب یہ دن آگیا تو علی الصباح جب سورج کی کرن ظاہر ہو گئی آپؐ باہر تشریف لے گئے۔ آپؐ منبر پر تشریف فرما ہوئے اللہ کی بڑائی اور اس کی تعریف بیان کی پھر فرمایا کہ تم لوگوں نے شکایت کی ہے کہ تمہارے علاقہ میں قحط پڑ گیا ہے اور بارش اپنے اس زمانہ سے متاخر ہو گئی ہے جس زمانہ میں بارش ہوا کرتی تھی اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اس سے دعا کرو اور اس نے تم سے قبول فرمانے کا وعدہ بھی کیا ہے، اس کے بعد آپؐ نے یوں دُعا کی:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ	سب تعریف اللہ کے لئے جو سارے جہانوں
اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مَالِكِ	کا پروردگار ہے روز جزا کا مالک ہے اللہ
یَوْمِ الدِّیْنِ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ	کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا
یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ۔ اَللّٰهُمَّ	ہے۔ اے اللہ تو اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود
اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ	نہیں تو غنی ہے اور ہم فقراء ہیں تو بارش
الْغَنِیُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ اَنْزِلْ	نازل فرما دے اور جو بارش نازل فرمائے
عَلَیْنَا الْغَیْثَ وَاجْعَلْ مَآ اَنْزَلْتَ	اسے ہمارے لئے قوت کا اور ایک زمانہ
لَنَا قُوَّةً وَّبَلَاغًا اِلٰی حِیْنٍ۔	تک گزارا کرنے کا ذریعہ بنا دے۔

پھر آپؐ نے ہاتھ اٹھائے اور اتنے اونچے اٹھائے کہ آپؐ کے دونوں مبارک بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو گئی پھر آپؐ نے لوگوں کی طرف اپنی پشت پھیری اور اپنی چادر پلٹ

دی پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور منبر سے اتر کر دو رکعت نماز پڑھائی اللہ تعالے نے بادل پیدا فرما دیا اللہ کے حکم سے بادل گرجا: بجلی چمکی پھر بارش ہوئی ابھی آپ مسجد میں (واپس) تشریف نہیں لائے سکتے کہ ہر طرف پانی بہنے لگا (ابھی تو لوگ بارش کی خواہش ظاہر کر رہے تھے اب جب بارش ہونے لگی تو گھروں کی طرف رُخ کر لیا) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ جلدی جلدی اپنے گھروں کی طرف جا رہے ہیں تو آپ کو ہنسی آگئی کہ آپ کی آخری داڑھیں ظاہر ہو گئیں (کیا تو لوگ بارش کا سوال کر رہے تھے اور بارش ہونے لگی تو جلدی جلدی اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے) یہ ماجرا دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اشهد ان الله على كل شئ قدير و انى عبد الله ورسوله (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں[1])

آندھی آنے کے موقعہ پر

جب تیز ہوا چلتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُعا کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے اور یوں دُعا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ	اے اللہ میں آپ سے اس کی خیر کا اور جو
خَیْرَهَا وَخَیْرَ مَا فِیْهَا	کچھ اس میں ہے اس کی خیر کا اور جو کچھ لے
وَخَیْرَ مَا اُرْسِلَتْ	کر یہ بھیجی گئی ہے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں
بِهٖ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ	اور اے اللہ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس
شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِیْهَا	کے شر سے اور جو کچھ اس میں ہے اس کے
وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ[2]	شر سے اور جو کچھ لے کر یہ بھیجی گئی ہے اس
. . . .	کے شر سے[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہوا اللہ کی رحمت ہے رحمت لے کر آتی ہے اور عذاب بھی تم اسے برا نہ کہو اور اللہ سے اس کی خیر کا سوال کرو اور اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگو[3]

---

[1] رواہ ابوداؤد۔ [2] رواہ البخاری ومسلم۔ [3] رواہ ابوداؤد

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا اس نے ہوا پر لعنت کر دی آپ نے فرمایا ہوا پر لعنت نہ کرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق چلتی ہے۔ مزید فرمایا کہ جو شخص کسی چیز پر لعنت کرے اور وہ چیز لعنت کے اہل نہ ہو تو یہ لعنت اسی پر لوٹ کر آجاتی ہے جس نے لعنت کی۔[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب (تیز) ہوا چلتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے تھے اور یہ دعا پڑھتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَّلَا	اے اللہ اس ہوا کو رحمت بنا دے اور
تَجْعَلْهَا عَذَابًا اَللّٰهُمَّ	اسے عذاب مت بنا اور اے اللہ اسے
اجْعَلْهَا رِيَاحًا وَّلَا تَجْعَلْهَا	برکت والی ہوا بنا اور اسے عذاب والی
رِيْحًا ۔	ہوا مت بنا۔[2]

ریاح جمع ہے ریح کی، بظاہر لغت کے اعتبار سے کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاح کا سوال فرمایا اور یہ سوال کیا کہ اے اللہ! اسے ریح مت بنا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس میں یہ نکتہ بتایا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں ریح کا ذکر ہے وہاں عذاب کے لئے استعمال کی گئی ہے۔ قال تعالیٰ: اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا ۔ وقال تعالیٰ وَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ۔ اور جہاں رحمت کا ذکر ہے وہاں لفظ ریاح مستعمل ہوا ہے۔ قال تعالیٰ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ ۔ وَقال تعالیٰ وَمِنْ آيَاتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيٰحَ مُبَشِّرَاتٍ بِاَمْرِهٖ ۔

گرجنے کی آواز سُن کر

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب گرج اور بجلی گرنے کی آواز سنتے تھے تو یوں دعا کرتے تھے:

---

[1] رواہ الترمذی۔ [2] رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ۔

اے اللہ ہمیں اپنے غصہ سے قتل نہ فرما اور اپنے عذاب سے ہلاک نہ فرما اور اس سے پہلے ہمیں عافیت میں رکھ۔[1]

صلوٰۃ الخوف کا طریقہ اور اس کے بعض احکام

سورۃ النساء میں ارشاد باری ہے:

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۔ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۔ (۱۰۲، ۱۰۳)

ترجمہ: اور جب آپ اُن میں موجود ہوں پھر ان کے لئے نماز قائم کریں تو چاہئے کہ اُن میں سے ایک جماعت آپ کے ساتھ کھڑی ہو جائے اور یہ لوگ اپنے ہتھیار لے لیں پھر جب سجدہ کر چکیں تو یہ تمہارے پیچھے ہو جائیں اور دوسری جماعت آجائے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی، سو وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں اور اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار ساتھ لے لیں۔ کافروں کی یہ خواہش ہے کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں سے اور اسباب سے غافل ہو جاؤ تو تم پر یک بارگی حملہ کر بیٹھیں اور تم پر اس بات کا کوئی گناہ نہیں کہ اگر بارش سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو اپنے ہتھیار رکھ

---

[1] رواہ احمد والترمذی وقال ھذا حدیث غریب۔

دو اور اپنے بچاؤ کا سامان لے لو بے شک اللہ نے کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار فرمایا ہے سو جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر۔ پھر جب مطمئن ہو جاؤ تو نماز قائم کرو بے شک نماز مومنین پر فرض ہے جس کا وقت مقرر ہے۔

اس آیت شریفہ میں صلوٰۃ الخوف (خوف کی نماز) کا ذکر ہے "لباب النقول" میں حضرت ابو عیاش زرقی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقام عسفان میں تھے سامنے سے مشرکین آ گئے جو خالد بن ولید کی سرکردگی میں تھے (وہ اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) یہ لوگ ایسی جگہ تھے جو ہمارے اور ہمارے قبلہ کے درمیان تھی۔ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز ظہر پڑھائی تو مشرکین کہنے لگے کہ ہم نے غلطی کی جب یہ لوگ نماز پڑھ رہے تھے اس وقت ان پر حملہ کر دیتے ان کو تو ہمارے حملے کا خیال بھی نہ تھا۔ پھر کہنے لگے کہ ابھی ایک اور نماز آنے والی ہے (یعنی نماز عصر) وہ نماز ان کو اپنے بیٹوں سے اور اپنی جانوں سے بھی زیادہ محبوب ہے جب یہ لوگ آئندہ نماز میں مشغول ہو جائیں تو ان پر حملہ کر دیا جائے۔ اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام ظہر اور عصر کے درمیان یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ۔ نماز خوف کئی طرح سے ثابت ہے۔

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ طریقے نقل کئے آیت بالا میں صلاۃ خوف کا جو طریقہ ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہے امام نمازیوں کی دو جماعتیں بنائے ان میں سے ایک جماعت دشمن کی طرف متوجہ رہے اور دشمن کی نگرانی کرے اور ایک جماعت امام کے پیچھے کھڑی ہو جائے جب امام کے ساتھ کھڑی ہونے والی جماعت پہلی رکعت کے دونوں سجدوں سے فارغ ہو جائے تو یہ لوگ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں اور دشمن کی طرف چلے جائیں اور وہ دوسری جماعت آ جائے جنہوں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی، ان کے آنے تک امام ان کے انتظار میں بیٹھا رہے۔ اب یہ گروہ ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھ لے۔ امام سلام پھیر دے امام کی دو رکعتیں ہو گئیں اور دونوں جماعتوں کی ایک ایک رکعت ہوئی چونکہ ہر جماعت

کی ایک ایک رکعت رہ گئی ہے اس لئے ان میں کا ہر شخص اپنی اپنی نماز پوری کرے، یعنی جو رکعت رہ گئی ہے اسے پوری کرے صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علاقہ نجد کی طرف اپنے لشکر کے ساتھ تشریف لے گئے تھے وہاں دشمن سے مقابلہ ہو گیا تو آپؐ نے مذکورہ بالا طریقے سے نماز پڑھی تھی۔ حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

یہ ہر جماعت کو ایک ایک رکعت پڑھانا اس صورت میں ہے جبکہ امام اور مقتدی مسافر ہوں اگر امام مقیم ہو تو ہر جماعت کو دو دو رکعتیں پڑھائے باقی رکعتیں وہ لوگ پوری کرلیں اگر نماز مغرب میں ایسا واقعہ پیش آئے تو پہلی جماعت کو دو رکعتیں اور دوسری جماعت کو ایک رکعت پڑھائے۔ (کماذکرہ الفقہاء)

نماز میں آنا جانا چونکہ حالت اضطرار کی وجہ سے ہے اور شرعی اجازت سے ہے اس لئے اس سے نماز فاسد نہ ہو گی۔ صلوٰۃ الخوف کی مشروعیت سے نہ صرف نماز کی بلکہ جماعت کی اہمیت معلوم ہو رہی ہے جبکہ دشمن سر پر سوار ہے اس وقت بھی نماز چھوڑنے کا ذکر تو کیا ہوتا بلا جماعت نماز پڑھنے کا بھی موقعہ نہیں دیا گیا۔ ہاں اگر دشمن کا ہجوم اس انداز سے ہو جائے کہ اُن کے حملے کی حفاظت سے کوئی راستہ ہی نہ ہو، اور نماز خوف پڑھنے کی صورت میں بھی حفاظت کی کوئی صورت نہ بن رہی ہو تو پھر علیحدہ علیحدہ نماز پڑھ لیں اور اگر یہ صورت بھی ممکن نہ ہو تو نماز بالکل بھی چھوڑی جا سکتی ہے جب دشمن کا ہجوم نہ رہے تو چھوٹی ہوئی سب نمازیں قضا پڑھ لیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احزاب کے موقعہ پر کیا تھا۔

صلوٰۃ التوبۃ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو بھی کوئی شخص گناہ کر بیٹھے پھر اُٹھ کھڑا ہو اور (وضو غسل کی) طہارت حاصل کر کے دو رکعتیں پڑھ کر اللہ سے مغفرت طلب کرے تو اللہ جل شانہٗ

ضرور اس کی مغفرت فرما دے گا اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا	اور ایسے لوگ کہ جب کوئی کام ایسا کر
فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْٓا	گزرتے ہیں جس میں زیادتی ہو یا اپنی
اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ	ذات پر نقصان اٹھاتے ہیں تو اللہ کو یاد
فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ	کر لیتے ہیں پھر اپنے گناہوں کی معافی
وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ	چاہنے لگتے ہیں اور اللہ کے سوا کون ہے
وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا	جو گناہوں کو بخشتا ہو اور وہ لوگ اپنے
وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ (آل عمران: ۱۳۴)	فعل پر اصرار نہیں کرتے اور وہ جانتے ہیں

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ توبہ کرنے کا ارادہ کرے تو اس کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ جل شانہٗ سے مغفرت کا سوال کرے اس کو نماز توبہ کہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص نماز توبہ کے بغیر ہی پوری ندامت اور شرمندگی کے ساتھ گڑگڑا کر مغفرت طلب کرے اور عہد کرے کہ آئندہ گناہ نہیں کروں گا تب بھی توبہ ہو جاتی ہے بشرطیکہ اس کے لوازم اور شرائط پورے کرے۔

اگر کم از کم دو رکعت نماز پڑھ کر توبہ کرے اور گناہوں کی مغفرت کا سچے دل سے سوال کرے تو یہ دُعا اور زیادہ لائق قبول ہو جاتی ہے یوں بھی آداب دعا میں سے ہے کہ کوئی نیک عمل دعا سے پہلے کر لیا جائے پھر نماز تو افضل الاعمال ہے اس کو قبولیت دعا کا ذریعہ بنانا چاہیئے خاص کر توبہ قبول کرانے کے لئے اور گناہ معاف کرانے کے لئے اور گناہ معاف کرانے کے لئے تو توبہ اور دُعا سے پہلے نماز کا خاص اہتمام کیا جائے۔

جب کوئی گناہ ہو جائے تو گزشتہ پر ندامت اور پریشانی کے ساتھ آئندہ کو گناہ نہ کرنے کا عہد کر کے معافی مانگے اور اس پر ثابت قدم رہے اگر نفس و شیطان کے ورغلانے سے گناہ ہو جائے تو پھر توبہ کرے اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہو اگر چند بار توبہ کی اور توڑی پھر توبہ کی تو انشاء اللہ تعالیٰ گناہ چھوٹ ہی جائیں گے و باللہ التوفیق

لہ رواہ الترمذی و ابو داؤد۔

واضح رہے کہ حقوق العباد توبہ سے معاف نہیں ہوتے ہیں اور حقوق اللہ میں جن کی تلافی ممکن ہے ان کی تلافی بھی لازم ہے حقوق العباد کی ادائیگی اور حقوق اللہ کی تلافی توبہ کا جزوِ اعظم ہے۔

صلوٰۃ الحاجۃ

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ (۱۵۳)

اے ایمان والو! مدد مانگو صبر اور صلوٰۃ کے ساتھ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس آیت کریمہ میں صبر اور نماز کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کا طریقہ آیا ہے۔ لفظ صبر تین معنی میں آتا ہے۔ اوّل طاعات پر جما رہنا خاص کر فرائض اور واجبات کو پابندی سے ادا کرنا۔ دوم گناہوں سے پوری طرح اہتمام کے ساتھ بچنا۔ سوم جو مصائب اور مشکلات درپیش ہوں اُن پر صبر کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وما اعطی احد عطاءً هو خیر واوسع من الصبر (یعنی کسی کو کوئی ایسی چیز عطا نہیں کی گئی ہے جو صبر سے بہتر ہو اور صبر سے بڑھ کر وسیع ہو)[1]

عام طور سے لوگوں میں یہ تیسرا معنیٰ ہی زیادہ معروف ہے۔ تینوں قسم کا صبر اللہ تعالیٰ کی مدد کو لانے والا ہے۔ زندگی میں عموماً صبر کے مواقع پیش آتے رہتے ہیں۔ عبادات بھی صبر ہی سے ادا ہوتی ہیں۔ نفس عبادت کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اگر تیار ہوتا ہے تو صحیح طریقہ سے ادا کرنے سے بچتا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ لیلۃ الاحزاب میں (غزوہ خندق کے موقعہ پر) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آیا (اُن کو ایک کام کے لئے بھیجا تھا) تو آپ چادر اوڑھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے غزوۂ بدر کی رات میں دیکھا کہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب

---

[1] رواہ البخاری ومسلم

لوگ سوئے ہوئے تھے آپ برابر نماز میں مشغول رہے اور صبح ہونے تک دُعا کرتے رہے۔

(ابن کثیر ص ۸۰ ج ۱)

نماز کے ذریعہ اللہ جل شانہ سے بندہ کا خصوصی تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جب نمازی نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس چیز کا یہ مرتبہ ہو گا وہ خصوصی تعلق کا ذریعہ کیوں نہ بنے گی اور جب خصوصی تعلق ہو گا تو اللہ جل شانہ کی مدد اور رحمت ضرور متوجہ ہو گی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے بہت ہی زیادہ محبت تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں کر دی گئی ہے۔ آپ راتوں کو اس قدر نمازیں پڑھتے تھے کہ قدم مبارک سُوج جاتے تھے، پھر اگر کوئی مشکل در پیش ہو جاتی تو خصوصیت کے ساتھ نماز کی طرف اور زیادہ متوجہ ہو جاتے تھے۔

اگر کوئی شخص نماز ہی میں لگا ہے تو اوّل تو یہ نماز میں لگنا ہی رفع مصیبت کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل کرنے کے لئے اکسیر ہے اگر دُعا بھی مانگ لے تو اللہ کی رحمتیں اور نصرتیں بے حساب متوجہ ہوں گی لوگوں کا یہ طریقہ ہے کہ جب مصیبت آتی ہے دنیاوی تدبیریں کرتے ہیں اور سارا وقت اور جان و مال انہی تدبیروں میں لگا دیتے ہیں لیکن نماز کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور نہ سچے دل سے دعا کرتے ہیں حالانکہ دفع مصائب کا سب سے بڑا ذریعہ اور کامیاب علاج نماز اور دعا ہی ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی اہم کام پیش آجاتا تھا تو نماز میں مشغول ہو جاتے تھے[1]

اس حدیث سے ایک عمومی بات معلوم ہوئی کہ جب کوئی مشکل پیش آتی تھی آنحضرت سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے، آپ نے بعض خاص مواقع میں خصوصیت کے ساتھ نماز پڑھ کر دُعا کرنے کی ترغیب اور تلقین فرمائی ہے۔ صلوٰۃ التوبہ، صلوٰۃ الاستسقاء، صلوٰۃ الحاجہ، صلوٰۃ الاستخارہ اسی سلسلہ

---

[1] رواہ ابوداؤد

کی نمازیں ہیں جو احادیث میں وارد ہوئی ہیں ۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جسے اللہ سے کوئی حاجت ہو یا کسی بندہ سے کوئی حاجت ہو تو وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے پھر دو رکعتیں پڑھ کر اللہ کی تعریف کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اور پھر یہ پڑھے ۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ ۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ، اَسْئَلُکَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِکَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِکَ وَالْغَنِیْمَۃَ مِنْ کُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَۃَ مِنْ کُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِیْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَہٗ وَلَا ھَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَہٗ وَلَا حَاجَۃً ھِیَ لَکَ رِضًا اِلَّا قَضَیْتَھَا یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ؕ[1]

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جو حلیم و کریم ہے اللہ پاک ہے جو عرش عظیم کا رب ہے اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں ۔ اے اللہ میں تجھ سے تیری رحمت کی واجب کرنے والی چیزوں کا اور ان چیزوں کا سوال کرتا ہوں جو تیری مغفرت کو ضروری کر دیں اور ہر بھلائی میں اپنا حصہ اور ہر گناہ سے سلامتی چاہتا ہوں اے ارحم الراحمین میرا کوئی گناہ بخشے بغیر اور کوئی رنج دور کئے بغیر اور کوئی حاجت جو تجھے پسند ہو پوری کئے بغیر نہ چھوڑ ۔

یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ کے بعد اپنی دنیا اور آخرت کے بارے میں جو چاہے سوال کرے ۔

---

[1] رواہ الترمذی وابن ماجہ کلاھما من روایۃ فائد بن عبد الرحمٰن وزاد ابن ماجہ بعد قولہ یا ارحم الراحمین ثم یسئل من امر الدنیا والاخرۃ ورواہ الحاکم باختصار وقال اخرجتہ شاھدا وفائد مستقیم الحدیث وزاد بعد قولہ وعزائم مغفرتک والعصمۃ من کل ذنب کذا قال المنذری فی الترغیب ثم قال فائد متروک روی عنہ الثقات وقال ابن عدی مع ضعفہ یکتب حدیثہ ۱۳۸

صلوٰۃ الاستخارہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درپیش آنے والے تمام امور کے سلسلہ میں ہم کو اس طرح استخارہ سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سورت سکھاتے تھے آپؐ فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کام کرنے کا ارادہ کرے تو فرضوں کے علاوہ دو رکعت نماز پڑھے پھر یہ دعا پڑھے :

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۔ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدُرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ [۱]

اے اللہ میں تیرے علم کے ذریعے تجھ سے خیر مانگتا ہوں اور تیری قدرت کے ذریعہ تجھ سے قدرت طلب کرتا ہوں اور تیرے بڑے فضل کا تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ بلاشبہ تجھے قدرت ہے اور مجھے قدرت نہیں اور تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا اور تو غیبوں کو خوب جاننے والا ہے۔ اے اللہ اگر تیرے علم میں میرے لئے یہ کام میری دنیا اور آخرت میں بہتر ہے تو اس کو میرے لئے مقدر فرما پھر میرے لئے اس میں برکت فرما اور اگر تیرے علم میں میرے لئے یہ کام میری دنیا اور آخرت میں شر اور برا ہے تو اس کو مجھ سے اور مجھ کو اس سے دور فرما اور میرے لئے خیر مقدر فرما جہاں کہیں بھی ہو۔ پھر مجھے اس پر راضی فرما دے۔

---

[۱] لفظ ھٰذا الامر جو دو جگہ ہے جب یہاں پہنچے تو اپنے اس کام کا نام لے جس کے بارے میں استخارہ کر رہا ہے۔ [۲] رواہ البخاری

دُعائے حفظِ قرآن مجید

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں قرآن پاک میرے سینے سے نکل جاتا ہے اور جو یاد کرتا ہوں وہ محفوظ نہیں رہتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوالحسن! کیا میں تجھے ایسی ترکیب بتلاؤں جو تجھے بھی نفع دے اور جس کو تو بتلائے اس کے لئے بھی نافع ہو اور جو کچھ تو سیکھے وہ محفوظ رہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا ارشاد فرمادیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شبِ جمعہ میں اگر یہ ہوسکتا ہو کہ رات کے اخیر تہائی حصہ میں اٹھو تو یہ بہت ہی اچھا ہے کہ یہ وقت ملائکہ کے نازل ہونے کا ہے اور دعا اس وقت خاص طور سے قبول ہوتی ہے اور میرے بھائی یعقوب (علیہ السلام) نے جو سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَکُمْ فرمایا تھا (کہ عنقریب تمہارے لئے استغفار کروں گا) اس سے شبِ جمعہ مراد تھی، پس اگر اس وقت میں جاگنا دشوار ہو تو رات کے درمیانی حصہ میں اور یہ بھی نہ ہوسکے تو شروع ہی رات میں کھڑے ہو کر چار رکعت نماز (نفل) پڑھو۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ یٰسٓ اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۂ دخان اور تیسری رکعت میں فاتحہ کے بعد سورہ الٓمٓ سجدہ اور چوتھی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۂ ملک پڑھو اور جب التحیات سے فارغ ہو جاؤ تو اوّل حق تعالیٰ شانہٗ کی خوب حمد و ثنا بیان کرو اور اس کے بعد مجھ پر خوب درود بھیجو اور تمام انبیاء پر درود بھیجو اس کے بعد مومنین کے لئے اور ان مسلمان بھائیوں کے لئے جو تم سے پہلے گذر گئے ہیں استغفار کرو پھر یہ دعا پڑھو۔

اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِتَرْكِ الْمَعَاصِیْ اَبَدًا مَّا اَبْقَیْتَنِیْ وَارْحَمْنِیْ اَنْ اَتَکَلَّفَ مَا لَا یَعْنِیْنِیْ وَارْزُقْنِیْ حُسْنَ النَّظَرِ فِیْمَا یُرْضِیْكَ عَنِّیْ

اَللّٰهُمَّ بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ وَالْعِزَّةِ الَّتِيْ لَاتُرَامُ اَسْئَلُكَ يَا اَللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ بِجَلَالِكَ وَنُوْرِ وَجْهِكَ اَنْ تُلْزِمَ قَلْبِيْ حِفْظَ كِتَابِكَ كَمَا عَلَّمْتَنِيْ وَارْزُقْنِيْ اَنْ اَتْلُوَهٗ عَلَى النَّحْوِ الَّذِيْ يُرْضِيْكَ عَنِّيْ اَللّٰهُمَّ بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ وَالْعِزَّةِ الَّتِيْ لَاتُرَامُ اَسْئَلُكَ يَا اَللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ بِجَلَالِكَ وَنُوْرِ وَجْهِكَ اَنْ تُنَوِّرَ بِكِتَابِكَ بَصَرِيْ وَاَنْ تُطْلِقَ بِهٖ لِسَانِيْ وَاَنْ تُفَرِّجَ بِهٖ عَنْ قَلْبِيْ وَاَنْ تَشْرَحَ بِهٖ صَدْرِيْ وَاَنْ تَغْسِلَ بِهٖ بَدَنِيْ فَاِنَّهٗ لَا يُعِيْنُنِيْ عَلَى الْحَقِّ غَيْرُكَ وَلَا يُؤْتِيْهِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

ترجمہ: اے اللہ مجھ پر رحم فرما کہ جب تک زندہ رہوں گناہوں سے بچتا رہوں اور مجھ پر رحم فرما کہ میں بیکار چیزوں میں کلفت نہ اٹھاؤں اور اپنی مرضیات میں خوش نظری مرحمت فرما۔ اے اللہ زمین اور آسمانوں کے بے نمونہ پیدا کرنے والے اے عظمت و بزرگی والے اور اس غلبہ کے مالک جس کے حصول کا ارادہ ہی ناممکن ہے اے اللہ اے رحمٰن میں تیری بزرگی اور تیری ذات کے نور کے طفیل تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ جس طرح تو نے اپنا کلام پاک مجھے سکھلایا اسی طرح اس کی یاد بھی میرے دل سے چپکا کردے اور مجھے توفیق عطا فرما کہ میں اسے اس طرح پڑھوں جس سے تو راضی ہوجائے اے اللہ زمین و آسمان کو بے نمونہ پیدا کرنے والے اے عظمت اور بزرگی والے اور اس غلبہ کے مالک جس کے حصول کا ارادہ ہی ناممکن ہے اے اللہ میں تیری بزرگی اور تیری ذات کے نور کے طفیل تجھ سے مانگتا ہوں کہ تو میری نظر کو اپنی کتاب کے نور سے منور فرما دے اور میری زبان کو اس کے پڑھنے میں چلا دے اور اس کی برکت سے میرے دل کی تنگی کو دور فرما دے اور میرے سینہ کو کھول دے اور اس کی برکت سے میرے جسم کے گناہوں کے میل کو دھو دے کہ حق پر تیرے سوا کوئی مددگار نہیں اور میری یہ آرزو تیرے سوا کوئی پوری نہیں کرسکتا اور گناہوں سے بچنے اور نیکیوں پر

چلنے کی طاقت صرف اللہ کی طرف سے ہے جو عظیم اور برتر ہے۔"
اس دُعا کو بتا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ابو الحسن اس عمل کو تین ہفتہ یا پانچ ہفتہ یا سات ہفتہ کرلو انشاء اللہ تعالیٰ ضرور دعا قبول کی جائے گی قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے کبھی کسی مومن سے خطا نہ کرے گی۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پانچ یا سات ہی جمعے گزرے ہوں گے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! پہلے میں تقریباً چار آیات یا ان کے برابر یاد کرتا تھا اور وہ ذہن سے نکل جاتی تھیں اور اب (اس عمل کے بعد) تقریباً چالیس آیات پڑھتا ہوں جو ایسی ازبر ہو جاتی ہیں کہ گویا میں قرآن شریف دیکھ کر پڑھ رہا ہوں اور پہلے میں حدیث سن کر جب دہرانا چاہتا تھا تو ذہن میں نہ رہتی تھی اور اب جو احادیث سُنتا ہوں تو ایک لفظ بھی نہیں چھوٹتا [1]

فائدہ

اس سے معلوم ہوا کہ یہ عمل صرف حفظِ قرآن ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ دینیات کی دوسری چیزوں کو یاد رکھنے کے لئے بھی مفید ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا تجربہ بتایا کہ اس کے بعد قرآن و حدیث دونوں خوب یاد رہتے ہیں [2]

---

[1] اخرجه الترمذي في ابواب الدعوات وحسنه ۱۲

[2] نمازِ حفظِ قرآن جو اوپر لکھی ہے اس میں تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ الٓمّٓ سجدہ پڑھنے کو فرمایا ہے حالانکہ ترتیب قرآنی میں یہ سورت اُن دونوں سورتوں سے مقدم ہے جن کو پہلی اور دوسری رکعت میں پڑھنے کو بتایا اگر کسی کے ذہن میں تقدیم و تاخیر کا سوال اٹھے تو اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ نوافل میں اس طرح کی گنجائش ہوتی ہے۔ ثانیاً یہ کہ نوافل کی ہر دو رکعت علیحدہ نماز شمار کی جاتی ہے اور ہر دو دو رکعت کی قرأت مرتب ہے ۱۲

ماہِ رمضان المبارک
اور
اس کے فضائل ومسائل

صیام وقیام اور دیگر اعمال واشغال

روزہ اسلام کا چوتھا رکن ہے اور ایک عظیم بدنی عبادت ہے اس کے فضائل بے شمار ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں بہت ہی زیادہ عبادت، تلاوت اور سخاوت فرماتے تھے۔
اس مضمون میں رمضان المبارک کے فضائل ومسائل بیان کئے گئے ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کیسے گزارتے تھے یہ بھی سیرت کا اہم حصہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

رمضان المبارک کے روزے رکھنا اسلام کا چوتھا رکن ہے، یہ خالص بدنی عبادت ہے اور بدنی اس شان سے ہے کہ اس میں کچھ کرنا نہیں پڑتا۔ بعض چیزوں کو ترک کرنا یعنی کھانا پینا اور شرم گاہ کی شہوت پوری کرنے سے بچنا اس کا نام روزہ ہے بشرطیکہ روزہ کی نیت کی ہو۔ روزہ پہلی امتوں پر بھی فرض تھا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ	اے ایمان والو! تم پر روزے فرض
عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ	کئے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں
عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ	پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار

تَتَّقُوْنَ ۔ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ (۱۸۴،۱۸۳) بنو یہ روزے چند دن کے ہیں۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ میں روزہ کی حکمت کی طرف اشارہ فرمایا ہے تقویٰ صغیرہ وکبیرہ ظاہرہ اور باطنہ گناہوں سے بچنے کا نام ہے۔ آیتِ کریمہ نے بتادیا کہ روزہ کی فرضیت تقویٰ حاصل کرنے کے لئے ہے۔ بات یہ ہے کہ انسان کے اندر بہیمیت کے جذبات بھی موجود ہیں، نفسانی خواہشات ساتھ لگی ہوئی ہیں، نفس کا ابھار معاصی کی

طرف ہوتا رہتا ہے۔ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس سے بہیمیت کے جذبات کمزور ہوتے ہیں اور نفس کا ابھار کم ہو جاتا ہے اور شہوات و لذات کی اُمنگ گھٹ جاتی ہے ایک مہینہ شرعی دن میں کھانے پینے اور جنسی تعلقات کے مقتضیٰ پر عمل کرنے سے اگر باز رہے تو باطن کے اندر ایک نکھار اور نفس کے اندر سُدھار پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص رمضان کے روزے اُن احکام و آداب کی روشنی میں رکھے جو قرآن و حدیث میں وارد ہوئے ہیں تو واقعۃً ایک سال کے لئے اچھا خاصہ تزکیہ ہو جاتا ہے۔

رمضان المبارک کے روزوں کے علاوہ نفل روزے بھی مشروع کئے گئے ہیں ان روزوں کا ثواب مستقل ہے جو روایات حدیث میں مذکور ہے اور اس ثواب کے علاوہ یہ فائدہ بھی ہے کہ رمضان المبارک کے روزے رکھتے وقت جو عمل کوتاہیاں ہوئیں اور آداب کی رعایت ملحوظ نہ رہی (جس کی وجہ سے تزکیۂ باطن میں کمی رہ گئی اور نفسانی جذبات میں پھر اُبھار ہونے لگا) اس کوتاہی کی تلافی ہوتی ہے۔

جو گناہ انسان سے سرزد ہوتے ہیں ان میں سب سے زیادہ دو چیزیں گناہ کا باعث بنتی ہیں ایک منہ دوسری شرمگاہ۔ چنانچہ امام ترمذیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ کون سی چیز دوزخ میں داخل کرانے کا ذریعہ بنے گی آپؐ نے جواب دیا الفم والفرج یعنی منہ اور شرمگاہ ان دونوں کو دوزخ میں داخل کرانے میں زیادہ دخل ہے۔ روزہ میں منہ اور شرمگاہ دونوں پر پابندی ہوتی ہے اور یہ پابندی ہمیشہ کے لئے کام دے سکتی ہے یعنی مذکورہ دونوں راہوں سے جو گناہ ہو سکتے ہیں روزہ ان سے باز رکھنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے اسی لئے تو ایک حدیث میں فرمایا: اَلصِّیَامُ جُنَّۃٌ یعنی روزہ ڈھال ہے (گناہ سے بھی بچاتا ہے اور آتشِ دوزخ سے بھی بچاتا ہے) جب کوئی شخص روزہ رکھے تو روزہ کی حفاظت کرے یعنی گناہوں سے بچنے کا خاص اہتمام کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو بُری باتیں نہ کرے اور شور نہ مچائے۔ اگر کوئی شخص اس سے گالی گلوچ کرنے لگے

تو کہہ دے میرا روزہ ہے[1] (لڑائی جھگڑا میرا کام نہیں)

اگر روزے کو پورے اہتمام اور احکام و آداب کی مکمل رعایت کے ساتھ پورا کیا جائے تو بلاشبہ گناہوں سے محفوظ رہنا آسان ہو جاتا ہے خاص روزہ کے وقت بھی اور اس کے بعد بھی، ہاں اگر کسی نے روزہ کے لوازم کا خیال نہ کیا اور گناہوں میں مشغول رہتے ہوئے محض کھانا پینا روک کر روزہ کی نیت کر لی تو اس سے فرض ادا ہو جاتا ہے مگر روزے کے برکات و ثمرات سے محرومی رہتی ہے۔

ایک ماہ مسلسل روزے رکھنے کی حکمت

اللہ جل شانہ نے روزوں کے لئے رمضان المبارک کا مہینہ مقرر فرمایا ہے اور ایک ساتھ ایک ماہ کے پورے روزے رکھنا فرض قرار دیا ہے ایک ساتھ پورے ایک ماہ کے روزے فرض نہ ہوتے بلکہ تھوڑے تھوڑے کر کے رکھے جاتے تو اس سے نفس کی قوت شہوانیہ کے دبانے اور تزکیہ نفس کا وہ فائدہ حاصل نہ ہوتا جو پورے ایک ماہ روزے رکھنے سے حاصل ہوتا ہے، اور چند روزے متفرق مرتبہ رکھنے سے خوشی کا وہ کیف بھی حاصل نہ ہوتا جو عید کے دن حاصل ہوتا ہے۔

اگر بندوں کو اختیار دے دیا جاتا کہ سال بھر میں جس کا جب جی چاہے مقررہ تعداد میں روزے رکھ لے تو اس میں یک جہتی بھی نہ رہتی، کبھی زید رکھتا اور کبھی عمرو اور بہت سے لوگ مقررہ تعداد میں روزے نہ رکھ پاتے کیونکہ اجتماعی صورت میں جو کام آسانی سے ہو جاتا ہے وہ انفرادی طور پر اس شان سے نہیں ہوتا۔ پھر اجتماع میں برکتیں بھی بہت ہوتی ہیں اگر سب کے لئے ایک وقت مقرر نہ ہوتا تو مسجدوں میں افطار کا نہ وہ کیف ہوتا جس سے آنکھوں کو نور اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے اور نہ اجتماعی طور پر سب کی عید ہوتی جس کا کیف اور سرور سب کے سامنے ہے۔

پھر رمضان المبارک صرف روزوں ہی کا مہینہ نہیں ہے اس میں شب قدر بھی ہے جو ہزار ماہ سے بہتر ہے پھر اخیر عشرہ میں اعتکاف بھی ہے۔ یہ مہینہ صبر کا مہینہ

---

[1] رواہ البخاری و مسلم

بھی ہے اور سخاوت کا بھی اور آپس کی غمخواری کا بھی، اس میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔

طبیعتیں خود بخود نیکی کی طرف چلنے لگتی ہیں شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں ایک فرض کا ثواب ستر فرضوں کے اور نفل کا ثواب فرض کے برابر ملتا ہے۔ یہ سب چیزیں احادیث شریفہ میں وارد ہوئی ہیں اس ماہ کی خیر و برکت مومن بندے ہی سمجھتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں فبارك الله في صيامهم وصلواتهم۔

رمضان المبارک کی آمد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبۂ استقبالیہ

وَعَنْ سَلْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اٰخِرِ يَوْمٍ مِنْ شَعْبَانَ قَالَ: يَا اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ مُبَارَكٌ، شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ شَهْرٍ، شَهْرٌ جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهُ فَرِيْضَةً، وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا، مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ، وَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ، وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ، وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ، وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ، وَشَهْرٌ يُزَادُ فِيْ رِزْقِ الْمُؤْمِنِ فِيْهِ، مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَائِمًا كَانَ مَغْفِرَةً لِذُنُوْبِهِ وَعِتْقَ رَقَبَتِهِ مِنَ النَّارِ، وَكَانَ لَهُ مِثْلُ اَجْرِهِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَ مِنْ اَجْرِهِ شَيْءٌ، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ كُلُّنَا يَجِدُ مَا يُفَطِّرُ الصَّائِمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُعْطِي اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى تَمْرَةٍ اَوْ عَلٰى شَرْبَةِ مَاءٍ، اَوْ مَذْقَةِ لَبَنٍ، وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهُ رَحْمَةٌ، وَاَوْسَطُهُ مَغْفِرَةٌ، وَاٰخِرُهُ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ، مَنْ خَفَّفَ

عَنْ مَمْلُوْكِهٖ فِيْهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ، وَاَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ وَاسْتَكْثِرُوْا فِيْهِ مِنْ اَرْبَعِ خِصَالٍ، خَصْلَتَيْنِ تُرْضُوْنَ بِهِمَا رَبَّكُمْ، وَخَصْلَتَيْنِ لَاغِنَاءَ بِكُمْ عَنْهُمَا، فَاَمَّا الْخَصْلَتَانِ اللَّتَانِ تُرْضُوْنَ بِهِمَا رَبَّكُمْ، فَشَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَتَسْتَغْفِرُوْنَهٗ، وَاَمَّا الْخَصْلَتَانِ اللَّتَانِ لَاغِنَاءَ بِكُمْ عَنْهُمَا، فَتَسْأَلُوْنَ اللّٰهَ الْجَنَّةَ، وَتَعُوْذُوْنَ بِهٖ مِنَ النَّارِ، وَمَنْ سَقٰى صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً، لَا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ،

رواہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ، ثم قال صح الخبر، ورواہ من طریق البیھقی ورواہ ابو الشیخ ابن حیان فی الثواب باختصار عنھما۔

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کی آخری رات میں ہم کو خطاب فرمایا کہ:۔

"اے لوگو! ایک عظیم مہینہ آپہنچا ہے جو ماہ مبارک ہے اس میں ایک رات ہے جو ہزار ماہ سے بہتر ہے۔ اس ماہ کے روزے اللہ تعالٰی نے فرض فرمائے ہیں اور اس کی راتوں میں قیام کرنا تطوّع (غیر فرض) قرار دیا ہے اس ماہ میں جو شخص کوئی نیک کام کرے گا اس کو ایسا اجر و ثواب ملے گا جیسے اس کے علاوہ دوسرے مہینہ میں فرض ادا کرتا اور فرض کا ثواب ملتا۔ اور جو شخص اس ماہ میں ایک فرض ادا کرے تو اس کو ستر فرضوں کے برابر ثواب ملے گا۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے اور یہ آپس کی غمخواری کا مہینہ ہے۔ اس میں مؤمن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ اس ماہ میں جو شخص کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرا دے تو یہ اس کی مغفرت کا اور دوزخ سے اس کی گردن کی آزادی کا سامان بن جائے گا اور اس کو اسی قدر ثواب ملے گا جتنا روزہ دار کو ملے گا مگر روزہ دار کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم میں ہر شخص کو اتنا مقدور نہیں جو روزہ افطار کرا دے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی یہ ثواب اس کو (بھی) دے گا جو پانی ملے ہوئے تھوڑے سے دودھ یا کھجور یا ایک گھونٹ

پانی سے افطار کرادے (سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید فرمایا کہ) جو شخص (افطار کے بعد) کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کے کھانا کھلادے اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض سے ایسا سیراب کریں گے کہ جنّت میں داخل ہونے تک پیاسا نہ ہوگا (اور پھر جنّت میں تو بھوک و پیاس کا نام ہی نہیں) اس ماہ کا اوّل حصہ رحمت ہے، دوسرا حصہ مغفرت ہے، تیسرا حصہ دوزخ سے آزادی کا ہے۔ جس نے اس ماہ میں اپنے غلام کا کام ہلکا کردیا تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادیں گے۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ اس ماہ میں چار کاموں کی کثرت کرو ان میں سے دو کام ایسے ہیں کہ ان کے ذریعہ تم اپنے پروردگار کو راضی کروگے اور دو کام ایسے ہیں جن سے تم بے نیاز نہیں ہوسکتے ہو۔

وہ دو کام جن کے ذریعہ خدائے پاک کی خوشنودی حاصل ہوگی (۱) لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ورد رکھنا (۲) خدائے پاک سے مغفرت طلب کرتے رہنا۔ اور وہ دو چیزیں جن سے تم بے نیاز نہیں رہ سکتے ہو یہ ہیں (۱) جنّت کا سوال کرنا (۲) دوزخ سے پناہ مانگنا۔"

(الترغیب والترہیب للحافظ للمنذری)

رمضان آخرت کی کمائی کا مہینہ ہے

رمضان المبارک کا مہینہ بہت ہی زیادہ خیر و برکت کا مہینہ ہے اور یہ مہینا آخرت کی کمائی کا بہت بڑا سیزن ہے۔ دنیا کمانے کے جیسے مختلف مواقع آتے رہتے ہیں مثلاً سردی میں گرم کپڑے والوں کی خوب کمائی ہوتی ہے اور عید پر درزی خوب کمالیتے ہیں اور جیسے بارش میں ٹیکسی والوں کی خوب چاندی بن جاتی ہے اسی طرح آخرت کی کمائی کے لئے بھی مواقع آتے رہتے ہیں۔ رمضان المبارک نیکیوں کا مہینہ ہے اس میں اجر و ثواب خوب بڑھ جاتا ہے، ایک فرض کا ثواب ستر فرضوں کے برابر اور نفلوں کا ثواب فرضوں کے برابر دیا جاتا ہے جیسا کہ خطبۂ نبویؐ میں گزرا۔

رمضان المبارک میں خدائے پاک کی طرف سے روزانہ رات کو ایک منادی پکار کر اعلان کرتا ہے یَا بَاغِیَ الْخَیْرِ اَقْبِلْ وَیَا بَاغِیَ الشَّرِّ اَقْصِرْ (اے بھلائی کے تلاش

کرنے والے آگے بڑھ اور اے برائی کے تلاش کرنے والے رُک جا) دیکھا جاتا ہے کہ رمضان میں عبادت کے لئے طبیعت مائل ہوجاتی ہے فاسق وفاجر گناہوں کو چھوڑ کر نماز روزے میں لگ جاتے ہیں ——————— اس ماہ میں فرائض کا اہتمام تو ضرور ہی کرے جو ہمیشہ ضروری ہے، نوافل کا بھی خاص خیال رکھے ذکر اللہ کی بھی کثرت کرے۔ خطبۂ نبوی میں گذر چکا ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا وِرد رکھے اور استغفار کرتا رہے اور پچھلی قضا نمازیں پڑھنے کا بھی اہتمام کرے۔

رمضان اور سخاوت

رمضان المبارک میں جس قدر فی سبیل اللہ خرچ کیا جائے کم ہے اس میں روزہ افطار کرانے اور روزہ کھولنے کے بعد روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھلانے کی خاص فضیلت وارد ہوئی ہے اور اس ماہ کو شھر المواساۃ (غمخواری کا مہینہ) فرمایا جیسا کہ خطبۂ نبویہ میں گزرا، غریبوں کی امداد واعانت اس ماہ کے کاموں میں ایک اہم کام ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ اَطْلَقَ كُلَّ اَسِيْرٍ وَاَعْطٰى كُلَّ سَائِلٍ.ؔ	جب رمضان کا مہینہ آجاتا تھا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قیدی کو آزاد فرما دیتے تھے اور ہر سائل کو عطا فرماتے تھے۔

رمضان اور قرآن

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ اَجْوَدَ مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ كَانَ جِبْرِيْلُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْاٰنَ فَاِذَا	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور آپ کی سخاوت رمضان المبارک میں تمام ایام سے زیادہ ہوجاتی تھی۔ رمضان میں ہر رات کو جبرئیل علیہ السلام آپ سے ملاقات کرتے تھے (اور) آپ ان کو قرآن شریف سناتے تھے۔ جب آپ سے جبرئیلؑ ملاقات کرتے

لہ مشکوٰۃ

لَقِيَهٗ جِبْرِیْلُ کَانَ اَجْوَدَ بِالْخَیْرِ مِنَ الرِّیْحِ الْمُرْسَلَةِ۔[1]

تھے تو آپؐ اس ہوا سے بھی زیادہ سخی ہو جاتے تھے جو بارش لاتی ہے۔

قیامِ رمضان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ (متفق علیہ)

جس نے ایمان کے ساتھ (اور) ثواب سمجھتے ہوئے رمضان کے روزے رکھے اس کے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور جس نے ایمان کے ساتھ (اور) ثواب سمجھتے ہوئے رمضان میں قیام کیا (تراویح وغیرہ پڑھی) تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور جس نے شب قدر میں قیام کیا ایمان کے ساتھ اور ثواب سمجھ کر اس کے اب تک کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔[2]

رمضان المبارک کی راتوں میں چونکہ قیام کی ترغیب دی گئی ہے اس لئے امت مسلمہ میں ہمیشہ سے عشاء کے فرض اور سنت و وتر کے بعد مزید نفل رکعات پڑھنے کا دستور رہا ہے (اس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ انہی اوراق میں آئے گی)۔

رمضان شریف کے آخری عشرہ میں عبادت کا خاص اہتمام

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تھا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے

---

[1] رواہ البخاری ومسلم۔ [2] رواہ البخاری ومسلم۔

دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِيْزَرَهٗ — تہبند کو مضبوط باندھ لیتے تھے اور رات بھر
وَ اَحْيٰى لَيْلَهٗ وَ اَيْقَظَ اَهْلَهٗ. — عبادت کرتے تھے اور اپنے گھر والوں کو
(رواہ البخاری ومسلم) — (بھی عبادت کے لئے) جگاتے تھے۔

ایک حدیث میں ہے کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے آخری دس دنوں کے اندر جتنی محنت سے عبادت کرتے تھے اس کے علاوہ دوسرے ایام میں اتنی محنت نہ کرتے تھے۔ (رواہ مسلم)

حضرت عائشہؓ نے جو یہ فرمایا کہ رمضان کے آخری عشرہ میں آپؐ تہبند کس لیتے تھے، علماء نے اس کے دو مطلب بتائے ہیں۔ ایک یہ کہ خوب محنت اور کوشش سے عبادت کرتے تھے اور راتوں رات جاگتے تھے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ اردو کے محاورے میں محنت کا کام بتانے کے لئے بولا جاتا ہے کہ "خوب کمر کس لو" اور دوسرا مطلب تہبند کس کر باندھنے کا یہ بتایا کہ رات کو بیویوں کے پاس لیٹنے سے دور رہتے تھے۔ کیونکہ ساری رات عبادت میں گزر جاتی تھی۔ اور اعتکاف بھی ہوتا تھا اس لئے رمضان کے آخری عشرہ میں میاں بیوی والے خاص تعلق کا موقع نہیں لگتا تھا۔ حدیث کے آخر میں جو ایقظ اھلہ فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی بہت محنت اور کوشش سے عبادت کرتے تھے اور رات بھر بیدار رہتے تھے اور گھر والوں کو بھی اس مقصد کے لئے جگاتے تھے۔ بات یہ ہے کہ جسے آخرت کا خیال ہو، موت کے بعد کے حالات کا یقین ہو، اجر و ثواب کے لینے کا لالچ ہو وہ کیوں نہ محنت اور کوشش سے عبادت میں لگے گا، پھر جو اپنے لئے پسند کرے وہی اپنے اہل وعیال کے لئے بھی پسند کرنا چاہئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود راتوں کو نمازوں میں اتنا قیام فرماتے تھے کہ قدم مبارک سوج جاتے تھے۔ پھر رمضان کے اندر خصوصاً اخیر عشرہ آخرت کی کمائی کا خاص موقع ہے۔ آپؐ کی کوشش ہوتی تھی کہ گھر والے بھی عبادت میں لگیں لہٰذا اخیر عشرہ کی راتوں میں ان کو بھی جگاتے تھے بہت سے لوگ خود تو بہت بڑی عبادت کرتے ہیں لیکن بال بچوں کی طرف سے غافل

رہتے ہیں یہ لوگ فرض نماز بھی نہیں پڑھتے۔ اگر بال بچوں کو ہمیشہ دین پر ڈالنے اور عبادت میں لگانے کی کوشش کی جاتی رہے اور ان کو ہمیشہ فرائض کا پابند رکھا جائے تو رمضان میں نفلوں کے لئے اٹھانے اور شب قدر میں جگانے کی بھی ہمت ہو جب بال بچوں کا ذہن دینی نہیں بنایا تو ان کے سامنے شب بیداری کی بات کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنی محبت عطا فرمائے اور عبادت کی لگن اور ذکر کے ذوق سے نوازے۔

شب قدر کی فضیلت

وَعَنْهَا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا قَالَتْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ اِنْ عَلِمْتُ اَیَّ لَیْلَۃٍ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ مَا اَقُوْلُ فِیْہَا قَالَ قُوْلِیْ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔ (رواہ احمد و ابن ماجہ والترمذی وصححہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیے کہ اگر مجھے پتہ چل جائے کہ فلاں رات کو شب قدر ہے تو میں کیا دعا کروں۔ آپ نے فرمایا یہ دعا کرو اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔

رمضان المبارک کا پورا مہینہ آخرت کی دولت کمانے کا ہے۔ پھر اس ماہ میں اخیر عشرہ اور بھی زیادہ محنت اور کوشش سے عبادت میں لگنے کا ہے۔ اس عشرہ میں شب قدر ہوتی ہے جو بڑی بابرکت رات ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ۔ یعنی شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ ہزار مہینے کے ۸۳ سال اور چار مہینے ہوتے ہیں۔ پھر شب قدر کو ہزار مہینے کے برابر نہیں بتایا بلکہ ہزار مہینے سے بہتر بتایا ہے۔ ہزار مہینے سے شب قدر کس قدر بہتر ہے اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ مؤمن بندوں کے لئے شب قدر بہت ہی خیر و برکت کی چیز ہے۔ ایک رات جاگ کر عبادت کر لیں اور ہزار مہینوں سے زیادہ عبادت کرنے کا ثواب پالیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا چاہئے اسی لئے تو حدیث شریف میں فرمایا مَنْ حُرِمَھَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَیْرَ کُلَّہٗ وَلَا یُحْرَمُ خَیْرَھَا اِلَّا کُلُّ مَحْرُوْمٍ [1] یعنی جو شخص شب قدر سے محروم ہو گیا (گویا) پوری

---

[1] رواہ ابن ماجہ۔

بھلائی سے محروم ہوگیا اور شب قدر کی خیر سے وہی محروم ہوتا ہے جو کامل محروم ہو مطلب یہ ہے کہ چند گھنٹے کی رات ہوتی ہے اور اس میں عبادت کر لینے سے ہزار مہینے سے زیادہ عبادت کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ چند گھنٹے بیدار رہ کر نفس کو سمجھا بجھا کر عبادت کر لینا کوئی ایسی قابل ذکر تکلیف نہیں جو برداشت سے باہر ہو۔ تکلیف ذراسی اور ثواب بہت بڑا۔ جیسے کوئی ایک پیسہ تجارت میں لگا دے اور بیس کروڑ روپیہ پائے، جس شخص کو ایسے بڑے نفع کا موقع ملا پھر اس نے توجہ نہ کی اس کے بارے میں یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ وہ پورا اور پکا محروم ہے۔

پہلی اُمتوں کی عمریں زیادہ ہوتی تھیں۔ اس امت کی عمر بہت سے بہت ۷۰، ۸۰ سال ہوتی ہے۔ اللہ پاک نے یہ احسان فرمایا کہ ان کو شب قدر عطا فرمادی اور ایک شب قدر کی عبادت کا درجہ ہزار مہینوں کی عبادت سے زیادہ کر دیا۔ محنت کم ہوئی، وقت بھی کم لگا اور ثواب میں بڑی بڑی عمروں والی امتوں سے بڑھ گئے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام ہے کہ اس اُمت کو سب سے زیادہ نوازا۔ یہ کیسی نالائقی ہے کہ اللہ کی بہت زیادہ نوازشں اور داد و دہش ہو اور ہم غفلت میں پڑے سویا کریں۔ رمضان کا کوئی لمحہ ضائع نہ ہونے دو۔ خصوصاً آخری عشرہ میں عبادت کی زیادہ فکر کرو اور بچوں کو بھی ترغیب دو۔

شب قدر کی دُعا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب پوچھا کہ یا رسول اللہؐ شب قدر میں کیا دُعا کروں تو آپؐ نے یہ دُعا تعلیم فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔	اے اللہ اس میں شک نہیں کہ آپ معاف کرنے والے ہیں، معاف کرنے والے کو پسند فرماتے ہیں لہٰذا مجھے معاف فرما دیجئے۔

دیکھئے کیسی دُعا ارشاد فرمائی۔ نہ زر مانگنے کو بتایا نہ زمین، نہ دھن نہ دولت، کیا مانگا جائے؟ معافی بات اصل یہ ہے کہ آخرت کا معاملہ سب سے زیادہ کٹھن ہے وہاں اللہ کے

معاف فرمانے سے کام چلے گا اگر معافی نہ ہوئی اور خدانخواستہ عذاب میں گرفتار ہوئے تو دنیا کی ہر نعمت اور لذت اور دولت و ثروت بیکار ہوگی۔ اصل شے معافی اور مغفرت ہی ہے ایک حدیث میں ارشاد ہے:

مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ۔

جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے (عبادت کیلئے) کھڑا رہا اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں

کھڑا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھے اور اسی حکم میں یہ بھی ہے کہ تلاوت اور ذکر میں مشغول ہو اور ثواب کی امید رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ریا وغیرہ کسی طرح کی خراب نیت سے کھڑا نہ ہو بلکہ اخلاص کے ساتھ محض اللہ کی رضا اور ثواب کے حصول کی نیت سے مشغولِ عبادت رہے۔ بعض علمائے نے فرمایا کہ اِحْتِسَابًا کا مطلب یہ ہے کہ ثواب کی نیت کر کے بشاشتِ قلب سے کھڑا ہو، بوجھ سمجھ کر بددلی کے ساتھ عبادت میں نہ لگے ثواب کا یقین اور اعتقاد جس قدر زیادہ ہوگا اتنا ہی عبادت میں مشقت کا برداشت کرنا سہل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص قربِ الٰہی میں جس قدر ترقی کرتا جاتا ہے عبادت میں اس کا انہماک زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو جانا ضروری ہے کہ حدیث بالا اور اس جیسی احادیث میں گناہوں کی معافی کا ذکر ہے۔ علماء کا اجماع ہے کہ کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ پس جہاں احادیث میں گناہوں کے معاف ہونے کا ذکر آتا ہے وہاں صغیرہ گناہ مراد ہوتے ہیں اور صغیرہ گناہ ہی انسان سے بہت سرزد ہوتے ہیں۔ عبادت کا ثواب بھی اور ہزاروں گناہوں کی معافی بھی ہو جائے کس قدر نفع عظیم ہے۔

شبِ قدر کی تاریخیں شبِ قدر کے بارے میں حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ لہٰذا رمضان کی ۲۱ ویں، ۲۳ ویں، ۲۵ ویں، ۲۷ ویں، ۲۹ ویں رات کو جاگنے اور عبادت کرنے کا خاص اہتمام

کریں خصوصاً ۲۷ویں شب کو تو ضرور جاگیں کیونکہ اس دن شبِ قدر ہونے کی زیادہ امید ہوتی ہے۔

حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اس لئے باہر تشریف لائے کہ ہمیں شبِ قدر کی اطلاع فرمادیں مگر دو مسلمانوں میں جھگڑا ہو رہا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اس لئے آیا تھا کہ تمہیں شبِ قدر کی اطلاع دوں مگر فلاں فلاں شخصوں میں جھگڑا ہو رہا تھا جس کی وجہ سے اس کی تعیین میرے ذہن سے اٹھالی گئی۔ کیا بعید ہے کہ یہ اٹھالینا اللہ کے علم میں بہتر ہو۔

لڑائی جھگڑے کا اثر اس مبارک حدیث سے معلوم ہوا کہ آپس کا جھگڑا اس قدر برا عمل ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ پاک نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک سے شبِ قدر کی تعیین اٹھالی۔ یعنی کس رات کو شبِ قدر ہے مخصوص کر کے اس کا علم جو دے دیا گیا تھا وہ قلب سے اٹھالیا گیا۔ اگرچہ بعض وجوہ سے اس میں بھی امت کا فائدہ ہوگیا جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم ابھی ذکر کریں گے۔ لیکن سبب آپس کا جھگڑا بن گیا جس سے آپس میں جھگڑے کی مذمت کا پتہ چلا۔

شبِ قدر کی تعیین نہ کرنے میں مصالح

علماء کرام نے شبِ قدر کو پوشیدہ رکھنے یعنی مقرر کر کے یوں نہ بتلانے کے بارے میں کہ فلاں رات کو شبِ قدر ہے، چند مصلحتیں بتائی ہیں۔

(۱) اوّل یہ کہ اگر تعیین باقی رہتی تو بہت سے کوتاہ طبائع دوسری راتوں کا اہتمام بالکل ترک کر دیتے اور صورتِ موجودہ میں اس احتمال پر کہ شاید آج ہی شبِ قدر ہو متعدد راتوں میں عبادت کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔

(۲) دوسری یہ کہ بہت سے لوگ ہیں کہ معاصی کئے بغیر نہیں رہتے۔ تعیین کی صورت میں اگر باوجود معلوم ہونے کے معصیت کی جرأت کی جاتی تو یہ بات سخت

اندیشہ ناک ہوتی۔

(۳) تیسری یہ کہ تعیین کی صورت میں اگر کسی شخص سے وہ رات چھوٹ جاتی تو آئندہ راتوں میں افسردگی کی وجہ سے پھر کسی رات کا جاگنا بشاشت کے ساتھ نصیب نہ ہوتا اور اب رمضان کی چند راتیں میسر ہو ہی جاتی ہیں۔

(۴) چوتھی یہ کہ جتنی راتیں طلب میں خرچ ہوتی ہیں' ان سب کا مستقل ثواب علیحدہ ملتا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی مصالح ہوسکتے ہیں۔ جھگڑے کی وجہ سے اس خاص رمضان المبارک میں تعیین بھلادی گئی اور اس کے بعد مصالح مذکورہ یا دیگر مصالح کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے تعیین چھوڑ دی گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف

وَعَنْهَا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا	حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت
اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ	فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
کَانَ یَعْتَکِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ	رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف
مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰی تَوَفَّاهُ اللّٰہُ	فرماتے تھے۔ وفات ہونے تک آپ کا یہ
ثُمَّ اعْتَکَفَ اَزْوَاجُهٗ مِنْ	معمول رہا۔ آپ کے بعد آپ کی بیویاں اعتکاف
بَعْدِهٖ (رواہ البخاری ومسلم)	کرتی تھیں۔ (بخاری ومسلم)

فرمایا محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے (اعتکاف کرنے والے کے متعلق کہ وہ گناہوں سے بچا رہتا ہے اور اسے وہ ثواب بھی ملتا ہے جو (اعتکاف سے باہر) تمام نیکیاں کرنے والے کو ملتا ہے۔ (ابن ماجہ عن ابن عباسؓ)

یعنی اعتکاف میں بیٹھ کر اعتکاف والا خارج مسجد جو نیکیاں کرنے سے عاجز ہے تو وہ ثواب کے اعتبار سے محروم نہیں ہے۔ اگر اعتکاف نہ کرتا تو مسجد سے باہر جو نیکیاں کرتا' ان کا ثواب بھی پاتا ہے۔

رمضان المبارک کی ہر گھڑی اور منٹ و سیکنڈ کو غنیمت جاننا چاہئے جتنا ممکن

ہو اس ماہ میں نیک کام کرلو، اور ثواب لوٹ لو، پھر رمضان میں بھی آخری دس دنوں کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔

رمضان کے آخری دس دن (جن کو عشرۂ اخیرہ کہا جاتا ہے) میں اعتکاف بھی کیا جاتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ان دنوں میں اعتکاف فرماتے تھے اور آپؐ کی بیویاں بھی اعتکاف کرتی تھیں۔ آپؐ کی وفات کے بعد بھی آپؐ کی بیویوں نے اعتکاف کا اہتمام کیا جیسا کہ اوپر حدیث میں مذکور ہوا۔ زمانۂ نبوت کی عورتیں نیکیاں کمانے کی دُھن میں پیچھے نہ رہتی تھیں۔

اعتکاف میں بہت بڑا فائدہ ہے۔ اس میں انسان یکسو ہو کر اپنے اللہ سے لو لگائے رہتا ہے اور چونکہ رمضان کی آخری دس راتوں میں کوئی نہ کوئی رات شبِ قدر بھی ہوتی ہے اس لئے اعتکاف کرنے والے کو عموماً وہ بھی نصیب ہو جاتی ہے۔

رمضان کی بیسویں تاریخ کا سورج چھپنے سے پہلے عید کا چاند نظر آنے تک اعتکاف کی نیت سے مسجد میں جم کر رہنے کو اعتکاف کہتے ہیں۔ جم کر رہنے کا مطلب یہ ہے کہ عید کا چاند نظر آنے تک مسجد ہی کی حد میں رہے۔ البتہ پیشاب، پاخانہ کے لئے وہاں سے چلے جانا درست ہے۔ اعتکاف کرے تو ہر وقت مسجد میں رہے وہیں سوئے وہیں کھائے قرآن پڑھے، نفلیں پڑھے، تسبیحوں میں مشغول رہے، جہاں تک ممکن ہو راتوں کو جاگے اور عبادت کرے، خاص کر جن راتوں میں شبِ قدر کی امید ہو ان راتوں میں شب بیداری کا اہتمام کرے۔

مسئلہ: اعتکاف میں میاں بیوی کے خاص تعلقات والے کام جائز نہیں ہیں۔ نہ رات میں نہ دن میں۔

مسئلہ: یہ جو مشہور ہے کہ جو اعتکاف میں ہو وہ کسی سے نہ بولے نہ چالے یہ غلط ہے، بلکہ اعتکاف میں بولنا چالنا اچھی باتیں کرنا، کسی کو نیک بات بتا دینا اور بُرائی سے روک دینا، بال بچوں اور نوکروں کو گھر کا کام کاج وغیرہ بتا دینا یہ سب درست ہے۔

آخری رات کی بخششیں

فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رمضان کی آخری رات میں اُمتِ محمدیہ کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اس سے شبِ قدر مراد ہے؟ فرمایا نہیں! (یہ فضیلت آخری رات کی ہے شبِ قدر کی فضیلتیں اس کے علاوہ ہیں) بات یہ ہے کہ عمل کرنے والے کا اجر اس وقت پورا دے دیا جاتا ہے جب کام پورا کر دیتا ہے اور آخری شب میں عمل پورا ہو جاتا ہے، لہٰذا بخشش ہو جاتی ہے۔

(احمد عن ابی ھریرۃ ؓ)

تراویح

چونکہ رمضان المبارک آخرت کی کمائی کرنے اور زیادہ سے زیادہ ثواب لوٹنے کا مہینہ ہے اس لئے اس ماہ میں عشار کے فرضوں اور سنتوں کی ادائیگی کے علاوہ مزید نماز بھی مشروع کی گئی ہے۔ ان ہی اوراق میں حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (جس نے ایمان کے ساتھ ثواب کی امید رکھتے ہوئے رمضان کی راتوں میں قیام کیا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے)[1]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین دن تین راتوں میں صحابہ کے ساتھ قیام فرمایا صحابہ ؓ نے اس میں بہت زیادہ دلچسپی لی لیکن آپ نے اس ڈر سے کہ کہیں یہ فرض نہ ہو جائے جماعت سے نماز نہیں پڑھائی ہر شخص اپنے نشاط کے مطابق قیام رمضان کا ثواب کما لیتا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شروع زمانہ میں اسی پر عمل رہا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کے وقت مسجد میں گذرے وہاں دیکھا کہ لوگ متفرق طور پر قیام رمضان میں مشغول ہیں کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہے اور کسی کے ساتھ چند افراد نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضرت عمر ؓ نے کہا کہ اگر میں انہیں ایک قاری پر جمع

---

[1] رواہ البخاری و مسلم

کردوں تو زیادہ اچھا ہوگا۔ اس کے بعد حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام بنادیا وہ نماز پڑھاتے تھے اور حاضرین ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، بعض روایات میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھادیں (آٹھ رکعات قیام رمضان کی اور تین رکعت وتر کی) راوی حدیث سائب بن یزید نے بیان کیا کہ نماز پڑھانے والا قاری کئی کئی سو آیات پڑھتا تھا حتیٰ کہ ہم لمبے قیام کی وجہ سے لاٹھی پر ٹیک لگاتے تھے اور فجر کے شروع میں فارغ ہوتے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ نماز پڑھانے والا قاری سورۃ بقرہ کو آٹھ رکعات میں پڑھتا تھا اور جب وہ اس سورۃ کو بارہ رکعات میں پڑھتا تھا تو حاضرین سمجھتے تھے کہ آج قاری نے کام ہلکا کردیا۔

اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی ابن کعب پر جمع فرمادیا (یعنی قیام رمضان کے لئے اُن کو امام دیا اور نماز پڑھنے والوں کو ان کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم فرمادیا) حضرت ابی بن کعبؓ حاضرین کو بیس رکعت نماز پڑھاتے تھے اور جب آخری دس دن رہ جاتے تھے تو اپنے گھر میں نماز پڑھتے تھے لوگ کہتے تھے اَبَقَ اُبَیٌّ کہ اُبی لوگوں کو چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

یہ روایات ہم نے مشکوٰۃ المصابیح ص۱۱۴ اور ص۱۱۵ سے جمع کی ہیں ان سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں قیام رمضان کی رکعات مقرر نہ تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو امام بنایا اور ان کے پیچھے قیام رمضان کی نماز پڑھنے کا اجتماعی سلسلہ جاری فرمایا اس میں بھی روایات مختلف ہیں آٹھ رکعات کا ذکر بھی ہے اور بارہ کا بھی اور بیس کا بھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعات اجتماعی نماز شروع کرائی تھی۔ پھر حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانۂ خلافت میں اور اس کے بعد سے لے کر آج تک چاروں ائمہ کرام کے مقلدین بیس رکعت نماز پڑھتے رہے ہیں اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول چھتیس رکعات نماز پڑھنے کا بھی ہے۔

قیام رمضان کے عنوان سے جو نماز پڑھی جاتی تھی کچھ عرصہ کے بعد اس کے لئے لفظ تراویح استعمال کیا جانے لگا جو ترویحۃ کی جمع ہے جس کا معنی ہے "آرام دینا" چونکہ چار رکعت پڑھنے کے بعد امام اور مقتدی کچھ ٹھہر جاتے تھے جس سے آرام بھی مل جاتا تھا اور آئندہ چار رکعت پڑھنے کی مزید ہمت ہو جاتی تھی اور جس کسی کو پانی پینا ہوتا پانی پی لیتا تھا اور کسی کو کوئی بات کرنی ہوتی تو وہ بات کر لیتا اسی لئے اس کو نماز تراویح کے نام سے یاد کیا جانے لگا اور پوری امت میں قیام رمضان کے لئے یہی کلمہ مشہور ہو گیا۔

بعض فرقوں کو بیس[1] رکعت تراویح پڑھنے پر اعتراض ہے اور اسے بدعت کہتے ہیں حالانکہ اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جاری فرمایا اس وقت بڑی تعداد میں حضرات صحابہ کرام موجود تھے انہوں نے اس کی موافقت کی اور بیس رکعت نماز پڑھی۔ پھر حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں بھی اسی پر عمل ہوتا رہا تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ اور حدیث مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِي پر عمل کرنا ہوا۔ حضرات خلفاء ثلاثہ اور بیس رکعت تراویح پڑھنے والے صحابہ کو بدعتی کہنا کتنی بڑی جسارت ہے قارئین کرام غور کر لیں۔

سفر میں روزے رکھنے کا حکم

طویل سفر جس میں نماز قصر پڑھنا درست ہے اس میں رمضان المبارک کے روزے چھوڑنا بھی جائز ہے یعنی رمضان کا مسافر نماز قصر والے سفر میں رمضان کے روزے نہ رکھے اور بعد کے آنے والے کسی مہینہ میں رکھے تو اس کی اجازت ہے۔

سورۂ بقرہ میں فرمایا:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا	اور جو شخص مریض ہو یا سفر میں ہو تو
اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ	دوسرے دنوں کی گنتی کر کے روزے
اَيَّامٍ اُخَرَ ۔ (۱۸۴)	رکھے۔

[1] مزید تحقیق اور توضیح و تفصیل کے لئے اعلاء السنن کا مطالعہ کیا جائے۔

اس آیت کریمہ میں اجازت دی ہے کہ مریض اور مسافر اگر سفر میں روزے نہ رکھیں (جس میں نماز قصر کرنے کی اجازت ہے) تو ایسا شخص رمضان المبارک گزرنے کے بعد چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا رکھ لے اگر دوسرا رمضان آنے تک پہلے رمضان کے قضا روزے نہ رکھے تو اب اس موجودہ رمضان کے روزے رکھ لے اور گزشتہ رمضان کے روزوں کی قضا بعد میں کرلے البتہ جلد سے جلد قضا رکھ لینا بہتر ہے اس میں مسارعت الی الخیر ہے اور چونکہ موت کا کچھ پتہ نہیں اس لئے ادائیگی فرض کا اہتمام بھی ہے۔

مسئلہ: ہر مریض کو اجازت نہیں ہے کہ بعد میں قضا رکھنے کے لئے رمضان کے روزے چھوڑے بلکہ یہ رخصت و اجازت ایسے مریض کو دی ہے جس کو روزہ رکھنے سے سخت تکلیف میں مبتلا ہونے یا کسی عضو کے تلف ہونے کا قوی اندیشہ ہو یا ایسے مرض میں مبتلا ہو جس میں روزے رکھنے کی وجہ سے مرض کے طول پکڑ جانے کا غالب گمان ہو جو تجربہ سے یا ماہر مسلم معالج کے قول کی بنیاد پر ہو اور یہ ماہر مسلم معالج ایسا ہو جس کا فاسق ہونا معلوم نہ ہو۔

قال فی الدر المختار اومریض خاف الزیادة لمرضه وصحیح خاف المرض بغلبة الظن بأمارة أو تجربة أو بإخبار طبیب حاذق مسلم مستور اھ۔ وفی الشامی أما الکافر فلا یعتمد علی قوله لاحتمال أن غرضه إفساد العبادة. (فصل فی العوارض. (ج۲-۴۲۲)

اس بارے میں لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ معمولی سے مرض میں روزہ چھوڑ دیتے ہیں گو اس مرض کے لئے روزہ مضر بھی نہ ہو۔ بلکہ بعض امراض میں روزہ مفید ہوتا ہے پھر بھی مرض کا بہانہ بنا کر روزہ نہیں رکھتے اور بہت سے لوگ ڈاکٹروں کے کہہ دینے سے روزہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اس بارے میں ہر ڈاکٹر کا قول معتبر نہیں ڈاکٹر بے دین فاسق بلکہ کافر بھی ہوتے ہیں انہیں نہ مسئلہ کا علم ہوتا ہے نہ روزہ کی قیمت جانتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو تو خواہ مخواہ روزہ چھڑوانے میں مزہ آتا ہے اور کافر ڈاکٹر کا قول تو اس بارے میں

بالکل ہی معتبر نہیں۔

مریض کو اپنے تجربہ اور اپنی ایمانی صوابدید سے اور کسی ایسے معالج سے روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کا فیصلہ کرنا چاہئے جو مسلمان ہو روزے کی اہمیت سمجھتا ہو اور خوف خدا رکھتا ہو اور مسئلہ شرعیہ سے واقف ہو، اور یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بہت سے لوگ بیماری کی وجہ سے رمضان کے روزے چھوڑ دیتے ہیں اور پھر رکھتے ہی نہیں اور بہت بڑی گنہگاری کا بوجھ لے کر قبر میں چلے جاتے ہیں۔ کھانے پینے کی محبت اور آخرت کی بے فکری کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔ یہ ان مریضوں کا بیان ہوا جو عموماً تندرست رہتے ہیں اور عارضی طور پر مریض ہو گئے۔ یہ لوگ صحت یاب ہو کر بعد میں قضا رکھ لیں۔ لیکن ایسا مرد یا عورت جو مستقل مریض ہو جسے روزہ رکھ سکنے کی زندگی بھر اُمید نہ ہو اور ایسے مرد یا عورت جو بہت بوڑھے ہوں نہ اب روزہ رکھنے کی طاقت ہے نہ پھر کبھی روزہ رکھ سکنے کی اُمید ہے تو یہ لوگ روزوں کے بجائے فدیہ دیں۔ لیکن اگر کبھی بعد میں روزہ رکھنے کے قابل ہو گئے تو روزے رکھنا فرض ہو گا اور فدیہ جو دیا ہے وہ نفل صدقہ ہو جائے گا۔

جس طرح کہ ہر مریض کو روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں اسی طرح ہر مسافر کو بھی روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں۔ رمضان المبارک کا روزہ بعد میں قضا رکھنے کی نیت سے اس مسافر کو روزہ نہ رکھنا جائز ہے جو مسافت قصر کے ارادہ سے اپنے شہر یا بستی سے نکلا ہو جب تک سفر میں رہے گا مرد ہو یا عورت اُسے رمضان کا روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ جب گھر آجائے تو روزوں کی قضا کرلے۔ ہاں اگر سفر میں کسی جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرلی تو اب شرعاً مسافر کے حکم میں نہیں رہا۔ ان دنوں میں رمضان المبارک ہو تو روزے رکھنا فرض ہو گا اور نماز میں قصر کرنا جائز نہ ہو گا۔

جو شخص مسافت قصر سے کم سفر کے لئے گیا ہو اُسے روزہ چھوڑنا جائز نہیں ہے۔

مسافت قصر کے مسافر کو سفر میں روزہ چھوڑنے کی اجازت تو ہے لیکن رمضان المبارک میں روزہ رکھ لینا بہتر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اوّل تو رمضان کی برکت اور نورانیت

سے محرومی نہ ہوگی۔ دوسرے سب مسلمانوں کے ساتھ مل کر روزہ رکھنے میں آسانی ہوگی اور بعد میں تنہا روزہ رکھنا مشکل ہوگا۔

سفر میں روزے رکھنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا آپ روزے رکھتے رہے یہاں تک کہ کراع الغمیم تک پہنچ گئے جو لوگ آپ کے ساتھ تھے انہوں نے بھی روزے رکھے پھر آپ نے پانی سے بھرا ہوا پیالہ طلب فرمایا پھر اسے اونچا اٹھایا یہاں تک کہ لوگوں نے دیکھ لیا پھر آپ نے پی لیا یہ عمل کر کے آپ نے یہ بتادیا کہ سفر میں رمضان المبارک کا روزہ قدرت ہوتے ہوئے بھی چھوڑنا جائز ہے۔ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں سفر میں روزہ رکھتا ہوں۔ یہ صحابی زیادہ تر روزے رکھا کرتے تھے آپ نے فرمایا چاہو تو روزہ رکھو اور چاہو تو بے روزہ رہو۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان المبارک کی سولہ تاریخ کو جہاد کیا ہم میں سے کسی نے روزہ رکھا اور کسی نے نہیں رکھا نہ روزے دار نے بے روزہ والے کو برا سمجھا اور نہ بے روزہ والے نے روزہ دار کو برا کہا۔[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے کوئی روزے دار تھا اور کوئی بے روزہ تھا ایک جگہ منزل پر اترے جبکہ یہ دن گرم تھا تو روزے دار تو گر پڑے (یعنی منزل تک پہنچتے ہی لیٹ گئے) اور جن کا روزہ نہیں تھا انہوں نے خیمے لگائے اور سواریوں کو پانی پلایا۔ آپ نے فرمایا ذھب المفطرون الیوم بالاجر آج وہ لوگ ثواب لے اڑے جو روزے دار نہ تھے۔[2]

ان روایات سے معلوم ہوا کہ رمضان المبارک میں کوئی شخص سفر میں ہو تو اس کو

---

[1] رواہ مسلم۔ [2] رواہ البخاری ومسلم

روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کی اجازت ہے اور آیت قرآنیہ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ سے معلوم ہوا کہ روزہ رکھنا افضل ہے اور حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اگر جہاد وغیرہ کا زمانہ ہو اور اس میں خدمت کرنے کی ضرورت ہو تو روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر اور حضر میں ایام البیض کے روزے نہیں چھوڑتے تھے۔[1]

مسئلہ: مسافر اور مریض (جنہیں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے) وہ اگر اپنے زمانۂ عذر ہی میں مر گئے تو چونکہ انہوں نے قضا رکھنے کا وقت ہی نہیں پایا اس لئے ان پر اپنے چھوٹے ہوئے روزوں کی طرف سے فدیہ دینے کی وصیت کرنا واجب نہیں اور اگر مریض نے اچھا ہو کر اور مسافر نے گھر آ کر روزے نہیں رکھے یا کچھ رکھے اور کچھ نہ رکھے تو جتنے دن مرض اور سفر کے بعد پائے ہیں ان کی طرف سے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرنا واجب ہے۔ وصیت کے بعد اس کا ولی قرضوں کی ادائیگی کے بعد اس کے تہائی مال سے ہر روزہ کے عوض بقدر صدقۂ فطر کے صدقہ کر دے اور اگر اس نے وصیت نہ کی اور اس کے ولی نے اپنی خوشی سے اپنے ذاتی مال سے اس کی طرف سے فدیہ دے دیا تو انشاء اللہ یہ بھی مفید ہوگا۔

مثلاً اگر دس دن کے روزے چھوٹے تھے اور اسی قدر ایام صحت اور ایام اقامت پائے اور قضا روزے نہ رکھے اور موت آنے لگی تو پورے دس دن کے روزوں کی طرف سے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرے۔ اور اگر ایام صحت اور ایام اقامت میں صرف پانچ دن ملے تھے اور ان میں قضا روزے نہ رکھے تو صرف پانچ دن کے روزوں کی طرف سے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرے۔ (من الدر المختار)

حیض اور نفاس والی عورت کا حکم

جس عورت کو رمضان المبارک میں ماہواری کے دن آ جائیں یا ولادت کے بعد کا خون آ رہا ہو جسے نفاس کہتے ہیں یہ دونوں عورتیں رمضان المبارک کے روزے

---

[1] رواہ النسائی

نہ رکھیں اگرچہ روزہ رکھنے کی طاقت ہو لیکن بعد میں ان روزوں کی قضا رکھ لیں اور حیض ونفاس کے زمانہ کی نمازیں بالکل معاف ہیں ان دونوں پر ان کی قضا نہیں

نفلی روزے

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رمضان المبارک کے روزوں کے علاوہ نفلی روزے بھی رکھتے تھے اور اپنے قول اور عمل سے اس کی ترغیب دیتے تھے سب سے زیادہ ماہ شعبان میں نفلی روزے رکھنے کا اہتمام کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا کہ میں نہیں جانتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان کے علاوہ کبھی کسی پورے ماہ کے روزے رکھے ہوں اور میں نہیں جانتی کہ آپؐ نے کسی ماہ میں ماہ شعبان سے زیادہ نفلی روزے رکھے ہوں آپ بجز چند ایام کے پورے شعبان کے روزے رکھتے تھے [1]

آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ ہر ماہ تین روزے رکھ لینا اور رمضان المبارک کے روزے رکھ لینا یہ صیام الدہر ہے یعنی پوری عمر روزہ رکھنے کے برابر ہے [2]

چونکہ ہر نیکی کم از کم دس گنا بڑھادی جاتی ہے اس لئے ہر ماہ کے تین روزے پورے ماہ کے روزوں کے برابر شمار ہوں گے۔

آپؐ نے مزید فرمایا کہ یوم عرفہ یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ کے روزہ کے بارے میں اللہ تعالےٰ سے بہت پکی امید رکھتا ہوں کہ اس کے ذریعہ ایک سال پہلے کے اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ فرمادے گا اور عاشوراء کے روزے کے بارے میں اللہ تعالےٰ سے بہت پکی امید رکھتا ہوں کہ اس کے ذریعہ ایک سال پہلے کے گناہ معاف فرمادے گا [3]

آپؐ ہر ماہ تین روزے رکھنے کا بھی اہتمام فرماتے تھے۔ حضرت معاذہ عدویہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ آپؐ مہینے کی کون سی تاریخوں میں روزے رکھتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس بارے میں تاریخوں کا کوئی خاص اہتمام نہ

---

[1] رواہ البخاری ومسلم۔ [2] رواہ مسلم۔ [3] رواہ مسلم۔

تھا مہینے کے جن ایام میں چاہتے تھے تین روزے رکھ لیتے تھے [۱]

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوذر! جب تم مہینے کے تین روزے رکھو تو چاند کی تیرہ، چودہ، پندرہ ۱۳، ۱۴، ۱۵ کو رکھو [۲] ان تین دنوں کو ایام البیض کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی راتوں میں چاند پوری طرح روشن رہتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ان ایام کے روزوں کا اہتمام فرماتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضر اور سفر میں ایام البیض کے روزے نہیں چھوڑتے تھے [۳]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنے کا بھی اہتمام فرماتے تھے، آپ نے فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال پیش ہوتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ میرا عمل اس حال میں پیش کیا جائے کہ میرا روزہ ہو [۴]

ایک روایت میں ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھتے ہیں (اس کی کیا وجہ ہے) آپ نے فرمایا بے شک پیر اور جمعرات کے دن اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کی مغفرت فرما دیتا ہے سوائے ان دو شخصوں کے جن میں آپس میں لڑائی جھگڑا ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوتا ہے کہ ان دونوں کو ابھی چھوڑے رکھو جب تک صلح نہ کرلیں [۵]

جو فرشتہ محو السیئات یعنی گناہوں کے مٹانے پر مقرر ہے یہ حکم اس کو دیا جاتا ہے ایک حدیث میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن جو روزہ رکھا کرتے تھے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا فیہ ولدت وفیہ انزل علیّ یعنی میں پیر کے دن پیدا ہوا اور پیر کے دن مجھ پر (پہلی بار) نزولِ قرآن کی ابتدا ہوئی [۶]

---

[۱] رواہ مسلم۔ [۲] رواہ الترمذی والنسائی۔ [۳] رواہ النسائی۔ [۴] رواہ الترمذی۔
[۵] رواہ احمد وابن ماجہ۔ [۶] رواہ مسلم۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ذی الحجہ کے شروع کے دس دنوں میں عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کو دیگر ایام کی عبادت سے زیادہ محبوب ہے ان دنوں کا ہر روزہ ایک سال کے روزے کے برابر ہے اور ہر رات کو نماز میں قیام کرنا شب قدر میں قیام کرنے کے برابر ہے [1]

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر ماہ شوال کے چھ روزے رکھ لئے تو یہ ایسا ہوگا جیسے کسی نے پوری عمر روزے رکھے [2]

اس میں بھی وہی نکتہ ہے کہ ہر نیکی کا ثواب کم از کم دس گنا ہو کر ملتا ہے۔ اس طرح چھتیس ۳۶ روزوں کے تین سو ساٹھ ۳۶۰ روزے ہو جاتے ہیں اور اتنے ہی دن کا ایک قمری سال ہوتا ہے اگر رمضان کے روزے چاند کی وجہ سے انتیس ہی رہ جائیں تب بھی تیس ہی شمار ہوں گے کیونکہ ہر مسلمان کی نیت ہوتی ہے کہ چاند نظر نہ آئے تو تیسواں روزہ رکھے گا اس اعتبار سے انتیس روزے رمضان کے اور چھ عید کے کل پینتیس روزے رکھنے سے بھی پورے سال روزہ رکھنے کا ثواب ملے گا۔ پھر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف رمضان اور چھ شوال کے روزے رکھنے پر اس ثواب کی خوش خبری سنائی تو ہمیں یہ سوال اٹھانے کی ضرورت نہیں کہ ایک روزہ چاند کی وجہ سے رہ گیا تو ثواب پورے سال کا ہوگا یا نہیں۔

چند مسنون دعائیں

فرمایا معاذ بن زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افطار کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ (ابوداؤد)

ترجمہ: اے اللہ میں نے تیرے ہی لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی دئے ہوئے رزق پر روزہ کھولا۔

فرمایا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہ افطار کے وقت (یعنی بعد افطار) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے:

---

[1] رواہ الترمذی وقال اسنادہ ضعیف۔ [2] رواہ مسلم

ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ (ابوداؤد عن ابن عمرؓ)

ترجمہ: پیاس چلی گئی اور رگیں تر ہوگئیں اور ان شاء اللہ اجر ثابت ہوگیا۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ اَنْ تَغْفِرَلِیْ ذُنُوْبِیْ ۔

ترجمہ: اے اللہ میں آپ کی رحمت کے ذریعہ سوال کرتا ہوں جو ہر چیز کو سمائے ہوئے ہے کہ آپ میرے گناہ معاف فرمادیں۔ یہ دُعا حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ (ابن ماجہ)

جب کسی کے یہاں افطار کرے تو اہل خانہ کو یہ دُعا دے۔

افطر عندكم الصائمون واكل طعامكم الابرار وصلت عليكم الملئكة ؛

ترجمہ: روزہ دار تمہارے یہاں افطار کیا کریں اور نیک لوگ تمہارا کھانا کھائیں اور فرشتے تمہارے لئے دُعا کریں۔ ایک جگہ افطار کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دُعا پڑھی تھی۔ (ابن ماجہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ شب قدر کون سی ہے تو (اس رات) میں کیا دُعا کروں؟ فرمایا (دُعا میں) یوں کہنا:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ ۔ (ترمذی)

ترجمہ: اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند فرماتا ہے لہٰذا مجھے معاف فرمادے۔

سفر کے آداب و ادعیہ

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں بہت سے سفر کئے، تجارت، ہجرت، حج وعمرہ اور جہاد ہر غرض کے لئے سفر فرمایا۔ امت کے لئے سفر کے اسلامی آداب اور مسنون دعائیں اور اذکار بتلائے جن کی پابندی کرنا باعثِ خیر وبرکت ہے اور اتباعِ سنتِ نبویؐ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالےٰ کی رضا اور نصرت وحمایت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

اس مضمون میں سفر کے آداب وادعیہ جمع کئے گئے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کا ارادہ فرماتے تو یہ دُعا پڑھتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ بِکَ اَسِیْرُ	اے اللہ میں آپ ہی کے ذریعہ دشمنوں پر
وَبِکَ اَصُوْلُ وَبِکَ	حملہ کرتا ہوں اور آپ ہی کی مدد سے تدبیر
اَحُوْلُ [1]	کرتا ہوں اور آپ ہی کی قوت سے چلتا ہوں۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعرات کے دن غزوۂ تبوک کے لئے روانہ ہوئے تھے اور آپ اس بات کو محبوب رکھتے تھے کہ جمعرات کے دن سفر کے لئے نکلیں [2]

سواری اور سفر کی دُعا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں تشریف لے جانے کے لئے اپنے اونٹ پر تشریف فرما ہو جاتے تھے تو تین بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے تھے پھر یہ پڑھتے۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ، وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۔ (اللہ پاک ہے جس نے اس کو ہمارے قبضہ میں دے دیا اور اس کی قدرت کے بغیر ہم اسے قبضہ میں کرنے والے نہ تھے اور بلاشبہ ہم کو اپنے رب کی طرف جانا ہے)۔ اس کے بعد یہ پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ فِیْ سَفَرِنَا ھٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَیْنَا سَفَرَنَا ھٰذَا وَاطْوِلَنَا بُعْدَہٗ، اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَۃُ فِی الْاَھْلِ

---

[1] تحفۃ الذاکرین شرح حصن الحصین [2] رواہ البخاری۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ وَّعْثَاءِ السَّفَرِ وَکَآبَۃِ الْمَنْظَرِ وَسُوْٓءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْمَالِ وَالْاَھْلِ۔

ترجمہ: اے اللہ ہم آپ سے اپنے اس سفر میں نیکی اور تقویٰ کا اور ان اعمال کا سوال کرتے ہیں جن سے آپ راضی ہوں، اے اللہ یہ سفر ہمارے لئے آسان فرما اور اس کی دوری کو ہمارے لئے لپیٹ دے (یعنی جلدی سفر طے کرا دے) اے اللہ سفر میں آپ ہمارے ساتھی ہیں اور ہمارے پیچھے گھر بار میں احوال درست کرنے والے ہیں اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ سفر کی مشقت میں پڑوں اور پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ دیکھنے میں بدحالی نظر آئے اور اس بات سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ اپنے مال میں اور اہل وعیال میں واپس جاؤں تو بدحال کا سامنا ہو"

اور جب آپ سفر سے واپس ہوتے تھے تب بھی ان کلمات کو ادا فرماتے تھے اور ان میں ان کلمات کا اضافہ فرما لیتے تھے آئِبُوْنَ تَآئِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ۔ (ہم لوٹنے والے ہیں توبہ کرنے والے ہیں عبادت کرنے والے ہیں اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں)۔

سواری پر سوار ہونے کی دعا یعنی سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا الخ جو اوپر لکھی گئی یہ روانگی سفر ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جب بھی سواری پر سوار ہو اس کو پڑھے سورۃ الزخرف میں فرمایا ہے:

وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ۔ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ (الآیتین)[1]

---

[1] آیت شریفہ کا ترجمہ یہ ہے: اور اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما دی تمہارے لئے کشتیوں میں سے اور چوپایوں میں سے وہ چیزیں جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ ان کی پشت پر ٹھیک طرح بیٹھ جاؤ اور یہ پڑھو: سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا (اخیر تک)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ دُعا کشتی اور جانوروں پر سوار ہونے کے وقت پڑھی جائے اب تو طرح طرح کی سواریاں رواج پاگئی ہیں ان سواریوں پر بیٹھے تب بھی اس دُعا کو پڑھے، جب کشتی پر پڑھنے کے لئے بھی اس کی ترغیب فرمادی تو ہر سواری پر بیٹھتے وقت پڑھنے کا ثبوت ہو گیا۔

سفر میں جب رات شروع ہو جائے

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ہوتے اور شام آجاتی تو یہ دُعا پڑھتے:

يَا اَرْضُ رَبِّيْ وَرَبُّكِ اللّٰهُ	اے زمین میرا اور تیرا رب اللہ ہے میں
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّكِ وَ	اللہ کی پناہ چاہتا ہوں تیرے شر سے
شَرِّ مَا فِيْكِ وَشَرِّ مَا خُلِقَ	اور اس چیز کے شر سے جو تیرے اندر ہے
فِيْكِ وَمِنْ شَرِّ مَا يَدُبُّ	اور ان چیزوں کے شر سے جو تجھ میں پیدا
عَلَيْكِ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ	کی گئی ہیں اور تجھ پر چلتی ہیں اور اللہ کی
اَسَدٍ وَّاَسْوَدَ وَمِنَ الْحَيَّةِ	پناہ چاہتا ہوں شیر سے اور اژدہے
وَالْعَقْرَبِ وَمِنْ شَرِّ	سے اور سانپ سے اور بچھو سے اور
سَاكِنِي الْبَلَدِ وَمِنْ	اس شہر کے رہنے والوں سے اور ہر
وَّالِدٍ وَّمَا وَلَدَ [1]۔	باپ سے اور ہر اولاد سے۔

سفر میں سحر کے وقت پڑھنے کی دُعا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے اور سحر کا وقت ہو جاتا (یعنی رات کا آخری حصہ باقی رہ جاتا) تو یہ کلمات پڑھتے تھے:

سَمِعَ سَامِعٌ بِحَمْدِ	سننے والے نے ہم سے اللہ کی تعریف بیان
اللّٰهِ وَحُسْنِ بَلَائِهٖ	کرنا سنا اور اس کی نعمت کا اور ہم کو اچھے

---

[1] اخرجہ ابوداؤد والترمذی۔

عَلَيْنَا رَبَّنَا صَاحِبْنَا — حال میں رکھنے کا اقرار جو ہم نے کیا وہ بھی سنا

وَاَفْضِلْ عَلَيْنَا عَائِذًا — اے رب تو ہمارے ساتھ رہ اور ہم پر فضل

بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ ۔ — فرما یہ دعا کرتے ہوئے دوزخ سے اللہ کی

پناہ مانگتا ہوں[1]

جب کسی منزل پر اترے

حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی منزل پر اترے اور وہاں یہ کلمات پڑھ لے:

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ — اللہ کے پورے کلمات کے واسطے سے اللہ

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۔ — کی پناہ چاہتا ہوں اس کی مخلوق کے شر سے

تو وہاں سے روانہ ہونے تک اسے کوئی چیز ضرر نہیں پہنچائے گی[2]

جب وہ بستی نظر آئے جس میں جانا ہے

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی بستی میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ — اے اللہ جو ساتوں آسمانوں اور ان سب

السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبَّ — چیزوں کا رب ہے جو آسمانوں کے نیچے

الْاَرَضِيْنَ السَّبْعِ وَمَا — ہیں اور جو ساتوں زمینوں کا اور ان

اَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنِ — سب چیزوں کا رب ہے جو ان کے

وَمَا اَضْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّيَاحِ — اوپر ہیں اور جو شیطانوں کا اور ان سب

وَمَا ذَرَيْنَ فَاِنَّا نَسْئَلُكَ — کا رب ہے جن کو شیطانوں نے گمراہ کیا

خَيْرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ — ہے اور جو ہواؤں کا اور ان چیزوں کا

اَهْلِهَا وَنَعُوْذُ بِكَ — رب ہے جنہیں ہواؤں نے اڑا دیا ہے

مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ — سو ہم تجھ سے اس آبادی کی خیر کا اور

[1] رواہ مسلم ۔ [2] رواہ مسلم

أَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا [1] اس کے رہنے والوں کی خیر کا اور جو کچھ اس میں ہے اس کے خیر کا سوال کرتے ہیں اور ہم آپ کی پناہ لیتے ہیں اس کے شر سے اور اس کے رہنے والوں کے شر سے اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے۔

جب مذکورہ بستی میں داخل ہونے لگے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کرتے تھے جب آپ اس بستی میں داخل ہونے لگتے تھے جس پر دور سے نظر پڑی تو تین بار یوں دُعا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهَا (اے اللہ ہمیں اس میں برکت دے) پھر پڑھتے تھے: اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا جَنَاهَا وَحَبِّبْنَا إِلٰى أَهْلِهَا وَحَبِّبْ صَالِحِيْ أَهْلِهَا إِلَيْنَا (اے اللہ تو ہمیں اس کے میوے نصیب فرما اور یہاں کے باشندوں کے دلوں میں ہماری محبت اور یہاں کے نیک لوگوں کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا فرما) [2]

فائدہ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ سفر میں ان پانچ سورتوں کو پڑھیں (۱) قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ (۲) إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ (۳) قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ (۴) قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (۵) قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (ہر سورت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) سے شروع کی جائے اور قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (کے ختم پر بھی بِسْمِ اللّٰهِ پڑھی جائے اس طرح بِسْمِ اللّٰهِ چھ مرتبہ پڑھی جائے گی۔ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب کبھی میں سفر میں نکلتا تھا تو باوجود مالدار ہونے کے بھی زادِ راہ ساتھیوں سے کم رہ جاتا تھا اور میرا حال بُرا ہو جاتا تھا لیکن جب میں نے یہ سورتیں پڑھنا شروع کیں

---

[1] الحصن الحصین مع تحفۃ الذاکرین۔ [2] راجع الحصن الحصین وتحفۃ الذاکرین وظاهر الروايتين يدل على ان هذا الدعاء والذى قبله عند مارأى قرية يريد دخولها وفرق ابن الجزرى فجعل الدعاء الاول عند رؤية القرية والدعاء الثانى عند دخولها والفاظ الدعاء تدل على ذالك۔

اس وقت سے میں واپس ہونے تک اپنے تمام رفقائے سفر سے اچھی حالت میں رہتا ہوں اور زادِ راہ بھی ان سب سے زیادہ میرے پاس ہوتا ہے۔ (حصن حصین)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد یا حج یا عمرہ کے سفر سے واپس ہوتے تھے تو ہر اونچی جگہ پر چڑھتے ہوئے تین بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے تھے پھر یہ پڑھتے تھے۔

لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْـدَهٗ	کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا، وہ تنہا
لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ	ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے
وَلَهُ الْحَـمْدُ وَهُوَ عَلٰى	لئے ملک ہے اور اسی کے لئے حمد ہے
كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ اٰئِبُوْنَ	اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ہم لوٹنے والے
تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ	ہیں، توبہ کرنے والے ہیں (اللہ) کی بندگی
سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ	کرنے والے ہیں سجدہ کرنے والے ہیں،
صَدَقَ اللّٰهُ وَعْـدَهٗ	اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں اللہ
وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ	نے اپنا وعدہ سچا کر دیا اپنے بندہ کی مدد
الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ [1]۔	کی اور مخالف لشکر کو شکست دی۔

فائدہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ سفر میں جب ہم اوپر چڑھتے تھے تو اللہ اکبر کہتے تھے اور نیچے اترتے تھے تو سبحان اللہ کہتے تھے [2]

اس سے معلوم ہوا کہ یہ تکبیر و تسبیح سفر میں آتے اور جاتے وقت دونوں مواقع میں مشروع ہے۔

سفر سے واپس ہو کر اپنے شہر داخل ہوتے وقت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچ جاتے تو یہ پڑھتے تھے: اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ اور ان کلمات کو پڑھتے ہوئے

---

[1] رواہ البخاری و مسلم۔ [2] اخرجہ البخاری

مدینہ منورہ میں داخل ہوتے تھے[1]

(دُعا کا ترجمہ) ہم لوٹنے والے ہیں توبہ کرنے والے ہیں عبادت کرنے والے ہیں، اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں۔

بستی میں داخل ہوکر دو رکعتیں

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفر سے واپس آتے تھے تو چاشت کے وقت شہر میں داخل ہوتے تھے (یعنی اکثر ایسا ہوتا تھا، صبح اور شام کو بھی شہر میں داخل ہونا ثابت ہے) جب آپؐ شہر میں داخل ہو جاتے تو اوّلاً مسجد میں تشریف لے جاتے اور اس میں دو رکعتیں نماز ادا فرماتے، پھر لوگوں سے ملاقاتیں کرنے کے لئے وہیں تشریف فرما ہو جاتے تھے، اس کے بعد ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے تھے[2]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں ایک سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا جب ہم واپس مدینہ منورہ پہنچے تو آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ مسجد میں جاؤ اور وہاں دو رکعتیں پڑھو[3]

مسافر کے لئے دُعا اور نصیحت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ میں نے سفر کا ارادہ کیا ہے مجھے کچھ وصیت فرمائیے، فرمایا کہ تقویٰ کو لازم پکڑنا اور اُوپر چڑھتے وقت تکبیر کہنا، پھر جب یہ شخص پُشت پھیر کر چلا گیا تو یوں دُعا دی:

اَللّٰھُمَّ اطْوِلَہُ الْبُعْدَ وَھَوِّنْ عَلَیْہِ السَّفَرَ۔

ترجمہ: اے اللہ اس کے سفر کی دُوری کو لپیٹ دے اور اس پر سفر آسان فرما[4]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو رخصت فرماتے تو اس کا ہاتھ پکڑ لیتے اور اس کا ہاتھ برابر پکڑے رہتے یہاں تک کہ وہی شخص اپنا ہاتھ ہٹا لیتا تھا، پھر رخصت کرتے وقت یہ دُعا دیتے تھے:

---

[1] رواہ البخاری ومسلم۔ [2] رواہ البخاری ومسلم۔ [3] رواہ البخاری ومسلم۔ [4] رواہ الترمذی۔

"اَسْتَوْدِعُ اللّٰہَ دِیْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَخَوَاتِیْمَ عَمَلِكَ"[1]

حضرت عبداللہ خطمی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب لشکر کو رخصت فرماتے تھے تو یہ دُعا پڑھتے تھے:

اَسْتَوْدِعُ اللّٰہَ دِیْنَكُمْ	میں اللہ کے سپرد کرتا ہوں تمہارا دین
وَاَمَانَاتِكُمْ وَخَوَاتِیْمَ	اور تمہاری صفت امانت اور تمہارے
اَعْمَالِكُمْ .	اعمال کے خاتمے[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے سفر پر جانے کا ارادہ کیا ہے مجھے کچھ توشہ دے دیجئے۔ آپ نے فرمایا زَوَّدَكَ اللّٰہُ التَّقْوٰی (اللہ تمہیں تقوے کا توشہ دے) اس شخص نے عرض کیا مزید عطا فرمائیے آپ نے دُعا دیتے ہوئے فرمایا: وَغَفَرَ ذَنْبَكَ (اور اللہ تیرے گناہ معاف فرمادے) عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مزید توشہ دے دیجئے آپ نے فرمایا وَیَسَّرَ لَكَ الْخَیْرَ حَیْثُ مَاكُنْتَ (اور اللہ تیرے لئے خیر کو آسان فرمادے تو جہاں کہیں بھی ہو)۔

سفر کے بارے میں مزید نصیحتیں

① رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک راکب (مسافر) ایک شیطان اور دو راکب دو شیطان ہیں اور اگر تین راکب ہوں تو یہ جماعت ہیں[3]

مطلب یہ ہے کہ ایک یا دو شخص سفر پر نہ جائیں کم از کم تین آدمی ہوں اور چار ہوں تو اور زیادہ اچھا ہے۔ فرمایا کہ خیر الصحابۃ اربعۃ[4]۔ تین آدمی ہوں تو ایک شخص کو امیر بنالیں

② آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تنہا آدمی سفر نہ کرے اور خصوصاً رات کو تنہا سفر کرنے سے خصوصیت کے ساتھ ممانعت فرمائی ③ اور ارشاد فرمایا اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ تنہائی میں کیا پریشانی ہے جو میں جانتا ہوں تو کوئی بھی شخص تنہا رات کو سفر نہ کرے[5]۔

---

[1] رواہ البخاری، اور ترجمہ یہ ہے: میں تیرا دین اور تیری صفت امانت اور تیرے عمل کا انجام اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔
[2] رواہ ابوداؤد۔ [3] رواہ الترمذی۔ [4] رواہ ابوداؤد۔

④ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اس جماعت کے ساتھ فرشتے نہیں ہوتے جن کے ساتھ کتا یا گھنٹی ہو اور یہ بھی فرمایا کہ گھنٹیاں شیطان کے باجے ہیں دجتنے بھی شیطانی دھندے ہیں غیر شرعی اجتماعات ہیں عام طور پر لوگوں کے اسفار —— میں کچھ نہ کچھ گانا بجانا ضرور ہوتا ہے شیطان ایسی حرکتیں سمجھاتا ہے۔ لوگوں سے باجے بجوا کر خوش ہوتا ہے اور خود انسانوں کو بھی گانے بجانے کا ذوق ہے خود مسلمانوں کو اس سے پرہیز نہیں ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا الغناء ینبت النفاق کما ینبت الماء الزرع (گانا دل میں نفاق کو اگاتا ہے جیسے پانی کھیتی کو اگاتا ہے) [1]

حضرت نافع نے بیان کیا کہ میں حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ راستہ میں جا رہا تھا۔ انہوں نے ایک باجے کی آواز سنی تو کانوں میں انگلیاں دے لیں اور راستہ سے ایک طرف کو ہٹ کر چلتے رہے پھر دور جا کر مجھ سے پوچھا کہ اے نافع! باجے کی آواز آ رہی ہے میں نے کہا نہیں۔ یہ سن کر انہوں نے کانوں سے اپنی انگلیاں نکال لیں پھر یہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بانسری بجانے کی آواز سنی تھی تو ایسے ہی کیا تھا جیسے میں نے کیا۔ حضرت نافع نے بیان کیا کہ یہ اس وقت کا قصہ ہے جبکہ میں چھوٹا تھا۔

⑤ سفر میں سب ساتھیوں کو اکٹھا رہنا چاہئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان گھاٹیوں اور وادیوں میں تمہارا متفرق ہونا شیطان کی طرف سے ہے اس کے بعد حضرات صحابہ جب کہیں ٹھہرتے تھے تو آپس میں ایسے مل جل کر رہتے تھے کہ اگر ان پر ایک کپڑا ڈال دیا جائے تو سب اسی میں آ جائیں [2]

⑥ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیدل تشریف لے جا رہے تھے ایک شخص آیا اس کے پاس سواری کا گدھا تھا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! آپ سوار ہو جائیے یہ کہہ کر وہ پیچھے ہٹ گیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں میں آگے نہیں بیٹھوں گا تم اپنی سواری پر آگے بیٹھنے کے زیادہ حق دار ہو۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص۴۱۱ ۔ [2] رواہ احمد و ابو داؤد ۔ [3] رواہ ابو داؤد ۔

ہاں اگر میرے لئے صاف صریح اجازت دے دو تو اور بات ہے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ میں نے اپنے آگے بیٹھنے کا حق آپ کو دے دیا اس کے بعد آپ سوار ہو گئے [1]

اس واقعہ میں ایک خاص نصیحت ہے غور کرنے کی بات ہے کہ جب سواری کے مالک نے عرض کیا کہ آپ آگے تشریف رکھیں اور خود پیچھے ہٹ گیا تو آپ نے اس کے باوجود آگے بیٹھنے میں توقف فرمایا اور مزید یوں کیوں فرمایا کہ تم اگر صاف صریح اجازت دو تو آگے بیٹھ سکتا ہوں۔ اجازت تو اس نے دے ہی دی تھی پھر کیوں تأمل فرمایا۔ بات یہ ہے کہ ایک اجازت لحاظ اور مروت میں ہوتی ہے اس کا اعتبار نہیں اور ایک اجازت مسئلہ جان کر ہوتی ہے کہ مجھے اجازت نہ دینے کا بھی حق ہے اس دوسری اجازت کا اعتبار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب سواری والے شخص کو بتا دیا کہ حق تمہارا ہی ہے پھر اس نے آپ کو اپنا حق دیا تو آپ نے قبول فرمایا۔

یہی مسئلہ امامت سے متعلق ہے جو شخص کہیں امام ہو تو اس کا استاد یا شیخ یا کوئی بھی بڑا آدمی آجائے تو خود سے مصلے پر نہ جائے اگر امام مقرر کر دے کہ آپ نماز پڑھائیں تو اس کو بتا دے کہ آپ ہی زیادہ مستحق ہیں پھر بھی وہ اگر اجازت دے دے تو آگے بڑھ سکتے ہیں۔ سفر میں ایک دوسرے کی خدمت کے جذبات ہونے چاہئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سید القوم فی السفر خادمھم۔ سفر میں جماعت کا سردار وہ شخص ہے جو ان کا خادم ہو۔ فمن سبقھم بخدمۃ لم یسبقوہ بعمل الا الشھادۃ سو جو شخص خدمت میں آگے بڑھ گیا اجر و ثواب میں اس کے ساتھی اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے ہاں اگر ان میں سے کوئی اگر شہید ہو جائے تو یہ اور بات ہے [2]

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ غزوہ بدر کے موقع پر سفر کے لئے ہر تین آدمیوں کو ایک اونٹ دیا گیا تھا ابو لبابہ اور علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ میں شریک تھے چونکہ اونٹ پر ایک ساتھ کو ان

---

[1] رواہ الترمذی و ابو داؤد۔ [2] مشکوۃ المصابیح ص ۳۴۰ از بیہقی

کے دائیں بائیں دو ہی آدمی سوار ہو سکتے ہیں اس لئے ایک شخص کو پیدل چلنا پڑتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدل چلنے کی بھی نوبت آجاتی تھی جب آپ کی نوبت آتی تو ہم عرض کرتے کہ یا رسول اللہؐ آپ برابر سواری پر تشریف رکھیں آپ کی طرف سے ہم ہی چلتے رہیں گے تو آپؐ فرماتے کہ تم دونوں مجھ سے زیادہ طاقت ور نہیں ہو اور نہ یہ بات ہے کہ میں تمہاری بنسبت ثواب سے بے نیاز ہوں[1]

سفر سے واپس ہو کر رات کو گھر میں نہ جاؤ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (سفر سے واپس آتے تو) رات کو اپنے گھر والوں کے پاس تشریف نہیں لے جاتے تھے آپؐ صبح کے وقت یا شام کے وقت داخل ہوتے تھے[2]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص لمبے سفر سے جا کر واپس ہو تو رات کے وقت اپنے گھر والوں کے پاس نہ جائے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم سفر سے واپس ہو کر رات کو شہر میں داخل ہو تو گھر میں داخل نہ ہو اور ان کو اتنی مہلت دو کہ جس عورت کا شوہر موجود نہ تھا اپنی صفائی ستھرائی کر لے اور ناف کے نیچے کے بال صاف کر لے اور بکھرے ہوئے بالوں میں کنگھی کر لے[3] دیکھئے اس میں کتنی بڑی حکمت ہے شوہر غائب تھا زیادہ دن کے لئے گیا ہوا تھا عورت نے بناؤ سنگھار کی ضرورت نہ سمجھی اب اگر لمبے سفر سے آکر ایک دم گھر میں چلے جائیں تو عورت پر اس حال میں نظر پڑے گی کہ وہ سادہ حالت میں ہو گی اس سے دل رنجیدہ ہو گا لہٰذا اگر سفر سے واپس رات کے وقت میں ہو تو گھنٹہ دو گھنٹہ باہر ٹھہر جائے تاکہ عورت صفائی ستھرائی کر لے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے تمہیں سونے اور کھانے پینے سے روکتا ہے سو جب وہ کام پورا ہو جائے جس کے لئے سفر کیا ہے تو اپنے گھر کو جلد واپس آجائے[4]

---

[1] عزاہ فی المشکوٰۃ الی شرح السنۃ [2] رواہ البخاری و مسلم۔ [3] رواہما البخاری۔ [4] رواہ البخاری و مسلم

اعمالِ حسنہ و اخلاقِ عالیہ
ایک نظر میں

اس مضمون میں اعمالِ حسنہ اور اخلاقِ عالیہ
کی ایک جھلک پیش کی گئی ہے جو سورۃ بقرہ کی
ایک آیت کے ترجمہ اور تفسیر پر مشتمل ہے۔

اعمالِ حسنہ واخلاقِ عالیہ

سورۂ بقرہ کی ایک آیت تفسیر کے آئینہ میں

قال اللہ تبارک وتعالےٰ:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ	نیکی اس میں نہیں ہے کہ تم اپنے چہروں کو
قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ	مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لیا کرو لیکن نیکی یہ
وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ	ہے کہ کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے اور آخرت
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ	کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور نبیوں
وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ	پر اور اپنا مال دے اس کی محبت ہوتے ہوئے
ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ	قرابت والوں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور
وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ	مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردنوں
وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ	کے چھڑانے میں اور قائم کرے نماز کو اور ادا کرے
وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا	زکوٰۃ کو اور جو پورا کرنے والے ہیں اپنے عہد کو
وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ	جبکہ وہ عہد کریں اور صبر کرنے والے ہیں تنگی میں
وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ	اور تکلیف میں اور جنگ کے موقعہ پر۔ یہی لوگ ہیں
صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔	جنہوں نے سچائی کی راہ اختیار کی اور یہی لوگ متقی ہیں۔

یہ آیت کریمہ ان آیات میں سے ہے جن میں بہت سے اعمالِ حسنہ اور اخلاقِ عالیہ کو ایک ہی جگہ جمع فرما دیا ہے۔ لباب المنقول ص ۲۳ میں بحوالہ مصنف عبدالرزاق حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ یہودی مغرب کی جانب نماز پڑھتے تھے اور نصاریٰ مشرق کی طرف اور اپنے اپنے قبلہ پر جمنے ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے اور ایمان قبول نہ کرتے تھے لہٰذا آیت لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ (الآیۃ) نازل ہوئی۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی (اور اس کی تفصیلات) کے بارے میں سوال کیا اس پر اللہ تعالےٰ

لے یہ آیت نازل فرمائی آپؐ نے اس شخص کو بلایا اور آیت کریمہ پڑھ کر اسے سنادی۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اصل نیکی اس شخص کی ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر، اور اللہ کی سب کتابوں پر اور اس کے سب نبیوں پر۔ جو شخص ان چیزوں پر ایمان لائے گا اللہ کی کسی کتاب یا اس کے کسی رسول کی تکذیب نہ کرے گا اور رسولوں کے درمیان تفریق نہ کرے گا وہ مومن ہوگا پھر ایمان کے تقاضوں کے مطابق جو اعمال کرے گا اور جو اموال خرچ کرے گا اور جو اقوال اس سے صادر ہوں گے وہ سب نیکی اور تقویٰ میں شمار ہوں گے۔

اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کرنا

اصول عقائد بتانے کے بعد مال خرچ کرنے کی عمومی مدیں ذکر فرمائیں اور مال کی محبت ہوتے ہوئے رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنے والوں کو مال دینے کو نیکی میں شمار فرمایا اور جو ایسے غلام ہیں جن سے ان کے آقاؤں نے کتابت کا معاملہ کر لیا (یعنی ان سے کہہ دیا کہ اتنا مال لاکر دے دو تو آزاد ہو) ان کی گردنوں کے آزاد کرانے میں خرچ کرنے کو نیک کاموں میں ذکر فرمایا۔ لفظ علیٰ حُبِّہٖ میں جو ضمیر مجرور مضاف الیہ ہے اس کا مرجع مفسرین نے مال کو قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے یہ بھی احتمال نکالا ہے کہ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے اپنے مال کو وجوہِ خیر میں خرچ کرتے ہیں لیکن پہلا معنی دوسرے معنی میں شامل ہو جاتا ہے کیونکہ جو شخص مال کی محبت ہوتے ہوئے مذکورہ وجوہ خیر میں خرچ کرے گا وہ اللہ ہی کی محبت میں خرچ کرے گا۔

افضل الصدقہ

صحیح بخاری (ص ۱۹۱ ج ۱) میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا:
"یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کون سا صدقہ ثواب کے اعتبار سے سب سے بڑا ہے؟
آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ تو ایسے وقت میں صدقہ کرے جبکہ تو تندرست ہو اور خرچ کرتے ہوئے نفس کنجوس بن رہا ہو، تجھے تنگدستی کا ڈر ہو اور مالداری کی امید

لگائے بیٹھا ہو اور صدقہ کرنے میں تو اتنی دیر نہ لگا کہ جب روح حلق کو پہنچنے لگے تو تُو کہنے لگے کہ فلاں کو اتنا دینا اور فلاں کو اتنا دینا اب تیرے دینے اور اعلان کرنے سے کیا ہوگا، اب تو فلاں کا ہو ہی چکا۔"

مطلب یہ ہے کہ صدقہ کرنے کا سب سے بڑا مرتبہ یہ ہے کہ تندرستی کے وقت جبکہ مرض الموت میں مبتلا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے لگے تو نفس کہتا ہے کہ خرچ نہ کرو پھر بھی نفس کے تقاضے کو دبا کر خرچ کرتا ہے۔ نفس کہتا ہے کہ خرچ کرو گے تو تنگدستی آجائے گی اور مالدار بننے میں دیر لگے گی پہلے خوب مالدار ہو جاؤ پھر خرچ کرنا لیکن خرچ کرنے والا نفس کی کوئی بات نہیں مانتا۔ اللہ کی رضا کے لئے وجوہ خیر میں خرچ کرتا چلا جاتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ موت کے وقت صدقہ کرنا اور یہ کہنا کہ فلاں کو اتنا دینا، فلاں کو اتنا دینا اس کی وہ حیثیت نہیں جو تندرستی میں خرچ کرنے کی تھی۔ اب دوسروں کو کیا دے رہے ہو اب تو دوسروں کا ہو ہی چکا۔

رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی فضیلت

مال خرچ کرنے کے مصارف خیر بتاتے ہوئے پہلے ذوی القربیٰ کو ذکر فرمایا عربی زبان میں ذوی القربیٰ رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے۔ سنن الترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"مسکین کو صدقہ دینے میں صرف صدقہ کا ثواب ہے اور جس سے رحم کا رشتہ ہو اس کو صدقہ دینے میں دوہرا ثواب ہے۔ (کیونکہ وہ) صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی ہے۔

رشتہ داروں میں سب سے پہلا اور سب سے بڑا رشتہ ماں باپ کا اور اپنی اولاد کا ہے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا جگہ جگہ حکم دیا گیا ہے اور بیوی پر اور اولاد پر خرچ کرنے کی فضیلت بھی وارد ہوئی ہے۔ ان رشتوں کے تعلق سے طبعی تقاضے کے باعث سب ہی خرچ کرتے ہیں لیکن اللہ نے اپنے فضل و کرم سے نہ صرف والدین اور اولاد بلکہ دور اور نزدیک کے دوسرے رشتہ داروں پر خرچ کرنے میں بھی ثواب رکھا ہے۔ اللہ کی رضا مقصود ہو، ریاکاری نہ ہو۔ جن پر خرچ کرے

ان پر احسان نہ جتائے طعن و تشنیع نہ کرے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے افضل خرچ کرنا اس دینار کا ہے جو تُو اپنے گھر والوں پر خرچ کرے اور وہ دینار جسے تُو اپنے ساتھیوں پر جہاد میں خرچ کرے (یہ صدقہ سب سے زیادہ افضل صدقہ ہے)۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۲۲)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

" مسلمان آدمی کا اپنے گھر والوں پر ثواب سمجھتے ہوئے خرچ کرنا صدقہ ہے (اس میں بھی ثواب ہے)۔" (صحیح بخاری ص ۴۴۲)

بلکہ خرچ کرنے میں ان لوگوں کا سب سے پہلے دھیان رکھنے کا حکم فرمایا جو اپنے عیال میں ہوں۔" (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷۰)

یتیموں پر مال خرچ کرنے کی فضیلت

ذوی القربیٰ کے بعد یتامیٰ پر خرچ کرنے کا ذکر فرمایا۔ یہ یتیم کی جمع ہے۔ یتیم ان نابالغ بچوں کو کہا جاتا ہے جن کا باپ زندہ نہ ہو۔ عموماً ایسے بچّے حاجت مند ہوتے ہیں۔ ان پر خرچ کرنے کا خصوصی خیال رکھا جائے۔ اخراجات کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بھی ان کی دلداری کی جائے۔ سنن ترمذی میں ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ:

" جس نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اور صرف اللہ کی رضا کے لئے ایسا کیا تو ہر بال جس پر اس کا ہاتھ گزرے گا اس کے عوض نیکیاں ملیں گی۔"

اور صحیح بخاری میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

" میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ساتھ ہوں گے۔" اس موقع پر آپؐ نے اپنی انگلیاں (انگوٹھے کے پاس والی اور بیچ والی) ساتھ ملا کر دکھائیں۔

آج کل لوگوں میں یہ رواج ہو گیا ہے کہ وہ یتیموں پر اپنا مال تو کیا خرچ کرتے انہیں کا مال کھا جاتے ہیں، باپ کی میراث میں سے جو حصّہ ان کو ملتا ہے اس کو دبا لیتے ہیں۔ اپنے نام یا اپنی اولاد کے نام کروا لیتے ہیں۔"

مساکین پر خرچ کرنا

پھر مساکین پر مال خرچ کرنے کا ذکر فرمایا جن لوگوں کے پاس کچھ بھی نہ ہو اس کو مسکین کہا جاتا ہے ان میں بہت سے وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی حاجت کو کسی پر ظاہر نہیں کرتے دکھ تکلیف میں بھوکے پیاسے وقت گزار لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر خرچ کرنے کا بہت زیادہ ثواب ہے جن کو سوال کرنے کی عادت ہوتی ہے وہ تو سوال کر کے اپنی حاجت پوری کر لیتے ہیں لیکن آبرومند آدمی سوال نہیں کرتا ایسے لوگوں کی تلاش رکھنی چاہیئے۔ صحیح بخاری (ص ۲۰۰ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"مسکین وہ نہیں ہے جو (سوال کرنے کے لئے) لوگوں کے پاس چکر لگاتا ہے جسے ایک لقمہ اور دو لقمہ یا ایک کھجور اور دو کھجوریں واپس کر دیتی ہیں۔ یعنی کوئی دیتا ہے کوئی نہیں دیتا (لیکن واقعی) مسکین وہ ہے جو ایسی چیز نہیں پاتا جو اسے بے نیاز کرے اور اس کا پتہ بھی نہیں چلتا کہ اس پر صدقہ کیا جائے اور وہ سوال کرنے کے لئے بھی کھڑا نہیں ہوتا۔"

سورۂ بلد میں فرمایا:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَآ	(سو کیوں وہ گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا اور
اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ	اے مخاطب تجھے معلوم ہے گھاٹی کیا ہے؟
رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ	گردن کا چھڑانا یا بھوک کے دن میں کسی
مَسْغَبَةٍ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ	رشتہ دار یتیم کو یا کسی خاک نشین
اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۔	کو کھانا کھلانا۔)

اس میں غلاموں کی آزادی میں مدد دینے اور یتیم اور مسکین کو کھانا کھلانے کو گھاٹی کے پار کرنے سے تعبیر فرمایا کیونکہ یہ چیزیں نفس پر شاق ہیں۔

مسافر پر مال خرچ کرنا

پھر ابن سبیل پر خرچ کرنے کا ذکر فرمایا۔ عربی زبان میں ابن سبیل مسافر کو کہا جاتا ہے۔ بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ مسافر کے پاس سفر میں خرچہ ختم ہو جاتا ہے یا مال چوری ہو جاتا ہے

یا جیب تراش کر رقم نکال لی جاتی ہے ایسے لوگوں کا حال معلوم ہو جائے تو ان پر خرچ کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ ضروری نہیں کہ یہ لوگ حاجت کا اظہار کریں تب ہی دیا جائے کسی طرح بھی ان کی حاجت معلوم ہو جائے تو ان کی مدد کر دی جائے۔ مسافر کے گھر پر جس قدر بھی مال ہو اور اپنے اموال و املاک جائیداد کی وجہ سے غنی ہو لیکن سفر میں حاجت مند ہو گیا تو اس پر خرچ کر کے ثواب لیا جائے۔

سوال کرنے والوں کو دینے کا حکم

پھر سوال کرنے والوں کو دینے کا ذکر فرمایا۔ ان لوگوں میں کئی قسم کے لوگ ہوتے ہیں ان میں واقعی ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔ ان کو تو دینا ہی چاہیئے اور ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے بارے میں یقین تو نہیں کہ وہ حاجت مند ہو گا لیکن اس کا ظاہر حال اور غالب گمان سے ضرورت مند ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ان کو بھی دینا درست ہے۔

بھیک مانگنے کا پیشہ اختیار کرنے کی ممانعت

مجبوری میں بھوک دفع کرنے اور کسی واقعی حاجت کے پورا کرنے کے لئے کوئی مانگ لے تو اس کی گنجائش ہے لیکن اس کو پیشہ بنا لینا کسی طرح بھی درست نہیں۔ جن کو سوال کی عادت ہوتی ہے وہ مانگتے رہتے ہیں۔ مال جمع کرتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو نہ دیا جائے۔ دنیا میں تو سوال کرنے والے بے آبرو ہوتے ہی ہیں قیامت کے دن بھی بے آبرو ہوں گے۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ:

"جس نے لوگوں سے ان کے مالوں کا سوال اس لئے کیا کہ مال زیادہ جمع ہو جائے تو وہ آگ کے انگاروں کا سوال کرتا ہے جو دوزخ میں اسے ملیں گے۔ اب چاہے کم کرے یا زیادہ کرے۔"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

"انسان دنیا میں برابر سوال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ قیامت میں اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہ ہوگی۔" (صحیح بخاری ص ۱۹۹ ج ۱)

اس کا چہرہ دیکھ کر لوگ سمجھ لیں گے کہ یہ دنیا میں سائل تھا وہاں اپنے چہرے کی آبرو کھوئی تو یہاں بھی اسی کا ظہور ہوا۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"غنی کو اور ٹھیک ٹھاک بدن والے قوی آدمی کو سوال کرنا حلال نہیں ہے۔ الا یہ کہ ایسا مجبور ہو کہ تنگدستی نے اسے مٹی میں ملا رکھا ہو (یعنی زمین کی مٹی کے سوا اس کے پاس کچھ نہ ہو) یا قرضے میں مبتلا ہو گیا ہو جو ذلیل کرنے والا ہو اور جس شخص نے مال زیادہ کرنے کے لئے لوگوں سے سوال کیا تو اس کا مال قیامت کے دن اس کے چہرے سے اس طرح ظاہر ہوگا کہ اس کا چہرہ چھلا ہوا ہوگا اور یہ مال آگ سے بنا ہوا ہوگا جس کو جہنم سے لے کر کھاتا ہوگا اب جی چاہے تو کمی کرے اور چاہے تو زیادتی کرے۔" (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۶۳)

ہر شخص کو اپنی اپنی ذمہ داری بتادی گئی۔ مانگنے والا مانگنے سے پرہیز کرے اور جس سے مانگا جائے وہ موقع دیکھ کر خرچ کرے۔ سائل کو جھڑکے بھی نہیں۔ کیا معلوم مستحق ہی ہو اور خود دفکر بھی کرے حاجت مندوں کو تلاش بھی کرے۔

مسئلہ: جو شخص مسجد میں سوال کرتا ہو اسے نہ دے۔

غلاموں کی آزادی میں مال خرچ کرنا

مال خرچ کرنے کے سلسلہ میں سب سے آخر میں وفی الرقاب فرمایا۔ رقاب رقبۃ کی جمع ہے۔ رقبہ گردن کو کہتے ہیں۔ مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں (صفحہ ۲۰۸ جلد ۱) کہ فی الرقاب سے مکاتبوں کے آزاد کرانے میں مدد دینا مراد ہے۔ جو غلام کسی کی ملکیت میں ہو اور اس کا آقا کہہ دے کہ اتنا مال دے دو تو تم آزاد ہو اس کو مکاتب کہا جاتا ہے۔ ان کو مال دے کر آزاد کرا دینا بھی وجوہ خیر میں سے ہے اور ثواب کا کام ہے۔ مفسر بیضاوی لکھتے ہیں (ص ۱۲۴ ج ۱) کہ قیدیوں کی جانوں کا فدیہ دے کر ان کو چھڑا لینا یا غلام خرید کر آزاد کر دینا بھی اس کے عموم میں شامل ہے۔ جب کبھی مسلمان اللہ کے لئے جنگ کرتے تھے اور شریعت کے مطابق جہاد اور قتال ہوتا تھا، اس وقت غلام اور باندیوں کے مالک ہوتے تھے۔ اب نہ اللہ کے لئے جہاد ہے نہ غلام ہیں نہ باندیاں ہیں۔ کوئی انسان کسی انسان کا مالک نہیں ہے پھر جب کبھی مسلمان اللہ کے لئے جنگ کریں گے اور اصول شریعت پر لڑیں گے تو پھر غلام باندیاں قبضہ میں آئیں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا

مال خرچ کرنے کے مواقع ذکر فرما کر فرمایا۔ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ اور تقویٰ کے کاموں میں یہ بھی ہے کہ فرض نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کا بیان پہلے بھی آچکا ہے اوپر مال کے مصارفِ خیر بیان فرما کر نماز کے ساتھ زکوٰۃ کو بھی ذکر فرمایا۔ مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ پہلے مصارف زکوٰۃ بیان کئے اور پھر زکوٰۃ کی ادائیگی پر متوجہ فرمایا۔ پھر لکھتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے جو وجوہ خیر بیان کی ہیں ان سے نفلی صدقات مراد ہوں اور نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر فرمانے میں اس کی فرضیت بتانا مقصود ہو۔

عہد پورا کرنا

نیکی اور تقویٰ کے کام بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا اور اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے جبکہ وہ عہد کریں۔ ایفائے عہد کی شریعتِ مطہرہ میں بڑی اہمیت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ:

"بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا ہو اور یہ نہ فرمایا ہو کہ اَلَا لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ (خبردار اس کا کوئی ایمان نہیں جو امانت دار نہیں اور اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کا پورا نہیں)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۵ عن شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"جس شخص کے اندر چار خصلتیں ہوں گی خالص منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے ایک خصلت ہوگی تو یوں مانا جائے گا کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک کہ اسے چھوڑ نہ دے۔

(۱) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

(۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

(۳) جب عہد کرے تو دھوکہ دے۔

(۴) جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔" (صحیح بخاری ص ۱۰ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"بلاشبہ دھوکہ دینے والے کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی دھوکہ بازی (کا جھنڈا) ہے اور اس جھنڈے کے ذریعہ اسے پہچانا جائے گا۔" (صحیح بخاری ص ۴۵۲ ج ۱)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"قیامت کے دن ہر دھوکہ دینے والے کے لئے ایک جھنڈا ہوگا جو اس کے پیچھے اس کے دھڑ پر کھڑا ہوا ہوگا اور جتنا بڑا اس کا غدر (دھوکہ) ہوگا اسی قدر وہ جھنڈا اونچا ہوگا (پھر فرمایا) خبردار اس سے بڑھ کر بڑا دھوکے باز کوئی نہیں جو عوام کا امیر ہو اور اس نے دھوکہ دیا ہو۔" (صحیح مسلم ص ۸۳ ج ۲)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"جس کسی بندہ کو اللہ تعالیٰ کسی رعیت کا راعی بنادے (یعنی صاحب اقتدار بنا کر عوام کی نگرانی اور خیرخواہی اس کے سپرد کردے) پھر وہ اس کی خیرخواہی نہ کرے تو وہ شخص جنّت کی خوشبو نہ سونگھے گا۔" (صحیح بخاری ص ۱۰۵۸ ج ۲)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"جو شخص مسلمانوں کی کسی جماعت کا والی ہو اور ان کی نگرانی اور نگہداشت اس کے ذمہ ہو پھر وہ اس حال میں مر جائے کہ وہ ان کے ساتھ خیانت کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنّت حرام فرمادے گا۔" (صحیح بخاری ص ۱۰۵۹ ج ۲)

جو لوگ بڑے بڑے وعدے کرکے حکومت حاصل کرتے ہیں یا حکومت کے چھوٹے بڑے عہدوں پر فائز ہوتے ہیں پھر وہ عوام کے ساتھ غدر کرتے ہیں اور سارے عہد و پیمان توڑ دیتے ہیں، ان لوگوں کے حق میں یہ کیسی وعیدیں ہیں غور کرلیں۔

مسئلہ: اگر کافروں سے کوئی معاہدہ ہو تو اس کا پورا کرنا بھی لازم ہے۔ جب کسی قوم سے کوئی معاہدہ ہو اور ان کی طرف سے خیانت کا ڈر ہو اور اس کے ختم کرنے میں مصلحت ہو تو پہلے یہ بتائیں کہ ہمارا عہد باقی نہیں رہا۔ اس کے بعد کوئی نئی کارروائی کرسکتے ہیں جو معاہدہ کی شرطوں کے خلاف ہو۔

سورۂ انفال میں ارشاد فرمایا:

وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ۔

اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو آپ وہ عہد ان کو اس طرح واپس کر دیجئے کہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنیوالوں کو پسند نہیں فرماتے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"جس نے کسی ایسے شخص کو قتل کیا جس سے امان اور حفاظتِ جان کا وعدہ تھا تو وہ جنت کی خوشبو تک نہ سونگھے گا۔" (صحیح بخاری ص ۴۴۸ ج ۱)

ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"رحمت صرف اس شخص کے دل سے نکال لی جاتی ہے جو واقعی بدبخت ہو۔" (رواہ احمد والترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔" (رواہ ابوداؤد والترمذی)

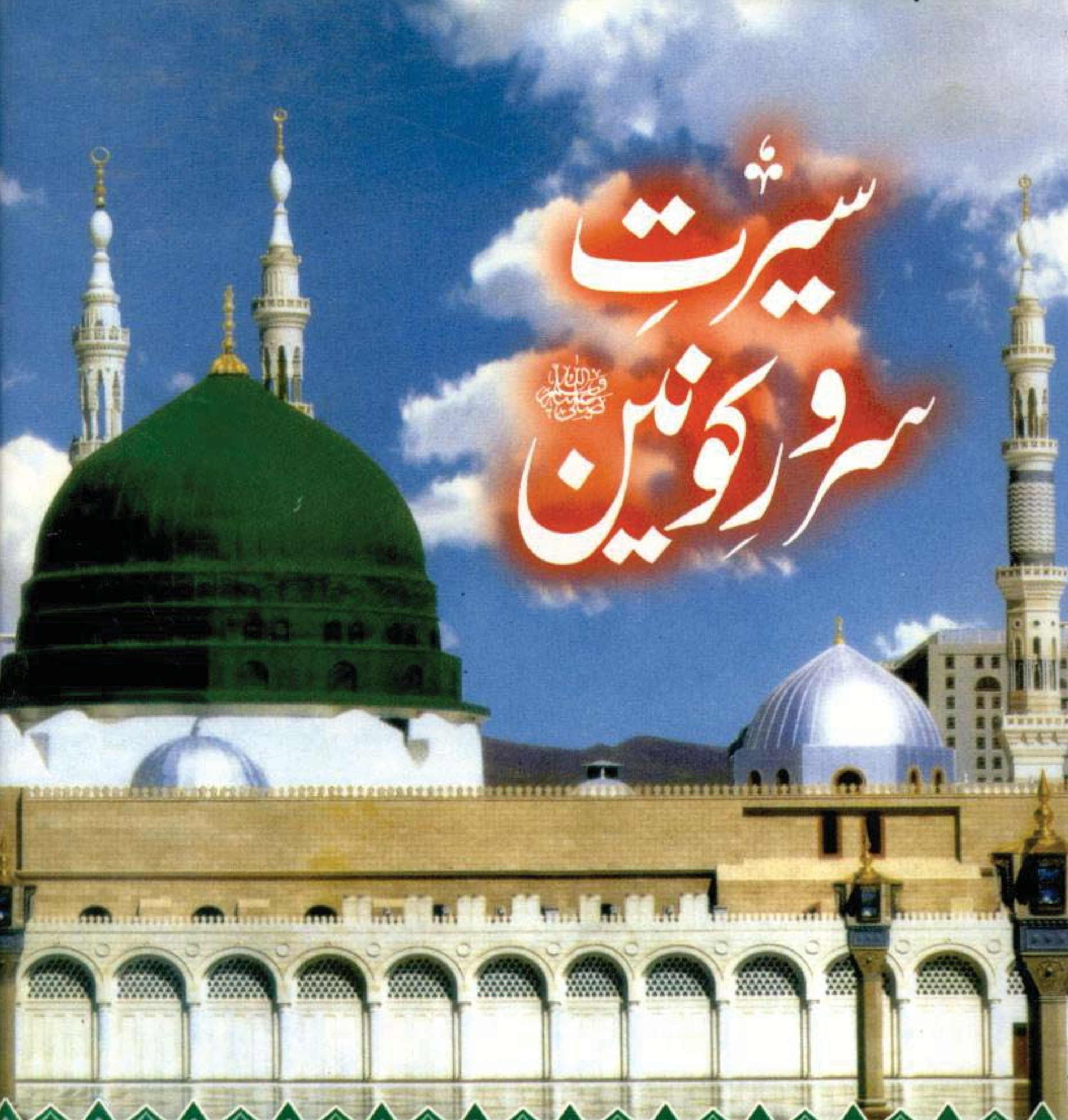
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے اور اچھی باتوں کا حکم نہ کرے اور برائیوں سے نہ روکے۔" (رواہ الترمذی)

اے مسلمانو! ارحم الراحمین جل مجدہ کے بندے ہو، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہو، رحمت اور شفقت والے بنو، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنایا۔

اے رب تو کریمی و رسول تو کریم
صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

کتابت: محمد اشرف طوفؔ



سیرتِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴